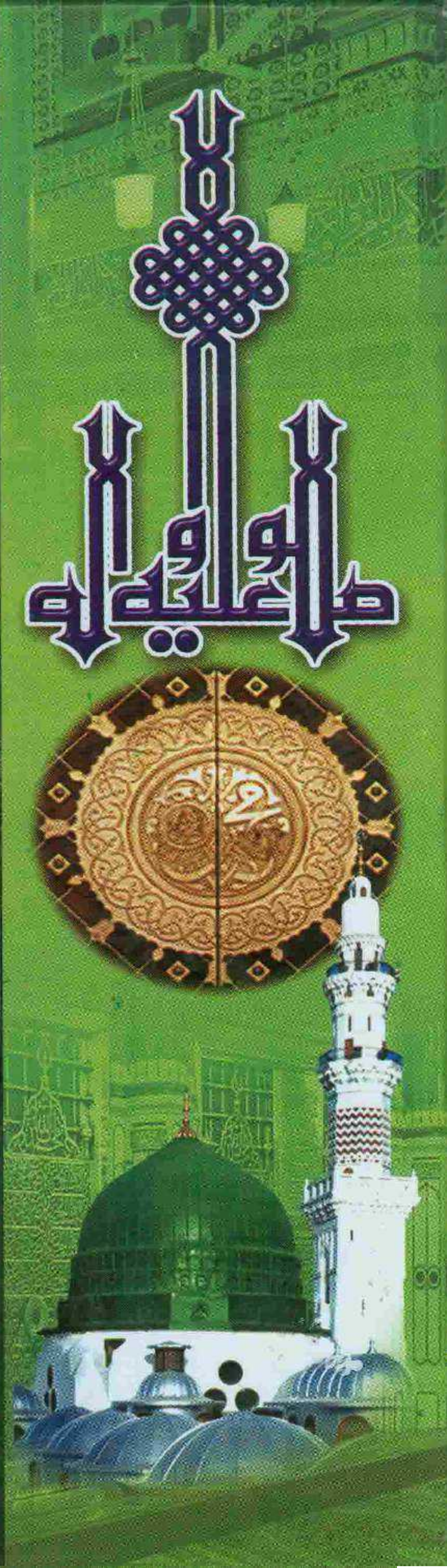
مرآۃ المناجیح

شرح

مشکوٰۃ المصابیح

3



ترتیب و تدوین

علامہ ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب العمری التبریزی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم و شارح

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

قادری پبلشرز

اردو بازار - لاہور

مرآۃ المناجیح

شرح

مشکوٰۃ المصابیح

جلد سوم

ترتیب و تہذیب

علامہ ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب العمری التبریزی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم و شارح

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

قادری پبلشرز

اردو بازار - لاہور

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب ------------ مراۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح (جلد سوئم)

ترتیب وتدوین ------------ امام شیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب العمری التبریزی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم وشارح ------------ حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

کمپوزنگ ------------ ورڈز میکر

مطبع ------------ اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور

شبیر برادرز
زبیدہ سنٹر ۴۰ اردو بازار لاہور
فون: 042-37246006

بسم الله الرحمن الرحيم

بحضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم

بلغ العلیٰ بکمالہ
کشف الدجیٰ بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ
صلوا علیہ وآلہ

علیہ الصلوٰۃ والسلام

کلامِ شیخ سعدی

کتبہ گوہر قلم

فہرست مرأت المناجیح

(جلد سوم)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

کِتَابُ الزَّکٰوۃِ

زکوۃ کا بیان

اَلۡفَصۡلُ الۡاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنِ ابۡنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوۡلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُعَاذًا اِلَی الۡیَمَنِ فَقَالَ اِنَّکَ تَاۡتِیۡ قَوۡمًا اَھۡلَ کِتَابٍ فَادۡعُھُمۡ اِلٰی شَہَادَۃِ اَنۡ لَّا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوۡلُ اللّٰہِ فَاِنۡ ھُمۡ اَطَاعُوۡا لِذٰلِکَ فَاَعۡلِمۡھُمۡ وَاَنَّ اللّٰہَ قَدۡ فَرَضَ عَلَیۡہِمۡ خَمۡسَ صَلٰوتٍ فِیۡ الۡیَوۡمِ وَّاللَّیۡلَۃِ فَاِنۡ ھُمۡ اَطَاعُوۡا لِذٰلِکَ فَاَعۡلِمۡھُمۡ اَنَّ اللّٰہَ قَدۡ فَرَضَ عَلَیۡہِمۡ صَدَقَۃً تُؤۡخَذُ مِنۡ اَغۡنِیَائِھِمۡ فَتُرَدُّ عَلٰی فُقَرَآئِھِمۡ فَاِنۡ ھُمۡ اَطَاعُوۡا لِذٰلِکَ فَاِیَّاکَ وَکَرَآئِمَ اَمۡوَالِھِمۡ وَاتَّقِ دَعۡوَۃَ الۡمَظۡلُوۡمِ فَاِنَّہٗ لَیۡسَ بَیۡنَھَا وَبَیۡنَ اللّٰہِ حِجَابٌ (مُتَّفَقٌ عَلَیۡہِ)

(۱۶۸۰) روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن کی طرف روانہ کیا تو فرمایا کہ تم اہل کتاب قوم کے پاس جاتے ہو۲ تو انہیں اس گواہی کی دعوت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یقینًا محمد اللہ کے رسول ہیں۳ اگر وہ اس میں فرماں برداری کریں تو انہیں بتانا کہ اللہ نے ان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض فرمائیں۴ پھر اگر وہ مان جائیں تو انہیں سکھانا کہ اللہ نے ان پر زکوۃ فرض کی ہے۵ جو ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور انہی کے فقیروں پر لوٹائی جائے گی۶ پھر اگر یہ بھی مان لیں تو ان کے بہترین مالوں سے بچنا۷ اور ستم رسیدہ کی بددعا سے ڈرنا کہ اس کے اور رب کے درمیان کوئی آڑ نہیں۸۔ (مسلم بخاری)

(۱۶۸۰) ۱؎ زکوۃ کے لغوی معنٰی ہیں پاکی اور بڑھنا،رب تعالٰی فرماتا ہے: قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَکّٰی چونکہ زکوۃ کی برکت سے نفس انسانی بخل کے میل سے پاک وصاف ہوتا ہے نیز اس کی وجہ سے مال میں برکت ہوتی ہے اس لئے اسے زکوۃ کہتے ہیں،زکوۃ کا سبب بڑھنے والا مال ہے اور اس کے شرائط اسلام،آزادی،عقل،بلوغ اور قرض سے مال کا خالی ہونا ہے لہذا کافر،غلام،بچے اور دیوانے پر زکوۃ فرض نہیں،حق یہ ہے کہ زکوۃ کا اجمالی حکم ہجرت سے پہلے آیا اور اس کی تفصیل ۱۱ھ میں بیان ہوئی۔لہذا آیات قرآنیہ میں تعارض نہیں۔کل چار مالوں میں زکوۃ فرض ہے: سونا چاندی،مال تجارت،جنگل میں چرنے والے جانور،زمینی پیداوار (از مرقاۃ و اشعۃ) تفصیل احکام کتب فقہ میں دیکھو۔پیداوار کی زکوۃ دسواں یا بیسواں حصہ ہے،باقی مال تجاوت وسونے چاندی کا چالیسواں حصہ ہے۔ ۲؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا،اور خود بنفس نفیس انہیں ثنیۃ الوداع تک پہنچانے گئے حضرت معاذ بحکم سرکار سواری پر تھے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پیدل،ان سے جدا ہوتے وقت فرمایا کہ اب تم میری قبر پر آؤ گے اور مجھے نہ پاؤ گے،جس پر حضرت معاذ بہت روئے،خیال رہے کہ حضرت معاذ یمن پر جہاد کرنے نہیں جارہے تھے،وہ تو پہلے ہی قبضہ میں آچکا تھا بلکہ وہاں کے حاکم بن کر۔ ۳؎ اگرچہ یمن میں اہل کتاب بھی تھے اور مشرکین بھی مگر چونکہ اہل کتاب مشرکین سے بہتر ہیں اس لیے خصوصیت سے ان کا ذکر فرمایا۔ ۴؎ یعنی صرف مشرکین کو لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ کی دعوت دو اور تمام کفار کو مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ کی کیونکہ مشرکین توحید کے منکر ہیں اور باقی موحد کفار و اہل کتاب توحید کے تو

قائل ہیں مگر رسالت مصطفوی کے منکر' علامہ شامی فرماتے ہیں کہ ہر کافر کو مسلمان بناتے وقت وہ ہی چیز پڑھائی جائے جس کا وہ منکر ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کفار شرعی احکام کے مکلّف نہیں اور یہ کہ کفار کو اسلام پر مجبور نہ کیا جائے گا لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ (۲:۲۵۶) کچھ زبردستی نہیں دین میں (کنزالایمان) اور یہ کہ تبلیغ نرمی وخوش اخلاقی سے چاہیے اور یہ کہ ذمی کفار کو تبلیغ اسلام کرنا سنت ہے اور یہ کہ حکام اور آفیسران صرف ملکی انتظام ہی نہ کریں بلکہ دینی تبلیغ بھی کریں' حاکم مبلغ بھی ہونا چاہیے اور یہ کہ آفیسران و حکام خود بھی شرعی احکام سے واقف ہونے چاہئیں' ورنہ وہ تبلیغ نہیں کر سکتے۔ ۵؎ یعنی جب وہ مسلمان ہو جائیں تو انہیں نماز کے احکام سناؤ سکھاؤ چونکہ اسلام میں سارے احکام سے پہلے نماز کا حکم آیا' نیز یہ عبادت بدنی ہے' نیز یہ ہر مسلمان پر فرض ہے' اس لیے کلمہ پڑھانے کے بعد ہی اس کا ذکر فرمایا خیال رہے کہ یہاں نماز جنازہ' عیدین' وتر وغیرہ کا ذکر نہ فرمایا' صرف پانچ نمازوں کا فرمایا' یا تو اس وقت ان کا حکم نہ ہوا تھا یا وہ چیزیں پانچ نمازوں کے تابع فرما دی گئیں یا یہاں تمام احکام شرعیہ کا ذکر نہیں ہے خاص خاص کا ہے اسی لیے روزے کا ذکر نہیں زکوٰۃ کا ہے' حالانکہ روزہ زکوٰۃ سے پہلے فرض ہو چکا تھا' لہٰذا اس حدیث کی بنا پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ نماز عید یا وتر واجب نہیں اور نہ یہ حدیث حنفیوں کے خلاف ہے۔ ۶؎ یہاں اِنْ بمعنی اِذَا ہے یعنی جب وہ نماز کے احکام سیکھ لیں تو زکوٰۃ کے احکام سکھاؤ' آہستگی سے تبلیغ کرو کہ انہیں سکھانا مقصود ہے نہ صرف بتا دینا' حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ اگر وہ مسلمان ہونے کے بعد نماز کی فرضیت سے انکار کر دیں تو زکوٰۃ نہ سکھانا' کیونکہ مسلمان کا نماز سے انکار کرنا ارتداد ہے اور کسی کو مرتد ہو جانے کی اجازت نہیں' لہٰذا حدیث پر کوئی بھی اعتراض نہیں اور زکوٰۃ کیلئے نماز شرط ہے۔ ۷؎ یعنی ہم ٹیکس کی طرح تم سے زکوٰۃ وصول کر کے مدینہ منورہ نہ لے جائیں گے اور خود نہ کھائیں گے تاکہ تم سمجھو کہ اسلام کی اشاعت کھانے کمانے کیلئے ہے' بلکہ تمہارے مالداروں سے زکوٰۃ لے کر تمہارے ہی فقراء کو دے دی جائے گی۔ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے' ایک یہ کہ کافر زکوٰۃ نہیں دے سکتے' دوسرے یہ کہ بلاسخت مجبوری ایک جگہ کی تمام زکوٰۃ دوسری جگہ منتقل نہ کی جائے' تیسرے یہ کہ مالدار صاحب نصاب زکوٰۃ نہیں لے سکتا' جیسا کہ لفظ فقراء اور ضمیر ہم سے معلوم ہوا ضرورۃً زکوٰۃ کو منتقل کرنا بالکل جائز ہے جیسے کہ غنی کے اہل قرابت فقیر دوسرے شہر میں رہتے ہوں' یا دوسری جگہ سخت فقر وتنگدستی ہو' یا دوسری جگہ صدقہ کا ثواب زیادہ ہو لہٰذا اپنی کچھ زکوٰۃ مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ بھجوانا جیسا کہ آج کل رواج ہے بالکل جائز ہے خیال رہے کہ یہاں اغنیاء سے مراد بالغ عاقل مالدار مراد ہیں کیونکہ نماز کی طرح زکوٰۃ بھی بچے اور دیوانے پر فرض نہیں' یہ بھی خیال رہے کہ باطنی مال یعنی سونے چاندی وغیرہ کی زکوٰۃ خود غنی ہی ادا کرے گا اور ظاہری مال جانور پیداوار کی زکوٰۃ حاکم اسلام وصول کر کے اپنے انتظام سے خرچ کرے گا۔ یہاں تُؤْخَذُ میں دونوں صورتیں داخل ہیں۔ ۸؎ یعنی زکوٰۃ میں ان کے بہترین مال نہ وصول کرو بلکہ درمیانی مال لو ہاں اگر خود مالک ہی بہترین اپنی خوشی سے دے تو اس کی مرضی' لہٰذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (۳:۹۲) اس جملہ سے اشارۃً معلوم ہوا کہ ہلاک شدہ کی زکوٰۃ نہ لی جائے گی کیونکہ اموالہم ارشاد ہوا۔ ۹؎ یعنی اے معاذ تم حاکم بن کر یمن جا رہے ہو وہاں کسی پر ظلم نہ کرنا' نہ بدنی ظلم نہ مالی' نہ زبانی' کیونکہ اللہ تعالٰی مظلوم کی بہت جلد سنتا ہے اس میں درحقیقت تا قیامت حکام کو عدل کی تعلیم ہے' ورنہ صحابہ کرام ظلم نہیں کرتے' حضرت سلیمان علیہ السلام کی چیونٹی نے کہا تھا لَا یَحْطِمَنَّکُمْ سُلَیْمٰنُ وَجُنُوْدُہٗ لا وَہُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ (۲۷:۱۸) تمہیں کچل نہ ڈالیں سلیمان اور ان کے لشکر بے خبری میں (کنزالایمان) چیونٹی کا عقیدہ تھا کہ پیغمبر کے صحابہ چیونٹی پر بھی ظلم نہیں کرتے لہٰذا اس حدیث سے صحابہ کا ظالم ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔

وَعَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ (۱۶۸۱) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ صَاحِبِ ذَهَبٍ وَّلَا فِضَّةٍ لَّايُؤَدِّىْ مِنْهَا حَقَّهَا اِلَّا اِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ صُفِّحَتْ لَهٗ صَفَائِحُ مِنْ نَّارٍ فَاُحْمِىَ عَلَيْهَا فِىْ نَارِ جَهَنَّمَ فَيُكْوٰى بِهَا جَنْبُهٗ وَجَبِيْنُهٗ وَظَهْرُهٗ كُلَّمَا رُدَّتْ اُعِيْدَتْ لَهٗ فِىْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰى يُقْضٰى بَيْنَ الْعِبَادِ فَيَرٰى سَبِيْلَهٗ اِمَّا اِلَى الْجَنَّةِ وَاِمَّا اِلَى النَّارِ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللهِ فَالْاِبِلُ قَالَ وَلَا صَاحِبُ اِبِلٍ لَّا يُؤَدِّىْ مِنْهَا حَقَّهَا وَمِنْ حَقِّهَا فَصِيْلاً وَّيَوْمَ وِرْدِهَا اِلَّا اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ بُطِحَ لَهَا بِقَاعٍ قَرْقَرٍ اَوْ فَرَمَا كَانَتْ لَا يَفْقِدُ مِنْهَا فَصِيْلاً وَّاحِدًا تَطَؤُهٗ بِاَخْفَافِهَا وَتَعُضُّهٗ بِاَفْوَاهِهَا كُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ اُوْلٰهَا رُدَّ عَلَيْهِ اُخْرٰهَا فِىْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰى يُقْضٰى بَيْنَ الْعِبَادِ فَيَرٰى سَبِيْلَهٗ اِمَّا اِلَى الْجَنَّةِ وَاِمَّا اِلَى النَّارِ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللهِ فَالْبَقَرُ وَالْغَنَمُ قَالَ وَلَا صَاحِبُ بَقَرٍ وَّلَا غَنَمٍ لَّايُؤَدِّىْ مِنْهَا حَقَّهَا اِلَّا اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ بُطِحَ لَهَا بِقَاعٍ قَرْقَرٍ لَّا يَفْقِدُ مِنْهَا شَيْئًا لَّيْسَ فِيْهَا عَقْصَآءُ وَلَا جَلْحَآءُ وَلَا عَضْبَاءُ تَنْطَحُهٗ بِقُرُوْنِهَا وَتَطَؤُهٗ بِاَظْلَافِهَا كُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ اُوْلٰهَا رُدَّ عَلَيْهِ اُخْرٰهَا فِىْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰى يُقْضٰى بَيْنَ الْعِبَادِ فَيَرٰى سَبِيْلَهٗ اِمَّا اِلَى الْجَنَّةِ وَاِمَّا اِلَى النَّارِ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللهِ فَالْخَيْلُ قَالَ فَالْخَيْلُ ثَلٰثَةٌ هِىَ لِرَجُلٍ وِّزْرٌ وَّهِىَ لِرَجُلٍ سِتْرٌ وَّهِىَ لِرَجُلٍ اَجْرٌ فَاَمَّا الَّتِىْ هِىَ لَهٗ وِزْرٌ فَرَجُلٌ رَّبَطَهَا رِيَاءً وَّفَخْرًا وَّنِوَاءً عَلٰى اَهْلِ الْاِسْلَامِ فَهِىَ لَهٗ وِزْرٌ وَّاَمَّا الَّتِىْ هِىَ لَهٗ سِتْرٌ فَرَجُلٌ رَّبَطَهَا فِىْ سَبِيْلِ اللهِ لَمْ يَنْسَ حَقَّ اللهِ فِىْ ظُهُوْرِهَا وَلَا رِقَابِهَا

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایسا کوئی سونے چاندی والا نہیں جو اس کا حق (زکوٰۃ) ادا نہ کرے ۱ مگر جب قیامت کا دن ہوگا تو اس کے لیے آگ کے پترے بنائے جائیں گے پھر ان پر دوزخ کی آگ میں دھونکا جائے گا ۲ جس سے اس کے پہلو پیشانی اور پیٹھ داغی جائے گی ۳ جب بھی لائے جائیں گے تو لوٹائے جائیں گے ۴ یہ دن بھر ہوتا رہے گا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے حتیٰ کہ بندوں میں فیصلہ کردیا جائے ۵ تو یہ جنت یا دوزخ کا اپنا راستہ دیکھے ۶ عرض کیا گیا یارسول اللہ تو اونٹ ۷ فرمایا ایسا کوئی اونٹ والا نہیں جو ان کا حق ادا نہ کرے اور ان کا حق انہیں دوہنا بھی ہے انہیں گھاٹ پر لانے کے دن ۸ مگر جب قیامت کا دن ہوگا تو یہ ان اونٹوں کے سامنے کھلے میدان میں اوندھا ڈالا جائے گا جن میں سے ایک بچہ بھی کم نہ ہوگا یہ اونٹ اسے اپنے سم سے روندیں گے اور اپنے منہ سے کاٹیں گے ۹ جب اس پر پہلا اونٹ گزرے گا تو پچھلا اونٹ واپس ہوگا ۱۰ یہ اس دن ہوتا رہے گا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے حتیٰ کہ بندوں کے درمیان فیصلہ کردیا جائے تو یہ اپنا راستہ جنت یا دوزخ کی طرف دیکھے عرض کیا گیا یا رسول اللہ پھر گائے بکریاں ۱۱ فرمایا ایسا کوئی گائے اور بکریاں والا نہیں جو ان کا حق (زکوٰۃ) نہ دیتا ہو ۱۲ مگر جب قیامت کا دن ہوگا تو ان کے سامنے کھلے میدان میں الٹا ڈالا جائے گا جن میں سے کوئی جانور کم نہ ہوگا ان میں نہ تو کوئی ٹیڑھے سینگ والا نہ بنڈا ۱۳ یہ اسے اپنے سینگوں سے گھونپیں اور کھروں سے روندیں گے ۱۴ جب بھی پہلا گزرے گا تو پچھلا واپس ہوگا یہ اس دن ہوتا رہیگا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے حتیٰ کہ بندوں کے درمیان فیصلہ کردیا جائے ۱۵ تو یہ اپنا راستہ جنت یا دوزخ کی طرف دیکھے عرض کیا گیا یارسول اللہ تو گھوڑا فرمایا کہ گھوڑے تین طرح کے ہیں ۱۵ ایک کیلئے گھوڑا گناہ ہے دوسرے کیلئے آڑ تیسرے کیلئے ثواب ۱۷ جس کیلئے گھوڑا گناہ ہے وہ تو وہ شخص ہے جو دکھلاوے شیخی اور مسلمانوں کی عداوت کیلئے گھوڑا باندھے اس کیلئے گناہ ۱۸

فَهِيَ لَهُ سِتْرٌ وَّاَمَّا الَّتِيْ هِيَ لَهُ اَجْرٌ فَرَجُلٌ رَّبَطَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لِاَهْلِ الْاِسْلَامِ فِيْ مَرْجٍ وَّرَوْضَةٍ فَمَا اَكَلَتْ مِنْ ذٰلِكَ الْمَرْجِ اَوِ الرَّوْضَةِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا كُتِبَ لَهُ عَدَدَ اَرْوَاثِهَا وَاَبْوَالِهَا حَسَنٰتٌ وَّلَا تَقْطَعُ طِوَلَهَا فَاسْتَنَّتْ شَرَفًا اَوْ شَرَفَيْنِ اِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ عَدَدَ اٰثَارِهَا وَاَرْوَاثِهَا حَسَنَاتٍ وَّلَا مَرَّبِهَا صَاحِبُهَا عَلٰى نَهْرٍ فَشَرِبَتْ مِنْهُ وَلَا يُرِيْدُ اَنْ يَّسْقِيَهَا اِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ عَدَدَ مَا شَرِبَتْ حَسَنَاتٍ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَالْحُمُرُ قَالَ مَا اُنْزِلَ عَلَيَّ فِي الْحُمُرِ شَيْءٌ اِلَّا هٰذِهِ الْاٰيَةُ الْفَاذَّةُ الْجَامِعَةُ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اور جس کیلئے گھوڑا پردہ ہے وہ شخص ہے جو اللہ کی راہ میں مسلمانوں کیلئے گھوڑا باندھے۱۹ پھر اس کی پیٹھ میں اللہ کا حق نہ بھولے۲۰ نہ اس کی گردنوں میں ۲۱ وہ گھوڑے اس کا پردہ ہیں ۲۲ لیکن وہ گھوڑے جو اس کیلئے ثواب ہیں وہ شخص ہے جو اللہ کی راہ میں مسلمانوں کیلئے کسی چراگاہ یا باغ میں باندھے۲۳ تو وہ گھوڑے اس چراگاہ یا باغ میں کچھ نہیں کھاتے مگر جس قدر کھاتے ہیں اسی قدر اس کے حق میں نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور ان کے لید و پیشاب کے برابر نیکیاں لکھی جاتی ہیں ۲۴ اور ایسا نہیں ہوتا کہ وہ گھوڑے اپنی رسی توڑ کر ایک دو ٹیلوں پر چڑھ جائیں مگر اللہ ان کے نشان قدم اور لید کی بقدر نیکیاں لکھتا ہے ۲۵ اور ان کا مالک انہیں لے کر کسی نہر پر نہیں گزرتا جس سے وہ کچھ پی لیں حالانکہ مالک پلانے کا ارادہ بھی نہ کرتا ہو مگر اللہ ان کے پینے کی بقدر نیکیاں لکھتا ہے ۲۶ عرض کیا گیا یا رسول اللہ تو گدھے فرمایا گدھوں کے متعلق اس جامع آیت کے سوا کچھ حکم نازل نہ ہوا جو ذرہ بھر نیکی کرے گا اسے دیکھے گا اور جو ذرہ بھر برائی کرے گا وہ دیکھے گا۔ (مسلم)

(۱۶۸۱)۱؎ ظاہر یہ ہے کہ حق سے مراد زکوٰۃ مفروضہ ہے کیونکہ فطرہ، قربانی یا حقوق العباد ادا نہ کرنے پر وہ وعید نہیں جو یہاں مذکور ہے ۲؎ یعنی اس کا سونا چاندی لوہا سخت گرم پتر بنائے جائیں گے جو گرمی کی وجہ سے گویا آگ ہی ہوں گے، پھر ان گرم پتروں کو اور بھی گرم کرنے کیلئے دوزخ کی آگ میں رکھ کر دھونکا جائے گا' اس کی تشریح قرآن کریم میں یوں ہے: يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ (۹،۳۵) جس دن وہ تپایا جائے گا جہنم کی آگ میں۔ (کنزالایمان) لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ آگ کے پترے نہیں ہوتے نیز آگ کے پتروں کو پھر آگ میں دھونکنا سمجھ میں نہیں آتا ۳؎ چونکہ یہ بخیل فقراء سے منہ موڑ لیتا تھا انہیں دیکھ کر پہلو پھیر کر چل دیتا تھا اس لیے ان دونوں مقام ہی پر داغ لگائے جائیں گے جیسے چور کے ہاتھ کاٹے جاتے ہیں کہ اس نے ان سے ہی چوری کی ۴؎ یعنی یہ پترے جب بھی اس کا بدن داغ کر دوزخ میں پھر لائے جائیں گے تو تپا کر پھر اس کے بدن پر ہی لوٹائے جائیں گے بار بار گرم کر کے لگائے جائیں گے ۵؎ یعنی یہ داغا جانا قیامت کے دن، دن بھر ہوتا رہے گا لوگ اپنے حساب و کتاب میں مشغول ہوں گے اور یہ سزا بھگت رہا ہوگا بعد قیامت سزا جزا علیحدہ ہے اور اس تکلیف کی وجہ سے اسے یہ دن پچاس ہزار سال کا محسوس ہوگا نیک کاروں کو بقدر چار رکعت نماز ۶؎ یعنی بعد قیامت اپنا راستہ جنت یا دوزخ کا دیکھے یا دکھایا جائے' یَرٰی معروف ہے یا مجہول یعنی یہ عذاب تو زکوٰۃ نہ دینے کا ہوا اب اگر اور گناہ نہ ہوں یا ہوں تو ربّ تعالٰی بخش دے تو جنت میں بھیج دے اور اگر نہ بخشے تو ان گناہوں کی سزا میں کچھ عرصہ کیلئے دوزخ میں بھیج دے اس جملہ کی یہ ہی توجیہ قوی ہے ۷؎ یعنی سونے چاندی تو بخیل کو تپا کر لگائے جائیں گے اگر اونٹوں کی زکوٰۃ نہ دی ہو تو ان کی سزا کیا ہے اونٹ تو تپائے نہیں جاتے ۸؎ عرب میں دستور تھا کہ اونٹوں کو ہفتہ میں ایک دوبار پانی پلانے کیلئے گھاٹ یا کنوئیں پر لے جاتے تھے۔ اس دن فقراء کا وہاں مجمع لگ جاتا

تھا' اونٹ والے اونٹنیاں دوہ کر ان فقراء اور مسافروں کو دودھ پلا دیتے تھے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ دودھ پلانا بھی ان اونٹوں کا حق ہے' خیال رہے کہ جانوروں کی زکوٰۃ فرض ہے مگر یہ دودھ پلانا مستحب ہے اور مستحب چھوڑنے پر عذاب نہیں ہوتا لہٰذا یا تو اس سے مضطر فقراء کو دودھ پلانا مراد ہے جن کی بھوک سے جان نکل رہی ہو' یا پہلے یہ فرض تھا اب مستحب ہے جیسے تنگی کے زمانہ یعنی شروع اسلام میں قربانی کا گوشت صرف تین دن رکھنا جائز تھا' مرقات نے فرمایا اس جملہ کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پیاسی اونٹنیوں کو نہ دوہو صرف گھاٹ پر لانے کے دن پانی پلا کر دوہو' یہ بھی خشک سالی کے زمانہ کے احکام میں سے ہے۹ یعنی اس بخیل کی سزا یہ ہوگی کہ اسے ہموار میدان میں اوندھا ڈال کر اس پر اس کے سارے اونٹوں کو گھمایا جائے گا' یہ سب بہت اونچے اور موٹے ہوں گے اسے اپنے پاؤں سے روندیں گے ۱۰ یعنی یہ روندنے والے اونٹ لمبی قطار میں نہ ہوں گے کہ اس پر یہ قطار روندتی گزر جائے اور اس کا چھٹکارا ہوجائے بلکہ گول دائرہ کی شکل میں حلقہ باندھے ہوں گے اور آخری اونٹ کے گزرنے پر پھر پہلا اونٹ اس پر آجائے گا' اصل عبارت اس کے برعکس تھی یعنی اُخریٰ کا ذکر پہلے تھا۔ اولیٰ کا بعد میں' جیسا کہ مسلم کی بعض روایات میں ہے' مبالغہ کیلئے اُخریٰ کو اولیٰ فرمادیا گیا یعنی اس طرح لگا تار ہو کر اس پر گھومیں گے کہ گویا پچھلا اونٹ پہلا ہوجائے گا اور پہلا پچھلا' چونکہ اس کا بخل بھی دائمی تھا اس لیے یہ سزا بھی دائمی ہوئی' درمیان میں وقفہ نہ ہوا کہ اسے کچھ آرام مل جائے ۱۱ ان کا کیا حکم ہے جو شخص بقدر نصاب ان کا مالک ہو پھر ان کی زکوٰۃ نہ نکالے تو اس کی سزا کیا ہے ۱۲ مِنْهَا میں مِنْ بمعنی اجل یا بمعنی لام ہے یعنی بکریوں کی وجہ سے جو زکوٰۃ فرض ہوئی وہ ادا نہ کرتا ہو لہٰذا اس حدیث سے یہ لازم نہیں کہ جانور کی زکوٰۃ میں جانور ہی دیا جائے بلکہ جانور کی قیمت بھی دے سکتے ہیں (مرقات) ۱۳ یعنی اگرچہ دنیا میں اس کی بعض گائے بھینسیں ٹوٹے سینگ والی بھی تھیں اور بعض بالکل بنڈی' مگر قیامت میں سب کے نوکیلے سینگ ہوں گے' خیال رہے کہ قیامت میں ہر چیز اپنے دنیاوی حالت پر اٹھے گی' ربّ تعالٰی فرماتا ہے: اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا (۲۱:۱۰۴) جیسے پہلے اسے بنایا تھا ویسے ہی پھر کردیں گے یہ وعدہ ہے ہمارے ذمہ (کنزالایمان) پھر بعد میں ان کے حالات بدلیں گے' لہٰذا یہ جانور دنیا میں جیسے تھے ویسے ہی اٹھیں گے' بعد میں سب کو سینگ ملیں گے' لہٰذا یہ حدیث اس آیت کیخلاف نہیں ۱۴ عربی میں گائے بھینس کے کھر کو ظلف کہتے ہیں جمع اظلاف اور گھوڑے کی ٹاپ کو سُم یعنی بخیل کے یہ جانور اسے سینگ بھی گھونپیں گے اور کھروں سے بھی روندیں گے' غرضیکہ قربانی کے جانور پر سخی خود سوار ہوگا اور بےزکوتے جانور بخیل پر سواری کریں گے' جیسے اچھے معدے والا جو بقدر ضرورت کھانا کھائے تو وہ کھانے پر سوار ہوتا ہے اور زیادہ کھا جانے والے پر کھانا سوار ہوجاتا ہے جسے یہ اٹھائے پھرتا ہے ۱۵ اس کی شرح پہلے گزر چکی یعنی قیامت کے دن دوران حساب میں تمام مخلوق تو حساب و کتاب دیتی ہوگی مگر یہ بخیل اس عذاب میں مبتلا ہوگا ۱۶ خیال رہے کہ احناف کے نزدیک سائمہ گھوڑوں میں بھی زکوٰۃ فرض ہے شوافع کے ہاں نہیں لہٰذا ہمارے ہاں اس جواب کا مقصد یہ ہے کہ گھوڑے میں علاوہ زکوٰۃ کے اور بھی پابندیاں ہیں جو آگے مذکور ہیں یعنی ان میں فقط زکوٰۃ کا سوال نہ کرو بلکہ غیر سائمہ یعنی گھر کھانے والا گھوڑا سواری کیلئے بھی ہو جس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اس کا بھی یہ حکم ہے اگر گھوڑے میں زکوٰۃ فرض نہ ہوتی تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خچر گدھوں کی طرح یہاں بھی فرمادیتے کہ ان کے متعلق مجھ پر کوئی خاص حکم نہیں آیا۔ لہٰذا اس حدیث سے شوافع یہ دلیل نہیں پکڑ سکتے کہ گھوڑے میں زکوٰۃ نہیں' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جواب بطریق حکیمانہ ہے' جیسے صحابہ کرام نے سوال کیا تھا کہ ہم کیا خیرات کریں تو ربّ تعالٰی نے جواب دیا فلاں فلاں جگہ خیرات کرو (قرآن کریم) یعنی جواب سوال کے مطابق نہیں بلکہ سائل کے حال کے مطابق ہے ۱۷ یعنی پالتو گھوڑا جو تجارت کیلئے نہ ہو وہ کسی کیلئے ثواب کا باعث ہے

کسی کیلئے عذاب کا اور کسی کیلئے نہ ثواب نہ عذاب یا ایک ہی گھوڑا ایک ہی شخص کیلئے اس کی نیت کے اعتبار سے کبھی ثواب ہے کبھی عذاب اور کبھی کچھ نہیں' جیسی نیت ویسا پھل یہ ہی حکم عمارتیں بنانے اعلیٰ لباس پہننے کا ہے۔ ۱۸؎ یعنی جو گھوڑا اس نیت سے رکھے کہ لوگوں پر میری بڑائی ظاہر ہو' دوسرے مسلمان میرے سامنے ذلیل وخوار نظر آئیں اور اگر کسی مسلمان سے میری لڑائی ہو جائے تو اس گھوڑے پر سوار ہو کر اس کیخلاف جنگ کروں' چوری ڈکیتی اسی کے ذریعہ کروں' جیسا کہ عام نمبردار' چودھری اور چور' ڈاکو گھوڑے اسی لیے رکھتے ہیں' ان کیلئے گھوڑا رکھنا سخت عذاب کا باعث ہے ۱۹؎ یہاں اللہ کی راہ میں مراد جہاد نہیں' یہ تو تیسری قسم میں آئے گا بلکہ اللہ کی راہ سے مراد اپنی دنیاوی ضرورتیں پوری کرنا ہے کیونکہ مسلمان کا دنیا کمانا بھی سبیل اللہ ہے یا تجارت کیلئے پالنا مراد ہے کہ تجارت بھی سبیل اللہ ہے۔ دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں ۲۰؎ اس طرح کہ ضرورت کے وقت کسی مسلمان بھائی کو چند روز کیلئے عاریۃً گھوڑا دے دے جس سے وہ اپنا کام نکال لے یا کسی کی گھوڑی پر اپنا گھوڑا بلا معاوضہ چھوڑ دے کہ اس میں مسلمان بھائی کا کام نکالنا ہے خیال رہے کہ نر گھوڑے' بیل' بھینسے اور بکرے کا اجرت لے کر مادہ پر چھوڑنا منع ہے۔ وہ اجرت ناجائز ہے جیسا کہ آئندہ آئے گا ۲۱؎ گھوڑے کی پیٹھ کا حق تو وہ تھا جو اوپر ذکر ہوا' اس کی گردن کا حق یہ ہے کہ اگر تجارت کیلئے ہو تو اس کی قیمت میں چالیسواں حصہ زکوٰۃ دے فی سینکڑہ ڈھائی روپے یہ جملہ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کی دلیل ہے کہ سائمہ اور تجارتی گھوڑے میں زکوٰۃ ہے جسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے کی گردن کا حق فرمایا' دوسرے حقوق تو اس کی پیٹھ کے حق میں آ گئے تھے' وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ مومن پر اس کے گھوڑے اور غلام میں صدقہ نہیں وہاں گھوڑے سے مراد یا تو غازی کا گھوڑا ہے یا وہ گھوڑا جو گھر میں گھاس چارہ کھاتا ہو' اس مسئلہ کی پوری تحقیق لمعات شرح مشکوٰۃ میں ملاحظہ کریں۔ خیال رہے کہ صرف گھوڑوں یا صرف گھوڑیوں میں زکوٰۃ نہیں بلکہ مخلوط میں زکوٰۃ ہے کہ یا تو ہر گھوڑے سے ایک دینار (اشرفی) دے دے یا اس کی قیمت لگا کر ہر ستاون روپے سے چالیسواں حصہ زکوٰۃ نکال دے' چنانچہ حضرت عمر نے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہما کو جو خط لکھا تھا اس میں یہ تھا کہ گھوڑنے والوں کو یہ اختیار دو (ہدایہ کفایہ وغیرہ) ۲۲؎ یعنی آج اس کے اور لوگوں کی حاجت کے درمیان پردہ ہیں کل قیامت میں اس کے اور آگ کے درمیان پردہ ہوں گے یہ کلمہ دونوں کو شامل ہے ۲۳؎ یعنی جہاد کی نیت سے بغرض ثواب گھوڑا پالے' چونکہ جہاد کا نفع مسلمانوں کو پہنچتا ہے اس لیے لِاَهْلِ الْاِسْلَامِ بھی فرمایا گیا' اس سے معلوم ہوا کہ عبادات میں بندگان خدا کی خدمت کی نیت کرنا عبادت کو ناقص نہیں کرتا بلکہ اسے کامل تر کر دیتا ہے جیسا کہ قرآن کریم کی صریح آیت سے ثابت ہے' عربی میں مرج اس وسیع میدان کو کہتے ہیں جس میں گھاس چارہ وغیرہ بکثرت ہو ۲۴؎ کیونکہ اس کھانے اور پیشاب ولید وغیرہ سے ان گھوڑوں کی بقا ہے اور جیسے نیکی کے اسباب جمع کرنا عبادت ہے ایسے ہی ان کی حفاظت بھی عبادت ہے۔ نیز یہ چارہ وگھاس مالک نے اپنے مال سے کھلایا اور یہ لید پیشاب اس چارہ سے بنا معلوم ہوا کہ نیکی متغیر ہونے کے بعد بھی نیکی ہی رہتی ہے ۲۵؎ یہ گھوڑے کیل سے بندھے ہوئے جو حرکت کریں یا کھائیں' پئیں وہ تو اس مالک کیلئے نیکیاں ہیں ہی اگر مالک کے بغیر ارادہ رسی کو تڑا کر بھاگ جائیں اور اس حالت میں زمین پر ان کے قدم پڑیں یا وہ لید پیشاب کریں تب بھی مالک کو ثواب ہے' خیال رہے کہ ثواب کیلئے اگرچہ نیت ضروری ہے مگر ہر آن نئی نیت لازم نہیں' مسجد بنانے والا مر بھی جائے تو اسے قبر میں ثواب پہنچتا رہتا ہے' بناتے وقت کی نیت قیامت تک کام آتی ہے' لہٰذا یہ حدیث اس حدیث کیخلاف نہیں کہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ خیال رہے کہ لید و پیشاب کا ذکر فرمانے میں اس جانب اشارہ ہے کہ جب آلہ جہاد یعنی گھوڑوں کی گندی چیزیں بھی ثواب میں شامل ہو جاتی ہیں تو اصل گھوڑے کا کیا پوچھنا اور پھر مالک کے درجہ کا کیا کہنا' گھوڑا صرف مثال کیلئے ہے اب گولی بارود' بندوق' توپ' ہوائی جہاز

اور راکٹ جو جہاد کیلئے ہوں سب کا یہ ہی حکم ہے ۲۶؎ یعنی یہ سب کام کرتا ہے گھوڑا اور نیکیاں پاتا ہے اس کا مالک' اگرچہ مالک نے ارادہ بھی نہ کیا ہو اس کی وجہ ابھی بیان ہو چکی ۲۷؎ یعنی گدھوں میں زکوٰۃ واجب نہیں بلکہ ایک قاعدہ کلیہ کے ماتحت ان میں ثواب ہے کہ اگر گدھے' خچر وغیرہ نیک نیتی سے پالے گئے تو ان میں ثواب ہے اور اگر بد نیتی سے پالے گئے تو عذاب اور اگر دنیوی کاروبار کیلئے ہیں تو نہ ثواب نہ عذاب' چونکہ اس آیت کے الفاظ تھوڑے ہیں اور مضامین و احکام بہت زیادہ' اس لیے اسے جامعہ فرمایا گیا اور چونکہ اس مضمون کی یہ ایک ہی بے مثال آیت ہے' اس لیے اسے فاذّۃ فرمایا گیا' اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھوڑوں میں زکوٰۃ ہے' گدھوں اور خچروں میں نہیں جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا' ہاں اگر گدھے و خچر تجارتی ہیں تو ان میں زکوٰۃ تجارت ہوگی۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالاً فَلَمْ يُؤَدِّ زَكٰوتَهٗ مُثِّلَ لَهٗ مَالُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ شُجَاعاً اَقْرَعَ لَهٗ زَبِيْبَتَانِ يُطَوَّقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ يَاْخُذُ بِلِهْزِ مَتَيْهِ يَعْنِيْ شِدْقَيْهِ ثُمَّ يَقُوْلُ اَنَا مَالُكَ اَنَا كَنْزُكَ ثُمَّ تَلاَ وَلاَ يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ الْاٰيَةَ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۱۶۸۲) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جسے اللہ مال دے۱؎ پھر وہ اس کی زکوٰۃ نہ دے' تو اس کا مال قیامت کے دن اس کے سامنے گنجے سانپ کی شکل میں ہوگا جس کے دو گیسو ہوں گے۲؎ قیامت میں اس کا طوق ہوگا پھر اس کے دونوں جبڑے پکڑے گا پھر کہے گا میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہوں پھر حضور انور نے یہ آیت تلاوت کی جو بخل کرتے ہیں الایہ۳؎ (بخاری)

(۱۶۸۲)۱؎ وہ مال جس میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور دے بھی بقدر نصاب جس میں وجوب زکوٰۃ کی ساری شرطیں موجود ہوں جیسا کہ اگلے مضمون سے واضح ہے۔ لہٰذا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر مال پر زکوٰۃ واجب ہو۲؎ جب پتلے زہریلے سانپ کی عمر زیادہ ہو جاتی ہے تو اس کے پھن پر قدرتی بال جم جاتے ہیں اور جب بہت زیادہ عمر ہوتی ہے تو اس کا زہر اتنا تیز ہو جاتا ہے کہ اس کی گرمی اور خشکی سے اس کے یہ بال جھڑ جاتے ہیں اسے اردو زبان میں گنجا سانپ کہتے ہیں اور عربی میں شجاع اقرع' ان میں سے خبیث ترین وہ ہوتا ہے جس کی آنکھوں پر دو کالے داغ ہوتے ہیں' اس کے زہر کا یہ عالم ہوتا ہے کہ اس کی سانس سے گھاس جل جاتی ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمارہے ہیں کہ بے زکوٰۃ مال قیامت کے دن اس سانپ کی شکل کا ہوگا' چونکہ یہ بخیل بھی اپنے مال پر سانپ کی طرح بیٹھ گیا تھا کہ کوئی غریب اس کے مال کی ہوا بھی نہ پا سکتا تھا اس لیے آج وہ مال اس کیلئے سانپ بن گیا' حدیث بالکل اپنے ظاہر پر ہے اس میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں دنیا میں بھی مال بشکل سانپ خواب میں نظر آتا ہے۔ بعض لوگ جب مایا دفن کرتے ہیں تو اس پر آٹے کا سانپ بنا کر بٹھا دیتے ہیں مشہور یہ ہے کہ پھر اس میں قدرتی جان پڑ جاتی ہے۳؎ قیامت کے مختلف مقامات ہیں اور ان کے مختلف حالات' کبھی بخیل کا سونا چاندی اور سارا مال اس کے گلے کا سانپ ہوگا اور کبھی اس کا سونا چاندی آگ میں تپایا جائے گا جس سے اس کے پہلو اور پیشانی داغے جائیں گے یا بعض مال سانپ بنے گا اور بعض سے داغ لگے گا لہٰذا یہ حدیث اور مذکورہ آیت شریف داغ والی احادیث اور آیات کیخلاف نہیں' خیال رہے کہ یہ سانپ اس کے جبڑے چبائے گا اور اس میں اپنے زہر کا ٹیکہ دے گا جس سے اس بخیل کو تکلیف سخت ہوگی مگر جان نہ نکلے گی۔

وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَامِنْ رَّجُلٍ يَكُوْنُ لَهٗ اِبِلٌ اَوْ بَقَرٌ اَوْ غَنَمٌ لَّا يُؤَدِّيْ حَقَّهَا اِلَّا اُتِيَ بِهَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْظَمَ مَايَكُوْنُ

(۱۶۸۳) روایت ہے حضرت ابوذر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں ایسا کوئی شخص نہیں جس کے پاس اونٹ گائے یا بکریاں ہوں جن کا حق ادا نہ کرتا ہو۱؎ مگر وہ جانور قیامت

وَاَسْمَنَهٗ تَطَأُهٗ بِاَخْفَافِهَا وَتَنْطِحُهٗ بِقُرُوْنِهَا كُلَّمَا جَازَتْ اُخْرٰهَا رُدَّتْ عَلَيْهِ اُوْلٰهَا حَتّٰى يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کے دن اتنے بڑے اور موٹے جتنے ہو سکتے ہیں کر کے لائے جائیں گے وہ اپنے کھروں سے اسے روندیں گے اور اپنے سینگ گھونپیں گے جب بھی آخری گزر جائے گا تو پہلا لوٹایا جائے گا حتی کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے۲ (بخاری و مسلم)

(۱۶۸۳) ۱؎ یہاں حق سے مراد شریعت کا حق فرضی ہے یعنی زکوٰۃ کیونکہ نفلی حق کے ترک پر عذاب نہیں ہوتا جو کبھی بھی زکوٰۃ ادا نہ کرے اس کی بھی یہی سزا ہے اور گنڈے دار زکوٰۃ دیتا ہو کہ کبھی دی کبھی نہ دی یا پوری نہ نکالی' اس کی بھی یہی سزا کیونکہ یہاں لَایُوَدِّیْ مطلق ہے۲؎ اس کی سزا پہلے گزر چکی یہاں اتنا اور سمجھ لو کہ یہ وہی دنیا کے جانور ہوں گے مگر جو دبلے تھے وہ موٹے ہو کر جو بے سینگ تھے وہ سینگ والے ہو کر اس بخیل پر مسلط ہوں گے اور بخیل کو یہ عذاب دوران حساب میں ہو گا کہ لوگ حساب دے رہے ہوں گے اور یہ پڑا ہوا کچلا جا رہا ہو گا۔ دوزخ کا عذاب اگر ہوا تو اس کے علاوہ ہو گا۔ اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے' ایک یہ کہ قیامت میں جن و انس کی طرح جانور بھی زندہ کیے جائیں گے مگر قیامت یا جنت میں بھیجنے کیلئے نہیں کیونکہ دوزخ صرف جن و انس کیلئے ہے اور جنت صرف انسانوں کیلئے' بلکہ آپس میں ایک دوسرے کا بدلہ دینے کیلئے' فاسق' مالکوں کو سزا دینے اور متقی مالکوں کی خدمت کرنے کیلئے حدیث شریف میں ہے کہ قربانی کا جانور مالک کی سواری ہو کر اسے پل صراط سے اتارے گا اس کے بعد یہ جانور مٹی کر دیئے جائیں گے' دوسرے یہ کہ اگر ایک جانور چند شخصوں کی ملکیت میں رہا تھا اور وہ سب بخیل تھے تو ان تمام مالکوں کو اپنے قدموں سے روندیں گے اور اگر کوئی جانور پہلے بخیل کی ملکیت میں رہا پھر دوسرے مالک کے پاس قربانی میں ذبح ہوا تو بخیل کو روندے گا اور اس کے بعد قربانی والے کی سواری بنے گا۔

وَعَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتَاكُمُ الْمُصَدِّقُ فَلْيَصْدُرْ عَنْكُمْ وَهُوَ عَنْكُمْ رَاضٍ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۱۶۸۴) روایت ہے حضرت جریر ابن عبداللہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تمہارے پاس صدقہ وصول کرنے والا آئے۱؎ تو وہ تم سے راضی ہو کر لوٹے۲؎ (مسلم)

(۱۶۸۴) ۱؎ مال ظاہری یعنی جانوروں اور پیداوار کی زکوٰۃ سلطان اسلام وصول کرتے اور اسے صحیح مصرف پر خرچ کرتے تھے۔ یہ زکوٰۃ وصول کرنے کیلئے بہت آدمی ملازم رکھے جاتے تھے۔ انہیں مصدق بھی کہتے تھے اور عامل بھی' سرکار فرما رہے ہیں کہ ہمارا یا ہمارے بعد اسلامی عادل بادشاہوں کا زکوٰۃ وصول کرنے والا آدمی تمہارے پاس آئے۲؎ اس طرح کہ تم اس سے خندہ پیشانی سے ملو اور سارا ظاہری مال اسے دکھا دو تاکہ وہ آسانی سے حساب کر کے زکوٰۃ وصول کرے اسے دیکھ کر غمگین نہ ہو' مال چھپانے کی کوشش نہ کرو' ٹال مٹول سے کام نہ لو' بلکہ باطنی مال یعنی سونے چاندی وغیرہ کی زکوٰۃ بھی خوشدلی سے دی جائے اور مسکین کو خوش کر کے دی جائے۔ خدا کا شکر کیا جائے کہ اس نے ہمیں دینے کے قابل کیا نہ کہ لینے کے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ اَوْفٰى قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتَاهُ قَوْمٌ بِصَدَقَتِهِمْ قَالَ اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى اٰلِ فُلَانٍ فَاَتَاهُ اَبِيْ بِصَدَقَتِهٖ فَقَالَ اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى اٰلِ اَبِيْ اَوْفٰى مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ اِذَا

(۱۶۸۵) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن اوفی سے۱؎ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب کوئی قوم اپنا صدقہ لاتی۲؎ تو آپ فرماتے الٰہی فلاں کی اولاد پر رحمتیں نازل کر۳؎ میرے والد اپنا صدقہ لائے تو آپ نے فرمایا الٰہی ابی اوفی کی اولاد پر رحمت کر۴؎ (مسلم بخاری)

اَتَـى الـرَّجُلُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِصَدَقَتِهٖ قَالَ اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ ۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جب کوئی شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنا صدقہ لاتا تو آپ فرماتے الٰہی اس پر رحمت کر۔

(۱۶۸۵)۱؎ یہ دونوں باپ بیٹے صحابی ہیں اور یہ عبداللہ کوفہ کے آخری صحابی ہیں جنہوں نے وہاں وفات پائی (اشعہ) ۲؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں صدقہ سے مراد سونے چاندی وغیرہ باطنی مالوں کی زکوۃ ہے کیونکہ ظاہری مالوں کی زکوۃ تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا عامل جا کر خود ان کے گھروں سے لاتا تھا' صحابہ کرام کی عقیدت یہ تھی کہ ہمارے صدقات حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے خیرات فرمائیں تاکہ اس ہاتھ کی برکت سے رب تعالٰی قبول فرمائے اب بھی مسلمان ایصال ثواب کرتے وقت پہلے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام شریف لیتے ہیں اس کی اصل یہ حدیث ہے ۳؎ اللھم صل درود ہے' حق یہ ہے کہ غیر نبی پر مستقلاً درود پڑھنا منع ہے۔ حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد فرمانا آپ کی خصوصیات میں سے ہے کیونکہ درود شریف آپ کا حق ہے آپ جس کو چاہیں اپنا حق دیں' بعض نے فرمایا یہاں صلوۃ لغوی معنی میں ہے مگر پہلا قول قوی ہے (مرقات ولمعات) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا اس آیت پر عمل تھا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ط اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (۹:۱۰۳) اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو بے شک تمہاری دعا ان کے دلوں کا چین ہے۔ (کنزالایمان) سنت یہ ہے کہ زکوۃ وصول کرنے والا دینے والے کو دعائیں دے اگرچہ احتیاط یہ ہے کہ زکوۃ دینے والا اس وقت دعا کیلئے بھی نہ کہے کہ کہیں یہ دعا کرانا اس صدقہ کا عوض نہ بن جائے دیکھو یہ صحابہ اس وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کیلئے نہیں کہتے تھے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم دعائیں دیتے تھے' تو وہ ایسے کریم ہیں کہ عطا کر کے دعا دیتے ہیں شعر:۔

آتا ہے فقیروں پہ انہیں پیار کچھ ایسا خود بھیک دیں اور خود کہیں منگتے کا بھلا ہو

۴؎ حضرت عبداللہ فخریہ طور پر خدا کا شکر ادا کر رہے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں ہمیں اور ہمارے والد کو بھی مل چکی ہیں بعض نے فرمایا کہ یہاں لفظ آل زائد ہے مگر حق یہ ہے کہ آل اپنے معنی ہی میں ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم صرف ان لوگوں کو نہیں' ان کے بال بچوں سارے گھر والوں کو بھی دعائیں دیتے تھے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُمَرَ عَلَى الصَّدَقَةِ فَقِيْلَ مَنَعَ ابْنُ جَمِيْلٍ وَّخَالِدُ ابْنُ الْوَلِيْدُ وَالْعَبَّاسُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَايَنْقِمُ ابْنُ جَمِيْلٍ اِلَّا اَنَّهٗ كَانَ فَقِيْرًا فَاَغْنَاهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَاَمَّا خَالِدٌ فَاِنَّكُمْ تَظْلِمُوْنَ خَالِدًا قَدِ احْتَبَسَ اَدْرَاعَهٗ وَ اَعْتُدَهٗ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاَمَّا الْعَبَّاسُ فَهِيَ عَلَيَّ وَ مِثْلُهَا مَعَهَا ثُمَّ قَالَ يَا عُمَرُ اَمَا شَعِرْتَ اَنَّ عَمَّ الرَّجُلِ صِنْوُاَبِيْهِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۶۸۶) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو صدقہ پر عامل بنا کر بھیجا عرض کیا گیا کہ ابن جمیل ۱؎ اور خالد ابن ولید اور عباس نے نہ دیا ۲؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابن جمیل تو صرف اس لیے انکار کرتا ہے کہ وہ فقیر تھا اللہ رسول نے اسے غنی کر دیا ۳؎ لیکن خالد پر تم زیادتی کرتے ہو انہوں نے اپنی زرہیں اللہ کی راہ میں وقف کر دیں ۴؎ رہے عباس تو ان کی زکوۃ ساتھ میں اتنی اور میرے ذمہ ہے ۵؎ پھر فرمایا اے عمر کیا تمہیں خبر نہیں کہ انسان کا چچا اس کے باپ کے برابر ہوتا ہے ۶؎ (مسلم بخاری)

(۱۶۸۶) ۱؎ مصنف نے فصل صحابہ میں فرمایا کہ ابن جمیل کا ذکر صرف کتاب الزکوۃ میں آیا اس کے نام کا پتا نہیں فتح الباری میں ہے کہ

اس کا نام عبداللہ یا حمید تھا پہلے یہ غریب آدمی تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مالداری کی دعا کرائی پھر مالدار ہو کر منافق ہو گیا اور زکوٰۃ کا انکار کرنے لگا اسی کے بارے میں یہ آیت کریمہ آئی وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ (۹،۷۵) اور ان میں کوئی وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر ہمیں اپنے فضل سے دے گا تو ہم ضرور خیرات کریں گے (کنزالایمان) یہ شخص عہد مرتضوی میں منافقت پر ہی فوت ہوا' خیال رہے کہ ابن جمیل نے "صراحۃً" زکوٰۃ کا انکار نہ کیا تھا ورنہ مرتد اور واجب القتل ہو جاتا بلکہ حیلے بہانے بنائے جس سے اس کی کبیدگی خاطر محسوس ہوئی ۲؎ ابن جمیل نے بلاوجہ اور ان دو بزرگوں نے کسی معذوری سے' اس سے معلوم ہوا کہ حاکم یا استاذ سے رعایا یا شاگردوں کی پس پشت شکایات کرنا جائز ہے یہ غیبت نہیں بلکہ اصلاح ہے ۳؎ یعنی ابن جمیل کا زکوٰۃ نہ دینا محض کفران نعمت کی بنا پر ہے کسی مجبوری سے نہیں اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے دلوں کا حال جانتے ہیں۔ دیکھو یہاں بظاہر تینوں صاحبوں سے ایک فعل واقع ہوا مگر ملامت صرف ایک پر کی گئی جس کے دل میں کھوٹ تھا' دوسرے یہ کہ یہ کہہ سکتے ہیں اللہ رسول غنی کرتے ہیں۔ اللہ رسول دونوں جہان کی نعمتیں بخشتے ہیں رب تعالٰی فرماتا ہے: اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ (۹،۷۴) اللہ و رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا (کنزالایمان) اور فرماتا ہے: وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ (۳۳،۳۷) اور اے محبوب! یاد کرو جب تم فرماتے تھے اس سے جسے اللہ نے نعمت دی اور تم نے اسے نعمت دی (کنزالایمان) اسے شرک کہنے والے ان آیات و احادیث میں غور کریں۔ ۴؎ یعنی خالد اتنے سخی ہیں کہ انہوں نے نفلی طور پر اپنا سامان جنگ تک وقف کر دیا ہے' تو کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ زکوٰۃ فرضی ادا نہ کریں ان پر زکوٰۃ فرض ہو گی ہی نہیں تم نے غلطی سے ان سے مطالبہ کیا' یا یہ مطلب ہے کہ انہوں نے اپنا سب کچھ حتی کہ سامان جنگ بھی وقف کر دیا اور مال وقف میں زکوٰۃ نہیں ہوتی' لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ کچھ وقف کر دینے سے نصاب کی زکوٰۃ کیسے معاف ہو گئی' اس جملہ سے معلوم ہوا کہ منقولہ چیزوں کا وقف مطلقاً جائز ہے یہی امام اعظم کا قول ہے شیخین کے نزدیک منقول چیز غیر منقولہ کے تابع ہو کر وقف ہو سکتی ہے' یہ بھی معلوم ہوا کہ واقف کا موقوف کو اپنے قبضہ میں رکھنا درست ہے جیسے بعض واقفین اپنی زندگی بھر تولیت اپنے لیے مقرر کر لیتے ہیں ۵؎ اس جملے کی تفسیر میں بہت قول ہیں بعض نے فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے دو سال کی زکوٰۃ پیشگی وصول فرما چکے تھے' بعض نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس سے وصول کر لیں گے ہم اس کے ضامن ہیں مگر یہ تفسیر اگلے جملہ کے موافق نہیں' ظاہر یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی زکوٰۃ اپنے ذمہ لے لی اور فرمایا ان سے مت مانگنا ان کی زکوٰۃ ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ اتنا ہی صدقہ نفلی ان کی طرف سے ہم ادا کریں گے' اس سے معلوم ہوا کہ مالی عبادتوں میں نیابت جائز ہے یعنی ایک دوسرے کی طرف سے ادا کر سکتے ہیں حضرت عباس حضور علیہ السلام کے احسانات کے پہلے ہی عادی تھے انہیں خبر تھی کہ حضور انور میری زکوٰۃ ادا کر دیں گے۔ ۶؎ لہٰذا حضرت عباس جو میرے چچا ہیں وہ میرے والد حضرت عبداللہ کی مثل ہیں اس لیے مجھ پر ان کی خدمت لازم ہے۔ ان کی زکوٰۃ ادا کرنا یہ بھی ان کی خدمت ہے اور اے عمر تم ان پر نہ تقاضا کرنا نہ ملامت بلکہ میرے اس رشتہ کی وجہ سے ان کا ہمیشہ ادب کرنا (از مرقاۃ و لمعات) خیال رہے کہ صنو ایک جڑ کے دو درختوں کو کہتے ہیں رب تعالٰی فرماتا ہے: صِنْوَانٌ وَّ غَیْرُ صِنْوَانٍ یُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ (۱۳،۴) ایک تھالے (تھال) سے اُگے اور الگ الگ سب کو ایک ہی پانی دیا جاتا ہے (کنزالایمان) چونکہ چچا اور والد دادا کی اولاد ہوتے ہیں اس لیے اس افصح الفصحاء صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں صنو فرمایا۔

وَعَنْ اَبِیْ حُمَیْدِ نِ السَّاعِدِیِّ قَالَ اسْتَعْمَلَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مِّنَ الْاَزْدِ یُقَالُ لَهٗ ابْنُ

(۱۶۸۷) روایت ہے حضرت ابوحمید ساعدی سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ ازد کے ایک شخص کو جنہیں ابن تبیہ کہا

اللُّتْبِيَّةِ عَلَى الصَّدَقَةِ فَلَمَّا قَدِمَ قَالَ هٰذَا لَكُمْ وَهٰذَا اُهْدِيَ لِيْ فَخَطَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّيْ اَسْتَعْمِلُ رِجَالًا مِّنْكُمْ عَلٰى اُمُوْرٍ مِّمَّا وَلَّانِيَ اللّٰهُ فَيَاْتِيْ اَحَدُهُمْ فَيَقُوْلُ هٰذَا لَكُمْ وَهٰذِهٖ هَدِيَّةٌ اُهْدِيَتْ لِيْ فَهَلَّا جَلَسَ فِيْ بَيْتِ اَبِيْهِ اَوْ بَيْتِ اُمِّهٖ فَيَنْظُرَ اَيُهْدٰى لَهٗ اَمْ لَا وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا يَاْخُذُ اَحَدٌ مِّنْهُ شَيْئًا اِلَّا جَآءَ بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَحْمِلُهٗ عَلٰى رَقَبَتِهٖ اِنْ كَانَ بَعِيْرًا لَّهٗ رُغَاءٌ اَوْ بَقَرًا لَّهٗ خُوَارٌ اَوْ شَاةً تَيْعَرُ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى رَاَيْنَا عُفْرَةَ اِبْطَيْهِ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ قَالَ الْخَطَّابِيُّ وَفِيْ قَوْلِهٖ هَلَّا جَلَسَ فِيْ بَيْتِ اُمِّهٖ اَوْ اَبِيْهِ فَيَنْظُرَ اَيُهْدٰى اِلَيْهِ اَمْ لَا دَلِيْلٌ عَلٰى اَنَّ كُلَّ اَمْرٍ يُّتَذَرَّعُ بِهٖ اِلٰى مَحْظُوْرٍ فَهُوَ مَحْظُوْرٌ وَّكُلُّ دَخِيْلٍ فِي الْعُقُوْدِ يُنْظَرُ هَلْ يَكُوْنُ حُكْمُهٗ عِنْدَ الْاِنْفِرَادِ كَحُكْمِهٖ عِنْدَ الْاِقْتِرَانِ اَمْ لَا هٰكَذَا فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ ۔

جاتا تھا صدقہ پر عامل بنایا۱ جب وہ واپس ہوئے تو بولے یہ تمہارا ہے اور یہ مجھے ہدیۃً دیا گیا۲ تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اللہ کی حمد وثنا کی پھر فرمایا حمد وثنا کے بعد سنو کہ ہم تم میں سے بعض کو ان چیزوں پر عامل بناتے ہیں جن کا اللہ نے ہمیں والی بنایا۳ تو ان میں سے بعض آ کر کہتے ہیں کہ یہ تمہارا ہے اور یہ مجھے ہدیہ نذرانہ دیا گیا تو وہ اپنے ابا یا اماں کے گھر کیوں نہ بیٹھ رہا پھر دیکھتا کہ اسے نذرانہ ملتا ہے یا نہیں۴ اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ کوئی شخص اس میں سے کچھ نہ لے گا مگر قیامت کے دن اسے اپنی گردن پر اٹھا کے لائے گا۵ اگر اونٹ ہے تو وہ بلبلاتا ہوگا یا گائے ہے تو وہ چیختی ہوگی یا بکری کہ ممیاتی ہوگی۶ پھر حضور نے اپنے ہاتھ اٹھائے حتیٰ کہ ہم نے حضور کی بغلوں کی سفیدی دیکھی پھر عرض کیا الٰہی کیا میں نے تبلیغ کردی اے مولیٰ کیا میں نے تبلیغ کردی۷ (مسلم بخاری) خطابی نے فرمایا کہ حضور انور کے اس فرمان میں کہ وہ اپنی ماں کے گھر یا باپ کے گھر میں کیوں نہ بیٹھ رہا کہ دیکھتا کیا اسے ہدیہ دیا جاتا ہے یا نہیں اس کی دلیل ہے کہ جسے ممنوع کام کا ذریعہ بنایا جائے وہ بھی ممنوع ہے۸ اور جو چیز عقدوں میں داخل ہو اس پر غور کیا جائے کہ آیا اس کا علیحدہ کا حکم دوسرے سے ملنے کے حکم کی طرح ہے یا نہیں۹ شرح سنہ میں یوں ہی ہے۔

(۱۶۸۷) ۱ ان صاحب کا نام عبداللہ ہے قبیلہ بنی لتب کے ہیں جو قحطان کا مشہور قبیلہ ہے (مرقات و لمعات) ۲ یعنی اس کے پاس وصول کردہ زکوۃ سے زیادہ مال تھا جو زکوۃ دینے والوں نے انہیں بطور ہدیہ علاوہ زکوۃ دیا تھا۔ یہ ان صحابی کی انتہائی دیانتداری ہے کہ اس ہدیہ کو گھر نہ رکھ گئے سب کچھ بارگاہ شریف میں پیش کر دیا اور اصل واقعہ بیان کر دیا۔ ۳ یعنی صدقات و زکوۃ وصول کرنا ہمارے ذمہ ہے تم لوگ ہمارے نائب ہو کر جاتے ہو اور ہمیں تو صدقہ دینے والوں سے ہدیہ لینا منع ہے تو تمہیں کیوں جائز ہوگا۴ یعنی یہ نذرانہ نہیں ہے، بلکہ رشوت ہے کہ اس کے ذریعہ صاحب نصاب آئندہ اصل زکوۃ سے کچھ کم کرانے کی کوشش کریں گے، نیز جب اس کام کی اجرت پوری ہم دیتے ہیں تو یہ ہدیہ کیا چیز ہے، فقہا فرماتے ہیں کہ حکام کے نذرانے اور خاص دعوتیں رشوت ہیں، ہاں جن لوگوں کے ساتھ اس کا پہلے ہی سے لین دین ہو اور اس کے معزول ہونے کے بعد بھی وہی لین دین رہے وہ رشوت نہیں، جیسے عزیزوں اور قدیمی احباب سے نیوتے بھاجی وغیرہ ان مسائل کی اصل یہ حدیث ہے۵ یعنی جو عامل زکوۃ میں چوری یا خیانت کرے یا زکوۃ دینے والوں سے رشوت وصول کرے غرضیکہ بالواسطہ یا بلاواسطہ جس طرح بھی خفیۃً یا علانیۃً کچھ لے لفظ مِنْهُ ان سب کو شامل ہے (مرقات) غرضیکہ یہاں زکوۃ کی چوری ہی مراد نہیں کیونکہ ان صاحب نے کوئی چوری نہ کی تھی۔ خیال رہے کہ یہاں تو گردن کے اٹھانے کا ذکر ہے مگر قرآن شریف میں پیٹھوں میں

لادنے کا کہ ارشاد ہوا وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ (۳۱،۶) اور وہ اپنے بوجھ اپنی پیٹھ پر لادے ہوئے ہیں (کنزالایمان) کیونکہ آیت میں کفار کا ذکر ہے اور یہاں گنہگار مسلمان کا چونکہ کفار کے گناہ زیادہ اور بھاری ہوں گے اس لیے وہ پیٹھوں پر لادیں گے اور مسلمان گنہگار کے گناہ ان سے کم اور ہلکے ہوں گے اس لیے گردن پر اٹھائیں گے۔ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ پیٹھ کی انتہا گردن ہے لہٰذا گردن پر اٹھانا گویا پیٹھ پر ہی اٹھانا ہے مگر پہلی بات زیادہ قوی ہے۶ یعنی اگر خیانۃً یا رشوۃً اونٹ گائے بکری یا کوئی اور جانور بھی لیا ہوگا تو اسے بھی اپنی گردن پر اٹھائے پھرے گا وہ بوجھ سے دبے گا بھی اور ان آوازوں کی وجہ سے سارے محشر میں بدنام بھی ہوگا معلوم ہوا کہ نیکیوں پر قیامت میں انسان سوار ہوگا اور بدیاں انسان پر سوار ہوں گی۔ خیال رہے کہ اللہ تعالٰی قیامت میں مسلمانوں کے خفیہ گناہ نہ کھولے گا ستاری فرمائے گا، مگر جو بے غیرت دنیا میں علانیہ گناہ کریں اور ان پر فخر بھی کریں وہ ضرور کھلیں گے۔ لہٰذا یہ حدیث عیب پوشی کی احادیث کے خلاف نہیں ۵ سبحان اللہ کیا پاکیزہ عرض و معروض ہے۔ ربّ تعالٰی سے کہہ رہے ہیں بندوں کو سنا رہے ہیں کہ میں اپنے فرض تبلیغ سے فارغ ہو چکا اب کسی مجرم کو یہ عذر نہ ہوگا کہ مجھے خبر نہ تھی، تا قیامت ہر مسلمان پر بقدر ضرورت دینی مسائل سیکھنا فرض ہے اب اگر کوئی خود نہ سیکھے اور بے خبر رہے تو اس کا اپنا قصور ہے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوتاہی نہیں۶ یعنی جو کام بذات خود تو اچھا ہو مگر اس کے ذریعہ سے حرام کا ارتکاب کیا جائے، تو یہ اچھا کام بھی حرام ہو جائے گا، کیونکہ عامل بن کر جانا یا حاکم بننا اچھا کام ہے لیکن اگر رشوتیں لینے کیلئے کیا جائے تو حرام ہوگا، جیسے کسی غریب کو قرض دینا نیکی ہے یا ضرورۃً کسی مقروض کی کوئی چیز رہن (گروی) رکھ لینا بھلائی ہے، لیکن اگر قرض پر سود لیا جائے اور گروی مکان سے نفع لیا جائے، تو یہ قرض بھی حرام ہو جائے گا۷ یعنی جو عقد علیحدہ رہ کر حرام ہوگا وہ حلال سے مل کر بھی حرام ہوگا اور جو علیحدہ ہو کر حلال ہوگا وہ حلال سے مل کر بھی حلال رہے گا، یہ قاعدہ ان لوگوں کے نزدیک ہے جو شرعی حیلے ناجائز کہتے ہیں مگر ہمارے ہاں ضرورۃً شرعی حیلے جائز ہیں، لہٰذا ہمارے ہاں یہ قاعدہ کلیہ نہیں، ہماری دلیل وہ حدیث ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ردی کھجوریں زیادہ دے کر کھری کھجوریں کم لیں تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ سود ہو گیا، تمہیں چاہیے تھا کہ یہ ردی کھجوریں روپے کے عوض بیچتے، پھر اسی روپے کے عوض خریدار سے کھری کھجوریں لے لیتے دیکھو حرام سے بچنے کا یہ حیلہ ہے غرضیکہ ناجائز عقد جائز عقد سے مل کر کبھی تو خود جائز بن جاتا ہے اور کبھی جائز کر دیتا ہے، یہ قاعدہ خوب یاد رکھا جائے، ناپاک پانی پاک پانی میں مل کر کبھی خود پاک ہو جاتا ہے جیسے تالاب میں ڈالا جائے اور کبھی اسے بھی ناپاک کر دیتا ہے جیسے کنوئیں میں۔

وَعَنْ عَدِيِّ بْنِ عُمَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ مِنْكُمْ عَلٰى عَمَلٍ فَكَتَمَنَا مَخِيْطًا فَمَا فَوْقَهُ كَانَ غُلُوْلًا يَّاْتِيْ بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۱۶۸۸) روایت ہے حضرت عدی ابن عمیرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہم تم میں سے جسے کسی کام پر عامل بنائیں پھر وہ ہم سے سوئی یا اس سے زیادہ چھپا لے تو یہ بھی خیانت ہے جسے وہ قیامت کے دن لائے گا۱ (مسلم)

(۱۶۸۸) ۱ یعنی خیانت چھوٹی ہو یا بڑی قیامت میں سزا اور رسوائی کا باعث ہے خصوصاً جو خیانت زکوٰۃ وغیرہ میں کی جائے، کیونکہ یہ عبادت میں خیانت ہے اور اس میں اللہ کا حق مارنا ہے اور فقیروں کو ان کے حق سے محروم کرنا ربّ تعالٰی فرماتا ہے: وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (۱۶۱،۳) اور جو چھپا رکھے وہ قیامت کے دن اپنی چھپائی چیز لے کر آئے گا (کنزالایمان) خیال رہے کہ مافوقہ سے مراد یا سوئی سے کم چیز ہے یا سوئی سے زیادہ

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ كَبُرَ ذَالِكَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَ عُمَرُ اَنَا اُفَرِّجُ عَنْكُمْ فَانْطَلَقَ فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ اِنَّهٗ كَبُرَ عَلٰى اَصْحَابِكَ هٰذِهِ الْاٰيَةُ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَفْرِضِ الزَّكٰوةَ اِلَّا لِيُطَيِّبَ مَابَقِيَ مِنْ اَمْوَالِكُمْ وَاِنَّمَا فَرَضَ الْمَوَارِيْثَ وَذَكَرَ كَلِمَةً لِتَكُوْنَ لِمَنْ بَعْدَكُمْ فَقَالَ فَكَبَّرَ عُمَرُ ثُمَّ قَالَ لَهٗ اَلاَ اُخْبِرُكَ بِخَيْرِ مَايَكْنِزُ الْمَرْءُ اَلْمَرْاَةُ الصَّالِحَةُ اِذَا نَظَرَ اِلَيْهَا سَرَّتْهُ وَاِذَا اَمَرَهَا اَطَاعَتْهُ وَاِذَا غَابَ عَنْهَا حَفِظَتْهُ .

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

دوسری فصل

(۱۶۸۹) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری کہ جولوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں الایہ تو مسلمانوں پر بہت بھاری پڑا۱؎ تو حضرت عمر بولے کہ تمہاری اس تنگی کو میں کھولتا ہوں ۲؎ آپ چلے عرض کیا یا نبی اللہ یہ آیت حضور کے صحابہ پر بھاری ہے حضور نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے زکوۃ اس ہی لیے فرض فرمائی کہ تمہارے باقی مالوں کو پاک کردے۳؎ اور میراثیں اسی ہی لیے فرض فرمائیں (اور کچھ کلام کیا) تاکہ وہ پاک مال تمہارے بعد والوں کا ہو۴؎ راوی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے تکبیر کہی ۵؎ پھر حضور نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں وہ بہترین چیز نہ بتاؤں جو آدمی جمع کرے وہ اچھی بیوی ہے کہ جب اسے دیکھے تو پسند آئے اور جب اسے حکم دے تو وہ فرماں برداری کرے اور جب مرد غائب ہو تو اس کی حفاظت کرے۶؎ (ابوداؤد)

(۱۶۸۹) ۱؎ کیونکہ مسلمانوں نے کنز کے لغوی معنی مراد لیے یعنی مطلقاً جمع کرنا اور یہ سمجھے کہ سونے چاندی کو جمع کرنا بہرحال حرام ہے اور قیامت کے دن داغ کا باعث ہے حالانکہ بغیر کچھ جمع کیے دنیوی کاروبار نہیں چل سکتے ۲؎ یعنی آیت کے ظاہری معنی مراد نہیں ہوسکتے' کیونکہ اسلام درمیانی دین ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعٰلمین اور قرآن کریم میانہ روی سکھانے والی کتاب' یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اس دین میں مال جمع کرنا مطلقاً حرام ہو جائے' پھر جہاد کیسے ہوں گے اور زکوۃ کس چیز کی دی جائے گی' ہماری سمجھ میں غلطی ہے ۳؎ یعنی یہاں کنز کے اصطلاحی معنی مراد ہیں کہ مال جمع رکھنا' اس سے اللہ کے حق میں نہ نکالنا' فقراء کے حقوق ادا نہ کرنا خیال رہے کہ زکوۃ نکالنے سے مال ایسا ہی پاک ہو جاتا ہے جیسے جانور کا خون نکل جانے سے گوشت یا کیلے اور آم وغیرہ کا چھلکا علیحدہ کردینے سے مغز کھانے کے قابل ہو جاتا ہے رب تعالٰی فرماتا ہے: خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا (۹:۱۰۳) اے محبوب! ان کے مال میں سے زکوۃ تحصیل کرو جس سے تم انہیں ستھرا اور پاکیزہ کردو (کنز الایمان) ۴؎ یعنی اگر مال جمع کرنا حرام ہوتا تو اس میں زکوۃ کیوں دی جاتی اور مالک کے مرنے کے بعد بطور وراثت دوسروں کو کیسے ملتا' ان احکام سے معلوم ہو رہا ہے کہ جمع کرنا منع نہیں بلکہ عبادت ہے' کیونکہ بہت سی عبادتوں کا موقوف علیہ ہے اور عبادت کا موقوف علیہ بھی عبادت ہوتا ہے' زکوۃ جب ہو جب سال بھر مال مالک کے پاس جمع رہے اور میراث جب بٹے جب مرتے وقت تک مال مالک کے پاس جمع رہے۔ خیال رہے کہ و ذکر کلمۃ راوی کا قول ہے یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ اور بھی فرمایا جو مجھے یاد نہیں جس کا ترجمہ یہ ہے کہ بعد والوں کو مال ملے ۵؎ یعنی مسئلہ حل ہو جانے پر جناب فاروق اعظم کو خوشی ہوئی اور خوشی میں اللہ اکبر کہا' اس سے معلوم ہوا کہ دینی مسئلہ معلوم ہونے پر خوش ہونا اور خوشی میں اللہ اکبر کا نعرہ لگانا سنت صحابہ ہے ۶؎ یعنی اے عمر اگرچہ مال جمع کرنا جائز ہے مگر تم لوگ اسے اپنے اصل مقصود نہ بنالو اس سے بھی بہتر مسلمان کیلئے نیک بیوی ہے کہ صورت

بھی اچھی ہواور سیرت بھی کہ اس کے نفع مال سے زیادہ ہیں' کیونکہ سونا چاندی اپنے ملک سے نکل کر نفع دیتے ہیں اور نیک بیوی اپنے پاس رہ کر نافع ہے' سونا چاندی ایک بار نفع دیتے ہیں اور بیوی کا نفع قیامت تک رہتا ہے مثلاً ربّ تعالیٰ اس سے کوئی نیک بیٹا بخشے جو زندگی میں باپ کا وزیر بنے اور بعد موت اس کا خلیفہ' حدیث شریف میں ہے کہ نکاح سے مرد کا دوتہائی دین مکمل و محفوظ ہو جاتا ہے۔صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جمیلہ عورت کا چہرہ جمال الٰہی کا آئینہ ہوتا ہے اور اس کی نیک خصلت صفات الٰہی کا مظہر ہوتی ہے۔سبحان اللہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کتنا جامع ہے۔عورت کی سیرت دوکلموں میں بیان فرمادی کہ جب خاوند گھر میں موجود ہو تو اس کی ہر جائز بات مانے اور جب غائب ہو یعنی سفر میں ہو یا مرجائے تو اس کے مال' عزت و اسرار کی حفاظت کرے یعنی آمنہ امینہ و مامونہ ہو۔

وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَتِيْكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيَاْتِيْكُمْ رُكَيْبٌ مُّبْغَضُوْنَ فَاِذَا جَآءُوْكُمْ فَرَحِّبُوْا بِهِمْ وَخَلُّوْا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَايَبْتَغُوْنَ فِاِنْ عَدَلُوْا فَلِاَنْفُسِهِمْ وَاِنْ ظَلَمُوْ فَعَلَيْهِمْ وَاَرْضُوْهُمْ فَاِنَّ تَمَامَ زَكٰوتِكُمْ رَضَاهُمْ وَلْيَدْعُوْالَكُمْ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

(۱۶۹۰) روایت ہے حضرت جابر ابن عتیک سے ا فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تمہارے پاس غیر پسندیدہ سوار آیا کریں گے تو وہ جب آئیں تم انہیں خوش آمدید کہو اور جو وہ چاہتے ہوں ان کے سامنے حاضر کردو ۲ پھر اگر وہ انصاف کریں تو اس میں ان کا فائدہ ہے اور اگر ظلم کریں تو انہیں مضر ہے تمہاری زکوٰۃ کی تکمیل ان کا راضی ہونا ہے چاہیے کہ وہ تمہیں دعائیں دیں ۳ (ابوداؤد)

(۱۶۹۰) ا آپ انصاری ہیں اور مشہور صحابی ہیں' آپ کے جنگ بدر کی شرکت میں اختلاف ہے باقی سارے غزووں میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے' آپ کی کنیت ابوعبداللہ ہے' عمر شریف ۹۱ سال ہوئی ۶۱ ھ میں وفات پائی ۲ یعنی آئندہ زمانہ میں کچھ سخت دل اور بداخلاق حکام بھی ہوں گے' تم ان کی بداخلاقی کی بناء پر زکوٰۃ کے انکاری نہ ہو جانا کہ تمہاری زکوٰۃ اللہ کیلئے ہے نہ کہ ان کیلئے بلکہ انہیں دیکھ کر خوش ہونا کہ ان کے ذریعہ تمہارا فریضہ ادا ہوگا' بعض دیندار غنی زکوٰۃ دیتے وقت فقیر کا احسان مانتے ہیں کہ اس کے ذریعے ہمارا فرض ادا ہوا ۳ حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ظاہر ظہور ظلم کریں کہ زکوٰۃ سے زیادہ لیں یا زکوٰۃ کے ساتھ رشوت مانگیں اور تم دے دو کیونکہ ظلم پر امداد بھی ظلم ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر ان کا کوئی فعل تمہیں ظلم معلوم ہو مگر واقع میں ظلم نہ ہو' تو تم اپنی رائے پر عمل نہ کرو ان کے حکم پر عمل کرو مثلاً زکوٰۃ میں درمیانہ جانور لینا چاہیے' ایک جانور کو تم اعلیٰ سمجھتے ہو' وہ درمیانہ یا پیداوار کا دسواں حصہ دینا چاہیے' تم ایک ڈھیر کو سومن سمجھتے ہو تو وہ سوا سومن ہے تو تم ان کی بات مان لو' اب اگر واقعی وہ زیادہ لے گئے ہیں تو اس کے جواب دہ وہ ہوں گے نہ کہ تم یا یہ کلام بطریق مبالغہ ہے کہ فرض کرو کہ واقع میں وہ ظالم بھی ہوں تو بھی تم ان کا مقابلہ نہ کرو کہ اس میں سلطان اسلام کی بغاوت ہوگی جس کے دبانے کیلئے وہ قوت خرچ کریں گے جس سے کشت وخون وفساد ہوگا بلکہ ان کے ظلم کی شکایت بادشاہ سے کرو اور ان کیخلاف قانونی کارروائی کرو لہٰذا حدیث بالکل ظاہر ہے' اس میں ظلم کی اجازت نہیں دی گئی' مگر پہلے معنی راجح ہیں کیونکہ ان سے دعا لینے کا حکم دیا گیا' ظالم سے دعا کب لی جاتی ہے۔

وَعَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ جَآءَ نَاسٌ يَعْنِىْ مِنَ الْاَعْرَابِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْ اِنَّ نَاسًا مِّنَ الْمُصَدِّقِيْنَ يَاْتُوْنَا فَيَظْلِمُوْنَا

(۱۶۹۱) روایت ہے حضرت جریر ابن عبداللہ سے فرماتے ہیں کہ کچھ دیہاتی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے بولے کہ زکوٰۃ وصول کرنے والے ہمارے پاس آتے ہیں تو ہم پر ظلم

فَقَالَ اَرْضُوْا مُصَدِّقِيْكُمْ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ وَاِنْ ظَلَمُوْنَا قَالَ اَرْضُوْا مُصَدِّقِيْكُمْ وَاِنْ ظَلَمْتُمْ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

کرتے ہیں۔حضور نے فرمایا کہ اپنے زکوۃ وصول کرنے والوں کو راضی کرو وہ بولے یا رسول اللہ اگرچہ وہ ہم پر ظلم کریں فرمایا انہیں راضی کرو اگرچہ تم ظلم کیے جاؤ ۱(ابوداؤد)

(۱۶۹۱)۱اس کی شرح پہلے گزر چکی یہ بدوی حضرات شرعی مسائل سے پورے واقف نہ تھے اور زکوۃ وصول کرنے والے عامل جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مقرر ہوتے تھے وہ تقریباً تمام مسائل سے خصوصاً زکوۃ کے مسائل سے پورے خبردار ہوتے تھے' یہ دیہاتی حضرات اپنی کم علمی کی وجہ سے سمجھتے تھے کہ عاملین ہم پر زیادتی کررہے ہیں' اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگرچہ تم ان کے جائز عمل کو ظلم ہی سمجھتے رہو مگر ان کی بات مانو اور ان کے کہے پر عمل کرو' انہیں راضی کرکے واپس کرو کیونکہ میرے صحابہ ظالم نہیں ہوسکتے' وہ میرے صحبت یافتہ وتعلیم یافتہ ہیں اور بشہادت قرآن کریم وہ سب عادل ہیں' لہذا اس حدیث میں نہ تو حکام کو ظلم کی اجازت ہے اور نہ اس سے صحابہ کا ظالم وفاسق ہونا ثابت ہوسکتا ہے' خیال رہے کہ جو کسی صحابی کو ظالم مانے وہ چیونٹی سے بھی زیادہ بے وقوف ہے' قرآن کریم فرماتا ہے کہ چیونٹی نے اپنی سہیلیوں کو لشکر سلیمانی سے خبردار کرتے ہوئے یہ کہا: لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ (۲۷،۱۸) تمہیں کچل نہ ڈالیں سلیمان اور ان کے لشکر بے خبری میں (کنزالایمان) یعنی ایسا نہ ہو کہ تم لشکر سلیمانی یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کے اصحاب کے پاؤں تلے روندی جاؤ اور انہیں خبر نہ ہو۔مطلب یہ ہے کہ وہ حضرات جان بوجھ کر چیونٹی کو بھی نہیں کچلتے' صحابہ کرام کی آپس کی جنگیں وہ لَا يَشْعُرُوْنَ کے ماتحت ہوئیں۔دیکھو یہاں حضور علیہ السلام نے ان لوگوں سے ظلم کی تفصیل نہ پوچھی' کیونکہ آپ جانتے تھے کہ وہ ظلم کرتے ہی نہیں۔

وَعَنْ بَشِيْرِ بْنِ الْخَصَاصِيَّةِ قَالَ قُلْنَا اِنَّ اَهْلَ الصَّدَقَةِ يَعْتَدُوْنَ عَلَيْنَا اَفَنَكْتُمُ مِنْ اَمْوَالِنَا بِقَدْرِ مَايَعْتَدُوْنَ قَالَ لَا (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

(۱۶۹۲) روایت ہے حضرت بشیر ابن خصاصیہ سے ۱فرماتے ہیں ہم نے عرض کیا کہ زکوۃ وصول کرنے والے ہم پر زیادتی کرتے ہیں تو کیا ہم ان کی زیادتی کی بقدر اپنے مال چھپالیا کریں فرمایا نہیں ۲(ابوداؤد)

(۱۶۹۲)۱آپ کے والد کا نام معبد یا یزید ہے' ان کی کنیت خصاصیہ ہے' خصاصیہ ان کی ماں کا نام تھا کیونکہ وہ قبیلہ خصاص کی تھیں جو خاندان ازد کا ایک مشہور قبیلہ ہے ۲حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عاملوں کی شکایت کرنے والوں کا منشاء یہ تھا کہ انہیں کچھ نصاب چھپالینے اور زکوۃ پوری ادا نہ کرنے کی اجازت دے دی جائے اور اگر اجازت دے دی جاتی تو یہ سلسلہ ایسا بڑھ جاتا کہ دنیا سے زکوۃ ہی مٹ کر رہ جاتی' اس لیے فرمایا گیا چھپاؤ مت' اگر وہ زیادہ مانگیں تو ان سے مسئلہ شرعی پوچھو' نہ مانیں تو ان کیخلاف قانونی کارروائی کرو۔

وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْعَامِلُ عَلَى الصَّدَقَةِ بِالْحَقِّ كَالْغَازِيْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلٰى بَيْتِهٖ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)

(۱۶۹۳) روایت ہے حضرت رافع ابن خدیج سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ زکوۃ کا سچا عامل اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے حتی کہ اپنے گھر واپس آجائے ۱ (ابوداؤد ترمذی)

(۱۶۹۳)۱یعنی جیسے مجاہد جاتے آتے ہر حال میں عبادت کا ثواب پاتا ہے' ایسے ہی انصاف والا عامل ہر حال میں ثواب پائے گا' کیونکہ مجاہد اسلام کے پھیلانے کا ذریعہ ہے اور یہ عامل اسلامی قانون پھیلانے' مالداروں کو ان کے فریضہ سے فارغ کرنے اور فقراء کو ان

کا حق دلانے کا ذریعہ‘اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر نیت خیر ہوتو دینی خدمت پر تنخواہ لینے کی وجہ سے اس کا ثواب کم نہیں ہوتا‘ دیکھو ان عاملوں کو پوری اجرت دی جاتی تھی مگر ساتھ میں یہ ثواب بھی تھا‘ چنانچہ مجاہد کو غنیمت بھی ملتی ہے اور ثواب بھی‘ حضرات خلفائے راشدین سواء حضرت عثمان غنی کے سب نے خلافت پر تنخواہیں لیں‘ مگر ثواب کسی کا کم نہیں ہوا‘ ایسے ہی وہ علماء یا امام وموذن جو تنخواہ لے کر تعلیم‘ اذان‘ امامت کے فرائض انجام دیتے ہیں اگر ان کی نیت خدمت دین کی ہے تو انشاءاللہ ثواب بھی ضرور پائیں گے‘ ہم نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ شرعی مسئلہ بتانے کی اجرت لینا حرام ہے مگر فتویٰ لکھنے کی اجرت لینا جائز‘ رب تعالٰی فرماتا ہے: لَا یُضَآرَّ کَاتِبٌ وَّلَا شَهِیْدٌ (۲،۲۸۲) نہ کسی لکھنے والے کو ضرر دیا جائے نہ گواہ کو (یا نہ لکھنے والا ضرر دے نہ گواہ) (کنزالایمان)

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا جَلَبَ وَلَا جَنَبَ وَلَا تُؤْخَذُ صَدَقَاتُهُمْ اِلَّا فِیْ دُوْرِهِمْ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۱۶۹۴) روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی[۱] وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا نہ مال ایک جگہ منگانا جائز ہے نہ دور لے جانا لوگوں کے صدقات ان کے گھروں میں ہی لیے جائیں[۲] (ابوداؤد)

(۱۶۹۴)[۱] خیال رہے کہ عمرو ابن شعیب کی اسناد والی احادیث مسلم بخاری نے ہرگز نہ لیں کیونکہ یہ ہر جگہ اسی طرح اسناد کرتے ہیں‘ حالانکہ ان کی ملاقات اپنے دادا محمد ابن عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے نہیں اور نہ ان محمد کی ملاقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے لہذا یہ اسناد منقطع ہے متصل نہیں یہ بحث پہلے بھی ہو چکی ہے (مرقات) [۲] یعنی نہ تو عامل کو یہ جائز ہے کہ ایک جگہ بیٹھ جائے اور لوگوں سے کہے اپنے اپنے مال جانور وغیرہ یہاں لاکر مجھے دکھاؤ اور حساب سے زکوۃ دو‘ کیونکہ اس میں مال والوں کو سخت دشواری ہوگی اور نہ مال والوں کو یہ جائز کہ اپنے جانور وغیرہ بکھیر دیں دور دور بھیج دیں کہ عامل انہیں گننے کیلئے دوڑا پھرے کہ اس میں عامل کو بہت تکلیف ہے بلکہ عامل لوگوں کے ریوڑوں اور باغوں وکھیتوں میں جاکر ہر ایک کی زکوۃ وصول کرے‘ سبحان اللہ کیا نفیس تعلیم ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَفَادَ مَالًا فَلَا زَکٰوةَ فِیْهِ حَتّٰی یَحُوْلَ عَلَیْهِ الْحَوْلُ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَذَکَرَ جَمَاعَةً اَنَّهُمْ وَقَفُوْهُ عَلَی ابْنِ عُمَرَ

(۱۶۹۵) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو مال حاصل کرے تو اس میں زکوۃ نہیں حتی کہ اس پر سال گزر جائے[۱] (ترمذی) اور ایک جماعت نے اس حدیث کو حضرت ابن عمر پر موقوف کیا[۲]

(۱۶۹۵)[۱] یعنی ادائے زکوۃ اور وجوب زکوۃ کیلئے کوئی مہینہ یا تاریخ مقرر نہیں‘ جیسا کہ پنجاب میں ماہ رجب کے اور کاٹھیاواڑ میں ماہ رمضان کو زکوۃ کا مہینہ سمجھا گیا ہے بلکہ جب مال پر سال گزرے گا زکوۃ واجب ہوگی خیال رہے کہ سال گزرنا زکوۃ کے لیے شرط وجوب ہے لہذا اگر کوئی مالک نصاب ہوتے ہی زکوۃ دینا شروع کردے اور مال پر حساب کرے یا چند سالوں کی زکوۃ ایک دم ادا کردے تو جائز ہے‘ اس حدیث کیخلاف نہیں‘ نیز اصل نصاب پر سال گزرنا ضروری ہے زائد پر ضروری نہیں‘ لہذا اگر کسی کے پاس گیارہ مہینے تک ہزار روپے رہے اور بارہویں مہینہ دس ہزار روپے اور آگئے‘ تو یہ گیارہ ہزار کی زکوۃ دے گا اگرچہ اس دس ہزار پر تیس دن ہی گزرے ہیں‘ کیونکہ اصل نصاب یعنی ہزار پر سال گزر چکا‘ یہ مسئلہ بھی اس حدیث کیخلاف نہیں‘ اس کی پوری بحث فتح القدیر اور مرقات میں اسی مقام پر دیکھو‘ اگر ہر پیسہ پر الگ سال گزرنا شرط ہوتو تاجروں کو مصیبت آجائے‘ کیونکہ ان کے پاس روزانہ سینکڑوں روپے آتے جاتے رہتے ہیں حضور انور

صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان من استفاد میں بڑی وسعت ہے' مال جیسے بھی حاصل ہو کما کر وراثت یا کسی کے عطیہ سے بہرحال سال کے بعد اس میں زکوۃ ہے کمانے ہی کی شرط نہیں ۲؎ یعنی خود ان کا قول نقل کیا' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع نہ کیا اور ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ ایسی موقوف حدیثیں جن میں قیاس کو دخل نہیں مرفوع کے حکم میں ہیں' یعنی ان صحابی نے حضور علیہ السلام سے سن کر ہی کہی ہیں۔

وَعَنْ عَلِيٍّ اَنَّ الْعَبَّاسَ سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ تَعْجِيْلِ صَدَقَتِهٖ قَبْلَ اَنْ تَحِلَّ فَرَخَّصَ لَهٗ فِيْ ذٰلِكَ

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

(۱۶۹۶) روایت ہے حضرت علی سے کہ حضرت عباس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زکوۃ فرض ہونے سے پہلے ادا کر دینے کے متعلق پوچھا تو حضور انور نے انہیں اس کی اجازت دی ۱؎

(ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ اور دارمی)

(۱۶۹۶) ۱؎ یعنی اگر کسی کے پاس بقدر نصاب مال آ گیا تو سال گزرنے سے پہلے اس کی زکوۃ دے سکتے ہیں' کیونکہ سال گزرنا زکوۃ کیلئے شرط وجوب ہے' اس کا سبب مال ہے' اسی طرح فطرہ کہ عید سے پہلے ادا کیا جا سکتا ہے' نماز کیلئے وقت وجوب کا سبب ہے' اس لیے وہ وقت سے پہلے نہیں ہو سکتی' امام مالک کے ہاں زکوۃ بھی سال گزرنے سے پہلے نہیں دے سکتے' یہ حدیث امام ابوحنیفہ اور جمہور علماء کی دلیل ہے۔

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ اَلَا مَنْ وَلِيَ يَتِيْمًا لَّهٗ مَالٌ فَلْيَتَّجِرْ فِيْهِ وَلَا يَتْرُكْهُ حَتّٰى تَاْكُلَهُ الصَّدَقَةُ

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ فِيْ اِسْنَادِهٖ مَقَالٌ لِاَنَّ الْمُثَنّٰى بْنَ الصَّبَّاحِ ضَعِيْفٌ)

(۱۶۹۷) روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خطبہ دیا تو فرمایا کہ جو کسی یتیم کا ولی ہو جس کے پاس مال ہو تو وہ اس میں تجارت کرے اسے چھوڑے نہ رکھے کہ زکوۃ کھا جائے ۱؎

(ترمذی) فرمایا ترمذی نے کہ اس کی اسناد میں کچھ گفتگو ہے کیونکہ مثنی بن صباح ضعیف ہے۔

(۱۶۹۷) ۱؎ اس حدیث کی بنا پر امام شافعی و مالک و احمد نے فرمایا کہ نابالغ بچے کے مال میں زکوۃ واجب ہے' دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یتیم کے ولی کو حکم دیا کہ یتیم کا مال تجارت سے بڑھاؤ' ایسا نہ ہو کہ ہر سال اس میں سے زکوۃ نکلتی رہے اور مال ختم ہو جائے' امام اعظم کے نزدیک بچے اور دیوانے کے مال میں زکوۃ نہیں' کیونکہ زکوۃ بھی نماز روزہ کی طرح محض عبادت ہے' جب اس پر نماز روزہ اور حج نہیں تو زکوۃ بھی نہیں ابوداؤد' نسائی اور حاکم نے باسناد صحیح روایت کی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین شخص مرفوع القلم ہیں' سونے والا حتی کہ جاگ جائے' بچہ یہاں تک کہ بالغ ہو جائے' دیوانہ تا آنکہ عاقل ہو جائے۔ امام محمد نے کتاب الآثار میں حضرت ابن مسعود سے روایت فرمائی آپ فرماتے ہیں کہ یتیم کے مال میں زکوۃ نہیں' اسی طرح حضرت ابن عباس سے بھی مروی ہے' رہی یہ حدیث وہ چند طرح مجروح ہے کیونکہ تدلیس ہے جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ نہ عمرو ابن شعیب نے اپنے دادا محمد ابن عمرو کو دیکھا اور نہ ان کے دادا نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی' مگر طریقہ بیان ایسا ہے کہ معلوم ہوتا ہے دونوں ملاقاتیں ثابت ہیں یعنی غیر متصل' متصل معلوم ہوتی ہے۔ اسی کو تدلیس کہتے ہیں نیز ترمذی نے فرمایا کہ مثنی ابن صباح راوی ضعیف ہیں اور امام احمد نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح نہیں دارقطنی نے اس کی دو اسنادیں نقل کیں اور دونوں کو ضعیف کہا' بہرحال یہ حدیث قابل حجت نہیں' مذہب حنفی نہایت قوی ہے خیال رہے کہ محض عبادت بچے پر فرض نہیں' لیکن ٹیکس اور خراج بچے کے مال سے لیے جائیں گے وہ

محض عبادت نہیں ان پر زکوٰۃ کو قیاس نہیں کر سکتے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ لَمَّا تُوُفِّیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاسْتُخْلِفَ اَبُوْبَكْرٍ بَعْدَهٗ وَكَفَرَ مَنْ كَفَرَ مِنَ الْعَرَبِ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لِاَبِیْ بَكْرٍ كَیْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ وَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَمَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ عَصَمَ مِنِّیْ مَالَهٗ وَنَفْسَهٗ اِلَّا بِحَقِّهٖ وَحِسَابُهٗ عَلَی اللّٰهِ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ وَّاللّٰهِ لَاُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَیْنَ الصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ فَاِنَّ الزَّكٰوةَ حَقُّ الْمَالِ وَاللّٰهِ لَوْمَنَعُوْنِیْ عَنَاقاً كَانُوْا یُؤَدُّوْنَهَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلٰی مَنْعِهَا قَالَ عُمَرُ فَوَاللّٰهِ مَا هُوَ اِلَّا رَاَیْتُ اَنَّ اللّٰهَ شَرَحَ صَدْرَ اَبِیْ بَكْرٍ لِلْقِتَالِ فَعَرَفْتُ اَنَّهُ الْحَقُّ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

تیسری فصل

(۱۶۹۸) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور آپ کے بعد حضرت ابوبکر خلیفہ ہوئے اور دیہاتیوں میں جو کافر ہوئے وہ ہوئے[۱] تو حضرت عمر ابن خطاب نے حضرت ابوبکر سے عرض کیا کہ آپ ان لوگوں سے جنگ کیسے کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے تو یہ فرمایا ہے کہ مجھے لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا۔ حتیٰ کہ وہ کہیں لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ تو جس نے لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ لیا اس نے مجھ سے اپنی جان و مال بچالیے مگر حق اسلام کے ماتحت اور اس کا حساب اللہ کے ذمہ ہے[۲] تو حضرت ابوبکر نے فرمایا رب کی قسم میں اس پر جہاد کروں گا جو نماز و زکوٰۃ میں فرق کرے کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے[۳] اللہ کی قسم اگر وہ مجھے بکری کا بچہ نہ دیں جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے تو میں اس منع کرنے پر ان سے جہاد کروں گا[۴] حضرت عمر فرماتے ہیں خدا کی قسم میرا یہ حال ہوا کہ میں نے یہ یقین سے جان لیا کہ اس جہاد کیلئے ابوبکر کا سینہ رب نے کھولا ہے میں پہچان گیا کہ یہ جہاد برحق ہے[۵] (مسلم بخاری)

(۱۶۹۸) خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قبیلہ غطفان، فزارہ، بنی سلیم وغیرہم نے وجوب زکوٰۃ کا انکار کردیا اور بولے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے: خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً (۹:۱۰۳) اور اے محبوب! ان کے مال میں سے زکوٰۃ تحصیل کرو (کنزالایمان) یارسول اللہ ان کے مال کی زکوٰۃ آپ وصول کرو جب وصول کرنے والے تشریف لے گئے تو زکوٰۃ بھی ختم، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں مرتد قرار دیا اور ان پر جہاد کی تیاری فرمائی، اسی طرف قرآن کریم نے اشارہ فرمایا تھا: مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ (۵:۵۴) تم میں جو کوئی اپنے دین سے پھرے گا تو عنقریب اللہ ایسے لوگ لائے گا کہ وہ اللہ کے پیارے اور ان کا پیارا۔ (کنزالایمان) صدیقی جماعت ہی وہ جماعت ہے جو ان مرتدین کی سرکوبی کیلئے رب تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہوئی، یہ خدا کو پیاری، خدا اسے پیارا خیال رہے کہ اسی عہد صدیقی میں بہت سے لوگ مسیلمہ کذاب کو نبی ماننے لگے اور مرتد ہو گئے، پہلے مرتدین پر آپ نے لشکر کشی کی ہی تھی کہ وہ توبہ کر گئے، مگر ان دوسرے مرتدین سے بہت گھمسان کا رن پڑا جس میں اکثر قاری اور حافظ صحابہ شہید ہو گئے جس پر جمع قرآن کی ضرورت پیش آئی اور حضرت صدیق نے قرآن پاک جمع فرمایا، اس موقع پر قرآن کریم نے اس طرح خبر دی قُلْ لِّلْمُخَلَّفِیْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰی قَوْمٍ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْیُسْلِمُوْنَ (۴۸:۱۶) ان کے پیچھے رہ گئے ہوئے گنواروں سے فرماؤ عنقریب تم ایک سخت لڑائی والی قوم کی طرف بلائے جاؤ گے کہ ان سے لڑو یا وہ مسلمان ہو جائیں۔ (کنزالایمان)

۲؎ فاروق اعظم اولاً منکرین زکوٰۃ پر جہاد کے مخالف تھے‘ ان کی دلیل اس حدیث کے ظاہری الفاظ تھے کہ کلمہ گو پر جہاد کیسا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہری کلمہ پڑھنے والے منافقین پر جہاد نہ فرمایا تو یہ مانعین زکوٰۃ تو دل سے کلمہ پڑھ رہے ہیں اور زکوٰۃ کے سوا تمام فرائض کے معتقد ہیں تو ان پر آپ جہاد کیسے کر سکتے ہیں‘ فاروق اعظم کی پیش کردہ حدیث کی پوری شرح مکمل بحث کے ساتھ کتاب الایمان کے شروع میں ہو چکی کہ یہاں حتیٰ بمعنی کے ہے۔ ۳؎ صدیق اکبر کا یہ جواب نہایت جامع اور مختصر ہے‘ خلاصہ یہ ہے کہ اے عمر تم نے اپنی حدیث میں یہ لفظ نہ دیکھا اِلَّا بِحَقِّهٖ یعنی کلمہ گو کو حق اسلام کی وجہ سے قتل کیا جا سکتا ہے‘ نماز بھی حق اسلام ہے اور زکوٰۃ بھی‘ جو ان دونوں میں فرق کرے کہ نماز کو مانے‘ زکوٰۃ کا انکار کرے وہ یقیناً مستحق جہاد ہے‘ رہے منافقین‘ ان کے متعلق حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حدیث میں فرمادیا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ یعنی ہم دل سے بحث نہ کریں گے جو کوئی بظاہر اسلام کے سارے ارکان کا اقرار کرے ہم اس پر جہاد نہ کریں گے دل میں اس کے کچھ بھی ہو منافقین کسی رکن اسلامی کے زبان سے منکر نہ تھے‘ سبحان اللہ کیا پاکیزہ استدلال ہے ۴؎ یعنی اے عمر وجوب زکوٰۃ کا انکار تو بڑی چیز ہے‘ اگر وہ لوگ ظاہری مال یعنی پیداوار اور جانوروں کی زکوٰۃ ہمارے بیت المال میں داخل نہ کریں تب بھی تو وہ سرکوبی کے مستحق ہیں کیونکہ اس میں ایک سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدہ دانستہ انکار ہے اس جگہ مرقات میں ہے کہ اگر کوئی قوم اذان دینا چھوڑ دے تو سلطان اسلام ان سے بھی جنگ کرے گا کیونکہ اس میں شعار اسلامی کا بند کرنا ہے‘ خیال رہے کہ اب چونکہ بادشاہ عموماً لاپروا اور حکام فاسق ہو گئے جن سے امید نہیں کہ زکوٰتوں کو ان کے مصرفوں پر صرف کریں لہٰذا اب انہیں کوئی زکوٰۃ نہ دی جائے اسی لیے صدیق اکبر نے مَنَعُوْنِیْ فرمایا یعنی مجھے اور مجھ جیسے عادل سلطان اسلام (جس کے سارے حکام منصف ہوں) کو زکوٰۃ نہ دیں تو ان پر جنگ ہوگی‘ مرقات نے اس جگہ فرمایا کہ عثمان غنی کے زمانے میں لوگوں کا حال بدل گیا تھا اس لئے آپ نے زکوٰۃ وصول کرنے میں سختی نہ فرمائی بلکہ مال والے اپنی زکوٰتیں خود دینے لگے اور کسی صحابی نے آپ کے اس عمل پر انکار نہ کیا خیال رہے کہ وجوب زکوٰۃ کا انکار کفر ہے۔ ایسے لوگوں پر اسلامی جہاد ہوگا اور اس زمانہ میں خلیفۃ المسلمین کو زکوٰۃ نہ ادا کرنا بغاوت تھی جس پر ان کےخلاف تادیبی کارروائی حتیٰ کہ جنگ بھی کی جا سکتی تھی‘ لہٰذا یہ حدیث بالکل واضح ہے اور اس کے شروع میں کَفَرَ مَنْ کَفَرَ فرمانا بالکل درست ہے۔ مرقات میں یہاں ہے کہ احناف کے نزدیک حاکم کو جبراً زکوٰۃ وصول کرنے کا حق نہیں‘ شوافع کے ہاں ہے یہ حدیث چونکہ منکرین زکوٰۃ کے متعلق ہے اس لیے احناف کےخلاف نہیں۔ ۵؎ یعنی میں نے حضرت صدیق کی رائے کی طرف رجوع کر لیا‘ اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ صدیق اکبر بعد نبی تمام مخلوق سے بڑے عالم اور بڑے سیاستدان تھے۔ انہی کے علم پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا دفن اپنے حجرے میں ہوا۔ انہی کے علم پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا چھوڑا ہوا مال وقف بنا‘ انہی کے علم پر اس جہاد کی تیاری ہوئی‘ اگر آج آپ تھوڑی نرمی کرتے تو فرائض اسلامی کے انکار کا دروازہ کھل جاتا‘ اسی لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت آپ ہی کو جانشین امام نماز بنایا انہی کی سیاست سے حجاز بلکہ عرب میں امن و امان بحال ہوا اور فاروقی فتوحات کیلئے راستہ صاف ہوا‘ دوسرے یہ کہ ایک شعار اسلامی کا انکار بھی ایسا ہی کفر ہے جیسے سارے ارکان کا انکار تیسرے یہ کہ کلمہ گو مرتدین پر جہاد کیا جائے گا۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُوْنُ كَنْزُ اَحَدِكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ شُجَاعًا اَقْرَعَ

(۱۶۹۹) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے ہر ایک کا خزانہ قیامت کے دن گنجا سانپ۔

يَفِرُّ مِنْهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يَطْلُبُهُ حَتّٰى يُلْقِمَهُ اَصَابِعَهُ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

ہوگا جس سے اس کا مالک بھاگے گا اور مال اسے ڈھونڈے گا حتی کہ اس کی انگلیوں کو لقمہ کرے گا۱(احمد)

(۱۶۹۷)۱اس کی پوری شرح ابھی کچھ پہلے ہو چکی' چونکہ زکوٰۃ ہاتھ سے ادا کی جاتی ہے جس سے یہ بخیل محروم رہا' اس لیے وہ سانپ اس کی انگلیاں بھی چبائے گا۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ رَجُلٍ لَّا يُؤَدِّيْ زَكٰوةَ مَالِهٖ اِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْ عُنُقِهٖ شُجَاعًا ثُمَّ قَرَأَ عَلَيْنَا مِصْدَاقَهُ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (اَلْاٰيَةَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

(۱۷۰۰) روایت ہے حضرت ابن مسعود سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا ایسا کوئی شخص نہیں جو اپنے مال کی زکوٰۃ نہ دے مگر اللہ قیامت کے دن اس کے گلے میں اسے سانپ بنا کر ڈالے گا۱پھر آپ نے ہم پر اس دلیل میں قرآن شریف سے یہ آیت پڑھی کہ جو لوگ اللہ کے دیئے مال میں بخل کرتے ہیں وہ یہ نہ سمجھیں الایہ۲(ترمذی نسائی ابن ماجہ)

(۱۷۰۰)۱اس طرح کہ پہلے یہ مال سانپ بن کر اس کے پیچھے بھاگے گا' پھر اسے پکڑ کر اس کے گلے میں طوق بن کر پڑ جائے گا' انگلیاں بھی چباتا رہے گا اور ڈستا بھی رہے گا' چونکہ گلے کا ہار ہر وقت نظر آتا ہے اور جیب کے اندر کی چیز ہر وقت نظر نہیں آتی' اس لیے یہ سانپ گلے میں پڑے گا تاکہ دیکھ کر ہر وقت ڈرتا رہے اور محشر کے دوسرے لوگ پہچان جائیں کہ کنجوس یہ ہے یہ واقعہ مسلمان کی عیب پوشی کیخلاف نہیں جیسے کہ ابھی عرض کیا جاچکا۲صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ بخل صرف مال میں ہی نہیں ہوتا بلکہ مال' کمال' اعمال' احوال' افضال سب میں ہوتا ہے لفظ مِنْ فَضْلِهٖ سب کو شامل ہے۔ عالم اور صوفی کو چاہیے کہ لوگوں میں علم و ہدایت پھیلائیں ورنہ ان کی پکڑ مالی بخیل سے زیادہ ہوگی' رب تعالٰی فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ (۲:۱۷۴) وہ جو چھپاتے ہیں اللہ کی اتاری کتاب۔ (کنزالایمان)

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا خَالَطَتِ الزَّكٰوةُ مَالًا قَطُّ اِلَّا اَهْلَكَتْهُ رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَالْبُخَارِيُّ فِيْ تَارِيْخِهٖ وَالْحُمَيْدِيُّ وَزَادَ قَالَ يَكُوْنُ قَدْ وَجَبَ عَلَيْكَ صَدَقَةٌ فَلَا تُخْرِجُهَا فَيُهْلِكَ الْحَرَامُ الْحَلَالَ وَقَدِ احْتَجَّ بِهٖ مَنْ يَّرٰى تَعَلُّقَ الزَّكٰوةِ بِالْعَيْنِ هٰكَذَا فِي الْمُنْتَقٰى وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ عَنْ اَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ بِاِسْنَادِهٖ اِلٰى عَائِشَةَ وَقَالَ اَحْمَدُ فِيْ خَالَطَتْ تَفْسِيْرُهُ اَنَّ الرَّجُلَ يَاْخُذُ الزَّكٰوةَ وَهُوَ مُوْسِرٌ اَوْ غَنِيٌّ وَّاِنَّمَا هِيَ لِلْفُقَرَآءِ .

(۱۷۰۱) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جب کبھی زکوٰۃ مال میں مخلوط ہوگی تو اسے ہلاک ہی کردے گی۱(شافعی اور بخاری نے اپنی تاریخ میں اور حمیدی نے یہ زیادتی بھی کی کہ فرمایا ایسا ہوتا ہے کہ تم پر زکوٰۃ فرض ہو اور تم نہ نکالو تو حرام حلال کو ہلاک کردے)۲اسی حدیث سے انہوں نے استدلال کیا ہے جو زکوٰۃ کو عین مال کے متعلق مانتے ہیں یوں ہی منتقٰی میں ہے۔۳اور بیہقی نے شعب الایمان میں امام احمد بن حنبل سے روایت کی ان کی اسناد حضرت عائشہ تک ہے۔ امام احمد نے مخلوط ہونے کی تفسیر یہ کی کہ کوئی شخص زکوٰۃ لے لے حالانکہ وہ خود مالدار غنی ہو زکوٰۃ تو غریبوں کیلئے ہے۴

(۱۷۰۱)۱مال میں زکوٰۃ مخلوط ہونے کی دو صورتیں ہیں' ایک یہ کہ صاحب نصاب جس پر خود زکوٰۃ فرض ہو' وہ فقیر بن کر لوگوں سے

زکوٰۃ لے اور اپنے مال میں ملا کر بڑھائے' دوسرے یہ کہ آدمی زکوٰۃ نہ نکالے' جو مال زکوٰۃ میں نکلنا چاہیے تھا وہ اپنے مال ہی میں رکھے' پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں اور دوسرے معنی زیادہ قوی ہلاک کرنے کی بھی دوصورتیں ہیں' ایک یہ کہ زکوٰۃ کے مخلوط ہونے کی وجہ سے سارے مال کی برکت مٹ جائے اور کچھ دنوں میں مال ختم ہو جائے' یا کوئی ناگہانی آفت آپڑے جس سے سارا مال برباد ہو جائے' جیسے بیماری' مقدمہ' چوری' ڈکیتی یا حرق وغرق یعنی جلنا ڈوبنا' دوسرے یہ کہ یہ سارا مال اگرچہ رہے تو مگر ان سے نفع لینا جائز نہ ہو' کیونکہ حرام اور حرام سے مخلوط چیز ناقابل انتفاع ہے۔ دوسرے معنی ہی کی بنا پر صاحب مشکوٰۃ کا آئندہ کلام ہے۔۲؎ قَالَ کا فاعل امام بخاری ہیں یعنی حمیدی کہتے ہیں کہ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں اس حدیث کی یہ شرح فرمائی۔۳؎ خیال رہے کہ امام شافعی وغیرہ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ مالک کے ذمہ میں واجب نہیں ہوتی بلکہ عین مال میں ہوتی ہے' لہذا ان کے ہاں ہر مال کی زکوٰۃ اسی سے ادا کرنا پڑے گی' اس کی قیمت یا اس قیمت کا دوسرا مال زکوٰۃ میں نہیں دیا جا سکتا' بکریوں کی زکوٰۃ میں بکری ہی دی جائے گی اور سونے چاندی کی زکوٰۃ میں سونا اور چاندی ہی' وہ زکوٰۃ کی قربانی یا ہدی پر قیاس کرتے ہیں کہ ان کی قیمت نہیں دی جاتی (لمعات) ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مال کی زکوٰۃ میں خود سونا چاندی یا اس کی قیمت یا اس قیمت کی روٹیاں کوئی جانور کپڑا صابن وغیرہ دے سکتا ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ کا منشاء فقیر کو رزق پہنچانا اور اس کی حاجت روائی ہے۔ ان بزرگوں کا اس حدیث سے دلیل پکڑنا کچھ ضعیف ہی سا ہے' کیونکہ ان حضرات نے لفظ خلط سے استدلال کیا ہے کہ خلط مال کا ہوتا ہے نہ کہ ذمہ کا' مگر یہ ظاہر کے خلاف ہے' اسی لیے خود صاحب مشکوٰۃ اگلا کلام فرما رہے ہیں۔۴؎ اس توجیہ نے حدیث کو بالکل واضح کر دیا کہ جو مال زکوٰۃ بن کر امیر کے پاس سے نکل چکا اسے گو غیر مستحق زکوٰۃ لے کر اپنے مال سے ملا لے۔ اب خلط کے معنی بالکل واضح ہو گئے۔

بَابُ مَا يَجِبُ فِيْهِ الزَّكٰوةِ

باب کس چیز میں زکوٰۃ واجب ہے

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

خیال رہے کہ جانور سونا چاندی اور تجارتی مالوں میں بالاتفاق زکوٰۃ واجب ہے' البتہ سبزیاں میوے جو سال تک نہ ٹھہر سکیں ان میں اختلاف ہے' امام اعظم کے ہاں ان میں مطلقاً زکوٰۃ ہے اور دیگر اماموں کے ہاں نہیں نیز کھجوروں اور چھوہاروں وغیرہ میں امام اعظم کے ہاں مطلقاً زکوٰۃ واجب ہے خواہ کتنے ہی پیدا ہوں اور صاحبین کے ہاں جب پانچ وسق ہوں۔

عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسَةِ اَوْسُقٍ مِّنَ التَّمْرِ صَدَقَةٌ وَّلَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسِ اَوَاقٍ مِّنَ الْوَرِقِ صَدَقَةٌ وَّلَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسِ ذُوْدٍ مِّنَ الْاِبِلِ صَدَقَةٌ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۷۰۲) روایت ہے حضرت ابی سعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پانچ وسق چھوہاروں سے کم میں صدقہ واجب نہیں۱؎ اور پانچ اوقیہ چاندی سے کم میں صدقہ واجب نہیں۲؎ اور پانچ عدد اونٹوں سے کم میں صدقہ واجب نہیں۳؎ (مسلم بخاری)

(۱۷۰۲)۱؎ اوسق' صاع' رطل' عرب کے پیمانوں کے نام ہیں' ایک وسق ساٹھ صاع کا ہے اور ایک صاع ہمارے ۸۰ تولے والے سیر

سے تقریباً ساڑھے چار سیر ہوتا ہے تو اس حساب سے ایک وسق چھ من تیس سیر ہوا اور پانچ وسق ۳۳ من ۳۰ سیر تقریباً ہوئے' تو حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ قریباً ۳۴ من سے کم میں زکوٰۃ نہیں' یہ حدیث امام شافعی وغیرہ کی دلیل ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مطلقاً پیداوار میں زکوٰۃ ہے کم ہو یا زیادہ' امام اعظم کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ (۲،۲۶۷) اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا (کنزالایمان) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے مااخرجته الارض ففيه العشر اور بخاری کی روایت ہے فيما سقت السماء او العيون او كان عثريا العشر وفيما سقى بالنضح نصف العشر اور مسلم شریف کی وہ روایت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا فيما سقت الانهار و الغيم العشر وفيما سقى بالنضح نصف العشر اس آیت اور احادیث میں مطلقاً ما فرمایا گیا یعنی جو بھی زمین سے پیدا ہو اس میں دسواں یا بیسواں حصہ زکوٰۃ ہے۔ نیز عبدالرزاق نے حضرت عمر ابن عبدالعزیز مجاہد اور ابراہیم رضی اللہ عنہم سے روایت کی کہ یہ سب حضرات فرماتے ہیں فيما انبتت الارض من قليل و كثير العشر زمین کی ہر تھوڑی بہت پیداوار میں دسواں حصہ ہے' اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ غلہ وغیرہ کے تاجروں پر زکوٰۃ تجارت پانچ وسق سے کم میں نہ ہوگی' کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک وسق کھجور کی قیمت چالیس درہم تھی تو پانچ وسق کی قیمت دو سو درہم ہوئی' چاندی کا نصاب زکوٰۃ دوسو درہم ہی ہیں اور اگر مان بھی لیا جائے کہ اس حدیث میں پیداوار کی ہی زکوٰۃ مراد ہے تو احادیث متعارض ہوں گی اور تعارض کے وقت احتیاط اسی میں ہے کہ کم کی بھی زکوٰۃ نکالی جائے' خیال رہے کہ زکوٰۃ تجارت اور ہے زکوٰۃ پیداوار اور اس کی پوری تحقیق فتح القدیر میں اور اسی جگہ مرقات میں دیکھو خیال رہے کہ ان اماموں کے نزدیک سڑگل جانے والے پھلوں اور سبزیوں میں بھی زکوٰۃ نہیں جو سال بھر ٹھہر سکے اس میں زکوٰۃ ہے۔ امام اعظم کے نزدیک ان میں بھی زکوٰۃ ہے' ان کے دلائل وہی ہیں جو ابھی مذکور ہوئے ۳؎ ایک اوقیہ ۴۰ درہم کا پانچ اوقیہ ۲۰۰ درہم ہوئے اور دس درہم سات مثقال کے اور ایک مثقال ساڑھے چار ماشہ کا' اس حساب سے دوسو درہم باون تولہ چھ ماشہ ہوئے' یہ چاندی کا نصاب ہے' درہم کی قیمت کا اعتبار نہیں وزن کا لحاظ ہے ۴؎ جانوروں کی زکوٰۃ کی تفصیل آگے آرہی ہے کہ پانچ اونٹوں میں ایک بکری واجب ہوتی ہے جبکہ وہ سائمہ ہوں یعنی سال کا اکثر حصہ جنگل میں چریں مالک پر ان کے چارے کا خرچ نہ ہو' خیال رہے کہ ذود کے معنی ہیں عدد یا نفر' یہ تین سے دس تک بولا جاتا ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ صَدَقَةٌ فِیْ عَبْدِهٖ وَلَا فِیْ فَرَسِهٖ وَفِیْ رِوَايَةٍ قَالَ لَيْسَ فِیْ عَبْدِهٖ صَدَقَةٌ اِلَّا صَدَقَةُ الْفِطْرِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۷۰۳) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمان پر اپنا نہ تو اس کے غلام میں صدقہ واجب ہے نہ اس کے گھوڑے میں اور ایک روایت میں ہے کہ فرمایا اس کے غلام میں زکوٰۃ تو نہیں مگر صدقہ فطرہ واجب ہے۲؎ (مسلم بخاری)

(۱۷۰۳) ۱؎ مسلمان کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار پر زکوٰۃ فرض نہیں' اسی لیے کوئی کافر مسلمان ہو جانے پر زمانہ کفر کی نہ نمازیں قضا کرتا ہے نہ زکوٰۃ دیتا ہے' ہاں قیامت میں کفار کو عبادات نہ کرنے کی بھی سزا ملے گی رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ دوزخی کہیں گے قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ (۷۴،۴۳) وہ بولے ہم نماز نہ پڑھتے تھے (کنزالایمان) لہٰذا حدیث وقرآن میں تعارض نہیں ۲؎ تجارتی گھوڑوں اور غلاموں میں تمام اماموں کے نزدیک زکوٰۃ ہے اور سواری کے گھوڑے اور خدمت کے غلام میں کسی کے ہاں زکوٰۃ نہیں' ہاں جو گھوڑے سواری و

تجارت دونوں کے لیے نہ ہوں ان کی مادہ میں امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک زکوٰۃ ہے کہ مالک یا تو فی گھوڑی ایک اشرفی دے دے یا اس کی قیمت کا چالیسواں حصہ نکال دے، لہٰذا یہ حدیث امام اعظم کیخلاف نہیں کیونکہ یہاں سواری کا گھوڑا اور خدمت کا غلام مراد ہے۔ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے کہ گھوڑے اور غلام میں صاحبین کے مذہب پر فتویٰ ہے کہ ان میں زکوٰۃ نہیں، اسی طرح مرقات میں ہے، خیال رہے کہ خدمت کے غلام کا فطرہ مالک پر واجب ہے، اس کی زکوٰۃ نہیں، نوکر چاکروں کا فطرہ آقا پر نہیں، کیونکہ یہ اس کے غلام نہیں۔

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ اَبَابَكْرٍ كَتَبَ لَهٗ هٰذَا الْكِتٰبَ لَمَّا وَجَّهَهٗ اِلَى الْبَحْرَيْنِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هٰذِهٖ فَرِيْضَةُ الصَّدَقَةِ الَّتِيْ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ وَالَّتِيْ اَمَرَ اللهُ بِهَا رَسُوْلَهٗ فَمَنْ سُئِلَهَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ عَلٰى وَجْهِهَا فَلْيُعْطِهَا وَمَنْ سُئِلَ فَوْقَهَا فَلَا يُعْطِ فِيْ اَرْبَعٍ وَّعِشْرِيْنَ مِنَ الْاِبِلِ فَمَادُوْنَهَا مِنَ الْغَنَمِ مِنْ كُلِّ خَمْسٍ شَاةٌ فَاِذَا بَلَغَتْ خَمْسًا وَّعِشْرِيْنَ اِلٰى خَمْسٍ وَّثَلٰثِيْنَ فَفِيْهَا بِنْتُ مَخَاضٍ اُنْثٰى فَاِذَا بَلَغَتْ سِتًّا وَّثَلٰثِيْنَ اِلٰى خَمْسٍ وَّاَرْبَعِيْنَ فَفِيْهَا بِنْتُ لَبُوْنٍ اُنْثٰى فَاِذَا بَلَغَتْ سِتًّا وَّاَرْبَعِيْنَ اِلٰى سِتِّيْنَ فَفِيْهَا حِقَّةٌ طَرُوْقَةُ الْجَمَلِ فَاِذَا بَلَغَتْ وَاحِدَةً وَّسِتِّيْنَ اِلٰى خَمْسٍ وَّسَبْعِيْنَ فَفِيْهَا جَذَعَةٌ فَاِذَا بَلَغَتْ سِتًّا وَّسَبْعِيْنَ اِلٰى تِسْعِيْنَ فَفِيْهَا بِنْتَا لَبُوْنٍ فَاِذَا بَلَغَتْ اِحْدٰى وَتِسْعِيْنَ اِلٰى عِشْرِيْنَ وَمِائَةٍ فَفِيْهَا حِقَّتَانِ طَرُوْقَتَا الْجَمَلِ فَاِذَا زَادَتْ عَلٰى عِشْرِيْنَ وَمِائَةٍ فَفِيْ كُلِّ اَرْبَعِيْنَ بِنْتُ لَبُوْنٍ وَّفِيْ كُلِّ خَمْسِيْنَ حِقَّةٌ وَّمَنْ لَّمْ يَكُنْ مَعَهٗ اِلَّا اَرْبَعٌ مِّنَ الْاِبِلِ فَلَيْسَ فِيْهَا صَدَقَةٌ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ رَبُّهَا فَاِذَا بَلَغَتْ خَمْسًا فَفِيْهَا شَاةٌ وَّمَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهٗ مِنَ الْاِبِلِ صَدَقَةُ الْجَذَعَةِ وَلَيْسَتْ عِنْدَهٗ جَذَعَةٌ وَّعِنْدَهٗ حِقَّةٌ فَاِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ الْحِقَّةُ وَيَجْعَلُ مَعَهَا شَاتَيْنِ اِنِ اسْتَيْسَرَتَا لَهٗ اَوْ عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا وَّمَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهٗ

(۱۷۰۴) روایت ہے حضرت انس سے کہ حضرت ابوبکر نے جب انہیں بحرین بھیجا۱ تو انہیں یہ فرمان نامہ لکھ کر دیا مہربان رحمت والے اللہ کے نام سے یہ زکوٰۃ کا فریضہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر فرض فرمایا اور جس کا اللہ نے اپنے رسول کو حکم دیا۲ تو جس مسلمان سے اس فہرست کے مطابق مانگا جائے وہ دے دے اور جس سے زیادہ کا مطالبہ کیا جائے تو نہ دے۳ چوبیس اور اس سے کم اونٹوں کی زکوٰۃ بکری ہے کہ ہر پانچ اونٹ میں ایک بکری ہے۴ پھر جب یہ اونٹ پچیس کو پہنچیں تو پینتیس تک ایک یک سالہ مادہ اونٹنی ہے۵ پھر جب چھتیس تک پہنچیں تو پینتالیس تک میں دو سالہ مادہ اونٹنی ہے۶ پھر جب چھیالیس کو پہنچیں تو ساٹھ تک میں چار سالہ اونٹنی یعنی اونٹ کی جست کے لائق ۷ پھر جب اکسٹھ کو پہنچیں تو پچھتر تک میں ایک پنج سالہ اونٹنی ۸ پھر جب چھہتر کو پہنچیں تو نوے تک میں دو عدد دو سالہ اونٹنیاں ۹ پھر جب اکیانوے کو پہنچیں تو ایک سو بیس تک دو چار سالہ اونٹنیاں نر اونٹ کی جست کے لائق ۱۰ پھر جب ایک سو بیس سے زیادہ ہوں تو ہر چالیس میں ایک دو سالہ اونٹنی ہے اور ہر پچاس میں چار سالہ ۱۱ اور جس کے پاس صرف چار ہی اونٹ ہوں تو اس میں زکوٰۃ نہیں ہاں اگر مالک چاہے۱۲ جب پانچ کو پہنچیں تو اس میں ایک بکری ہے اور جس کے اونٹوں کی زکوٰۃ پنج سالہ اونٹنی تک پہنچے اور اس کے پاس پنج سالہ ہو نہیں بلکہ چار سالہ ہو تو اس سے چار سالہ ہی لے لی جائے اور اس کے ساتھ دو بکریاں اگر میسر ہوں یا بیس درہم ۱۳ اور جس کے اونٹوں کی زکوٰۃ چار سالہ کو پہنچے اور اس کے پاس چار سالہ ہے ہی نہیں بلکہ پنج سالہ ہو تو اس سے پنج سالہ ہی وصول کر لی جائے اور زکوٰۃ وصول کرنے والا اسے بیس درہم یا دو

صَدَقَةُ الْحِقَّةِ وَلَيْسَتْ عِنْدَهُ الْحِقَّةُ وَعِنْدَهُ الْجَذَعَةُ فَإِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ الْجَذَعَةُ وَيُعْطِيْهِ الْمُصَدِّقُ عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا اَوْ شَاتَيْنِ وَمَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهُ صَدَقَةُ الْحِقَّةِ وَلَيْسَتْ عِنْدَهُ اِلَّا بِنْتُ لَبُوْنٍ فَإِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ بِنْتُ لَبُوْنٍ وَّيُعْطِيْ شَاتَيْنِ اَوْ عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا وَّمَنْ بَلَغَتْ صَدَقَتُهُ بِنْتَ لَبُوْنٍ وَّعِنْدَهُ حِقَّةٌ فَإِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ الْحِقَّةُ وَيُعْطِيْهِ الْمُصَدِّقُ عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا اَوْ شَاتَيْنِ وَمَنْ بَلَغَتْ صَدَقَتُهُ بِنْتَ لَبُوْنٍ وَّلَيْسَتْ عِنْدَهُ وَعِنْدَهُ بِنْتُ مَخَاضٍ فَإِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ بِنْتُ مَخَاضٍ وَّيُعْطِيْ مَعَهَا عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا اَوْ شَاتَيْنِ وَمَنْ بَلَغَتْ صَدَقَتُهُ بِنْتَ مَخَاضٍ وَّلَيْسَتْ عِنْدَهُ وَعِنْدَهُ بِنْتُ لَبُوْنٍ فَإِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ وَيُعْطِيْهِ الْمُصَدِّقُ عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا اَوْ شَاتَيْنِ فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ عِنْدَهُ بِنْتُ مَخَاضٍ عَلٰى وَجْهِهَا وَعِنْدَهُ ابْنُ لَبُوْنٍ فَإِنَّهُ يُقْبَلُ مِنْهُ وَلَيْسَ مَعَهُ شَيْءٌ وَّفِيْ صَدَقَةِ الْغَنَمِ فِيْ سَائِمَتِهَا اِذَا كَانَتْ اَرْبَعِيْنَ اِلٰى عِشْرِيْنَ وَمِائَةٍ شَاةٌ فَإِذَا زَادَتْ عَلٰى عِشْرِيْنَ وَمِائَةٍ اِلٰى مِائَتَيْنِ فَفِيْهَا شَاتَانِ فَإِذَا زَادَتْ عَلٰى مِائَتَيْنِ اِلٰى ثَلٰثِ مِائَةٍ فَفِيْهَا ثَلٰثُ شِيَاهٍ فَإِذَا زَادَتْ عَلٰى ثَلٰثِ مِائَةٍ فَفِيْ كُلِّ مِائَةٍ شَاةٌ فَإِذَا كَانَتْ سَائِمَةُ الرَّجُلِ نَاقِصَةً مِّنْ اَرْبَعِيْنَ شَاةً وَّاحِدَةً فَلَيْسَ فِيْهَا صَدَقَةٌ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ رَبُّهَا وَلَا تُخْرَجُ فِي الصَّدَقَةِ هَرِمَةٌ وَّلَا ذَاتُ عَوَارٍ وَّلَا تَيْسٌ اِلَّا مَا شَاءَ الْمُصَدِّقُ وَلَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُتَفَرِّقٍ وَّلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ خَشْيَةَ الصَّدَقَةِ وَمَا كَانَ مِنْ خَلِيْطَيْنِ فَإِنَّهُمَا يَتَرَاجَعَانِ بَيْنَهُمَا بِالسَّوِيَّةِ وَفِي الرِّقَةِ رُبْعُ الْعُشْرِ فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ اِلَّا تِسْعِيْنَ وَمِائَةً فَلَيْسَ فِيْهَا شَيْءٌ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ رَبُّهَا (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

بکریاں واپس دے۱۴؎ اور جس کے اونٹوں کی زکوٰۃ چار سالہ کو پہنچے مگر اس کے پاس دو سالہ ہی ہو تو اس سے دو سالہ ہی وصول کر لی جائے اور مالک دو بکریاں یا بیس درہم بھی دے اور جس کی زکوٰۃ دو سالہ کو پہنچے مگر مالک کے پاس چار سالہ ہو تو اس سے چار سالہ ہی وصول کر لی جائے اور اسے عامل بیس درہم یا دو بکریاں واپس دے اور جس کی زکوٰۃ دو سالہ کو پہنچے اور دو سالہ اس کے پاس ہو نہیں بلکہ اس کے پاس یک سالہ ہو تو اس سے یکسالہ ہی وصول کر لی جائے اور اس کے ساتھ مالک بیس درہم یا دو بکریاں دے۱۵؎ اور جس کی زکوٰۃ یک سالہ کو پہنچے اور اس کے پاس یکہ سالہ ہو نہیں بلکہ اس کے پاس دو سالہ ہو تو اس سے وہ ہی وصول کر لی جائے اور اس کو عامل بیس درہم یا دو بکریاں واپس دے اور اگر مالک کے پاس زکوٰۃ کے مطابق یک سالہ مادہ ہو نہیں بلکہ اس کے پاس یک سالہ نر ہو تو اس سے وہ ہی لے لیا جائے اور اس کے ساتھ اور کچھ نہیں۱۶؎ اور بکریوں کی زکوٰۃ میں ۱۷؎ یعنی جنگل میں چرنے والیوں میں جب چالیس ہوں تو ایک سو بیس تک ایک بکری ہے۱۸؎ پھر جب ایک سو بیس سے بڑھ جائیں تو دو سو تک میں دو بکریاں ہیں اور جب دو سو سے زیادہ ہوں تو تین سو تک میں تین بکریاں ہیں جب تین سو سے زیادہ ہو جائیں تو ہر سینکڑے میں ایک بکری ہے۱۹؎ پھر جب کسی کی جنگل میں چرنے والی بکریاں چالیس سے ایک بھی کم ہوں تو ان میں زکوٰۃ نہیں لیکن اگر مالک چاہے تو (خیرات دے دے) ۲۰؎ اور زکوٰۃ میں نہ تو بڑھیا دی جائے نہ کانی ۲۱؎ اور نہ بکرا مگر یہ کہ عامل چاہے (تو لے لے) ۲۲؎ اور نہ تو متفرق مال کو جمع کیا جائے اور نہ زکوٰۃ کے ڈر سے جمع مال کو متفرق کیا جائے ۲۳؎ اور جو نصاب دو شریکوں کے درمیان ہو تو وہ آپس میں برابر برابر ایک دوسرے سے لے لیں۲۴؎ اور چاندی میں چالیسواں حصہ زکوٰۃ ہے اور اگر صرف ایک سو نوے درہم ہوں تو ان میں کچھ زکوٰۃ نہیں مگر یہ کہ مالک چاہے (تو دے دے) ۲۵؎

(بخاری)

(۱۷۰۴)۱؎حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں حضرت انس کو بحرین کا حاکم بنا کر بھیجا' تو انہیں جو قوانین لکھ کر دیئے ان میں زکوۃ کا قانون حسب ذیل تھا۔ خیال رہے کہ بحرین عرب کا ایک صوبہ ہے جو بصرہ سے قریب ہے' چونکہ یہ علاقہ دو دریاؤں کے بیچ میں ہے اس لیے اسے بحرین کہتے ہیں۔۲؎یعنی زکوۃ کا حکم اللہ نے دیا ہے اور اس کی تفصیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی اور کسی حکم پر بغیر تفصیل معلوم ہوئے عمل نہیں ہوسکتا' اس لیے بعد ہجرت زکوۃ دینا فرض ہوئی یہاں مرقات نے فرمایا کہ زکوۃ کا حکم ہجرت سے پہلے آیا مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفصیل بعد ہجرت بیان کی چنانچہ مکی آیتوں میں ملتا ہے۔ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ(۲'۴۳) نماز قائم رکھو اور زکوۃ دو (کنزالایمان) حضرت صدیق کا منشاء یہ ہے کہ جو کچھ میں لکھ رہا ہوں وہ اپنے اجتہاد یا قرآن وحدیث میں تاویل سے نہیں بلکہ اللہ کے صریح حکم اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے تفصیلی بیان سے ہے' اس سے معلوم ہوا کہ فرضیت اور حرمت کی نسبت حضور علیہ السلام کی طرف کی جاسکتی ہے یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے نماز و روزہ فرض کیا یا شراب و زنا حرام کیا۔۳؎یعنی اگر عامل یا حاکم مالک سے ظلماً زیادہ مانگیں تو زیادتی نہ دی جائے بلکہ اس تحریر کے مطابق ادا کی جائے یا ایسے ظالم کو بالکل زکوۃ نہ دی جائے مالک خود فقراء کو دے' کیونکہ فاسق بادشاہ اور حاکم کا خلاف شرع حکم نافذ نہیں (مرقات) اس سے معلوم ہوا کہ ناجائز قانون یا حاکم کے ناجائز حکم پر عمل کرنا شرعاً واجب نہیں' بلکہ اگر قدرت ہو تو ایسے قوانین اور احکام کو توڑ دے' وہ جو پہلے گزر چکا کہ عاملوں کو راضی کرو اگرچہ وہ ظلم ہی کریں' اس کے تین چار مطلب پہلے بیان کیے جاچکے ہیں' یعنی جو چیز تمہیں ظلم معلوم ہو اور واقع میں ظلم نہ ہو' تو اس میں عامل سے نہ جھگڑو قانونی کارروائی کرو وغیرہ لہٰذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں۔۴؎یعنی پانچ اونٹوں سے کم میں زکوۃ نہیں' پانچ سائمہ اونٹوں میں ایک بکری واجب ہے دس اونٹوں میں دو بکریاں پندرہ میں تین اور بیس میں چار خیال رہے کہ اونٹ کا یہ نصاب پانچ ہے اور زیادتی معافی ہے۔ لہٰذا اگر کسی کے پاس نو اونٹ تھے اور زکوۃ دینے کے وقت چار ہلاک ہوگئے تب بھی پوری بکری ہی دے گا۔ اس سے کچھ کم نہ کرے گا۔ یہی حق ہے اسی پر فتویٰ ہے۔۵؎یعنی چوبیس تک اونٹوں کی زکوۃ بکریوں سے دی جائے گی کہ ہر پانچ میں ایک بکری' اور اس کے بعد خود اونٹ سے ہی دی جائے گی اور زکوۃ میں اونٹ کی مادہ لی جائے گی نہ کہ نر' بنت مخاض وہ اونٹنی ہے جو ایک سال کی ہو کر دوسرے سال میں قدم رکھ دے' چونکہ اس وقت اس کی ماں دوسرے بچے سے حاملہ ہوجاتی ہے۔ اس لیے اسے بنت مخاض کہتے ہیں یعنی حاملہ کی بچی' مخاض حمل کو بھی کہتے ہیں اور دردزہ کو بھی رب تعالٰی فرماتا ہے فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰی جِذْعِ النَّخْلَةِ(۱۹'۲۳) پھر اسے جننے کا درد ایک کھجور کی جڑ میں لے آیا (کنزالایمان) یعنی حضرت مریم کو ان کا حمل یا دردزہ درخت کھجور کے پاس لایا۔۶؎یعنی بکریوں کی حالت میں پانچ پر نصاب بڑھتا تھا اور اب دس پر بڑھے گا''بنت لبون وہ دو سالہ اونٹنی ہے جو تیسرے سال میں قدم رکھ دے چونکہ اس وقت اس کی ماں دوسرے بچے کو دودھ پلاتی ہوتی ہے۔ اس لیے اسے بنت لبون کہتے ہیں یعنی دودھ پلانے والی کی بچی لبون لبن سے ہے۔ بمعنی دودھ ۷؎یعنی چھیالیس سے ساٹھ اونٹوں کی زکوۃ تین سالہ اونٹنی ہے جو چوتھے سال میں داخل ہوجائے چونکہ اس وقت اونٹنی بوجھ اٹھانے کے لائق بھی ہوجاتی ہے اور نر کی جفتی کو مستحق بھی' اس لیے اسے حقہ کہتے ہیں یعنی مستحق جفتی اسی سے حقیق ہے۔ بمعنی لائق رب تعالٰی فرماتا ہے: حَقِیْقٌ عَلٰی اَنْ لَّا اَقُوْلَ عَلَی اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ (۷'۱۰۵) مجھے سزاوار ہے کہ اللہ پر نہ کہوں مگر سچی بات (کنزالایمان)۸؎یعنی اس نصاب میں وہ اونٹنی واجب ہوگی جو پانچ کی ہو کر چھٹے سال میں قدم رکھ دے خیال رہے کہ جذع کے معنی ہیں اگنا' اسی لیے درخت کی جڑ کو جذع کہتے ہیں کہ اس پر شاخیں اگتی ہیں' رب تعالٰی فرماتا ہے فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰی جِذْعِ النَّخْلَةِ (۱۹'۲۳) پھر اسے جننے کا درد ایک کھجور کی جڑ میں لے آیا (کنزالایمان) چونکہ اس وقت اونٹنی کے سارے دانت اگ آتے ہیں

اس لیے اسے جذع کہا جاتا ہے۔۹؎ ان عبارات سے پتا لگ رہا ہے کہ دو نصابوں کے بیچ کی کسروں میں کچھ واجب نہیں لہٰذا اگر ان میں سے کچھ گھٹ جائے تو زکوٰۃ گھٹے گی نہیں۔۱۰؎ فتح القدیر میں ہے کہ زکوٰۃ کے نصاب نماز کی رکعتوں کی طرح توقیفی چیز ہیں جن میں عقل کو دخل نہیں' خیال رہے کہ اونٹ کی زکوٰۃ میں صرف مادہ یا اس کی قیمت لی جائے گی' گائے اور بکریوں کی زکوٰۃ میں مادہ اور نر دونوں لیے جا سکتے ہیں۔۱۱؎ اس کے ظاہری معنی پر بہت سے علماء کا عمل ہے کہ وہ ایک سو بیس اونٹوں کے بعد چالیس تک زکوٰۃ میں کچھ زیادتی نہیں کرتے' چالیس پر ایک بنت لبون بڑھاتے ہیں مگر امام نخعی اور سفیان ثوری اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہم ایک سو بیس اونٹوں کے بعد پھر پہلے کی طرح زکوٰۃ میں زیادتی کرتے چلے جاتے ہیں چنانچہ ان کے ہاں ایک سو پچیس اونٹوں میں دو حقے ایک بکری اور ایک سو تیس میں دو حقے دو بکریاں' اسی طرح پہلی ترتیب کے مطابق زیادتی ہوگی' ان بزرگوں کی دلیل وہ حدیث ہے جو سیدنا علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب اونٹ ایک سو بیس سے زیادہ ہو جائیں تو ترد الفرائض الی اولھا اور وہ حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو ابن حزم کو زکوٰۃ و دیتوں وغیرہما کا فرمان نامہ لکھ کر دیا جس میں اونٹ کی زکوٰۃ کے بارے میں تحریر فرمایا ان الابل اذازادت علی عشرین ومائۃ استونفت الفریضۃ فتح القدیر نے اس مقام پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کی بہت تحریریں نقل فرمائیں۔

جن میں سے بحوالہ ابوداؤد و ترمذی و ابن ماجہ حضرت عمر فاروق کی تحریر اور بحوالہ نسائی باب الدیات اور بحوالہ مراسیل ابوداؤد عمرو ابن حزم کی تحریر نقل فرمائی۔ شرح کنز میں بہت سی احادیث جمع کی ہیں جن سب میں یہی ہے کہ ایک سو بیس کے بعد نئے سرے سے زکوٰۃ واجب ہو گی۔ یہ حدیث اگرچہ بخاری کی ہے مگر وہ احادیث بھی بہت سی اسنادوں سے مروی ہیں اور امام بخاری کی پیدائش سے پہلے ہی اجتہاد مجتہدین کی بنا پر قوی ہو چکی تھیں اگر کسی کی اسناد میں بعد کو ضعف پیدا ہوا ہو تو ان مجتہدین کو مضر نہیں (از مرقات) ۱۲؎ یعنی اگر مالک چاہے تو چار اونٹوں سے ہی صدقہ نفلی ادا کر دے۔ کتنا ادا کرے' یہ اسے اختیار ہے ۱۳؎ کیونکہ چار سالہ اونٹنی کی قیمت کم ہوتی ہے' پنج سالہ کی زیادہ' مالک نے چونکہ واجب سے کم زکوٰۃ دی ہے اس کمی کو پورا کرنے کیلئے یا ساتھ میں دو بکریاں دے یا بیس درہم یعنی پانچ روپے' خیال رہے کہ اس زمانہ میں عموماً چار سالہ اور پنج سالہ میں اتنا ہی فرق ہوتا تھا اور بکری کی قیمت ڈھائی روپے ہی تھی اس لیے یہ فرمایا گیا' اب یہ حساب نہ ہوگا' اب تو ایک بکری چالیس پچاس روپے کی ہوتی ہے' اب آج کے حساب سے زیادتی کمی لی جائے گی ۱۴؎ اس کی وجہ پہلے بیان ہو چکی' یہ اس زمانہ کی قیمتوں کے حساب سے ہے۔۱۴؎ خلاصہ یہ ہے کہ اگر عامل نے زکوٰۃ سے زیادہ قیمتی جانور وصول کر لیا ہے تو بقدر زیادتی مالک کو واپس کرے اور اگر اس سے کم لیا ہے تو کمی پوری کرنے کیلئے کچھ اور بھی ساتھ لے' مگر لین دین میں حساب برابر رکھا جائے گا کیونکہ انصاف کرنا ہے۔۱۵؎ یعنی اونٹ کی زکوٰۃ میں مادہ ہی واجب ہے اگر مادہ نہ ہو تو اس سے اونچی عمر کا نر لیا جائے گا تاکہ انوثیت کا بدلہ زیادتی عمر سے ہو جائے' خیال رہے کہ مادہ نہ ہونے کی تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ مادہ موجود ہی نہیں' دوسرے یہ کہ موجود تو ہے مگر بیمار یا دبلی ہے' یا موجود تو ہے مگر بہت فربہ موٹی' نہایت اعلیٰ درجہ کی ہے اور زکوٰۃ میں درمیانی لی جاتی ہے۔ ان تینوں صورتوں میں زیادہ عمر کا نر لیا جائے گا' (مرقات) ۱۶؎ عربی میں بکری کو غنم کہتے ہیں کیونکہ اس کے پاس دشمن سے بچاؤ کا کوئی ذریعہ نہیں اس لیے اسے ہر دشمن غنیمت کی طرح آسانی سے لے لیتا ہے۔ بھیڑ اور دنبے بکریوں کے حکم میں ہیں۔۱۷؎ جنگل میں چرنے والی وہ بکری ہے جو سال کا اکثر حصہ جنگل کی قدرتی پیداوار کھا کر پلے اگر زیادہ حصہ گھر کے چارے پر گزارے تو اسے علوفہ کہیں گے۔ اس میں زکوٰۃ نہیں ہاں اگر تجارت کی بکریاں ہیں تو ان میں تجارتی زکوٰۃ ہے گھر چریں یا جنگل میں' خیال رہے کہ اگر بکریوں کے دودھ کی تجارت کرتا ہو نہ کہ عین بکری کی' تو ان میں تجارت کی زکوٰۃ نہیں ۱۸؎ خلاصہ یہ ہے کہ بکری کا نصاب

چالیس ہے خواہ خالص بکریاں ہوں یا بکری بکرے مخلوط' خالص بکروں میں زکوۃ نہیں کیونکہ ان کی نسل نہیں چلتی' پھر پہلی کسر ۸۰ ہے۔ جس میں زکوۃ نہیں بڑھتی' یعنی ایک سو بیس تک ایک ہی بکری واجب ہوتی ہے' ایک سو بیس کے بعد پھر ۸۰ کسر ہے جس سے زکوۃ نہیں بڑھتی' دو سو تک دو بکریاں ہی واجب ہوتی ہیں پھر سو کسر ہے جن سے زکوۃ نہیں بڑھتی' تین سو تک تین ہی بکریاں رہتی ہیں' تین سو کے بعد بھی سو ہی کسر ہے' چار سو پر چار بکریاں واجب ہوں گی' عام علماء کا یہی قول ہے' البتہ امام نخعی اور حسن ابن صالح رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ اگر تین سو پر ایک بکری بھی زیادہ ہوگی تو چار بکریاں واجب ہوں گی' مگر پہلا قول زیادہ قوی ہے' ظاہری حدیث اسی کی تائید کر رہی ہے۔ ۱۹؎ یہاں رجل سے مراد ہر بالغ عاقل مسلمان ہے مرد ہو یا عورت' یعنی چونکہ بکری کا نصاب چالیس ہے لہٰذا اگر انتالیس بکریاں بھی ہوں تو زکوۃ واجب نہیں ہوگی' ہاں اگر مالک کچھ صدقہ نفلی دے دے تو اسے اختیار ہے۔ ۲۰؎ بوڑھی میں بیمار بھی داخل ہے اور کانی میں ہر اس عیب والی جس سے قیمت کم ہو جائے' یہ حکم جب مالک کے پاس جوان یا بے عیب بھی ہوں' لیکن اگر اس کے پاس ساری بوڑھی یا عیب دار ہی ہوں تو انہی میں سے درمیانی بوڑھی یا عیب دار لی جائے گی۔ (مرقات) ۲۱؎ صحیح یہ ہے کہ یہاں مصدق سے مراد صدقہ لینے والا عامل ہے نہ کہ دینے والا اور یہ استثناء صرف بکرے کی طرف لوٹ رہا ہے' یعنی زکوۃ میں بکرا نہ لیا جائے گا' ہاں اگر عامل بکرے ہی کو فقراء کیلئے مفید سمجھتے تو لے لے' کیونکہ وہ فقراء کا وکیل ہے ان کی بھلائی کا لحاظ کرے' کبھی بکرا خصوصاً خصی قیمت میں بکری سے زیادہ ہوتا ہے اس جملہ کی اور بہت سی شرحیں کی گئی ہیں لیکن فقیر کی یہ شرح سیدھی صاف اور بے گردوغبار ہے ۲۲؎ یہ جملہ بہت جامع ہے جس کے بہت معنی ہو سکتے ہیں' اگر اس میں عامل کی طرف روئے سخن ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ نہ تو عامل زکوۃ لینے کیلئے چند شخصوں کا تھوڑا مال ملا کر نصاب بنالے' مثلاً دو شخصوں کے پاس بیس بیس بکریاں ہیں تو ان کو ملا کر چالیس بنالے اور زکوۃ لے لے یہ ناجائز ہے اور نہ زکوۃ بڑھانے کیلئے ایک شخص کے ایک مال کو متفرق کر دے مثلاً کسی کے پاس ایک سو بیس بکریاں ہیں جن میں ایک بکری واجب ہوتی ہے عامل انہیں چالیس کے تین نصاب بنالے اور تین بکریاں لے لے یہ ناجائز ہے' امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہی معنی کیے اور اگر روئے سخن مالک کی طرف ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ مالک تمام زکوۃ کم کرنے یا بچنے کیلئے متفرق مال جمع نہ کرے مثلاً دو شخصوں کے پاس چالیس چالیس بکریاں ہیں جن میں الگ الگ ایک بکری واجب ہوتی ہے مگر یہ دونوں عامل کے سامنے اسے شرکت کا مال قرار دے کر ایک بکری دیں یہ جرم ہے یا دو آدمیوں کی شرکت میں چالیس بکریاں ہیں جن میں ایک بکری واجب ہوتی ہے مگر عامل کے سامنے یہ دونوں تھوڑی دیر کیلئے شرکت توڑ دیں اور اگر شرکت توڑ دیں اور الگ الگ بیس بیس بکریاں دکھا کر زکوۃ سے بچ جائیں' یہ توجیہ امام شافعی کی ہے اور ہوسکتا ہے کہ روئے سخن مالک اور عامل دونوں کی طرف ہو یعنی مالک تو صدقہ سے بچنے یا کم کرنے کیلئے مجتمع کو متفرق نہ کرے اور عامل صدقہ بڑھانے یا واجب کرنے کیلئے متفرق کو جمع نہ کرے خوف صدقہ دونوں کو شامل ہے' مالک کو صدقہ واجب ہونے یا بڑھ جانے کا خوف ہوتا ہے اور عامل کو صدقہ واجب نہ رہنے یا گھٹ جانے کا اور بھی اس کی بہت شرحیں ہوسکتی ہیں یہ ہے اس افصح الفصحاء کی جامع البیانی کہ دو لفظوں میں بہت صورتیں بیان فرمادیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

وَعَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْمَا سَقَتِ السَّمَآءُ وَالْعُيُوْنُ اَوْ كَانَ عَثَرِيًّانِ الْعُشْرُ وَمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۱۷۰۵) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور نے فرمایا اس زمین میں جسے آسمان یا چشمے سیراب کریں یا ہو فارغ ۱؎ اس میں دسواں حصہ ہے اور جسے پانی کھینچ کر سیراب کیا جائے اس میں بیسواں حصہ ہے ۲؎ (بخاری)

(۱۷۰۵)۱؎ اعرابی میں عثری وہ زمین کہلاتی ہے جو پانی سے قریب ہونے کی وجہ سے خود بخود تر رہتی ہو اور اس کا مالک اسے پانی دینے سے فارغ ہو حدیث شریف میں ہے کہ عثری آدمی برا ہے یعنی جو دین و دنیا سے فارغ ہو کر کچھ کام نہ کرے وہ برا ہے (از مرقات واشعہ) نیز جس درخت کی جڑیں گہرائی میں پہنچ کر زمین کی قدرتی تری خود لے لیں اسے عثری کہتے ہیں ۲؎ خلاصہ یہ ہے کہ جس کھیت میں پانی دینے پر مالک کا خرچ ہونا اس کی زکوۃ بیسواں حصہ ہے ورنہ دسواں' کھینچنے میں کنوئیں سے نہر سے دریا سے کھینچنا سب شامل ہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْعَجْمَاءُ جُرْحُهَا جُبَارٌ وَّالْبِئْرُ جُبَارٌ وَّالْمَعْدِنُ جُبَارٌ وَّفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۷۰۶) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ علیہ وسلم نے کہ جانوروں کا زخم باطل ہے ۱؎ اور کنواں باطل ہے اور کان باطل ہے ۲؎ اور کان میں پانچواں حصہ ہے ۳؎ (مسلم بخاری)

(۱۷۰۶)۱؎ یعنی اگر کسی کا کوئی جانور گھوڑا گائے بھینس بدک کر مالک سے چھوٹ جائے اور کسی کو زخمی کردے تو مالک پر اس زخم کا قصاص یا تاوان نہ ہوگا کیونکہ یہاں مالک بے قصور ہے ہاں اگر مالک کی غفلت یا اس کے قصور سے جانور نے کسی کو جانی یا مالی نقصان پہنچایا تو مالک ذمہ دار ہے جیسے کوئی اپنا کٹ کھنا کتا دن میں کھلا چھوڑے اور وہ کسی کو زخمی کردے یا کسی کا جانور مار دے۔ انشاءاللہ اس کی پوری تحقیق کتاب القصاص میں آئے گی ۲؎ یعنی اگر کوئی شخص کسی کے کنوئیں یا کان میں گر کر مر جائے تو کنوئیں اور کان والے پر ضمان نہیں کہ وہ بے قصور ہے ہاں اگر کوئی شخص راستہ میں کنواں یا گڑھا کھود دے جس میں کوئی گر کر مر جائے اب یہ ذمہ دار ہے کیونکہ مجرم ہے ۳؎ یعنی اگر کسی کی زمین میں سونے چاندی یا کسی دھات کی قدرتی کان نکل آئے تو وہ پانچواں حصہ حکومت اسلامیہ کو دیگا اور چار حصے اپنے خرچ میں لائے گا خیال رہے کہ رکاز رکز سے بنا جس کے معنی ہیں چھپنا یا خفیہ ہونا اسی لیے پاؤں کی آہٹ کو رکز کہتے ہیں رب تعالٰی فرماتا ہے: اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا (۱۹،۹۸) یا ان کی بھنک (ذرا بھی آواز) سنتے ہو (کنزالایمان) جانور کے لات مار دینے کو بھی رکز کہتے ہیں اصطلاح میں رکز کان کو بھی کہتے ہیں اور دفینہ یعنی گاڑے ہوئے خزانہ کو بھی امام اعظم ابوحنیفہ کے ہاں رکاز سے کان مراد ہے اور امام شافعی کے ہاں دفینہ امام اعظم کی دلیل وہ حدیث ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا رکاز کیا چیز ہے تو آپ نے فرمایا کہ وہ سونا جسے رب تعالٰی نے زمین میں قدرتی پیدا فرمایا (بیہقی عن ابی ہریرہ) نیز یہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے رکاز کا ذکر معدن کے ساتھ کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی معدن ہی ہے مرقات نے فرمایا کہ کان سے بعض چیزیں گل جانے والی پیدا ہوتی ہیں جیسے سونا چاندی لوہا اور باقی دھاتیں اور بعض پتلی جیسے پانی تیل اور تارکول اور بعض چیزیں خشک نہ گلنے والی جیسے چونا ہڑتال ہر قسم کے پتھر یاقوت نمک وغیرہ امام اعظم کے ہاں صرف دھاتوں میں خمس واجب ہے اور امام شافعی کے ہاں صرف سونے چاندی میں وہ باقی دھاتوں کو شکار کے جانور کی مثل مانتے ہیں جس کو مل جائے اسی کی (لمعات' مرقات' اشعہ)

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ عَفَوْتُ عَنِ الْخَيْلِ وَالرَّقِيْقِ فَهَاتُوْا صَدَقَةَ الرِّقَةِ مِنْ كُلِّ اَرْبَعِيْنَ دِرْهَمًا وَّلَيْسَ فِيْ

(۱۷۰۷) روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں نے گھوڑے اور غلام کی زکوۃ کی تو معافی دے دی ۱؎ اگر چاندی کی زکوۃ دو ہر چالیس میں ایک درہم ہے

تِسْعِيْنَ وَمِائَةٍ شَيْءٌ فَاِذَا بَلَغَتْ مِائَتَيْنِ فَفِيْهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَّ اَبُوْدَاوٗدَ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِاَبِيْ دَاوٗدَ عَنِ الْحَارِثِ الْاَعْوَرِ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ زُهَيْرٌ اَحْسِبُهٗ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهٗ قَالَ هَاتُوْا رُبُعَ الْعُشْرِ مِنْ كُلِّ اَرْبَعِيْنَ دِرْهَمًا دِرْهَمٌ وَّلَيْسَ عَلَيْكُمْ شَيْءٌ حَتّٰى تَتِمَّ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ فَاِذَا كَانَتْ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ فَفِيْهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ فَمَا زَادَ فَعَلٰى حِسَابِ ذٰلِكَ وَفِي الْغَنَمِ فِيْ كُلِّ اَرْبَعِيْنَ شَاةً شَاةٌ اِلٰى عِشْرِيْنَ وَمِائَةٍ فَاِنْ زَادَتْ وَاحِدَةٌ فَشَاتَانِ اِلٰى مِائَتَيْنِ فَاِنْ زَادَتْ فَثَلٰثُ شِيَاهٍ اِلٰى ثَلٰثِ مِائَةٍ فَاِذَا زَادَتْ عَلٰى ثَلٰثِ مِائَةٍ فَفِيْ كُلِّ مِائَةٍ شَاةٌ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ اِلَّا تِسْعٌ وَّثَلٰثُوْنَ فَلَيْسَ عَلَيْكَ فِيْهَا شَيْءٌ وَّفِي الْبَقَرِ فِيْ كُلِّ ثَلٰثِيْنَ تَبِيْعٌ وَّفِي الْاَرْبَعِيْنَ مُسِنَّةٌ وَّلَيْسَ عَلَى الْعَوَامِلِ شَيْءٌ

اور ایک سونوے میں کچھ نہیں جب دوسو کو پہنچیں تو ان میں پانچ درہم ہیں۲ (ترمذی و ابوداؤد) اور ابوداؤد کی ایک روایت میں حضرت حارث ابن اعور سے ہے۳ وہ حضرت علی سے راوی زہیر کہتے ہیں مجھے خیال ہے حضرت علی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۴ کہ آپ نے فرمایا کہ چالیسواں حصہ دو۔ ہر چالیس درہم ہیں ایک درہم ہے اور تم پر کچھ نہیں حتیٰ کہ دوسو درہم پورے ہو جائیں تو جب دوسو درہم ہو جائیں تو ان میں پانچ درہم ہیں جو اس پر زیادہ ہو تو اسی حساب پر ہے۵ اور بکریاں میں ہر چالیس بکریوں میں ایک بکری ہے۶ ایک سوبیس تک کہ اگر ایک زیادہ ہو جائے تو دو بکریاں دوسو تک اگر زیادہ ہوں تو تین بکریاں تین سو تک پھر اگر تین سو پر زیادہ ہوں تو ہر سینکڑے میں ایک بکری اگر بکریاں انتالیس ہوں تو ان کا تم پر کچھ نہیں ۷ اور گایوں میں ہر تیس میں ایک سالہ بچہ ہے۸ اور چالیس میں دوسالہ بچہ اور کام کاج کے جانوروں میں کچھ نہیں۹

(۱۷۰۷)۱ گھوڑے سے مراد سواری کا گھوڑا اور غلام سے خدمت کا غلام مراد ہے یہاں گھوڑا اور غلام مثالاً بیان فرمایا گیا ورنہ حاجت اصلیہ میں گھرے ہوئے کسی مال کی زکوٰۃ نہیں یعنی میں نے ان چیزوں کی زکوٰۃ معاف کردی یہاں مرقات میں ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم احکام شرعیہ کے مالک ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے معاف کردی یعنی اگر چاہتا تو ان سب کی زکوٰۃ واجب کردیتا۲ حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ چاندی کا نصاب دوسو درہم یعنی ساڑھے باون تولہ ہے جس سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں پھر دوسو کے بعد انتالیس درہم تک معافی چالیس پر ایک درہم اسی لیے فقہاء فرماتے ہیں کہ چاندی سونے کی زکوٰۃ میں دو نصابوں کے درمیان نصاب کے پانچویں حصہ سے کم معاف رہتا ہے اور پانچویں حصہ پر زکوٰۃ بڑھتی ہے چنانچہ ساڑھے سات تولہ سونے کے بعد ڈیڑھ تولہ سے کم میں معافی ہوگی اور ڈیڑھ تولہ پر زکوٰۃ بڑھے گی' چاندی میں ساڑھے باون تولہ کے بعد سوا دس تولہ تک معافی اور ساڑھے دس تولہ پر زکوٰۃ بڑھے گی ۔۳ ان کا نام حارث ابن عبداللہ ہمدانی ہے' کنیت ابوزہیر ہے' تابعی ہیں' مشہور یہ ہے کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے ہیں بعض محدثین نے آپ میں جرح کی ہے' آپ نے حضرت علی سے کل چار حدیثیں روایت کی ہیں (مرقات وغیرہ) ۴ یعنی زہیر جو راوی حدیث ہیں وہ فرماتے ہیں کہ مجھے یقین نہیں بلکہ گمان ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے موقوف نہیں' حضرت علی کا خود اپنا قول نہیں ہے بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۵ اس کی شرح ابھی گزر چکی' خیال رہے کہ چاندی کی زکوٰۃ میں سکہ رائج الوقت کا اعتبار نہیں بلکہ وزن ملحوظ ہے مگر تجارتی سامان کی زکوٰۃ میں سکہ رائج الوقت معتبر ہے' کیونکہ چاندی میں خود اس پر زکوٰۃ ہے مگر تجارتی مال میں اس کی قیمت پر ہے لہٰذا دوسو درہم کا لفظ بہت وسیع ہے' چوری کی سزا میں بھی مسروقہ مال کی قیمت کا اعتبار ہے (مرقاۃ) اس حدیث کی بناء پر صاحبین

فرماتے ہیں کہ دوسو درہم کے بعد ہر درہم پر زکوۃ واجب ہے' کیونکہ مَازَادَ عام ہے مگر امام اعظم فرماتے ہیں کہ چالیس درہم سے کم میں زکوۃ نہیں' یہاں مَازَادَ سے مراد چالیس درہم ہیں جیسا کہ اوپر کے جملہ سے معلوم ہوا اور دوسری احادیث نے اس کی تصریح فرمادی' نیز ابوداؤد کی اس دوسری حدیث کی اسناد میں حارث و عاصم ہیں ان دونوں پر محدثین نے سخت جرح کی ہے لہٰذا یہ حدیث قابل سند نہیں غرضیکہ **فما زاد فعلی حساب ذالك** کی عبارت مجروح ہے لہٰذا حق یہ ہی ہے کہ دوسو درہم کے بعد چالیس درہم سے کم پر زکوۃ نہ ہوگی ۶ یہ جملہ بھی تمام احادیث صحیحہ کے خلاف ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چالیس بکریوں سے ایک بکری زکوۃ دی جائے' تو ایک سوبیس میں تین بکریاں واجب ہوں' حالانکہ چالیس کے بعد ایک سوبیس تک زکوۃ نہیں بڑھتی' مرقات نے فرمایا کہ لفظ کُلِّ زائد ہے' بعض نے فرمایا کہ یہ کُل افرادی نہیں بلکہ بیان صنف کیلئے ہے یعنی بکری' بھیڑ' دنبہ وغیرہ ان تمام میں چالیس پر زکوۃ ہے' لہٰذا یہ آئندہ حدیث کے بھی خلاف نہیں اور دیگر احادیث کے بھی مخالف نہیں ۷ اس کی شرح پہلے ہوچکی ہے' خیال رہے کہ بکریوں کی زکوۃ میں بکری کا چھوٹا بچہ نہ دیا جائے گا بلکہ جوان بکری یا بکرا' جسے بکری کہہ سکیں مگر اس میں اونٹ و گائے کی طرح عمر مقرر نہیں کہ اتنے سال یا اتنے ماہ کی بکری ۸ یعنی تیس گائیوں میں یک سالہ بچھڑی یا بچھڑا واجب ہے یک سالہ بچھڑے کو تبیعہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس وقت بچہ اپنی ماں کے تابع ہوتا ہے۔ اونٹ کی زکوۃ میں صرف مادہ ہی وصول کی جاتی ہے' مگر گائے کی زکوۃ میں فرمایا وہ دونوں لیے جاسکتے ہیں کیونکہ بعض لحاظ سے مادہ اچھی ہے کہ نسل دیتی ہے اور بعض وجوہ سے نر اچھا کہ کھیتی باڑی میں کام آتا ہے ۹ اسی طرح اگر اونٹ کام کاج کیلئے ہوں تو ان میں زکوۃ نہیں پھر علوفہ یعنی گھر چارہ کھانے والی میں زکوۃ نہیں۔

وَعَنْ مُعَاذٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا وَجَّهَهُ اِلَى الْيَمَنِ اَمَرَهُ اَنْ يَّاْخُذَ مِنَ الْبَقَرِ مِنْ كُلِّ ثَلٰثِيْنَ تَبِيْعًا اَوْ تَبِيْعَةً وَّمِنْ كُلِّ اَرْبَعِيْنَ مُسِنَّةً (رَوَاهُ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

(۱۷۰۸) روایت ہے حضرت معاذ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں یمن میں بھیجا ۱ تو حکم دیا کہ گائے میں ہر تیس سے ایک سالہ نر یا مادہ وصول کریں اور ہر چالیس سے دو سالہ ۲ (ابوداؤد' ترمذی' نسائی' دارمی)

(۱۷۰۸) ۱ وہاں کا حاکم بنا کر' چونکہ اس زمانہ میں اسلامی حکام لوگوں کے ظاہری مال یعنی جانوروں اور زمینوں کی زکوۃ بھی وصول کرتے تھے جو بعد میں اپنے مصرف پر بہت احتیاط سے خرچ کردی جاتی تھی اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ تلقین فرمائی ۲ بقر کے معنی ہیں چیرنا پھاڑنا چونکہ بیل زمین میں ہل چلاتے ہیں جس سے زمین چر جاتی ہے اس لیے اسے بقر کہتے ہیں' بقرہ میں ت تانیث کی نہیں' وحدت نوعی یا صنفی کی ہے لہٰذا یہ لفظ بیل پر بولا جاتا ہے' چونکہ عرب میں بھینس نہیں ہوتی اس لیے ان کا ذکر نہ فرمایا ورنہ بھینس کی زکوۃ بھی گائے کی طرح ہے خلاصہ یہ کہ گائے بھینس کا نصاب تیس ہے تیس میں ایک سال کا بچھڑا یا بچھڑی واجب ہے پھر چالیس تک زکوۃ نہ بڑھے گی اور چالیس میں دو سالہ بچھڑا یا بچھڑی واجب ساٹھ میں دو تبیعے اور ستر میں ایک تبیعہ اور ایک مسنہ' غرض کہ ہر تیس پر تبیعہ واجب ہوتا رہے گا (یک سالہ) اور ہر چالیس پر مسنہ (دو سالہ) چالیس کے بعد ساٹھ سے کم میں بہت اختلاف ہے' صاحبین کے ہاں اس زیادتی سے زکوۃ نہ بڑھے گی' امام اعظم سے اس میں تین روایتیں ہیں اس کی تحقیق ہدایہ کی شرح میں دیکھو' یہ حدیث اگرچہ منقطع ہے کیونکہ اس میں مسروق نے حضرت معاذ سے روایت کی' مگر انہوں نے معاذ سے ملاقات نہیں کی لیکن چونکہ بہت احادیث سے اسے تقویت پہنچ چکی ہے اس لیے قابل عمل ہے' اسی لیے ترمذی نے اسے حسن فرمایا۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُعْتَدِىْ فِى الصَّدَقَةِ كَمَا نِعِهَا (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِىُّ)

(۱۷۰۹) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ زکوۃ میں حد سے تجاوز کرنے والا زکوۃ نہ دینے والے کی طرح ہے!(ابوداؤد وترمذی)

(۱۷۰۹)!اس حدیث کے دو معنی ہو سکتے ہیں' ایک یہ کہ جو عامل زکوۃ وصول کرنے میں زیادتی کرے کہ یا زیادہ لے یا بہترین مال لے وہ ایسا ہی گناہگار ہے جیسے زکوۃ نہ دینے والا جو مال زکوۃ دینے میں زیادتی کرے کہ یا تو کم دینے کی کوشش کرے یا ناقص یا ٹال مٹول کرے وہ ایسا ہی گنہگار ہے جیسے زکوۃ نہ دینے والا علماء فرماتے ہیں کہ زکوۃ خوشدلی سے دو' اسے عبادت سمجھو ٹیکس نہ سمجھو' مستحق کو دو' جان بوجھ کر غیر مستحق کو نہ دو' دے کر احسان نہ جتاؤ اگر اپنے عزیز فقیر کو دی ہے تو اسے طعنہ نہ دو بلکہ اس کا ذکر کبھی بھی نہ کرو کہ ان سے صدقہ باطل ہوجاتا ہے' رب تعالٰی فرماتا ہے: لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى (۲۶۴:۲) اپنے صدقے باطل نہ کرو احسان رکھ کر اور ایذا دے کر (کنزالایمان) اور یہ سب حد سے بڑھنے میں داخل ہیں۔

وَعَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِىِّ اَنَّ النَّبِىَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ فِىْ حَبٍّ وَّلَا تَمْرٍ صَدَقَةٌ حَتّٰى يَبْلُغَ خَمْسَةَ اَوْسُقٍ (رَوَاهُ النَّسَائِىُّ)

(۱۷۱۰) روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دانوں اور کھجوروں میں زکوۃ نہیں حتی کہ پانچ وسق کو پہنچیں!(نسائی)

(۱۷۱۰) اس حدیث کی مکمل شرح بھی کچھ پہلے ہوچکی کہ امام اعظم کے ہاں یہاں زکوۃ سے زکوۃ تجارت مراد ہے چونکہ اس زمانہ میں ایک وسق یعنی ساٹھ صاع چالیس درہم کا ہوتا تھا اور پانچ وسق دوسو درہم کے اس لیے پانچ وسق سے کم میں زکوۃ نہ تھی۔ زکوۃ پیداوار مراد نہیں کہ یہ تو ہر تھوڑے زیادہ میں ہے۔

وَعَنْ مُوْسَى بْنِ طَلْحَةَ قَالَ عِنْدَنَا كِتَابُ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ اِنَّمَا اَمَرَهٗ اَنْ يَّاْخُذَ الصَّدَقَةَ مِنَ الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيْرِ وَالزَّبِيْبِ وَالتَّمْرِ مُرْسَلٌ (رَوَاهُ فِىْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

(۱۷۱۱) روایت ہے حضرت موسیٰ ابن طلحہ سے!فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس حضرت معاذ ابن جبل کی کتاب ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے فرمایا کہ انہیں حضور نے یہ حکم دیا کہ وہ گیہوں' جو' کشمش' کھجور سے زکوۃ لیں۲(شرح سنہ)

(۱۷۱۱)!آپ کا نام موسیٰ ابن طلحہ ابن عبداللہ ہے تیمی ہیں قرشی ہیں تابعی ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا تو ہوئے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہ کرسکے' آپ کا نام موسیٰ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے رکھا' آپ کے والد طلحہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۲یہ حدیث ظاہری معنی سے امام اعظم کی دلیل ہوسکتی ہے کیونکہ اس میں ان چیزوں کا وزن مقرر کیا گیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیداوار میں مطلقًا زکوۃ واجب ہے کم ہو یا زیادہ' اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ فرمارہے ہیں ہمارے پاس معاذ ابن جبل کی ہی مضمون کی کتاب بھی ہے اور ہمیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خبر بھی پہنچی ہے اس صورت میں یہ حدیث مرسل ہے' کیونکہ تابعی نے بغیر ذکر صحابی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث نقل کردی' اسی معنی کی بنا پر مصنف نے اسے مرسل فرمایا اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت معاذ کی کتاب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو حضرت معاذ نے لکھ لیا تھا' اس صورت میں یہ حدیث مرسل نہیں بلکہ متصل ہے۔

وَعَنْ عَتَّابِ بْنِ اُسَيْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْ زَكٰوةِ الْكُرُوْمِ اِنَّهَا تُخْرَصُ كَمَا تُخْرَصُ النَّخْلُ ثُمَّ تُؤَدّٰى زَكٰوتُهٗ زَبِيْبًا كَمَا تُؤَدّٰى زَكٰوةُ النَّخْلِ تَمْرًا
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاوُدَ)

(۱۷۱۲) روایت ہے حضرت عتاب ابن اسید سے[1] کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انگور کی زکوۃ کے بارے میں فرمایا کہ اس کا یوں ہی اندازہ لگایا جائے جیسے کھجور کا لگایا جاتا ہے پھر اس کی کشمش سے یوں ہی زکوۃ دی جائے جیسے کھجور سے چھوہاروں کی دی جاتی ہے[2]
(ترمذی وابوداؤد)

(۱۷۱۲)[1] آپ قرشی ہیں، اموی ہیں، فتح مکہ کے دن ایمان لائے اور آپ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کا حاکم بنایا، صدیق اکبر نے اپنی خلافت میں آپ کو اس عہدہ پر بحال رکھا، صدیق اکبر کی وفات کے دن آپ کی مکہ مکرمہ میں وفات ہوئی وہیں دفن ہوئے، کل پچیس سال عمر پائی بڑے صالح متقی تھے[2] حدیث بالکل ظاہر ہے کہ انگور کے باغ کا مالک سارے انگور توڑ کر وزن کرکے زکوۃ نہ نکالے بلکہ پہلے تو یہ اندازہ لگائے کہ کل پھل کتنا ہوگا، پھر یہ کہ کشمش ہو کر کتنا رہے گا، اس کا دسواں یا بیسواں حصہ زکوۃ نکالے، چونکہ خیبر پہلے ہجری میں فتح ہو چکا تھا جہاں کھجور کے باغات ہیں وہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ ابن رواحہ کو اندازہ لگانے کیلئے بھیجا تھا اور طائف بعد میں فتح ہوا جہاں انگور کے باغات بکثرت تھے، اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انگور کی زکوۃ کو کھجور کی زکوۃ سے تشبیہ دی (از مرقات)

وَعَنْ سَهْلِ بْنِ اَبِيْ حَثْمَةَ حَدَّثَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ اِذَا خَرَصْتُمْ فَخُذُوْا وَدَعُوا الثُّلُثَ فَاِنْ لَّمْ تَدَعُوا الثُّلُثَ فَدَعُوا الرُّبُعَ
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ)

(۱۷۱۳) روایت ہے حضرت سہل ابن ابی حثمہ سے انہوں نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے کہ جب تم اندازہ لگاؤ تو تہائی چھوڑ دو اگر تہائی نہ چھوڑو تو چوتھائی تو ضرور چھوڑ دو[1]
(ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

(۱۷۱۳)[1] یہ حکام کو حکم ہے یعنی اے حاکمو جب تم باغوں یا کھیتوں کی زکوۃ لینے جاؤ تو خود بھی اور دوسرے واقف کاروں کی مدد سے بھی اندازہ لگاؤ کہ اس میں کل پھل یا دانہ کتنا ہے، اس کی زکوۃ کا حساب لگاؤ اور تہائی یا چوتھائی زکوۃ چھوڑ دو تاکہ وہ مالک خود اپنے ہاتھ سے اپنے غریب قرابت داروں وغیرہ کو دے اور دو تہائی یا تین چوتھائی خود لے آؤ؟ خیال رہے کہ امام شافعی و ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک یہ حکم خراج میں ہے زکوۃ پوری عامل وصول کرے گا، ان کے ہاں یہ حکم خیبر کے حکام کو تھا جو خیبر کے یہودیوں سے پیداوار کا نصف وصول کرنے جاتے تھے کیونکہ ان لوگوں سے اس پر صلح ہوئی تھی کہ پیداوار کا آدھا تمہارا ہوگا اور آدھا مسلمانوں کا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے از روئے کرم حکم دیا کہ اپنے اندازے سے کچھ کم کرکے اس کا آدھا لو تاکہ ہماری طرف ان کا حق نہ آجائے ہمارا ان کی طرف رہ جائے تو حرج نہیں۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْعَثُ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ رَوَاحَةَ اِلَى يَهُوْدَ فَيَخْرُصُ النَّخْلَ حِيْنَ يَطِيْبُ قَبْلَ اَنْ يُّؤْكَلَ مِنْهُ
(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

(۱۷۱۴) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ ابن رواحہ کو[1] یہود (خیبر) کی طرف بھیجتے تھے تو وہ کھجوروں کا اندازہ لگاتے تھے پکنے کے وقت کھائے جانے سے پہلے[2] (ابوداؤد)[3]

(۱۷۱۴)۱؎ آپ کے حالات پہلے بیان ہوچکے کہ آپ مشہور صحابی ہیں، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر ہیں غزوہ موتی میں شہید ہوئے، آپ کے ذمہ وہ خدمت تھی جو آگے آرہی ہے۔۲؎ گزشتہ حدیث میں عرض کیا گیا کہ یہود خیبر سے اس بات پر صلح ہوئی تھی کہ کھجوروں کے باغات مسلمانوں کے ہوں گے اور محنت ان یہود کی پیداوار آدھی آدھی، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پھل پکنے کے وقت حضرت عبد اللہ ابن رواحہ کو اندازہ لگانے کیلئے خیبر بھیجتے تھے، کیونکہ وہ اندازہ لگانے میں ماہر تھے چنانچہ آپ ان یہود سے فرمادیا کرتے تھے کہ اس باغ میں اتنے پھل ہیں، تم یا اس کے آدھے پھل ہم سے لےلو اور باغ ہمیں چھوڑ دو یا آدھے پھل ہمیں دے دو اور باغ تمہارا اس فیصلہ پر یہود بہت خوش ہوتے اور کہتے تھے کہ یہ وہ عدل ہے جس سے آسمان وزمین قائم ہیں، مسلمانوں کے عدل وانصاف کے کفار بھی قائل تھے۳؎ یہ حدیث ابوداؤد میں دو جگہ آئی ہے، کتاب الزکوۃ میں اور کتاب البیوع میں پہلی کی اسناد میں ایک مجہول شخص ہے دوسری کی اسناد میں جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہے، تمام راوی ثقہ ہیں، لہذا یہ حدیث حسن لغیرہ ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعَسَلِ فِيْ كُلِّ عَشَرَةِ اَزُقٍ زِقٌّ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ فِيْ اِسْنَادِهٖ مَقَالٌ وَّلَا يَصِحُّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ هٰذَا الْبَابِ كَثِيْرُ شَيْءٍ

(۱۷۱۵) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد کے بارے میں کہ ہر دس مشک میں ایک مشک ہے۱؎ (ترمذی) اور فرمایا کہ اس کی اسناد میں کلام ہے اور اس بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ زیادہ منقول نہیں۲؎

(۱۷۱۵)۱؎ شہد کی زکوۃ کا مسئلہ بڑے معرکہ کا ہے، تین اماموں کے ہاں اس میں زکوۃ نہیں، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اس میں زکوۃ ہے، پھر اس کے نصاب کے بارے میں خود امام صاحب سے کئی روایتیں ہیں، ایک یہ کہ اگر شہد عشری زمین سے حاصل ہو تو اس میں مطلقًا زکوۃ ہے تھوڑا ہو یا زیادہ، کیونکہ سرکار فرماتے ہیں **ما اخرجته الارض ففيه العشر** اور ایک روایت میں یہ ہے کہ شہد کی قیمت پر زکوۃ ہے ایک روایت یہ ہے کہ اگر دس مشکیزے ہوں تو ایک مشکیزہ اس کی زکوۃ یہ حدیث اس تیسرے قول کی دلیل ہے امام شافعی کا بھی پہلا قول یہی تھا۲؎ یعنی محدثین کے نزدیک یہ صحیح نہیں، خیال رہے کہ محدثین کی یہ جرح امام اعظم کو مضر نہیں کیونکہ یہ حدیث امام صاحب کو صحیح ملی تھی، اس لیے کہ آپ کا زمانہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت قریب ہے، ان محدثین کو ضعیف ہو کر ملی بعد کا ضعف امام صاحب کو مضر نہ ہوگا، نیز یہ حدیث بہت روایتوں سے مروی ہے چنانچہ ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد سے عشر وصول فرمایا ہے بعض احادیث میں یوں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں شہد کا عشر لیا جاتا تھا، ہدایہ نے حدیث یوں نقل کی کہ بنی شبابہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو شہد کا عشر دیتے تھے، تعداد اسناد کی وجہ سے متن حدیث قوی ہوگیا۔

وَعَنْ زَيْنَبَ امْرَاَةِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَتْ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَامَعْشَرَ النِّسَآءِ تَصَدَّقْنَ وَلَوْ مِنْ حُلِيِّكُنَّ فَاِنَّكُنَّ اَكْثَرُ اَهْلِ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۱۷۱۶) روایت ہے حضرت زینب زوجہ عبداللہ (ابن مسعود) سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطاب کیا فرمایا کہ اے بیبیو خیرات دو اگرچہ اپنے زیور ہی سے ہو کیونکہ قیامت میں تم زیادہ دوزخی ہوگی۱؎ (ترمذی)۲؎

(۱۷۱۶)۱؎ یعنی پہننے کے سونے چاندی کے زیور میں بھی زکوۃ واجب ہے، یہاں صدقہ سے مراد زکوۃ ہے جیسا کہ اگلی حدیث میں

صاف آرہا ہے خیال رہے کہ پہننے کے ان زیوروں پر امام اعظم کے ہاں زکوۃ واجب ہے' امام شافعی کے قول جدید میں اور امام احمد کے ہاں اس میں زکوۃ نہیں' یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے اس کا کچھ ذکر اگلی حدیث میں آرہا ہے۲ مرقات نے فرمایا کہ اس حدیث کی اسناد بالکل صحیح ہے اور اس کے راوی سارے قوی' نیز اس کی تائید قرآن کریم کی اس آیت سے ہے وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّةَ (۳۴،۹) اور وہ کہ جوڑ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی (کنزالایمان) ربّ تعالٰی نے سونے چاندی میں تجارت کی قید نہ لگائی' معلوم ہوا کہ پہننے کا زیور بھی اسی حکم میں داخل ہے' لہٰذا سونے چاندی کے استعمالی زیور پر زکوۃ فرض ہے جبکہ ان کا وزن نصاب کو پہنچ جائے۔

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّہٖ اَنَّ امْرَاَتَیْنِ اَتَتَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَفِیْ اَیْدِیْهِمَا سِوَارَانِ مِنْ ذَھَبٍ فَقَالَ لَھُمَا تُؤَدِّیَانِ زَکٰوتَهٗ قَالَتَا لَا فَقَالَ لَھُمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَتُحِبَّانِ اَنْ یُّسَوِّرَ کُمَا اللّٰهُ بِسِوَارَیْنِ مِنْ نَّارٍ قَالَتَا لَا قَالَ فَاَدِّیَا زَکٰوتَهٗ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ قَدْرَوَی الْمُثَنّٰی بْنُ الصَّبَّاحِ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ نَحْوَ ھٰذَا وَالْمُثَنّٰی بْنُ الصَّبَّاحِ وَابْنُ الْھِیْعَةَ یُضَعَّفَانِ فِی الْحَدِیْثِ وَلَا یُصِحُّ فِیْ ھٰذَا الْبَابِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ شَیْءٌ

(۱۷۱۷) روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ دو عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں ان کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن (کڑے) تھے ان سے حضور انور نے فرمایا کہ تم ان کی زکوۃ دیتی ہو۱ وہ بولیں نہیں تب ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم پسند کرتی ہو کہ اللہ تمہیں آگ کے کنگن پہنائے۲ وہ بولیں نہیں فرمایا تو ان کی زکوۃ دیا کرو (ترمذی) اور فرمایا کہ یہ حدیث مثنٰی ابن صباح نے روایت کی اور عمرو ابن شعیب سے اس کی مثل اور مثنٰی ابن صباح اور ابن لہیعہ حدیث میں ضعیف مانے جاتے ہیں اور اس باب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں۳

(۱۷۱۷)۱ یہ سونے چاندی کے کنگن پہننے کے تھے' تجارتی نہ تھے وزنی تھے کہ ساڑھے سات تولہ ان کا وزن تھا' اس لیے ان بیبیوں سے پوچھا گیا' یہ سوال فرمانا آئندہ حکم کی تمہید ہے' جیسے ربّ تعالٰی نے موسیٰ علیہ السلام سے پہلے پوچھا کہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے' کیوں پوچھا' آئندہ کلام کی تمہید کیلئے' لہٰذا اس سوال سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے علمی ثابت نہیں ہوسکتی' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہر ایک امتی کے ہر ایک عمل سے خبردار ہیں' دیکھو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ کے کس امتی کے اعمال آسمان کے تاروں کے برابر ہیں تو فرمایا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے' معلوم ہوا کہ ہر امتی کے اعمال بلکہ ان کے ٹوٹل کی بھی خبر ہے۲ اس وعید سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں زکوۃ سے مراد شرعی فرضی زکوۃ ہے نہ کہ نفلی صدقہ کیونکہ نفل ادا نہ کرنے پر سزا یا وعید نہیں ہوتی ۳ شاید امام ترمذی کو یہ حدیث صحیح ہو کر نہ ملی تو وہ اپنے علم کی بناء پر یہ فرما گئے ورنہ اصل حدیث بہت اسنادوں سے مروی ہے چنانچہ ابوداؤد و نسائی اور ابن ماجہ بلکہ خود ترمذی نے بھی حضرت علی سے روایت کی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چاندی کی زکوۃ ہر چالیس درہم سے ایک درہم ادا کرو' نیز ابوداؤد و نسائی نے روایت کیا کہ ایک عورت اپنی لڑکی کو لے کر حاضر بارگاہ نبوی ہوئی' جس کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے تو فرمایا کہ کیا ان کی زکوۃ دیتی ہو عرض کیا نہیں فرمایا کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ کل تم کو دوزخ میں آگ کے کنگن پہنائے جائیں تو اس نے فوراً کنگن اتار کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھینک دیئے اور بولی یہ اللہ رسول کیلئے صدقہ ہیں' یہ حدیث بالکل صحیح الاسناد ہے' نیز ابوداؤد نے عبداللہ ابن شداد ابن الہاد سے روایت کی کہ ہم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت

میں حاضر ہوئے تو آپ نے اپنا واقعہ سنایا کہ میرے پاس ایک بار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے میں ہاتھوں میں کنگن پہنے بیٹھی تھی تو فرمایا اے عائشہ کیا ان کی زکوٰۃ دیتی ہو، میں بولی نہیں، تو فرمایا دوزخ میں جانے کیلئے یہ کافی ہیں، اسے حاکم نے بھی نقل فرمایا اور فرمایا یہ حدیث صحیح ہے، غرضیکہ زیور پر زکوٰۃ واجب ہونے کی صحیح احادیث بہت ہیں اور قرآنی آیات سے ان کی تائید ہے، اگلی حدیث بھی آ رہی ہے (فتح القدیر، مرقات) خیال رہے کہ ابن لہیعہ کو امام ترمذی نے ضعیف کہا، مگر امام طحاوی نے ان کی توثیق کی ہے، امام اعظم کا مذہب نہایت قوی ہے اور استعمالی زیوروں پر زکوٰۃ فرض ہے۔

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَلْبَسُ اَوْضَاحاً مِّنْ ذَهَبٍ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَكَنْزٌ هُوَ فَقَالَ مَابَلَغَ اَنْ تُؤَدّٰى زَكٰوتَهٗ فَزُكِّىَ فَلَيْسَ بِكَنْزٍ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَّ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۱۷۱۸) روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں کہ میں سونے کے کنگن پہنا کرتی تھی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا یہ بھی خزانہ کرنا ہے۱؎ فرمایا جو وجوب زکوٰۃ کی حد کو پہنچے تو تم اس کی زکوٰۃ دیتی رہو تو خزانہ نہیں۲؎ (مالک و ابوداؤد)

(۱۷۱۸) ۱؎ خزانہ سے مراد وہ خزانہ ہے جس کی برائی قرآن کریم میں ہے **وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ** (۹،۳۴) اور وہ کہ جوڑ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی (کنزالایمان) سوال یہ فرما رہی ہیں کہ اس سونے کی تجارت تو کرنا نہیں ہے صرف پہننے کیلئے ہے، تو کیا یہ بھی اس آیت کریمہ کی زد میں آتا ہے، وہ سمجھی یہ تھیں کہ جیسے پہننے کے کپڑوں میں زکوٰۃ نہیں، تو ہوسکتا ہے کہ پہننے کے زیور میں بھی نہ ہوا نہیں یہ خیال نہ رہا کہ کپڑا ضروریات زندگی کی چیز ہے، زیور ایسا نہیں۲؎ اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ استعمالی زیور پر زکوٰۃ ہے یہ حدیث بالکل صحیح ہے، میرک نے فرمایا کہ اس کے راوی امام بخاری کے شیوخ میں سے ہیں، اسے حاکم اور ابن قطان نے بھی نقل فرمایا ابن قطان نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے (مرقاۃ) مطلب یہ ہے کہ اگر زیور کی زکوٰۃ نہ دی جائے تو یہ بھی کنز میں داخل ہے جس پر قرآن کریم میں سخت وعید آئی، اگر زکوٰۃ دی جائے تو کنز نہیں۔

وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَاْمُرُنَا اَنْ نُّخْرِجَ الصَّدَقَةَ مِنَ الَّذِىْ نُعِدُّ لِلْبَيْعِ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۱۷۱۹) روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو حکم دیتے تھے کہ اس مال کی زکوٰۃ دیں جو تجارت کیلئے رکھتے ہیں۱؎ (ابوداؤد)

(۱۷۱۹) ۱؎ یعنی سونے چاندی میں تو بہرحال زکوٰۃ ہے تجارت کیلئے ہو یا پہننے کیلئے یا کسی اور مقصد کیلئے مگر ان دونوں کے علاوہ دوسرے مالوں میں زکوٰۃ جب ہوگی کہ تجارت کیلئے ہوں اس قاعدہ کلیہ میں تمام مال داخل ہیں، حتیٰ کہ کپڑے، زمین، غلہ، جانور بھی، خیال رہے کہ جانوروں میں سائمہ کی زکوٰۃ اور ہے، تجارتی کی زکوٰۃ کچھ اور، سائمہ کی زکوٰۃ تو وہ ہے جو پہلے ذکر ہوئی، کہ پانچ اونٹ میں ایک بکری، دس میں دو الخ مگر تجارتی اونٹ میں قیمت اگر دوسو درہم تک پہنچے تو چالیسواں حصہ اسی طرح پیداوار کی زکوٰۃ اور ہے، مگر دانہ، پھلوں کی زکوٰۃ کچھ اور، پیداوار کی زکوٰۃ بیان ہو چکی کہ تھوڑی یا بہت زکوٰۃ واجب ہے دسواں یا بیسواں حصہ، مگر ان کی تجارتی زکوٰۃ چالیسواں حصہ ہوئی جبکہ دوسو درہم کو پہنچیں، لہذا یہ حدیث گزشتہ احادیث کے خلاف نہیں کہ یہاں تجارتی زکوٰۃ مراد ہے۔

وَعَنْ رَّبِيْعَةَ بْنِ اَبِىْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْطَعَ لِبِلَالِ

(۱۷۲۰) روایت ہے حضرت ربیعہ ابن ابی عبدالرحمٰن سے وہ چند راویوں سے راوی۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال ابن

بْنِ الْحَارِثِ الْمُزَنِيِّ مَعَادِنَ الْقَبَلِيَّةِ وَهِيَ مِنْ نَاحِيَةِ الْفُرْعِ فَتِلْكَ الْمَعَادِنُ لَا تُؤْخَذُ مِنْهَا اِلَّا الزَّكٰوةُ اِلَى الْيَوْمِ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حارث مزنی کو۲ قبلیہ کی کانیں جاگیر دیں۳ قبلیہ مقام فرع کے اطراف میں واقع ہے تو ان کانوں سے آج تک زکوۃ کے سوا کچھ نہیں لیا جاتا ہے۴

(۱۷۲۰)۱یعنی حضرت ربیعہ ابن ابی عبدالرحمن نے جو بڑے مشہور تابعی ہیں جن کا لقب ربیعہ رائے ہے بہت سے صحابہ سے یہ حدیث نقل فرمائی۲ بلال ابن حارث صحابی ہیں' مزنیہ کے وفد میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوکر اسلام لائے' اسی سال عمر پائی ۶۰ ھ میں وفات ہوئی۳ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بلال کو مقام فرع کے پاس جو مکہ و مدینہ منورہ کے درمیان ایک جگہ ہے' مدینہ منورہ سے پانچ منزل پر ہے' وہاں نمک کی کانیں تھیں عطا فرمائیں بطریق معافی جاگیر کہ وہاں سے سونا چاندی نکالیں اور اپنا گزارہ کریں' قبل بھی ایک جگہ کا نام ہے' معلوم ہوا کہ بادشاہ اسلام کسی کو کوئی زمین بطور جاگیر دے سکتا ہے۴ یعنی کان سے نکلنے والی دھات میں پانچواں حصہ واجب ہوتا ہے (خمس) مگر ان کانوں کے سونے چاندی میں خمس واجب نہیں ہوا بلکہ زکوۃ یعنی چالیسواں حصہ واجب ہوا' خیال رہے کہ حضرت امام شافعی کے ہاں جاگیر کی کان سے جو برآمد ہو اس میں چالیسواں حصہ واجب ہے' مگر امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک خمس ہی واجب ہے امام شافعی کی دلیل یہ حدیث ہے' حضرت امام اعظم کی دلیل وہ گزشتہ حدیث کہ وفی الرکاز الخمس یہ حدیث منقطع ہے' لہذا اس سے دلیل نہیں پکڑی جاسکتی (مرقات) یا یہ حضرت بلال کی خصوصیات سے ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

عَنْ عَلِيٍّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ فِي الْخَضْرَوَاتِ صَدَقَةٌ وَّلَا فِي الْعَرَايَا صَدَقَةٌ وَّلَا فِيْ اَقَلَّ مِنْ خَمْسَةِ اَوْسُقٍ صَدَقَةٌ وَّلَا فِي الْعَوَامِلِ صَدَقَةٌ وَّلَا فِي الْجَبْهَةِ صَدَقَةٌ قَالَ الصَّقْرُ الْجَبْهَةُ الْخَيْلُ وَالْبِغَالُ وَالْعَبِيْدُ (رَوَاهُ الدَّارَ قُطْنِيُّ)

(۱۷۲۱) روایت ہے حضرت علی سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ تو سبزیوں میں زکوۃ۱ اور نہ عرایا (عاریۃ) میں۲ اور نہ پانچ وسق سے کم میں زکوۃ۳ ہے نہ کام کاج کے جانور میں زکوۃ ہے۴ اور نہ پیشانیوں میں امام صقر نے فرمایا کہ پیشانی سے مراد گھوڑے اور خچر اور غلام ہیں۵ (دار قطنی)

(۱۷۲۱)۱ امام اعظم کے نزدیک سبزیوں میں عشر یا بیسواں حصہ ہے صاحبین کے ہاں نہیں' یہ حدیث صاحبین کی دلیل ہے' امام اعظم قدس سرہ کے ہاں اس سے زکوۃ تجارت مراد ہے' اس کی بحث پہلے ہوچکی' سبزیوں سے مراد تمام نہ ٹھہرنے والی چیزیں ہیں جیسے ترکاریاں' پھول بینگن' کدو وغیرہ۲ عرایا عریہ کی جمع ہے' عریہ وہ درخت ہے جو کسی کو ایک دو فصلوں کیلیے عاریۃً دے دیا جاوے کہ وہ اس کے پھل کھایا کرے اصل درخت مالک کا ہو' کبھی کسی سے خشک کھجوریں لے کر اس کے عوض درخت کی کھجوریں دے دیتے ہیں اسے بھی عریہ کہا جاتا ہے۔ اس کی پوری بحث کتاب البیوع میں ہوگی' انشاء اللہ۳ اس کی بحث پہلے ہوچکی کہ امام اعظم کے نزدیک یہاں زکوۃ سے تجارتی زکوۃ مراد ہے' چونکہ اس زمانہ میں ایک وسق چالیس درہم کا ہوتا تھا تو پانچ وسق دو سو درہم کے ہوئے اس لیے یہ ارشاد ہوا' ورنہ پیداوار کی زکوۃ ہر تھوڑی بہت پر ہوگی' دلائل اسی باب میں ابھی کچھ پہلے عرض کیے گئے۴ یعنی کام کاج کے اونٹ گایوں وغیرہ میں زکوۃ نہیں' کیونکہ یہ تجارتی مال نہیں' اسی طرح علوفہ یعنی گھر کا چارہ کھانے والے جانوروں میں زکوۃ واجب نہیں' یہ مسئلہ بھی پہلے گزر چکا۵ کہ جب یہ تجارت کیلئے نہ

ہوں، خدمت کیلئے ہوں تو ان میں زکوۃ نہیں، ہاں اس غلام کا فطرہ آقا پر واجب ہوگا۔

وَعَنْ طَاؤُسٍ اَنَّ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ اُتِيَ بِوَقْصِ الْبَقَرِ فَقَالَ لَمْ يَأْمُرْنِي فِيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَيْءٍ رَوَاهُ الدَّارَ قُطْنِيُّ وَ الشَّافِعِيُّ وَقَالَ الْوَقْصُ مَالَمْ يَبْلُغِ الْفَرِيْضَةَ

(۱۷۲۲) روایت ہے حضرت طاؤس سے کہ حضرت معاذ ابن جبل کے پاس نصاب سے کم گائیں لائی گئیں تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی حکم نہیں دیا[۱] (دار قطنی شافعی) اور امام شافعی نے فرمایا کہ وقص وہ عدد ہے کہ نصاب کو نہ پہنچے[۲]

(۱۷۲۲)[۱] کیونکہ وجوب زکوۃ کیلئے مال کا بقدر نصاب ہونا شرط ہے، اونٹ کا نصاب پانچ ہے، گائے کا تیس، بکریوں کا چالیس، اس کا ذکر پہلے ہو چکا[۲] اول ہی سے نصاب کو نہ پہنچے وہ بھی وقص ہے اور دو نصابوں کے درمیان کی کسر بھی وقص ہے، یہاں پہلی صورت مراد ہے کیونکہ انہوں نے اس کی بالکل زکوۃ نہ لی (مرقات واشعہ وغیرہ)

بَابُ صَدَقَةِ الْفِطْرِ
صدقہ فطر کا باب

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ
پہلی فصل

فطرہ یا افطار سے ہے یا فطرۃ سے، چونکہ یہ ماہ رمضان گزر جانے اور عید کے دن افطار کرنے پر واجب ہوتا ہے اس لیے فطرہ کہا جاتا ہے یا بچہ پیدا ہوتے ہی اس کی طرف سے باپ پر ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے لہٰذا فطرہ ہے، اصطلاح شریعت میں عید کے دن جو مالدار پر رمضان کا صدقہ واجب ہوتا ہے وہ فطرہ ہے، احناف کے ہاں فطرہ واجب ہے، امام شافعی و احمد کے ہاں فرض، امام مالک کے ہاں سنت مؤکدہ، امام شافعی کے ہاں ہر ایک امیر وغریب پر جو ایک دن کی روٹی پر قادر ہو فطرہ فرض ہے امام مالک کے ہاں نصاب پر فطرہ سنت مؤکدہ ہے نصاب نامی یعنی بڑھنے والا ہو یا نہ ہو نصاب میں احناف کا مذہب بھی یہ ہے، فطرہ کے تفصیلی مسائل کتب فقہ میں دیکھو۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكٰوةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ اَوْصَاعًا مِّنْ شَعِيْرٍ عَلَى الْعَبْدِ وَالْحُرِّ وَالذَّكَرِ وَالْاُنْثٰى وَالصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَاَمَرَ بِهَا اَنْ تُؤَدّٰى قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ اِلَى الصَّلٰوةِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۷۲۳) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر ایک صاع چھوہارے یا ایک صاع[۱] جو ہر غلام، آزاد، مرد، عورت چھوٹے اور بڑے مسلمان پر[۲] مقرر فرمایا[۳] اور حکم دیا کہ لوگوں کے عید گاہ جانے سے پہلے ادا کر دیا جائے[۴] (مسلم و بخاری)

(۱۷۲۳)[۱] صاع عرب شریف کا مشہور پیمانہ ہے (ٹوپا) جس سے دانے ماپ کر فروخت ہوتے ہیں، جیسے ہمارے ہاں ہر علاقہ کا سیر مختلف ہے، ایسے ہی عراق، حجاز اور یمن کے صاع بھی مختلف ہیں، فطرہ میں حجازی صاع جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مروج تھا معتبر ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ وہ صاع تین سو اکیاون روپیہ بھر ہے یعنی ہمارے پاکستانی اسی روپیہ کے سیر کے چار سیر، ڈیڑھ پاؤ ایک تولہ لہٰذا اگر فطرہ میں جو دے تو ایک شخص کی طرف سے اتنے دے اور اگر گیہوں دے تو آدھا صاع یعنی دو سیر تین چھٹانک چھ ماشہ اس کی تحقیق فتاوی رضویہ شریف میں ملاحظہ کریں[۲] خیال رہے کہ صدقہ فطر ایک اعتبار سے بدنی عبادت ہے کہ ایک بدنی عبادت روزے کی تکمیل کیلئے

ہے' اسی لیے غلام پر بھی واجب ہوا جیسے نماز روزہ اور دوسرے لحاظ سے مالی عبادت ہے کہ وہ مال سے ادا ہوتا ہے' اس لیے غلام کا فطرہ اس کے مولیٰ پر واجب ہوا نہ کہ خود غلام پر' تیسری حیثیت سے یہ مالی ٹیکس کی حیثیت رکھتا ہے جیسے پیداوار کا خراج' اس لیے یہ نابالغ بچے پر بھی واجب ہوا' مگر بچے کا فطرہ باپ دے گا' ہاں اگر بچہ خود غنی ہو تو اس کے اپنے مال سے دیا جائے گا' لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جب بچے پر روزہ' نماز' زکوٰۃ فرض نہیں تو فطرہ کیوں واجب ہوا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وجوب فطرہ کا سبب بدنی علم نہ کہ مال' مسلم مال تو وجوب فطرہ کی شرط ہے کیونکہ اسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بندہ کی طرف نسبت دی[۳] اس حدیث سے امام شافعی رضی اللہ عنہ نے دو مسئلے ثابت فرمائے ہیں ایک یہ کہ فطرہ فرض ہے کیونکہ یہاں لفظ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ہے' دوسرے یہ کہ ہر امیر وغریب پر فرض ہے جس کے پاس ایک دن کے کھانے سے بچا ہوا ہو' کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں غنی کی قید نہ لگائی' امام اعظم ابوحنیفہ پہلے مسئلہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہاں فرض لغوی معنی میں ہے یعنی مقرر فرمائی' رب تعالیٰ فرماتا ہے: قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ (۵۰،۳۳) ہمیں معلوم ہے جو ہم نے مسلمان پر مقرر کیا ہے ان کی بیبیوں میں (کنزالایمان) اور اگر شرعی فرض ہی مراد ہو یعنی لازم کر دینا تب بھی حدیث ظنی ہے' اور فرضیت کیلئے دلیل قطعی چاہیے۔ لہٰذا اس فرض سے وجوب ثابت ہوگا نہ کہ فرضیت اور دوسرے مسئلہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس اطلاق سے تو یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے' کیونکہ یہاں ایک دن کی روٹی سے زائد ملکیت کا بھی ذکر نہیں چاہیے کہ ہر آزاد و غلام پر فطرہ واجب ہو حتیٰ کہ فقیر بے نوا بے دست و پا بھیک مانگ کر فطرہ دے پھر لطف یہ ہے کہ جب ہر فقیر پر فطرہ دینا فرض ہوا تو فطرہ لے گا کون امام اعظم کی دلیل وہ حدیث ہے جو امام احمد نے اپنی مسند میں اور امام بخاری نے تعلیقاً بخاری شریف میں نقل فرمائی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لاصدقة الاعن ظهر غنى صدقہ تونگری سے واجب ہوتا ہے' اب تونگری کی کوئی حد ہونا چاہیے وہ نصاب کی ملکیت ہے[۴] یہ حکم استحبابی ہے' بہتر یہ ہے کہ فطرہ عید کے دن نکالے اور عید گاہ جانے سے پہلے دے' اگر نماز عید کے بعد دیا تب بھی جائز ہے اور اگر عید سے ایک دو دن پہلے دے دیا جب بھی درست ہے' چنانچہ بخاری شریف میں حضرت ابن عمر کی ایک دراز روایت نقل کی' جس کے آخر میں ہے وكانوا يعطون قبل الفطر بيوم او يومين یعنی صحابہ عید سے ایک دو دن پہلے فطرہ دے دیتے تھے مگر عید کے دن نماز سے پہلے دینا بہتر ہے تاکہ فقراء بھی عید منالیں (از مرقات وغیرہ)

وَعَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ قَالَ كُنَّا نُخْرِجُ زَكٰوةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِّنْ طَعَامٍ مِّنْ شَعِيْرٍ اَوْصَاعًا مِّنْ تَمْرٍ اَوْصَاعًا مِّنْ اَقِطٍ اَوْصَاعًا مِّنْ زَبِيْبٍ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۷۲۴) روایت ہے حضرت ابی سعید خدری سے فرماتے ہیں کہ ہم صدقہ فطر ایک صاع غلہ[۱] یا ایک صاع جو یا ایک صاع چھوہارے یا ایک صاع پنیر یا ایک صاع کشمش نکالتے تھے[۲] (مسلم بخاری)

(۱۷۲۴)[۱] حق یہ ہے کہ یہاں طعام سے مراد گندم کے علاوہ دوسرا غلہ ہے جوار' باجرہ' مکئی وغیرہ کیونکہ گندم کا آدھا صاع فطرہ ہوتا ہے نہ کہ پورا صاع اور گندم مراد ہو تو آدھا صاع فطرہ ہوگا اور آدھا صدقہ نفلی' لہٰذا یہ حدیث نصف صاع گندم کی احادیث کیخلاف نہیں' شیخ نے اشعہ میں فرمایا کہ اس زمانہ میں حجاز میں جوار کا زیادہ استعمال تھا[۲] یہ اَوْ اختیار دینے کیلئے ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دینے والے کو اختیار ہے کہ فطرہ ان میں سے کسی چیز سے دے لیکن اگر پیسے یا کپڑا یا صابن وغیرہ فطرہ میں دے تو سوا دو سیر گندم کی قیمت کا اعتبار کرے اس قیمت کی یہ چیزیں دے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ
دوسری فصل

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ فِیْ اٰخِرِ رَمَضَانَ اَخْرِجُوْا صَدَقَةَ صَوْمِكُمْ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهِ الصَّدَقَةَ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ اَوْ شَعِيْرٍ اَوْ نِصْفَ صَاعٍ مِّنْ قَمْحٍ عَلٰى كُلِّ حُرٍّ اَوْ مَمْلُوْكٍ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى صَغِيْرٍ اَوْ كَبِيْرٍ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِىُّ)

(1725) روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ آپ نے رمضان کے آخر میں فرمایا کہ اپنے روزوں کا صدقہ نکالو[1] یہ صدقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لازم فرمایا ہے ایک صاع کھجور یا جو یا آدھا صاع گندم[1] ہر آزاد یا غلام مرد یا عورت چھوٹے یا بڑے پر ہے[2] (ابوداؤد،نسائی)

(1725)[1] اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے' ایک یہ کہ عید کے دن سے پہلے فطرہ دے سکتے ہیں' دیکھو حضرت ابن عباس نے آخر رمضان میں ہی فطرہ نکالنے کا حکم دیا' دوسرے یہ کہ گندم کا آدھا صاع فطرہ میں دیا جائے نہ کہ پورا' لہٰذا یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے[2] اس کی شرح پہلے ہو چکی کہ مملوک غلام کا فطرہ مولٰی دے گا غلام مسلمان ہو یا کافر' اسی طرح چھوٹے بچے کا فطرہ باپ پر ہے' اگر بچے کے پاس اپنا مال نہ ہو' ورنہ خود بچے کے مال سے دیا جائے گا۔

وَعَنْهُ قَالَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكٰوةَ الْفِطْرِ طُهْرَ الصِّيَامِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِّلْمَسَاكِيْنِ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(1726) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر لازم فرمایا روزوں کو بیہودگی اور فحش سے پاک کرنے اور مسکینوں کو کھانا دینے کیلئے[1] (ابوداؤد)

(1726)[1] یعنی فطرہ واجب کرنے میں دو حکمتیں ہیں' ایک تو روزہ دار کے روزوں کی کوتاہیوں کی معافی اکثر روزے میں غصہ بڑھ جاتا ہے تو بلاوجہ لڑ پڑتا ہے' کبھی جھوٹ غیبت وغیرہ بھی ہو جاتے ہیں' رب تعالٰی اس فطرے کی برکت سے وہ کوتاہیاں معاف کردے گا کہ نیکیوں سے گناہ معاف ہوتے ہیں' دوسرے مساکین کی روزی کا انتظام بچوں پر اگرچہ روزے فرض نہیں مگر دوسری حکمت وہاں بھی موجود ہے۔ لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ پھر بچوں پر فطرہ کیوں ہے' وہ تو روزہ رکھتے نہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ
تیسری فصل

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُنَادِيًا فِیْ فِجَاجِ مَكَّةَ اَلَا اِنَّ صَدَقَةَ الْفِطْرِ وَاجِبَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى حُرًّا وَّعَبْدٍ صَغِيْرٍ اَوْ كَبِيْرٍ مُّدَّانِ مِنْ قَمْحٍ اَوْ سِوَاهُ اَوْ صَاعٌ مِّنْ طَعَامٍ (رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ)

(1727) روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی گلیوں میں منادی بھیجا[1] کہ خبردار رہو صدقہ فطر واجب ہے ہر مسلمان مرد' عورت' آزاد' غلام' چھوٹے بڑے پر گیہوں وغیرہ سے دو۔ [2] یا اس کے ماسوا غلہ کا ایک صاع[3] (ترمذی)

(1727)[1] یہ اعلان فتح مکہ کے بعد ہوا کیونکہ اس سے پہلے وہاں اسلامی احکام کے اعلان کی کوئی صورت ہی نہ تھی' چونکہ مدینہ کے مسلمانوں کو ہر وقت صحبت محبوب میسر تھی' اس لیے انہیں اس اعلان کی ضرورت نہ تھی' مکہ معظمہ کے اکثر مسلمان نو مسلم بھی تھے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے دور بھی' اس لیے یہ اعلان کرائے گئے[2] ایک صاع چار مد کا ہوتا ہے' تو دو مد کا آدھا صاع ہوا یعنی گندم سے

فطرہ آدھا صاع فی کس واجب ہے اور کل مسلم سے مراد ہر صاحب نصاب غنی مسلمان ہے جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ صدقہ غنا کے بغیر واجب نہیں ہوتا اور آزاد و غلام چھوٹے بڑے سے مراد بلاواسطہ اور بالواسطہ ہے یعنی بالغ آزاد غنی تو اپنا فطرہ خود دے اور غنی کے غلام و چھوٹے بچوں کا فطرہ وہ غنی دے لہذا یہ حدیث نہ تو دیگر احادیث کیخلاف ہے نہ احناف کے مخالف۔۳؎ یہاں طعام کو گندم کے مقابل فرمایا گیا معلوم ہوا کہ اس سے سواء گندم دوسرے غلے مراد ہیں لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کی گویا شرح ہے جہاں فرمایا گیا تھا کہ طعام کا ایک صاع واجب ہے خیال رہے کہ فطرہ میں اصل گندم وجو جوار ہیں اگر ان کے سواء کسی اور غلہ یا دوسری چیز سے فطرہ دیا گیا تو ان مذکورہ دانوں کی قیمت کا لحاظ ہوگا۔لہذا چاول باجرہ آدھے صاع گیہوں کی قیمت کے دینے ہوں گے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ ثَعْلَبَةَ اَوْ ثَعْلَبَةَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ اَبِىْ صُعَيْرٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَاعٌ مِّنْ بُرٍّ اَوْ قَمْحٍ عَنْ كُلِّ اثْنَيْنِ صَغِيْرٍ اَوْ كَبِيْرٍ حُرٍّ اَوْ عَبْدٍ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى اَمَّا غَنِيُّكُمْ فَيُزَكِّيْهِ اللهُ وَاَمَّا فَقِيْرُكُمْ فَيَرُدُّ عَلَيْهِ اَكْثَرَ مِمَّا اَعْطَاهُ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

(۱۷۲۸)روایت ہے حضرت عبداللہ ابن ثعلبہ سے یا ثعلبہ ابن عبداللہ ابن ابی صعیر سے۱؎ وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک صاع گندم دو شخصوں کی طرف سے ہے چھوٹے یا بڑے آزاد یا غلام مرد عورت لیکن۲؎ تم میں کے مالدار اللہ اسے تو پاک فرمادے گا اور لیکن تمہارا فقیر اللہ اسے دینے سے زیادہ دے گا۳؎ (ابوداؤد)

(۱۷۲۸)۱؎ آپ عبداللہ ابن ثعلبہ ابن ابی صعیر ہیں آپ تابعی ہیں مگر آپ کے والد ثعلبہ صحابی ہیں جن سے صرف یہ ہی ایک حدیث مروی ہے،صعیر کی وفات ۸۷ھ یا ۸۹ھ میں ہوئی،قریبًا نوے سال عمر پائی اور عبداللہ ابن ثعلبہ ہجرت سے چار سال پہلے پیدا ہوئے اور ۸۹ھ میں فوت ہوئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے مگر کچھ سماعت ثابت نہیں(مرقات)۲؎ یعنی چھوٹے بڑے،آزاد غلام سب کا فطرہ یکساں ہے آدھا صاع گندم۔۳؎ اس حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ فقیر پر بھی فطرہ واجب ہے مگر یہ حدیث قابل حجت نہیں کیونکہ اس کی اسناد میں نعمان ابن راشد ہے جو سخت ضعیف ہے،امام بخاری نے فرمایا کہ یہ وہمی ہے،امام احمد نے فرمایا یہ حدیث صحیح نہیں،پھر ان راوی کے نام میں بہت گفتگو ہے،عبدالرزاق نے یہ حدیث بسند صحیح ابن جریج عن ابن شہاب عن عبداللہ ابن ثعلبہ روایت کی،تو اس میں فقیر وغنی کا ذکر نہیں،صرف یہ ہے کہ ایک صاع گندم دو کی طرف سے ادا کرو،اس کی پوری اور نفیس تحقیق یہاں مرقاۃ میں دیکھو،نیز اگر ہر فقیر وغنی پر صدقہ فطر دینا واجب ہوجائے تو پھر فطرہ لینے والا کون ہوگا؟ کیونکہ یہ تو اصول اسلام کیخلاف ہے کہ فقیر فطرہ دے بھی اور دوسروں کا فطرہ لے بھی۔

بَابُ مَنْ لَّا تَحِلُّ لَهُ الصَّدَقَةُ — باب جن لوگوں کیلئے زکوۃ حلال نہیں

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

یعنی کن شخصوں کو صدقہ واجبہ زکوۃ،ہدیہ،فطرہ نہیں دے سکتے۔یہاں چند مسائل خیال میں رکھنے چاہئیں ایک یہ کہ صدقہ وہ مال ہے جو محض ثواب کیلئے کسی کو دیا جائے اور ہدیہ وہ مال ہے جو کسی کے احترام و رضاء کیلئے اسے دیا جائے،صدقہ میں دوسرے پر رحم ہے اور ہدیہ میں اس کی تعظیم دوسرے یہ کہ چند شخصوں کو زکوۃ وغیرہ منع ہے کافر،غنی مسلمان،بنی ہاشم،اپنی اولاد،اپنے اصولی یعنی صدقہ دینے والا جن کی

اولاد میں ہے' شوہر یا زوجہ کو تیسرے یہ کہ کافر ذمی کو صدقہ واجبہ نہیں دے سکتے' صدقہ نفلی دے سکتے ہیں' اگر چہ وہ بھی مسلمان فقیر کو دینا بہتر ہے۔ چونکہ زکوۃ نہ لے سکنے والوں کے بتادینے سے لے سکنے والوں کا پتا خود بخود لگ جاتا ہے۔ اس لیے نہ لینے والوں کا ذکر کیا کہ یہ تھوڑے ہیں' چوتھے یہ کہ ہدیہ کی تین قسمیں ہیں نذرانہ' جو چھوٹا بڑے کو دے' عطیہ جو بڑا چھوٹے کو دے ہدیہ جو برابر والا دے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ مَرَّالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِتَمْرَةٍ فِی الطَّرِیْقِ فَقَالَ لَوْلَا اَنِّیْ اَخَافُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الصَّدَقَةِ لَاَ كَلْتُهَا (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

(۱۷۲۹) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم راستہ میں ایک کھجور پر سے گزرے تو فرمایا کہ مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ یہ صدقہ کا ہوگا تو میں اسے کھالیتا[1] (مسلم بخاری)

(۱۷۲۹)[1] یعنی خطرہ یہ ہے کہ یہ کھجور زکوۃ کی ہو جو مالک کے ہاتھ سے گرگئی ہو' اس لیے ہم اسے نہیں کھاتے' اگر یہ خطرہ نہ ہوتا تو ہم اسے کھا لیتے' اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے' ایک یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اولاد پر تا قیامت زکوۃ لینا حرام ہے' کیونکہ یہ لوگوں کے ہاتھ و مال کا میل ہے ان ستھروں کو کیونکر جائز ہوسکتا ہے جیسا کہ آگے عرض ہوگا' دوسرے یہ کہ لقطہ یعنی پڑی ہوئی چیز اگر معمولی ہو' جس کی تلاش مالک نہ کرے گا نہ اس کے مالک کو ڈھونا ضروری ہے نہ اس کے سنبھالنے اور اعلان کرنے کی ضرورت ہے بلکہ فوراً اپنے استعمال میں لانا جائز ہے' لقطہ کی احادیث قیمتی چیز کے متعلق ہیں جن کی مالک تلاش کرے' تیسرے یہ کہ فتویٰ اور تقویٰ میں فرق ہے' فتویٰ محرمات سے بچنے کا ہے مگر تقویٰ یہ ہے کہ شبہات سے بھی بچے' مگر شبہ اور وہم میں فرق ہے' وہمیات کا اعتبار نہیں' ولایتی کپڑے کے تھان بازار میں فروخت ہوتے ہیں ان میں شبہ کرنا یہ گندے پانی سے دھوئے گئے ہوں گے۔ تقویٰ نہیں وہم ہے صحابہ کرام غنیمت میں کفار کے لباس پاتے تھے اور بے تکلف استعمال کرتے تھے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار بادشاہوں کے ہدیئے لیے اور استعمال فرمائے خیال رہے کہ یہاں تعلیم امت کیلئے یہ ارشاد ہے کہ متشابہات سے بچو ورنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تو ہر ایک چیز کی حقیقت و اصلیت سے خبردار ہیں' جیسا کہ ہم بارہا اس شرح میں اور اپنی کتاب جاء الحق حصہ اول میں ثابت کر چکے ہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اَخَذَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِیٍّ تَمْرَةً مِّنْ تَمْرِ الصَّدَقَةِ فَجَعَلَهَا فِیْ فِیْهِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَخْ كَخْ لِیَطْرَحَهَا ثُمَّ قَالَ اَمَا شَعَرْتَ اَنَّا لَا نَاْكُلُ الصَّدَقَةَ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

(۱۷۳۰) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں کہ حضرت حسن ابن علی نے صدقے کے چھوہاروں میں سے ایک چھوہارا لے کر اپنے منہ میں ڈال لیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کخ کخ تاکہ وہ اسے تھوک دیں پھر فرمایا کہ کیا تمہیں خبر نہیں کہ ہم صدقہ نہیں کھایا کرتے[1] (مسلم بخاری)

(۱۷۳۰)[1] اس حدیث نے فیصلہ فرمادیا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کو زکوۃ لینا حرام ہے انا جمع فرما کر تا قیامت اپنی اولاد کو شامل فرمالیا' یہ ہی حق ہے اسی پر فتویٰ ہے' بعض لوگ جو کہتے ہیں کہ یہ حکم اس زمانہ میں تھا اب سید زکوۃ لے سکتے ہیں یا سید کی زکوۃ سید لے سکتے ہیں یہ تمام مرجوع قول ہیں' فتویٰ اس پر نہیں خیال رہے کہ بنی ہاشم سے مراد آل عباس' آل جعفر' آل عقیل' آل حارث ابن مطلب اور آل رسول ہیں ابولہب کی مسلمان اولاد اگر چہ بنی ہاشم تو ہیں مگر یہ زکوۃ لے سکتے تھے اور لے سکتے ہیں' کیونکہ زکوۃ کی حرمت کرامت وعزت کیلئے ہے' ابولہب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذاء کی کوشش میں رہا اسی لیے وہ اور اس کی اولاد اس عظمت کی مستحق نہ ہوئی (از لمعات) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنی ناسمجھ اولاد کو بھی ناجائز کام نہ کرنے دے وہ دیکھو حضرت حسن اس وقت بہت ہی کمسن

اور ناسمجھ تھے جیسا کہ کخ کخ فرمانے سے معلوم ہورہا ہے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی زکوٰۃ کا چھوہارا نہ کھانے دیا' فقہاء فرماتے ہیں کہ ناسمجھ لڑکوں کو سونے چاندی کا زیور پہنانا حرام ہے اس مسئلہ کی ماخذ یہ حدیث بھی ہوسکتی ہے یہ قاعدہ بہت مفید ہے (مرقات)

وَعَنْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ هٰذِهِ الصَّدَقَاتِ اِنَّمَا هِيَ اَوْسَاخُ النَّاسِ وَاِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَّلَا لِاٰلِ مُحَمَّدٍ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(١٧٣١) روایت ہے حضرت عبدالمطلب ابن ربیعہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یہ صدقات لوگوں کے میل ہیں[1] یہ نہ حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور نہ آپ کی آل کو حلال[2] (مسلم)

(١٧٣١)[1] اس طرح کہ زکوٰۃ وفطرہ نکل جانے سے لوگوں کے مال اور دل پاک وصاف ہوتے ہیں جیسے میل نکل جانے سے جسم یا کپڑا رب تعالٰی فرماتا ہے: خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهٖ (٩،١٠٣) اے محبوب! ان کے مال میں سے زکوٰۃ تحصیل کرو جس سے تم انہیں ستھرا اور پاکیزہ کردو (کنزالایمان) لہٰذا یہ مسلمانوں کا دھوون ہے[2] یہ حدیث ایسی واضح اور صاف ہے جس میں کوئی تاویل نہیں ہوسکتی' یعنی مجھے اور میری اولاد کو زکوٰۃ لینا اس لیے حرام ہے کہ وہ مال کا میل ہے لوگ ہمارے میل سے ستھرے ہوں ہم کسی کی میل کیوں لیں' اب بعض کا یہ کہنا کہ چونکہ سادات کو خمس نہیں ملتا اس لیے اب وہ زکوٰۃ لے سکتے ہیں غلط ہے کہ نص کے مقابل چونکہ اور کیونکہ نہیں سنا جاتا۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُتِيَ بِطَعَامٍ سَاَلَ عَنْهُ اَهَدِيَّةٌ اَمْ صَدَقَةٌ فَاِنْ قِيْلَ صَدَقَةٌ قَالَ لِاَصْحَابِهٖ كُلُوْا وَلَمْ يَاْكُلْ وَاِنْ قِيْلَ هَدِيَّةٌ ضَرَبَ بِيَدِهٖ فَاَكَلَ مَعَهُمْ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(١٧٣٢) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی کھانا لایا جاتا تو اس کے متعلق پوچھتے کہ آیا یہ ہدیہ ہے' یا صدقہ اگر کہا جاتا کہ صدقہ ہے تو صحابہ سے فرماتے کھا لو[1] اور خود نہ کھاتے اور اگر عرض کیا جاتا کہ ہدیہ ہے تو ہاتھ شریف بڑھاتے اور ان کے ساتھ کھاتے[2] (مسلم بخاری)

(١٧٣٢)[1] غنی صحابہ اپنے واجب ونفلی صدقہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے تھے تاکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ سے غربا میں تقسیم فرمادیں کہ آپ کے ہاتھ کی برکت سے رب تعالٰی قبول فرمائے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب صفہ وغیرہ فقراء وصحابہ پر تقسیم فرمادیتے تھے اور بعض لوگ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہدیہ ونذرانہ لاتے تھے' چونکہ دوقسم کے مال حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تھے۔ یہاں صحابہ سے مراد فقراء صحابہ ہیں جو صدقہ واجبہ لے سکتے ہیں' حضرت عثمان غنی وغیرہم غنی صحابہ مراد نہیں' صدقہ وہدیہ کا فرق اس باب کے شروع میں عرض کیا گیا ہے[2] یعنی ہدیہ ونذرانہ کا کھانا خود بھی کھاتے تھے اور موجود صحابہ کو بھی اپنے ہمراہ کھلاتے تھے' خیال رہے کہ غنی اور سید کو صدقہ نفل لینا جائز ہے' وہ صدقہ ان کیلئے ہدیہ بن جاتا ہے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ نفل بھی نہ لیتے تھے کیونکہ اس میں صدقہ دینے والا لینے والے پر رحم وکرم کرتا ہے جس کا ثواب اللہ سے چاہتا ہے سب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے رحم کے خواستگار ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر کون انسان رحم کرتا ہے' ہاں صدقہ جاریہ جیسے کنوئیں کا پانی' مسجد وقبرستان کی زمین اس کا حکم دوسرا ہے کہ یہ ہر غنی وفقیر بلکہ خود صدقہ کرنے والے واقف کو بھی اس کا استعمال جائز ہے' یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے

بھی مباح تھا (از مرقات وغیرہ)

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ فِيْ بَرِيْرَةَ ثَلٰثُ سُنَنٍ اِحْدٰى السُّنَنِ اَنَّهَا عَتَقَتْ فَخُيِّرَتْ فِيْ زَوْجِهَا وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْوَلَاءُ لِمَنْ اَعْتَقَ وَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْبُرْمَةُ تَفُوْرُ بِلَحْمٍ فَقُرِّبَ اِلَيْهِ خُبْزٌ وَّ اُدْمٌ مِّنْ اُدْمِ الْبَيْتِ فَقَالَ اَلَمْ اَرَ بُرْمَةً فِيْهَا لَحْمٌ قَالُوْ بَلٰى وَلٰكِنْ ذٰلِكَ لَحْمٌ تُصُدِّقَ بِهٖ عَلٰى بَرِيْرَةَ وَاَنْتَ لَا تَاْكُلُ الصَّدَقَةَ قَالَ هُوَ عَلَيْهَا صَدَقَةٌ وَّلَنَا هَدِيَّةٌ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۷۳۳) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ حضرت بریرہ میں تین شرعی حکم ہوئے[۱] ایک حکم یہ کہ وہ آزاد کی گئیں تو انہیں اپنے خاوند کے متعلق اختیار دیا گیا[۲] اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ولا آزاد کرنے والے کیلئے ہے[۳] اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے کہ ہانڈی گوشت سے ابل رہی تھی آپ کی خدمت میں روٹی اور گھر کا کوئی سالن پیش کیا گیا تو فرمایا کہ کیا مجھے گوشت کی ہانڈی نظر نہیں آ رہی عرض کیا ہاں لیکن یہ وہ گوشت ہے، جو بریرہ پر صدقہ کیا گیا اور حضور آپ صدقہ تو کھاتے نہیں تو فرمایا وہ ان پر صدقہ ہے ہمارے لیے ہدیہ ہے[۴] (مسلم بخاری)

(۱۷۳۳) [۱] بریرہ بروزن کریمہ صحابیہ ہیں حضرت عائشہ صدیقہ کی مولاۃ یعنی آزاد کردہ لونڈی ہیں آپ نے حضرت ابن عباس، عروہ ابن زبیر سے احادیث روایت کیں یعنی حضرت بریرہ کے ذریعہ ہم کو تین شرعی مسائل معلوم ہوئے [۲] حضرت بریرہ کے خاوند کا نام مغیث تھا جو پہلے غلام تھے حضرت بریرہ کے آزاد ہونے کے وقت آزاد ہو چکے تھے جب آپ آزاد ہوئیں تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو خیار عتق دیا کہ چاہیں نکاح باقی رکھیں یا فسخ کرا دیں۔ معلوم ہوا کہ لونڈی کو آزادی پر خیار عتق ملتا ہے۔ خاوند غلام ہو یا آزاد اس کی پوری بحث انشاء اللہ کتاب النکاح اور کتاب العتق میں آئے گی۔ [۳] حضرت بریرہ ایک یہودی کی لونڈی تھیں جس نے آپ کو مکاتب کر دیا تھا کہ اتنا مال دو تو تم آزاد ہو آپ مال دینے سے عاجز ہوئیں تو حضرت عائشہ صدیقہ سے عرض کیا آپ نے فرمایا تمہارا مال میں دے دیتی ہوں اپنے مالک سے کہو کہ تمہیں میرے ہاتھ فروخت کر دے پھر میں تم کو آزاد کر دوں گی ان کے مالک نے کہا کہ ہاں ہم فروخت تو کر دیں گے مگر اس شرط سے کہ تمہاری ولا یعنی آزاد کرنے کا حق ہم کو رہے یہ مسئلہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ولاء آزاد کرنے والے کو ہے نہ کہ فروخت کرنے والے کو' یہ دوسرا مسئلہ حضرت بریرہ کے ذریعہ معلوم ہوا' ولاء کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اگر آزاد کردہ غلام لاوارث فوت ہو جائے تو میراث مولیٰ کو ملتی ہے اسی طرح اگر مولا لاوارث فوت ہو تو یہ غلام میراث لیتا ہے[۴] یعنی بریرہ سے کہو کہ اپنے اس گوشت میں سے جو انہیں صدقہ ملا ہے ہم کو بھی دیں کیونکہ صدقہ ان پر ختم ہو چکا' اب ہم کو بریرہ کی طرف سے ہدیہ ہو کر ملے گا جو ہمارے لیے مباح ہوگا' اس سے تین مسائل معلوم ہوئے' ایک یہ کہ بنی ہاشم کا آزاد کردہ غلام زکوۃ نہیں لے سکتا' مگر دوسروں کا غلام زکوۃ لے سکتا ہے' چونکہ حضرت عائشہ قرشیہ تو تھیں مگر ہاشمیہ نہ تھیں' اس لیے بریرہ کو صدقہ لینا درست ہوا' دوسرے یہ کہ اپنی بیوی یا بیوی کی لونڈی یا اولاد سے کچھ مانگنا جس میں ذلت نہ ہو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بھی جائز ہے چہ جائیکہ اور کوئی' جس سوال میں ممانعت ہے وہ ذلت والا سوال ہے' دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ سے گوشت طلب فرمایا تیسرے یہ کہ ملکیت بدل جانے سے حکم بدل جاتا ہے' لہٰذا اگر فقیر کو زکوۃ دی گئی' اس نے اس زکوۃ سے کسی غنی یا سید کی دعوت کر دی یا وہ زکوۃ کی رقم کسی مسجد سرائے یا کنوئیں پر خیرات کر کے لگا دی تو جائز ہے کہ زکوۃ تو فقیر پر ختم ہوگئی اب یہ فقیر کی طرف سے ہدیہ ہے' دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے

بریرہ پر صدقہ کیا ہوا گوشت کھالیا کہ اب یہ ہدیہ وندرانہ بن گیا تھا اس سے بہت سے فقہی مسائل حل ہو سکتے ہیں' حضرت ابن عمر کو جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا صدقہ دیا ہوا گھوڑا فقیر سے خریدنے کو منع فرمادیا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ آپ کو اس لیے رعایت دینا چاہتا تھا کہ آپ نے اسے صدقہ دیا تھا۔ یہ رعایت کرانا ممنوع تھا لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں۔

وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ وَيُثِيْبُ عَلَيْهَا (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۱۷۳۴) روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اس کا بدل بھی عطا فرماتے تھے۔ (بخاری)

(۱۷۳۴) ابلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ دینے والے کو اپنی شان کے لائق بھاری عطیہ دیتے تھے' اب بھی جو امتی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایصال ثواب کرتے ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دین و دنیا میں کہیں بہتر عوض فرماتے ہیں اور فرمائیں گے جس کا تجربہ بارہا ہوا اور ہو رہا ہے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عطیہ تاقیامت جاری ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ دُعِيْتُ اِلٰى كُرَاعٍ لَاَجَبْتُ وَلَوْ اُهْدِيَ اِلَيَّ ذِرَاعٌ لَقَبِلْتُ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۱۷۳۵) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر مجھے پائے (یعنی گائے بکری کے کھر وغیرہ) کی طرف دعوت دی جائے تو قبول کرلوں اور اگر مجھے دستی دی جائے تو منظور فرمالوں۔ (بخاری)

(۱۷۳۵) ایعنی ہم کو معمولی آدمی کی دعوت اور معمولی ہدیہ قبول فرمانے میں عار نہیں ضرور قبول فرمائیں گے' اس میں مالداروں بلکہ بادشاہوں کو تعلیم ہے کہ غریبوں اور اپنے نوکروں کے حقیر ہدیوں کو نہ ٹھکراؤ ان کے اخلاص کی قدر کرو اور ہم غریبوں کی ہمت افزائی ہے کہ جس قدر ہو سکے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں مال واعمال کے ثوابوں کا ہدیہ کرتے ہیں یہاں کراع سے مراد کھرے (گائے بکری کے پائے) ہیں نہ کہ کراع الغمیم منزل جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھا۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اگر کوئی فقیر صدقہ کا معمولی مال بھی لے کر ہماری دعوت کر دے' تو ہم قبول فرمالیں گے' کیونکہ صدقہ اس پر ختم ہو چکا اسی لیے یہ حدیث اس باب میں لائی گئی۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْمِسْكِيْنُ الَّذِيْ يَطُوْفُ عَلَى النَّاسِ تَرُدُّهُ اللُّقْمَةُ وَاللُّقْمَتَانِ وَالتَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ وَلٰكِنَّ الْمِسْكِيْنَ الَّذِيْ لَا يَجِدُ غِنًى يُغْنِيْهِ وَلَا يُفْطَنُ بِهٖ فَيُتَصَدَّقُ عَلَيْهِ وَلَا يَقُوْمُ فَيَسْاَلُ النَّاسَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۷۳۶) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکین وہ نہیں جو لوگوں پر چکر لگاتا پھرے اسے ایک دو لقمے یا ایک دو چھوہارے لوٹا دیں لیکن مسکین وہ ہے جو غنا بھی نہ پائے جس سے لوگوں سے لاپروا ہو جائے اور اسے پہچانا بھی نہ جائے تاکہ اسے صدقہ دے دیا جائے اور نہ اٹھ کر لوگوں سے سوال کرے۔ (مسلم بخاری)

(۱۷۳۶) ایعنی جس مسکینیت پر ثواب ہے اور صابروں کے زمرہ میں داخل ہے وہ یہ بھکاری فقیر نہیں ہے بلکہ یہ تو عام حالات میں اسی سوال پر گنہگار ہے کہ جب وہ بھیک مانگنے کیلئے اتنی دوڑ دھوپ کر سکتا ہے تو وہ کمانے کیلئے بھی کر سکتا ہے' ہاں صابر وہ مسکین ہے جو حاجت مند ہو' مگر پھر کسی پر اپنی حاجت ظاہر نہ کرے' اپنے فقر کو چھپانے کی کوشش کرے' اسی مسکین کی رب تعالیٰ نے قرآن پاک میں

تعریف فرمائی ہے کہ فرمایا لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ (۲،۲۷۳) ان فقیروں کے لئے جو راہِ خدا میں روکے گئے (کنزالایمان) خیال رہے کہ جس مسکینیت کی دعا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگی ہے وہ مسکینیت دل ہے یعنی دل میں عجز و انکسار ہونا، تکبر وغرور نہ ہونا، ایسا شخص اگر مالدار بھی ہو تو مبارک مسکین ہے اور جن احادیث میں فقر و مسکینیت سے پناہ مانگی گئی ہے وہ ایسی تنگدستی ہے جو فتنہ میں مبتلا کردے لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں اور نہ یہ اعتراض ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو مسکینیت کی دعا کی مگر رب تعالٰی نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بادشاہ بنادیا یہ دعا قبول نہ ہوئی۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعَثَ رَجُلاً مِّنْ بَنِیْ مَخْزُوْمٍ عَلَی الصَّدَقَۃِ فَقَالَ لِاَبِیْ رَافِعٍ اِصْحَبْنِیْ کَیْ مَا تُصِیْبَ مِنْھَا فَقَالَ لَا حَتّٰی اٰتِیَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَسْئَالَہٗ فَانْطَلَقَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَہٗ فَقَالَ اِنَّ الصَّدَقَۃَ لَا تَحِلُّ لَنَا وَاِنَّ مَوَالِیَ الْقَوْمِ مِنْ اَنْفُسِھِمْ

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ)

(۱۷۳۷) روایت ہے حضرت ابورافع سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی مخزوم کے ایک شخص کو صدقہ پر مقرر کرکے بھیجا اس نے ابورافع سے کہا کہ تم بھی ہمارے ساتھ چلو کہ تم بھی کچھ پالو ۱؎ وہ بولے نہیں حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر پوچھ لوں ۲؎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ہم کو صدقہ حلال نہیں اور قوم کا غلام ان ہی میں سے ہوتا ہے ۳؎

(ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

(۱۷۳۷) ۱؎ خلاصہ یہ ہے کہ کسی مخزومی کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ پر عامل بنایا جس کو زکوۃ سے ہی معاوضہ دیا جاتا، اس مخزومی نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام جن کا نام اسلم ہے کنیت ابورافع سے کہا! تم بھی میرے ساتھ چلو، جو اجرت ملے گی اس میں تمہارا حصہ ہوگا جس سے تمہارا کچھ کام چل جائے گا، یہ مطلب نہیں ہے کہ میں خود اجرت لے کر اپنی طرف سے تم کو ہدیۃً دے دوں گا ۲؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں مسئلہ پوچھنا مراد نہیں بلکہ ساتھ جانے کی اجازت حاصل کرنا مراد ہے، ابورافع اگرچہ جسماً آزاد ہوچکے تھے مگر ان کا دل ہمیشہ کیلئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوچکا تھا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے بغیر پوچھے جنبش بھی نہیں کرتے ۳؎ یعنی اے ابورافع تم ہو ہمارے غلام اور ہم ہیں بنی ہاشم سے چونکہ بنی ہاشم زکوۃ کے عامل بن کر اس سے اجرت بھی نہیں لے سکتے، لہٰذا تم بھی یہ اجرت نہیں لے سکتے، اس حدیث سے دو مسئلے نہایت اہم حاصل ہوئے، ایک یہ کہ حضرات بنی ہاشم خصوصاً سیدوں کی شان اسلام میں بہت اعلیٰ ہے کہ غنی عامل زکوۃ سے اجرت لے سکتا ہے مگر یہ حضرات تو کیا ان کا زرخرید غلام یہ اجرت بھی نہیں لے سکتا، اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو آج کل سیدوں کو زکوۃ کھانا جائز کرنے کی دھن میں ہیں، سادات کو زکوۃ لینا ہرگز جائز نہیں، دوسرے یہ کہ شان والوں کی نسبت سے ادنیٰ بھی شان والے بن جاتے ہیں، دیکھو سید کا غلام اگرچہ کسی قوم سے ہو زکوۃ نہیں لے سکتا، بلکہ زکوۃ سے اجرت عمل بھی نہیں وصول کرسکتا اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں نسبت کیا چیز ہے صرف اپنے عمل اچھے چاہئیں، تیسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم احکام قرآنیہ عام و خاص فرماسکتے ہیں، دیکھو رب تعالٰی نے مطلقاً فرمایا وَالْعٰمِلِیْنَ عَلَیْھَا (۹،۶۰) اور جو اسے تحصیل کرکے لائیں (کنزالایمان) مگر حضور

انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت سے اپنی اولاد بلکہ ان کے غلاموں کو علیحدہ کر دیا' ورنہ قرآن کریم نے سید و غیر سید کا فرق مصرف زکوٰۃ کے بیان میں کوئی نہ کیا۔ چوتھے یہ کہ سچے پیغمبروں نے نبوت کو ذریعہ معاش قرار نہ دیا۔ مرزا قادیانی اس نبوت کے ذریعہ خود مالا مال ہو گیا اپنی اولاد کو سکھا گیا کہ بہشتی مقبرہ کی قبریں بیچ کر مزے اڑایا کرو نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْہُ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تا قیامت اپنی اولاد کو زکوٰۃ کی آمدنی سے محروم فرما دیا۔ انہیں حکم دیا کہ تم زکوٰۃ دو مگر غریب ہو کر لو نہیں۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ وَلَا لِذِيْ مِرَّةٍ سَوِيٍّ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ وَرَوَاهُ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَتَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ)

(۱۷۳۸) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ صدقہ نہ تو غنی کو حلال ہے نہ صحیح اعضاء والے کو[۱] (ترمذی' ابوداؤد' دارمی) اور احمد و نسائی و ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ سے

(۱۷۳۸)[۱] یہ حدیث حضرت امام شافعی کی دلیل ہے' ان کے ہاں تندرست اور کمانے کی قدرت رکھنے والا زکوٰۃ نہیں لے سکتا' اگرچہ فقیر ہو' امام اعظم کے ہاں لے سکتا ہے' امام اعظم کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الایہ اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل کہ سرکار اصحاب صفہ کو جو ستر تھے اور سب کمانے پر قادر تھے مگر انہوں نے اپنے کو علم دین سیکھنے کیلئے وقف کر دیا' زکوٰۃ دیتے تھے' اسی کا ذکر آیت مذکورہ میں ہے یہ حدیث اس آیت اس عمل سے منسوخ ہے یہاں لا تحل کے معنی ہیں لائق نہیں' یعنی غنی کو صدقہ لینا لائق نہیں (حرام ہے) اور تندرست فقیر کو لائق نہیں (غیر مناسب ہے) یا صدقہ سے مراد بھیک مانگنا ہے' جیسا کہ اگلے باب میں احادیث سے ثابت ہے' وہ احادیث اس حدیث کی شرح ہیں امام اعظم کا مذہب قوی ہے' کیونکہ رب تعالٰی نے زکوٰۃ کے جو آٹھ مصرف بیان فرمائے :اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ (۹٫۶۰) زکوٰۃ تو انہی لوگوں کے لئے ہے محتاج اور نرے نادار (کنزالایمان) ان میں مجبور بیمار یا تندرست کی قید نہ لگائی' معلوم ہوا کہ ہر فقیر تندرست یا بیمار زکوٰۃ لے سکتا ہے۔

وَعَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَدِيِّ بْنِ الْخِيَارِ قَالَ اَخْبَرَنِيْ رَجُلَانِ اَنَّهُمَا اَتَيَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ وَهُوَ يَقْسِمُ الصَّدَقَةَ فَسَاَلَاهُ مِنْهَا فَرَفَعَ فِيْنَا النَّظَرَ وَخَفَضَهُ فَرَاٰنَا جَلْدَيْنِ فَقَالَ اِنْ شِئْتُمَا اَعْطَيْتُكُمَا وَلَا حَظَّ فِيْهَا لِغَنِيٍّ وَّلَا لِقَوِيٍّ مُكْتَسِبٍ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

(۱۷۳۹) روایت ہے حضرت عبید اللہ ابن عدی ابن خیار سے فرماتے ہیں کہ مجھے دو شخصوں نے خبر دی کہ وہ دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ آپ حجۃ الوداع میں تھے صدقہ تقسیم فرما رہے تھے[۱] انہوں نے بھی حضور سے صدقہ مانگا تو حضور نے ہم پر نظر اٹھائی پھر جھکائی ہم کو تندرست و توانا دیکھا تو فرمایا کہ اگر تم چاہو تو تم کو دے دوں مگر اس میں نہ تو غنی کا حصہ ہے نہ کمائی کے لائق تندرست کا[۲] (ابوداؤد' نسائی)

(۱۷۳۹)[۱] ظاہر یہ ہے کہ یہ صدقہ فرض یعنی زکوٰۃ ہوگا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حجاج نے اپنی زکوٰۃ تقسیم کیلئے پیش کی ہوگی' جیسا کہ صحابہ کا دستور تھا' آج بھی مسلمان اپنے صدقات حرمین شریفین جانے والوں کو دے دیتے ہیں کہ وہاں تقسیم کر دینا' اسی عمل کا ماخذ یہ حدیث ہے' اہل حرمین جیران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور وہاں صدقہ کا ثواب ایک کا ایک لاکھ تک ہے اس لیے یہ عمل کرتے ہیں' یہ اس حدیث کیخلاف نہیں کہ قوم کا صدقہ یا کسی شہر کا صدقہ اسی قوم و شہر میں خرچ کیا جائے کہ وہاں مقصد یہ ہے کہ سب صدقہ

باہر یا دوسری قوم میں نہ بھیج دو اور اس شہر یا قوم کو بالکل محروم نہ کر دو۔۲ اس میں دونوں کو تقویٰ و طہارت کی تعلیم ہے یعنی چونکہ تم دونوں اگر چہ فقیر ہو مگر تندرست اور کمانے کے لائق ہو اس لیے اس سے لینا تمہارے لائق نہیں' اگر ان کو یہ صدقہ لینا حرام ہوتا جیسا کہ حضرت امام شافعی فرماتے ہیں تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہ فرماتے کہ اگر تم چاہو تو تم کو دے دوں' اس اختیار دینے سے معلوم ہو رہا ہے کہ دینا جائز تو ہے مگر بہتر نہیں۔

وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ مُرْسَلاً قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ اِلَّا لِخَمْسَةٍ لِغَازٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ لِعَامِلٍ عَلَيْهَا اَوْ لِغَارِمٍ اَوْ لِرَجُلٍ ن اِشْتَرَاهَا بِمَالِهٖ اَوْ لِرَجُلٍ كَانَ لَهٗ جَارٌ مِّسْكِيْنٌ فَتُصُدِّقَ عَلَى الْمِسْكِيْنِ فَاَهْدَى الْمِسْكِيْنُ لِلْغَنِيِّ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَّ اَبُوْدَاوٗدَ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِّاَبِيْ دَاوٗدَ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ اَوْ ابْنِ سَبِيْلٍ)

(۱۷۴۰) روایت ہے حضرت عطاء ابن یسار سے مرسلاً۱ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پانچ کے سواء کسی غنی کو صدقہ حلال نہیں اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا۲ اور صدقہ پر عامل۳ اور مقروض۴ یا اسے جو اپنے مال سے صدقہ خرید ے یا اسے جس کا کوئی پڑوسی مسکین تھا تو مسکین پر صدقہ کیا گیا۔ پھر مسکین نے اس غنی کو ہدیہ دیا۵ (مالک' ابوداؤد) اور ابوداؤد کی ایک روایت میں جو حضرت ابوسعید سے ہے کہ یا مسافر۔

(۱۷۴۰) ۱ آپ جلیل القدر تابعی ہیں حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام ہیں بڑے عالم و عابد تھے چونکہ اس اسناد میں صحابی کا ذکر نہیں اس لیے حدیث مرسل ہے اور احناف کے ہاں حدیث مرسل حجت ہے۔۲ امام شافعی کے ہاں صحابہ مالدار زکوٰۃ لے سکتا ہے' یہ حدیث ان کی دلیل ہے مگر ہمارے ہاں غازی مسافر جس کے پاس مال ختم ہو چکا وہ سفر کی بنا پر لے سکتا ہے نہ کہ محض جہاد کی بنا پر ہمارے ہاں وہ مسافر غازی ہی مراد ہے۔ امام شافعی کے ہاں حدیث مرسل حجت نہیں' اس لیے وہ اس حدیث سے دلیل نہیں لے سکتے' نیز دیگر احادیث میں صراحۃً فرمایا گیا کہ مال داروں سے زکوٰۃ لو اور فقراء کو دو' وہاں غازی کا استثناء نہیں یا ارشاد فرمایا کہ صدقہ غنی کو حلال نہیں' فتح القدیر و مرقاۃ نے فرمایا یہ حدیث ضعیف ہے۔۳ عامل سے مراد وصولی زکوٰۃ کا کام کرنے والا ہے جیسے عاشر' حاسب' کاتب وغیرہ یہ سب اپنی اجرت زکوٰۃ سے لیں گے ان کیلئے یہ اجرت ہوگی نہ کہ زکوٰۃ' مگر اللہ اکبر بنی ہاشم عامل ہو کر بھی زکوٰۃ سے اجرت نہیں لے سکتے۔۴ حق یہ ہے کہ مقروض سے وہ مراد ہے جو مالک نصاب تو ہے مگر اس کا نصاب قرض میں ڈوبا ہوا ہے مثلاً سو روپیہ کا مالک ہے مگر نوے روپے کا مقروض ہے اسے غنی میں داخل فرمانا ظاہری حال کی بنا پر ہے ورنہ در حقیقت وہ فقیر ہے۔۵ یہ جواز اس بنا پر ہے کہ ملک بدل جانے سے حکم بدل جاتا ہے' دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ گوشت کھایا جو بریرہ کو صدقہ دیا گیا تھا لہٰذا جب مسکین سے زکوٰۃ خرید لی یا اس نے ہدیۃً اسے کچھ دے دی' تو اب یہ زکوٰۃ نہ رہی' اس پر بہت سے شرعی احکام مرتب ہوں گے مگر خیال رہے کہ اس خرید و فروخت میں دھوکہ نہ ہو' رب تعالیٰ نیت جانتا ہے' لہٰذا صاحب نصاب فقیر سے اپنی زکوٰۃ دھوکے سے سستی نہ خریدے حضرت ابن عمر کو جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے صدقہ کا گھوڑا فقیر سے خریدنے کو منع فرما دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ فقیر حضرت ابن عمر کو اس لیے سستا دیتا تھا کہ انہی کا صدقہ ہے لہٰذا یہ حدیث اس واقعہ کے خلاف نہیں۔

وَعَنْ زِيَادِ بْنِ الْحَارِثِ الصُّدَائِيِّ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعْتُهٗ فَذَكَرَ حَدِيْثًا طَوِيْلاً

(۱۷۴۱) روایت ہے حضرت زیاد ابن حارث صدی سے فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے بیعت

فَاَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ اَعْطِنِیْ مِنَ الصَّدَقَةِ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَرْضَ بِحُكْمِ نَبِيٍّ وَّلَا غَيْرِهٖ فِي الصَّدَقَاتِ حَتّٰى حَكَمَ فِيْهَا هُوَ فَجَزَّاَ هَاثَمَانِيَةَ اَجْزَاءٍ فَاِنْ كُنْتَ مِنْ تِلْكَ لْاَجْزَاءِ اَعْطَيْتُكَ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

کی انہوں نے ایک دراز حدیث سنائی کہ آپ کے پاس ایک شخص آیا بولا کہ مجھے صدقہ سے دیجئے۲ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی صدقات کے متعلق نبی وغیرہ کے حکم سے راضی نہ ہوا حتی کہ اس کا خود حکم آیا۳ مصرف کی ربّ تعالٰی نے آٹھ قسمیں کیں اگر تم ان آٹھ قسموں سے ہوتو میں تم کو دے دوں۴ (ابوداؤد)

(۱۷۴۱) ۱ یہ بیعت بیعت اسلام تھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو مسلمان کرتے وقت استقامت علی الدین کی بیعت' توبہ کی تقویٰ کی' کسی خاص حکم پر عمل کرنے کی بھی بیعت لی ہے' آج کل عموماً مرشدوں سے توبہ یا تقویٰ کی بیعت کی جاتی ہے' بیعت اسلام کا ذکر اس آیت میں ہے اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا (۱۲،۶۰) جب تمہارے حضور مسلمان عورتیں حاضر ہوں اس پر بیعت کرنے کو کہ اللہ کا کچھ شریک نہ ٹھہرائیں گی (کنزالایمان) ۲ صدقہ سے مراد زکوۃ ہے جیسا کہ آئندہ جواب سے معلوم ہورہا ہے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غنی صحابہ اپنی زکوتیں خیرات کو دے جاتے تھے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر زکوۃ فرض نہ تھی' یہاں وہ زکوتیں مراد ہیں ۳ یعنی رب تعالٰی نے براہ راست جس قدر تفصیل زکوۃ کے مصارف کی فرمائی اتنی تفصیل دوسرے احکام کی نہ کی' حتیٰ کہ خود زکوۃ ونماز کا اجمالی ذکر ہی فرمایا' نبی کے بیان پر کفایت نہ فرمائی' عدم رضا سے مراد کفایت ہے اس لفظ سے دھوکا نہ کھانا چاہیے' اللہ تعالٰی اپنے محبوب اور ان کے سارے احکام سے راضی ہے' ان کے غلاموں کے بارے میں فرماتا ہے:

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (۱۱۹،۵) اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی (کنزالایمان) ان کی شان تو بہت اعلیٰ ہے۴ اس کلام کا منشاء یہ ہے کہ تم ان آٹھ میں سے نہیں ہو' لہٰذا تم زکوۃ نہیں لے سکتے' یہ گفتگو عتابانہ ہوتی ہے' لہٰذا اس کی وجہ سے یہ نہیں کہا جاتا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے اندرونی حالات سے بے خبر ہیں' عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو کچھ تم گھروں میں کھاتے بچاتے ہو میں تمہیں یہاں بتا سکتا ہوں' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے دفن شدہ مردوں کے متعلق فرمایا یہ چغل خور تھا' یہ پیشاب کی چھینٹوں سے نہ بچتا تھا' خیال رہے کہ احناف کے ہاں زکوۃ تمام مصارف پر تقسیم کرنا ضروری نہیں' صرف ایک مصرف کو بھی دے سکتے ہیں' یہ حدیث احناف کیخلاف نہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ قَالَ شَرِبَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لَبَنًا فَاَعْجَبَهٗ فَسَاَلَ الَّذِیْ سَقَاهُ مِنْ اَيْنَ هٰذَا اللَّبَنُ فَاَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ وَرَدَ عَلٰى مَاۤءٍ قَدْ سَمَّاهُ فَاِذَا نَعَمٌ مِّنْ نَعَمِ الصَّدَقَةِ وَهُمْ يَسْقُوْنَ فَحَلَبُوْا مِنْ اَلْبَانِهَا فَجَعَلْتُهٗ فِیْ سِقَائِیْ فَهُوَ هٰذَا فَاَدْخَلَ عُمَرُ يَدَهٗ فَاسْتَقَاۤءَ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَّالْبَيْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

(۱۷۴۲) روایت ہے حضرت زید ابن اسلم سے۱ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر ابن خطاب نے دودھ پیا تو آپ کو پسند آیا تو پلانے والے سے پوچھا کہ یہ دودھ کہاں سے لایا۲ اس نے بتایا کہ وہ ایک گھاٹ پر گیا جس کا اس نے نام لیا تو وہاں صدقہ کے جانور تھے وہ پانی پلا رہے تھے انہوں نے ان جانوروں کا دودھ دوہا تو میں نے اپنے مشکیزہ میں ڈال لیا۳ یہ وہ دودھ ہے تو حضرت عمر نے منہ میں

ہاتھ ڈالا اور قے کردی ؎(مالک بیہقی شعب الایمان)

(١٧٤٢)؎ آپ تابعی ہیں، حضرت عمر فاروق کے آزاد کردہ غلام ہیں، بڑے فقیہ عابد تھے، آپ کے درس میں چالیس فقہاء بیٹھتے تھے حتیٰ کہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ آپ کے درس میں شرکت فرماتے تھے (اشعۃ اللمعات) ؎ مرقاۃ نے فرمایا کہ یہ حضرت عمر کی فراست ہے، آپ نے محسوس فرمایا کہ روزانہ ہم دودھ پیتے تھے نفس اس قدر خوش نہ ہوتا تھا آج اتنا پسند کیوں کرتا ہے، نفس اس سے اتنا راضی وخوش کیوں ہوا اس میں کچھ راز ہے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کی فراست سے ڈرو وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے ؎ یعنی زکوٰۃ کے اونٹ کنوئیں یا گھاٹ پر پانی پینے آتے تھے ان کا دودھ خیرات کیا گیا میں نے بھی وہ خیراتی دودھ لے لیا کیونکہ میں فقیر ہوں، عرب میں جب جانور پانی پلانے کیلئے جمع ہوتے تھے تو فقراء جمع ہو جاتے تھے جن کو دودھ خیرات کے طور پر دیا جاتا تھا۔ ؎ علماء فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قے کر دینا تقویٰ تھا کہ ہمارے پیٹ میں صدقہ کا دودھ نہ رہے اور جزو بدن نہ بنے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت بریرہ پر صدقہ کیا ہوا گوشت ہدیۃً قبول فرمالینا فتویٰ نتیجہ یہ ہوا کہ فقیر کا ہدیہ کیا ہوا مال کھالینا شرعاً جائز ہے نہ کھانا احتیاط ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت عمر کو شبہ ہوا کہ شاید دودھ دینے والوں کو دینے کا اختیار نہ ہو یا یہ یعنی لینے والا لینے کا مستحق نہ ہو اس شبہ کی بنا پر آپ نے یہ احتیاط کی ہو۔ لطیفہ: ایک عالم کے بیٹے کو کسی لونڈی نے اپنا دودھ پلا دیا انہوں نے اس کے حلق میں انگلی ڈال کر وہ دودھ نکال دیا اور فرمایا کہ میں نہیں چاہتا کہ دنیہ عورت کا دودھ میرے بچے کا جزو بدن بنے اور اس کی طبیعت میں دنائت پیدا ہو، ان جیسی احتیاطوں کی اصل یہ حدیث ہے۔

بَابٌ لَاتَحِلُّ لَهُ الْمَسْئَلَةُ وَمَنْ تَحِلُّ لَهٗ

باب مانگنا کسے حلال نہیں اور کسے حلال ہے

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

؎ یہاں مانگنے سے مراد ذلت وخواری کا مانگنا ہے یعنی بھیک مانگنا، لہٰذا باپ کا اولاد سے یا آقا کا غلام سے یا اس کے برعکس یا ان سے کچھ مانگنا جن سے مانگنے میں عار نہ ہو، مطلقاً جائز ہے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت اور انعام الٰہیہ اور اخروی نعمتوں کی بھیک مانگنا بادشاہوں کیلئے فخر وعزت ہے۔ اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ بلاضرورت مانگنا ممنوع ہے، اس میں اختلاف ہے کہ مکروہ ہے یا حرام حق یہ ہے کہ حرام ہے ضرورت سوال میں بہت تفصیل ہے جو آئندہ آرہی ہے خیال رہے کہ زکوٰۃ واجب ہونے کا نصاب اور ہے زکوٰۃ لینے کی حرمت کا نصاب اور، مگر سوال حرام ہونے کا نصاب کچھ اور ہی ہے جس کے پاس دو وقت کھانے کو ہو یا کمانے پر قادر ہو وہ بھیک نہ مانگے الابما هو يجيئى عن قريب

عَنْ قَبِيْصَةَ بْنِ مُخَارِقٍ قَالَ تَحَمَّلْتُ حَمَالَةً فَاَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْأَلُهٗ

(١٧٤٣) روایت ہے حضرت قبیصہ ابن مخارق سے فرماتے ہیں کہ میں ایک قرض کا ضامن بن گیا تھا؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

فِيْهَا فَقَالَ اَقِمْ حَتّٰى تَاْتِيَنَا الصَّدَقَةُ فَنَامُرَلَكَ بِهَا ثُمَّ قَالَ يَاقَبِيْصَةُ اِنَّ الْمَسْئَلَةَ لَا تَحِلُّ اِلَّا لِاَحَدِ ثَلٰثَةٍ رَّجُلٌ تَحَمَّلَ حَمَالَةً فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْئَلَةُ حَتّٰى يُصِيْبَهَا ثُمَّ يُمْسِكُ وَرَجُلٍ اَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ نِ اجْتَاحَتْ مَالَهُ فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْئَلَةُ حَتّٰى يُصِيْبُ قَوَامًا مِّنْ عَيْشٍ اَوْقَالَ سِدَادًا مِّنْ عَيْشٍ وَّرَجُلٍ اَصَابَتْهُ فَاقَةٌ حَتّٰى يَقُوْمَ ثَلٰثَةٌ مِّنْ ذَوِى الْحِجٰى مِنْ قَوْمِهٖ لَقَدْ اَصَابَتْ فُلَانًا فَاقَةٌ فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْئَلَةُ حَتّٰى يُصِيْبَ قِوَامًا مِّنْ عَيْشٍ اَوْقَالَ سِدَادًا مِّنْ عَيْشٍ فَمَا سِوَاهُنَّ مِنَ الْمَسْئَلَةِ يَا قَبِيْصَةُ سُحْتٌ يَّاْكُلُهَا صَاحِبُهَا سُحْتًا (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

خدمت میں اس کیلئے کچھ مانگنے کو حاضر ہوا۲ تو حضور نے فرمایا ٹھہرو حتیٰ کہ صدقہ آ جائے تو ہم اس کا تمہارے لیے حکم دے دیں گے۳ پھر فرمایا اے قبیصہ تین شخصوں کے سوا کسی کو مانگنا جائز نہیں ایک وہ جو کسی قرض کا ضامن ہوگیا ہو اسے مانگنا جائز ہے حتیٰ کہ بقدر قرض پالے پھر باز رہے۴ ایک وہ جس پر آفت آ جائے جو اس کا مال برباد کردے اسے مانگنا حلال ہے۵ حتیٰ کہ زندگی کا قیام پائے یا فرمایا کہ زندگی کی درستی پائے۶ اور ایک وہ جسے فاقہ پہنچ جائے حتیٰ کہ اس کی قوم کے تین عقل والے اٹھ کر کہہ دیں کہ فلاں فاقہ کو پہنچا ہے تو اسے مانگنا حلال ہے۷ حتیٰ کہ زندگی کا قیام یا زندگی کی درستی پائے اے قبیصہ ان کے سوا مانگنا حرام ہے کہ مانگنے والا حرام کھاتا ہے۸ (مسلم)

(۱۷۴۳)۱ حمالہ یعنی اس ضمانت کی صورت یہ ہوتی ہے کہ دو قومیں دیت یا دوسرے مال قرض کی وجہ سے آپس میں لڑنے لگیں کوئی ان میں صلح کرانے اور دفع شر کے لیے مقروض کا قرض یا مقتول کی دیت اپنے ذمہ لے لے یعنی دفع فساد یا صلح کرانے کیلئے مال کا ضامن بن جانا یا اپنے ذمہ لے لینا (مرقاۃ ولمعات وغیرہ)۲ تاکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے مال عطا فرما دیں جس سے میں وہ قرض چکا دوں یا دیت ادا کردوں۳ صدقہ سے مراد مال ظاہری جانوروں و پیداوار کی زکوٰۃ ہے جو حکومت اسلامیہ وصول کرتی تھی یا مال باطنی یعنی سونے چاندی وغیرہ کی زکوٰۃ جو غنی صحابہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کرتے تھے تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی خیرات کریں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے خیرات قبول ہو یعنی اے قبیصہ اتنا توقف کرو کہ زکوٰۃ وصول ہو جائے تو اس سے تمہارا زرضمانت ادا کردیا جائے گا۴ اس سے معلوم ہوا کہ ایسا ضامن اگرچہ مالدار بھی ہو تو صدقہ مانگ سکتا ہے کیونکہ یہ مانگنا اپنے لیے نہیں بلکہ اس مقروض فقیر کیلئے ہے جس کا یہ ضامن ہے، ربّ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے مصارف میں غارمین (مقروضوں) کا بھی ذکر فرمایا ہے وہ یہ ہی مقروض ہیں۵ یعنی یہ شخص غنی تھا آفت ناگہانی نے مال برباد کر کے اسے فقیر کردیا اگرچہ تندرست ہے کمانے پر قادر ہے مگر کمانے تک کیا کھائے، وہ اس وقت تک کیلئے مانگ سکتا ہے جب کچھ گزارہ کے لائق کمائے تو سوال سے باز آ جائے۶ سِدَادٌ یا سَدٌّ سین کے فتح سے بمعنی رکاوٹ و آڑ یا سِدٌّ سین کے کسرہ سے ہے بمعنی درستی و اصلاح یعنی اتنا مال حاصل کرے جس سے فقر و فاقہ رک کر زندگی درست ہو جائے، غرضیکہ بھیک مانگنا مردار جانور کی طرح ہے جس کا جائز و حلال ہونا سخت ضرورت پر ہے۷ یہ گواہی کی قید اس لیے ہے جس کے متعلق لوگوں کو شبہ ہو کہ یہ غنی ہے اور بلاضرورت مانگ رہا ہے قوم سے مراد اس کے حالات سے خبردار لوگ ہیں خواہ اس کی برادری کے ہوں یا آس پڑوس کے یعنی کم از کم تین واقف حال لوگ جنہیں غریبی امیری حاجت و غنا کی پہچان ہو وہ بتا دیں کہ واقعی یہ فاقہ زدہ ہے خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے اہل مدینہ قرض لینے اور سوال کرنے میں عار نہیں سمجھتے تھے۔ ان کے وہ عادی تھے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی عادتوں کے بدلنے کیلئے سوال پر تو یہ پابندیاں لگائیں، مقروض کی نماز جنازہ خود نہ پڑھی دوسروں سے پڑھوا دی تاکہ عبرت

پکڑیں اور قرض حتی الامکان نہ لیں۔ ۸؎ خیال رہے کہ تین کا یہ حصر اضافی ہے حقیقی نہیں' ان تین کے علاوہ اور صورتیں بھی ہیں جن میں سوال درست ہوتا ہے جیسے وہ بے دست و پا جو کمانے پر قادر نہ ہو وہ طالب علم جس نے اپنے کو طلب علم کیلئے وقف کر دیا ہو اور لوگ تو جہ نہ کرتے ہوں بغیر طلب نہ دیتے ہوں۔ مرقاۃ نے فرمایا کہ خانقاہوں کے وہ مجاور جنہوں نے اپنے کو ریاضت و مجاہدات کیلئے حقیقی معنی میں وقف کر دیا ہو ان کیلئے ان ہی میں کا ایک سوال کر سکتا ہے۔ روٹیاں کپڑے جمع کر سکتا ہے' مگر خیال رہے کہ ربّ تعالٰی نیت سے خبردار ہے، مانگنے کیلئے صوفی نہ بن جائے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَاَلَ النَّاسَ اَمْوَالَهُمْ تَكَثُّرًا فَاِنَّمَا يَسْئَلُ جَمْرًا فَلْيَسْتَقِلَّ اَوْ لِيَسْتَكْثِرْ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۱۷۴۴) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص مال بڑھانے کیلئے بھیک مانگے تو وہ انگارہ مانگتا ہے اب چاہے کم کرے یا زیادہ۱؎ (مسلم)

(۱۷۴۴) ۱؎ یعنی بلاسخت ضرورت بھیک مانگے بقدر حاجت مال رکھتا ہو زیادتی کیلئے مانگتا پھرے وہ گویا دوزخ کے انگارے، جمع کر رہا ہے چونکہ یہ مال دوزخ میں جانے کا سبب ہے اسی لیے اسے انگارہ فرمایا۔ اس حدیث سے آج کل کے عام پیشہ ور بھکاریوں کو عبرت لینی چاہیے۔ حال ہی میں راولپنڈی میں ایک بھکاری نے متروکہ مکان کے نیلام میں ۴۵ ہزار روپے کی بولی دے کر مکان خریدا' بھیک ہی مانگتا تھا۔ افسوس ہے کہ آج مسلمانوں میں بھیک مانگنے کا مرض بہت زیادہ ہے۔ اس گناہ میں وہ بھی شریک ہیں جو ان موٹے مشٹنڈوں پیشہ ور بھکاریوں کو بھیک دیتے ہیں۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَايَزَالُ الرَّجُلُ يَسْئَالُ النَّاسَ حَتّٰى يَاْتِیَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَيْسَ فِیْ وَجْهِهٖ مُزْعَةُ لَحْمٍ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۷۴۵) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آدمی لوگوں سے مانگتا رہتا ہے حتی کہ قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس کے چہرے میں گوشت کا پارہ نہ ہوگا۱؎ (مسلم بخاری)

(۱۷۴۵) ۱؎ یعنی پیشہ ور بھکاری اور بلاضرورت لوگوں سے مانگنے کا عادی قیامت میں اس طرح آئے گا کہ اس کے چہرے میں صرف ہڈی اور کھال ہوگی گوشت کا نام نہ ہوگا جس سے محشر والے پہچان لیں گے کہ یہ بھکاری تھا' یا یہ مطلب ہے کہ اس کے چہرے پر ذلت و خواری کے آثار ہوں گے' جیسے دنیا میں بھی بھکاری کا منہ چھپا نہیں رہتا' لوگ دیکھتے ہی پہچان لیتے ہیں کہ یہ سائل ہے خیال رہے کہ وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ قیامت میں ربّ تعالٰی امت محمدی کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ اس کا مطلب یا تو یہ ہے کہ ان کے دنیاوی چھپے عیب لوگوں پر ظاہر نہ کرے گا اور بھیک چھپا عیب نہ تھا کھلا تھا جس پر بھکاری شرم بھی نہ کرتا تھا' یا یہ مطلب ہے کہ ہمارے عیوب دوسری امتوں پر ظاہر نہ کرے گا۔ بھکاری کا یہ واقعہ خود مسلمانوں ہی میں ہوگا۔ لہٰذا حدیثوں میں تعارض نہیں۔ مرقاۃ میں اس جگہ ہے کہ امام احمد ابن حنبل یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ الٰہی جیسے تو نے میرے چہرے کو غیر کے سجدے سے بچایا ایسے ہی میرے منہ کو دوسرے سے مانگنے کی لعنت سے بچا۔

وَعَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُلْحِفُوْا فِی الْمَسْئَلَةِ فَوَاللّٰهِ لَا يَسْاَلُنِیْ اَحَدٌ مِّنْكُمْ شَيْئًا فَتُخْرِجُ لَهٗ مَسْئَلَتُهٗ مِنِّیْ شَيْئًا وَّاَنَا

(۱۷۴۶) روایت ہے حضرت معاویہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مانگنے میں زاری (ضد) نہ کرو۱؎ اللہ کی قسم ایسا نہیں ہو سکتا تم میں سے کوئی مجھ سے کچھ مانگے اس کا مانگنا

لَهٗ كَارِهٌ فِيُبَارَكُ لَهٗ فِيمَا اَعْطَيْتُهٗ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

مجھ سے کچھ نکلوائے حالانکہ میں ناخوش ہوں تو اسے میرے عطیہ میں برکت دی جائے۲؎ (مسلم)

(۱۷۴۶)۱؎ یعنی سوال پر اڑ نہ جاؤ کہ سامنے والا دینا نہ چاہے اور تم بغیر لیے ٹلنا نہ چاہو' مانگنا ایک عیب ہے اور اس پر اڑنا دس گنا عیب' ربّ تعالیٰ فرماتا ہے: لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا (۲،۲۷۳) لوگوں سے سوال نہیں کرتے کہ گڑگڑانا پڑے (کنزالایمان) ۲؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر تو اپنا فرمایا مگر قانون کلی فرمایا کہ جو بھکاری بھی ضد یا اڑ سے بھیک وصول کرے' دینے والا دینا نہ چاہے' تو اس بھیک میں سخت بے برکتی ہوگی۔ امام غزالی فرماتے ہیں جو فقیر یہ جانتے ہوئے بھیک لے کہ دینے والا محض شرم وندامت کی وجہ سے دے رہا ہے اس کا دل دینے کو نہ چاہتا تھا تو یہ مال بھکاری کیلئے حرام ہے۔ خیال رہے کہ بھکاری کی ضد اور ہے چندہ کرنے والوں کا لحاظ کچھ اور ضد حرام ہے لحاظ کا یہ حکم نہیں' آج مسجدوں مدرسوں کے چندوں میں عموماً دیکھا گیا ہے کہ شہر کا بڑا معزز مالدار آدمی زیادہ وصول کرسکتا ہے' پھر اپنے لیے مانگنے اور دینی کاموں کیلئے چندہ جمع کرنے کے احکام میں بھی فرق ہے۔

وَعَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاَنْ يَّاْخُذَ اَحَدُكُمْ حَبْلَهٗ فَيَاْتِيَ بِحُزْمَةِ حَطَبٍ عَلٰى ظَهْرِهٖ فَيَبِيْعَهَا فَيَكُفَّ اللّٰهُ بِهَا وَجْهَهٗ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ اَنْ يَّسْاَلَ النَّاسَ اَعْطَوْهُ اَوْ مَنَعُوْهُ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۱۷۴۷) روایت ہے حضرت زبیر ابن عوام سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی اپنی رسی لے کر پھر اپنی پیٹھ پر لکڑیوں کا گٹھا لادے اسے بیچے جس سے اللہ اس کی عزت بچائے اس سے بہتر ہے کہ لوگوں سے مانگے لوگ اسے دیں یا نہ دیں۱؎ (بخاری)

(۱۷۴۷)۱؎ خلاصہ یہ ہے کہ معمولی سے معمولی کام کرنا اور تھوڑے پیسوں کیلئے بہت سی مشقت کرنا بہتر ہے' اس سے عزت نہیں جاتی' مگر بھیک مانگنا برا جس سے عزت جاتی رہتی ہے۔ برکت ہوتی نہیں اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ اگر کسی بڑے آدمی پر کوئی وقت پڑ جائے تو محنت مشقت کرنے میں شرم نہ کرے کیونکہ یہ سنت انبیاء ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے معمولی سے معمولی کام بھی اپنے ہاتھ شریف سے کیے ہیں۔ بلکہ دیکھا یہ گیا ہے کہ بھکاری بھیک مانگنے میں بڑی محنتیں کرتے ہیں۔ اگر مزدوری کریں یا چھابڑی فروخت کریں تو ان پر محنت بھی کم پڑے اور آبرو سے بھی کھائیں۔ اس حدیث سے اشارۃً یہ معلوم ہوا کہ جنگل کے خودرو درخت مباح ہیں۔ ان پر جو قبضہ کر کے کاٹ لے وہ اس کا مالک ہو جائے گا جیسے جنگلی شکار یا عام کنوؤں کا پانی' کیونکہ اگر یہ لکڑی کاٹنے والا اس کا مالک نہ ہوتا تو اس کا بیچنا جائز کیونکر ہوتا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس کام کو خیر کیوں فرماتے شعر

بدست آنکہ تفتہ کردن خمیر
بہ از دست برسینہ پیش امیر

وَعَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَعْطَانِيْ ثُمَّ سَاَلْتُهٗ فَاَعْطَانِيْ ثُمَّ قَالَ لِيْ يَا حَكِيْمُ اِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرٌ حُلْوٌ فَمَنْ اَخَذَهٗ بِسَخَاوَةِ نَفْسٍ بُوْرِكَ لَهٗ فِيْهِ وَمَنْ اَخَذَهٗ بِاِشْرَافِ نَفْسٍ لَّمْ يُبَارَكْ لَهٗ فِيْهِ وَكَانَ

(۱۷۴۸) روایت ہے حضرت حکیم ابن حزام سے۱؎ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگا حضور نے دیا میں نے پھر مانگا حضور نے مجھے اور دیا۲؎ پھر مجھ سے فرمایا اے حکیم یہ مال خوش نما خوش ذائقہ ہے۳؎ جو اسے دلی لاپروائی سے لے گا اسے اس مال میں برکت دی جائے گی اور جو اسے نفسانی طمع سے لے گا اسے برکت نہ ہوگی۴؎ اور وہ اس

كَالَّذِيْ يَاْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى قَالَ حَكِيْمٌ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَااَرْزَاءُ اَحَدًا بَعْدَكَ شَيْئًا حَتّٰى اُفَارِقَ الدُّنْيَا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کی طرح ہوگا جو کھائے اور سیر نہ ہو۵ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔۶ حضرت حکیم فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ اس کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا کہ میں آپ کے سوا کسی سے کچھ نہ مانگوں گا حتی کہ دنیا چھوڑ دوں ۷ (مسلم بخاری)

(۱۷۴۸)۱ آپ صحابی ہیں۔حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بھتیجے ہیں۔آپ کی پیدائش خانہ کعبہ میں ہوئی۔ایک سو بیس سال عمر پائی۔ساٹھ سال جاہلیت میں گزرے۔ساٹھ سال اسلام میں (اشعۃ اللمعات) ۲ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ مانگنے کو عیب نہ سمجھتے تھے بلاضرورت بھی دست سوال دراز کردیتے تھے۔نومسلم حضرات اسی عادت کے مطابق اولاً مانگتے تھے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر انہیں دے کر سوال سے منع فرماتے تھے۔اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا گیا کہ آپ مسجد کے بھکاری کو پہلے دیتے' پھر مسجد میں مانگنے سے منع کرتے۔شاید آپ کے عمل کا ماخذ یہ حدیث ہو۔۳ سُبْحٰنَ اللّٰهِ کیا بلیغ کلام ہے۔خوش نما سبزے سے آنکھ سیر نہیں ہوتی اور لذیذ کھانے سے دل نہیں بھرتا' لیکن اگر بے قاعدہ کھا جاؤ تو تکلیف دیتا ہے۔اسی طرح مال سے نہ آنکھ بھرے نہ دل لیکن ہوس کا انجام برا۔۴ لاپروائی سے مراد طمع اور ہوس کا مقابل ہے۔یعنی جو مال لے تو لیکن صبر و قناعت کے ساتھ کہ ناجائز کی طرف نظر نہ اٹھائے اور جائز مال کی بھی ہوس نہ ہو تو اگرچہ اس کے پاس مال تھوڑا ہو مگر برکت ہوگی۔کیونکہ اس میں اللہ رسول کی رضا شامل ہوگی۔خیال رہے کہ مال کی زیادتی اور ہے' برکت کچھ اور زیادتی مال کبھی ہلاک کردیتی ہے' مگر برکت مال دین و دنیا میں رب تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے۔برکت والا تھوڑا پانی پیاس بجھا دیتا ہے۔بہت سا پانی ڈبو دیتا ہے۔دیکھو طالوت کے جن ساتھیوں نے نہر سے ایک چلو پانی پر قناعت کی وہ کامیاب رہے اور بہت سا پینے والے مارے گئے۔کیونکہ چلو میں برکت تھی اور اس میں محض کثرت ۵ جوع البقر بیماری والا کھانے سے سیر نہیں ہوتا اور استسقاء والا پانی سے' ان دونوں کی یہ بھوک اور پیاس کبھی ہلاکت کا باعث ہوجاتی ہے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کی ہوس کو جوع البقر قرار دیا ۶ اوپر والے ہاتھ سے مراد دینے والا ہے اور نیچے والے سے مانگ کر لینے والا' خواہ دینے والا نذرانہ کے طور پر نیچا ہاتھ کرکے ہی دے اور لینے والا اوپر ہاتھ کرکے ہی اٹھائے' مگر پھر بھی دینے والا ہی اونچا ہے۔یہاں دینے اور لینے سے مراد بھیک دینا اور لینا ہے۔اولاد کا ماں باپ کو دینا' مرید صادق کا اپنے شیخ کامل کی خدمت میں کچھ پیش کرنا' انصار کا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں نذرانے پیش کرنا اس حکم سے علیحدہ ہیں۔اگر ہماری کھالوں کے جوتے بنیں اور رشتہ جان کے تسمے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اسے استعمال فرمائیں تو ان کے حق کا کروڑواں حصہ ادا نہ ہوا۔اس حدیث سے بعض لوگ کہتے ہیں کہ غنا فقر سے بہتر ہے اور غنی شاکر' فقیر صابر سے افضل مگر حق یہ ہے کہ فقیر صابر غنی شاکر سے افضل ہے۔ہماری اس تقریر سے یہ حدیث غنی کے افضل ہونے کی دلیل نہیں ہوسکتی۔کیونکہ یہاں بھکاری فقیر کا ذکر ہے نہ کہ صابر کا بعض صوفیاء فرماتے ہیں کہ یہاں اوپر والے ہاتھ سے فقیر صابر مراد ہے اور نیچے والے سے بھکاری' تب تو سبحان اللہ بہت لطف کی بات ہے۔۷ بعد کے معنی سوا بہت ہی مناسب ہیں جو شیخ نے اختیار کیے یعنی آپ سے جو جیتے جی قبر میں حشر میں مانگتا ہی رہوں گا کیوں نہ مانگوں میں بھکاری آپ داتا' رب تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ (۴،۶۴) اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں (کنزالایمان) اور فرماتا ہے: اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ (۹،۷۴) اللہ و رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کردیا (کنزالایمان) اور فرماتا ہے: وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ (۹۳،۱۰) اور منگتے کو نہ جھڑکو (کنزالایمان)

آپ سے مانگنے میں ہماری عزت ہے۔ہاں آپ کے سواء کسی سے نہ مانگوں گا شعر

ان کے در کی بھیک چھوڑیں سروری کے واسطے ان کے در کی بھیک اچھی سروری اچھی نہیں

کل قیامت میں ساری خلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت وغیرہ کی بھیک مانگے گی۔حضرت حکیم نے یہ وعدہ ایسا پورا کیا کہ اگر گھوڑے سے آپ کا کوڑا گر جاتا تو خود اتر کر لیتے، کسی سے مانگتے نہیں۔خیال رہے کہ اَرْزَءُ رَزْءٌ سے بنا بمعنی کم کرنا چونکہ مانگنے سے مانگنے والے کی عزت گھٹ جاتی ہے اور دینے والے کا کچھ مال بھی کم ہوتا ہے۔اس لیے اسے رزء فرمایا۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَهُوَ عَلَى الْمِنبَرِ وَهُوَ يَذْكُرُ الصَّدَقَةَ وَالتَّعَفُّفَ عَنِ الْمَسْئَلَةِ الْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى وَالْيَدُ الْعُلْيَا هِيَ الْمُنْفِقَةُ وَالسُّفْلٰى هِيَ السَّائِلَةُ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۷۴۹) روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر فرمایا جبکہ آپ صدقہ کا اور مانگنے سے باز رہنے کا ذکر فرما رہے تھے ۱؎ کہ اونچا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے اونچا ہاتھ دینے والا ہے اور نیچا ہاتھ مانگنے والا ۲؎ (مسلم بخاری)

(۱۷۴۹) ۱؎ یعنی مالداروں کو صدقہ دینے کی رغبت دے رہے تھے اور فقیروں کو صبر اور مانگنے سے باز رہنے کا حکم دے رہے تھے ۲؎ الحمد اللہ اس حدیث نے فقیر کی گزشتہ شرح کی تائید فرمادی یعنی بھکاری دینے والے سے نیچا ہے۔ہر لینے والا نیچا نہیں، بہت مرتبہ دینے والا خادم ہے لینے والا مخدوم، جس کی مثالیں بھی عرض کی جاچکیں۔ظاہر یہ ہے کہ یہ تفسیر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ہے نہ کہ سیدنا ابن عمر کی۔جیسا کہ بعض شارحین نے سمجھا۔مرقاۃ نے یہاں فرمایا کہ بھکاری اس لیے مفضول ہوا کہ وہ اس مانگنے سے مائل بغنی ہے اور سخی اس لیے افضل ہوا کہ وہ مائل بفقر ہے۔یعنی فقیر مال لے رہا ہے اور سخی مال دے کر کم کر رہا ہے۔لہذا اس حدیث سے یہی ثابت ہوا کہ غنا سے فقر افضل۔

وَعَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ قَالَ اِنَّ اُنَاسًا مِّنَ الْاَنْصَارِ سَاَلُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَعْطَاهُمْ ثُمَّ سَاَلُوْهُ فَاَعْطَاهُمْ حَتّٰى نَفِدَ مَا عِنْدَهٗ فَقَالَ مَايَكُوْنُ عِنْدِيْ مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ اَدَّخِرَهٗ عَنْكُمْ وَمَنْ يَّسْتَعِفَّ يُعِفَّهُ اللّٰهُ وَمَنْ يَّسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللّٰهُ وَمَنْ يَّتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللّٰهُ وَمَا اُعْطِيَ اَحَدٌ عَطَاءً هُوَ خَيْرٌ وَّاَوْسَعُ مِنَ الصَّبْرِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۷۵۰) روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں کہ کچھ انصاری لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگا ۱؎ حضور نے انہیں دیا پھر مانگا حضور نے پھر دیا حتیٰ کہ جو آپ کے پاس تھا ختم ہو گیا ۲؎ پھر فرمایا جو کچھ مال میرے پاس ہوگا وہ تم سے ہرگز بچا نہ رکھوں گا ۳؎ جو سوال سے بچنا چاہے اللہ اسے بچائے گا اور جو غنا چاہے گا اللہ اسے غنا دے گا اور جو صبر چاہے گا اللہ اسے صبر دے گا ۴؎ اور کسی کو صبر سے بہتر اور وسیع کوئی چیز نہ ملی ۵؎ (مسلم بخاری)

(۱۷۵۰) ۱؎ ظاہر یہ ہے کہ مانگنا بلاضرورت تھا جیسا کہ اگلے فرمان سے معلوم ہو رہا ہے ضرورۃً مانگنے والوں کو تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی دیتے تھے اور دوسروں سے بھی دلواتے تھے۔ ۲؎ یعنی وہ حضرات مانگتے رہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم دیتے رہے۔انہیں سب کچھ دے کر پھر مسئلہ بتایا اس میں تبلیغ بھی ہے اور سخاوت مطلقہ کا اظہار بھی، معلوم ہوا کہ بلاضرورت مانگنے والوں کو دینا حرام نہیں اگرچہ انہیں مانگنا ممنوع ہے۔خیال رہے کہ جس کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ خوش ہو کر دیا ہے وہ بہت عرصہ تک ختم نہ ہوا۔چنانچہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابو ہریرہ کو تھوڑے تھوڑے جو عطا فرمائے تھے جو ان بزرگوں نے سالہا سال کھائے اور کھلائے، پھر جب تولے تو اتنے ہی تھے مگر تولنے سے ختم ہو گئے۔ حضرت طلحہ کے ہاں ساڑھے چار سیر جو کی روٹی پر سینکڑوں آدمیوں کی دعوت فرما دی۔ جیسا کہ باب المعجزات میں آئے گا۔ لہٰذا اس ختم ہونے سے کوئی دھوکا نہ کھائے یاد کے رنگ مختلف ہیں۔ جب خوشی سے دیں تو سب کچھ ہے اور اگر کوئی ناخوش کر کے لے تو اس میں برکت نہیں۔ ۳؎ خیر سے مراد مال ہے۔ چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مال حلال ہی لیتے تھے۔ اس لیے اسے خیر فرمایا! اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی مال جمع نہ کیا اور نہ بعد وفات کچھ ورثہ چھوڑا جو باغ وغیرہ تھے وہ سب مسلمانوں پر وقف رہے۔ ۴؎ یہ حدیث اس حدیث قدسی کی شرح ہے اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ یعنی ربّ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے قریب رہتا ہوں۔ اس کا ظہور آخرت میں تو ہوگا ہی کہ اگر بندہ معافی کی امید کرتا ہوا مر جائے تو انشاء اللہ اسے معافی ہی ملے گی۔ اکثر دنیا میں بھی ہو جاتا ہے کہ جو قرض نہ لینے یا نہ مانگنے کا خدا کے بھروسے پر پورا ارادہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اسے ان سے بچا ہی لیتا ہے اور جو یہ کوشش کرے کہ دنیا والوں سے لاپرواہ رہوں تو بہت حد تک اللہ تعالیٰ اسے لاپرواہ ہی رکھتا ہے، مگر یہ فقط زبانی دعویٰ نہ ہو عملی کوشش بھی ہو کہ کمانے میں مشغول رہے۔ خرچ درمیانہ رکھے۔ گل چھرے نہ اڑائے۔ اللہ رسول سچے ہیں۔ ان کے وعدے حق، غلطی ہم کر جاتے ہیں۔ ۵؎ یعنی ربّ تعالیٰ کی عطاؤں میں سے بہترین اور بہت گنجائش والی عطا صبر ہے کہ ربّ تعالیٰ نے اس کا ذکر نماز سے پہلے فرمایا: وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ (۲:۴۵) اور صبر اور نماز سے مدد چاہو (کنزالایمان) اور صابر کے ساتھ اللہ ہوتا ہے۔ نیز صبر کے ذریعہ انسان بڑی بڑی مشقتیں برداشت کر لیتا ہے اور بڑے بڑے درجے حاصل کر لیتا ہے۔ ربّ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: انا وجدنہ صابرًا ہم نے انہیں بندہ صابر پایا۔ صبر ہی کی برکت سے حضرت حسین علیہ السلام سید الشہداء ہوئے۔

وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْطِيْنِي الْعَطَاءَ فَاَقُوْلُ اَعْطِهٖ اَفْقَرَ اِلَيْهِ مِنِّيْ فَقَالَ خُذْهُ فَتَمَوَّلْهُ وَتَصَدَّقْ بِهٖ فَمَا جَآءَ كَ مِنْ هٰذَا الْمَالِ وَاَنْتَ غَيْرُ مُشْرِفٍ وَّلَا سَائِلٍ فَخُذْهُ وَمَالَا فَلَا تُتْبِعْهُ نَفْسَكَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۷۵۱) روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے عطیہ دینا چاہتے تو میں عرض کرتا کہ یہ مجھ سے زیادہ حاجت مند کو عطا فرمایئے۱؎ تو آپ فرماتے یہ لے لو اسے مال بنا لو اس کو صدقہ کرو تمہیں جو مال بغیر طمع اور بغیر مانگے ملے اسے لے لیا کرو اور جو نہ ملے اس کے پیچھے اپنے کو نہ لگاؤ۲؎ (مسلم بخاری)

(۱۷۵۱) ۱؎ محبت پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تاثیر تھی کہ حضرت عمر صرف غنی نہیں بلکہ غنی گر ہو گئے۔ مانگنا تو کیا بغیر مانگے آتی ہوئی چیز میں بھی ایثار ہی کرتے ہیں اور دوسروں کو اپنے پر ترجیح دیتے ہیں۔ اپنے دور خلافت میں جب فارس اور روم کے خزانے مدینہ میں لاتے ہیں، تو اس وقت بھی خود ایک قمیص کو دھو دھو کر پہنتے ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۲؎ سبحان اللہ کیا بے مثال تعلیم ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جو بغیر مانگے اور بغیر طمع کے ملے وہ ربّ تعالیٰ کا عطیہ ہے اسے نہ لینا گویا اس عطیہ کی بے قدری ہے۔ دنیا والوں سے استغناء اچھا اور اللہ و رسول کا ہمیشہ محتاج رہنا اچھا، مشائخ کرام معمولی نذرانہ بھی قبول کر لیتے ہیں۔ ان کا ماخذ یہ حدیث ہے پھر کیا خوب فرمایا کہ تم خود لے کر صدقہ کر دو تاکہ تمہیں لینے کا بھی ثواب ملے اور دینے کا بھی حکایت: حضرت بنان حمالی کا پیشہ کرتے تھے۔ ایک بار امام احمد ابن حنبل کا کچھ سامان اجرت پر گھر پہنچایا وہاں تنور سے روٹیاں نکلتی دیکھیں۔ امام احمد نے اپنے بیٹے سے کہا کہ وہ روٹیاں بنان کو بھی دے دو۔ بنان

نے انکار کر دیا۔ جب چلے گئے تو امام نے پھر دو روٹیاں ان کے پاس بھیجیں۔ بنان نے قبول کر لیں۔ کسی نے امام احمد سے بنان کے اس رویہ کی وجہ پوچھی کہ انہوں نے پہلے کیوں نہ لیں پھر کیوں لے لیں۔ امام نے فرمایا کہ وہ مرد متقی ہے۔ پہلے ان کے نفس میں انتظار پیدا ہو چکا تھا نہ لیں۔ لوٹ جانے کے بعد مایوس ہو گئے تھے پھر لے لیں اور آپ نے یہی حدیث پڑھی (مرقاۃ)

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمَسَائِلُ كُدُوْحٌ يَّكْدَحُ بِهَا الرَّجُلُ وَجْهَهٗ فَمَنْ شَآءَ اَبْقٰى عَلٰى وَجْهِهٖ وَمَنْ شَآءَ تَرَكَهٗ اِلَّا اَنْ يَّسْاَلَ الرَّجُلُ ذَا سُلْطَانٍ اَوْ فِيْ اَمْرٍ لَّا يَجِدُ مِنْهُ بُدًّا (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ)

(۱۷۵۲) روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب سے[۱] فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سوال کھرونچے ہیں جن سے آدمی اپنا منہ کھرچتا ہے تو جو چاہے اپنے منہ پر یہ کھرونچے رکھے اور جو چاہے اس سے بچے[۲] مگر یہ کہ آدمی حکومت والے سے کچھ مانگے یا ایسی چیز کہ اس کے بغیر چارہ نہ پائے[۳] (ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

(۱۷۵۲)[۱] آپ مشہور صحابی ہیں۔ آپ کے شاگردوں میں سے بڑے شاگرد ابن سیرین اور امام شعبی ہیں بصرہ میں قیام رہا۔ ۵۵ھ میں وہیں وصال ہوا۔[۲] منہ کے کھرونچوں سے مراد ذلت کا اثر ہے کہ جیسے منہ کے زخم دور سے نظر آتے ہیں ایسے ہی بھکاری دور سے پہچانا جاتا ہے۔ اس کے چہرے پر نہ رونق ہوتی ہے نہ وقار بلکہ یہ آثار ذلت قیامت میں بھی اس پر ہوں گے۔ جیسا کہ پہلے حدیث شریف میں آ چکا[۳] یعنی یہ دو سوال جائز ہیں۔ مستحق کا حاکم وقت سے اپنا وظیفہ مقرر کرانا کہ یہ بھیک نہیں بلکہ اپنے حق کا مطالبہ ہے۔ دوسرے سخت ضرورت کے وقت جب شرعاً اسے مانگنا جائز ہو تو کچھ مانگ لینا۔ امام غزالی نے فرمایا کہ جس مالدار پر حج فرض ہو اور بلاوجہ حج نہ کرے پھر غریب ہو جائے، تو اس پر واجب ہے کہ حج کا خرچہ مانگے اور حج کو جائے کہ اس میں اپنے کو فسق سے نکالنا ہے۔ جب مجبوراً بھوک یا برہنگی دفع کرنے کیلئے سوال واجب ہے تو یہ بھی ضروری ہے (مرقاۃ)

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَاَلَ النَّاسَ وَلَهٗ مَا يُغْنِيْهِ جَآءَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَسْئَلَتُهٗ فِيْ وَجْهِهٖ خُمُوْشٌ اَوْخُدُوْشٌ اَوْ كُدُوْحٌ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَا يُغْنِيْهِ قَالَ خَمْسُوْنَ دِرْهَمًا اَوْ قِيْمَتُهَا مِنَ الذَّهَبِ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

(۱۷۵۳) روایت ہے حضرت عبداللہ بن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو لوگوں سے مانگے، حالانکہ اس کے پاس بقدر دفع حاجت ہے[۱] تو قیامت میں اس طرح آئے گا کہ اس کے سوال اس کے چہرے میں کھروچن یا خارش یا زخم ہوں گے[۲] عرض کیا گیا یارسول اللہ قدر غنا کیا ہے فرمایا پچاس درہم یا اس قیمت کا سونا[۳] (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

(۱۷۵۳)[۱] یعنی اس کے پاس روزمرہ کی ضروریات، کھانا، کپڑا ہے اور کوئی خاص ضرورت درپیش نہیں، لہٰذا یہ حدیث گزشتہ اس حدیث کیخلاف نہیں جہاں تھا کہ ضامن بن جانے والا سوال کر سکتا ہے کہ ضمانت نے اسے سوال کی ضرورت ڈال دی[۲] ظاہر یہ ہے کہ تینوں ہی الفاظ اَوْ کے ساتھ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ہیں۔ راوی کا شک نہیں اور ان تینوں کے الگ الگ معنی ہیں۔ ہر دوسرے لفظ میں پہلے سے ترقی زیادہ ہے۔ جیسا کہ ہم نے ترجمہ میں ظاہر کر دیا۔ چونکہ بے ضرورت بھکاری تین قسم کے تھے۔ معمولی کبھی کبھی مانگ لینے

والے اور ہمیشہ کے بھکاری، ضدی وہٹ دھرم بھکاری، اسی لیے ان کے چہروں کے آثار بھی تین طرح کے ہوئے جیسی بھیک ویسا اس کا اثر، لہذا او تقسیم کیلئے ہے شک کیلئے نہیں ۳؎ خیال رہے کہ جس نصاب سے سوال حرام ہوتا ہے اس کی مقداریں مختلف آئی ہیں۔ یہ تو پچاس درہم یعنی قریباً ساڑھے بارہ روپے ارشاد ہوئے۔ دوسری روایت میں ایک اوقیہ ارشاد ہوا یعنی چالیس درہم تقریباً دس روپے، تیسری روایت میں دن رات کا کھانا ارشاد ہوا۔ جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ لہذا بعض شارحین نے ان دونوں حدیثوں کو دن رات کے کھانے والی حدیث سے منسوخ مانا، لیکن چونکہ ہر شخص کی حاجت مختلف ہوتی ہے۔ بڑے کنبے والے کا روزانہ خرچ زیادہ ہوتا ہے۔ درمیانی کنبے والے کا درمیانہ اور اکیلے آدمی کا خرچہ بھی بہت معمولی، سرکار کے یہ تین ارشاد تین قسم کے لوگوں کے لحاظ سے ہیں۔ جیسا موقع اور جیسا مسئلہ پوچھنے والا ویسا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب حکیم کی ہر بات حکمت سے ہوتی ہے۔ لہذا احادیث میں تعارض نہیں اور ممکن ہے کہ حرمت سوال کا حکم تدریجاً آہستگی سے وارد ہوا ہو۔ اولاً پچاس درہم والوں کو روکا گیا، پھر چالیس والوں کو آخر میں دن رات کے کھانے پر قدرت رکھنے والے کو جیسے شراب کی حرمت کا حال ہوا، کیونکہ اہل عرب سوال کے عادی تھے۔ ایک دم سوال چھوڑ نہ سکتے تھے اس لیے یہ ترتیب برتی گئی۔

وَعَنْ سَهْلِ بْنِ الْحَنْظَلِيَّةِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَئَلَ وَ عِنْدَهٗ مَا يُغْنِيْهِ فَاِنَّمَا يَسْتَكْثِرُ مِنَ النَّارِ قَالَ النُّفَيْلِيُّ وَهُوَ اَحَدُ رُوَاتِهٖ فِيْ مَوْضِعٍ اٰخَرَ وَمَا الْغِنَى الَّذِيْ لَا يَنْبَغِيْ مَعَهُ الْمَسْئَلَةُ قَالَ قَدْرَ مَا يُغَدِّيْهِ وَيُعَشِّيْهِ وَقَالَ فِيْ مَوْضِعٍ اٰخَرَ اَنْ يَكُوْنَ لَهٗ شِبْعُ يَوْمٍ اَوْ لَيْلَةٍ وَّيَوْمٍ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

(۱۷۵۴) روایت ہے حضرت سہل ابن حنظلیہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو مانگے حالانکہ اس کے پاس بقدر غنا ہو تو وہ آگ بڑھاتا ہے ۱؎ نفیلی نے فرمایا جو دوسری جگہ اس حدیث کے ایک راوی ہیں ۲؎ وہ غنا کیا ہے جس کے ہوتے سوال مناسب نہیں فرمایا اس قدر کہ صبح شام کھائے اور دوسری جگہ فرمایا کہ اس کے پاس ایک دن یا ایک دن و رات کی سیری ہو ۳؎ (ابوداؤد)

(۱۷۵۴) ۱؎ اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ بلاضرورت سوال حرام ہے کیونکہ خصوصیت سے سخت عذاب کی وعید وارد ہوئی۔ آگ بڑھانے سے مراد آگ کی تیزی، بھڑک، شعلے بڑھانا ہے ۲؎ نفیلی کا نام عبداللہ ابن محمد ہے۔ ابوداؤد سجستانی کے استاذ ہیں۔ نفیل ان کے کسی دادا کا نام ہے۔ ۳؎ اس کی شرح ابھی گزر گئی کہ دن رات کی خوراک کی حد ہر شخص کیلئے جداگانہ ہے۔ بڑے کنبہ والے کیلئے زیادہ مال ہے درمیانے کیلئے درمیانہ، ایک دو آدمیوں کیلئے معمولی، یہاں خاص آفت زدہ مستثنیٰ ہے۔ مقروض، ضامن یا جس کا مال ہلاک ہو گیا اس کیلئے سوال جائز ہے اگرچہ دن رات کے کھانے کا مالک ہو لہذا یہ حدیث گزشتہ احادیث کے خلاف نہیں خیال رہے کہ یہ مانگنے کا ذکر ہے۔ رہا زکوۃ لینا اس کے متعلق یہاں مرقاۃ نے فرمایا کہ فقیر اپنے اور اپنے بال بچوں کے ایک سال کا خرچ زکوۃ سے جمع کرسکتا ہے۔ خرچ سے مراد کھانا اور کپڑا دونوں ہی ہیں۔

وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ بَنِيْ اَسَدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَأَلَ مِنْكُمْ وَلَهٗ اَوْعِدْلُهَا فَقَدْ سَأَلَ اِلْحَافًا (رَوَاهُ مَالِكٌ وَّ اَبُوْدَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ)

(۱۷۵۵) ۱؎ روایت ہے حضرت عطاء بن یسار سے وہ بنی اسد کے ایک شخص سے راوی ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے جو مانگے حالانکہ اس کے پاس ایک اوقیہ یا اس کے برابر ہو تو وہ زاری سے مانگتا ہے ۲؎ (مالک وابوداؤد نسائی)

(۱۷۵۵) ۱؎ عطاء ابن یسار تابعی ہیں اور ان کے شیخ جن کا انہوں نے نام نہ لیا صرف یہ کہہ دیا کہ بنی اسد کے ایک صاحب وہ صحابی

ہیں۔ چونکہ صحابہ سارے ہی عادل ہیں کوئی فاسق نہیں۔اس لیے ان کا نام یا حال معلوم نہ ہونا حدیث کی صحت کیلئے مضر نہیں' نہ ایسے صحابی کو مجہول کہا جاسکتا ہے نہ حدیث کو (مرقاۃ) ۲؎ یعنی قرآن شریف میں جو وارد ہوا لَا یَسْـئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا (۲:۲۷۳) لوگوں سے سوال نہیں کرتے کہ گڑگڑانا پڑے (کنزالایمان) اس الحاف میں بے ضرورت مانگنا بھی داخل ہے۔اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔اس تعیین کی وجہ ابھی کچھ پہلے عرض کی جاچکی ہے۔

وَعَنْ حُبْشِيِّ بْنِ جُنَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمَسْئَلَةَ لَاتَحِلُّ لِغَنِيٍّ وَّلَا لِذِيْ مِرَّةٍ سَوِيٍّ اِلَّا لِذِيْ فَقْرٍ مُّدْقِعٍ اَوْ غُرْمٍ مُّفْظِعٍ وَّمَنْ سَأَلَ النَّاسَ لِيُثْرِيَ بِهٖ مَالَهٗ كَانَ خُمُوْشًا فِيْ وَجْهِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَرَضْفًا يَّاْكُلُهٗ مِنْ جَهَنَّمَ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُقِلَّ وَمَنْ شَآءَ فَلْيُكْثِرْ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۱۷۵۶) روایت ہے حضرت حبشی ابن جنادہ سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ تو غنی کو سوال جائز ہے نہ درست اعضاء والے کو مگر زمین سے ملے ہوئے فقیر یا رسوائی والے مقروض کو ۲؎ اور جو لوگوں سے مال بڑھانے کیلئے مانگے تو یہ سوال قیامت کے دن اس کے چہرے کے کھرونچے ہوں گے اور دوزخ کے انگارے جسے وہ کھائے گا اب جو چاہے وہ کم کرے جو چاہے بڑھائے ۳؎ (ترمذی)

(۱۷۵۶) ۱؎ ان کی کنیت ابوالجنوب ہے۔قبیلہ بنی بکر ابن ہوازن سے ہیں۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو حجۃ الوداع میں دیکھا آپ کا شمار اہل کوفہ میں ہے ۲؎ یہ استثناء صحیح الاعضاء سے ہے۔یعنی تندرست آدمی ان دونوں صورتوں میں مانگ سکتا ہے۔ایک سخت فقیر جو اسے خاک نشین بنادے' جس سے وہ نہ کہیں کاروبار کرسکے نہ کمانے کیلئے سفر رب تعالٰی فرماتا ہے اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ (۹۰:۱۶) یا خاک نشین مسکین کو (کنزالایمان) ایسا مقروض جس کے قرض خواہ اس کی آبرو کے درپے ہو گئے ہوں۔وہ اگرچہ تندرست ہے مگر ان مصیبتوں کے دفعیہ کے لیے مانگ سکتا ہے۔یہ آخری جملہ اختیار دینے کیلئے نہیں بلکہ اظہار غضب کیلئے ہے۔جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے: فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (۱۸:۲۹) (تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے) (کنزالایمان) رضف رضفۃ کی جمع ہے۔رضفہ وہ تیز گرم پتھر ہے جس سے دودھ ابالا جاتا ہے۔()

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْاَنْصَارِ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْئَالُهٗ فَقَالَ اَمَا فِيْ بَيْتِكَ شَيْءٌ فَقَالَ بَلٰى حِلْسٌ نَلْبَسُ بَعْضَهٗ وَنَبْسُطُ بَعْضَهٗ وَقَعْبٌ نَّشْرَبُ فِيْهِ مِنَ الْمَآءِ قَالَ ائْتِنِيْ بِهِمَا فَاَتَاهُ بِهِمَا فَاَخَذَ هُمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ وَقَالَ مَنْ يَّشْتَرِيْ هٰذَيْنِ قَالَ رَجُلٌ اَنَا اٰخُذُ هُمَا بِدِرْهَمٍ قَالَ مَنْ يَّزِيْدُ عَلٰى دِرْهَمٍ مَّرَّتَيْنِ اَوْ ثَلٰثًا قَالَ رَجُلٌ اَنَا اٰخُذُهُمَا بِدِرْهَمَيْنِ فَاَعْطَاهُمَا اِيَّاهُ فَاَخَذَ الدِّرْهَمَيْنِ فَاَعْطَاهُمَا الْاَنْصَارِيَّ وَقَالَ

(۱۷۵۷) روایت ہے حضرت انس سے کہ ایک انصاری شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مانگنے کیلئے آیا ۱؎ آپ نے فرمایا کہ کیا تیرے گھر میں کچھ نہیں ۲؎ عرض کیا ہاں ایک ٹاٹ ہے جو ہم کچھ بچھا لیتے ہیں کچھ اوڑھ لیتے ہیں ۳؎ اور ایک پیالہ جس میں پانی پیتے ہیں فرمایا وہ دونوں ہمارے پاس لے آؤ وہ یہ دونوں چیزیں حاضر لائے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ میں لیا اور فرمایا یہ کون خریدتا ہے ۴؎ ایک شخص نے کہا ایک درہم میں لیتا ہوں۔آپ نے دو یا تین بار فرمایا ایک درہم سے زیادہ کون دیتا ہے ۵؎ ایک صاحب بولے کہ میں دو درہم میں لیتا ہوں آپ نے فرمایا

اشْتَرِ بِاَحَدِهِمَا طَعَامًا فَانْبِذْهُ اِلٰى اَهْلِكَ وَاشْتَرِ بِالْاٰخَرِ قَدُوْمًا فَاْتِنِىْ بِهٖ فَاَتَاهُ بِهٖ فَشَدَّ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُوْدًا بِيَدِهٖ ثُمَّ قَالَ اذْهَبْ فَاحْتَطِبْ وَبِعْ وَلَا اَرَيَنَّكَ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا فَذَهَبَ الرَّجُلُ يَحْتَطِبُ وَيَبِيْعُ فَجَآءَهٗ وَقَدْ اَصَابَ عَشَرَةَ دَرَاهِمَ فَاشْتَرٰى بِبَعْضِهَا ثَوْبًا وَّبِبَعْضِهَا طَعَامًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا خَيْرٌ لَّكَ مِنْ اَنْ تَجِيْءَ الْمَسْئَلَةُ نُكْتَةً فِىْ وَجْهِكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّ الْمَسْئَلَةَ لَا تَصْلُحُ اِلَّا لِثَلٰثَةٍ لِّذِىْ فَقْرٍ مُدْقِعٍ اَوْ لِذِىْ غُرْمٍ مُفْظِعٍ اَوْ لِذِىْ دَمٍ مُّوْجِعٍ

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ اِلٰى قَوْلِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ)

یہ دونوں چیزیں انہیں دے دو۶ اور دو درہم ان انصاری کو دیئے اور فرمایا ان میں سے ایک کا غلہ خرید کر اپنے گھر میں ڈال دے اور دوسرے کی کلہاڑی خرید کر میرے پاس لا ۷ وہ حضور کے پاس کلہاڑی لائے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست اقدس سے اس میں دستہ ڈالا ۸ پھر فرمایا جاؤ لکڑیاں کاٹو اور بیچو اور اب میں تمہیں پندرہ دن نہ دیکھوں ۹ پھر وہ صاحب لکڑیاں کاٹتے اور بیچتے رہے پھر حاضر ہوئے اور دس درہم کما چکے تھے اس نے کچھ درہموں سے کپڑا اور کچھ سے غلہ خریدا ۱۰ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے لیے یہ اس سے بہتر ہے کہ سوالات قیامت کے دن تمہارے منہ میں داغ بن کر آئیں ۱۱ تین شخصوں کے سواء کسی کو سوال جائز نہیں کمر توڑ فقیری یا رسوا کن قرض یا تکلف دہ خون سے ۱۲ (ابوداؤد) اور ابن ماجہ نے یوم القیامت تک روایت کی۔

(۱۷۵۷)۱ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ تشریف آوری سے پہلے لوگ قرض وسوال میں گھرے ہوئے تھے۔ چنانچہ یہود کے ہاں کی بہت زمینیں جائیدادیں، مال، مکان وغیرہ گروی پڑے تھے۔ سوال کر لینے کا عام رواج تھا۔ کیونکہ اکثر لوگ بہت غریب و نادار تھے۔ اسی سلسلہ میں یہ حضرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سوال کرنے حاضر ہوئے۔۲ سبحان اللہ یہ ہے بگڑی قوم کا بنانا، یہاں یہ ممکن تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اسے کچھ دے دیتے مگر وہ چند روز میں کھا کر برابر کر دیتا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقہ سے اس کی بلکہ اس کی نسل کی زندگی سنبھال دی فقیر کو دے دینا آسان مگر اس کی زندگی سنبھال دینا بہت مشکل ہے۔ تجربہ ہے کہ پہاڑ ڈھا دینا اور دریا پاٹ دینا آسان مگر بگڑی قوم کو سنبھال دینا مشکل، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام ایسی خوش اسلوبی سے انجام دیئے جس کی مثال نہیں ملتی ۳ حلس ح کے کسرہ سے ٹاٹ کو بھی کہتے ہیں اور موٹے کمبل کو بھی، جو اونٹ کی پیٹھ پر پالان کے نیچے ڈالا جاتا ہے۔ یہاں دونوں معنی کا احتمال ہے۔ بھلا غریبی کی حد ہوگئی کہ اس اللہ کے بندے کے سارے گھر میں کل کائنات یہ دو چیزیں ہیں۔ حالت یہ کہ ایک ہی کمبل کو آدھا بچھا کر خود بیوی بچے سب لیٹ جاتے اور اسی کا آدھا یہ سب اوڑھ لیتے جیسا کہ نبسط کے جمع متکلم سے معلوم ہو رہا ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان غریبوں کو تخت و تاج کا مالک بنایا ہے۔۴ اگرچہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سرکار اس مسکین سے ہی فرما دیتے کہ یہ دونوں چیزیں بیچ کر کلہاڑی خرید لو جس سے لکڑیاں کاٹو اور بیچو اور اپنا کام چلاؤ، مگر اس صورت میں وہ اہمیت ظاہر نہ ہوتی جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل شریف سے ظاہر ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ صرف کہہ دینے سے قوم کی اصلاح نہیں ہوتی۔ اس کیلئے کچھ کر کے بھی دکھانا پڑتا ہے۔ مبلغین قولی تبلیغ پر کفایت نہ کریں بلکہ عملی تبلیغ بھی کریں۔۵ اس سے نیلام کا بھی ثبوت ہوا جسے عربی میں بیع من یزید کہتے ہیں اور نیلام میں بار بار بولی مانگنا بھی ثابت ہوا۔ یہ دونوں چیزیں سنت سے ثابت ہیں ۶ خیال رہے کہ جس حدیث میں دوسرے کے بھاؤ پر بھاؤ چڑھانا منع فرمایا گیا وہاں وہ صورت مراد ہے جہاں تاجر وخریدار راضی ہو چکے ہوں اور یہ چڑھا کر ان کا بھاؤ بگاڑ دے۔ یہاں یہ

صورت نہیں، یہاں تو تاجر خود بھاؤ چڑھانے کا مطالبہ کر رہا ہے۔ لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں اس حدیث سے بیع معاطات (جسے بیع تعاطی بھی کہتے ہیں) ثابت ہوئی یعنی زبان سے ایجاب وقبول نہ کرنا صرف لین دین سے بیع کر دینا جیسا آج کل عام طور پر ہوتا ہے۔ دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں نہ اس سے ایجاب کرایا نہ خود قبول فرمایا صرف لے دے کر بیع کر دی۔ ۷؎ یعنی ایک درہم کے جو خرید کر اپنی بیوی کو دے تا کہ وہ پیس پکا کر خود بھی کھائے تجھے اور بچوں کو بھی کھلائے اور دوسرے درہم کی کلہاڑی خرید کر مجھے دے جا اور روٹی کھا کر پھر آنا' اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ فقیر نادار پر بھی بیوی بچوں کا خرچہ واجب ہے۔ کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہ فرمایا کہ بیوی سے بھی کمائی کرا' دوسرے یہ کہ کمانا صرف مرد پر لازم ہے' نہ کہ بیوی پر کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کلہاڑی صرف مرد کو دی دو کلہاڑیاں لے کر عورت و مرد میں تقسیم نہ فرمائیں۔ اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو لڑکیوں سے کمائی کرانے کیلئے بی اے ایم اے کرا رہے ہیں اور جو ضروری مسائل لڑکیوں کو سیکھنا فرض ہیں ان سے بالکل بے خبر ہیں۔ ۸؎ اس سے معلوم ہوا کہ جس سے کام کاج شروع کرایا جائے اس کی کچھ بدنی امداد بھی کی جائے۔ دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں اس کی مالی امداد نہ کی بلکہ بدنی امداد فرمائی' کیونکہ مالی امداد سے اس کے مانگنے کی عادت نہ چھوٹتی' اب اسے عبرت ہوگئی کہ جب سرکار خود اپنے ہاتھ سے اتنا کام کر سکتے ہیں تو میں کیوں نہ محنت کروں ۹؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ جنگلی لکڑیاں شکاری جانوروں کی طرح عام مباح ہیں جو قبضہ کر لے وہ اس کا مالک ہے کہ وہ اسے بیچ بھی سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہ فرمان الٰہی مالک احکام ہیں۔ دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کیلئے ان پندرہ دنوں کی جماعت سے نماز معاف فرمادی۔ حتیٰ کہ درمیان میں جمعہ بھی آیا۔ وہ بھی اس کیلئے معاف رہا۔ اسی دوران میں اسے مسجد نبوی میں آنا ممنوع ہوگیا کیونکہ اس کو فرمایا گیا تجھ کو میں دیکھوں نہیں' اب اگر وہ مسجد میں حاضر ہوتے تو اس ممانعت کے مرتکب ہوتے۔ انہوں نے اس زمانہ میں دن کی نماز جنگل میں اور رات کی گھر پڑھیں ۱۰؎ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت پندرہ دن تک مسجد میں قطعاً حاضر نہ ہوئے ورنہ اگر اس دوران میں جماعت عشاء کیلئے بھی کبھی آئے ہوتے تو اس کا ضرور یہاں ذکر ہوتا اور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم ان سے روزانہ کا حساب پوچھتے' یہ ان کی خصوصیت میں سے ہے۔ اب کسی تاجر یا پیشہ ور کو یہ جائز نہیں کہ کاروبار میں مشغول ہو کر جماعت ترک کرے ۱۱؎ یعنی حلال پیشہ خواہ کتنا ہی معمولی ہو بھیک مانگنے سے افضل ہے کہ اس میں دنیا و آخرت میں عزت ہے۔ افسوس آج بہت سے لوگ اس تعلیم کو بھول گئے۔ مسلمانوں میں صدہا خاندان پیشہ ور بھکاری ہیں۔ ۱۲؎ تکلیف دہ فقیری میں فاقہ اور فقیر کی معذوری یعنی بے دست و پا ہونا دونوں شامل ہیں اور رسوا کن قرض سے وہ قرض مراد ہے جس میں قرض خواہ مہلت نہ دے' مقروض کی آبروریزی پر تیار ہو۔ تکلیف دہ خون سے یہ مراد ہے کہ اس نے کسی کو قتل کر دیا جس کی دیت اس پر لازم ہوگی۔ اس کے پاس نہ مال ہے نہ اہل قرابت' یہ تینوں آدمی بقدر ضرورت سوال کر سکتے ہیں۔ خیال رہے کہ یہ پابندیاں مانگنے کیلئے ہیں زکوٰۃ لینے کیلئے نہیں۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَصَابَتْهُ فَاقَةٌ فَاَنْزَلَهَا بِالنَّاسِ لَمْ تُسَدَّ فَاقَتُهُ وَمَا اَنْزَلَهَا بِاللّٰهِ اَوْشَكَ اللّٰهُ لَهُ بِالْغِنَاءِ اِمَّا بِمَوْتٍ عَاجِلٍ اَوْ غِنًى اٰجِلٍ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)

(۱۷۵۸) روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جسے فاقہ پہنچے وہ اسے لوگوں پر پیش کرے تو اس کا فاقہ بند نہ ہوگا ۱؎ اور جو اسے اللہ پر پیش کرے اسے بہت جلد غنی کر دے گا یا فوری موت سے یا آئندہ غنا سے ۲؎

(ابوداؤد' ترمذی)

(۱۷۵۸)۱؎ یعنی اپنی غریبی کی شکایت لوگوں سے کرتا پھرے اور بے صبری ظاہر کرے اور لوگوں کو اپنا حاجت روا جان کر ان سے مانگنا شروع کردے، تو اس کا انجام یہ ہوگا کہ اسے مانگنے کی عادت پڑ جائے گی، جس میں برکت نہ ہوگی اور ہمیشہ فقیر ہی رہے گا۔ ۲؎ یعنی جو اپنا فاقہ لوگوں سے چھپائے، رب تعالیٰ کی بارگاہ میں دعائیں مانگے اور حلال پیشہ میں کوشش کرے، تو رب تعالیٰ اسے مانگنے کی ضرورت ڈالے گا ہی نہیں۔ اگر اس کے نصیب میں دولت مندی نہیں ہے تو اسے ایمان پر موت نصیب کرکے جنت کی نعمتیں عطا فرمائے گا اور اگر دولتمندی نصیب میں ہے تو وہ جلدی نہ سہی دیر سے ہی عطا فرمادے گا اور اس کی کمائی میں برکت دے گا۔ ہماری اس تقریر سے یہ اعتراض اٹھ گیا کہ موت سے غنا کیسے حاصل ہوتی ہے کیونکہ پہلے غنا سے مراد مالداری نہیں بلکہ لوگوں سے بے نیازی ہے۔ خیال رہے کہ آدمی مرکر لوگوں کے مال سے بے نیاز ہوجاتا ہے۔ اگرچہ ان کے ایصال ثواب کا منتظر رہتا ہے۔ یہاں مالی غنا مراد ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

عَنِ ابْنِ الْفِرَاسِيِّ اَنَّ الْفِرَاسِيَّ قَالَ قُلْتُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْاَلُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا وَ اِنْ كُنْتَ لَا بُدَّ فَسَلِ الصَّالِحِيْنَ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَ النَّسَائِيُّ)

(۱۷۵۹) روایت ہے ابن فراسی ۱؎ سے کہ فراسی فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ میں مانگ سکتا ہوں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں اور اگر مانگنا پڑ جائے تو نیکوں سے مانگو ۲؎ (ابوداؤد نسائی)

(۱۷۵۹)۱؎ آپ کا نام پتا نہ چلا، آپ کی نسبت فراس ابن غنم ابن مالک ابن کنانہ کی طرف ہے آپ کے والد فراسی صحابی ہیں ۲؎ مطلب یہ ہے کہ بلاسخت مجبوری کسی سے کچھ مانگو مت، جب سخت مجبور ہوجاؤ، جس سے شرعاً مانگنا درست ہوجائے تو اللہ کے متقی و نیک بندوں ہی سے مانگو کیونکہ ان کی روزی حلال ہوگی۔ نیز اس میں برکت ہوگی جو تمہیں بھی نصیب ہوجائے گی۔ نیز وہ تمہیں لعنت ملامت نہ کریں گے۔ جھڑکیں گے نہیں۔ نیز وہ تمہارے حق میں دعا بھی کریں گے جس سے تمہاری فقیری دور ہوجائے گی۔ یہ حکم بھیک مانگنے کے متعلق ہے مگر برکت حاصل کرنے کیلئے ان کے تبرکات مانگنا بہت ہی بہتر ہے جس پر بادشاہوں کو فخر ہوتا ہے۔ صحابہ کرام نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال شریف، تہبند، فضالہ پانی حضور انور علیہ السلام سے مانگا ہے۔ مال اور تہبند شریف اپنی قبروں میں لے گئے۔ حضور خواجہ اجمیری رضی اللہ عنہ کے لنگر کا دلیہ سلاطین دکن مانگ مانگ کر حاصل کرتے رہے ہیں۔ ہم کو اس پر فخر ہے ہم گدائے آستانہ غوثیہ ہیں۔ رضی اللہ عنہ

وَعَنِ ابْنِ السَّاعِدِيِّ قَالَ اسْتَعْمَلَنِيْ عُمَرُ عَلَى الصَّدَقَةِ فَلَمَّا فَرَغْتُ مِنْهَا وَ اَدَّيْتُهَا اِلَيْهِ اَمَرَ لِيْ بِعُمَالَةٍ فَقُلْتُ اِنَّمَا عَمِلْتُ لِلّٰهِ وَاَجْرِيْ عَلَى اللّٰهِ قَالَ خُذْ مَا اُعْطِيْتَ فَاِنِّيْ قَدْ عَمِلْتُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَمَّلَنِيْ فَقُلْتُ مِثْلَ قَوْلِكَ فَقَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُعْطِيْتَ شَيْئًا مِّنْ غَيْرِ اَنْ تَسْاَلَهٗ فَكُلْ وَ

(۱۷۶۰) روایت ہے حضرت ابن ساعدی سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت عمر نے صدقہ پر عامل بنایا ۲؎ جب میں اس سے فارغ ہوا اور صدقہ آپ کی خدمت میں ادا کردیا تو مجھے اجرت کا حکم دیا میں نے عرض کیا کہ میں نے اللہ کیلئے کام کیا ہے۔ میری اجرت اللہ پر ہے۔ ۳؎ فرمایا جو تمہیں دیا جائے وہ لے لو میں نے بھی زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ عمل کیا تھا مجھے حضور انور نے اجرت دی تھی تو میں نے بھی تمہارے جیسی عرض کی تھی تو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

تَصَدَّقْ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ) تھا کہ جو کچھ تمہیں بغیر مانگے ملے وہ کھالو اور صدقہ کرو۴؎ (ابوداؤد)

(۱۷۶۰) ۱؎ آپ کو ابن سعدی بھی کہتے ہیں اپنی اسی کنیت میں مشہور ہیں۔صحابی ہیں۔شام میں ۵۷ھ میں وفات پائی (اشعہ) ۲؎ یعنی حضرت عمر فاروق نے اپنے زمانہ خلافت میں مجھے لوگوں کے ظاہری مال' جانور' زرعی پیداوار کی زکوٰۃ وصول کرنے بھیجا۔اس زمانہ میں وصولی زکوٰۃ کا باقاعدہ محکمہ ہوتا تھا جس میں ان لوگوں کو زکوٰۃ سے اجرت دی جاتی تھی۔انہیں عامل کہتے تھے۔ان کی اجرت کو عمالہ ربّ تعالیٰ فرماتا ہے: وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا (۹،۶۰) اور جو تحصیل کرکے لائیں (کنزالایمان) ۳؎ حضرت ابن ساعدی کا خیال یہ تھا کہ اجرت لے لینے سے ثواب جاتا رہے گا اور میں نے یہ کام ثواب کیلئے کیا ہے۔اس لیے قبول سے انکار کیا۔۵؎ سبحان اللہ کیا پیاری تعلیم ہے' مقصد یہ ہے کہ بغیر مانگے جو ربّ دے اسے نہ لینا اللہ کی نعمت کا ٹھکرانا ہے جو اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔لہٰذا یہ ضرور لے لو اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ نیک اعمال کی اجرت لینا جائز ہے۔چنانچہ علماء' قاضی' مدرسین حتیٰ کہ خود خلیفہ کی تنخواہ بیت المال سے دی جائے گی۔سوائے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے باقی تینوں خلفاء نے بیت المال سے خلافت کی تنخواہ وصول کی ہے۔دوسرے یہ کہ جب کام کرنے والے کی نیت خیر ہو تو تنخواہ لینے سے انشاءاللہ ثواب کم نہ ہوگا۔صرف تنخواہ کیلئے دین کا کام نہ کرے تنخواہ تو گزارے کیلئے وصول کرے۔اصل مقصد دینی خدمت ہو۔تیسرے یہ کہ غنی بھی یہ اجرتیں لے سکتا ہے۔صرف فقیر ہی کو اجازت نہیں' پھر لے کر خود بھی کھا سکتا ہے۔اس سے خیرات بھی کرسکتا ہے۔خیال رہے کہ امام احمد کے ہاں ہدیہ قبول کرنا واجب ہے کہ ایسے علماء مفتیوں مدرسوں کی تنخواہیں مقرر کرے جنہوں نے اپنے کو دینی خدمات کیلئے وقف کردیا ہو۔

وَعَنْ عَلِيٍّ اَنَّهُ سَمِعَ يَوْمَ عَرَفَةَ رَجُلًا يَسْئَالُ النَّاسَ فَقَالَ اَفِي هٰذَا الْيَوْمِ وَ فِي هٰذَا الْمَكَانِ تَسْئَالُ مِنْ غَيْرِ اللّٰهِ فَخَفَقَهُ بِالدِّرَّةِ (رَزِيْنٌ)

(۱۷۶۱) روایت ہے حضرت علی سے کہ آپ نے عرفہ کے دن ایک شخص کو سنا کہ لوگوں سے مانگتا ہے تو فرمایا کہ کیا اس دن میں اور اس جگہ غیر خدا سے مانگتا ہے۔آپ نے اسے کوڑے لگائے (رزین)

(۱۷۶۱) ۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ بھیک مانگنا ہمیشہ اور ہر جگہ ہی برا ہے لیکن مبارک تاریخوں اور مبارک مقامات پر بندوں سے بھیک مانگنا بہت زیادہ برا مرقات نے فرمایا کہ اسی طرح مسجدوں میں اور جمعہ کے دن بھیک مانگنا بہت برا ہے کہ یہ جگہ عبادات کیلئے ہیں بھیک مانگنے کیلئے نہیں۔صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ اللہ کی جگہ میں غیر اللہ سے مانگنا رحمت کے دروازے بند کردیتا ہے۔

وَعَنْ عُمَرَ قَالَ تَعْلَمُنَّ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ الطَّمَعَ فَقْرٌ وَّاِنَّ الْاِيَاسَ غِنًى وَّاِنَّ الْمَرْءَ اِذَا يَئِسَ عَنْ شَيْءٍ اِسْتَغْنٰى عَنْهُ (رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

(۱۷۶۲) روایت ہے حضرت عمر سے کہ آپ نے فرمایا اے لوگو یقین رکھو کہ طمع فقیری ہے اور ناامیدی غنا ہے اور انسان جب کسی چیز سے مایوس ہوجاتا ہے تو اس سے لاپرواہ ہوجاتا ہے۱؎ (رزین)

(۱۷۶۲) ۱؎ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ مایوسی بھی ایک قسم کی راحت ہے کسی نے حضرت ابوالحسن شاذلی سے کیمیا پوچھی' آپ نے فرمایا مخلوق سے امید توڑو اور تقدیر پر شاکر رہو سب سے بڑی کیمیا یہ ہے۔شعر

آس بگزار بادشاہی کن گردن بے طمع بلند بود

وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّكْفُلُ لِيْ اَنْ لَّا يَسْئَالَ النَّاسَ شَيْئًا

(۱۷۶۳) روایت ہے حضرت ثوبان سے۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو مجھے اس کی ضمانت دے کہ لوگوں سے

فَاَتَکَفَّلُ لَهٗ بِالْجَنَّةِ فَقَالَ ثَوْبَانُ اَنَا فَكَانَ لَا يَسْئَلُ اَحَدًا شَيْئًا (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ)

کچھ نہ مانگے گا تو میں اس کیلئے جنت کا ضامن ہوں۲ حضرت ثوبان نے کہا میں تو کسی سے کچھ نہ مانگتا تھا۳ (ابوداؤد٬ نسائی)

(۱۷۶۳)۱ آپ ثوبان ابن وجد ہیں۔ آپ کی کنیت ابوعبداللہ یا ابوعبدالرحمٰن ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مکہ معظمہ اور یمن کے درمیان مقام سرات میں خریدا۔ آپ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک سفر وحضر میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی رہے کبھی جدا نہ ہوئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مدینہ میں دل نہ لگا تو شام چلے گئے۔ مقام املہ میں کچھ دن رہے پھر مقام حمص میں رہے۔ وہیں ۵۴ھ میں وفات پائی۔ بہت مخلوق نے آپ سے احادیث لی ہیں۔۲ یعنی جو مجھ سے بھیک نہ مانگنے کا عہد کرے تو میں اس کی چار چیزوں کا ذمہ دار ہوتا ہوں۔ زندگی تقویٰ پر٬ موت ایمان پر کامیابی قبر میں٬ چھٹکارا حشر میں٬ کیونکہ جنت ان چار چیزوں کے بعد نصیب ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰی نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جنت کا مالک ومختار بنایا ہے کیونکہ بغیر اختیار ضمانت کیسی٬ یہ بھی معلوم ہوا کہ سوال سے بچنے والے کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امان میں لے لیتے ہیں پھر اس پر نہ شیطان کا داؤ چلے٬ نہ نفس امارہ قابو پائے٬ جسے وہ اپنے دامن میں چھپالیں اس کا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا تصرف اور حضور علیہ السلام کی امن وامان عالم میں قیدامت تک جاری ہے٬ کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ضمانت صرف صحابہ کیلئے نہیں تاقیامت ہر سوال سے بچنے والے مومن کیلئے ہے شعر

ڈھونڈا ہی کریں صدر قیامت کے سپاہی وہ کس کو ملے جو ترے دامن میں چھپا ہو

یہاں شیخ نے فرمایا کہ انبیائے کرام کی یہ ضمانتیں باذن الٰہی ہیں اور برحق ہیں۔ حتی کہ ایک پیغمبر کا نام ہی ذی الکفل ہے کیونکہ وہ اپنی امت کیلئے جنت کے کفیل ہوگئے تھے۳ یعنی سب سے پہلے اس حدیث پر خود حضرت ثوبان نے ایسا عمل کیا کہ وفات تک کسی سے کچھ نہ مانگا٬ معلوم ہوا کہ علم پر عالم پہلے خود عمل کرے۔

وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ دَعَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَشْتَرِطُ عَلَیَّ اَنْ لَّا تَسْئَلَ النَّاسَ شَيْئًا قُلْتُ نَعَمْ قَالَ وَلَا سَوْطَكَ اِنْ سَقَطَ مِنْكَ حَتّٰى تَنْزِلَ اِلَيْهِ فَتَاْخُذَهٗ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

(۱۷۶۴) روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط کیلئے بلایا کہ لوگوں سے کچھ نہ مانگنا۱ میں نے عرض کیا ہاں فرمایا اگر تمہارا کوڑا گر جائے تو وہ بھی نہ مانگنا حتی کہ خود اتر کر لینا۲ (احمد)

(۱۷۶۴)۱ یعنی مجھ سے اس پر بیعت لی کبھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص خاص احکام پر بھی بیعتیں لی ہیں ان میں سے یہ بھی ہے۲ ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم ان ہی کیلئے خاص تھا ورنہ گرا ہوا کوڑا کسی سے اٹھوا لینا٬ ناجائز نہیں٬ بعض بزرگوں کیلئے بعض جائز چیزیں ناجائز کردی جاتی ہیں جیسے حضرت علی مرتضٰی کے لئے سیّدہ فاطمہ زہراء کی موجودگی میں دوسرا نکاح اور بعض بزرگوں کے لئے کچھ ناجائز چیزیں جائز کر دی جاتی ہیں٬ جیسے صدیق اکبر کیلئے بحالت جنابت مسجد سے گزرنا٬ بعض نے فرمایا کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مبالغۃً ہے مگر پہلی بات زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے۔

بَابُ الْاِنْفَاقِ وَكَرَاهِيَةِ الْاِمْسَاكِ باب خرچ کرنا اور بخل کی برائی

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ پہلی فصل

یعنی سخاوت کی تعریف اور بخل کی برائیاں اس باب میں بیان ہوں گی۔سخی وہ ہے جو اپنے مال سے خود بھی کھائے اوروں کو بھی کھلائے، جواد وہ ہے جو خود نہ کھائے اوروں کو کھلائے۔اسی لیے رب تعالٰی کو سخی نہیں کہہ سکتے۔جواد کہتے ہیں بخیل وہ ہے جو اپنا مال خود کھائے دوسروں کا حق نہ دے۔ممسک وہ ہے جو نہ خود کھائے اور نہ کسی کو کھانے دے۔جوڑے اور چھوڑے۔شیخ نے فرمایا کہ یہاں امساک سے مراد بخل ہے اور انفاق سے مراد فرائض سے زیادہ نوافل میں خرچ کرنا ہے۔کیونکہ زکوۃ کے خرچ کا ذکر پہلے ہو چکا۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْكَانَ لِیْ مِثْلُ اُحُدٍ ذَهَبًا لَسَرَّنِیْ اَنْ لَّا يَمُرَّ عَلَیَّ ثَلٰثُ لَيَالٍ وَّعِنْدِیْ مِنْهُ شَیْءٌ اِلَّا شَیْءٌ اُرْصِدُهٗ لِدَيْنٍ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

(۱۷۶۵) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر میرے پاس احد پہاڑ برابر سونا ہو تو مجھے یہ اچھا لگے گا کہ تین راتیں ایسی نہ گزریں کہ جن میں اس سونے سے کچھ بھی میرے پاس ہو بجز اتنے کے جسے ادائے قرض کیلئے رکھوں ۱؎ (بخاری)

(۱۷۶۵) ۱؎ حدیث کا مطلب بالکل ظاہر ہے۔یہ گفتگو ظاہر کے لحاظ سے ہے۔ورنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اگر چاہتے تو آپ کے ساتھ سونے کے پہاڑ چلا کرتے۔نیز اتنی عظیم الشان سخاوت وہ کرسکتا ہے جس کے بال بچے بھی صابر شاکر ہوں ورنہ انہیں بھوکا مار کر نفلی خیرات نہ کرو۔حضرت صدیق اکبر نے جو سب کچھ خیرات کردیا اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے گھر والے بھی صابرین کے سردار تھے لہذا یہ حدیث اس حدیث کیخلاف نہیں کہ تم پر تمہاری بیوی کا حق بھی ہے اور تمہارے بچوں کا بھی، کیونکہ وہاں ہم جیسوں کیلئے قانون کا ذکر ہے اور یہاں ان حضور داتا کے خصوصی کرم کا۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيْهِ اِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ فَيَقُوْلُ اَحَدُهُمَا اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا وَّيَقُوْلُ الْاٰخَرُ اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۷۶۶) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کوئی دن نہیں جس میں بندے سویرا کریں اور دو فرشتے نہ اتریں جن میں سے ایک تو کہتا ہے الٰہی سخی کو زیادہ اچھا عوض دے اور دوسرا کہتا ہے الٰہی بخیل کو بربادی دے ۱؎ (مسلم بخاری)

(۱۷۶۶) ۱؎ یعنی سخی کیلئے دعا اور کنجوس کیلئے بددعا روزانہ فرشتوں کے منہ سے نکلتی ہے جو یقینًا قبول ہے۔خیال رہے کہ خلف مطلقًا عوض کو کہتے ہیں۔دنیاوی ہو یا اخروی، حسی ہو یا معنوی مگر تلف دنیوی اور حسی بربادی کو کہا جاتا ہے۔رب تعالٰی فرماتا ہے: وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ (۳۴:۳۹) اور جو چیز تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو وہ اس کے بدلے اور دے گا (کنز ...) تجربہ دن رات ہو رہا ہے کہ کنجوس کا مال حکیم ڈاکٹر وکیل یا نالائق اولاد برباد کرتی ہے۔

وَعَنْ اَسْمَاءَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْفِقِیْ وَلَا تُحْصِیْ فَيُحْصِیَ اللّٰهُ

(۱۷۶۷) روایت ہے حضرت اسماء سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوب خرچ کرو مت گنو ورنہ اللہ تعالٰی بھی شمار

عَلَيْكِ وَلَا تُوْعِيْ فَيُوْعِيَ اللّٰهُ عَلَيْكِ اِرْضَخِيْ مَا اسْتَطَعْتِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

فرمائے گا اور نہ بچاؤ ورنہ اللہ بھی تم سے بچائے گا جتنا کرسکتی ہو راہ خدا میں دو ۲ (مسلم و بخاری)

(۱۷۶۷) ایعنی اے اسماء اپنے مال میں سے مطلقًا اور اپنے خاوند کے مال سے بقدر اجازت خرچ کرتی رہو۔نفلی صدقہ کا حساب نہ لگاؤ ورنہ شیطان دل میں بخل پیدا کردے گا۔لہٰذا یہ حدیث زکوۃ کے حساب کےخلاف نہیں۔ بے حساب اللہ کے نام پر دو تو وہاں سے تمہیں اتنا ملے گا کہ تم حساب نہ کرسکوگی۔ یہ مطلب نہیں کہ یہ رب تعالٰی کے حساب سے باہر ہوگا۔کھیت میں پانی دیتے وقت ایک شخص کنوئیں سے پانی چھوڑتا ہے اور دوسرا کیاریوں میں پھیلاتا ہے۔ جب تک یہ پھیلاتا رہتا ہے وہاں سے پانی آتا رہتا ہے۔دینی راستے اللہ کی کیاریاں ہیں مالدار لوگ ان میں پانی پھیلانے والے ہیں اور روزی پہنچانے والے فرشتے' پانی چھوڑنے والے ۲ یعنی یہ خیال نہ کرو کہ اتنی تھوڑی اور معمولی چیز اتنی بڑی بارگاہ میں کیا پیش کروں۔ وہاں مال کی مقدار نہیں دیکھی جاتی دل کا اخلاص دیکھا جاتا ہے۔خیال رہے کہ رب تعالٰی فرماتا ہے: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (۳:۹۲) تم ہرگز بھلائی کو نہ پہنچو گے جب تک راہِ خدا میں اپنی پیاری چیز نہ خرچ کرو (کنزالایمان) اور جہاں حکم دیا گیا کہ جو ہو سکے خیرات کرو۔ان دونوں میں تعارض نہیں۔آیت کا منشاء یہ ہے کہ ہمیشہ معمولی چیز ہی خیرات نہ کرو اچھی چیزیں بھی خیرات کرو' اور اس حدیث کا منشاء یہ ہے کہ بڑی چیز کے انتظار میں چھوٹی خیراتوں سے باز نہ رہو جو چیز کھانے پینے سے بچ رہی اس کے بگڑ جانے کا خطرہ ہے فورًا کسی کو دے دو ورنہ برباد جائے گی۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنْفِقْ يَا ابْنَ اٰدَمَ أُنْفِقْ عَلَيْكَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۷۶۸) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالٰی نے فرمایا ہے اے انسان خرچ کر میں تجھ پر خرچ کروں گا ۱ (مسلم بخاری)

(۱۷۶۸) ۱ سبحان اللہ کیسی نظر کرم ہے مقصد یہ ہے کہ اے انسان ختم ہونے اور مٹ جانے والا مال تو میری راہ میں دے۔میں تجھے اس سے کہیں زیادہ مال بھی دوں گا اور نہ مٹنے والا ثواب بھی۔رب تعالٰی فرماتا ہے: مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ (۳:۹۲) جو تمہارے پاس ہے ہوچکے گا اور اللہ کے پاس ہے ہمیشہ رہنے والا (کنزالایمان) (از مرقاۃ) خیال رہے کہ جس فانی چیز کو رب تعالٰی قبول فرمالے وہ باقی ہو جاتی ہے۔دنیا صفر ہے یعنی خالی' رضائے الٰہی عدد' صفر اکیلا ہو تو کچھ نہیں' اور اگر عدد سے مل جائے تو دس گنا' اس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ صدقہ سے تقدیر بدل جاتی ہے۔ بدنصیب نصیب ور ہو جاتے ہیں۔تقدیر کی پوری بحث ہماری کتاب تفسیر نعیمی جلد دوم میں ملاحظہ فرمایئے۔

وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنْفِقْ يَا ابْنَ اٰدَمَ اَنْ تَبْذِلَ الْفَضْلَ خَيْرٌ لَّكَ وَاَنْ تُمْسِكَهُ شَرٌّ لَّكَ وَلَا تُلَامُ عَلٰى كَفَافٍ وَّابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۱۷۶۹) روایت ہے حضرت ابوامامہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالٰی فرماتا ہے ۱ اے انسان اگر تو بچا مال خرچ کردے تیرے لیے اچھا ہے اور اگر تو اسے روک رکھے تو تیرے لیے برا ہے ۲ اور بقدر ضرورت پر ملامت نہیں اور اپنے عیال سے ابتدا کر ۳ (مسلم)

(۱۷۶۹) ۱ مشکوۃ شریف کے عام نسخوں اور مرقاۃ میں بھی قال اللہ تعالٰی نہیں ہے مگر اشعۃ اللمعات میں یہ جملہ موجود ہے۔شیخ نے

بھی فرمایا کہ ظاہر یہی ہے کہ یہ حدیث بھی قدسی ہے۔ اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ابن آدم سے خطاب فرما سکتے ہیں۔۲؎ یعنی اپنی ضروریات سے بچا ہوا مال خیرات کردینا خود تیرے لیے ہی مفید ہے کہ اس سے تیرا کوئی کام نہ رکے گا اور تجھے دنیا و آخرت میں عوض مل جائے گا اور اسے روک کے رکھنا خود تیرے لیے ہی برا ہے کیونکہ وہ چیز سڑگل یا اور طرح ضائع ہوجائے گی اور تو ثواب سے محروم ہوجائے گا۔ اسی لیے حکم ہے کہ نیا کپڑا پاؤ تو پرانا بیکار کپڑا خیرات کردو۔ نیا جوتا رب تعالٰی دے تو پرانا جوتا جو تمہاری ضرورت سے بچا ہے کسی فقیر کو دے دو کہ تمہارے گھر کا کوڑا نکل جائے گا اور اس کا بھلا ہوجائے گا۔۳؎ اس میں دو حکم بیان ہوگئے ایک یہ کہ جو مال اس وقت تو زائد ہے کل ضرورت پیش آئے گی اسے جمع رکھ لو آج نفلی صدقہ دے کر کل خود بھیک نہ مانگو۔ دوسرے یہ کہ خیرات پہلے اپنے عزیز غریبوں کو دو پھر اجنبیوں کو کیونکہ عزیزوں کو دینے میں صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی ان کا ذکر آئندہ بھی آئے گا۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْبَخِیْلِ وَالْمُتَصَدِّقِ كَمَثَلِ رَجُلَیْنِ عَلَیْهِمَا جُنَّتَانِ مِنْ حَدِیْدٍ قَدِ اضْطُرَّتْ اَیْدِیْهِمَا اِلٰی ثُدِیِّهِمَا وَ تَرَاقِیْهِمَا فَجَعَلَ الْمُتَصَدِّقُ كُلَّمَا تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ انْبَسَطَتْ عَنْهُ وَجَعَلَ الْبَخِیْلُ كُلَّمَا هَمَّ بِصَدَقَةٍ قَلَصَتْ وَاَخَذَتْ كُلُّ حَلْقَةٍ بِمَكَانِهَا (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

(۱۷۷۰) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کنجوس اور سخی کی کہاوت ان دو شخصوں کی سی ہے جن پر لوہے کی دو زرہ ہوں۱؎ جنہوں نے ان کے دونوں ہاتھ ان کے پستانوں اور گلے سے باندھ دیئے ہوں۲؎ سخی جب خیرات کرنے لگے تو زرہ پھیل جائے اور کنجوس جب خیرات کا ارادہ بھی کرے تو زرہ اور تنگ ہوجائے اور ہر کڑی اپنی جگہ چمٹ جائے۳؎ (مسلم بخاری)

(۱۷۷۰) ۱؎ یہ تشبیہ مرکب ہے جس میں دو شخصوں کی پوری حالتوں کو دوسرے دو شخصوں کے پورے حال سے تشبیہ دی گئی ہے یعنی کنجوس اور سخی کی حالتیں ان دو شخصوں کی سی ہیں جن کے جسم پر دو لوہے کی زرہیں ہیں۔ انسان کی خلقی اور پیدائشی محبت مال اور خرچ کرنے کو دل نہ چاہنے کو زرہوں سے تشبیہ دی گئی کہ جیسے زرہ جسم کو گھیرے اور چمٹی ہوتی ہے ایسی محبت مال انسان کے دل کو چمٹی ہوتی ہے۔ رب تعالٰی فرماتا ہے: وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۹،۵۹) اور جو اپنے نفس کے لالچ سے بچایا گیا تو وہی کامیاب ہیں (کنزالایمان) بعض لوگوں نے اسے جبتان ب سے پڑھا ہے مگر جُنَّتَانِ صحیح ہے ن سے۔۲؎ تراقی ترقوت کی جمع ہے۔ ترقوت وہ ہڈی ہے جو سینہ سے اوپر اور گردن کے نیچے ہے۔ چونکہ یہ ہڈیاں گردن کے دو طرفہ ہوتی ہیں اس لیے دو آدمیوں کی چار ہڈیاں ہوں گی۔ اس لحاظ سے تراقی جمع ارشاد ہوا۔ اضطرت مجہول فرماکر اشارۃً یہ بتایا کہ انسان کا یہ بخل قدرتی ہے اختیاری نہیں۔۳؎ سبحان اللہ کیا نفیس تشبیہ ہے یعنی بخیل بھی کبھی خیرات کرنے کا ارادہ تو کرتا ہے مگر اس کے دل کی ہچکچاہٹ اس کے ارادہ پر غالب آجاتی ہے اور وہ خیرات نہیں کرتا اور سخی کو بھی خیرات کرتے وقت ہچکچاہٹ تو ہوتی ہے مگر اس کا ارادہ اس پر غالب آجاتا ہے۔ اسی غلبہ پر سخی ثواب پاتا ہے۔ پھر سخاوت کرتے کرتے نفس امارہ اتنا دب جاتا ہے کہ اس کو کبھی خیرات پر ہچکچاہٹ پیدا ہی نہیں ہوتی۔ یہ بہت بلند مقام ہے جہاں پہنچ کر انسان کھلے دل سے صدقہ کرنے لگتا ہے۔ ہر عبادت کا یہی حال ہے کہ پہلے نفس امارہ روکا کرتا ہے مگر جب اس کی نہ مانی جائے تو پھر روکنا چھوڑ دیتا ہے۔ نفس کی مثال شیرخوار بچے کی سی ہے جو دودھ چھوڑتے وقت ماں کو بہت پریشان کرتا ہے۔ مگر جب ماں اس کی ضد کی پروا نہیں کرتی تو وہ پھر دودھ نہیں مانگتا۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ

(۱۷۷۱) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ

وَسَلَّمَ اتَّقُو الظُّلْمَ فَاِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمٰتٌ يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ وَاتَّقُوا الشُّحَّ فَاِنَّ الشُّحَّ اَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حَمَلَهُمْ عَلٰى اَنْ سَفَكُوْا دِمَاءَ هُمْ وَاسْتَحَلُّوْا مَحَارِمَهُمْ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ظلم سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے دن اندھیریاں ہوگا اور کنجوس سے بچو کیونکہ کنجوسی نے تم سے پہلے والوں کو ہلاک کر دیا کنجوسی نے انہیں رغبت دی کہ انہوں نے خوں ریزی کی حرام کو حلال جانا ۲ (مسلم)

(۱۷۷۱) ۱ ظلم کے لغوی معنی ہیں کسی چیز کو بے موقع استعمال کرنا اور کسی کا حق مارنا' اس کی بہت قسمیں ہیں۔گناہ کرنا اپنی جان پر ظلم ہے۔قرابت داروں یا قرض خواہوں کا حق نہ دینا ان پر ظلم' کسی کو ستانا' ایذاء دینا اس پر ظلم' یہ حدیث سب کو شامل ہے اور حدیث اپنے ظاہری معنی پر ہے یعنی ظالم پل صراط پر اندھیریوں میں گھرا ہوگا۔ یہ ظلم اندھیری بن کر اس کے سامنے ہوگا۔ جیسے کہ مومن کا ایمان اور اس کے نیک اعمال روشنی بن کر اس کے آگے چلیں گے۔ رب تعالٰی فرماتا ہے: يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ (۵۷ ۱۲) دیکھو گے کہ ان کا نور ہے ان کے آگے (کنزالایمان) چونکہ ظالم دنیا میں حق ناحق میں فرق نہ کر سکا اس لیے اندھیرے میں رہا ۲ عربی میں شح بخل سے بدتر ہے۔ بخل اپنا مال کسی کو نہ دینا ہے اور شح اپنا مال نہ دینا اور دوسرے کے مال پر ناجائز قبضہ کرنا ہے۔ غرضیکہ شح بخل حرص اور ظلم کا مجموعہ ہے اسی لیے یہ فتنوں فساد خوں ریزی وقطع رحمی کی جڑ ہے۔ جب کوئی دوسروں کا حق ادا نہ کرے بلکہ ان کے حق اور چھیننا چاہے تو خواہ مخواہ فساد ہوگا۔

وَعَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَصَدَّقُوْا فَاِنَّهٗ يَاْتِيْ عَلَيْكُمْ زَمَانٌ يَمْشِي الرَّجُلُ بِصَدَقَتِهٖ فَلَا يَجِدُ مَنْ يَّقْبَلُهَا يَقُوْلُ الرَّجُلُ لَوْ جِئْتَ بِهَا بِالْاَمْسِ لَقَبِلْتُهَا فَاَمَّا الْيَوْمَ فَلَا حَاجَةَ لِيْ بِهَا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۷۷۲) روایت ہے حضرت حارثہ ابن وہب سے ۱ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کرو کیونکہ تم پر ایک زمانہ ایسا آئے گا ۲ کہ کوئی شخص اپنا صدقہ لے کر چلے گا تو کوئی اس کا قبول کرنے والا نہ ملے گا۔ آدمی کہیں گے کہ اگر تم کل لاتے تو میں لے لیتا آج مجھے اس کی ضرورت نہیں ۳ (مسلم بخاری)

(۱۷۷۲) ۱ آپ صحابی ہیں۔ حضرت عمر ابن خطاب کے سوتیلے بیٹے' حضرت عبداللہ بن عمر کے اخیافی بھائی' کوفہ میں قیام رہا ۲ کم سے مراد ساری امت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے نہ کہ صحابہ کیونکہ مال کی یہ فراوانی قریب قیامت حضرت امام مہدی کے زمانہ میں ہوگی اور ہوسکتا ہے کہ صحابہ سے ہی خطاب ہو اور سیدنا خضر علیہ السلام اس میں داخل ہوں کہ وہ بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں اور وہ یہ زمانہ پائیں گے کہ ان کی وفات بالکل قیامت سے متصل ہوگی ۳ ظاہر یہ ہے کہ یہ قبول نہ کرنا غنا کی وجہ سے ہوگا کہ سارے لوگ اتنے مالدار ہو جائیں گے کہ آسانی سے کوئی زکوۃ لینے والا نہ ملے گا۔ اس حدیث کی روشنی سے معلوم ہو رہا ہے کہ اس وقت بھی فقیر ملیں گے تو مگر بہت تلاش اور دشواری سے ورنہ مالداروں پر زکوۃ فرض نہ رہتی۔ جیسے جس کے اعضائے وضو ایسے زخمی ہوں جن پر نہ پانی پہنچ سکے نہ تیمم کا ہاتھ پھر سکے' تو اس پر وضو اور تیمم دونوں معاف ہو جاتے ہیں۔ یہاں مرقاۃ نے فرمایا کہ اس زمانہ کے لوگ زاہد' صابر اور تارک الدنیا ہو جائیں گے جو زکوۃ لینا پسند کریں گے ہی نہیں۔ واللہ اعلم

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّ الصَّدَقَةِ اَعْظَمُ اَجْرًا قَالَ اَنْ تَصَدَّقَ وَاَنْتَ صَحِيْحٌ شَحِيْحٌ تَخْشَى الْفَقْرَ وَتَاْمُلُ الْغِنٰى وَلَا تُمْهِلَ حَتّٰى

(۱۷۷۳) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ کس صدقہ کا بڑا ثواب ہے ۱ فرمایا یہ کہ تم اپنی تندرستی اور بخل کی حالت میں صدقہ کرو جبکہ تمہیں فقیری کا ڈر اور امیری کی امید ہو ۲

اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ قُلْتَ لِفُلاَنٍ كَذَا وَلِفُلاَنٍ كَذَا وَقَدْ كَانَ لِفُلاَنٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور اتنی دیر نہ لگاؤ کہ جب جان گلے میں پہنچے تو تم کہو کہ فلاں کو اتنا دینا اور فلاں کو اتنا[۳] حالانکہ وہ فلاں کا ہو ہی چکا[۴] (مسلم بخاری)

(۱۷۷۳) [۱] ظاہر یہ ہے کہ صدقہ سے مراد صدقہ نفلی ہے۔ چونکہ یہ بہت سی قسم کا ہوتا ہے اور اس کے مختلف حالات ہوتے ہیں۔ اس لیے انہوں نے یہ سوال کیا یعنی کس وقت کی کونسی خیرات بہتر ہے۔ مسجد بنانا کنواں یا سرائے تیار کرنا یا کسی کو کھانا یا کپڑا دینا وغیرہ [۲] نہایت حکیمانہ جواب ہے یعنی تندرستی کا ہر صدقہ افضل ہے کیونکہ اس وقت خود اپنے کو بھی مال کی ضرورت ہوتی ہے۔ بخل سے مراد فطری محبت مال ہے۔ یعنی تندرستی میں جب تمہیں خود بھی ضرورت ہے اپنی ضرورت پر دیں یا فقیر کی ضرورت کو مقدم رکھنا بڑی ہمت ہے اور اس کی بارگاہ الٰہی میں بڑی قدر ہے۔ شیطان بھی اسی وقت بہکاتا ہے کہ ارے تیرے سامنے اتنے خرچ ہیں مت خیرات کر [۳] ظاہر یہ ہے کہ فلاں سے مراد موصے لہ ہے جس کیلئے وصیت کی جائے اور اتنے سے مراد مال کی مقدار ہے۔ یعنی تم وارثوں سے کہو کہ میرا اتنا مال میرے بعد فلاں فلاں جگہ خرچ کرنا اور ممکن ہے کہ فلاں سے مراد مقرلہ ہو یا وارث کیونکہ وارث کو وصیت جائز ہے جبکہ دوسرے ورثاء راضی ہوں (اشعہ وغیرہ) [۴] یہاں فلاں سے مراد وارثین ہیں۔ یعنی اب تم وصیت کرو یا نہ کرو تمہارے پاس سے مال چلدیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرض الموت کی حالت ہی میں بیمار کے مال میں وارثوں کا حق ہو جاتا ہے۔ اسی لیے فقہاء فرماتے ہیں کہ یہ بیمار صرف تہائی مال کی وصیت کر سکتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اس حالت کے صدقہ وخیرات کا ثواب بہت کم ہے کیونکہ اب خود اسے ضرورت نہ رہی۔ انسان کو چاہیے کہ تندرستی اور زندگی کو غنیمت سمجھے جو ہو سکے نیکیاں کر لے۔ شعر:

توشہ اعمال اپنا ساتھ لے جاؤ ابھی
کون پیچھے قبر میں بھیجے گا سوچو تو سہی

بعد مرنے کے تمہیں اپنا پرایا بھول جائے
فاتحہ کو قبر پر پھر کوئی آئے یا نہ آئے

وَعَنْ اَبِىْ ذَرٍّ قَالَ انْتَهَيْتُ اِلَى النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ جَالِسٌ فِىْ ظِلِّ الْكَعْبَةِ فَلَمَّا رَاٰنِىْ قَالَ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ فَقُلْتُ فِدَاكَ اَبِىْ وَاُمِّىْ مَنْ هُمْ قَالَ هُمُ الْاَكْثَرُوْنَ اَمْوَالًا اِلَّا مَنْ قَالَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ وَعَنْ يَمِيْنِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۷۷۴) روایت ہے حضرت ابی ذر سے فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا حضور کعبہ کے سایہ میں جلوہ گر تھے جب حضور نے مجھے دیکھا تو فرمایا رب کی قسم وہ لوگ بڑے خسارہ میں ہیں[۱] میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر فدا وہ کون لوگ ہیں۔ فرمایا بڑے مالدار لوگ بجز اس کے جو یوں اور یوں[۲] اور یوں دے یعنی آگے پیچھے دائیں بائیں اور وہ ہیں بہت تھوڑے[۳] (مسلم بخاری)

(۱۷۷۴) [۱] حضرت ابوذر غفاری وہ ہیں جنہوں نے امیری پر لات مار کر فقیری اختیار کی تھی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہمت افزا کلام ان کی عزت افزائی کیلئے فرمایا یعنی اے ابوذر! تم خسارہ میں نہیں، خسارہ میں عموماً مالدار لوگ ہیں [۲] یہاں قال بمعنی فعل ہے اور فعل سے مراد صدقہ وخیرات، یہ محاورہ عربی میں بہت عام ہے (لمعات) یعنی وہ سخی جو بلا گنتی دونوں ہاتھ بھر بھر کر نیکیوں میں خرچ کرے خسارہ میں نہیں [۳] ان چار سمتوں سے مراد ہر نیکی ہر جگہ نیکی ہر حال میں نیکی کرنا ہے۔ اپنے وطن میں بھی خرچ کرے۔ حرمین شریفین میں بھی بھیجے جہاں مسلمانوں کو یا اسلام کو ضر[illegible] تعالیٰ فرماتا ہے: وَقَلِيْلٌ مِّنْ

عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ (۳۴:۱۳) اور میرے بندوں میں کم ہیں شکر والے (کنزالایمان) عموماً مالداروں پر فضول خرچیوں بدکاریوں اور عیاشیوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اللہ تعالٰی عثمان غنی کے خزانہ کا پیسہ عطا فرمائے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ
تیسری فصل

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ السَّخِیُّ قَرِیْبٌ مِّنَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْجَنَّةِ قَرِیْبٌ مِّنَ النَّاسِ بَعِیْدٌ مِّنَ النَّارِ وَالْبَخِیْلُ بَعِیْدٌ مِّنَ اللّٰهِ بَعِیْدٌ مِّنَ الْجَنَّةِ بَعِیْدٌ مِّنَ النَّاسِ قَرِیْبٌ مِّنَ النَّارِ وَلَجَاهِلٌ سَخِیٌّ اَحَبُّ اِلَی اللّٰهِ مِنْ عَابِدٍ بَخِیْلٍ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

(۱۷۷۵) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سخی اللہ سے قریب ہے جنت سے قریب ہے لوگوں سے قریب ہے آگ سے دور ہے[1] اور کنجوس اللہ سے دور ہے جنت سے دور ہے لوگوں سے دور ہے آگ کے قریب ہے اور یقیناً جاہل سخی کنجوس عابد سے افضل ہے[2] (ترمذی)

(۱۷۷۵)[1] ہم سخی اور جواد کا فرق پہلے بیان کر چکے ہیں۔ یہاں مرقاۃ نے فرمایا کہ حقیقی سخی وہ ہے جو غنا پر رب تعالٰی کی رضا کو ترجیح دے۔ اس کے تین قرب بیان ہوئے اور ایک دوری' اللہ تعالٰی تو ہر ایک سے قریب ہے لیکن اس سے قریب کوئی کوئی ہے۔ شعر:

یار نزدیک تر از من بمعنی است   ویں عجب بیں کہ من از وے دورم

اس حدیث میں اشارۃً فرمایا گیا کہ سخاوت مال حسن مال یعنی انجام بخیر کا ذریعہ ہے۔ سخی سے مخلوق خود بخود راضی رہتی ہے۔ حکایت: کسی عالم سے پوچھا گیا کہ سخاوت بہتر ہے یا شجاعت' فرمایا خدا تعالٰی جسے سخاوت دے' اسے شجاعت کی ضرورت ہی نہیں۔ لوگ خود بخود اس کے سامنے چت ہو جائیں گے۔ چونکہ صدقہ غضب کی آگ بجھاتا ہے۔ اس لیے سخی دوزخ سے دور ہے۔[2] یہاں عابد سے مراد عالم عابد ہے جیسا کہ جاہل کے مقابلے سے معلوم ہو رہا ہے۔ یعنی جو شخص عالم بھی ہو عابد بھی مگر ہو کنجوس کہ نہ زکوۃ دے نہ صدقات نافلہ ادا کرے وہ یقیناً سخی جاہل سے بدتر ہو ہوگا۔ کیونکہ وہ عالم حقیقۃً بے عمل ہے بخل بہت سے فسق پیدا کر دیتا ہے اور سخاوت بہت خوبیوں کا تخم ہے۔ بلکہ وہ عابد بھی کامل نہیں' کیونکہ عبادت مالی یعنی زکوۃ وغیرہ ادا نہیں کرتا۔ صرف جسمانی عبادت ذکر و فکر پر قناعت کرتا ہے جس میں کچھ خرچ نہ ہو۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَاَنْ یَّتَصَدَّقَ الْمَرْءُ فِیْ حَیٰوتِهٖ بِدِرْهَمٍ خَیْرٌ لَّهٗ مِنْ اَنْ یَّتَصَدَّقَ بِمِائَةٍ عِنْدَ مَوْتِهٖ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

(۱۷۷۶) روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انسان کا اپنی زندگی میں ایک درہم خیرات کرنا مرتے وقت سو خیرات کرنے سے بہتر ہے[1] (ابوداؤد)

(۱۷۷۶)[1] زندگی سے مراد تندرستی کی زندگی ہے اور موت کے وقت سے مراد مرض الموت ہے۔ جب زندگی کی آس ٹوٹ جاتی ہے۔ یعنی تندرستی میں تھوڑا مال خیرات کرنا مرتے وقت کے بہت مال کی خیرات سے بہتر ہے۔ کیونکہ تندرستی کی خیرات میں نفس پر جہاد بھی ہے اور مرتے وقت کی خیرات میں اپنا نقصان نہیں بلکہ اپنے وارثوں کو نقصان پہنچانا ہے۔ اس کی پوری شرح ابھی پہلے ہو چکی ہے۔

وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الَّذِیْ یَتَصَدَّقُ عِنْدَ مَوْتِہٖ اَوْ یُعْتِقُ کَالَّذِیْ یُھْدِیْ اِذَا شَبِعَ (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِیُّ وَالدَّارِمِیُّ وَالتِّرْمِذِیُّ وَصَحَّحَہٗ)

(۱۷۷۷)روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس کی مثال جو مرتے وقت خیرات یا آزاد کرے اس کی سی ہے جو اپنا پیٹ بھر جانے پر کسی کو ہدیہ دے[۱] (احمد نسائی' دارمی' ترمذی نے اسے صحیح کہا)

(۱۷۷۷)[۱] کہ اگر ہدیہ لینے والا غنی بھی ہو اور دینے والے کے اس طرز عمل سے خبردار بھی تو وہ اس کی قدر نہیں کرتا وہ سمجھتا ہے کہ اس نے اپنے نفس کو مجھ پر مقدم رکھا اور سمجھا کہ یہ بچی چیز برباد ہو جائے گی۔ لاؤ فلاں کو ہی بھیج دو۔ اسی طرح رب تعالٰی غنی بھی ہے اور ہماری نیتوں سے خبردار بھی' صدقات اس کی بارگاہ میں ہدیے ہیں اگر ان کی بارگاہ الٰہی میں قدر چاہتے ہو تو تندرستی میں بھیجو کہ وہاں اخلاص دیکھا جاتا ہے شعر:

مابروں رانِنگریم وقال را — مادروں رابنگریم وحال را

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَصْلَتَانِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِیْ مُؤْمِنٍ اَلْبُخْلُ وَسُوْءُ الْخُلْقِ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

(۱۷۷۸)روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں' فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مومن میں دو خصلتیں کبھی جمع نہیں ہوتیں کنجوسی اور بدخلقی[۱] (ترمذی)

(۱۷۷۸)[۱] یعنی ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی کامل مومن بھی ہو اور ہمیشہ کا بخیل اور بدخلق بھی' اگر اتفاقاً کبھی اس سے بخل یا بدخلقی صادر ہو جائے تو فوراً وہ پشیمان بھی ہو جاتا ہے۔ اس کے ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ مومن نہ بخیل ہوتا ہے نہ بدخلق' جس دل میں ایمان کامل جاگزیں ہو تو اس دل سے یہ دونوں عیب نکل جاتے ہیں (لمعات) خیال رہے کہ بدخلقی اور ہے غصہ کچھ اور' اللہ تعالٰی کیلئے غصہ کرنا عبادت ہے رب تعالٰی فرماتا ہے: اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ (۴۸'۲۹) کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل (کنزالایمان) ہماری اس شرح سے حدیث پر نہ یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ بعض مومن بخیل بھی ہوتے ہیں اور بدخلق بھی' کیونکہ وہ یا تو مومن کامل نہیں ہوتے یا ان کے یہ عیب عارضی ہوتے ہیں اور نہ یہ اعتراض رہا کہ یہ حدیث قرآن کیخلاف ہے کہ قرآن کریم نے بعض غصوں کی تعریف فرمائی ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ بَکْرِ نِ الصِّدِّیْقِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ خِبٌّ وَّلَا بَخِیْلٌ وَّلَا مَنَّانٌ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

(۱۷۷۹)روایت ہے حضرت ابوبکر صدیق سے[۱] فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت میں نہ تو فریبی آدمی جائے نہ کنجوس نہ احسان جتانے والا[۲] (ترمذی)

(۱۷۷۹)[۱] آپ کا نام شریف عبداللہ ابن عثمان (ابوقحافہ) ابن عامر ابن عمرو ابن کعب ابن سعد ابن تمیم ابن مرہ ہے۔ آپ ساتویں دادا یعنی مرہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتے ہیں۔ آپ کی کنیت ابوبکر اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عطا فرمائے ہوئے القاب صدیق اکبر اور عتیق ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام غزووں میں شریک رہے۔ اسلام سے پہلے اور اسلام لانے کے بعد کبھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہ ہوئے سب سے پہلے آپ ہی ہجرت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے یار غار کہلائے۔ آپ ہی افضل الخلق بعد الانبیاء ہیں۔ عثمان غنی آپ کی تبلیغ سے ایمان لائے۔ حضرت بلال اور عامر فہیرہ رضی اللہ عنہما جیسے شاندار صحابہ آپ کے آزاد کردہ غلام ہیں آپ چار پشت کے صحابی ہیں۔ ماں باپ صحابی خود اور سارے گھر

والے صحابی، ساری اولاد صحابی، پوتے نواسے صحابی، ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما آپ ہی کی دختر نیک اختر ہیں۔ آپ کے فضائل میں بہت آیات اتریں۔ ربّ تعالٰی نے آپ کو ثانی اثنین فرمایا یعنی زندگی وفات وقبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ثانی شعر:

یعنی اس افضل الخلق بعد الرسل — ثانی اثنین ہجرت پہ لاکھوں سلام

اسلام لانے والے رسول اللہ ہیں صلی اللہ علیہ وسلم اور پھیلانے والے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، فاروقی فتوحات کی بنیاد آپ ہی نے ڈالی آپ مکہ معظمہ میں واقعہ فیل سے دو سال پونے پانچ ماہ بعد پیدا ہوئے اور مدینہ منورہ میں بائیس جمادی الاخری ۱۳ھ منگل کی رات مغرب اور عشاء کے درمیان وفات پائی۔ آپ کی بیوی اسماء بنت عمیس نے آپ کو غسل دیا۔ عمر فاروق نے نماز جنازہ پڑھائی۔ ۶۳ سال عمر پائی۔ دو سال کچھ مہینے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں چھوٹے تھے۔ وہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پورے کیے اور پھر ہمیشہ کیلئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں گنبد خضراء کے اندر آرام فرما ہوگئے۔ آپ کے فضائل آسمان کے تاروں اور ریگستان کے ذروں سے زیادہ ہیں۔ آپ سے بہت کم احادیث مروی ہیں (اکمال وغیرہ) ۲؎ یعنی جو ان عیبوں پر مر جائے وہ جنتی نہیں کیونکہ وہ منافق ہے۔ مومن میں اولًا تو یہ عیب ہوتے نہیں اور اگر ہوں تو ربّ تعالٰی اسے مرنے سے پہلے توبہ نصیب کر دیتا ہے۔ یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ ایسا آدمی جنت میں پہلے نہ جائے گا۔ احسان جتانے سے طعنہ دینا مراد ہے۔ ورنہ بعض صورتوں میں احسان جتانا عبادت ہے جبکہ اس سے سامنے والے کی اصلاح مقصود ہو، ربّ تعالٰی فرماتا ہے: بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِیْمَانِ (۴۹،۱۷) بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمہیں اسلام کی ہدایت کی۔ (کنزالایمان)

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ شَرُّ مَا فِی الرَّجُلِ شُحٌّ هَالِعٌ وَّجُبْنٌ خَالِعٌ وَسَنَذْكُرُ حَدِیْثَ اَبِیْ هُرَیْرَةَ لَا یَجْتَمِعُ الشُّحُّ وَالْاِیْمَانُ فِیْ كِتَابِ الْجِهَادِ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰی

(۱۷۸۰) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آدمی کی بدترین خصلت گھبراہٹ والی کنجوسی اور ڈر والی بزدلی ہے ۱؎ (ابوداؤد) ہم حضرت ابوہریرہ کی یہ حدیث لا یجتمع الخ کتاب الجہاد میں بیان کریں گے۔ انشاء اللہ تعالٰی۔

(۱۷۸۰) ۱؎ یعنی انسان کے سارے عیبوں میں یہ دو عیب بدترین ہیں کہ جس سے صدہا عیب پیدا ہو جاتے ہیں۔ شح کے معنی پہلے عرض کیے جا چکے ہیں کہ یہ بخل اور حرص کا مجموعہ ہے۔ بڑی بزدلی وہ ہے جو انسان کو کفار کے ساتھ جہاد سے اور ابرار جیسے اعمال سے روکے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کی قید اس لیے لگائی کہ عورت میں یہ عیب اتنے برے نہیں جتنے مرد میں، کیونکہ یہ سخاوت اور بہادری کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ عَآئِشَةَ اَنَّ بَعْضَ اَزْوَاجِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قُلْنَ لِلنَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّنَا اَسْرَعُ بِكَ لُحُوْقًا قَالَ اَطْوَلُكُنَّ یَدًا فَاَخَذُوْا قَصَبَةً یَذْرَعُوْنَهَا وَكَانَتْ سَوْدَةُ اَطْوَلَهُنَّ یَدًا فَعَلِمْنَا بَعْدُ

(۱۷۸۱) روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض بیویوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم سب میں پہلے آپ سے کون ملے گی ۱؎ فرمایا تم میں لمبے ہاتھ والی ۲؎ انہوں نے بانس لے کر ہاتھ ناپنے شروع کر دیئے ۳؎ تو حضرت سودہ دراز

اِنَّمَا كَانَ طُوْلُ يَدِهَا الصَّدَقَةَ وَكَانَتْ اَسْرَعَنَا لُحُوْقًا بِهٖ زَيْنَبُ وَكَانَتْ تُحِبُّ الصَّدَقَةَ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّوَفِیْ رِوَايَةِ مُسْلِمٍ) قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْرَعُكُنَّ لُحُوْقًا بِیْ اَطْوَلُكُنَّ يَدًا قَالَتْ وَكَانَتْ يَتَطَاوَلْنَ اَيَّتُهُنَّ اَطْوَلُ يَدًا قَالَتْ فَكَانَتْ اَطْوَلَنَا يَدًازَيْنَبُ لِاَنَّهَا كَانَتْ تَعْمَلُ بِيَدِهَا وَتَتَصَدَّقُ

ہاتھ نکلیں بعد میں معلوم ہوا کہ درازی ہاتھ سے مراد صدقہ خیرات تھی ہم سب میں پہلے حضور کے پاس زینب سدھاریں اور وہ صدقہ خیرات بہت پسند کرتی تھیں ۴؎ (بخاری) مسلم کی روایت میں ہے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم میں سے پہلے مجھ سے وہ ملے گی جو لمبے ہاتھ والی ہو فرماتی ہیں کہ ازواج پاک جھگڑتی تھیں کہ کس کے ہاتھ لمبے ہیں فرماتی ہیں ہم سب میں لمبے ہاتھ والی زینب ہی ہیں کیونکہ وہ اپنے ہاتھ سے کام کرتی تھیں اور خیرات کرتی تھیں ۵؎

(۱۷۸۱)۱؎ یہ سوال چند سوالوں کا مجموعہ ہے۔ایک یہ کہ ہم میں سے ہر ایک کا وقت موت کب ہے۔دوسرے یہ کہ ہم سب کی موت کس حال میں ہوگی۔ایمان پر اور ایمان کے کس درجہ پر تیسرے یہ کہ ہماری بقیہ زندگی تقوی کے کس درجہ پر گزرے گی۔چوتھے یہ کہ بعد وفات ہمارا مقام کہاں ہوگا۔کیونکہ بعد وفات حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے وہی مل سکتا ہے جس کا خاتمہ ایمان پر ہو زندگی اعلی درجہ کے تقوی اور طہارت پر گزرے۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے۔ایک یہ کہ ازواج مطہرات کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ تعالٰی نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو علوم خمسہ عطا فرمائے ہیں کہ سرکار عطائے الٰہی سے ہر ایک کا وقت موت بھی جانتے ہیں اور ہر ایک کی سعادت وشقاوت سے بھی خبردار ہیں اور ہر ایک کے درجہ ایمان ومرتبہ تقوی سے بھی واقف ہیں۔بلکہ یہ بھی جانتے ہیں کہ بعد موت کس کا کیا درجہ ہوگا اور کون کہاں رہے گا۔کیوں نہ ہوتا کہ ان بیبیوں نے دیکھا تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر سے ایک دن پہلے زمین پر خط کھینچ کر بتادیا تھا کہ کل فلاں کافر یہاں مارا جائے گا اور فلاں یہاں دوسرے یہ کہ ازواج پاک حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد موت کی ایسی مشتاق تھیں جیسے عروس برات کی کیونکہ ان کیلئے موت لقائے حبیب کا ذریعہ تھی شعر:

آج پھولے نہ سمائیں گے کفن میں عاصی جسکے جویاں تھے ہے اس گل کے ملاقات کی رات

جاں تو جاتے ہی جائے گی قیامت یہ ہے کہ یہاں مرنے پہ ٹھہرا ہے نظارہ تیرا

۲؎ یعنی اے پاک بیبیو! تم سب ہی اعلی تقوی پر جیوگی۔کمال ایمان پر وفات پاؤ گی اور تم سب میرے ساتھ رہوگی۔مگر سب سے پہلے میرے پاس تم میں سے وہ پہنچے گی جو زیادہ سخی ہوگی۔اس جواب سے معلوم ہوا کہ مؤمن کامل مرتے ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچ جاتا ہے۔وصال بعد قیامت پر موقوف نہیں'نیز معلوم ہوا کہ جو بعد موت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنا چاہے وہ زندگی میں نیک اعمال اور صدقہ وخیرات زیادہ کرے ۳؎ یہ ہوئی خطائے اجتہادی'وہ بیبیاں یہ سمجھیں کہ ہاتھ سے یہ جسم کا ہاتھ مراد ہے ان بیبیوں نے اپنے ہاتھ خود ناپے تھے مگر تعظیم واحترام کیلئے اخذ واجمع مذکر فرمایا گیا جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے: وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِيْنَ (۶۶:۱۲) اور فرمانبرداروں میں ہوئی (کنزالایمان) اور شاعر کہتا ہے "اِنْ شِئْتَ حرمت النساء سواکم" قانتین بھی مذکر ہے اور کم بھی ۴؎ یعنی جسم کا ہاتھ تو حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا دراز تھا مگر سخاوت کا حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا لمبا تھا۔حضرت زینب کی وفات ۲۱ھ میں ہوئی۔آپ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی بیوی ہیں اور حضرت سودہ کی وفات ۲۴ھ میں اور عائشہ صدیقہ کی وفات ۵۷ھ میں ہے (مرقاۃ ولمعات) ۵؎ چنانچہ آپ اپنے ہاتھ سے کھالیں رنگتی تھیں انہیں بیچتی تھیں اور قیمت خیرات کردیتی تھیں [illegible] پہلے عرض کیا جاچکا ہے۔

ازواج مطہرات کا نان نفقہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذمہ ہے۔ کیونکہ وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں ہیں۔ لہذا حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا یہ محنت کرنا اپنے خرچ کیلئے نہ تھا بلکہ راہِ خدا میں خیرات کرنے کیلئے تھا۔ ان کا خیال تھا کہ اپنی محنت کا پیسہ خیرات کرنا زیادہ لائق ثواب ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لَّاَتَصَدَّقَنَّ بِصَدَقَۃٍ فَخَرَجَ بِصَدَقَتِہٖ فَوَضَعَھَا فِیْ یَدِسَارِقٍ فَاَصْبَحُوْا یَتَحَدَّثُوْنَ تُصُدِّقَ اللَّیْلَۃَ عَلٰی سَارِقٍ فَقَالَ اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ عَلٰی سَارِقٍ لَّا تَصَدَّقَنَّ بِصَدَقَۃٍ فَخَرَجَ بِصَدَقَتِہٖ فَوَضَعَھَا فِیْ یَدِ زَانِیَۃٍ فَاَصْبَحُوْا یَتَحَدَّثُوْنَ تُصُدِّقَ اللَّیْلَۃَ عَلٰی ذَانِیَۃٍ فَقَالَ اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ عَلٰی زَانِیَۃٍ لَّا تَصَدَّقَنَّ بِصَدَقَۃٍ فَخَرَجَ بِصَدَقَتِہٖ فَوَضَعَھَا فِیْ یَدِغَنِیٍّ فَاَصْبَحُوْ یَتَحَدَّثُوْنَ تُصُدِّقَ اللَّیْلَۃَ عَلٰی غَنِیٍّ فَقَالَ اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ عَلٰی سَارِقٍ وَّزَانِیَۃٍ وَّ غَنِیٍّ فَاُتِیَ فَقِیْلَ لَہٗ اَمَّا صَدَقَتُکَ عَلٰی سَارِقٍ فَلَعَلَّہٗ اَنْ یَّسْتَعِفَّ عَنْ سَرَقَتِہٖ وَاَمَّا الزَّانِیَۃُ فَلَعَلَّھَا تَسْتَعِفَّ عَنْ زِنَاھَا وَاَمَّا الْغَنِیُّ فَلَعَلَّہٗ یَعْتَبِرُ فَیُنْفِقَ مِمَّا اَعْطَاہُ اللّٰہُ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَلَفْظُہٗ لِلْبُخَارِیِّ)

(۱۷۸۲) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک آدمی بولا میں خیرات کروں گا[۱] وہ اپنا صدقہ لے کر نکلا تو کسی چور کے ہاتھ میں دے دیا[۲] لوگ صبح کو چرچا کرنے لگے کہ آج رات چور کو خیرات دی گئی وہ بولا الٰہی تیرا شکر ہے چور پر صدقہ[۳] اب پھر صدقہ کروں گا اپنا صدقہ لے کر نکلا تو ایک زانیہ کے ہاتھ میں دے دیا[۳] لوگ صبح کو چرچا کرنے لگے کہ آج رات زانیہ کو صدقہ دیا گیا[۴] وہ بولا الٰہی تیرا شکر ہے کہ زانیہ کو خیرات میں اور صدقہ کروں گا پھر وہ اپنا صدقہ لے کر چلا تو کسی مالدار کے ہاتھ میں دے دیا۔[۵] لوگ صبح کو چرچا کرنے لگے کہ آج رات غنی کو صدقہ دیا گیا[۶] وہ بولا الٰہی تیرا شکر ہی ہے کیا چور پر زانیہ پر اور غنی پر[۷] اسے جواب میں کہا گیا کہ تیری خیرات چور پر تو شاید وہ چوری سے باز رہے لیکن زانیہ تو شاید وہ زنا سے باز رہے لیکن غنی تو شاید وہ عبرت پکڑے اور اللہ کے دیئے میں سے کچھ خیرات کرے[۸] (مسلم بخاری) لفظ بخاری کے ہیں۔

(۱۷۸۲)[۱] یعنی تم سے پہلے ایک بنی اسرائیل نے اپنے دل میں کہا یا اپنے دوستوں یا گھر والوں پر اپنا یہ ارادہ ظاہر کیا یا رب تعالٰی کی بارگاہ میں عرض کیا کہ آج میں خیرات دوں گا۔ ظاہر یہ ہے کہ خیرات سے نفلی صدقہ مراد ہو ممکن ہے اس نے کوئی نذر مانی ہو جس کے پورا کرنے کا ارادہ کیا[۲] یعنی رات کے اندھیرے میں اکیلے میں ایک شخص کو فقیر جان کر خیرات دے دی۔ اس نے لوگوں میں پھیلا دیا کہ مجھے ایک آدمی خیرات دے گیا۔ جیسا کہ آوارہ لوگوں کا طریقہ ہے کہ دھوکا دینے پر فخر کرتے ہیں اور دھوکا کھانے والے کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اس کا لوگوں میں چرچا ہو گیا۔ مرقاۃ نے فرمایا ممکن ہے کہ لوگوں کو یہ خبر الہام الٰہی سے معلوم ہوئی ہو۔ اور ہوسکتا ہے کہ کوئی فرشتہ شکل انسانی میں آکر لوگوں سے یہ کہہ گیا ہو۔ غرضیکہ اس کا چرچا ہو گیا[۳] یہ کلمہ تعجب کا ہے یعنی وہ شخص صدقہ ضائع ہونے پر دل تنگ نہیں ہوا بلکہ خدا کا شکر ہی کیا۔ اور تعجب کے طور پر یہ کہا اللہ کے مقبول بندے مصیبت پر بھی شکر ہی کرتے ہیں[۴] یعنی میرا وہ صدقہ تو بیکار گیا کیونکہ صحیح مصرف پر نہ پہنچا جیسے کھاری زمین میں دانہ اس کی جگہ اور صدقہ دوں گا اس سے معلوم ہوا کہ اگر صدقہ صحیح جگہ نہ پہنچے تو واپس نہ لے بلکہ اس کی بجائے اور صدقہ دے۔ چونکہ آج بھی صدقہ چھپانے کیلئے اندھیری رات ہی میں نکلا تھا اس لیے ایک فاسقہ زانیہ عورت کو مسکین جان کر خیرات دے دی اور دھوکا کھا گیا[۴] اس چرچا کی وجہ ابھی بیان کر دی گئی کہ یا خود زانیہ نے ہی لوگوں میں پھونکا یا فرشتہ کے ذریعہ اس کا

اعلان ہوگیا۵؎ اسے فقیر سمجھ کر یہ مالدار کوئی کنجوس تھا جو پھٹے پرانے کپڑے پہنے تھا اور حریص بھی کہ جانتے ہوئے خیرات لے لی۔ جیسا کہ آج کل بھی کنجوسوں کو دیکھا جاتا ہے۔ لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ دینے والے نے دھوکا کیسے کھایا اور لینے والے نے غنی ہونے کے باوجود خیرات لے کیوں لی۔ موجودہ زمانہ کے حالات دیکھتے ہوئے ان اعتراضوں کی گنجائش ہی نہیں۶؎ ظاہر یہ ہے کہ غنی نے خود کسی سے نہ کہا ہوگا کہ کنجوس حریص لوگ ان باتوں کا چرچا نہیں کرتے بلکہ چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ اعلان فرشتہ ہی کے ذریعہ ہوا ہوگا۔ ۷؎ یعنی مولیٰ میں کیا صورت کروں کہ صدقہ صحیح جگہ پہنچے تین دفعہ خیرات کر چکا ہر بار بیکار ہی گئی ۸؎ خلاصہ یہ ہے کہ تیرے یہ تینوں صدقے کارآمد ہیں کوئی بیکار نہ گیا۔ چور اور زانیہ کیلئے تو گناہوں سے بچنے کا ذریعہ بنے گا اور غنی کیلئے سخاوت کی تبلیغ ہوگا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر غلطی سے زکوٰۃ غیر مصرف پر خرچ کردی جائے مثلاً کسی کو فقیر سمجھ کر زکوٰۃ دی پھر پتا لگا وہ غنی ہے تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔ اس کا اعادہ واجب نہیں، طرفین کا یہی قول ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث بھی ہے کیونکہ یہاں اسے چوتھی بار صدقہ دینے کا حکم نہیں دیا گیا مگر تمام ائمہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں صدقہ واپس نہ لے ہاں اس میں اختلاف ہے کہ خود لینے والے کو یہ مال حلال ہے یا نہیں قوی یہ ہے کہ اگر اس نے غلطی سے لے لیا ہے تو حلال ہے۔ دانستہ لیا ہے تو حرام، اس کی دلیل حضرت معن ابن یزید کی وہ حدیث ہے جو بخاری نے روایت کی کہ فرماتے ہیں میرے والد نے صدقہ کے کچھ دینار مسجد میں رکھے میں نے اٹھا لیے پھر یہ واقعہ بارگاہ نبوی میں پیش ہوا۔ تو حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا اے یزید تمہارے لیے تمہاری نیت اور اے معن جو تم نے لیا وہ تمہارا ہے (فتح القدیر و مرقاۃ)

وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَا رَجُلٌ بِفَلَاةٍ مِّنَ الْاَرْضِ فَسَمِعَ صَوْتًا فِيْ سَحَابَةٍ اِسْقِ حَدِيْقَةَ فُلَانٍ فَتَنَحّٰى ذٰلِكَ السَّحَابُ فَاَفْرَغَ مَاءَهٗ فِيْ حَرَّةٍ فَاِذَا شَرْجَةٌ مِّنْ تِلْكَ الشِّرَاجِ قَدِ اسْتَوْعَبَتْ ذٰلِكَ الْمَآءَ كُلَّهٗ فَتَتَبَّعَ الْمَآءَ فَاِذَا رَجُلٌ قَائِمٌ فِيْ حَدِيْقَتِهٖ يُحَوِّلُ الْمَآءَ بِمِسْحَاتِهٖ فَقَالَ لَهٗ يَاعَبْدَ اللّٰهِ مَااسْمُكَ قَالَ فُلَانٌ اَلْاِسْمُ الَّذِيْ سَمِعَ فِي السَّحَابَةِ فَقَالَ لَهٗ يَا عَبْدَاللّٰهِ لِمَ تَسْئَلُنِيْ عَنِ اسْمِيْ فَقَالَ اِنِّيْ سَمِعْتُ صَوْتًا فِي السَّحَابِ الَّذِيْ هٰذَا مَاءُهٗ يَقُوْلُ اِسْقِ حَدِيْقَةَ فُلَانٍ لِاِسْمِكَ فَمَا تَصْنَعُ فِيْهَا قَالَ اَمَّا اِذَا قُلْتَ هٰذَا فَاِنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى مَايَخْرُجُ مِنْهَا فَاَتَصَدَّقُ بِثُلُثِهٖ وَاٰكُلُ اَنَا وَعِيَالِيْ ثُلُثًا وَّاَرُدُّ فِيْهَا ثُلُثَهٗ

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۱۷۸۳) روایت ہے انہی سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ ایک شخص کسی زمین کے جنگل میں تھا اس نے بادل میں آواز سنی۱؎ کہ فلاں کے باغ کو سیراب کر یہ بادل ایک طرف گیا اور پتھریلی زمین پر پانی برسایا۲؎ تو نالیوں میں سے ایک نالی نے یہ سارا پانی جمع کرلیا تب یہ شخص اس پانی کے پیچھے چل دیا دیکھا کہ ایک شخص اپنے باغ میں کھڑا ہوا بیلچے سے پانی باغ میں پھیر رہا ہے۳؎ اس نے پوچھا کہ اے اللہ کے بندے تیرا نام کیا ہے وہ بولا فلاں یعنی وہ ہی نام جو اس نے بادل میں سنا تھا۴؎ اس نے پوچھا اے اللہ کے بندے تو میرا نام کیوں پوچھتا ہے تو یہ بولا کہ میں نے اس بادل میں جس کا یہ پانی ہے ایک آواز سنی تھی کہ کوئی تیرا نام لے کر کہہ رہا تھا کہ فلاں کے باغ کو سیراب کرو تو اس میں کیا نیکی کرتا ہے۵؎ وہ بولا کہ جب تو پوچھتا ہے تو بتاتا ہوں کہ میں اس باغ کی پیداوار میں غور کرتا ہوں تو تہائی خیرات کردیتا ہوں اور تہائی میں اور میرے بال بچے کھاتے ہیں اور تہائی اس میں دوبارہ خرچ کردیتا ہوں۶؎ (مسلم)

(۱۷۸۳)۱؎ شاید یہ شخص اس زمانہ کے اولیاء میں سے ہوگا جس نے فرشتہ کی یہ آواز سنی اور سمجھ بھی لیا۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ بادل کی گرج

ہی تھی۔گرج فرشتہ کی آواز ہی ہوتی ہے جو بادلوں کو احکام دیتا ہے۲؎ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ بادل پر فرشتہ مقرر ہے جس کے حکم سے، بادل آتے جاتے برستے اور کھلتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض نیک بندوں کے طفیل بدوں پر بھی بارش ہو جاتی ہے۳؎ سبحان اللہ اس نیک بندے کی کیسی عزت افزائی کی گئی کہ پانی ایک پتھریلے علاقہ پر برسایا گیا۔ پھر اسے ایک نالی میں جمع کیا گیا۔اس نالی کے ذریعہ اس کے باغ میں پانی پہنچایا گیا۔خود بادل اس باغ پر نہ برسایا گیا جیسے کہ گنہگار جو ایک بستی میں گناہ کر کے دوسری بستی میں کسی عالم کے پاس توبہ کرنے جارہا تھا رستہ میں مرگیا۔ ربّ تعالٰی نے حکم دیا کہ یہ جس بستی سے قریب ہو اسی کے احکام اس پر جاری کیے جائیں۔ ناپا گیا تو بالکل بیچ میں تھا۔تو گناہ کی بستی پیچھے ہٹائی گئی اور توبہ کی بستی آگے بڑھائی۔خود اس کی لاش کو حرکت نہ دی گئی۔اس کے احترام کی وجہ سے اس نالہ کے کنارے والے کھیتوں کو بھی اس کے طفیل پانی مل گیا ہوگا۴؎ غالب یہ ہے کہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی اس کا نام نہ بتایا بلکہ فلاں فرما دیا یہ راوی نہیں بھولے ہیں اور فلاں فرمانا اسی لیے ہے کہ نام لینے کی ضرورت نہ تھی۔اس سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے علمی یا کم علمی ثابت نہیں ہوتی ۵؎ یعنی ربّ تعالٰی کے ہاں تیری یہ عزت کہ تیرے نام کی دہائی بادلوں میں ہے اور تیرے لیے دور سے بادل لائے جاتے ہیں۔تیری کسی نیکی کی وجہ سے ہے بتا وہ خاص نیکی کون سی تو کرتا ہے۔معلوم ہوا کہ کسی کی چھپی ہوئی نیکیاں پوچھنا تاکہ خود بھی وہ نیکی کرے جائز بلکہ بہتر ہے۔قرآن پاک جو فرماتا ہے: ولا تجسسوا وہاں لوگوں کی عیب جوئی مراد ہے یعنی لوگوں کے خفیہ عیب مت ڈھونڈو' لہٰذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں ۶؎ یعنی میرے پاس اور تو کوئی نیکی نہیں' صرف یہ ہے کہ اس کی پیداوار گناہ میں خرچ نہیں کرتا' اپنے بچوں سے روکتا نہیں' خدا کا حق بھولتا نہیں' ساری ایک دم خرچ نہیں کر دیتا' اس کا تہائی خیرات کرنا نفلی صدقہ بھی تھا۔ ورنہ بنی اسرائیل کے ہاں ہر مال کی زکوٰۃ چوتھائی حصہ تھی۔ ہمارے ہاں پیداوار کی زکوٰۃ دسواں یا بیسواں حصہ ہے اور چاندی سونے وغیرہ کی چالیسواں حصہ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اپنی خفیہ نیکیاں کسی کو بتانا تاکہ وہ بھی اس پر عمل کرے ریا نہیں بلکہ تبلیغ ہے فخر نہیں بلکہ ربّ تعالٰی کا شکر ہے۔

وَعَنْهُ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ ثَلٰثَةً مِّنْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ اَبْرَصَ وَاَقْرَعَ وَاَعْمٰی فَاَرَادَاللّٰهُ اَنْ یَّبْتَلِیَهُمْ فَبَعَثَ اِلَیْهِمْ مَلَکًا فَاَتَی الْاَبْرَصَ فَقَالَ اَیُّ شَیْءٍ اَحَبُّ اِلَیْكَ قَالَ لَوْنٌ حَسَنٌ وَّجِلْدٌ حَسَنٌ وَّیَذْهَبُ عَنِّی الَّذِیْ قَدْ قَذِرَنِیَ النَّاسُ قَالَ فَمَسَحَهٗ فَذَهَبَ عَنْهُ قَذَرُهٗ وَاُعْطِیَ لَوْنًا حَسَنًا وَّجِلْدًا حَسَناً قَالَ فَاَیُّ الْمَالِ اَحَبُّ اِلَیْكَ قَالَ الْاِبِلُ اَوْقَالَ الْبَقَرُ شَكَّ اِسْحٰقُ اِلَّا اَنَّ الْاَبْرَصَ وَالْاَقْرَعَ قَالَ اَحَدُهُمَا الْاِبِلُ وَقَالَ الْاٰخَرُ الْبَقَرُ قَالَ فَاُعْطِیَ نَاقَةً عُشَرَآءَ فَقَالَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِیْهَا قَالَ فَاَتَی الْاَقْرَعَ فَقَالَ اَیُّ شَیْءٍ اَحَبُّ اِلَیْكَ

(۱۷۸۴) روایت ہے ان ہی سے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ بنی اسرائیل میں تین شخص تھے کوڑھی گنجا اور اندھا اللہ تعالٰی نے ان کا امتحان لینا چاہا۱؎ تو ان کی طرف ایک فرشتہ بھیجا کوڑھی کے پاس آیا بولا تجھے کیا چیز پسند ہے وہ بولا اچھا رنگ اور اچھی کھال اور یہ بیماری جاتی رہے جس کی وجہ سے لوگ مجھ سے گھن کرتے ہیں۲؎ حضور نے فرمایا کہ فرشتہ نے اس پر ہاتھ پھیرا تو اس کی بیماری جاتی رہی اور اسے اچھا رنگ اچھی کھال دے دی گئی۳؎ فرشتہ بولا تجھے کونسا مال پسند ہے وہ بولا اونٹ یا حضور نے فرمایا گائے اسحاق کو شک ہے مگر کوڑھی اور گنجے میں سے ایک نے اونٹ کہا تھا اور دوسرے نے گائے۴؎ فرمایا کہ اسے گیابھن اونٹنی دے دی گئی۔ فرشتے نے کہا اللہ تجھے اس میں برکت دے۵؎ فرمایا کہ پھر فرشتہ گنجے

قَالَ شَعْرٌ حَسَنٌ وَّيَذْهَبُ عَنِّيْ هٰذَا الَّذِيْ قَدْ قَذِرَنِيَ النَّاسُ قَالَ فَمَسَحَهُ فَذَهَبَ عَنْهُ قَالَ وَاُعْطِيَ شَعْرًا حَسَنًا قَالَ فَاَيُّ الْمَالِ اَحَبُّ اِلَيْكَ قَالَ الْبَقَرُ فَاُعْطِيَ بَقَرَةً حَامِلًا قَالَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيْهَا قَالَ فَاَتَى الْاَعْمٰى فَقَالَ اَيُّ شَيْءٍ اَحَبُّ اِلَيْكَ قَالَ اَنْ يَّرُدَّ اللّٰهُ اِلَيَّ بَصَرِيْ فَاُبْصِرَ بِهِ النَّاسَ قَالَ فَمَسَحَهُ فَرَدَّ اللّٰهُ اِلَيْهِ بَصَرَهُ قَالَ فَاَيُّ الْمَالِ اَحَبُّ اِلَيْكَ قَالَ الْغَنَمُ فَاُعْطِيَ شَاةً وَّالِدًا فَاُنْتِجَ هٰذَانِ وَوَلَّدَ هٰذَا فَكَانَ لِهٰذَا وَادٍ مِّنَ الْاِبِلِ وَلِهٰذَا وَادٍ مِّنَ الْبَقَرِ وَلِهٰذَا وَادٍ مِّنَ الْغَنَمِ قَالَ ثُمَّ اِنَّهُ اَتَى الْاَبْرَصَ فِيْ صُوْرَتِهٖ وَهَيْاَتِهٖ فَقَالَ رَجُلٌ مِّسْكِيْنٌ قَدِ انْقَطَعَتْ بِيَ الْحِبَالُ فِيْ سَفَرِيْ فَلَا بَلَاغَ لِيَ الْيَوْمَ اِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ بِكَ اَسْاَلُكَ بِالَّذِيْ اَعْطَاكَ اللَّوْنَ الْحَسَنَ وَالْجِلْدَ الْحَسَنَ وَالْمَالَ بَعِيْرًا اَتَبَلَّغُ بِهٖ فِيْ سَفَرِيْ فَقَالَ الْحُقُوْقُ كَثِيْرَةٌ فَقَالَ اِنَّهُ كَاَنِّيْ اَعْرِفُكَ اَلَمْ تَكُنْ اَبْرَصَ يَقْذَرُكَ النَّاسُ فَقِيْرًا فَاَعْطَاكَ اللّٰهُ فَقَالَ اِنَّمَا وُرِّثْتُ هٰذَا الْمَالَ كَابِرًا عَنْ كَابِرٍ فَقَالَ اِنْ كُنْتَ كَاذِبًا فَصَيَّرَكَ اللّٰهُ اِلٰى مَا كُنْتَ قَالَ وَاَتَى الْاَقْرَعَ فِيْ صُوْرَتِهٖ فَقَالَ لَهٗ مِثْلَ مَاقَالَ لِهٰذَا وَرَدَّ عَلَيْهِ مِثْلَ مَارَدَّ عَلٰى هٰذَا فَقَالَ اِنْ كُنْتَ كَاذِبًا فَصَيَّرَكَ اللّٰهُ اِلٰى مَا كُنْتَ قَالَ وَاَتَى الْاَعْمٰى فِيْ صُوْرَتِهٖ وَهَيْئَتِهٖ فَقَالَ رَجُلٌ مِّسْكِيْنٌ وَّابْنُ سَبِيْلٍ نِ انْقَطَعَتْ بِيَ الْحِبَالُ فِيْ سَفَرِيْ فَلَا بَلَاغَ الْيَوْمَ اِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ بِكَ اَسْئَلُكَ بِالَّذِيْ رَدَّ عَلَيْكَ بَصَرَكَ شَاةً اَتَبَلَّغُ بِهَا فِيْ سَفَرِيْ فَقَالَ قَدْ كُنْتُ اَعْمٰى فَرَدَّ اللّٰهُ اِلَيَّ بَصَرِيْ فَخُذْ مَاشِئْتَ وَدَعْ مَا فَوَاللّٰهِ لَا اَجْهَدُكَ الْيَوْمَ بِشَيْءٍ اَخَذْتَهٗ لِلّٰهِ

کے پاس پہنچا اور پوچھا کہ تجھے کیا چیز پسند ہے وہ بولا اچھے بال اور یہ کہ میری بیماری جاتی رہے جس سے لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔فرمایا کہ فرشتے نے اس پر ہاتھ پھیرا تو اس کی گنج جاتی رہی۔ فرمایا کہ اسے اچھے بال دے دیئے گئے ۶ پوچھا تجھے کونسا مال پسند ہے بولا گائے تو اسے گیابھن گائے دی اور کہا کہ اللہ تجھے اس میں برکت دے۔فرمایا پھر وہ اندھے کے پاس پہنچا کہا تجھے کونسی چیز پسند ہے وہ بولا کہ اللہ مجھے میری آنکھیں لوٹا دے جس سے میں لوگوں کو دیکھوں فرمایا کہ اس نے اندھے پر ہاتھ پھیرا تو اللہ نے اس کی بینائی لوٹا دی۔ ۷ پھر پوچھا کہ تجھے کونسا مال پسند ہے کہا بکریاں اسے گیابھن بکری دے دی پھر ان دونوں جانوروں نے بچے دیئے اور یہ بھی بیاہی تو اس کے پاس اونٹوں کا جنگل ہوگیا اور اس کے پاس گایوں کا جنگل اور اس کے پاس بکریوں کا جنگل ۸ فرمایا پھر فرشتہ کوڑھی کے پاس اپنی اسی شکل وصورت میں آیا ۹ بولا مسکین آدمی ہوں بحالت سفر میرے سارے اسباب جاتے رہے ۱۰ تو اب اللہ کی توفیق پھر تیری مدد کے بغیر گھر نہیں پہنچ سکتا ۱۱ میں تجھ سے اس خدا کے نام پر ایک اونٹ مانگتا ہوں جس نے تجھے اچھا رنگ اچھی کھال اور مال دیا تاکہ میں اپنے سفر میں مقصد پر پہنچ جاؤں ۱۲ تو وہ بولا کہ حقوق مجھ پر بہت ہیں ۱۳ فرشتہ بولا میں شاید تجھے پہچانتا ہوں تو کوڑھی فقیر نہ تھا؟ کہ تجھ سے لوگ گھن کرتے تھے پھر تجھے اللہ نے مال دیا وہ بولا کہ میں تو اس مال کا پشت در پشت وارث ہوا ہوں ۱۴ فرشتہ بولا کہ اگر تو جھوٹا ہو تو اللہ تجھے جیسا تھا ویسا ہی کردے ۱۵ فرمایا پھر فرشتہ گنجے کے پاس اسی صورت میں آیا اور اس سے وہی کہا جو کوڑھی سے کہا تھا اور اس نے ویسا ہی جواب دیا جو اس نے دیا تھا ۱۶ فرشتہ بولا اگر تو جھوٹا ہو تو اللہ تجھے ویسا ہی کردے جیسا تو تھا۔فرمایا پھر وہ اپنی شکل وصورت میں اندھے کے پاس آیا بولا مسکین ومسافر ہوں میرے سفر میں اسباب منقطع ہوچکے ہیں آج خدا تعالیٰ کی پھر تیری مدد کے بغیر میں منزل تک نہیں پہنچ سکتا ۱۷ میں تجھ سے اس اللہ کے

فَقَالَ اَمْسِكْ مَالَكَ فَاِنَّمَا ابْتُلِيْتُمْ فَقَدْ رَضِيَ عَنْكَ وَسُخِطَ عَلٰى صَاحِبَيْكَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

نام پر جس نے تجھے آنکھیں لوٹائیں ایک بکری مانگتا ہوں جس کے ذریعہ اپنے سفر میں گھر پہنچ سکوں ۱۸؎ وہ بولا میں اندھا تھا اللہ نے مجھے روشنی لوٹائی تو جو چاہے لے لے اور جو چاہے چھوڑ دے رب کی قسم آج تو جو کچھ اللہ کے نام پر لے گا میں تجھے اس سے منع نہ کروں گا ۱۹؎ فرشتہ بولا اپنا مال رکھ تم سب کی آزمائش کی گئی ہے تجھ سے رب راضی ہوا اور تیرے دو یاروں سے ناراض ۲۰؎ (مسلم بخاری)

(۱۷۸۴) ۱؎ شفا اور مال دے کر اور پھر کچھ مال طلب فرما کر رب تعالٰی دے کر شکر کا امتحان لیتا ہے لیکن صبر کا یہ امتحان خود رب تعالٰی کے اپنے علم کیلئے نہیں ہوتا بلکہ دنیا والوں کے سامنے مثال قائم کرنے کیلئے تاکہ لوگ ان واقعات سے عبرت پکڑیں ۲؎ یہ فرشتہ شکل انسانی میں آیا تھا جیسا کہ حدیث کے اگلے مضمون سے ظاہر ہے غالبًا طبیب کی شکل میں ہوگا یا مقبول الدعاء ولی کی۔ تب ہی تو اس بیمار نے یہ خواہش ظاہر کی تاکہ وہ دوا یا دعا دے ۳؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ مقبولوں کے ہاتھ پھیرنے سے بیماریاں جاتی ہیں۔ مصیبتیں ٹل جاتی ہیں۔ بلکہ ان کے دھوون سے شفائیں ملتی ہیں۔ آب زمزم حضرت اسماعیل علیہ الصلوۃ والسلام کی ایڑی کا دھوون ہے جو تا قیامت شفاء ہے۔ حضرت ایوب علیہ الصلوۃ والسلام کے پاؤں کا غسالہ شفاء تھا۔ رب تعالٰی فرماتا ہے: اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ (۳۸:۴۲) ہم نے فرمایا زمین پر اپنا پاؤں مار یہ ہے ٹھنڈا چشمہ نہانے اور پینے کو (کنزالایمان) دوسرے یہ کہ بزرگوں کا تکلیف کی جگہ ہاتھ رکھ کر فیض دینا جائز ہے اور عمل سب امراض جائز ہے یعنی چھوکر بیماری دور کر دینا۔ ان کی اصل یہ حدیث ہے اسی لیے رب تعالٰی نے فرشتہ کے واسطہ سے اس کو شفا دی ۴؎ یعنی اسحاق ابن عبداللہ جو اس حدیث کے راویوں میں سے ایک راوی ہیں انہیں یہ شک ہوگیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کس کیلئے فرمایا اور گائے کس کیلئے' غالب یہ ہے کہ اس گنجے نے اونٹ ہی مانگا تھا کیونکہ آگے گائے کا ذکر جزم سے آرہا ہے ۵؎ عشراء ع کے پیش اور ش کے فتح سے عشر سے بنا بمعنی دس' دس ماہا حاملہ اونٹنی کو عشراء کہتے ہیں۔ پھر مطلقًا حاملہ کو عشراء کہنے لگے۔ بعد میں گھریار گھوڑے اور جانور وغیرہ پر یہ لفظ بولنے لگے (اشعہ) غالبًا کنبہ کو عشیرہ اسی واسطے کہتے ہیں کہ اس سے آدمی دسیوں گنا ہو جاتا ہے۔ فرشتے نے یہ اونٹنی قدرتی اس کو دی کہیں سے خرید کر یا کسی اور کا مال نہ دیا اس سے معلوم ہوا کہ اگر دست غیب میں فرشتے کے ذریعہ غیبی مال ملے تو حلال ہے اس کا ماخذ یہ حدیث ہے۔ جنات کا لایا ہوا حلال نہیں کہ وہ اکثر دوسروں کا چوری کر کے لے آتے ہیں۔ فرشتہ نے اسے خیرات بھی دی اور دعا بھی' اس دعا کی برکت سے ہی اس کا مال بہت بڑھا۔ جواد مال بھی دیتے ہیں اور دعا بھی شعر:

جب دینے کو بھیک آئے سرکوئے گدایاں لب پر یہ دعا تھی مرے منگتے کا بھلا ہو

۶؎ ظاہر یہ ہے کہ فرشتہ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا' کیونکہ شفا دینے کیلئے بیماری کی جگہ کو ہی چھوا جاتا ہے۔ حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتہ کے چھوتے ہی گنج بھی جاتی رہی اور کھال پر فورًا بال بھی اگ آئے اور بڑھ بھی گئے۔ دوسروں کے بالوں سے زیادہ خوش نما تھے جیسا کہ حسنا سے معلوم ہو رہا ہے۔ غرق فرعون کے دن حضرت جبریل کی گھوڑی کی ٹاپ جہاں پڑتی تھی وہاں سبزہ اگ آتا تھا۔ اسی خاک کو سامری نے سنبھال لیا۔ پھر فرعونی سونے کا بچھڑا بنا کر اس کے منہ میں ڈال دی' تو بچھڑے میں جان پیدا ہوگئی اور وہ چیخنے لگا رب تعالٰی فرماتا ہے: فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا (۲۰:۹۶) تو ایک مٹھی بھر لی فرشتے کے نشان سے پھر اسے ڈال دیا

(کنزالایمان) لہٰذا کوئی منکر حدیث اس پر یہ اعتراض نہیں کرسکتا کہ فرشتہ کے ہاتھ سے فوراً بال کیسے اگ سکتے ہیں اور جب نوری فرشتہ کا یہ فیض ہوسکتا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء امت کا فیض کیسا ہوگا مولانا فرماتے ہیں شعر

اے ہزاراں جبرئیل اندر بشر بہر حق سوئے غریباں یک نظر

یہ حدیث فیض ملائکہ کی بہترین دلیل ہے کہ یعنی فرشتہ کے ہاتھ لگاتے ہی اس کی دونوں آنکھیں روشن ہوگئیں۔اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے مقبول بندے اللہ کے حکم سے دافع البلاء ہوتے ہیں۔دیکھو گنج' کوڑھ' اندھاپن سخت بلائیں ہیں جوفرشتہ کے ہاتھ لگتے ہی جاتی رہیں۔یوسف علیہ السلام کی قمیص یعقوب علیہ السلام کی سفید آنکھ پر لگی تو آنکھ روشن ہوگئی (قرآن حکیم) عیسی علیہ اسلام نے اعلان عام فرمادیا تھا وَاُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ (۳،۴۹) اور میں شفا دیتا ہوں مادرزاد اندھے اور سفید داغ والے کو اور میں مردے جلاتا ہوں اللہ کے حکم سے (کنزالایمان) درود تاج میں جو آتا ہے دَافِعِ الْبَلَاءِ وَالْوَبَاءِ الخ اس کا ماخذ قرآن کریم کی یہ آیات اور احادیث ہیں۔جب اطباء کی گولیاں اور جنگل کی جڑی بوٹیاں دافع قبض' دافع جریان ہوسکتی ہیں۔ایک شربت کا نام شربت فریادرس ہوسکتا ہے تو کیا اللہ کے محبوبوں کا درجہ ان چیزوں سے بھی کم ہے۔۸؎ اس زمانہ میں جانوروں سے ہی مالداری ہوتی تھی تو مطلب یہ ہوا کہ یہ لوگ اپنے شہر کے بڑے مالدار بن گئے ۹؎ ظاہر یہ ہے کہ دونوں ضمیریں فرشتہ کی طرف لوٹ رہی ہیں اور صورت سے مراد اس فرشتہ کی پہلی وہ صورت ہے جس صورت میں دینے کے وقت آیا تھا۔مقصد یہ ہے کہ یہ شخص مال پاکر ایسا احسان فراموش ہوگیا کہ اس نے اپنے محسن کو ایسا کورا جواب دیا اور ہوسکتا ہے کہ ضمیر کا مرجع خود کوڑھی ہو یعنی یہ فرشتہ اس کوڑھی کی شکل میں آیا جو پہلے خود اس کی اپنی شکل تھی تاکہ یہ اپنا کوڑھ یاد کرکے اس پر رحم کرے۔پہلے معنی زیادہ واضح ہیں اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ فرشتے ہر شکل میں آسکتے ہیں۔دوسرے یہ کہ مغالطہ میں ڈال کر امتحان لینا جائز ہے۔یہ دھوکا نہیں بلکہ امتحان ہے۔۱۰؎ علمی لحاظ سے یہ جملہ خبر یہ نہیں تاکہ اسے جھوٹ کہا جائے' بلکہ تخییل ہے۔یہ تخییل امتحانات اور سوالات میں کام آتی ہے جیسے مسئلہ پوچھا جاتا ہے کہ زید نے اپنی بیوی کو طلاق دی حالانکہ شہر میں نہ کوئی زید ہوتا ہے نہ اس کی بیوی فقط صورت مسئلہ پیش کی جاتی ہے۔قرآن کریم فرمارہا ہے کہ داؤد علیہ السلام کے پاس دو فرشتے شکل انسانی میں آئے اور ان میں سے ایک بولا اِنَّ هٰذَا اَخِیْ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً (۳۸،۲۳) بے شک یہ میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں (کنزالایمان) میرے اس بھائی کے پاس ننانوے بکریاں ہیں اور میرے پاس ایک' حالانکہ وہاں نہ بکریاں تھیں نہ کوئی جھگڑا' لہٰذا اس پر یہ اعتراض نہیں کہ فرشتہ نے جھوٹ کیوں کہا ۱۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ رب تعالٰی کے ساتھ بندوں سے بھی امداد لینا جائز ہے اور بندے کا ذکر رب تعالٰی کے ساتھ ملا کر کرسکتے ہیں۔رب تعالٰی فرماتا ہے اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ (۹،۷۴) اللہ و رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کردیا (کنزالایمان) ۱۲؎ یعنی اپنے پرانے حال کو یاد کر اور اس تبدیلی حال کے شکریہ میں مجھے ایک اونٹ دے دے ۱۳؎ بال بچے' نوکر چاکر بہت رکھتا ہوں جن کے باعث خرچ زیادہ ہے انہیں کا پورا نہیں ہوتا' تجھے کہاں سے دوں ۱۴؎ اس سوال و جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کو اپنی اصلی فقیری اور گزشتہ مصیبتیں یاد ہونی چاہئیں کہ یہ شکر کا ذریعہ ہے اور بدنصیب ہے وہ شخص جو عیش یا طیش میں اللہ کو بھول جائے اور کسی کے یاد دلانے پر جھوٹ بولے ۱۵؎ یہ اگر مگر شک کیلئے نہیں بلکہ امتحان ہی کیلئے ہے۔ظاہر یہ ہے کہ فرشتہ کی یہ بددعا اسے لگی اور وہ پھر فقیر اور کوڑھی ہوگیا۔اس سے معلوم ہوا کہ فقیروں کے بھیس میں کبھی صاحب دل بھی آجاتے ہیں۔اسی لیے رب نے فرمایا:

وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ (۹۳،۱۰) اور منگتا کو نہ جھڑکو

خاکساران جہاں را بحقارت منگر   تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

۱۶؎ اپنی صورت کی شرح ابھی کی جا چکی ہے کہ اس سے مراد اس گنجے کی صورت ہے یعنی گنجا اور فقیر بن کر آیا تھا یا خود فرشتہ وہ صورت جس میں دیتے وقت آیا تھا۔اس سے مقصود گنجے کی ناشکری کا اظہار ہے۔ ۱۷؎ کیونکہ اللہ تعالٰی کی امداد حقیقی ہے اور بندے کی مجازی اس لیے ثم فرمایا گیا تاکہ دونوں مددوں میں فرق معلوم ہو۔حدیث شریف میں ہے یہ نہ کہو کہ اگر اللہ چاہے اور فلاں چاہے بلکہ یوں کہو اللہ چاہے پھر فلاں چاہے اور ہم ابھی عرض کر چکے ہیں کہ یہ حکم بھی استحبابی ہے ورنہ واؤ سے بھی کہہ سکتے ہیں جس کی دلیل قرآن شریف سے پیش کی گئی ۱۸؎ یا اس طرح کہ اس کو فروخت کر کے قیمت سے توشہ اور سواری حاصل کرلوں یا اس طرح کہ بکری کو اپنے ساتھ رکھوں اور اس کا دودھ پیتا اور فروخت کرتا ہوا چلا جاؤں۔دوسری معنی زیادہ ظاہر ہیں کہ اگر قیمت مقصود ہوتی تو اس سے پیسے ہی کیوں نہ مانگ لیتا۔لہٰذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ بکری سے سفر کیسے ہوگا وہ تو سواری کے لائق نہیں جیسا کہ منکرین حدیث کہتے ہیں ۱۹؎ عبارت حدیث سے دو چیزیں معلوم ہوتی ہیں۔ایک یہ کہ یہ شخص مادرزاد اندھا نہ تھا بلکہ پہلے انکھیارا تھا بعد میں نابینا ہوا۔ورنہ روشنی لوٹانے کے کیا معنی ہوتے نیز عربی میں مادرزاد اندھے کو اَکْمَہ کہتے ہیں اور عارضی اندھے کو اَعْمٰی' دوسرے یہ کہ یہ صدقہ فرضی نہ تھا بلکہ نفلی تھا کیونکہ صدقہ فرضی مقرر ہوتا ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سارا مال فقیر کے سامنے رکھ دینا جتنا چاہے وہ لے لے۔اول درجہ کی سخاوت ہے۔ ۲۰؎ سبحان اللہ یہ ہوا اس امتحان کا نتیجہ کہ وہ دونوں دنیوی واخروی غضب میں آ گئے کہ ان کا مال بھی گیا اور صحت بھی اور رب تعالٰی کی ناراضگی ان سب کے علاوہ ادھر اس نابینا کے پاس مال بھی رہا آنکھیں بھی' خدا کی رضا اس کے سوا' اس سے معلوم ہوا کہ نیکی کا ارادہ بھی اچھا ہے۔دیکھو اس سے صدقہ لیا نہ گیا مگر چونکہ وہ دینے پر تیار ہو گیا تھا اس لیے فائدہ پہنچ گیا۔

وَعَنْ اُمِّ بُجَیْدٍ قَالَتْ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ الْمِسْکِیْنَ لَیَقِفُ عَلٰی بَابِیْ حَتّٰی اَسْتَحِیِیَ فَلاَ اَجِدَ فِیْ بَیْتِیْ مَااَدْفَعُ فِیْ یَدِہٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِدْفِعِیْ فِیْ یَدِہٖ وَلَوْ ظِلْفاً مُّحَرَّقًا (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ)

(۱۷۸۵) روایت ہے حضرت ام بجید سے ۱؎ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ کوئی غریب میرے دروازہ پر کھڑا ہوتا ہے حتی کہ میں شرما جاتی ہوں ۲؎ اور اپنے گھر میں کچھ پاتی نہیں جو اس کے ہاتھ میں دوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے ہاتھ میں کچھ ضرور دے دو اگرچہ جلی کھری ہی ہو ۳؎ (احمد'ابوداؤد'ترمذی) ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(۱۷۸۵) ۱؎ آپ کا نام حواء بنت یزید ابن سکن ہے۔حضرت اسماء بنت یزید کی بہن ہیں۔صحابیہ ہیں انصاریہ ہیں ۲؎ یعنی میں اس کے بار بار سوال کرنے سے شرما جاتی ہوں اسے خالی لوٹانے میں غیرت آتی ہے اور پاس کچھ ہوتا نہیں جو دوں۔اس کشمکش میں کیا کروں۔اس میں فقراء کی شکایت نہیں ہے بلکہ شرعی مسئلہ پوچھنا ہے کہ ایسی مجبوریوں میں اسے منع کر دینا ناجائز تو نہیں ۳؎ جلی کھری فقط مثال کیلئے ہے۔مراد بہت معمولی غیر قیمتی چیز ہے یعنی یہ نہ سوچو کہ کوئی اعلیٰ چیز ہو تو ہی دوں بلکہ ادنیٰ چیز بھی دے ڈالو۔خیال رہے کہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مساکین کو کچھ نہیں دیا۔وہ تعلیم مسئلہ کیلئے تھا کہ بلاضرورت سوال جائز نہیں۔یہ تبلیغ تھی نہ کہ سائل کا رد'اس تعلیم کا نتیجہ یہ ہو گیا تھا کہ مدینہ پاک میں کوئی بھی شخص بلاسخت مجبوری مانگتا ہی نہ تھا۔حضرت ام بجید کو یہ ارشاد فرمایا کہ چونکہ اب مجبور و معذور لوگ ہی مانگتے ہیں لہٰذا انہیں محروم نہ پھیرا کرو لہٰذا یہ حدیث حکیم ابن حزام وغیرہ کی احادیث کیخلاف نہیں اب پیشہ ور سائلوں کو منع کر دینا بھی جائز

بلکہ ضروری ہے۔

وَعَنْ مَوْلًى لِعُثْمَانَ قَالَ اُهْدِيَ لِاُمِّ سَلَمَةَ بِضْعَةٌ مِّنْ لَّحْمٍ وَّكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْجِبُهُ اللَّحْمُ فَقَالَتْ لِلْخَادِمِ ضَعِيْهِ فِي الْبَيْتِ لَعَلَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْكُلُهٗ فَوَضَعَتْهُ فِيْ كُوَّةِ الْبَيْتِ وَجَآءَ سَائِلٌ فَقَامَ عَلَى الْبَابِ فَقَالَ تَصَدَّقُوْا بَارَكَ اللّٰهُ فِيْكُمْ فَقَالُوْا بَارَكَ اللّٰهُ فِيْكَ فَذَهَبَ السَّائِلُ فَدَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا اُمَّ سَلَمَةَ هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ اَطْعَمُهٗ فَقَالَتْ نَعَمْ قَالَتْ لِلْخَادِمِ اذْهَبِيْ فَاْتِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذٰلِكَ اللَّحْمِ فَذَهَبَتْ فَلَمْ تَجِدْ فِي الْكُوَّةِ اِلَّا قِطْعَةَ مَرْوَةٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِنَّ ذٰلِكَ اللَّحْمَ عَادَ مَرْوَةً لِّمَا لَمْ تُعْطُوْهُ السَّائِلَ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ)

(۱۷۸۶) روایت ہے حضرت عثمان کے غلام سے فرماتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ کو گوشت کا پارچہ ہدیہ بھیجا گیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گوشت مرغوب تھا تو انہوں نے خادم سے فرمایا۱ کہ اسے گھر میں رکھ چھوڑو تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھائیں خادمہ نے وہ طاق میں رکھ دیا ایک سائل آیا دروازہ پر کھڑا ہوا بولا اللہ تمہیں برکت دے۲ کچھ خیرات کرو گھر والوں نے کہا اللہ تجھے برکت دے سائل چلا گیا۳ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے فرمایا اے ام سلمہ کیا تمہارے پاس کچھ ہے جو ہم کھائیں۴ عرض کیا ہاں خادمہ سے بولیں جاؤ وہ گوشت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لاؤ وہ گئیں تو طاق میں پتھر کے ٹکڑے کے سوا کچھ نہ پایا۵ تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چونکہ تم نے سائل کو گوشت نہ دیا اس لیے وہ گوشت کا پتھر بن گیا۶

(بیہقی، دلائل النبوۃ)

(۱۷۸۶)۱ یہاں خادم سے مراد حضرت ام سلمہ کی لونڈی ہیں۔ خادم کا لفظ مرد وعورت دونوں پر بول دیا جاتا ہے۔ پتا نہیں لگا کہ یہ مولیٰ عثمان کون ہیں اور یہ خادمہ کون تھیں۔ مگر چونکہ تمام صحابہ عادل ہیں۔ کوئی ان میں فاسق نہیں۔ اس لیے ان کے نام معلوم نہ ہونا صحت حدیث کیلئے مضر نہیں اور نہ اس سے حدیث مجہول ہو۔۲ اس سے معلوم ہوا کہ سائل کا سوال کرتے وقت اہل خانہ کو دعائیں دینا بہتر ہے بعض بھکاری صرف دعائیں دیتے ہیں۔ بعض صرف اپنی محتاجی کا رونا روتے ہیں۔ بعض کو دیکھا گیا کہ صرف غزلیں اور قصیدے ہی پڑھتے ہیں۔ ہاں بھیک کی نیت سے آیات قرآنیہ پڑھنا سخت ممنوع ہے۔ دیکھو شامی وغیرہ۳ عرب میں یہ دستور ہے کہ جب سائل کو منع کرنا ہوتا ہے تو کبھی کہہ دیتے ہیں بارك الله فيك اور کبھی کہہ دیتے ہیں الله کریم اور کبھی کہتے ہیں الله یغنیك عمن سواه جیسے ہمارے ہاں کہہ دیتے ہیں معافی دے یا برکت ہے وغیرہ غرضیکہ سائل کو جھڑکنا نہیں چاہیے بلکہ نرم الفاظ میں اشارۃً ''کنایۃً'' منع کرنا چاہیے۔ جب وہ باز نہ آئے تو صاف صاف منع کرے کہ اب وہ سائل نہیں بلکہ اڑیل ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ سائل کو نہ جھڑکو۴ یعنی کچھ کھانا ہے جو ہم کھائیں۔ چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں کبھی کھانا ہوتا تھا کبھی نہیں اس لیے اس سوال کی نوبت آئی۔ نیز یہ سوال اگلے واقعہ کی تمہید ہے ورنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو خبر رہتی تھی کہ گھر میں کچھ ہے یا نہیں، کیوں نہ ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں: وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ (۴۹،۳) اور تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے اور جو اپنے گھروں میں جمع کر رکھتے ہو (کنزالایمان) جو کچھ تم کھاتے ہو میں تمہیں بتا سکتا ہوں یہاں کم ضمیر جمع ارشاد ہوئی احترام کیلئے یا سب گھر والوں سے خطاب ہے۔۵ مروہ عربی میں چھوٹے یا سفید پتھر کو کہتے ہیں۔ اس پتھر کو بھی کہتے ہیں جس سے آگ نکلتی ہے۔ یعنی چقماق

خلاصہ یہ ہے کہ خادمہ نے طاق میں بجائے گوشت کے وہ پتھر دیکھا جس کی رگڑ سے آگ پیدا ہوتی ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تمام باتوں کی خبر رہتی تھی جو آپ کے پیچھے گھروں میں ہوتی تھیں۔ گھر والوں نے بھکاری کے آنے جانے کا واقعہ عرض نہ کیا تھا مگر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے اس من وعن بیان فرما دیا۔ دوسرے یہ کہ بڑوں کے احکام اور ہیں چھوٹوں کے کچھ اور دیکھو صدقہ نفلی نہ دینا گناہ نہیں' بلکہ جب چیز تھوڑی ہو' گھر والوں کو بھی اس کی ضرورت ہو تو صدقہ نہ کرنا بہتر' مگر شان نبوت یہ تھی کہ ان کے دروازے سے کوئی محروم نہ جائے۔ اس لیے ربّ تعالٰی نے ان بزرگوں کو اس طرح متنبہ فرمایا شعر

موسیا آداب دانا دیگر اند سوختہ جان درداناں دیگر اند

حدیث شریف بالکل ظاہر پر ہے۔ اس میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔ گوشت مٹی میں رہ کر مٹی بن جاتا ہے تو ربّ تعالٰی کی قدرت سے پتھر بھی بن سکتا ہے۔ پچھلی امتوں میں مسخ ہوا۔ کوئی بندر یا سور بنی' بعض لوگ پتھر بن گئے۔ اگر ربّ تعالٰی نے اس گوشت کو مسخ کر کے پتھر بنا دیا تو کیا مشکل ہے غرضیکہ حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلاَ اُخْبِرُکُمْ بِشَرِّ النَّاسِ مَنْزِلاً قِیْلَ نَعَمْ قَالَ الَّذِیْ یُسْئَلُ بِاللّٰهِ وَلَا یُعْطِیْ بِهٖ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

(۱۷۸۷) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کیا میں تمہیں بدتر درجہ والے آدمی کی خبر نہ دوں عرض کیا گیا ہاں فرمایا وہ جس سے اللہ کے نام پر مانگا اور نہ دے۔ (احمد)

(۱۷۸۷) اس حدیث کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ سائل منگتا بدترین سائل ہیں جو لوگوں سے اللہ کے نام کا واسطہ دے کر مانگیں اور انہیں ملے کچھ بھی نہیں یعنی یسال بصیغہ معروف ہو۔ مطلب یہ ہوگا کہ ایسا سائل چونکہ ربّ تعالٰی کے نام پاک کی توہین کرتا ہے کہ ہر کس و ناکس سے اللہ کے نام پر مانگتا پھرتا ہے۔ کوئی دیتا ہے کوئی نہیں دیتا۔ معلوم ہوا کہ اللہ کے نام کو بھیک کا ذریعہ نہ بناؤ۔ دوسرے یہ کہ وہ شخص بدترین آدمی ہے جس سے سائل اللہ کے نام پر مانگے اور اس کا دل ربّ کے نام پر بھی نہ پگھلے اور اسے کچھ نہ دے۔ تب اس سے وہ صورت مراد ہوگی کہ سائل اضطرار و سخت مجبوری کی حالت میں ہو خدا کے نام کا واسطہ دے کر اپنی جان بچانے کیلئے مانگ رہا ہو اور یہ جان بوجھ کر کچھ نہ دے۔ چونکہ یہ نہایت سخت دل ہے اس لیے بدتر ہے۔ غرضیکہ پیشہ ور بھکاریوں کے متعلق نہیں ارشاد ہو رہا ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اَنَّهٗ اِسْتَاْذَنَ عَلٰی عُثْمَانَ فَاَذِنَ لَهٗ وَبِیَدِهٖ عَصَاهُ فَقَالَ عُثْمَانُ یَا کَعْبُ اِنَّ عَبْدَالرَّحْمٰنِ تُوُفِّیَ وَتَرَكَ مَالاً فَمَا تَرٰی فِیْهِ فَقَالَ اِنْ کَانَ یَصِلُ فِیْهِ حَقَّ اللّٰهِ فَلاَ بَاْسَ عَلَیْهِ فَرَفَعَ اَبُوْ ذَرٍّ عَصَاهُ فَضَرَبَ کَعْبًا وَّقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَا اُحِبُّ لَوْ اَنَّ لِیْ هٰذَا الْجَبَلَ ذَهَبًا اُنْفِقُهٗ وَیُتَقَبَّلُ مِنِّیْ اَذَرُ خَلْفِیْ مِنْهُ سِتَّ اَوَاقِیَّ اَنْشُدُكَ بِاللّٰهِ یَا عُثْمَانُ اَسَمِعْتَهٗ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ

(۱۷۸۸) روایت ہے حضرت ابوذر سے انہوں نے حضرت عثمان کی خدمت میں حاضری کی اجازت مانگی مل گئی ابوذر کے ہاتھ میں ان کی لاٹھی تھی۔ حضرت عثمان نے کہا اے کعب عبدالرحمٰن کی وفات ہوئی انہوں نے بہت مال چھوڑا۔ اس بارے میں تمہاری رائے کیا ہے فرمایا کہ اگر اس میں اللہ کا حق ادا کرتے ہوں تو کوئی حرج نہیں۔ تب ابوذر نے لاٹھی اٹھا کر کعب کو ماری اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ میرے پاس اس پہاڑ برابر سونا ہو جسے میں خیرات کروں اور وہ قبول ہو جائے کہ

قَالَ نَعَمْ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

اس سے چھ اوقیہ اپنے پیچھے چھوڑ دوں ۵ اے عثمان تمہیں اللہ کی قسم کیا تم نے حضور کو یہ کہتے سنا (تین بار فرمایا) آپ نے کہا ہاں ۶ (احمد)

(۱۷۸۸) ۱ کندھوں تک دراز لاٹھی تھی جوان کے ساتھ رہتی تھی۔ لاٹھی ساتھ رکھنا سنت ہے اور اس کے بہت فوائد ہیں ۲ یعنی عثمان غنی نے ابوذر غفاری کی موجودگی میں کعب احبار سے مسئلہ پوچھا کہ عبدالرحمٰن ابن عوف بہت مال چھوڑ کر وفات پا گئے ہیں تمہارا کیا خیال ہے۔ آیا مال جمع کرنا اور بال بچوں کیلئے چھوڑ جانا جائز ہے یا نہیں' مرقاۃ میں ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف نے دو لاکھ دینار چھوڑے تھے۔ خیال رہے کہ حضرت ابوذر غفاری زاہدترین صحابی تھے ان کا خیال تھا کہ شعر

تج ڈال مال و دھن کو کوڑی نہ رکھ کفن کو
جس نے دیا ہے تن کو دے گا وہی کفن کو

زُہد و ترک دنیا کی احادیث پر سختی سے عامل تھے اس لیے ان کی موجودگی میں یہ سوال و جواب ہوئے تاکہ وہ حکم شرعی اور زہد میں نیز تقویٰ وفتویٰ میں فرق کرلیں ۳ یعنی مال جمع رکھنا' بعد وفات چھوڑ جانا حلال ہے جبکہ اس سے زکوٰۃ' فطرہ' قربانی' حقوق العباد ادا کیے جاتے رہے ہوں۔ یہ کنز میں داخل نہیں جس کی قرآن کریم میں برائی آئی ہے ۴ یہ مارنا بحالت جذب تھا۔ آپ اپنے نفس پر قابو نہ پا سکے۔ چونکہ ابوذر بزرگ ترین صحابی تھے۔ تمام صحابہ آپ کا بہت احترام کرتے ان کی ناراضی یا مار پر ناراض نہ ہوتے تھے۔ جیسے آج بھی سعادت مند جوان محلہ کے بزرگوں کی سختی پر ناراض نہیں ہوتے اس لیے خلیفۃ المؤمنین نے ان سے قصاص کیلئے نہ کہا نہ حضرت کعب نے کچھ برا منایا ہو سکتا ہے کہ آپ کی یہ مار تادیب و سرزنش کیلئے ہو کہ تم تو کہہ رہے ہو کہ مال جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں حالانکہ امیر سخی بھی مسکینوں سے پانچ سو برس بعد جنت میں جائیں گے۔ حساب میں دیر لگے گی۔ یہاں مرقاۃ میں ہے کہ بعد میں حضرت عثمان نے ابوذر غفاری کو مدینہ منورہ سے مقام ربذہ میں بھیج دیا تھا۔ آپ تا وفات وہاں ہی رہے' کیونکہ آپ کی طبیعت بہت جلالی تھی۔ ۵ خلاصہ جواب یہ ہے کہ اے کعب تم تو کہتے ہو مال جمع کرنے میں حرج نہیں جبکہ اس سے فرائض ادا کر دیئے جائیں' مگر میں نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا مال سارے کا سارا خیرات کر دینا کچھ باقی نہ رکھنا سنت ہے اور جمع کرنا خلاف سنت کیا خلاف سنت میں حرج نہیں ہوتا' مگر یہ جود و سخا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے کہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے سب گھر والے سید المتوکلین تھے ۶ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حدیث سننے کا اقرار تو کیا مگر حدیث کا مطلب سمجھایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اپنے لیے فرمایا ہے۔ عام مسلمانوں کو اس کا حکم نہ دیا۔ محض احترام و ادب کیلئے کہ اگر میں نے یہ کیا تو جناب ابوذر جواب دینے کی کوشش کریں گے مجلس مناظرہ جم جائے گی اور آپ سے مناظرہ کرنا ہے نہیں۔

وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ صَلَّيْتُ وَرَآءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ الْعَصْرَ فَسَلَّمَ ثُمَّ قَامَ مُسْرِعًا فَتَخَطّٰى رِقَابَ النَّاسِ اِلٰى بَعْضِ حُجَرِ نِسَآئِهٖ فَفَزِعَ النَّاسُ مِنْ سُرْعَتِهٖ فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ فَرَاٰى اَنَّهُمْ قَدْ عَجِبُوْا مِنْ سُرْعَتِهٖ قَالَ ذَكَرْتُ

(۱۷۸۹) روایت ہے حضرت عقبہ ابن حارث سے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے مدینہ منورہ میں نماز عصر پڑھی آپ نے سلام پھیرا پھر تیزی سے کھڑے ہوئے ۱ لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے بعض بیویوں کے حجرے میں تشریف لے گئے ۲ لوگ حضور کی جلدی سے گھبرا گئے پھر واپس تشریف لائے تو

شَيْئًا مِّنْ تِبْرٍ عِنْدَنَا فَكَرِهْتُ اَنْ يَّحْبِسَنِيْ فَاَمَرْتُ بِقِسْمَتِهٖ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَّهٗ قَالَ كُنْتُ خَلَّفْتُ فِي الْبَيْتِ تِبْرًا مِّنَ الصَّدَقَةِ فَكَرِهْتُ اَنْ اُبَيِّتَهٗ

دیکھا کہ وہ آپ کی جلدی سے تعجب کر رہے ہیں۳ فرمایا مجھے اپنے پاس سونے کا پتر ا یاد آ گیا تو مجھے یہ ناپسند ہوا کہ وہ مجھے مشغول کرے میں نے اس کے تقسیم کر دینے کا حکم دے دیا۴ بخاری کی دوسری روایت میں یوں ہے کہ فرمایا میں نے گھر میں صدقہ کا پترا چھوڑا تھا تو رات کو اپنے گھر میں رکھنا ناپسند کیا۵

(۱۷۸۹)۱یعنی سلام پھیرتے ہی بغیر دعا مانگے بہت تیزی سے دولت خانہ میں تشریف لے گئے' کیونکہ ابھی آپ کو واپس آ کر دعا مانگنا تھا ورنہ بلاوجہ دعا کے بغیر مصلے سے چلا جانا نہیں چاہیے۲ معلوم ہوا کہ ضرورةً لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے مسجد سے نکل جانا جائز ہے۔ جیسے اگر امام کا دوران نماز میں وضو ٹوٹ جائے تو وہ دوسرے کو اپنا نائب مقرر کر کے گردنیں پھلانگتا ہوا ہی وضوگاہ تک پہنچے گا۔ جن احادیث میں گردنیں پھلانگنے کی ممانعت آئی ہے۔ وہاں بلا ضرورت پھلانگنا مراد ہے جیسے کوئی نماز کیلئے مسجد میں پہنچے' پھر لوگوں کو چیرتا ہوا اگلی صف میں جانے کی کوشش کرے۔ یہ ممنوع ہے لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں۳ صحابہ کرام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حال شریف کا بہت غور سے مطالعہ کرتے تھے اور ایسی معمولی جنبش پر دیوانہ وار گھبرا جاتے تھے۔ شروع مشکوٰۃ شریف میں آ چکا کہ اگر سرکار خلاف معمول کبھی غائب ہوتے تو مدینہ منورہ کی گلیوں اور آس پاس کے جنگلوں میں ڈھونڈنے نکل پڑتے تھے۔ آج خلاف معمول جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر دعا مانگے جاتے دیکھا تو گھبرا گئے۴ ظاہر یہ ہے کہ یہ سونے کا پترا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ملکیت تھا اور فوری ضرورت سے زیادہ تھا اس کا گھر میں رہنا بھی ناپسند آیا' فوراً خیرات کرا دیا۔ مشغول رکھنے میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ اس کی وجہ سے نماز میں دھیان بٹے کہ اسے کہاں سنبھالیں کہاں رکھیں۔ دوسرے یہ کہ رب تعالٰی سے قرب خاص میں یہ حارج ہو۔ یہاں حضرت شیخ نے فرمایا کہ ماسوی اللہ کی طرف التفات مقرب بندوں کو بھی مشغول کر لیتا ہے۔ یہ زہد اور ترک دنیا کی انتہا ہے کہ جو چیز یار سے آڑ بنے اسے پھاڑ دو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو فرزند کے گلے پر چھری چلا دی۔ حضرت ادھم نے اپنے بیٹے ابراہیم کیلئے دعا کی خدایا اسے موت دے دے کہ اسے چومنے کی وجہ سے میں ایک آن تجھ سے غافل ہو گیا۵ اگر یہ وہی واقعہ ہے تب تو یہ روایت اس کی تفسیر ہے جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ سونا آپ کے اپنے خرچ کا نہ تھا زکوٰۃ کا تھا اور اگر دوسرا واقعہ ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ کا مصرف پر جلد پہنچنا ضروری ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ كَانَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدِيْ فِيْ مَرَضِهٖ سِتَّةُ دَنَانِيْرَ اَوْ سَبْعَةٌ فَاَمَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اُفَرِّقَهَا فَشَغَلَنِيْ وَجْعُ نَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ سَاَلَنِيْ عَنْهَا مَا فَعَلَتِ السِّتَّةُ اَوْ السَّبْعَةُ قَالَتْ لَا وَاللّٰهِ لَقَدْ كَانَ شَغَلَنِيْ وَجْعُكَ فَدَعَا بِهَا ثُمَّ وَضَعَهَا فِيْ كَفِّهٖ فَقَالَ مَاظَنُّ نَبِيِّ اللّٰهِ لَوْ لَقِيَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَ هٰذِهٖ عِنْدَهٗ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

(۱۷۹۰) روایت ہے حضرت عائشہ سے آپ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مرض میں آپ کے میرے پاس چھ یا سات دینار تھے۱ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بانٹ دینے کا حکم دیا لیکن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری نے مجھے اس کی فرصت نہ دی پھر حضور نے اس کے بارے میں مجھ سے پوچھا کہ ان چھ سات دینار کا تم نے کیا کیا میں نے عرض کیا اللہ کی قسم آپ کی بیماری نے مشغول رکھا آپ نے وہ منگایا اسے اپنے ہاتھ پر رکھا فرمایا کہ اللہ کے نبی کا کیا خیال ہے اللہ سے اس حال میں ملے کہ یہ اس کے پاس ہو؟ (احمد)

(۱۷۹۰)۱؎ آپ کے اپنی ملکیت کے جیسا کہ لام سے معلوم ہو رہا ہے کہ صدقہ کرنے کی نیت سے رکھے ہوں یا خرچ کے ارادہ سے۲؎ یعنی حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عالی کے یہ لائق نہیں کہ گھر میں کچھ مملوک مال چھوڑ کر وفات پائیں۔ دل میں اللہ کا نور اور گھر میں اللہ کا نام کافی ہے۔اس حدیث سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ صدیق اکبر نے حضور علیہ السلام کی میراث تقسیم نہ کی ظلم کیا۔ حضور علیہ السلام نے مال چھوڑا ہی کیا تھا جو رہنے کا مکان تھا وہ بھی وقف ہو گیا۔اس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف بنا دی گئی خیال رہے کہ یہ واقعہ حدیث ہے سنت نہیں، سنت وہ واقعات ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعد فتح خیبر ازواج مطہرات کو ایک سال کا خرچ دے دیا کرتے تھے یا بعض صحابہ کو سب کچھ بلکہ آدھے مال کی خیرات سے منع فرمایا تہائی خیرات کی اجازت دی اور فرمایا اس سے کم خیرات کرنا بہتر ہے اپنے وارثوں کو غنی کر کے جاؤ شعر:

موسیا آداب دانا دیگراند سوختہ جان درداناں دیگراند

معلوم ہوا کہ حدیث وسنت میں بڑا فرق ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰى بِلَالٍ وَّعِنْدَهٗ صُبْرَةٌ مِّنْ تَمْرٍ فَقَالَ مَاهٰذَا یَا بِلَالُ قَالَ شَیْءٌ اِدَّخَرْتُهٗ لِغَدٍ فَقَالَ اَمَا تَخْشٰى اَنْ تَرٰى لَهٗ غَدًا بُخَارًا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَنْفِقْ بِلَالُ وَلَا تَخْشَ مِنْ ذِی الْعَرْشِ اِقْلَالًا

(۱۷۹۱) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال کے پاس تشریف لائے ان کے پاس کھجوروں کا ڈھیر تھا فرمایا اے بلال یہ کیا عرض کیا کہ اسے میں نے کل کیلئے جمع کیا ہے فرمایا کیا تمہیں اس سے خوف نہیں کہ تم کل اس کے سبب دوزخ کی آگ میں بخار قیامت کے دن دیکھو۱؎ اے بلال خرچ کرو اور عرش والے سے کمی کا خطرہ نہ کرو۔

(۱۷۹۱)۱؎ اس میں حضرت بلال کو انتہائی تقویٰ اور ترک دنیا کی تعلیم ہے اور توکل سے اعلیٰ توکل کی طرف ترقی دینا ہے یعنی اے بلال میں جس درجہ پر تمہیں پہنچانا چاہتا ہوں وہ جب ہی حاصل ہو گا جب کہ تم اپنے پاس اتنا بھی نہ رکھو تا کہ تمہیں قیامت کے دن اس کا حساب دینے میں کچھ بھی نہ ٹھہرنا پڑے۔ یہی مطلب ہے دوزخ کے بخار دیکھنے کا حضرت بلال اس وقت تن تنہا تھے۔اہل وعیال نہ رکھتے تھے۔آپ کے ذمہ کسی کے حقوق نہ تھے۔فرمایا اکیلے دم کیلئے جمع کرنے کی فکر کیوں لگاتے ہو۔رب ہمارے آستانے سے تمہیں دیئے جائے تم کھائے جاؤ۔صوفیائے کرام اپنے بعض مریدین کو بھی چلوں سے مجاہدہ کراتے ہیں۔اس زمانہ میں ترک دنیا ترک حیوانات کامل کراتے ہیں۔ان کی اصل یہ حدیث ہے۔یہ حدیث جمع دنیا کیخلاف نہیں، اگر مال جمع کرنا حرام ہوتا تو اسلام کا ایک رکن یعنی زکوۃ ہی فوت ہو جاتی کہ زکوۃ واجب ہی جب ہوتی ہے جب مسلمان کے پاس ایک سال تک بقدر نصاب مال جمع رہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ السَّخَاءُ شَجَرَةٌ فِی الْجَنَّةِ فَمَنْ كَانَ سَخِیًّا اَخَذَ بِغُصْنٍ مِّنْهَا فَلَمْ یَتْرُكْهُ الْغُصْنُ حَتّٰى یُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ وَالشُّحُّ شَجَرَةٌ فِی النَّارِ فَمَنْ كَانَ شَحِیْحًا اَخَذَ بِغُصْنٍ مِّنْهَا فَلَمْ یَتْرُكْهُ الْغُصْنُ حَتّٰى یُدْخِلَهُ النَّارَ

(۱۷۹۲) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سخاوت جنت میں ایک درخت ہے جو سخی ہوا اس نے اس درخت کی شاخ پکڑ لی۱؎ وہ شاخ اسے نہ چھوڑے گی حتی کہ اسے جنت میں داخل کر دے گی۲؎ اور بخل آگ میں درخت ہے جو بخیل ہوا اس نے اس کی شاخ پکڑی وہ اسے نہ چھوڑے گی حتی کہ آگ میں داخل کرے

(رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ) گی۳؎ یہ دونوں حدیثیں بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیں۔

(۱۷۹۲)۱؎ یعنی سخاوت کی جڑ جنت میں ہے اور اس کی شاخیں دنیا میں، چونکہ سخاوت کی قسمیں بہت ہیں اس لیے فرمایا گیا کہ اس درخت کی دنیا میں شاخیں بہت پھیلی ہوئی ہیں۔ جیسے قرآن کریم فرماتا ہے کہ کلمہ طیبہ کی جڑ مسلمان کے قلب میں ہے اور شاخیں آسمان میں ہمیشہ اپنے پھل دیتا ہے۔ اس آیت میں بھی تمثیل ہے۔ اس حدیث میں بھی۲؎ شریعت میں سخاوت کا ادنی درجہ یہ ہے کہ انسان فرض صدقے ادا کرے اور طریقت میں ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ صرف فرض پر قناعت نہ کرے نوافل صدقے بھی دے۔ حقیقت ومعرفت والوں کے ہاں اس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اپنی ضروریات پر دوسروں کی ضروریات کو ترجیح دے ان میں سے ہر درجہ کے صدقہ کے نتیجے مختلف ہیں۳؎ جو معانی سخاوت کے عرض کیے جا چکے ہیں اس کے مقابل بخل کے بھی معانی ہیں۔

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَادِرُوْا بِالصَّدَقَةِ فَإِنَّ الْبَلَاءَ لَا يَتَخَطَّاهَا (رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

(۱۷۹۳) روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ میں جلدی کرو۱؎ کہ بلاء اس سے آگے نہیں بڑھتی۲؎ (رزین)

(۱۷۹۳)۱؎ اس جملہ کے دو معنی ہوسکتے ہیں ایک یہ کہ جب کسی قسم کی جانی یا مالی بلا آئے تو بہت جلد صدقے دینا شروع کردو باقی تمام تدبیریں علاج وغیرہ بعد میں کرو تاکہ ان صدقات کی برکت سے اگلی تدبیریں بھی کامیاب ہوں۔ بعض لوگ آفت آتے ہی میلاد شریف، گیارہویں شریف، ختم خواجگان، ختم غوثیہ، ختم بخاری، ختم آیت کریمہ کراتے ہیں۔ ان کا ماخذ یہ حدیث ہے کہ ان کاموں میں اللہ کا ذکر اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت شریف وغیرہ بھی ہے اور صدقہ بھی، ذکر اللہ بھی دافع بلا ہے اور صدقہ بھی بعض لوگ بیماریوں میں اُردو تیل یا بیمار کا جانور پر ہاتھ لگوا کر اسے ذبح کرکے خیرات کردیتے ہیں۔ ان سب کا ماخذ یہ ہی حدیث ہے کہ یہاں صدقہ مطلق ہے۔ دوسرے یہ کہ ہر حال میں ہمیشہ صدقے کرتے رہو کیونکہ ہر وقت ہی آفت آنے کا خطرہ ہے۔ تم آفت سے پہلے صدقہ دے دو۔ بعض لوگ ہمیشہ میلاد شریف، گیارہویں شریف، ہر ماہ ختم خواجگان وغیرہ کراتے رہتے ہیں تاکہ آفات دور رہیں۔ ان کا ماخذ بھی یہ حدیث ہے شعر:

دکھ میں ہر کو ہر بھجے سکھ میں بھجے نہ کوئے — جو کوئی سکھ میں ہر بھجے تو دکھ کاہے کو ہوئے

۲؎ اسی طرح کہ آنے والی آفت آتی نہیں اور جو آچکی ہے وہ پھرتی نہیں بلکہ لوٹ جاتی ہے۔ صدقہ انسان اور آفات کے درمیان مضبوط حجاب ہے (مرقاۃ) یہ عمل بہت مجرب ہے اگر کبھی صدقہ سے آفت نہ جائے تو یہ رب تعالٰی کی آزمائش ہے اس پر صبر کرے۔

بَابُ فَضْلِ الصَّدَقَةِ — باب صدقہ کی فضیلت

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

صدقہ صدق سے بنا بمعنی سچائی، چونکہ خیرات سخی کے سچے مومن ہونے کی علامت ہے اس لیے اسے صدقہ کہتے ہیں۔ مطلقاً صدقہ سے مالی خیرات مراد ہوتی ہے۔ نفل ہو یا فرض یہاں وہ مراد ہے۔ اگرچہ بعض بدنی اعمال کو بھی صدقہ کہا گیا ہے یعنی حکمی صدقہ۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ (۱۷۹۴) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَۃٍ مِّنْ کَسْبٍ طَیِّبٍ وَّلَایَقْبَلُ اللّٰہُ اِلَّاالطَّیِّبَ فَاِنَّ اللّٰہَ یَتَقَبَّلُھَا بِیَمِیْنِہٖ ثُمَّ یُرَبِّیْھَا لِصَاحِبِھَا کَمَا یُرَبِّیْ اَحَدُکُمْ فَلُوَّہٗ حَتّٰی تَکُوْنَ مِثْلَ الْجَبَلِ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

اللہ علیہ وسلم نے کہ جو حلال کمائی سے چھوارے کی برابر صدقہ کرے ۱ اللہ تعالٰی صرف حلال ہی کو قبول کرتا ہے ۲ تو اللہ اسے داہنے ہاتھ میں قبول کرتا ہے پھر صدقہ والے کیلئے اس کی ایسی پرورش کرتا ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنے بچھڑے کی حتی کہ پہاڑ کی طرح ہوجاتا ہے۔۳ (مسلم بخاری)

(۱۷۹۴) ۱ یعنی معمولی سے معمولی چیز اللہ کی راہ میں دے۔عرب شریف میں کھجور معمولی چیز ہے۔پھر اس کی قاش تو بہت ہی معمولی ہوئی ۲ یہ بہت ہی اہم قانون ہے کہ خیرات حلال کمائی سے کی جائے تب ہی قبول ہوگی۔حتی کہ حج بھی طیب و پاک کمائی سے کرے یہاں دو قاعدے یاد رکھنا چاہئیں۔ایک یہ کہ مال مخلوط سے اجرت،صدقہ،دعوت وغیرہ لینا جائز ہے۔دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے ہاں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب کے ہاں پرورش پائی جن کا مال مخلوط تھا۔اگر اس مال پر حرام کے احکام جاری ہوتے تو رب تعالٰی اپنے ان محبوبوں کو وہاں پرورش نہ کراتا،دوسرا یہ کہ مال حرام دو قسم کا ہے ایک وہ جو انسان کی ملکیت میں آتا ہی نہیں جیسے زنا کی اجرت،سود کا پیسہ اور بیع باطل کے معاوضے،سور شراب وغیرہ کی قیمتیں،دوسرا وہ کہ مالک کی مِلک میں آجاتا ہے۔اگرچہ مالک اس کاروبار پر گنہگار ہوتا ہے جیسے بیع بالشرط وغیرہ تمام فاسد بیعوں کی قیمت اور ناجائز پیشوں (گانے بجانے،داڑھی مونڈنے وغیرہ) کی اجرت۔پہلی قسم کا حرام کسی کے قبضہ میں پہنچے حرام ہی رہے گا کیونکہ پہلا شخص ہی اس کا مالک نہ بنا اور دوسری قسم کا حرام دوسرے کی ملک میں پہنچ کر اس کیلئے حلال ہوگا۔وہ جو فقہاء فرماتے ہیں کہ جس کے پاس حرام یا مشکوک پیسہ ہو وہ دوسرے سے قرض لے کر حج یا صدقہ کرے اور اپنے مال سے وہ قرض ادا کردے۔اس سے مراد یہی آخری حرام ہے کیونکہ ملک بدلنے سے حکم بدل جاتا ہے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لھا صدقۃ ولنا ھدیۃ ۳ داہنے ہاتھ میں قبول کرنے سے مراد راضی ہوکر قبول فرماتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ مال و نیت خیر کا صدقہ رضائے الٰہی کا باعث ہے اور وہ صدقہ کے وقت سے لے کر قیامت تک بھاری ہوتا رہے گا حتی کہ میزان میں سارے گناہوں پر غالب آجائے گا جیسے اچھی زمین میں بوئی ہوئی ادرک آلو وغیرہ،اس حدیث کی تائید اس آیت سے ہے یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ (۲:۲۷۶) اللہ ہلاک کرتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو (کنزالایمان)

وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَانَقَصَتْ صَدَقَۃٌ مِّنْ مَالٍ وَّمَا زَادَاللّٰہُ عَبْدًا بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّاوَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰہِ اِلَّا رَفَعَہُ اللّٰہُ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

(۱۷۹۵) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ خیرات مال کم نہیں کرتی ۱ اور اللہ معافی کی وجہ سے بندے کی عزت ہی بڑھاتا ہے ۲ اور کوئی شخص اللہ کے لیے انکسار نہیں کرتا مگر اللہ اسے بلندی دیتا ہے۔۳ (مسلم)

(۱۷۹۵) ۱ بلکہ مال بڑھاتی ہے زکوۃ دینے والے کی زکوۃ ہر سال بڑھتی ہی رہتی ہے۔تجربہ ہے جو کسان کھیت میں بیج پھینک آتا ہے وہ بظاہر بوریاں خالی کرلیتا ہے لیکن حقیقت میں مع اضافہ کے بھرلیتا ہے۔گھر کی رکھی بوریاں چوہے،سسری وغیرہ آفات سے ہلاک ہوجاتی ہیں یا یہ مطلب ہے کہ جس مال میں سے صدقہ نکلتا رہے اس میں سے خرچ کرتے رہو۔انشاءاللہ بڑھتا ہی رہے گا۔کنوئیں کا پانی بھرتے جاؤ تو بڑھے ہی جائے گا ۲ یعنی جو بدلہ پر قادر ہو پھر مجرم کو معافی دے دے تو اس سے مجرم کے دل میں اس کی اطاعت اور محبت پیدا ہوجاتی ہے اور اگر بدلہ لیا جائے تو اس کے دل میں بھی انتقام کی آگ بھڑک جاتی ہے۔فتح مکہ کے دن کی عام معافی سے سارے کفار

مسلمان ہوکر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع فرمان ہو گئے۔معافی سے دلوں پر قبضے ہو جاتے ہیں مگر معافی اپنے حقوق میں چاہیے نہ کہ شرعی حقوق میں، قومی، ملکی، دینی مجرموں کو کبھی معاف نہ کرو۔اپنے مجرم کو معاف کردو۳ انکساری جو خودداری کے ساتھ ہو وہ بڑی بہتر ہے اس کا انجام بلندی درجات ہے مگر بے غیرتی کی انکساری، انکساری نہیں بلکہ احساس پستی ہے۔جہاد میں کفار کے مقابل فخر کرنا عبادت ہے۔بھائی کے سامنے جھکنا ثواب اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (۴۸:۲۹) کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل (کنزالایمان)

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَنْفَقَ زَوْجَيْنِ مِنْ شَيْءٍ مِّنَ الْاَشْيَآءِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ دُعِيَ مِنْ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ وَلِلْجَنَّةِ اَبْوَابٌ فَمَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الصَّلٰوةِ دُعِيَ مِنْ اَبْوَابِ الصَّلٰوةِ وَمَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الْجِهَادِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الْجِهَادِ وَمَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الصَّدَقَةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّدَقَةِ وَمَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الصِّيَامِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الرَّيَّانِ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ مَّا عَلٰى مَنْ دُعِيَ مِنْ تِلْكَ الْاَبْوَابِ مِنْ ضُرُوْرَةٍ فَهَلْ يُدْعٰى اَحَدٌ مِّنْ تِلْكَ الْاَبْوَابِ كُلِّهَا قَالَ نَعَمْ وَاَرْجُوْا اَنْ تَكُوْنَ مِنْهُمْ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۷۹۶) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اللہ کی راہ میں کسی چیز کا جوڑا خیرات کرے۱ تو جنت کے دروازوں سے بلایا جائے گا۲ جنت کے بہت دروازے ہیں تو جو نماز والوں سے ہوگا وہ نماز کے دروازے سے پکارا جائے گا اور جو جہاد والوں سے ہوگا وہ جہاد کے دروازے سے پکارا جائے گا اور صدقہ والوں سے ہوگا وہ صدقہ کے دروازے سے بلایا جائے گا اور جو روزہ والوں سے ہوگا وہ دروازہ ریان سے بلایا جائے گا۳ تب حضرت ابوبکر نے عرض کیا کہ اس کی ضرورت تو نہیں کہ کوئی تمام دروازوں سے بلایا جائے۴ مگر کیا کوئی ان تمام دروازوں سے بلایا جائے گا حضور نے فرمایا ہاں اور مجھے امید ہے کہ تم ان میں سے ہو۵ (مسلم بخاری)

(۱۷۹۶)۱ یعنی ایک جنس کی دو چیزیں جیسے دو روپے دو پیسے دو کپڑے دو روٹیاں وغیرہ لفظ زوج دو کے مجموعہ کو بھی کہتے ہیں اور دو میں سے ہر ایک کو بھی، جیسے خاوند بیوی کو زوجین کہتے ہیں۔رب تعالٰی فرماتا ہے: مِنْ كُلِّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ (۱۱:۴۰) ہر جنس میں سے ایک جوڑا نر و مادہ (کنزالایمان) اور ممکن ہے کہ زوجین سے مراد بار بار صدقہ یا دن رات صدقہ یا علانیہ اور خفیہ صدقہ مراد ہو۔مرقاۃ نے فرمایا ہوسکتا ہے کہ صدقہ سے ساری نیکیاں مراد ہوں۔دو روزے دو رکعت نماز وغیرہ کیونکہ فقیر کیلئے نفلی نماز و روزہ ایسا ہے جیسے امیر کیلئے خیرات۲ یعنی باب الصدقہ سے یہاں احد پوشیدہ ہے لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ صرف صدقہ کی وجہ سے جہاد وغیرہ کے دروازوں سے کیوں بلایا گیا (مرقاۃ) اور ہوسکتا ہے کہ بہت زیادہ خیرات کرنے والے کو ہر دروازہ سے جانے کا حق ہوا اظہار عزت کیلئے۳ یعنی جس پر جو عبادت غالب ہوگی وہ جنت کے اسی دروازے سے جائے گا۔عبادت کے غالب ہونے سے مراد نوافل کی زیادتی ہے۔مثلاً جو شخص نماز فقط فرض و واجب ہی ادا کرتا ہے مگر جہاد کا بہت شوقین ہے ہمیشہ جہاد یا اس کی تیاری میں مشغول رہتا ہے تو وہ جہاد کے راستہ سے جنت میں جائے گا۔ریان رَیٌّ سے بنا جس کے معنی ہیں سرسبزی، سیرابی اور شادابی چونکہ روزہ دار دنیا میں بحالت روزہ خشک لب، تشنہ دہن رہا اس لیے اس کے واسطے ایسا دروازہ تجویز ہوا جو تشنہ لبی کا عوض ہو جائے۴ یعنی جنت میں داخلے کیلئے ایک دروازہ سے بلایا جانا ہی کافی ہے ہر طرف سے پکار پڑنے کی ضرورت نہیں مگر اس پکار میں اس کی عزت افزائی ضرور ہے کہ ہر دروازہ کے دربان چاہیں کہ یہ جنتی ہمارے دروازے سے جائے اور ہمیں شرف خدمت نصیب ہو۔اس جملہ میں ما نافیہ ہے اور مِنْ ضُرُوْرَةٍ کی مِن زائدہ اور ضرورۃ ما کا اسم عَلٰى مَنْ دُعِيَ الخ اس کی خبر۵ یعنی جو شخص ساری عبادات میں اعلٰی نمبر ہوگا وہ سارے دروازوں سے بلایا جائے گا کہ ہر طرف اس کے نام کی دھوم مچ جائے گی اور

چونکہ اے صدیق تم ساری ہی نیکیوں میں طاق ہو لہٰذا تم بھی ان ہی میں سے ہو گے۔ اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ علم وعمل میں بعد انبیاء ساری خلق سے افضل ہیں کہ رب تعالٰی نے انہیں اَتقٰی فرمایا یعنی بڑا ہی پرہیزگار وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ○ الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰى (۹۲'۱۸) اور بہت اس سے دور رکھا جائے گا جو سب سے بڑا پرہیزگار جو اپنا مال دیتا ہے کہ ستھرا ہو (کنزالایمان) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض وفات میں صدیق اکبر کو امام بنایا۔ امام بڑے عالم ہی کو بنایا جاتا ہے۔ خیال رہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ عام نیکیوں میں سب سے بڑھ کر ہیں اور رب تعالٰی نے بعض خاص نیکیاں آپ کو ایسی عطا فرمائیں جن میں آپ کا کوئی شریک نہیں، جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کندھے پر غار ثور تک لے جانا اپنے زانو پر سلانا اپنے کو سانپ سے کٹوانا وغیرہ جب قرآن کریم کی رحل باقی ڈبوں سے افضل ہے تو جس کا زانو قرآن کریم والے کی رحل بنے وہ تمام خلق سے افضل ہوگا۔ دوسرے یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر شخص کے دنیوی اخروی حال سے واقف ہیں۔ حتیٰ کہ جانتے ہیں کون جنت میں کہاں جائے گا اور کس دروازہ سے جائے گا۔ صحابہ کا یہی عقیدہ تھا ورنہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کیوں پوچھتے۔ خیال رہے کہ کریموں کا امید دلانا یقین کیلئے ہوتا ہے۔ رب تعالٰی فرماتا ہے: وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (۶'۱۵۵) اور پرہیزگاری کرو کہ تم پر رحم ہو (کنزالایمان) الفاظ حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ایسے خوش نصیب لوگ بہت ہوں گے جن کے ناموں کی پکار جنت کے تمام دروازوں پر پڑے گی۔ اس جماعت کے امیر صدیق اکبر ہوں گے۔ رضی اللہ عنہ۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَصْبَحَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ صَائِمًا فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ اَنَا قَالَ فَمَنْ تَبِعَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ جَنَازَةً قَالَ اَبُوْبَكْرٍ اَنَا قَالَ فَمَنْ اَطْعَمَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ مِسْكِيْنًا قَالَ اَبُوْبَكْرٍ اَنَا قَالَ فَمَنْ عَادَمِنْكُمُ الْيَوْمَ مَرِيْضًا قَالَ اَبُوْبَكْرٍ اَنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عليهِ وَسلمَ مَا اجْتَمَعْنَ فِيْ اَمْرِءٍ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۱۷۹۷) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آج تم میں سے کس نے روزہ دار ہو کر صبح کی[۱] حضرت ابوبکر نے کہا میں نے فرمایا آج تم میں سے کوئی جنازے کے ساتھ گیا حضرت ابوبکر نے عرض کیا میں فرمایا آج تم میں سے کس نے کسی مسکین کو کھلایا حضرت ابوبکر نے کہا میں نے فرمایا آج تم میں سے کس نے کسی بیمار کی عیادت کی حضرت ابوبکر نے عرض کیا میں نے تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی شخص میں یہ خصلتیں نہیں جمع ہوتیں مگر وہ جنت میں جاتا ہے[۲] (مسلم)

(۱۷۹۷)[۱] حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا جماعت صحابہ سے یہ سوال فرمانا، ان پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلت ظاہر کرنے اور انہیں آپ کے روزانہ کے اعمال دکھانے کیلئے ہے۔ ورنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تو ہر ایک کے سارے ظاہر وخفیہ اعمال سے خبردار ہیں۔ رب تعالٰی فرماتا ہے: اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ (۷۳'۱۵) بے شک ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجے کہ تم پر حاضر و ناظر ہیں (کنزالایمان) [۲] اس حدیث میں چند مسئلے معلوم ہوئے، ایک یہ کہ شیخ کا اپنے مریدوں کے حالات کی تفتیش کرنا، یونہی استاذ کا شاگردوں کے خفیہ حالات معلوم کرنا سنت سے ثابت ہے۔ دوسرے یہ کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ عابد ترین صحابہ ہیں، کہ آپ کے روزانہ کے یہ اعمال ہیں۔ خیال رہے کہ اَنَا یعنی میں کہنا فخر وغیرہ کیلئے ہو تو منع ہے۔ عجز و نیاز کے طور پر جائز ہے۔ چوتھے یہ کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ...

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَانِسَآءَ الْمُسْلِمَاتِ لَاتَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ فِرْسِنَ شَاةٍ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۷۹۸) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے مومن بیبیو کوئی پڑوسن کا ہدیہ حقیر نہ جانے اگر چہ بکری کی کھری ہی ہوا (مسلم بخاری)

(۱۷۹۸) ایعنی اگر تم امیر ہو اور تمہاری پڑوسن غریب اور وہ غریب اپنی محبت سے کوئی معمولی چیز بطور ہدیہ بھیجے تو نہ اسے واپس کر دو اور نہ اسے نگاہ حقارت سے دیکھو بلکہ خوشی سے قبول کرو کہ اس کا دل خوش ہو جائے۔ اللہ تعالٰی اخلاص کا ایک پیسہ بھی قبول فرمالیتا ہے۔ اس حدیث کا مطلب اس کے برعکس بھی ہوسکتا ہے یعنی کوئی عورت اپنی پڑوسن کو معمولی ہدیہ دینے میں نہ ہچکچائے، جو کچھ جڑے بنے دیتی رہے کہ ہدیوں سے محبتیں بڑھتی ہیں۔ چونکہ چیزوں میں عیب نکالنے کی عادت زیادہ عورتوں میں ہوتی ہے اس لیے انہی سے خطاب کیا گیا۔ یہ حدیث ہم غریبوں کیلئے بڑی ہمت افزا ہے۔ کیونکہ اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسکینوں کے معمولی ہدیہ ثواب وغیرہ کو بھی رد نہیں فرماتے۔

وَعَنْ جَابِرٍوَّ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۷۹۹) روایت ہے حضرت جابر و حذیفہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر بھلائی صدقہ ہے ا (مسلم بخاری) ۲

(۱۷۹۹) اسبحان اللہ کیا ہمت افزا حدیث ہے۔ یعنی صدقہ صرف مال ہی سے نہیں ہوتا بلکہ ہر معمولی نیکی، اگر اخلاص سے کی جائے تو اس پر صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔ حتٰی کہ مسلمان بھائی سے میٹھی اور نرم باتیں کرنا بھی صدقہ ہے۔ جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ اب کوئی فقیر بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں صدقہ پر قادر نہیں ۲ اس طرح کہ بخاری نے حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے اور مسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے لہٰذا راوی کے نام میں ہر کتاب منفرد ہے اور متن حدیث میں دونوں متفق۔

وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا وَّلَوْ اَنْ تَلْقٰى اَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلِيْقٍ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۱۸۰۰) روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بھلائی کو حقیر نہ جانو اگر چہ یہ ہو کہ اپنے بھائی سے کشادہ پیشانی سے ملے ا (مسلم)

(۱۸۰۰) اصوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ کوئی نیکی حقیر جان کر چھوڑ نہ دو کہ کبھی ایک گھونٹ پانی جان بچالیتا ہے اور کوئی گناہ حقیر سمجھ کر کر نہ لو کہ کبھی چھوٹی چنگاری گھر پھونک دیتی ہے۔ ان کا ماخذ یہ حدیث ہے۔ مسلمان بھائی سے خوش ہو کر ملنا اس کے دل کی خوشی کا باعث ہے اور مومن کو خوش کرنا بھی عبادت ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ قَالُوْا فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ قَالَ فَلْيَعْمَلْ بِيَدَيْهِ فَيَنْفَعُ نَفْسَهُ وَيَتَصَدَّقُ قَالُوْ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ اَوْلَمْ يَفْعَلْ قَالَ فَيُعِيْنُ ذَا الْحَاجَةِ الْمَلْهُوْفَ قَالُوْ فَاِنْ لَّمْ يَفْعَلْهُ قَالَ فَيَاْمُرُ بِالْخَيْرِ قَالُوْا فَاِنْ لَّمْ يَفْعَلْ قَالَ فَيُمْسِكُ عَنِ

(۱۸۰۱) روایت ہے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر مسلمان پر صدقہ ہے ا صحابہ نے عرض کیا کہ اگر نہ پائے فرمایا کہ اپنے ہاتھ سے کام کرے خود نفع اٹھائے اور خیرات کرے ۲ عرض کیا اگر یہ بھی نہ کر سکے یا نہ کرے فرمایا تو کسی مظلوم حاجت مند کی مدد کرے ۳ بولے اگر یہ بھی نہ کرے فرمایا تو اچھی بات کا حکم کرے ۴ بولے اگر یہ بھی نہ کرے تو فرمایا کہ برائی سے بچے

الشَّرِّ فَاِنَّهٗ لَهٗ صَدَقَةٌ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) کہ اس کیلئے یہ ہی صدقہ ہے۵؎ (مسلم بخاری)

(۱۸۰۱)۱؎یہاں علی وجوب کیلئے نہیں بلکہ ترغیب کیلئے ہے۔یعنی مسلمان کو چاہیے کہ شکر الٰہی کیلئے ان نفلی نیکیوں کو بھی اپنے پر لازم سمجھے اور روزانہ ان پر عمل کی کوشش کرے ۲؎صحابہ کرام یہاں صدقہ سے مالی خیرات سمجھے تھے۔اس لیے انہیں یہ اشکال پیش آیا کہ بعض مسلمان مفلوک الحال ہوتے ہیں جن کے پاس اپنے کھانے کو نہیں ہوتا وہ صدقہ کہاں سے کریں۔سرکار کے اس جواب سے معلوم ہو رہا ہے کہ مال کمانا بھی عبادت ہے کہ اس کی برکت سے انسان ہزارہا گناہوں سے بچ جاتا ہے جیسے بھیک چوری وغیرہ نیز نکما آدمی اپنا وقت گناہوں میں خرچ کرنے لگتا ہے۔نفس کو حلال کاموں میں لگائے رہو تا کہ تمہیں حرام میں نہ پھنسا دے ۳؎ہاتھ پاؤں کی مدد جیسے بھولے کو راستہ بتا دینا' پردہ نشین بیوگان کا باہر والا کام کر دینا' اس میں بھی ثواب ہے۔۴؎کہ اس میں نہ کچھ خرچ ہوتا ہے نہ ہاتھ پاؤں ہلانے پڑتے ہیں اور مفت میں ثواب مل جاتا ہے۔کیونکہ تبلیغ عبادت ہے جس کا بڑا ثواب ہے۔اس جملہ سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کو احکام شرعیہ سیکھنا چاہئیں۔کیونکہ بغیر جانے دوسروں کو بتانا ناممکن ہوگا۔یہ بھی معلوم ہوا کہ تبلیغ صرف علماء کا ہی کام نہیں جسے جو مسئلہ یاد ہو دوسرے کو بتا دے۔۵؎برائی سے بچنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ فساد کے زمانہ میں گھر میں گوشہ نشین بن جائے کہ نماز کے اوقات مسجد میں باقی گھر یا جنگل میں گزارے۔دوسرے یہ کہ بری مجلسوں میں جائے مگر برائی کرنے کیلئے نہیں بلکہ دوسروں کو برائی سے روکنے کیلئے کہ یہ بڑا جہاد ہے۔اس جملہ سے معلوم ہوا کہ جیسے نیکیاں نہ کرنا گناہ ہے۔ایسے ہی گناہ نہ کرنا ثواب' نہ کرنے سے مراد بچنا ہے۔یعنی سلب عدولی نہ کہ سلب محض'لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ ہم ہر وقت خصوصاً سونے کی حالت میں لاکھوں گناہوں سے بچے رہتے ہیں تو چاہیے کہ ہمیں ہر سانس میں کروڑوں نیکیاں ملا کریں۔رب تعالیٰ فرماتا ہے وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى (۷۹:۴۰)اور وہ جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا (کنزالایمان) یہ حدیث اس آیت کی تفسیر ہے۔

وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ سُلَامٰى مِنَ النَّاسِ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ كُلَّ يَوْمٍ تَطْلُعُ فِيْهِ الشَّمْسُ يَعْدِلُ بَيْنَ الْاِثْنَيْنِ صَدَقَةٌ وَّيُعِيْنُ الرَّجُلَ عَلٰى دَابَّتِهٖ فَيَحْمِلُ عَلَيْهَا اَوْ يَرْفَعُ عَلَيْهَا مَتَاعَهٗ صَدَقَةٌ وَّالْكَلِمَةُ صَدَقَةٌ وَّكُلُّ خَطْوَةٍ يَخْطُوْهَا اِلَى الصَّلٰوةِ صَدَقَةٌ وَّيُمِيْطُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ صَدَقَةٌ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

(۱۸۰۲) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انسان کے ہر جوڑ کے عوض ہر دن جس میں سورج چمکے اس پر صدقہ ہے۱؎دو کے درمیان انصاف کر دے یہ بھی صدقہ ہے اور کسی شخص کی اس کے گھوڑے پر مدد کر دے کہ اس پر اسے سوار کر دے یا اس پر اس کا سامان چڑھا دے یہ بھی صدقہ ہے اور اچھی بات صدقہ ہے۲؎اور ہر وہ قدم جس سے نماز کی طرف جائے صدقہ ہے ۳؎اور راستہ سے تکلیف دہ چیز ہٹا دے صدقہ ہے۴؎ (مسلم بخاری)

(۱۸۰۲)۱؎سُلَامٰی س کے پیش سے ہے جس کے لغوی معنی ہیں عضو بندی اور جوڑ یہاں تیسرے معنی مراد ہیں انسان کے بدن میں ۳۶۰ جوڑ ہیں جیسا کہ اگلی حدیث میں ہے۔اگرچہ ہمارا ہر رونگٹا اللہ کی نعمت ہے لیکن ہر جوڑ اس کی بے شمار نعمتوں کا مظہر ہے۔اس لیے خصوصیت سے اس کا شکر یہ ضروری ہوا۔صدقہ سے مراد نیک عمل ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے یہاں بھی علی لغوی لزوم کیلئے ہے نہ کہ شرعی وجوب کیلئے' مطلب یہ ہے کہ ہر شخص پر اخلاقاً دیانۃً لازم ہے کہ روزانہ ہر جوڑ کے عوض کم از کم ایک نفل نیکی کیا کرے۔اس حساب سے روزانہ تین سو ساٹھ نیکیاں کرنی چاہئیں تا کہ اس دن جوڑوں کا شکریہ ادا ہو۔سورج چمکنے کا ذکر اس لیے فرمایا کہ سورج تو ہر شخص

پر چمکتا ہے تو شکریہ بھی ہر شخص پر ہے۔ ۲؎ یعنی تہذیب اخلاق، تدبیر منزل، سیاست مدنی لوگوں سے اچھے برتاؤ صدقہ ہیں۔ بشرطیکہ رضائے الٰہی کیلئے ہوں۔ ہر معمولی سے معمولی کام جب ادائے سنت کی نیت سے کیا جائے گا تو وہ بڑا ہو جائے گا کیونکہ منسوب اگرچہ چھوٹا ہے مگر منسوب الیہ جن کی طرف نسبت ہے صلی اللہ علیہ وسلم وہ تو بڑے ہیں ۳؎ مرقاۃ نے فرمایا کہ نماز کا ذکر مثالاً ہے ورنہ طواف، بیمار پرسی، جنازہ میں شرکت، علم دین کی طلب غرضیکہ ہر نیکی کیلئے قدم ڈالنا صدقہ ہے۔ ۴؎ یعنی رستہ سے کانٹا، ہڈی، اینٹ، پتھر، گندگی غرض جس سے کسی مسلمان راہ گیر کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو اس کو ہٹا دینا بھی نیکی ہے جس پر صدقہ کا ثواب اور جوڑ کا شکریہ ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُلِقَ كُلُّ اِنْسَانٍ مِّنْ بَنِيْ آدَمَ عَلٰى سِتِّيْنَ وَثَلٰثِ مِائَةِ مَفْصِلٍ فَمَنْ كَبَّرَ اللّٰهَ وَحَمِدَ اللّٰهَ وَهَلَّلَ اللّٰهَ وَسَبَّحَ اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ اللّٰهَ وَعَزَلَ حَجَرًا عَنْ طَرِيْقِ النَّاسِ اَوْشَوْكَةً اَوْعَظْمًا اَوْاَمَرَ بِمَعْرُوْفٍ اَوْنَهٰى عَنِ الْمُنْكَرِ عَدَدَ تِلْكَ السِّتِّيْنَ وَالثَّلَاثِ مِائَةٍ فَاِنَّهٗ يَمْشِيْ يَوْمَئِذٍ وَّقَدْ زَحْزَحَ نَفْسَهٗ عَنِ النَّارِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۱۸۰۳) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اولاد آدم میں ہر انسان تین سو ساٹھ جوڑوں پر پیدا کیا گیا ۱؎ تو جو اللہ کی تکبیر کہے اس کی حمد کرے تہلیل کرے تسبیح پڑھے اللہ سے معافی چاہے لوگوں کے راستہ سے پتھر یا کانٹا یا ہڈی ہٹا دے یا اچھی بات کا حکم دے یا برائی سے منع کرے۔ ان تین سو ساٹھ کی گنتی کے برابر تو وہ اس دن کی طرح چلے گا کہ اپنی جان کو آگ سے دور کرے گا ۲؎ (مسلم)

(۱۸۰۳) ۱؎ انسان کی اس لیے قید لگائی تاکہ اس سے فرشتے اور جنات نکل جائیں کہ نہ ان کے جسموں میں اتنے جوڑ ہیں نہ ان کے یہ احکام، ہمارے یہ جوڑ، انگلی کے پوروں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک ہیں اگر ان میں سے ایک جوڑ خراب ہو جائے تو زندگی دشوار ہو جائے قدرت نے ہڈی کو ہڈی میں اس طرح پیوست کیا ہے کہ کواڑ کی چول کی طرح ہڈی گھومتی ہلتی ہے۔ اس کے باوجود نہ گھستی ہے نہ خراب ہوتی ہے ۲؎ سبحان اللہ کیسی جامع حدیث ہے جس میں عبادات معاملات اور وظیفہ سب ہی آ گئے۔ مرقاۃ نے فرمایا کہ اچھی باتوں کا حکم اور بری باتوں سے ممانعت زبانی بھی ہوتی ہے دلی بھی اور عملی بھی، عالم کا دینی وعظ زبانی تبلیغ ہے کہ جتنے لوگ اسے دیکھ کر نیک بنیں گے ان سب کا ثواب اسے ملے گا بلکہ روزانہ ملتا رہے گا اور اس کے جوڑوں کا شکریہ ادا ہوتا رہے گا۔ اس حدیث کے آخری جملہ سے اشارۃً معلوم ہوتا ہے کہ کبھی نفلی عبادت کے ترک پر بھی پکڑ ہو جاتی ہے۔ کیونکہ سرکار نے فرمایا جس دن اتنے کام کر لیے۔ اس روز اپنے کو آگ سے دور کر لیا۔ جو شخص دو رکعتیں اشراق کی پڑھ لے اس کے تمام جوڑوں کا شکریہ ادا ہو گیا جیسا کہ کتاب الصلوۃ میں گزر چکا۔

وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ بِكُلِّ تَسْبِيْحَةٍ صَدَقَةٌ وَّكُلِّ تَكْبِيْرَةٍ صَدَقَةً وَّكُلِّ تَحْمِيْدَةٍ صَدَقَةً وَّكُلِّ تَهْلِيْلَةٍ صَدَقَةً وَّاَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَةً وَّنَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةً وَّفِيْ بُضْعِ اَحَدِكُمْ صَدَقَةً قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيَاتِيْ اَحَدُنَا شَهْوَتَهٗ وَيَكُوْنُ لَهٗ فِيْهَا اَجْرٌ قَالَ اَرَءَيْتُمْ لَوْ وَضَعَهَا فِيْ حَرَامٍ كَانَ عَلَيْهِ فِيْهِ وِزْرٌ

(۱۸۰۴) روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر تسبیح میں صدقہ ہے اور ہر تکبیر میں صدقہ ہے اور ہر حمد میں صدقہ ہے اور ہر تہلیل میں صدقہ ہے ۱؎ اور بھلائی کا حکم دینے میں صدقہ ہے اور برائی سے روکنے میں صدقہ ہے ۲؎ اور ہر ایک کی حلال صحبت میں صدقہ ہے ۳؎ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم میں سے کوئی اپنی شہوت پوری کرے تو اس میں اسے ثواب ملتا ہے۔ فرمایا بتاؤ تو اگر یہ شہوت حرام میں خرچ کرتا تو اس پر گناہ

فَكَذٰلِكَ اِذَا وَضَعَهَا فِي الْحَلَالِ كَانَ لَهٗ اَجْرٌ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ہوتا تو یوں ہی جب اسے حلال میں خرچ کرے گا تو اسے ثواب ملے گا۔۳ (مسلم)

(۱۸۰۴)۱؎ اس فرمان عالی شان سے معلوم ہوا کہ جو کوئی سُبْحَانَ اللّٰهِ یَا اَللّٰهُ اَكْبَرُ یا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ یا لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کسی طرح بھی کہے صدقہ نفلی کا ثواب پائے گا۔ خواہ ذکر اللہ کی نیت سے کہے یا کسی حاجت کیلئے بطور وظیفہ یہ الفاظ پڑھے یا عجیب بات سن کر سبحان اللہ وغیرہ کہے یا خوشخبری پا کر الحمد اللہ پڑھے۔ بہر حال ثواب ملے گا۔ کیونکہ اللہ کا نام لینا بہر حال عبادت ہے۔ اگر کوئی شخص ٹھنڈک کیلئے اعضائے وضو دھوئے تب بھی وضو ہو جائے گا کہ اس سے نماز جائز ہوگی۔ اللہ کا نام زبان کا وضو ہے شعر:

چوں بیاید نام پاکش در وہاں   نے پلیدی ماند و نے آں وہاں

۲؎ یعنی ہر تبلیغ میں خیرات کا ثواب ہے۔ بلکہ اس کا ثواب پہلے ثوابوں سے زیادہ کہ اس میں ذکر اللہ بھی ہے اور لوگوں کو فیض پہنچانا بھی قلمی تبلیغ صدقہ جاریہ ہے کہ جب تک لوگ اس کی کتاب سے دینی فائدہ اٹھائیں گے۔ تب تک اسے ثواب ملتا رہے گا۔ یہ ایک کلمہ بہت جامع ہے ۳؎ بضع کے لغوی معنی ہیں ٹکڑا مگر اصطلاح میں شرمگاہ کو کہتے ہیں۔ یہاں مراد صحبت حلال ہے یہاں فی ارشاد فرما کر اس جانب اشارہ فرمایا گیا کہ صحبت بذات خود ثواب نہیں بلکہ چونکہ اس کے ضمن میں زوجین کی عفت حق زوجیت کی ادا نیک اولاد کی طلب ہے اور یہ ساری چیزیں عبادت ہیں۔ اس لیے صحبت عبادات پر شامل ہے اس سید الفصحاء صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت دیکھو کہ پہلی چیزوں میں ب ارشاد ہوا تھا اور یہاں فی تا کہ پتا لگے کہ وہ چیزیں بذات خود عبادت تھیں اور یہ صحبت عبادات پر مشتمل ہے (لمعات) مرقاۃ نے یہاں فرمایا ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حلال صحبت مطلقاً صدقہ ہے خواہ ان چیزوں کی نیت سے ہو یا نہ ہو۴؎ یعنی بذات خود صحبت ثواب نہیں بلکہ شہوت کو حلال میں خرچ کرنا ثواب ہے جیسے عید کے دن یا رمضان کی سحریوں میں کھانا پینا بذات خود ثواب نہیں بلکہ ان وقتوں میں کھانا عبادت ہے صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جب ہواء ہدیٰ سے مل جائے تو زہد بن جاتی ہے۔ اسی جانب قرآن کریم اشارہ فرمارہا ہے وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ (۲۸،۵۰) اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون جو اپنی خواہش کی پیروی کرے اللہ کی ہدایت سے جدا (کنزالایمان) سبحان اللہ ہوا ھدیٰ سے مل کر ایسی ہوتی ہے جیسے مکھن شہد سے مل کر (از مرقاۃ) لہٰذا حدیث پر اعتراض نہیں کہ بغیر نیت ثواب کیسا کہ نیت کی شرط عبادت محضہ میں ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِعْمَ الصَّدَقَةُ اللِّقْحَةُ الصَّفِيُّ مِنْحَةً وَّالشَّاةُ الصَّفِيُّ مِنْحَةً تَغْدُوْا بِاِنَاءٍ وَّتَرُوْحُ بِاٰخَرَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۸۰۵) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین صدقہ بہت دودھ والی اونٹنی اور بہت دودھ والی بکری کا عطیہ ہے جو صبح کو برتن بھر کر دودھ دے اور شام کو دوسرا بھر کر۱؎ (مسلم بخاری)

(۱۸۰۵)۱؎ عرب میں دستور تھا کہ جانوروں والے اپنا دودھ کا جانور عاریۃً چند روز کیلئے کسی عزیز مسکین کو دے دیتے تھے۔ اس زمانہ میں جانور کا خرچہ اس فقیر کے ذمہ ہوتا اور دودھ بھی وہی پیتا تھا۔ مدت گزرنے پر جانور واپس کر دیا جاتا۔ اسے منحہ کہتے تھے۔ یہاں اسی کا ذکر ہو رہا ہے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ اس جانور کا ہر وقت کا دودھ صدقہ ہوگا۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

(۱۸۰۶) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ

وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُّسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا اَوْيَزْرَعُ زَرْعًا فَيَاكُلُ مِنْهُ اِنْسَانٌ اَوْ طَيْرٌ اَوْ بَهِيْمَةٌ اِلَّا كَانَتْ لَهٗ صَدَقَةٌ مُّتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِىْ رِوَايَةٍ لِلْمُسْلِمِ عَنْ جَابِرٍ وَّمَا سُرِقَ مِنْهُ لَهٗ صَدَقَةٌ

صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایسا کوئی مسلمان نہیں جو کوئی باغ لگائے یا کھیت بوئے پھر اس سے آدمی یا چڑیاں یا جانور کچھ کھالیں مگر اس کیلئے صدقہ ہوتا ہے۱؎ (مسلم بخاری) اور مسلم کی روایت میں حضرت جابر سے یوں ہے کہ جو اس سے چوری ہو جائے وہ بھی صدقہ ہے۲؎

(۱۸۰۶)۱؎ عرب میں دستور تھا کہ باغ والے مسافروں کو دو ایک پھل توڑ لینے سے منع نہ کرتے جیسے ہمارے ہاں بھی چنے کا ساگ کاٹنے سے لوگ منع نہیں کرتے۔ مسافر بھی اس دستور سے واقف تھے۔ وہ بھی چوری کی نیت سے نہیں بلکہ عرفی اجازت کی بنا پر دو چار دانے منہ میں ڈال لیتے تھے۔ نیز کبھی جانور کھیت پر سے گزرتے ہوئے سبزہ میں ایک آدھ منہ مار دیتے ہیں۔ سرکار نے ان سب کو مالک کیلئے صدقہ قرار دیا۔ اس کی وجہ پہلے عرض کی جا چکی کہ کبھی بغیر نیت بھی ثواب مل جاتا ہے۲؎ صبر کرنے اور اس نقصان کو برداشت کرنے پر ضرور ثواب ملے گا جیسے کانٹا لگ جانے پر ثواب ملتا ہے۔

وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُفِرَ لِامْرَاَةٍ مُوْمِسَةٍ مَرَّتْ بِكَلْبٍ عَلٰى رَأْسِ رَكِيٍّ يَّلْهَثُ كَادَيَقْتُلُهُ الْعَطَشُ فَنَزَعَتْ خُفَّهَا فَاَوْ ثَقَتْهُ بِخِمَارِهَا فَنَزَعَتْ لَهٗ مِنَ الْمَآءِ فَخُفِرَلَهَا بِذٰلِكَ قِيْلَ اِنَّ لَنَا فِى الْبَهَائِمِ اَجْرًا قَالَ فِىْ كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ اَجْرٌ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۸۰۷) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس زانیہ عورت کی مغفرت ہوگئی۱؎ جو ایک کتے پر گزری کہ ایک کنوئیں کے کنارے ہانپ رہا تھا قریب تھا کہ پیاس اسے قتل کر دیتی اس نے اپنا موزہ اتارا اسے اپنے دوپٹے سے باندھا اس طرح پانی نکالا۲؎ اس وجہ سے بخش دی گئی عرض کیا گیا کہ کیا ہم کو جانوروں میں بھی ثواب ہے فرمایا ہر تر کلیجے والے میں ثواب ہے۳؎ (مسلم بخاری)

(۱۸۰۷)۱؎ مومسہ وَمْسٌ سے بنا بمعنی رگڑ اس کا مصدر ایماس ہے۔ بمعنی زنا کرنا۔ ظاہر یہ ہے کہ اس کے سارے گناہ بخش دیئے گئے تھے جیسے کہ غفر کے اطلاق سے معلوم ہوا۲؎ یعنی اس کے پاس ڈول رسی تھے نہیں تو اس نے اپنے دوپٹا کو رسی بنایا اور موزے کو ڈول کہ موزہ میں پانی بھر کر کتے کے منہ میں ڈال دیا جس سے اس کی آنکھیں کھل گئیں اور وہ چلا گیا۳؎ تر کلیجے والے سے مراد ہر جاندار ہے مگر اس سے موذی جانور مستثنٰی ہیں۔ لہٰذا سانپ، بچھو، شیر وغیرہ کو مار دینا ثواب ہے۔ اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ گناہ کبیرہ بغیر توبہ معاف ہو سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ کبھی معمولی نیکی بڑے سے بڑے گناہوں کے بخشے جانے کا سبب بن جاتی ہے۔ تیسرے یہ کہ بعض صوفیاء اپنے ہاں انسانوں کے لنگر کے ساتھ جانوروں کے دانے پانی کا بھی انتظام کرتے ہیں۔ ان کا ماخذ یہ حدیث ہے۔ وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ تمہارا کھانا متقی ہی کھائیں۔ اس سے دعوت کا کھانا مراد ہے نہ کہ حاجت کا کھانا لہٰذا احادیث متعارض نہیں۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ وَ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُذِّبَتِ امْرَاَةٌ فِىْ هِرَّةٍ اَمْسَكَتْهَا حَتّٰى مَاتَتْ مِنَ الْجُوْعِ فَلَمْ تَكُنْ تُطْعِمُهَا وَلَا تُرْسِلُهَا فَتَاكُلُ مِنْ خَشَاشِ الْاَرْضِ

(۱۸۰۸) روایت ہے حضرت ابن عمر اور ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک عورت ایک بلی کی وجہ سے عذاب دی گئی۱؎ جسے اس نے باندھے رکھا حتی کہ بھوک سے مرگئی اسے نہ تو کھانا دیتی تھی اور نہ چھوڑتی تا کہ زمین کے کیڑے مکوڑے

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ) کھا لیتی۲(مسلم بخاری)

(۱۸۰۸)۱؎ یعنی اس کیلئے عذاب جہنم کا حکم ہو گیا یا اس پر کوئی دنیوی عذاب نازل ہوا یا عذاب قبر میں گرفتار ہوئی۔ ورنہ دوزخ کا عذاب تو بعد قیامت ہوگا۔اسی عورت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں دوزخ میں جلتے دیکھا مگر وہ اس لیے نہیں کہ وہ دوزخ میں پہنچ چکی تھی۔ بلکہ اس لیے کہ نگاہ انبیاء قیامت کے بعد ہونے والے واقعات کو بھی دیکھ لیتی ہے۔۲؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ پالے ہوئے جانور کا بھی حق ہے کہ اسے کھانا پانی دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ جانوروں پر ظلم بھی گناہ ہے۔ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ جانور پر ظلم انسان کے ظلم سے بدتر ہے۔ کیونکہ انسان زبان والا ہے۔ اپنے دکھ دوسروں سے کہہ سکتا ہے۔ بے زبان جانور خدا کے سواء کس سے کہے۔ تیسرے یہ کہ کبھی گناہ صغیرہ پر بھی عذاب ہو جاتا ہے۔ کبائر سے بچے یا نہ بچے رب تعالٰی کا یہ فرمان اِنْ تَجْتَنِبُوْا کَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ (۴:۳۱) اگر بچتے رہو کبیرہ گناہوں سے جن کی تمہیں ممانعت ہے تو تمہارے اور گناہ ہم بخش دیں گے (کنزالایمان) اس میں بخشش کا حتمی وعدہ نہیں ہے بلکہ امید دلائی گئی ہے اور یہ بخشش رب تعالٰی کی مشیت پر موقوف ہے کیونکہ دوسری آیت میں رب تعالٰی فرماتا ہے: وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (۴:۴۸) اور کفر سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے (کنزالایمان) لہذا نہ تو آیات میں تعارض ہے اور نہ یہ حدیث کسی آیت کیخلاف بعض علماء نے اس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط کیا کہ گناہ صغیرہ ہمیشہ کرنے سے کبیرہ بن جاتا ہے۔ کیونکہ اس عورت کا بلی کو ایک دن کھانا پانی نہ دینا گناہ صغیرہ تھا مگر متواتر عرصہ تک نہ دینے سے کبیرہ بن گیا مگر اس حدیث سے یہ استدلال ضعیف ہے اس کیلئے تو قرآنی آیت موجود ہے۔ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ (۳:۱۳۵) اور اپنے کئے پر جان بوجھ کر اڑ نہ جائیں (کنزالایمان)

وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ رَجُلٌ بِغُصْنِ شَجَرَةٍ عَلٰى ظَهْرِ طَرِيْقٍ فَقَالَ لَاُنَحِّيَنَّ هٰذَا عَنْ طَرِيْقِ الْمُسْلِمِيْنَ لَا يُؤْذِيْهِمْ فَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۸۰۹) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک شخص درخت کی شاخ پر گذرا جو برسر راہ پڑی تھی وہ بولا کہ اسے مسلمانوں کی راہ سے ہٹا دوں کہیں انہیں تکلیف نہ دے۱؎ وہ جنت میں داخل کیا گیا۲؎(مسلم بخاری)

(۱۸۰۹)۱؎ وہ شاخ یا تو خاردار تھی جس کے کانٹے لوگوں کو چبھ جانے کا اندیشہ تھا اور اگر بے خار تھی تو اتنی موٹی تھی جس سے راہ گیر ٹھوکر کھاتے۔ اس حدیث سے اشارۃً معلوم ہو رہا ہے کہ موذی چیز کو راستہ سے ہٹانے میں مسلمانوں کی خدمت کی نیت کرے نہ کہ کفار کی۔۲؎ یہاں مرقاۃ نے فرمایا کہ اس شخص نے ہٹانے کی نیت یہ کی تھی۔ اس نیت پر بخشا گیا۔ نیکی کا ارادہ بھی نیکی ہے اور ممکن ہے کہ اس نے ہٹا بھی دی ہو جس کا یہاں ذکر نہیں آیا۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ رَاَيْتُ رَجُلًا يَّتَقَلَّبُ فِى الْجَنَّةِ فِىْ شَجَرَةٍ قَطَعَهَا مِنْ ظَهْرِ الطَّرِيْقِ كَانَتْ تُؤْذِى النَّاسَ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۱۸۱۰) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں نے ایک شخص کو جنت میں مزے سے پھرتے دیکھا اس درخت کی وجہ سے جسے اس نے راستہ کے کنارے سے کاٹ دیا تھا جو لوگوں کو باعث تکلیف تھا۱؎(مسلم)

(۱۸۱۰)۱؎ یعنی وہ درخت خاردار تھا یا بے خار اس کی جڑ راستہ کے کنارہ پر تھی مگر شاخیں راستہ پر پھیلی ہوئی تھیں اس نے تکلیف دور

کرنے کیلئے اسے جڑ سے اکھیڑ دیا تا کہ آئندہ بھی شاخیں نہ پھیل سکیں۔اگر یہ درخت اس کی اپنی ملکیت تھا یا خود رو تھا تب تو اس کے کاٹ دینے اور اس کی لکڑی گھر لے جانے پر کچھ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور اگر کسی غیر کی ملکیت تھا تو اس نے فقط دفع ایذاء کیلئے کاٹ دیا ہوگا اس کی لکڑی پر قبضہ نہ کیا ہوگا۔اس صورت میں اس حدیث سے مسئلہ مستنبط ہوگا کہ موذی چیز کو ختم کر دینا جائز ہے اگرچہ دوسرے کی ملکیت ہو دیوانہ کتا جو کسی کا پالتو تھا۔سرکس والوں کا بھاگا ہوا شیر' سپیروں کا چھوٹا ہوا سانپ مار دیئے جائیں۔راستہ میں کھودا ہوا کنواں پاٹ دیا جائے۔اس میں مالک کی اجازت کی ضرورت نہیں۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جنت میں یا شب معراج میں دیکھا یا نماز کسوف میں جب آپ پر جنت پیش کی گئی یا عام حالت میں۔

وَعَنْ اَبِیْ بَرْزَةَ قَالَ قُلْتُ یَا نَبِیَّ اللّٰهِ عَلِّمْنِیْ شَیْئًا اَنْتَفِعُ بِهٖ قَالَ اَعْزِلِ الْاَذٰی عَنْ طَرِیْقِ الْمُسْلِمِیْنَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَ سَنَذْكُرُ حَدِیْثَ عَدِیِّ بْنِ حَاتِمٍ اتَّقُوا النَّارَ فِیْ بَابِ عَلَامَاتِ النُّبُوَّةِ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰی

(۱۸۱۱) روایت ہے حضرت ابوبرزہ سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا نبی اللہ مجھے وہ بات سکھایئے جس سے نفع اٹھاؤں فرمایا مسلمانوں کے راستہ سے موذی چیز ہٹا دو[1] (مسلم) اور ہم حضرت عدی ابن حاتم کی یہ حدیث اتقوا النار ان شاء اللہ باب علامات نبوت میں بیان کریں گے[2]

(۱۸۱۱)[1] سائل نے تو کوئی پڑھنے کیلئے وظیفہ پوچھا ہوگا مگر سرکار نے یہ فرمایا کہ آخرت کی نجات صرف وظیفوں پر موقوف نہیں بلکہ مسلمانوں کی خدمت سے بھی میسر ہو جاتی ہے۔مرقاۃ نے فرمایا کہ یہ سائل کوئی جلیل القدر صحابی تھے جو سارے نیک اعمال پہلے ہی کرتے تھے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ عمل بتا کر اشارۃً سمجھا دیا کہ خدمت خلق بھی ایک اعلیٰ نیکی ہے۔[2] یعنی وہ حدیث مصابیح میں یہاں تھی۔لیکن ہم نے مشکوۃ میں باب علامات نبوت میں بیان کی کیونکہ اس سے زیادہ مناسب تھی۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِیْنَةَ جِئْتُ فَلَمَّا تَبَیَّنْتُ وَجْهَهٗ عَرَفْتُ اَنَّ وَجْهَهٗ لَیْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ فَكَانَ اَوَّلُ مَاقَالَ یَاَیُّهَا النَّاسُ اَفْشُوا السَّلَامَ وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصِلُوا الْاَرْحَامَ وَصَلُّوا بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِیُّ)

(۱۸۱۲) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن سلام سے[1] فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو میں حاضر ہوا[2] جب میں نے چہرہ انور غور سے دیکھا تو پہچان لیا کہ آپ کا چہرہ پاک کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں[3] پہلی بات جو حضور نے فرمائی یہ تھی کہ اے لوگوں سلام کو پھیلاؤ اور کھانا کھلاؤ[4] رشتے جوڑو جب لوگ سوتے ہوں تو نماز پڑھو سلامتی سے جنت میں چلے جاؤ[5]

(ترمذی'ابن ماجہ'دارمی)

(۱۸۱۲)[1] آپ مشہور صحابی ہیں آپ کی کنیت ابو یوسف ہے۔یوسف علیہ السلام کی اولاد میں ہیں۔علماء یہود میں سے ہیں۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے جنتی ہونے کی بشارت دی۔مدینہ منورہ میں ۴۳ھ میں وفات ہوئی۔جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ منورہ ... دوڑتے ہوئے آئے۔

کھجوریں گودی میں تھیں۔انہیں رکھنا بھی بھول گئے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور دیکھتے ہی دل میں ایمان آ گیا۔۲؎ یاغ سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی قیام گاہ پر زیارت کیلئے آئے تو دیکھا کہ اس شمع رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کو پروانوں نے گھیرا ہوا ہے۔لوگ فدا ہو رہے ہیں۔۳؎ غور سے دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ میں نے نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ علامات جو توریت شریف میں مذکور ہیں آپ کے چہرہ انور سے ملائیں تو بالکل موافق پائیں بال برابر فرق نہ تھا۔تب میں نے یقین کرلیا کہ آپ کا دعویٰ نبوت برحق ہے غلط نہیں۔خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عرب میں کسی نے دعویٰ نبوت نہیں کیا تھا۔مگر چونکہ کفار مکہ اور یہود مدینہ نے آپ کو جھٹلایا تھا اس لیے آپ یہ فرما رہے ہیں۔بعض علماء نے اس کے یہ معنی بیان کیے کہ میں نے فراست سے معلوم کیا کہ جھوٹ بولنے والے کا چہرہ ایسا نورانی نہیں ہوتا۔دل کی کیفیت چہرے پر ظاہر ہوتی ہے۔۴؎ یعنی میں نے جو پہلی بات سنی وہ یہ تھی چونکہ وہاں ہجوم عاشقاں تھا۔اس لیے الناس سے خطاب فرمایا سلام پھیلانے کا مطلب یہ ہے کہ سلام کو رواج دو۔اسلام سے پہلے ملاقات کے وقت سلام کا رواج نہ تھا۔ صبحك الله بالخير وغیرہ کہتے تھے۔جیسے ہندوستان میں آداب عرض'گڈ مارننگ'بندگی'کورنش وغیرہ کہے جاتے تھے۔اسلام نے السلام علیکم کہنا سکھایا' کھانا کھلانے سے مراد ہے۔مہمانوں' فقیروں' یتیموں کو کھانا دو۔بعض لوگوں نے کہا کہ سلام اونچی آواز سے کہو جو سامنے والا سن لے اور اپنے بچوں کو کھانا دو مگر پہلے معنی زیادہ قوی ہیں۔۵؎ یعنی قرابت داروں کے حق ادا کرو۔ان حقوق کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے اور نماز پنجگانہ پر ہی قناعت نہ کرو بلکہ آخری رات میں جب عموماً لوگ سوتے ہوتے ہیں تو تم نماز تہجد پڑھا کرو۔اگر تم نے ان چار باتوں پر عمل کرلیا تو عذاب وحجاب سے سلامت رہو گے اور جنت میں خیریت سے پہنچو گے جہاں تمہیں رب تعالٰی اور فرشتوں کی طرف سے سلام ہوا کریں گے۔ہماری اس شرح سے معلوم ہوا کہ سلام کے دو معنی ہیں چونکہ ابھی تک زکوۃ' روزہ' حج و جہاد کے احکام نہیں آئے تھے اس لیے ان کا ذکر نہ فرمایا لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اعْبُدُوا الرَّحْمٰنَ وَاَطْعِمُوْا الطَّعَامَ وَاَفْشُوا السَّلَامَ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

(۱۸۱۳) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحمن کو پوجو کھانا کھلاؤ سلام پھیلاؤ جنت میں سلامتی سے چلے جاؤ۱؎ (ترمذی' ابن ماجہ)

(۱۸۱۳)۱؎ یہ حدیث کچھ فرق سے ابھی گزرگئی رحمان کو پوجنا بہت جامع فرمان ہے جس میں ہر قسم کی عبادتیں داخل ہیں اگر یہ حدیث زکوۃ و روزہ کی فرضیت کے بعد کی ہو جب بھی درست ہے کہ عبادت رحمان میں وہ چیزیں بھی آگئیں۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِىءُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَدْفَعُ مِيْتَةَ السَّوْءِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۱۸۱۴) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ صدقہ رب تعالٰی کے غضب کو بجھاتا ہے۱؎ اور بری موت کو دفع کرتا ہے۲؎ (ترمذی)

(۱۸۱۴)۱؎ یعنی خیرات کرنے والے سخی کی زندگی بھی اچھی ہوتی ہے کہ اولاً اس پر دنیوی مصیبتیں آتی نہیں اور اگر امتحاناً آ بھی جائیں تو رب تعالٰی کی طرف سے اسے سکون قلبی نصیب ہوتا ہے۔جس سے وہ صبر کرکے ثواب کمالیتا ہے۔غرضیکہ اس کیلئے مصیبت معصیت لے کر نہیں آتی مغفرت لے کر آتی ہے۔معصیت والی مصیبت خدا تعالٰی کا غضب ہے اور مغفرت والی مصیبت اللہ کی رحمت لہذا حدیث پر یہ

اعتراض نہیں کہ سخیوں پر مصیبتیں آجاتی ہیں۔عثمان غنی جیسے سخی بڑی بے دردی سے شہید کیے گئے۔۲؎ مِیْتَةَ مَوْتٌ سے بنا بیان نوعیت کیلئے اسے بروزن فعلہ لائے تو میم کے کسرہ کی وجہ سے واؤ سے بدل گیا۔ بری موت سے مراد خرابی خاتمہ ہے یا غفلت کی اچانک موت، یا موت کے وقت ایسی علامت کا ظہور ہے جو بعد موت بدنامی کا باعث ہو اور ایسی سخت بیماری ہے جو میت کے دل میں گھبراہٹ پیدا کر کے ذکر اللہ سے غافل کردے۔غرضیکہ سخی بندہ ان تمام برائیوں سے محفوظ رہے گا۔میرے پاک نبی سچے ان کا رب سچا، اللہ تعالٰی ان کے طفیل ہم سب کو سخاوت کی توفیق دے اور یہ نعمتیں عطا فرمائے۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ وَّاِنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ اَنْ تَلْقَى اَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ وَّاَنْ تُفْرِغَ مِنْ دَلْوِكَ فِيْ اِنَاءِ اَخِيْكَ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ)

(۱۸۱۵) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر بھلائی صدقہ ہے اور بھلائی سے یہ بھی ہے کہ تو اپنے بھائی سے کشادہ روئی سے ملے اور اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے برتن میں ڈال دے۱؎ (ترمذی)

(۱۸۱۵)۱؎ شروع باب میں صدقہ کے معنی عرض کیے جاچکے ہیں۔صدقہ حقیقی مال سے ہوتا ہے اور صدقہ حکمی اعمال سے بھی، مسلمان بھائی سے محبت سے ملنا اس کی خوشنودی دل کا ذریعہ ہے اور مسلمان کو خوش کرنا ثواب، لہذا یہ عمل صدقہ نیز کنوئیں پر جو لوگ پانی لینے کیلئے جمع ہوں ان کے برتنوں میں پانی ڈال دینا بھی ان کی راحت اور خوشی کا ذریعہ ہے۔لہذا یہ بھی صدقہ، پانی ڈالنا بطور مثال بیان ہوا مقصد یہ ہے کہ مسلمان بھائی کے ساتھ معمولی سی بھلائی کرنا بھی ثواب ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَبَسُّمُكَ فِيْ وَجْهِ اَخِيْكَ صَدَقَةٌ وَّاَمْرُكَ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَةٌ وَّنَهْيُكَ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ وَّاِرْشَادُكَ الرَّجُلَ فِيْ اَرْضِ الضَّلَالِ لَكَ صَدَقَةٌ وَّنَصْرُكَ الرَّجُلَ الرَّدِيْءَ الْبَصَرِ لَكَ صَدَقَةٌ وَّاِمَاطَتُكَ الْحَجَرَ وَالشَّوْكَ وَالْعَظْمَ عَنِ الطَّرِيْقِ لَكَ صَدَقَةٌ وَّاِفْرَاغُكَ مِنْ دَلْوِكَ فِيْ دَلْوِ اَخِيْكَ لَكَ صَدَقَةٌ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

(۱۸۱۶) روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرا اپنے بھائی کے سامنے مسکرا دینا صدقہ ہے۱؎ اور بھلائی کا حکم دینا صدقہ ہے اور برائی سے روک دینا صدقہ ہے اور تیرا کسی کو بہک جانے والی زمین میں راہ دکھا دینا تیرے لیے صدقہ ہے۲؎ اور تیرا کسی کمزور نگاہ والے شخص کی مدد کر دینا تیرے لیے صدقہ ہے۳؎ اور تیرا راستہ سے پتھر کانٹا ہڈی ہٹا دینا تیرے لیے۴؎ صدقہ ہے اور تیرا اپنے ڈول سے اپنی بھائی کے ڈول میں پانی ڈال دینا تیرے لیے صدقہ ہے۵؎ (ترمذی) اور فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

(۱۸۱۶)۱؎ خوشی کا مسکرانا جس سے سامنے والا سمجھے کہ میرے آنے سے اسے خوشی ہوئی۔اس سے وہ بھی خوش ہو جائے۔تمسخر کا مسکرانا مراد نہیں جس سے آنے والے کو تکلیف ہو کہ یہ تو گناہ ہے۔۲؎ سبحان اللہ کیا رب تعالٰی کی مہربانیاں ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اس امت کو ملیں وہ معمولی کام جن میں نہ خرچ ہو نہ تکلیف ثواب کا باعث بن گئے۔کسی کو راستہ بتا دینا یا مسئلہ سمجھا دینا بھی ثواب کا باعث ہوگیا۳؎ یا اس طرح کہ اس کی انگلی پکڑ کر جہاں جانا چاہتا ہے وہاں پہنچا دے یا اس طرح کہ اس کا کام کاج کردے سب میں ثواب ہے کہ اندھوں اور کمزور نظر والوں کی خدمت نعمت آنکھ کا شکریہ ہے۔ہر نعمت کا شکریہ جداگانہ ہے اور شکر پر زیادتی نعمت کا وعدہ ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (۱۴:۷) کہ اگر احسان مانو گے تو میں تمہیں اور دوں گا (کنزالایمان)۴؎ کہ اس سے لوگ تکلیف سے بچیں گے اور تمہیں ثواب ملے گا

معلوم ہوا کہ جیسے مسلمان کو نفع پہنچانا ثواب ہے ایسے ہی انہیں تکلیف سے بچانا بھی ثواب ہے کسی بھلے آدمی کو بدمعاش کی شر سے بچا لینا ثواب ہے۔اگر کوئی شریف النفس آدمی بےخبری میں خبیث النفس سے رشتہ کرنا چاہتا ہو اس سے بچالینا بھی ثواب ہے۔۶؎ جب اپنے ڈول سے دوسرے کے ڈول میں پانی ڈال دینا ثواب ہوا تو جس کے پاس ڈول یا رسی ہی نہ ہو اسے پانی دینا تو بہت ہی ثواب ہوگا۔

وَعَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ أُمَّ سَعْدٍ مَّاتَتْ فَأَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ قَالَ الْمَآءُ فَحَفَرَ بِئْرًا وَّقَالَ هٰذِهٖ لِأُمِّ سَعْدٍ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ)

(١٨١٧) روایت ہے حضرت سعد ابن عبادہ سے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ام سعد وفات پا گئیں تو اب کونسا صدقہ بہتر ہے ۱؎ فرمایا پانی ۲؎ لہذا سعد نے کنواں کھدوایا اور فرمایا یہ کنواں ام سعد کا ہے ۳؎ (ابوداؤد ونسائی)

(١٨١٧) ۱؎ یعنی میں کونسا صدقہ دے کر ان کی روح کو اس کا ثواب بخشوں اس سے معلوم ہوا کہ بعد وفات میت کو نیک اعمال خصوصاً مالی صدقہ کا ثواب بخشنا سنت ہے۔قرآن کریم میں جو فرمایا گیا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (٢:٢٨٦) مگر اس کی طاقت بھر اس کا فائدہ ہے جو اچھا کمایا اور اس کا نقصان ہے جو برائی کمائی۔(کنزالایمان) یا فرمایا گیا وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (٥٣:٣٩) اور یہ کہ آدمی نہ پائے گا مگر اپنی کوشش (کنزالایمان) جن سے معلوم ہوا کہ انسان کو صرف اپنی ہی ہوئی نیکیاں فائدہ مند ہیں۔وہاں بدنی فرائض مراد ہیں۔اسی لیے وہاں کسبت یا سعی ارشاد ہوا یعنی کوئی کسی کی طرف سے فرض نمازیں ادا نہیں کرسکتا۔ثواب ہر عمل میں بخش سکتے ہیں۔لہذا یہ حدیث ان آیات کے خلاف نہیں قرآن کریم سے تو یہاں تک ثابت ہے کہ نیکوں کی برکت سے بدوں کی آفتیں ٹل جاتی ہیں۔رب تعالٰی فرماتا ہے:وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا (١٨:٨٢) اور ان کا باپ نیک آدمی تھا (کنزالایمان) ۲؎ یعنی ان کی طرف سے پانی کی خیرات کرو کیونکہ پانی سے دینی و دنیوی منافع حاصل ہوتے ہیں۔خصوصاً ان گرم و خشک علاقوں میں جہاں پانی کی کمی ہو بعض لوگ سبیلیں لگاتے ہیں۔عام مسلمان ختم فاتحہ وغیرہ میں دوسری چیزوں کے ساتھ پانی بھی رکھ دیتے ہیں۔ان سب کا ماخذ یہ حدیث ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ پانی کی خیرات بہتر ہے ۳؎ یعنی ام سعد کی روح کے ثواب کیلئے ہے۔یہ لام نفع کا ہے نہ کہ ملکیت کا اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ ثواب بخشتے وقت ایصال ثواب کے الفاظ زبان سے ادا کرنا سنت صحابہ ہے کہ خدایا اس کا ثواب فلاں کو پہنچے۔دوسرے یہ کہ کسی چیز پر میت کا نام آجانے سے وہ شے حرام نہ ہوگی۔دیکھو حضرت سعد نے اس کنوئیں کو اپنی مرحومہ ماں کے نام پر منسوب کیا۔وہ کنواں اب تک آباد ہے اور اس کا نام بیر ام سعد ہی ہے۔فقیر نے اس کا پانی پیا ہے یہ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ (٢:١٧٣) اور وہ جانور جو غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا (کنزالایمان) کے خلاف نہیں کہ وہاں وہ جانور مراد ہیں جو غیر خدا کے نام پر ذبح کیے جائیں۔خیال رہے کہ یہ حدیث چند اسنادوں سے مروی ہے۔چنانچہ ابوداؤد کی ایک اسناد میں یوں ہے عن ابی اسحاق السبیعی عن رجل عن سعد بن عبادہ چونکہ اس میں کہ گیا لہذا یہ اسناد مجہول ہوگئی دوسری اسناد میں یوں ہے: سعید بن المسیب ان سعدا اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال الخ یہ اسناد ابوداؤد نسائی ابن حبان میں بھی ہے۔تیسری اسناد یوں ہے عن سعید ابن المسیب والحسن البصری کلاھما عن سعد بن عبادۃ یہ دونوں اسنادیں منقطع ہیں کیونکہ سعید ابن مسیب اور حسن بصری کی ملاقات حضرت سعد ابن عبادہ سے نہ ہوئی (از مرقات) مگر یہ انقطاع و جہالت کوئی مضر نہیں۔چند وجہوں سے ایک یہ کہ یہ حدیث اس بنا پر زیادہ سے زیادہ ضعیف ہوسکتی ہے اور حدیث ضعیف فضائل اعمال اور ثبوت استحباب میں کافی ہوتی ہے۔دیکھو کتب فقہ اور شامی وغیرہ ایصال ثواب فرض یا

ہیں نہیں صرف سنت مستحبہ ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ کسی حدیث صحیح کے متعارض نہیں کسی حدیث میں یہ نہیں آیا کہ ایصال ثواب حرام ہے تا کہ یہ حدیث چھوڑ دی جائے۔ تیسرے یہ کہ اس حدیث کی تائید بہت سی احادیث صحیحہ سے ہوتی ہے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ایک قربانی اپنی امت کی طرف سے کرتے تھے اور فرماتے تھے۔ الٰہی اسے قبول کر لے امت مصطفٰی کی طرف سے (مسلم بخاری) اور سیدنا علی مرتضٰی ہمیشہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کرتے رہے۔ فرماتے تھے مجھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا ہے (ابوداؤد، ترمذی) چوتھے یہ کہ اس حدیث کی تائید قرآنی آیات سے بھی ہوتی ہے۔ رب تعالٰی فرماتا ہے: وَفِیْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (۵۱:۱۹) اور ان کے مالوں میں حق تھا منگتا اور بے نصیب کا (کنزالایمان) اور فرماتا ہے: وَیَتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ (۹:۹۹) اور جو خرچ کریں اسے اللہ کی نزدیکیوں اور رسول سے دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھیں (کنزالایمان) اس کی پوری بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول اور فہرست القرآن میں ملاحظہ کیجئے۔ پانچویں یہ کہ ہمیشہ سے سارے مسلمان ایصال ثواب پر عمل کرتے رہے اور عمل امت کی وجہ سے حدیث ضعیف بھی قوی ہو جاتی ہے۔ دیکھو ہماری کتاب جاء الحق حصہ دوم اور شامی وغیرہ چھٹے یہ کہ جب امام بخاری کی تعلیق قبول جس میں وہ اسناد بیان ہی نہیں کرتے سیدھے کہہ دیتے ہیں قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ کیونکہ امام بخاری ثقہ ہیں تو حضرت سعید ابن مسیب اور خواجہ حسن بصری کا انقطاع بھی قبول کیونکہ یہ دونوں حضرات امام بخاری سے کم ثقہ نہیں بلکہ اپنے یقین کامل کی بناء پر براہ راست حضرت سعد کا واقعہ بیان کر دیا۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا مُسْلِمٍ كَسَا مُسْلِمًا ثَوْبًا عَلٰى عُرًى كَسَاهُ اللّٰهُ مِنْ خُضْرِ الْجَنَّةِ وَاَيُّمَا مُسْلِمٍ اَطْعَمَ مُسْلِمًا عَلٰى جُوْعٍ اَطْعَمَهُ اللّٰهُ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّةِ وَاَيُّمَا مُسْلِمٍ سَقٰى مُسْلِمًا عَلٰى ظَمَاءٍ سَقَاهُ اللّٰهُ مِنَ الرَّحِيْقِ الْمَخْتُوْمِ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِیُّ)

(۱۸۱۸) روایت ہے ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو مسلمان کسی ننگے مسلمان کو پہنائے اللہ اسے جنت کے سبز جوڑے پہنائے گا۱ اور جو مسلمان کسی بھوکے مسلمان کو کھلائے تو اللہ اس کو جنت کے پھل کھلائے گا اور جو مسلمان کسی پیاسے مسلمان کو پلائے تو اللہ اسے مہر والی پاک و صاف شراب پلائے گا۲ (ابوداؤد، ترمذی)

(۱۸۱۸) ۱یعنی پہنانے والا بھی مسلمان ہو اور پہننے والا بھی خصوصاً نمازی ہو خواہ اسے ایک کپڑا پہنائے۔ جنتیوں کا لباس سبز ہو گا۔ رب تعالٰی نے فرمایا: یَلْبَسُوْنَ ثِیَابًا خُضْرًا (۱۸:۳۱) اور سبز کپڑے کریب کے (کنزالایمان) ۲غرضیکہ مسلمان کی حاجت روائی رب تعالٰی کو بڑی پیاری ہے۔ کھانا پینا اور لباس حاجت عامہ ہیں۔ ان کی خیرات بڑی مقبول ہے۔ جنت میں پانی دودھ شہد وغیرہ کی نہریں بھی ہوں گی۔ رب تعالٰی فرماتا ہے: فِیْهَا عَیْنٌ جَارِیَةٌ (۸۸:۱۲) اس میں رواں چشمہ ہے (کنزالایمان) اور بعض شرابوں کی سربمہر بوتلیں بھی رب تعالٰی فرماتا ہے: یُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِیْقٍ مَّخْتُوْمٍ (۸۳:۲۵) نتھری شراب پلائے جائیں گے جو مہر کی ہوئی رکھی ہے (کنزالایمان) لہذا نہ آیات متعارض ہیں اور نہ یہ حدیث آیتوں کے خلاف۔

وَعَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِی الْمَالِ لَحَقًّا سِوَى الزَّكٰوةِ ثُمَّ تَلَا لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ

(۱۸۱۹) روایت ہے حضرت فاطمہ بنت قیس سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مال میں زکوۃ کے سوا اور بھی حقوق ہیں۱ پھر حضور نے یہ آیت تلاوت کی کہ بھلائی صرف یہ نہیں

الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اَلْاٰیَةَ
(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِیُّ)

کہ تم اپنے منہ پورب اور پچھم کو کرلو الایہ۲؎
(ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

(۱۸۱۹)۱؎ جن میں سے بعض فرض ہیں جیسے نذر پوری کرنا یا حج اور بعض واجب جیسے فطرہ اور قربانی اور بعض نفل جیسے بھکاریوں کو بھیک دینا یا ضرورت مندوں کو قرض دینا یا ضرورت پر ڈول ہانڈی پیالہ وغیرہ عاریۃً دینا یا پڑوسیوں کو آگ نمک وغیرہ دینا یہ حدیث ان سب کو جامع ہے۔۲؎ اس آیت میں آگے یہ ہے وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ (۲:۱۷۷) اور اللہ کی محبت میں اپنا عزیز مال دے رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں کو (کنزالایمان) لہذا یہ آیت حدیث کی مؤید ہے۔

وَعَنْ بُهَیْسَةَ عَنْ اَبِیْهَا قَالَتْ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَاالشَّیْءُ الَّذِیْ لَا یَحِلُّ مَنْعُهٗ قَالَ الْمَآءُ قَالَ یَانَبِیَّ اللّٰهِ مَاالشَّیْءُ الَّذِیْ لَایَحِلُّ مَنْعُهٗ قَالَ الْمِلْحُ قَالَ یَا نَبِیَّ اللّٰهِ مَاالشَّیْءُ الَّذِیْ لَا یَحِلُّ مَنْعُهٗ قَالَ اِنْ تَفْعَلَ الْخَیْرَ خَیْرٌ لَّكَ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۱۸۲۰) روایت ہے حضرت بہیسہ۱؎ سے وہ اپنے والد سے راوی فرماتی ہیں کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کونسی چیز ہے جس کا منع کرنا جائز نہیں فرمایا پانی پھر عرض کیا یا نبی اللہ اور کونسی چیز ہے جس کا منع کرنا جائز نہیں فرمایا نمک۲؎ عرض کیا یا نبی اللہ اور کونسی چیز ہے جس کا منع کرنا جائز نہیں فرمایا ہر اچھا کام کرنا تمہارے لیے بہتر ہے۔(ابوداؤد)

(۱۸۲۰)۱؎ صحیح یہ ہے کہ حضرت بہیسہ خود بھی صحابیہ ہیں مگر آپ کی احادیث بہت کم ہیں۔۲؎ یہاں جواز سے مراد شرعی جواز نہیں بلکہ عرفی جواز ہے یعنی مروت وغیرہ کہ ان چیزوں کا منع کرنا خلاف مروت ہے اور یہ بھی وہاں ہے جہاں پانی اور نمک کی خود مالک کو ضرورت نہ ہو۔ ورنہ بعض وہ علاقے جہاں پانی کم یاب بلکہ نایاب ہے وہاں ضرورت کے وقت پانی نہ دینا نہ خلاف مروت ہے نہ گناہ یہی حال نمک کا ہے۔۳؎ یہ عام حکم ہے یعنی اس کی تفصیل کہاں تک بیان کی جائے جو نیکی بن پڑے کر گزرو وقت کی قدر کرو کہ گیا وقت پھر ہاتھ نہیں آتا۔ رب تعالٰی فرماتا ہے: فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ (۹۹:۷) تو جو ایک ذرہ بھر بھلائی کرے اسے دیکھے گا (کنزالایمان) شعر

اترتے چاند ڈھلتی چاندنی جو ہو سکے کر لے
اندھیرا پاکھ آتا ہے یہ دو دن کی اجالی ہے

میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ صاحب فرماتے ہیں:

سدا نہ بلبل باغیں بولے سدا نہ باغ بہاراں
سدا نہ ماپے حسن جوانی سدا نہ صحبت یاراں

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحْیٰی اَرْضًا مَّیْتَةً فَلَهٗ فِیْهَا اَجْرٌ وَّمَا اَكَلَتِ الْعَافِیَةُ مِنْهُ فَهُوَ لَهٗ صَدَقَةٌ (رَوَاهُ الدَّارِمِیُّ)

(۱۸۲۱) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو افتادہ زمین کو آباد کرلے۱؎ تو اس میں اسے ثواب ملے اور جو جانور اس سے کھا جائیں تو یہ اس کیلئے صدقہ ہے۲؎ (دارمی)

(۱۸۲۱)۱؎ یعنی جو اپنی محنت سے بنجر زمین کو قابل کاشت بنادے وہ بہت ثواب کا مستحق ہے کیونکہ اس میں لوگوں کے رزق کا انتظام ہے حکومتیں اپنے غیر آباد علاقے لوگوں کو مفت دیتی ہیں ان کا ٹیکس معاف کردیتی ہیں۔ بلکہ ہزار ہا روپے سے آباد کرنے والوں کی امداد کرتی ہیں۔ اس کا ماخذ یہی حدیث ہے اس کے بارے میں ائمہ کا اختلاف آئندہ بیان ہوگا۔۲؎ اس کی بحث پہلے ہوچکی کہ کبھی بغیر ارادہ نیکی ہو جانے پر بھی ثواب ملے [illegible] کہتے ہیں۔ مرقات نے

فرمایا کہ یہ ثواب تب ملے گا جبکہ اس پر صبر و شکر کیا جائے۔

وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَنَحَ مِنْحَةَ لَبَنٍ اَوْ وَرِقٍ اَوْ هَدٰى ذُقَاقًا كَانَ لَهٗ مِثْلَ عِتْقِ رَقَبَةٍ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۱۸۲۲) روایت ہے حضرت براء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دودھ کا جانور عاریۃً دے یا چاندی قرضہ دے یا کسی کو راستہ بتائے تو اسے غلام آزاد کرنے کا ثواب ہے۱ (ترمذی)

(۱۸۲۲) ۱یعنی کسی کو دودھ کا جانور کچھ روز کیلئے عاریۃً دینا کہ وہ اس کا دودھ پی لے یا کسی حاجت مند کو کچھ روپیہ قرض دینا یا نابینا یا ناواقف کو راستہ بتا دینے کا ثواب غلام آزاد کرنے کے برابر ہے۔ جب قرض دینے کا یہ ثواب غلام آزاد کرنے کے برابر ہے۔ جب قرض دینے کا یہ ثواب ہوا تو خیرات دینے کا کتنا ہوگا۔ خود سوچ لو اس لیے یہ حدیث صدقات کے باب میں لائے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ کبھی قرض دینا صدقہ دینے سے بڑھ جاتا ہے کیونکہ صدقہ تو غیر حاجت مند بھی لے لیتا ہے مگر قرض ضرورت مند ہی لیتا ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کبھی معمولی نیکی کا ثواب بڑے بڑے کام سے بڑھ جاتا ہے۔ پیاسے کو ایک گھونٹ پانی پلا کر اس کی جان بچا لینے کا ثواب سینکڑوں روپیہ خیرات کرنے سے زیادہ ہے۔ اس لیے حدیث شریف میں ہے کہ قیامت میں نیکیوں کا ثواب بقدر عمل ملے گا۔

وَعَنْ اَبِيْ جُرَيٍّ جَابِرِ ابْنِ سُلَيْمٍ قَالَ اَتَيْتُ الْمَدِيْنَةَ فَرَأَيْتُ رَجُلًا يَّصْدُرُ النَّاسُ عَنْ رَّاْيِهٖ لَا يَقُوْلُ شَيْئًا اِلَّا صَدَرُوْا عَنْهُ قُلْتُ مَنْ هٰذَا قَالُوْا هٰذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ قُلْتُ عَلَيْكَ السَّلَامُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَرَّتَيْنِ قَالَ لَا تَقُلْ عَلَيْكَ السَّلَامُ عَلَيْكَ السَّلَامُ تَحِيَّةُ الْمَيِّتِ قُلِ السَّلَامُ عَلَيْكَ قُلْتُ اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ الَّذِيْ اِنْ اَصَابَكَ ضُرٌّ فَدَعَوْتَهٗ كَشَفَهٗ عَنْكَ وَاِنْ اَصَابَكَ عَامُ سَنَةٍ فَدَعَوْتَهٗ اَنْبَتَهَا لَكَ وَاِذَا كُنْتَ بِاَرْضٍ قَفْرٍ اَوْ فَلَاةٍ فَضَلَّتْ رَاحِلَتُكَ فَدَعَوْتَهٗ رَدَّهَا عَلَيْكَ قُلْتُ اعْهَدْ اِلَيَّ قَالَ لَا تَسُبَّنَّ اَحَدًا قَالَ فَمَا سَبَبْتُ بَعْدَهٗ حُرًّا وَّلَا عَبْدًا وَّلَا بَعِيْرًا وَّلَا شَاةً قَالَ وَلَا تَحْقِرَنَّ شَيْئًا مِّنَ الْمَعْرُوْفِ وَاَنْ تُكَلِّمَ اَخَاكَ وَاَنْتَ مُنْبَسِطٌ اِلَيْهِ وَجْهُكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنَ الْمَعْرُوْفِ وَارْفَعْ اِزَارَكَ اِلٰى نِصْفِ السَّاقِ فَاِنْ اَبَيْتَ فَاِلَى الْكَعْبَيْنِ وَاِيَّاكَ وَاِسْبَالَ الْاِزَارِ فَاِنَّهَا مِنَ الْمَخِيْلَةِ وَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ

(۱۸۲۳) روایت ہے حضرت ابوجری جابر ابن سلیم سے فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ آیا۱ تو میں نے ایک صاحب کو دیکھا کہ لوگ ان کی رائے سے کام کرتے ہیں وہ کوئی بات نہیں کہتے مگر لوگ اس پر عمل کرتے ہیں۲ میں نے پوچھا یہ کون صاحب ہیں لوگ بولے یہ رسول اللہ ہیں۳ فرماتے ہیں میں نے دوبار عرض کیا علیک السلام یا رسول اللہ۴ تو فرمایا علیک السلام نہ کہا کرو کیونکہ علیک السلام مردوں کا سلام ہے۵ بلکہ کہو السلام علیک۶ میں نے عرض کیا کہ آپ رسول اللہ ہیں فرمایا میں اللہ کا ایسا رسول ہوں کہ اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچے اور میں اس سے دعا کروں تو وہ تمہاری تکلیف دور کر دے اور اگر تمہیں قحط سالی پہنچے میں اس سے دعا کردوں تو تم پر اگا دے۷ اور جب تم چٹیل زمین یا جنگل میں ہو اور تمہاری سواری گم ہو جائے میں اس سے دعا کروں تو اللہ وہ تمہیں واپس لوٹا دے۸ میں نے عرض کیا مجھے نصیحت کیجئے فرمایا کسی کو گالی نہ دینا فرماتے ہیں اس کے بعد میں نے کسی آزاد یا غلام اور اونٹ اور بکری کو گالی نہ دی۹ فرمایا اور کسی اچھی بات کو حقیر نہ جاننا۱۰ اور اپنے بھائی سے کشادہ روئی سے کلام کیا کرنا یہ بھی نیکی ہے اور اپنا تہبند آدھی پنڈلی تک اونچا

الْمَخِيْلَةَ وَاِنِ امْرُءٌ شَتَمَكَ وَعَيَّرَكَ بِمَا يَعْلَمُ فِيْكَ فَلَا تُعَيِّرْهُ بِمَا تَعْلَمُ فِيْهِ فَاِنَّمَا وَبَالُ ذٰلِكَ عَلَيْهِ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ مِنْهُ حَدِيْثَ السَّلَامِ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَيَكُوْنُ لَكَ اَجْرُ ذَالِكَ وَوَبَالُهٗ عَلَيْهِ)

رکھنا اگر نہ مانو تو ٹخنوں تک اا اور تہبند زیادہ نیچا رکھنے سے ہمیشہ بچنا کہ یہ تکبر ہے اور اللہ تعالٰی تکبر کو پسند نہیں کرتا اور اگر کوئی شخص تمہیں گالی دے اور تمہیں کسی ایسے عیب سے عار دلائے جو تم میں وہ جانتا ہے تو تم اسے اس کے ایسے عیب سے عار نہ دلاؤ جو تم اس میں جانتے ہو۱۲ اس کا وبال اس پر ہے ابوداؤد ترمذی اور ترمذی نے ان سے سلام کی حدیث نقل کی اور ایک روایت میں ہے کہ تم کو اس کا ثواب ملے گا اور اس پر اس کا وبال ہوگا۱۳

(۱۸۲۳)۱؎ صحیح یہ ہے کہ آپ کا نام جابر ابن سلیم ہے، بعض نے سلیم ابن جابر بھی کہا ہے، مگر یہ غلط ہے، صحابی ہیں مگر بہت ہی کم احادیث آپ سے مروی ہیں۔ دیہات کے رہنے والے تھے۔ کام کیلئے کبھی مدینہ پاک آتے تھے اس بار جو آئے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف ملاقات نصیب ہوا، جس کا واقعہ یہاں مذکور ہے۲؎ یعنی آپ کی ہر بات مانتے ہیں، وجہ نہیں پوچھتے صدر واصدور سے بنا جس کے معنی ہیں بے سمجھے سوچے چل پڑنا۔۳؎ یعنی میں نے امراء، حکام اور بادشاہوں کے خدام بھی دیکھے مگر کسی کے خدام ایسے بندہ بے دام نہ پائے مجھے تعجب ہوا کہ ان کی شان تو شاہانہ نہیں مگر فرمان شاہوں سے اعلیٰ ہیں۔ اس لیے تعجب سے پوچھا۴؎ مگر آپ نے جواب نہ دیا کیونکہ سلام غلط تھا۔ معلوم ہوا کہ صحیح سلام کا جواب دینا واجب ہے غلط سلام کو درست کرنا ضروری ہے۔ ہمارے ہاں بعض جہلاء بھیا سلام، ابا سلام کہتے ہیں یا آداب عرض تسلیمات عرض ان میں سے کسی کا جواب دینا واجب نہیں، بلکہ انہیں سلام سکھانا چاہیے۵؎ اس جملہ کے بہت سے معنی کیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ قبرستان میں جا کر مردوں کو علیک السلام کہو، مگر یہ غلط ہے کیونکہ وہاں بھی السلام علیکم کہنا سنت ہے دوسرے یہ کہ کفار عرب قبرستان جا کر مردوں کو یہ سلام کرتے تھے۔ تیسرے یہ کہ جب مردے آپس میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو علیک السلام کہتے ہیں۔ چوتھے یہ کہ علیک السلام کہنا مردوں کیلئے مناسب ہے۔ زندہ سلام تو السلام علیکم سے کریں اور جواب میں وعلیکم السلام بولیں۔ واللہ اعلم فقیر کے نزدیک تیسری توجیہ قوی ہے۶؎ یعنی جب ایک دوسرے سے ملو تو السلام علیک کہو یا ہم سے ملاقات کے وقت تحیت کیلئے یہ کہو درود شریف کے موقع پر صلوۃ وسلام جمع کرکے کہو رب تعالٰی فرماتا ہے: صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (۳۳،۵۶) ان پر درود اور خوب سلام بھیجو (کنزالایمان) لہذا یہ حدیث اس آیت کیخلاف نہیں ۷؎ مرقات نے فرمایا کہ یہاں تینوں صیغے متکلم کے ہیں اور الذی رسول کی صفت ہے یعنی میں وہ رسول ہوں کہ میری دعا سے اللہ تعالٰی لوگوں کی مصیبتیں ٹالتا ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعائیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے ہیں اور ہوسکتا ہے کہ تینوں صیغے مخاطب کے ہوں اور الذی اللہ تعالٰی کی صفت ہو یعنی میں اس اللہ کا رسول ہوں کہ اگر تو مصیبتوں میں میرے وسیلہ سے اس سے دعائیں کرے تو پروردگار تیری آفتیں ٹال دے (مرقات) وسیلہ کی اس لیے قید لگائی کہ یہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اسے اپنی پہچان کرا رہے ہیں۔ وہ خدا کو تو پہلے ہی پہچانتا تھا۔ فقیر کے نزدیک پہلے معنی زیادہ مناسب ہیں کیونکہ اس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت زیادہ ہے جو یہاں اصل مقصود ہے۸؎ دوسرے معنی کی بنا پر اس حدیث سے ثابت یہ ہوگا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حاضر اور غائب غلاموں کے دکھ درد سے خبردار ہیں اور انہیں دعائیں دیتے رہتے ہیں۔ رب تعالٰی فرماتا ہے: لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ (۹،۱۲۸) بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر

کا پڑنا مشقت میں پڑنا گراں ہے تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے (کنزالایمان) ۹؎ اگر سب سے مراد فحش گالی ہے تب تو حدیث بالکل ظاہر ہے کہ مسلمان فحش گو نہیں ہوتا اور اگر برا کہنا مراد ہے تو اگرچہ بعض وقت کسی کو برا کہنا جائز تو ہوتا ہے مگر اس سے بچنا بہتر ان صحابی نے اس بہتر پر عمل کیا ۱۰؎ یعنی اگر خدا تجھے تھوڑی نیکی کی بھی توفیق دے تو اسے کر گزر اور خدا کا بہت شکر کر موقع کو غنیمت جان کہ کبھی تھوڑی نیکی سے ہی نجات ہو جائے گی اور شکر کی توفیق سے آئندہ بڑی نیکیاں بھی نصیب ہو جائیں گی ۱۱؎ یہ حکم مرد کیلئے ہے کہ اسے ٹخنوں کے نیچے پاجامہ یا تہبند رکھنا بطریق تکبر حرام ہے اور بے پروائی سے خلاف اولیٰ، مگر آج کل آدمی پنڈلی تک کے پاجامے وہابیوں کی علامت ہیں جیسے ہمیشہ سر منڈانا لہٰذا ٹخنوں سے اوپر رکھے، عورتوں کا تہبند یا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے چاہیے ۱۲؎ یہ انتہائی حسن اخلاق کی تعلیم ہے کہ اگر کوئی تمہارے عیب کھولے تو تم اس کے عیب نہ کھولو کسی نے کیا مزے کا شعر کہا شعر:

اگر مردے احسن الی من اساء   بدی را بدی سہل باشد جزاء

مگر یہ اپنے ذاتی معاملات میں ہے اور وہ بھی مسلمانوں کے ساتھ اگر کوئی بدنصیب اللہ کے محبوبوں کو عیب لگائے تو اس کے سارے چھپے عیب کھول دینا سنت الہیہ ہے۔ دیکھو ولید ابن مغیرہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنوں کہا تو رب تعالٰی جو ستار عیوب ہے سورہ ن میں اس کے دس عیب کھولے۔حتی کہ اخیر میں فرمایا: عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِیْمٍ (۶۸،۱۳) درشت خو اس سب پر طرہ یہ کہ اس کی اصل میں خطا (کنزالایمان) کہ وہ حرام کا تخم ہے۔لہٰذا یہ حدیث ان آیات کے خلاف نہیں۔اپنے دشمن کو معافی دینا کمال ہے اور دین کے دشمنوں سے بدلہ لینا کمال ۱۳؎ خیال رہے کہ ذاتی معاملات میں کسی مسلمان کے عیب کھولنا سخت جرم ہے جس کا وبال بہت ہے مگر دینی معاملات میں خود مسلمان کے عیب کھولنا عبادت ہے۔محدثین حدیث کے راویوں کے عیوب بیان کر جاتے ہیں۔غیبت یا عیب لگانے کیلئے نہیں بلکہ حدیث کا درجہ معین کرنے کیلئے کہ اس کے راویوں میں چونکہ فلاں عیب ہے۔لہٰذا یہ حدیث ضعیف ہے۔فضائل اعمال میں کام آئے گی۔احکام میں کام نہ دے گی۔

وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّهُمْ ذَبَحُوْا شَاةً فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَقِيَ مِنْهَا قَالَتْ مَا بَقِيَ مِنْهَا اِلَّا كَتِفُهَا قَالَ بَقِيَ كُلُّهَا غَيْرَ كَتِفِهَا (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ)

(۱۸۲۴) روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ اہل بیت نے بکری ذبح کی ۱؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس میں سے کیا بچا وہ بولیں کہ کندھے کے سواء کچھ نہ بچا ۲؎ فرمایا کندھے کے سوا سب بچ گیا ۳؎ اور ترمذی نے اسے صحیح فرمایا۔

(۱۸۲۴) ۱؎ بکری ذبح کرنے والے بعض صحابہ کرام تھے یا بعض ازواج پاک، دوسرے احتمال کو محدثین نے ترجیح دی ہے، چونکہ ازواج پاک کو اہل بیت بھی کہا جاتا ہے اور یہ لفظ مذکر ہے اس لئے جمع مذکر کا صیغہ ارشاد ہوا، فرشتوں نے بی بی سارا زوجہ ابراہیم علیہما السلام سے عرض کیا تھا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ (۱۱،۷۳) ۲؎ یعنی سارا گوشت خیرات کر دیا گیا۔صرف شانہ بچا ہے۔غالبًا یہ گھر کے خرچ کیلئے رکھا گیا ہوگا اور یہ بکری صدقہ کیلئے ذبح کی گئی ہوگی کہ صدقہ کا گوشت گھر کے خرچ کیلئے نہیں رکھا جاتا ۳؎ یعنی جو راہ خدا میں صدقہ دے دیا گیا وہ باقی اور لازوال ہو گیا اور جو اپنے کھانے کیلئے رکھا گیا وہ ہضم ہو کر فنا ہو جائے گا۔رب تعالٰی فرماتا ہے: مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ (۱۶،۹۶) جو تمہارے پاس ہے ہو چکے گا اور جو اللہ کے پاس ہے ہمیشہ رہنے والا (کنزالایمان)

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى

(۱۸۲۵) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ میں نے

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَا مِنْ مُّسْلِمٍ کَسَا مُسْلِمًا ثَوْبًا اِلَّا کَانَ فِیْ حِفْظٍ مِّنَ اللّٰہِ مَادَامَ عَلَیْہِ مِنْہُ خِرْقَۃٌ (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ کوئی مسلمان کسی مسلمان کو کپڑا نہیں پہناتا مگر جب تک اس کے بدن پر اس کا ایک چیتھڑا بھی رہے یہ اللہ کی حفاظت میں رہتا ہے۱؎ (احمد ترمذی)

(۱۸۲۵)۱؎ یعنی جب تک فقیر کے جسم پر اس کپڑے کی ایک چیز باقی ہے تب تک اللہ تعالٰی پہنانے والے کو آفات دنیاوی سے محفوظ رکھتا ہے کیونکہ صدقہ آفتوں سے بچانے میں بے مثال ہے یا مطلب یہ ہے کہ تب تک اللہ اس کی عیب پوشی فرماتا رہتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو مسلمان کسی مسلمان کی ستر پوشی کرے تو اللہ اس کی عیب پوشی کرتا ہے۔ یہ حدیث اس حدیث کی شرح ہے۔ یہ تو کپڑا پہنانے کا دنیاوی فائدہ ہوا۔ اخروی فائدہ تو ہمارے خیال سے وراء ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس قدر صدقہ کی بقا اسی قدر اس کے فائدہ کی بقا لہٰذا صدقہ جاریہ بہت ہی اعلیٰ ہے۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ یَّرْفَعُہٗ قَالَ ثَلٰثَۃٌ یُّحِبُّھُمُ اللّٰہُ رَجُلٌ قَامَ مِنَ اللَّیْلِ یَتْلُوْا کِتَابَ اللّٰہِ وَرَجُلٌ یَّتَصَدَّقُ بِصَدَقَۃٍ بِیَمِیْنِہٖ یُخْفِیْھَا اُرَاہُ قَالَ مِنْ شِمَالِہٖ وَرَجُلٌ کَانَ فِیْ سَرِیَّۃٍ فَانْھَزَمَ اَصْحَابُہٗ فَاسْتَقْبَلَ الْعَدُوَّ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ قَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَیْرُ مَحْفُوْظٍ اَحَدُ رُوَاتِہٖ اَبُوْبَکْرِ بْنُ عَیَّاشٍ کَثِیْرُ الْغَلَطِ

(۱۸۲۶) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے وہ اسے مرفوع کرتے ہیں فرمایا تین شخصوں سے اللہ محبت کرتا ہے۱؎ ایک وہ جو رات کو اٹھ کر قرآن پڑھے۲؎ دوسرا وہ جو اپنے داہنے ہاتھ سے خیرات کرے اور اسے چھپائے مجھے خیال ہے کہ فرمایا اپنے بائیں ہاتھ سے۳؎ تیسرا وہ جو کسی لشکر میں تھا کہ اس کے ساتھی بھاگ گئے تو یہ دشمن کے مقابل رہا۴؎ ترمذی' اور ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غیر محفوظ ہے اس کے ایک راوی ابوبکر ابن عیاش ہیں جو بہت غلطیاں کرتے ہیں۔۵؎

(۱۸۲۶)۱؎ خاص نوعیت کی محبت ورنہ عمومی محبت تو اللہ تعالٰی ہر مومن سے کرتا ہے۔ بعض کا مقابل صحابہ کرام سے اور قسم کی محبت فرماتا ہے اور مختلف قسم کے شخصوں سے اور اقسام کی محبت' یہ ہی حال رضائے الٰہی کا ہے۔ رب تعالٰی کی محبت خاص کی یہ علامت ہے کہ اسے نیک اعمال کی توفیق بخشتا ہے اور گناہوں سے بچاتا ہے۔ اللہ ہم سب کو نصیب کرے۲؎ یا نماز تہجد میں یا ویسے ہی علاوہ نماز کے معلوم ہوا کہ آخر رات کی تلاوت و نماز بہت اعلیٰ ہے کہ اس میں ریاء کا شائبہ نہیں اس میں وہ حفظ قرآن والے طلباء بھی شامل ہیں جو آخر شب میں قرآن پاک یاد کریں۔۳؎ یہ چھپانے کے مبالغہ کیلئے ہے۔ یعنی وہ اپنے زن و فرزند اور خاص دوستوں سے بھی اس صدقہ کا ذکر نہیں کرتا۔ تاکہ ریاء کا شائبہ بھی نہ پیدا ہو جائے۔ خیال رہے کہ صدقہ فرض اکثر ظاہر کرکے دینا افضل ہے تاکہ فسق کی تہمت سے بچے اور صدقہ نفل اکثر چھپا کر دینا بہتر ہاں چندہ وغیرہ پر صدقہ کا اعلان تاکہ دوسروں کو بھی دینے کی رغبت ہو بہتر ہے۔ مختلف حالات کے مختلف احکام ہیں۔ رب تعالٰی فرماتا ہے:اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا ھِیَ وَاِنْ تُخْفُوْھَا وَتُؤْتُوْھَا الْفُقَرَآءَ فَھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ (۲:۲۷۱) اگر خیرات علانیہ دو تو کیا ہی اچھی بات ہے اور اگر چھپا کر فقیروں کو دو یہ تمہارے لئے سب سے بہتر ہے (کنزالایمان) لہٰذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں۴؎ اپنی فوج کے بھاگ جانے پر اور خود اکیلے رہ جانے پر دشمن کے مقابل ڈٹ جانا گویا اپنی موت کو دعوت دینا ہے مگر چونکہ کلمۃ اللہ بلند کرنے کیلئے مر جانا بھی عبادت ہے اس لیے یہ غازی اللہ کا بڑا محبوب بنا اور اس پر خودکشی کا الزام نہ آیا۔ اگر بحالت جنگ یہ حدیث ہر غازی کے سامنے رہے تو انشاء اللہ اسلامی فوج کے قدم اکھڑ سکتے ہی نہیں' مرقات نے فرمایا کہ یہ تینوں بندے مجاہد ہی ہیں۔ اس لیے ان تینوں کے ایک ساتھ

فضائل بیان کیے گئے۔ تہجد گزار اس وقت سونے والوں کی مخالفت کرتا ہے اور نفس امارہ کا مقابلہ کہ اس وقت نفس کو نیند پیاری ہوتی ہے اور اسے اللہ کا ذکر پیارا اور سخی اپنے مال میں جہاد کرتا ہے اور اپنے نفس سے مقابلہ کہ نفس مال سے محبت کرتا ہے اور یہ خالق مال سے، اور وہ ڈٹنے والا غازی تو ظاہر ظہور مجاہد ہے کہ اگر وہ غنیمت یا ناموری کیلئے گیا ہوتا تو ایسے نازک موقع پر میدان میں کبھی نہ ٹھہرتا۔۹؎ یہ حضرت اپنے وقت کے امام تھے۔ مگر حافظہ کمزور تھا۔ اس لیے ضعیف ہیں مگر اسی مضمون کی احادیث اور اسنادوں سے بھی مروی ہیں جو اکثر صحیح ہیں جن میں سے کچھ فرق کے ساتھ ایک آگے بھی آرہی ہے۔ لہٰذا متن حدیث ضعیف نہیں (اشعۃ ومرقات)

وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَةٌ يُحِبُّهُمُ اللّٰهُ وَثَلٰثَةٌ يُبْغِضُهُمُ اللّٰهُ فَاَمَّا الَّذِيْنَ يُحِبُّهُمُ اللّٰهُ فَرَجُلٌ اَتٰى قَوْمًا فَسَاَلَهُمْ بِاللّٰهِ وَلَمْ يَسْاَلْهُمْ لِقَرَابَةٍ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهُمْ فَمَنَعُوْهُ فَتَخَلَّفَ رَجُلٌ بِاَعْيَانِهِمْ فَاَعْطَاهُ سِرًّا لَّا يَعْلَمُ بِعَطِيَّتِهٖ اِلَّا اللّٰهُ وَالَّذِىْ اَعْطَاهُ وَقَوْمٌ سَارُوْا لَيْلَتَهُمْ حَتّٰى اِذَا كَانَ النَّوْمُ اَحَبَّ اِلَيْهِمْ مِمَّا يُعْدَلُ بِهٖ فَوَضَعُوْا رُءُوْسَهُمْ فَقَامَ يَتَمَلَّقُنِیْ وَيَتْلُوْا اٰيَاتِیْ وَرَجُلٌ كَانَ فِیْ سَرِيَّةٍ فَلَقِیَ الْعَدُوَّ فَهُزِمُوْا فَاَقْبَلَ بِصَدْرِهٖ حَتّٰى يُقْتَلَ اَوْ يُفْتَحَ لَهٗ وَالثَّلٰثَةُ الَّذِيْنَ يُبْغِضُهُمُ اللّٰهُ الشَّيْخُ الزَّانِیْ وَالْفَقِيْرُ الْمُخْتَالُ وَالْغَنِیُّ الظَّلُوْمُ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَمِثْلَهٗ وَلَمْ يَذْكُرْ وَثَلٰثَةٌ يُبْغِضُهُمْ

(۱۸۲۷) روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی تین شخصوں سے محبت کرتا ہے اور تین سے سخت ناراض ہے۱؎ جن سے محبت کرتا ہے ایک تو وہ شخص ہے جو کسی قوم کے پاس پہنچا۲؎ ان سے اللہ کے نام پر کچھ مانگا اپنی آپس کی قرابت کی وجہ سے نہ مانگا۳؎ لوگوں نے اسے منع کر دیا تو ان ہی میں سے ایک شخص پیچھے ہٹا اسے چھپ کر کچھ دے دیا جس کا عطیہ اللہ کے سواء اور اس دینے والے کے سواء کوئی نہیں جانتا۴؎ اور ایک وہ قوم جو رات بھر چلتی رہی حتی کہ جب انہیں نیند ہر ماسوا سے پیاری ہوگئی تو سر رکھ کر سو گئے تو یہ کھڑے ہو کر میری خوشامد کرنے لگا اور میری آیات تلاوت کیں۵؎ اور وہ شخص جو کسی لشکر میں تھا دشمن سے جنگ کی لوگ بھاگ پڑے تو یہ اپنا سینہ تان کر کھڑا ہوگیا حتی کہ قتل کر دیا گیا یا اس کی وجہ سے فتح ہوگئی۶؎ اور وہ تین جن سے اللہ سخت ناراض ہے ایک بوڑھا زانی ہے۷؎ متکبر فقیر اور ظالم غنی ۸؎ (ترمذی، نسائی)

(۱۸۲۷)۱؎ ان سے محبت کرنے کے معنی پہلے مذکور ہو گئے کہ خصوصی محبت مراد ہے۔ ناراضی سے بھی خصوصی ناراضی مراد ہے ورنہ رب تعالٰی تمام کفار اور فساق سے ناراض ہے۔ لہٰذا حدیث واضح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔۲؎ یہ پہنچنے والا اور مانگنے والا خدا کا محبوب نہیں محبوب تو وہ دینے والا ہے جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔ اس کے صدقہ کی اہمیت دکھانے کیلئے یہ پورا واقعہ بیان فرمایا (از لمعات)۳؎ اگرچہ قرابت دار فقیر کو دینے میں دگنا ثواب ہے مگر یہاں اس سخی کا اس اجنبی فقیر کو خیرات دینا بہت ہی کامل ہوا کیونکہ یہاں سواء رضائے الٰہی کے اور کوئی چیز فقیر کی ممنونیت وغیرہ ملحوظ نہ تھی۔ لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ قرابت داروں کو خیرات دینا افضل ہے۔۴؎ اَعْطَاهُ میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے لینے والا فقیر مراد ہو۔ دوسرے یہ کہ اس سے دینے والا سخی مراد ہو۔ دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اس سخی نے اپنا منہ چھپا کر یا اندھیرے میں اس طرح دیا کہ فقیر کو بھی پتا نہ چلا کہ کون دے گیا۔ چونکہ اس شخص نے صدقہ بھی دیا۔ اس قوم کی مخالفت بھی کی اور فقیر کی ٹوٹی آس بھی پوری کی۔ اس لیے یہ خدا کا زیادہ پیارا ہوا۔۵؎ عرب میں عموماً رات میں سفر ہوتا ہے اور تھکن اتارنے کیلئے مسافر آخر رات میں آرام کر لیتے ہیں۔ چونکہ اس تہجد خواں نے تین بہادریاں کیں اس لیے یہ خدا تعالٰی کو زیادہ محبوب ہوا۔ ایسی

حالت میں نیند پر عبادت کو ترجیح دینا سب کو سوتا دیکھ کر بھی نہ سونا عابدوں میں عبادت آسان ہے۔ غافلوں میں مشکل اور تہجد کی نماز تمام ۴؎ ملق سے بنا بمعنی دوستی و نرمی' ناجائز نرمی کا نام چاپلوسی ہے۔ اور جائز نرمی کا نام خوشامد' نیاز مندی وغیرہ' یہاں دوسرے معنی میں ہے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ یہ خوشامد اصل عرفان اور بندے و رب تعالٰی کے درمیان خاص تعلق کا باعث یہ حال قال سے وراء ہے ۵؎ اس طرح کہ اس اکیلے کی جرأت ہمت دیکھ کر بھاگنے والوں میں دلیری پیدا ہوئی پلٹ پڑے اور جم کر لڑے جیسا کہ غزوہ حنین میں ہوا کہ اس دن سارے غازیوں کے قدم اکھڑ گئے تھے۔ سید الاجمعین صلی اللہ علیہ وسلم میدان میں جمے رہے پھر وہی صحابہ پلٹ پڑے جم کر لڑے اور میدان جیت لیا۔ رضی اللہ تعالٰی عنہم ۶؎ ظاہر یہ ہے کہ شیخ بمعنی بوڑھا ہے نہ کہ شادی شدہ جوان' چونکہ بڑھاپے میں موت قریب نظر آتی ہے۔ شہوانی قوتیں کمزور ہو جاتی ہیں۔ بوڑھا بہت تکلیف ہی سے صحبت کر سکتا ہے۔ اس لیے اس کا زنا انتہائی خباثت کی دلیل ہے کہ اسے نہ موت کا خوف' نہ اللہ رسول کی شرم ۷؎ اگرچہ ہر تکبر برا ہے مگر استغناء اور تعفف میں بڑا فرق ہے اور مسلمانوں کو اپنے سے حقیر جاننا تکبر ہے اور اپنے کو ان سے بے نیاز سمجھنا صرف اللہ رسول ہی کا محتاج جاننا بہت اعلٰی وصف ہے۔ اسی کو استغناء وغیرہ کہتے ہیں۔ اس کو اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے یوں بیان فرمایا ہے شعر:

تیرے قدموں میں جو ہیں غیر کا منہ کیا دیکھیں
کون نظروں میں جچے دیکھ کے تلوا تیرا

ع کیوں نہ وہ بے نیاز ہو تجھ سے جسے نیاز ہو۔ مرقات نے فرمایا کہ کفار اور متکبروں کے مقابلے میں تکبر کرنا عبادت ہے۔ اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ حضرت بشیر ابن حارث نے امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا عرض کیا مجھے کچھ نصیحت کیجئے فرمایا کہ امیروں کا فقیروں پر مہربانی کرنا بہت اچھا ہے مگر فقیروں کا خدا پر توکل کر کے امیروں سے تکبر کرنا اس سے بھی اچھا اس فقیر متکبر میں وہ جاہل بھی داخل ہیں جو علماء کو حقیر سمجھیں کہ وہ علم کے فقیر ہیں ۸؎ اپنے نفس پر ظالم کہ نعمتوں کا شکر نہیں کرتا اور مخلوق پر ظالم کہ انہیں بجائے نفع پہنچانے کے ستاتا ہے۔ چونکہ ان لوگوں کے جرم سخت ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالٰی ان سے سخت ناراض۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ الْاَرْضَ جَعَلَتْ تَمِيْدُ فَخَلَقَ الْجِبَالَ فَقَالَ بِهَا عَلَيْهَا فَاسْتَقَرَّتْ فَعَجِبَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ شِدَّةِ الْجِبَالِ فَقَالُوْا يَارَبِّ هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ اَشَدُّ مِنَ الْجِبَالِ قَالَ نَعَمِ الْحَدِيْدُ فَقَالُوْا يَارَبِّ هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ اَشَدُّ مِنَ الْحَدِيْدِ قَالَ نَعَمِ النَّارُ فَقَالُوْا يَارَبِّ هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ اَشَدُّ مِنَ النَّارِ قَالَ نَعَمِ الْمَآءُ فَقَالُوْا يَارَبِّ هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ اَشَدُّ مِنَ الْمَآءِ قَالَ نَعَمِ الرِّيْحُ فَقَالُوْا يَارَبِّ هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ اَشَدُّ مِنَ الرِّيْحِ قَالَ نَعَمْ ابْنُ اٰدَمَ تَصَدَّقَ صَدَقَةً بِيَمِيْنِهٖ

(۱۸۲۸) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب اللہ نے زمین کو پیدا کیا تو زمین ہلنے لگی ۱؎ تو پہاڑوں کو پیدا فرمایا تو انہیں زمین میں گاڑ دیا تو زمین ٹھہر گئی ۲؎ تو فرشتوں نے پہاڑوں کی مضبوطی پر تعجب کیا بولے الٰہی کیا تیری مخلوق میں کوئی چیز پہاڑوں سے بھی زیادہ سخت ہے ۳؎ فرمایا ہاں لوہا ہے ۴؎ عرض کیا یا الٰہی کیا تیری مخلوق میں کوئی چیز لوہے سے بھی زیادہ سخت ہے فرمایا ہاں آگ ہے ۵؎ عرض کیا مولیٰ کیا تیری مخلوق میں کوئی چیز آگ سے بھی زیادہ سخت ہے فرمایا ہاں پانی ہے ۶؎ بولے یا اللہ العالمین کیا تیری مخلوق میں کوئی چیز پانی سے بھی زیادہ سخت ہے فرمایا ہاں ہوا ہے ۷؎ بولے اے پروردگار کیا تیری مخلوق میں کوئی چیز ہوا سے بھی زیادہ سخت ہے فرمایا ہاں وہ انسان جو داہنے ہاتھ سے

يُخْفِيْهَا مِنْ شِمَالِهٖ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَّ ذُكِرَ حَدِيْثُ مُعَاذٍ ن الصَّدَقَةُ تُطْفِيءُ الْخَطِيْئَةَ فِيْ كِتَابِ الْاِيْمَانِ)

خیرات کرے جسے بائیں ہاتھ سے چھپائے ۸؎ (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور حضرت معاذ کی یہ حدیث کہ صدقہ خطائیں مٹا دیتا ہے۔ کتاب الایمان میں ذکر ہو چکی۔

(۱۸۲۸) ۱؎ جیسے ہلکی کشتی و جہاز پانی پر ہلتا ہے۔اسی طرح زمین ہلتی تھی۔فرشتوں نے گمان کیا کہ اس سے لوگ نفع نہ اٹھا سکیں گے۔۲؎ مرقات نے فرمایا کہ پہلے ابوقبیس پہاڑ پیدا ہوا پھر دوسرے پہاڑ' ان پہاڑوں سے زمین ایسی ٹھہر گئی جیسے جہاز میں وزن لاد دینے سے دریا پر ٹھہر جاتا ہے۔جنبش نہیں کرتا۔قال قول سے بنا بمعنی گاڑ دینا' پہاڑ زمین میں ایسے گڑے ہیں جیسے زمین میں مضبوط درخت کہ پہاڑوں کی جڑیں دور تک پھیلی ہوتی ہیں۔رب تعالٰی فرماتا ہے وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَبِكُمْ (۱۶:۱۵) اور اس نے زمین میں لنگر ڈالے کہ کہیں تمہیں لے کر نہ کانپے (کنزالایمان) بعض شراح نے فرمایا کہ یہاں قال کہنے ہی کے معنی میں ہے۔یعنی پہاڑ پیدا فرما کر زمین سے فرمایا ٹھہر گئی یعنی زمین کا ٹھہرنا کن فرمانے سے ہے۔پہاڑ محض سبب ہیں مگر پہلے معنی زیادہ قوی ہیں۔جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے ۳؎ فرشتوں کو حیرت یہ ہوئی کہ پہاڑوں نے اتنی بڑی زمین کو اس طرح دبوچ لیا کہ اسے ہلنے نہیں دیتے۔تو ان سے سخت تر مخلوق کون سی ہو گی۔خیال رہے کہ پہاڑ زمین سے زیادہ وزنی نہیں مگر جیسے جہاز کا سامان جہاز سے وزن سے کہیں ہلکا ہوتا ہے مگر جہاز کو ہلنے نہیں دیتا اسی طرح پہاڑ کا معاملہ ہے ۴؎ کیونکہ لوہا پہاڑ کو توڑ دیتا ہے پہاڑ لوہے کو نہیں توڑتا ۵؎ کہ آگ لوہے کو پگھلا دیتی ہے بلکہ زیادہ تیز ہو تو لوہے کو گلا کر پانی بنا دیتی ہے۔۶؎ کہ پانی آگ کو بجھا دیتا ہے' اگرچہ آگ پانی کو گرم بھی کر دیتی ہے اور جلا بھی دیتی ہے مگر کسی برتن کی مدد سے جبکہ پانی اس میں بند ہو اگر آڑ ہٹا دی جائے تو پانی ہی آگ کو بجھاتا ہے۔لہٰذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں پانی قید میں رہ کر جلتا ہے۔۷؎ کیونکہ ہوا پانی سے لدے بادلوں کو اڑائے پھرتی ہے اور سمندر میں تلاطم پیدا کر دیتی ہے جس سے وہاں طوفان برپا ہو جاتا ہے ۸؎ کیونکہ ایسا سخی اس سرکش نفس کو تابعدار کر لیتا ہے جو پہاڑ سے زیادہ سخت سمندر و ہوا سے زیادہ طوفانی ہے۔نفس اولاً تو بخل سکھاتا ہے جب سخاوت کی جائے تو دکھلاوے کو پسند کرتا ہے۔یہ خفیہ سخاوت کرنے والا نفس کی دونوں خواہشوں کو کچل دیتا ہے اور نفس کی آگ کو بجھا دیتا ہے۔لہٰذا بڑا بہادر ہے۔نیز خفیہ صدقہ سے غضب الٰہی کی آگ بجھتی ہے۔رضائے الٰہی حاصل ہوتی ہے۔یہ نعمتیں پہاڑ' لوہے' آگ' پانی' ہوا سے حاصل نہیں ہو سکتیں۔لہٰذا یہ صدقہ ان سب سے بہتر صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ سخاوت مال سے سخاوت حال افضل ہے اور سخاوت حال سے سخاوت کمال بہتر کہ سخاوت مال میں فقیر کی اسی زندگی کے دو ایک دن سنبھل جاتے ہیں مگر حال و مال کی سخاوت سے ہم جیسے مسکینوں کے دونوں جہان درست ہو جاتے ہیں۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تاقیامت لوگوں کے دین و دنیا سنبھال دیئے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بڑے داتا ہیں۔جیسے زمین پہاڑوں سے ٹھہری ایسے ہی ہمارے دل کسی کی نگاہ کرم سے ٹھہر سکتے ہیں ورنہ دل کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ عَبْدٍ مُّسْلِمٍ يُنْفِقُ مِنْ كُلِّ مَالٍ لَّهٗ زَوْجَيْنِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِلَّا اسْتَقْبَلَتْهُ حَجَبَةُ الْجَنَّةِ

(۱۸۲۹) روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی مسلمان اپنے ہر مال سے جوڑا اللہ کی راہ میں خیرات نہیں کرتا ۱؎ مگر جنت کے دربان اس کا استقبال کریں گے

كُلُّهُمْ يَدْعُوْهُ اِلٰى مَا عِنْدَهُ قُلْتُ وَكَيْفَ ذٰلِكَ قَالَ اِنْ كَانَتْ اِبِلاً فَبَعِيْرَيْنِ وَاِنْ كَانَتْ بَقَرَةً فَبَقَرَتَيْنِ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

ان میں سے ہر ایک اس کی طرف بلائے گا جو اس کے پاس ہے۲ میں نے عرض کیا یہ کیسے کرے فرمایا اگر اونٹ ہوں تو دو اونٹ دے اور اگر گائیں ہوں تو دو گائے دے۳ (نسائی)

(۱۸۲۹) ۱؎ بعض لوگ فقیر کو کپڑوں کا جوڑا اور جوتا بھی دیتے ہیں۔نیز روپیہ پیسہ خیرات کرتے ہیں تو کم از کم دو ان کا ماخذ یہ حدیث ہے۔حدیث بالکل ظاہر پر ہے۔اس میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں ۲؎ یعنی جنت کے ہر دروازہ پر اس کی پکار پڑے گی کہ ادھر سے آؤ۔یہ اظہار عزت کیلئے ہوگا یہ لوگ حضرت ابوبکر صدیق کی فوج ہوں گے وہ اس جماعت کے سردار اعلیٰ رضی اللہ عنہ یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ (پ ۱۵) جس دن ہم ہر جماعت کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔(کنز الایمان) ۳؎ اس شرح نے بتادیا کہ حدیث میں ایک جنس کی دو نوعیں مراد نہیں یعنی روٹی و پانی، جوتا ٹوپی بلکہ ایک نوع کی دو فردیں مراد ہیں۔یعنی پیسہ خیرات کرو تو دو روپے ہوں۔کپڑے ہوں تو دو۔

وَعَنْ مَرْثَدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِيْ بَعْضُ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ ظِلَّ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ صَدَقَتُهُ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

(۱۸۳۰) روایت ہے حضرت مرثد ابن عبداللہ سے۱ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ نے خبر دی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا قیامت کے دن مسلمان کا سایہ اس کا صدقہ ہوگا۲ (احمد)

(۱۸۳۰) ۱؎ آپ کی کنیت ابوالخیر ہے۔قبیلہ مزینہ سے ہیں۔مصر کے رہنے والے تابعین میں سے ہیں۔اپنے زمانہ کے مفتی اعظم تھے۔حتی کہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز آپ سے فتویٰ لیتے تھے۔حضرت ابن عمر، ابوایوب، عقبہ ابن عامر صحابہ سے ملاقات ہے۔۲؎ یعنی مومن کے صدقہ و خیرات خصوصاً فی سبیل اللہ مسافر خانے مسجدیں بنانا اور باغات لگانا وغیرہ کل قیامت میں درخت سایہ دار کی شکل میں نمودار ہوں گے جن کے سایہ میں سخی ہوگا اور قیامت کی گرمی سے محفوظ رہے گا کیونکہ دنیا میں غرباء فقراء کو اس نے سایہ کرم میں رکھا تھا۔حدیث بالکل ظاہری معنی پر ہے۔کسی تاویل کی ضرورت نہیں وہاں مال بلکہ اعمال کی مختلف شکلیں ہوں گی۔بخیل کا مال گنجے سانپ کی شکل میں، سخی کا مال درخت سایہ دار کی صورت میں نمودار ہوگا۔آج دنیا میں ہم خواب میں ان چیزوں کو مختلف صورتوں میں دیکھتے ہیں۔بادشاہ مصر نے قحط کے سال خشک بالی اور دبلی گایوں کی شکل میں دیکھے تھے۔(قرآن کریم)

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وَسَّعَ عَلٰى عِيَالِهِ فِي النَّفَقَةِ يَوْمَ عَاشُوْرَآءَ وَسَّعَ اللّٰهُ عَلَيْهِ سَائِرَ سَنَتِهٖ قَالَ سُفْيَانُ اِنَّا قَدْ جَرَّبْنَاهُ فَوَجَدْنَاهُ كَذٰلِكَ رَوَاهُ رَزِيْنٌ وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ عَنْهُ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ وَاَبِيْ سَعِيْدٍ وَجَابِرٍ وَضَعَّفَهُ

(۱۸۳۱) روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو دسویں محرم اپنے بچوں کے خرچ میں فراخی کرے گا، تو اللہ تعالٰی سارا سال اس کو فراخی دے گا۱ سفیان فرماتے ہیں کہ ہم نے اس حدیث کا تجربہ کیا تو ایسے ہی پایا۲ رزین اور بیہقی نے شعب الایمان میں انہی ابن مسعود اور ابوہریرہ اور ابوسعید و جابر سے روایت کیا اور اسے ضعیف فرمایا۳

(۱۸۳۱) ۱؎ یعنی محرم کی دسویں تاریخ کو اپنے بال بچوں نوکر خادموں فقراء مساکین کے لئے مختلف قسم کے کھانے تیار کرے تو انشاء اللہ تعالٰی سال بھر [illegible]

ہوتا ہے، گندم، گوشت اور دالیں چاول وغیرہ تو انشاء اللہ حلیم پکانے والے کے گھر ان تمام کھانوں میں برکت ہوگی۔ ۲؎ یعنی سفیان فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ہمارے اور ہمارے ساتھیوں کے تجربہ میں آئی ہے، واقعی اس عمل سے برکت ہوتی ہے لہذا یہ حدیث قوی ہے، خیال رہے کہ تجربہ سے بھی حدیث کو تقویت پہنچتی ہے اس لئے محدثین حدیث کی توثیق کے لئے بھی اپنے تجربہ کا ذکر کردیتے ہیں، یہاں بھی ایسا ہی ہے اس کی بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ دوم میں دیکھئے، خیال رہے کہ عاشورہ کے دن خود روزہ رکھو اور بچوں کو فقراء کو خوب کھلاؤ پلاؤ، لہذا یہ حدیث عاشورہ کے روزہ کے خلاف نہیں ۳؎ بیہقی نے اسی جگہ فرمایا کہ یہ حدیث بہت سی اسنادوں سے مروی ہے، جو سب ضعیف ہیں، مگر چند ضعیف اسنادیں مل کر حدیث کو قوی کردیتی ہے لہذا یہ حدیث حسن لغیرہ ہے (اشعہ) امام عراقی نے فرمایا کہ اس حدیث کی بعض اسنادیں صحیح بھی ہیں۔ امام مسلم کی شرط پر ہیں۔ لہذا متن حدیث صحیح ہے (مرقات) اگر حدیث ضعیف بھی ہو تو فضائل اعمال میں قبول ہے۔ عاشورہ کے دن اور بہت سے اعمال کرنا چاہئیں جیسے غسل کرنا، سرمہ لگانا، روزہ رکھنا وغیرہ ان کی تفصیل ہماری کتاب اسلامی زندگی میں ملاحظہ کرو۔

وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ اَبُوْ ذَرٍّ یَا نَبِیَّ اللّٰهِ اَرَئَیْتَ الصَّدَقَةَ مَاذَا هِیَ قَالَ اَضْعَافٌ مُّضَاعَفَةٌ وَّعِنْدَاللّٰهِ الْمَزِیْدُ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

(۱۸۳۲) روایت ہے حضرت ابو امامہ سے فرماتے ہیں عرض کیا ابوذر نے یا نبی اللہ فرمایئے تو صدقہ کا درجہ کیا ہے فرمایا وہ چند در چند (دونا دون) ہے اور اللہ کے ہاں زیادتی علاوہ ہے ۱؎

(۱۸۳۲) ۱؎ اس جملہ کے دو مطلب ہوسکتے ہیں۔ ایک یہ کہ صدقہ کی برکتیں دنیا میں تو چند در چند ہیں اور کل قیامت میں جو زیادتیاں ہوں گی وہ ہمارے حساب سے وراء ہیں۔ رب تعالٰی فرماتا ہے: یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰو وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ (۲:۲۷۶) اللہ ہلاک کرتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو (کنز الایمان) تجربہ بھی ہے کہ صدقہ سے مال بہت بڑھتا ہے۔ دوسرے یہ کہ قیامت میں صدقہ کا ثواب دس سے سات سو گنا تک ہے اور جو زیادتیاں رب عطا فرمائے گا وہ حساب سے زیادہ ہیں۔ رب تعالٰی فرماتا ہے: وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ (۲:۲۶۱) اور اللہ اس سے بھی زیادہ بڑھائے جس کے لئے چاہے۔ (کنز الایمان)

بَابُ اَفْضَلِ الصَّدَقَةِ
باب بہترین صدقہ

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ
پہلی فصل

۱؎ یوں تو ہر صدقہ بہر حال اچھا ہے مگر کبھی بعض عارضی حالات میں بہت اچھا ہوجاتا ہے خواہ خیرات دینے والے کی ہو یا لینے والے کی ہو یا مال کی جیسے تندرستی کی خیرات مرتے وقت کی خیرات سے بہتر ہے یوں ہی متقی پرہیزگار عیالدار کو خیرات دینا فاسق کو دینے سے بہتر، اسی طرح جس چیز کی اس وقت تنگی ہو اس کا صدقہ افضل ہے۔ جہاں پانی کی تنگی ہو وہاں کنواں کھدوانا بہت باعث ثواب ہے۔ اس باب میں ان تمام حالات کا ذکر ہوگا جن سے صدقہ بہت بہتر ہوجاتا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ وَحَکِیْمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَیْرُ الصَّدَقَةِ مَا کَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنًی وَّابْدَاْ بِمَنْ تَعُوْلُ

(۱۸۳۳) روایت ہے حضرت ابوہریرہ اور حکیم ابن حزام سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بہترین صدقہ وہ ہے جو قوت غنا سے ہو اور ان سے ابتداء کرو جن کی تم پرورش کرتے

(رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ وَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ عَنْ حَكِيْمٍ وَّحْدَهٗ)

ہو۲ بخاری اور مسلم نے صرف حکیم سے روایت کی۔

(۱۸۳۳)۱بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں لفظ ظہر زائد ہے جس کے کوئی معنی نہیں، مگر حق یہ ہے کہ زائد نہیں بلکہ بمعنی قوت و غلبہ ہے یعنی صدقہ بہتر وہ ہے کہ صدقہ دینے والا صدقہ دے کر خود بھی خوب غنی رہے یا تو مال کا غنی رہے یعنی سب خیرات نہ کردے کہ کل وہ خود اور اس کے بال بچے بھیک مانگتے پھریں۔ غرض کہ صدقہ دے کر خود فقیر بھکاری نہ بن جاؤ یا دل کا غنی کہ سب کچھ دے کر بھی لوگوں سے بے نیاز رہے۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیق نے سب کچھ راہ خدا میں دے دیا کہ گھر میں کچھ نہ رکھا لہذا یہ حدیث صدیق اکبر کے اس عمل کے خلاف نہیں، خلاصہ یہ ہے کہ عوام مسلمین اصلی ضرورت سے زیادہ مال خیرات کریں۔ رب تعالٰی فرماتا ہے: وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ (۲:۲۱۹) تم سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں تم فرماؤ جو فاضل بچے (کنز الایمان) عَفْو سے مراد ضرورت سے بچا مال اور خاص متوکلین کل مال بھی لٹا سکتے ہیں۔ یہ حدیث دونوں کو شامل ہے ۲یعنی اپنا مال پہلے اپنے پر پھر اپنے بال بچوں پر پھر غریب قرابت والوں پر پھر دوسروں پر خرچ کرو چونکہ مومن کو ان سب خرچوں میں صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔ اسی لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خرچوں کو صدقہ میں شامل فرمایا سبحان اللہ کیسی پیاری ترتیب ہے اور کیسی نفیس تعلیم اہل قرابت کو صدقہ دینے میں صدقہ کا بھی ثواب ہے اور قرابت ادا کرنے کا بھی جیسا کہ اگلی حدیث میں آرہا ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَنْفَقَ الْمُسْلِمُ نَفَقَةً عَلٰى اَهْلِهٖ وَهُوَ يَحْتَسِبُهَا كَانَتْ لَهٗ صَدَقَةً (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۸۳۴) روایت ہے حضرت ابومسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب مسلمان اپنے گھر والوں پر ثواب کی طلب میں خرچ کرتا ہے تو یہ اس کے لیے صدقہ ہوتا ہے۱ (مسلم، بخاری)

(۱۸۳۴)۱گھر والوں سے مراد بیوی بچے اور سارے عزیز ہیں۔ ان کی ترتیب کتب فقہ میں دیکھو اور طلب اجر سے مراد یہ ہے کہ ان سب پر خرچ کرے۔ سنت جناب مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ کر۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ سنت کی نیت سے تو خود اپنا کھانا پینا بلکہ جینا مرنا عبادت ہے۔ اللہ تعالٰی نیت خیر نصیب کرے۔ دنیا کو دکھانے اور اپنی ناموری کے لیے تو نماز پڑھنا بھی عبادت نہیں۔ چہ جائیکہ یہ خرچ لہذا بیاہ شادیوں میں جو مختلف رسوم کے ماتحت اہل قرابت کو یا میوں کو نیگ دستور یا حقوق دیئے جاتے ہیں۔ ثواب نہیں۔ وہ اسی لیے انہیں اپنے نام کیلئے ہیں۔ اس سید الفصحی صلی اللہ علیہ وسلم نے طلب ثواب کی قید لگائی۔ اللہ تعالٰی نیت خیر و اخلاص نصیب کرے۔ آمین۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِيْنَارٌ اَنْفَقْتَهٗ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَدِيْنَارٌ اَنْفَقْتَهٗ فِیْ رَقَبَةٍ وَّدِيْنَارٌ تَصَدَّقْتَ بِهٖ عَلٰى مِسْكِيْنٍ وَّدِيْنَارٌ اَنْفَقْتَهٗ عَلٰى اَهْلِكَ اَعْظَمُهَا اَجْرًا اَلَّذِیْ عَلٰى اَهْلِكَ

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۱۸۳۵) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اشرفی تو اللہ کی راہ میں خرچ کرے۱ اور جو اشرفی تو گردن آزاد کرنے میں خرچ کردے۲ اور جو اشرفی تو کسی مسکین پر صدقہ کرے اور جو اشرفی تو اپنے گھر والوں پر خرچ کرے ان سب میں زیادہ ثواب اس کا ہے جو تو اپنے گھر والوں پر خرچ کرے۳ (مسلم)

(۱۸۳۵)۱یہاں اللہ کی راہ سے مراد حج و جہاد وغیرہ وہ مقامات ہیں جہاں کسی بندے کی رضا قطعاً مقصود نہ ہو۲اس میں مکاتب کی امداد غلام کی آزادی، مقروض کو قرض سے آزاد کرانا کسی مصیبت میں پھنسے ہوئے کو اس مصیبت سے نکالنا سب ہی داخل ہیں نہایت جامع

کلمہ ہے۳؎ گھر والوں پر خرچ ان سب خیراتوں سے یا تو اس لئے بہتر ہے کہ وہ خیراتیں نفل تھیں اور یہ خرچ فرض ہے' اکثر فرض نفل سے بہتر ہوتا ہے یا اس لئے کہ اس خرچ دینے میں صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی اہل قرابت کے حق کی ادائیگی اور دو نیکیاں ایک نیکی سے افضل ہیں اسی لئے بعض لوگ گیارھویں شریف وغیرہ کی شیرینی اکثر سیدوں کو دیتے ہیں کہ یہ حضرات اولاد رسول ہیں' اس میں خیرات بھی اور اولاد رسول کے حق کی ادائیگی بھی' ان کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ دِيْنَارٍ يُّنْفِقُهُ الرَّجُلُ دِيْنَارٌ يُّنْفِقُهُ عَلٰى عِيَالِهٖ وَدِيْنَارٌ يُّنْفِقُهُ عَلٰى دَآبَّتِهٖ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَدِيْنَارٌ يُّنْفِقُهُ عَلٰى اَصْحَابِهٖ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۱۸۳۶) روایت ہے حضرت ثوبان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بہترین اشرفی جو آدمی خرچ کرتا ہے وہ اشرفی ہے جسے اپنے بال بچوں پر خرچ کرے اور وہ اشرفی ہے جسے اپنے اللہ واسطے کے گھوڑے پر خرچ کرے۱؎ اور وہ اشرفی ہے جسے اللہ کی راہ میں اپنے دوستوں پر خرچ کرے۲؎ (مسلم)

(۱۸۳۶)۱؎ یہ ترجمہ بہت مناسب ہے' فی سبیل اللہ گھوڑے کی صفت ہے' خرچ کے متعلق نہیں یعنی جو گھوڑا جہاد کے لئے پالا ہو' اس پر خرچ کرنا بہتر ہے اور جو گھوڑا اپنی سواری وغیرہ کے لئے ہو وہ عیال میں داخل ہے یعنی بال بچے وغیرہ جن کی پرورش ہم پر لازم ہے۲؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں دوستوں سے مراد سفر جہاد یا سفر حج کے ساتھی ہیں ان پر خرچ کرنا دوہرا ثواب ہے۔ ساتھی سے سلوک اور حاجی یا غازی کی امداد' خیال رہے کہ اس حدیث سے یہ تو معلوم ہوا کہ یہ تین خرچ دوسرے خرچوں سے افضل ہیں مگر ان تین میں سے کون دوسرے سے افضل ہے۔ یہ پتا نہ لگا کیونکہ واؤ جمع کیلئے آتا ہے۔ ترتیب نہیں چاہتا' لہٰذا ان میں سے ایک دوسرے کی افضلیت موقع و محل کے لحاظ سے ہوگی۔ اگر جہاد کی سخت ضرورت آ پڑی ہے تو غازیوں پر خرچ افضل اور گھر والے بہت ہی ضرورت مند ہوں تو ان پر خرچ بہتر۔

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلِيْ اَجْرٌ اَنْ اُنْفِقَ عَلٰى بَنِيْ اَبِيْ سَلَمَةَ اِنَّمَا هُمْ بَنِيَّ فَقَالَ اَنْفِقِيْ عَلَيْهِمْ فَلَكِ اَجْرُ مَا اَنْفَقْتِ عَلَيْهِمْ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۸۳۷) روایت ہے حضرت ام سلمہ سے۱؎ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر میں ابوسلمہ کے بچوں پر جو گویا میرے ہی بچے ہیں خرچ کروں تو کیا مجھے ثواب ملے گا۔ فرمایا ان پر خرچ کرو تمہیں ان پر خرچ کا ثواب ہے۲؎ (مسلم بخاری)

(۱۸۳۷)۱؎ ام سلمہ کے پہلے خاوند کا نام عبداللہ ابن عبدالاسد تھا کنیت ابوسلمہ' ان کی وفات کے بعد آپ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت سے مشرف ہوئیں۔ ابوسلمہ کی کچھ اولاد دوسری بیوی سے تھی جو ام سلمہ کی سوتیلی اولاد تھی۔ عمر زینت اور کچھ اولاد خود ام سلمہ کے بطن سے تھی یعنی اُم سلمہ کی حقیقی اولاد محمد' درہ یہاں سوال سوتیلی اولاد کے متعلق ہے۔ ورنہ آپ بنی ابی سلمہ نہ فرماتیں لہٰذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۲؎ کیونکہ وہ یتیم بھی ہیں اور تمہارے عزیز ترین بھی ان پر خرچ کرنا یتیم کو پالنا بھی ہے اور عزیز کا حق ادا کرنا بھی اپنے فوت شدہ خاوند کی روح کو خوش کرنا بھی۔

وَعَنْ زَيْنَبَ امْرَاَةِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَصَدَّقْنَ يَامَعْشَرَ النِّسَآءِ وَلَوْ مِنْ حُلِيِّكُنَّ قَالَتْ فَرَجَعْتُ اِلٰى

(۱۸۳۸) روایت ہے حضرت زینب زوجہ عبداللہ ابن مسعود سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے عورتوں کی جماعت صدقہ کرو اگرچہ اپنے زیور سے ہی ہو۔۱؎ فرماتی ہیں میں

عَبْدِاللّٰهِ فَقُلْتُ اِنَّكَ رَجُلٌ خَفِيْفُ ذَاتِ الْيَدِ وَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَمَرَنَا بِالصَّدَقَةِ فَأْتِهٖ فَاسْئَلْهُ فَاِنْ كَانَ ذٰلِكَ قَدْ اَمَرَنَا بِالصَّدَقَةِ فَأْتِهٖ فَاسْئَلْهُ فَاِنْ كَانَ ذَالِكَ يَجْزِىْ عَنِّىْ وَاِلَّا صَرَفْتُهَا اِلٰى غَيْرِكُمْ قَالَتْ فَقَالَ لِىْ عَبْدُ اللّٰهِ بَلْ اِئْتِيْهِ اَنْتَ قَالَتْ فَانْطَلَقْتُ فَاِذَا امْرَاَةٌ مِنَ الْاَنْصَارِ بِبَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاجَتِىْ حَاجَتُهَا قَالَتْ وَكَانَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اُلْقِيَتْ عَلَيْهِ الْمَهَابَةُ فَقَالَتْ فَخَرَجَ عَلَيْنَا بِلَالٌ فَقُلْنَا لَهٗ اِئْتِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبِرْهُ اَنَّ امْرَاَتَيْنِ بِالْبَابِ تَسْئَلَانِكَ اَتُجْزِئُ الصَّدَقَةُ عَنْهُمَا عَلٰى اَزْوَاجِهِمَا وَعَلٰى اَيْتَامٍ فِىْ حُجُوْرِهِمَا وَلَا تُخْبِرْهُ مَنْ نَحْنُ قَالَتْ فَدَخَلَ بِلَالٌ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَئَالَهٗ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ هُمَا قَالَ امْرَاَةٌ مِنَ الْاَنْصَارِ وَزَيْنَبُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَىُّ الزَّيَانِبِ قَالَ امْرَاَةُ عَبْدِاللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُمَا اَجْرَانِ اَجْرُ الْقَرَابَةِ وَاَجْرُ الصَّدَقَةِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ)

عبداللہ کی طرف لوٹی بولی کہ تم کچھ مسکین و تنگدست ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو صدقہ کا حکم دیا ہے تم وہاں حاضر ہو کر پوچھ آؤ اگر تم کو میرا صدقہ کرنا درست ہوا تو خیر ۲ ورنہ میں آپ لوگوں کے سواء کسی اور جگہ خرچ کروں ۳ فرماتی ہیں کہ مجھ سے عبداللہ بولے کہ تم ہی وہاں جاؤ ۴ میں چلی تو حضور کے دروازہ پاک پر ایک اور انصاری بی بی بھی تھیں۔ جنہیں میرے جیسا ہی کام تھا ۵ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قدرتی ہیبت دی گئی تھی ۶ فرماتی ہیں کہ ہمارے پاس حضرت بلال آئے ہم نے ان سے عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاؤ عرض کرنا کہ دروازے پر دو بیبیاں ہیں جو حضور سے پوچھتی ہیں ۷ کہ کیا ان کا اپنے خاوندوں اور ان یتیموں پر خرچ کر دینا جو ان کی پرورش میں ہوں صدقہ بن جائے گا ۸ اور یہ نہ بتانا کہ ہم کون ہیں ۹ فرماتی ہیں کہ حضرت بلال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسئلہ پوچھا ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا وہ کون ہیں عرض کیا کہ ایک انصاری بی بی اور زینب ہیں ۱۰ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کونسی زینب عرض کیا عبداللہ کی زوجہ ۱۱ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انہیں دوہرا ثواب ہے ایک ثواب قرابت کا دوسرا صدقہ کا ۱۲ (مسلم بخاری) اور لفظ مسلم کے ہیں۔

(۱۸۳۸) ۱ غالباً حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد عید کے دن تھا چونکہ اس زمانہ میں عورتیں بھی نماز عید کیلئے عیدگاہ جاتی تھیں اور ان کیلئے بعد نماز مخصوص وعظ ہوتا تھا۔ اس وعظ میں آپ سے یہ سنا اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے استعمالی زیور پر زکوۃ فرض ہے اور یہ زکوۃ خود عورت پر فرض ہے نہ کہ اس کے خاوند پر خواہ میکے سے زیور ملا ہو یا سسرال والوں نے دیا ہو۔ بشرطیکہ مالک کر دیا ہو۔ لہذا یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے۔ امام شافعی کے ہاں پہننے کے زیور میں زکوۃ نہیں۔ انشاء اللہ اس کی تحقیق مصارف زکوۃ میں ہوگی۔ اس صورت میں زیور سے مراد چاندی سونے کا زیور ہے۔ کیونکہ پہننے کے موتی، مرجان، لعل، ہیرے پر زکوۃ نہیں ۲ یعنی اگر تم کو میرا صدقہ دینا درست ہو تب تو میں تم ہی کو صدقہ دے دوں۔ ورنہ کسی اور کو دوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ غنی عورت کا خاوند اور غنی خاوند کی بیوی ایک دوسرے کے غنا سے غنی نہ مانے جائیں گے جیسے امیر کی بالغ اولاد باپ کی غنا سے غنی نہیں ہوتی۔ دیکھو حضرت ابن مسعود کی بیوی غنیہ تھیں

مگر خود ابن مسعود مسکین تھے۔ ۳؎ حضرت ابن مسعود کی کچھ اولاد بھی تھی جو دوسری بیوی سے تھی اور اب حضرت زینب ان کی پرورش فرماتی تھیں۔ غیرم میں ان سب سے خطاب ہے۔ یعنی اگر تمہیں اور تمہارے ان بچوں کو میرا صدقہ لینا درست ہو تو میں تمہیں دے دوں ورنہ دوسروں کو دوں ۴؎ مجھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ پوچھتے شرم آتی ہے کہ اس سے بعض لوگ مجھے طمعی سمجھیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خاوند اپنی بیوی سے باہر کا کام بھی کرا سکتا ہے جبکہ حجاب و پردہ سے ہو۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ مسئلہ خود نہ پوچھنا کسی دوسرے سے پوچھوا لینا بھی درست ہے جب اس سے کچھ مانع ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مذی کا مسئلہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے خود نہ پوچھا بلکہ حضرت مقداد سے پوچھوایا ۵؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر ایک بی بی اور بھی یہ ہی پوچھنے کھڑی تھیں۔ مجھے اس سے خوشی ہوئی کہ ہم دو ہو گئے ۶؎ یعنی رب العلمین نے دلوں میں آپ کی ہیبت ڈال دی تھی جس کی وجہ سے ہر شخص بغیر اجازت خدمت میں حاضر ہونے عرض معروض کرنے کی ہمت نہ کرتا تھا اور حاضرین بارگاہ بھی ایسے خاموش اور باادب بیٹھتے تھے جیسے ان کے سروں پر پرندے ہیں۔ حالانکہ سرکار انتہائی خلیق اور بہت رحیم و کریم تھے شعر:

ہیبت حق است ایں از خلق نیست ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست

اسی وجہ سے یہ دونوں بیبیاں دروازے پر کھڑی رہ گئیں۔ بارگاہ پاک میں باریاب نہ ہوئیں ۷؎ یعنی خود تو شرم و ہیبت کی وجہ سے حاضر نہیں ہوتیں۔ میری معرفت یہ مسئلہ پوچھوا رہی ہیں۔ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ مسئلہ براہ راست پوچھنا بھی جائز اور کسی کی معرفت پوچھوانا بھی۔ دوسرے یہ کہ دینی باتوں میں ایک کی خبر معتبر ہے۔ گواہی قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔ دیکھو حضرت بلال ان بیبیوں کو جو بھی مسئلہ آکر بتاتے یہ قبول کر لیتیں۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ جب مطلع گرد آلود ہو تو رمضان کے چاند میں ایک کی خبر قبول ہے اور محدثین کہتے ہیں کہ حدیثوں میں خبر واحد معتبر ہے۔ ان کے دلائل قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ ہیں۔ ان میں ایک حدیث یہ بھی ہے ۸؎ شاید یتیموں سے ان کے خاوندوں کی وہ اولاد مراد ہے جن کی والدہ فوت ہو چکی تھی یعنی ان کی سوتیلی اولاد نہیں یتیم کہنا مجازاً ہے ورنہ انسان یتیم وہ نابالغ ہوتا ہے جس کا باپ فوت ہو جائے اور جانوروں میں وہ بچہ یتیم جس کی ماں مر جائے۔ ان بیبیوں کا خیال یہ تھا کہ چونکہ یہ سب لوگ ہمارے ساتھ ہی رہتے سہتے ہیں اور ساتھ کھاتے پیتے ہیں۔ اگر انہیں صدقہ دیا گیا تو اس کا کچھ حصہ ہمارے کھانے میں بھی آ جائے گا۔ لہذا ناجائز ہونا چاہیے ۹؎ تاکہ حاضرین میں ہمارا نام نہ لیا جائے اور ہمارا سوال رسوا نہ بن جائے یا ہم بلا نہ لی جائیں ۱۰؎ حضرت بلال کا جواب نہایت ایمان افروز ہے کیونکہ ان بیبیوں نے کہا تھا کہ ہمارا نام نہ بتانا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نام بتاؤ تو حکم رسول وحکم امتی میں تعارض ہوا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو ترجیح ہوئی اور امتی کا حکم قابل عمل نہ رہا۔ مرقات نے یہاں فرمایا کہ حضرت بلال پر نام بتا دینا فرض شرعی ہو گیا کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ماننا فرض ہے۔ انہیں دوسری بی بی کا نام معلوم نہیں تھا ورنہ وہ بھی بتا دیتے ۱۱؎ یعنی مدینہ منورہ میں بہت عورتوں کا نام زینب ہے۔ صاف بتاؤ کونسی زینب ہیں۔ تب حضرت بلال نے عرض کیا کہ عبداللہ کی بیوی اگرچہ عبداللہ نام کے بہت صحابہ تھے۔ عبداللہ ابن عمر، عبداللہ ابن عباس، عبداللہ ابن زبیر، عبداللہ ابن عمرو ابن عاص وغیرہم مگر ان سب میں عبداللہ ابن مسعود بہت مشہور و فقیہ ترین تھے علم فقہ کے باعث فقط عبداللہ کہنے پر لوگوں کے ذہن انہیں کی طرف جاتے تھے۔ اسی لیے حضرت بلال نے ابن مسعود نہ فرمایا بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ نہ پوچھنا کون عبداللہ اسی جلالت شان کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ کی فقہیات میں حضرت عبداللہ ابن مسعود کی ... ۱۲ ... متفق ہیں کہ خاوند

اپنی بیوی کو اپنی زکوۃ نہیں دے سکتا مگر اس میں اختلاف ہے کہ بیوی خاوند کو زکوۃ دے سکتی ہے یا نہیں، ہمارے امام اعظم فرماتے ہیں کہ نہیں دے سکتی۔ دیگر ائمہ فرماتے ہیں کہ دے سکتی ہے۔ ان بزرگوں کی دلیل یہ حدیث ہے۔ امام اعظم فرماتے ہیں کہ یہاں صدقہ نفل مراد ہے۔ صدقہ فرض کی تصریح نہیں۔ ممانعت کی صریح حدیث آگے آ رہی ہے۔ نیز عورت و خاوند کے مال قریباً مشترک ہوتے ہیں تو جب خاوند بیوی کو زکوۃ نہ دے سکا تو بیوی خاوند کو زکوۃ کیسے دے سکتی ہے صدقہ کا لفظ صدقہ نفلی پر عام شائع ہے چنانچہ کتاب الزکوۃ کی آخری حدیث میں آئے گا کہ ایک عورت نے اپنی ماں کو صدقہ دیا یعنی صدقہ نفلی۔

وَعَنْ مَيْمُوْنَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ اَنَّهَا اَعْتَقَتْ وَلِيْدَةً فِىْ زَمَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَوْ اَعْطَيْتِهَا اَخْوَالَكِ كَانَ اَعْظَمَ لِاَجْرِكِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۸۳۹) روایت ہے حضرت میمونہ بنت حارث سے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک لونڈی آزاد کی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو فرمایا کہ اگر تم لونڈی اپنے ماموؤں کو دے دیتیں تو تمہیں ثواب ملتا۱ (مسلم بخاری)

(۱۸۳۹)۱اس لیے کہ آزاد کرنے میں صرف صدقہ کا ثواب ہے اور انہیں دینے میں صدقہ کا بھی ثواب ہوتا اور صلہ رحمی کا بھی، معلوم ہوا کہ صلہ رحمی غلام آزاد کرنے سے بھی افضل ہے۔ خیال رہے کہ ولیدہ وہ لونڈی کہلاتی ہے جو اپنے مملوک غلام اور لونڈی کے پیٹ سے پیدا ہو یعنی خانہ زاد اور یہ میمونہ ام المومنین ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباس کی خالہ (اشعہ و مرقات)

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ لِىْ جَارَيْنِ فَاِلٰى اَيِّهِمَا اُهْدِىْ قَالَ اِلٰى اَقْرَبِهِمَا مِنْكِ بَابًا (رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ)

(۱۸۴۰) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ میرے دو پڑوسی ہیں ان میں سے کسے ہدیہ دیا کروں فرمایا جس کا دروازہ تم سے زیادہ قریب ہو۱ (بخاری)

(۱۸۴۰)۱اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ پڑوسیوں کو ہدیہ دینا سنت ہے کہ اس سے محبت بڑھتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کی علت پڑوسیت ہے جس قدر پڑوسیت قوی ہوگی۔ اسی قدر ہدیہ کا استحقاق زیادہ ہوگا۔ تیسرے یہ کہ پڑوس کا قرب دروازہ سے ہوتا ہے نہ چھت سے نہ دیوار سے اگر ایک شخص کے مکان کی دیوار اور چھت تو ہمارے مکان سے ملی ہو مگر دروازہ دور ہو اور دوسرے کی نہ چھت ملی ہو نہ دیوار مگر دروازہ قریب ہو تو زیادہ قریب یہ دوسرا ہی مانا جائے گا اور اس کی وجہ بھی ظاہر ہے۔ کیونکہ دروازہ کی وجہ سے ملاقات ہوتی ہے اور اسی کے ذریعہ زیادہ خلط ملط رہتا ہے اور ایک کو دوسرے کے درد و غم میں شرکت کا زیادہ موقع ملتا ہے۔ یہ حدیث اس آیت کریمہ کی تفسیر ہے: وَالْجَارِ ذِى الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ (۳۶:۴) اور پاس کے ہمسائے اور دور کے ہمسائے۔ (کنزالایمان) حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ دور والے پڑوسی کو بالکل نہ دو مطلب یہ ہے کہ سب کو دو مگر قریب کو ترجیح دو۔

وَعَنْ اَبِىْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا طَبَخْتَ مَرَقَةً فَاَكْثِرْ مَآءَهَا وَتَعَاهَدْ جِيْرَانَكَ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۱۸۴۱) روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب شوربا پکاؤ تو اس کا پانی زیادہ کرو اور اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھو۱ (مسلم)

(۱۸۴۱)۱اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ معمولی سالن بھی پڑوسیوں کو بھیجتے رہنا چاہیے کیونکہ سرکار نے یہاں

سور با فرمایا گوشت کا ہو یا کسی اور چیز کا۔ دوسرے یہ کہ ہر پڑوسی کو ہدیہ دینا چاہیے۔قریب ہو یا دور اگرچہ قریب کا حق زیادہ ہے۔تیسرے یہ کہ ہمیشہ لذت پر الفت اور محبت کو ترجیح دینا چاہیے۔کیونکہ جب شوربے میں فقط پانی پڑے گا تو مزہ کم ہو جائے گا لیکن اس کے ذریعہ پڑوسیوں سے تعلقات زیادہ ہو جائیں گے۔اسی لیے ماءبا فرمایا یعنی صرف پانی ہی بڑھا دو اگرچہ گھی اور مصالحہ نہ بڑھا سکو۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَیُّ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ قَالَ جُهْدُ الْمُقِلِّ وَابْدَاْ بِمَنْ تَعُوْلُ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۱۸۴۲) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کونسا صدقہ بہتر ہے فرمایا غریب آدمی کی مشقت[۱] اور ان سے شروع کرو جن کی پرورش کرتے ہو[۲] (ابوداؤد)

(۱۸۴۲)[۱] یعنی غریب آدمی محنت مزدوری کرے پھر اس میں سے خیرات بھی کرے۔اس کا بڑا درجہ ہے خیال رہے کہ بعض لحاظ سے غنی کی خیرات افضل ہے جبکہ وہ توکل میں کامل نہ ہو اور بعض لحاظ سے فقیر کی خیرات افضل ہے جب کہ وہ اس کے گھر والے صبر و توکل میں کامل ہوں۔لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کیخلاف نہیں کہ صدقہ غنا بہتر ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ اگر ہاتھ کا فقیر دل کا غنی تھوڑی سی خیرات کرے تو ہاتھ کے غنی کی بہت سی خیرات سے افضل ہے۔لہذا وہاں غنی والی حدیث میں دل کی غنا مراد ہو سکتی ہے۔تب بھی احادیث میں تعارض نہیں۔[۲] یعنی کوئی شخص اپنے بال بچوں کو بھوکا رکھ کر خیرات نہ کرے۔پہلے ان کا پیٹ بھرو،تن ڈھکو،پھر خیرات کرو یہ مطلب نہیں کہ اپنی زکوۃ پہلے اپنے بال بچوں کو دو،پھر دوسروں کو کیونکہ اپنی زکوۃ اپنی اولاد اور بیوی کو نہیں لگتی۔

وَعَنْ سُلَیْمَانَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِيْنِ صَدَقَةٌ وَّهِيَ عَلٰى ذِی الرَّحِمِ ثِنْتَانِ صَدَقَةٌ وَّصِلَةٌ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِیُّ)

(۱۸۴۳) روایت ہے حضرت سلیمان ابن عامر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عام مسکین پر صدقہ کرنا ایک صدقہ ہے اور وہ ہی صدقہ اپنے قرابت دار پر دو صدقے ہیں ایک صدقہ دوسرا صلہ رحمی[۱] (احمد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ،دارمی)

(۱۸۴۳)[۱] پہلے مسکین سے مراد اجنبی مسکین ہے یعنی مسکین کو خیرات دینے میں صرف خیرات کا ثواب ہے اور اپنے عزیز مسکین کو خیرات دینے میں خیرات کا بھی ثواب ہے اور صلہ رحمی کا بھی،صلہ رحمی یعنی اہل قرابت کا حق ادا کرنا بھی عبادت ہے۔بہترین عبادت،پھر جس قدر رشتہ قوی اسی قدر اس کے ساتھ سلوک کرنا زیادہ ثواب ہے۔اس لیے رب تعالٰی نے اہل قرابت کا ذکر پہلے فرمایا کہ ارشاد فرمایا وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ (۱۷،۲۶) اور رشتہ داروں کو ان کا حق دے اور مسکین اور مسافر کو (کنزالایمان)

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عِنْدِیْ دِیْنَارٌ قَالَ اَنْفِقْهُ عَلٰى نَفْسِكَ قَالَ عِنْدِیْ اٰخَرُ قَالَ اَنْفِقْهُ عَلٰى وَلَدِكَ قَالَ عِنْدِیْ اٰخَرُ قَالَ اَنْفِقْهُ عَلٰى اَهْلِكَ قَالَ عِنْدِیْ اٰخَرُ قَالَ اَنْفِقْهُ عَلٰى خَادِمِكَ قَالَ عِنْدِیْ اٰخَرُ قَالَ اَنْتَ

(۱۸۴۴) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔عرض کیا میرے پاس ایک اشرفی ہے[۱] فرمایا اسے اپنے پر خرچ کر[۲] عرض کیا میرے پاس دوسری بھی ہے فرمایا اسے اپنے بچوں پر خرچ کر عرض کیا میرے پاس ایک اور بھی ہے فرمایا اسے اپنے گھر والوں[۳] پر خرچ کر عرض کیا

اَعْلَمُ

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِیُّ)

میرے پاس ایک اور بھی ہے فرمایا اسے اپنے خادم پر خرچ کرو[۴] عرض کیا میرے پاس ایک اور بھی ہے فرمایا تم جانو[۵] (ابوداؤد،نسائی)

(۱۸۴۴)[۱] یہاں سائل کا سوال بطور مثال تھا یعنی اگر میرے پاس ایک ہی اشرفی ہو جو ایک ہی شخص کو کافی ہو تو میں کس پر خرچ کروں۔لہذا حدیث پر اعتراض نہیں کہ سائل نے جھوٹ بولا کہ اس کے پاس تھیں تو زیادہ اشرفیاں اور کہا ایک اشرفی ہے[۲] کیونکہ سب سے پہلے ہم پر اپنے نفس کا حق ہے کہ اگر ہم جیتے رہیں گے تو سارے حق ادا کریں گے اور اگر ہم ہی مر گئے تو عبادات معاملات سب کچھ ختم ہو گئے۔ذات صفات پر مقدم ہے۔[۳] اہل یعنی گھر والوں سے مراد بیوی ہے۔قرآن کریم نے اہل بیت بیوی کو فرمایا ہے۔اولاد کا حق بیوی پر چند درجہ سے مقدم ہے۔ایک یہ کہ بیوی عاقلہ بالغہ ہے بوقت ضرورت کما سکتی ہے۔مگر چھوٹے بچے بالکل باپ کے محتاج ہیں کہ کمانے پر قادر نہیں۔دوسرے یہ کہ بیوی کا خرچ اس پر لازم نہیں اگر طلاق دے دے تو ختم ہو گیا مگر اولاد کا خرچ لازم ہے کہ وہ اس کی ولایت سے نہیں نکل سکتے۔تیسرے یہ کہ بیوی بعد طلاق دوسرے کے نکاح میں جاکر اس سے خرچ لے سکتی ہے۔چھوٹی اولاد دوسرے کو نہ باپ بنا سکے نہ اس سے خرچ لے سکے۔یہاں اولاد سے فقیر اولاد مراد ہے۔اگر بیٹا غنی اور بالغ ہو تو بیوی اس پر مقدم ہو گی چونکہ سائل کے ماں باپ نہ تھے۔اس لیے والدین کے خرچ کا ذکر نہ فرمایا[۴] خادم سے مراد خدمت گار ہے۔انسان ہو یا گھوڑا وغیرہ جانور کہ ان سب کا خرچہ مالک کے ذمہ ہے۔(اشعہ)[۵] یعنی تمہیں اختیار ہے اس بچے ہوئے دینار کو رکھ چھوڑو یا اپنے پڑوسی یا دوسرے عزیزوں پر خرچ کر دو یا کسی اچھی جگہ لگا دو سبحان اللہ کیا نفیس ترتیب ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ النَّاسِ رَجُلٌ مُّمْسِكٌ بِعِنَانِ فَرَسِهٖ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِالَّذِيْ يَتْلُوْهُ رَجُلٌ مُّعْتَزِلٌ فِيْ غُنَيْمَةٍ لَّهٗ يُؤَدِّيْ حَقَّ اللّٰهِ فِيْهَا اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِشَرِّ النَّاسِ رَجُلٌ يُسْئَالُ بِاللّٰهِ وَلَا يُعْطِيْ بِهٖ

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

(۱۸۴۵) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تمہیں بہترین آدمی نہ بتاؤں[۱] وہ شخص ہے جو اللہ کی راہ میں اپنے گھوڑے کی لگام تھامے رہے[۲] کیا تمہیں نہ بتاؤں کہ اس کے بعد کون ہے وہ شخص ہے جو اپنی بکریوں میں رہے ان میں سے اللہ کا حق ادا کرتا رہے[۳] کیا میں تمہیں بدترین آدمی نہ بتاؤں وہ شخص ہے جو اللہ کے نام پر بھی نہ دے[۴] (ترمذی،نسائی،دارمی)

(۱۸۴۵)[۱] سرکار کا یہ پوچھنا سامعین کو شوق دلانے کیلئے ہوتا تھا کہ اس سے ان کو انتظار ہو جائے اور جو چیز انتظار کے بعد معلوم ہوتی ہے وہ یاد رہتی ہے اور یہاں خیر و شر سے اضافی خیر و شر مراد ہے۔لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ بہترین بندہ مؤمن ہے۔رب تعالٰی فرماتا ہے اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ (۹۸:۷) وہی تمام مخلوق میں بہتر ہیں (کنزالایمان) اور بدترین انسان کافر ہے۔رب تعالٰی فرماتا ہے اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ (۹۸:۶) وہی تمام مخلوق میں بدتر ہیں۔(کنزالایمان) [۲] یعنی ہر وقت جہاد کیلئے تیار رہے۔اعلان جنگ کا منتظر رہے۔چونکہ اس زمانہ میں گھوڑا جہاد کا بڑا ہتھیار تھا۔اس لیے اس کا خصوصیت سے ذکر فرمایا آج توپ و بندوق کی مشق کرنے ہوائی سروس کا آدمی جب تیاری جہاد کیلئے یہ سب کچھ کرے وہ اس میں داخل ہو گا۔شیخ نے فرمایا کہ یہ کلام حصر کیلئے نہیں بلکہ شمول کیلئے ہے۔یعنی یہ مجاہد بھی بہترین لوگوں میں [illegible] رہتے تھے۔ان کی

حفاظت بھی کرتے تھے اور اپنا گزارہ بھی انہیں اس لیے افضل فرمایا گیا کہ یہ بستی کے اکثر فتنوں سے محفوظ رہتے ہیں۔لوگوں سے اختلاط بہت سے گناہوں کا سبب ہے۔۴؎ اس جملہ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ وہ شخص بدترین ہے جس سے فقیر اللہ کے نام پر کچھ مانگے اور وہ نہ دے۔اس صورت میں دینے سے مراد مطلقًا دینا ہوگا۔اگرچہ ایک پیسہ ہی ہو یا بحالت مجبوری فقیر کو دعا خیر دینا ہی ہو۔ایک یہ کہ وہ سائل بھکاری بدترین شخص ہے جو لوگوں سے اللہ کے نام پر مانگے اور لوگ اسے کچھ دیں نہیں کیونکہ یہ سائل اللہ تعالٰی کے نام کی توہین کرتا ہے کہ پیسہ پیسہ کیلئے اللہ کا نام ہر کس و ناکس کے سامنے لیتا ہے۔(اشعۃ اللمعات)

وَعَنْ اُمِّ بُجَیْدٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رُدُّوا السَّائِلَ وَلَوْ بِظِلْفٍ مُّحْرَقٍ رَوَاهُ مَالِكٌ وَّالنَّسَائِیُّ وَرَوَی التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ مَعْنَاهُ

(۱۸۴۶) روایت ہے ام بجید سے۱؎ فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سائل کو دے کر لوٹاؤ اگرچہ جلی کھری ہی ہو۲؎ مالک، نسائی اور ترمذی و ابوداؤد نے اس کے معنی روایت کیے۔

(۱۸۴۶)۱؎ آپ کا نام حوا بنت زید ابن سکن ہے مگر اپنی کنیت میں مشہور ہیں انصاریہ ہیں صحابیہ ہیں۔آپ کے حالات پہلے بیان ہو چکے ہیں۔۲؎ یہاں سائل سے مراد حاجت مند سائل ہے اور جلی کھری سے مراد نہایت معمولی چیز ہے جس کی کوئی قیمت نہ ہو یعنی اگر کوئی حاجت مند سائل آئے تو اسے خواہ معمولی چیز ہی بن پڑے دے دو۔خیال رہے کہ یہ حکم استحبابی ہے۔آج کل کے پیشہ ور سائل اور جن سائلوں کو دینا منع ہے وہ اس میں داخل نہیں۔لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض سائلوں کو نہیں بھی دیا ہے کیونکہ وہاں سائل غیر حاجت مند تھے یا ایسی چیز مانگتے تھے جس کے وہ مستحق نہ تھے یا پیشہ بھیک سے انہیں روکنا مقصود تھا۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَعَاذَ مِنْكُمْ بِاللّٰهِ فَاَعِیْذُوْهُ وَمَنْ سَاَلَ بِاللّٰهِ فَاَعْطُوْهُ وَمَنْ دَعَاكُمْ فَاَجِیْبُوْهُ وَمَنْ صَنَعَ اِلَیْكُمْ مَّعْرُوْفًا فَكَافِئُوْهُ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا مَاتُكَافِئُوْهُ فَادْعُوْا لَهٗ حَتّٰی تَرَوْا اَنْ قَدْ كَافَاْتُمُوْهُ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ)

(۱۸۴۷) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو تم سے اللہ کی پناہ لے اسے پناہ دے دو۱؎ اور جو اللہ کے نام پر مانگے اسے کچھ دو اور جو تمہیں دعوت دے اس کی دعوت قبول کرو۲؎ اور جو کوئی تمہارے ساتھ بھلائی کرے اس کا بدلہ کرو۳؎ اگر بدلہ کی چیز نہ پاؤ تو اس کو دعائیں دو۴؎ حتی کہ سمجھ لو کہ تم نے اس کا بدلہ کردیا۵؎ (احمد، ابوداؤد، نسائی)

(۱۸۴۷)۱؎ یعنی جو تمہاری سختی یا غیر کی سختی سے تمہارے پاس اللہ کی پناہ مانگے تو اسے دے دو کہ اگر تم کسی کو مارنا چاہتے ہو تو معافی دے دو یا کوئی دوسرا اس پر سختی کرنا چاہتا ہے اور تم دفع کرسکتے ہو تو کہہ دو۔یہ حکم اپنے ذاتی معاملات میں ہے۔قوم یا دین کے مجرم کو ہرگز معاف نہیں کرسکتے۔اگرچہ وہ کیسی ہی پناہ لے تاکہ امن و دین میں خلل نہ پڑے۔لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ آپ نے فاطمہ مخزومیہ کو جس نے چوری کرلی تھی معافی نہ دی۔۲؎ بشرطیکہ وہ دعوت ممنوعات شرعیہ سے خالی ہو۔لہذا جس ولیمہ میں ناچ گانا خاص کھانے کی جگہ ہو وہاں نہ جائے۔ایسے ہی میت کے کھانے پر رسمی دعوت قبول نہ کرے۔لہذا یہ فرمان فتویٰ فقہاء کے خلاف نہیں۔۳؎ اس طرح کہ وہ جس قسم کا سلوک تم سے کرے قولی، عملی، مالی تم بھی اس سے ویسا سلوک کرو۔رب تعالٰی فرماتا ہے: هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (۵۵:۶۰) نیکی کا بدلہ کیا ہے مگر نیکی (کنزالایمان) اور فرماتا ہے: وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَیْكَ (۲۸:۷۷) اور احسان کر جیسا اللہ نے تجھ پر احسان

گیا (کنزالایمان) یہ حکم ہم جیسے کم ہمت لوگوں کیلئے ہے ہمت والے تو اپنے دشمنوں کی برائی کا بدلہ معافی اور بھلائی سے کرتے ہیں شعر:

لیا ظلم کا عفو سے انتقام علیہ الصلوٰۃ علیہ السلام

۴؎ اس طرح کہ کہو جزاک اللہ یا اس کا کھانا کھا کر کہو اللھم اطعمنا و اسق من سقانا وغیرہ حضرت عائشہ صدیقہ کو جب کوئی سائل دعائیں دیتا تو آپ پہلے اسے دعائیں دیتیں پھر بھیک عطا فرماتیں کسی نے پوچھا کہ آپ عطا سے پہلے دعا کیوں دیتی ہیں۔ فرمایا کہ میرا صدقہ عوض سے بچا رہے۔ رضی اللہ تعالٰی عنہا (مرقات) ۵؎ اس بنا پر حضرات صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہمیشہ ہی درود شریف پڑھنا چاہیے کیونکہ کوئی شخص نہ تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کا بدلہ کر سکتا ہے اور نہ بقدر احسان دعائیں ہی دے سکتا ہے کہ ان کے احسانات ہر آن بیشمار پہنچ رہے ہیں ہر کلمہ ہر تلاوت ہر نماز بلکہ ہر نیک عمل میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم پر احسانات ہیں۔ لہذا مرتے مرتے ان کو دعائیں دو یعنی درود پاک پڑھو۔ شعر:

حی و باقی جس کی کرتا ہے ثنا مرتے دم تک اس کی مدحت کیجئے
جس کا حسن اللہ کو بھی بھا گیا اس کے پیارے سے محبت کیجئے

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُسْئَالُ بِوَجْهِ اللّٰهِ اِلَّا الْجَنَّةَ (رَوَاهُ اَبُو دَاوٗدَ)

(۱۸۴۸) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ کے نام پر صرف جنت ہی مانگی جائے ۱؎ (ابوداؤد)

(۱۸۴۸) ۱؎ شیخ نے اس حدیث کے دو مطلب بیان کیے۔ ایک یہ کہ کسی شخص سے اللہ کے نام پر کچھ نہ مانگو کیونکہ اللہ تعالٰی کے نام پر مانگنے کی چیز جنت ہے اور یہ شخص جنت دے نہیں سکتا۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالٰی سے اس کے نام پر دنیاوی چیز نہ مانگو بلکہ اس کے نام پر اس سے جنت مانگو یہ عرض کرو: اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ بِوَجْهِكَ الْكَرِيْمِ اَنْ تُدْخِلَنَا الْجَنَّةَ فقیر احمد یار کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالٰی کے نام پر جنت مانگو۔ جیسے حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت مانگی۔ اسئلك مرافقتك فی الجنة بعض عشاق کہتے ہیں کہ خدا تعالٰی سے جناب مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کو مانگو اور جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خدا تعالٰی کو مانگو۔

خدایا از تو عشق مصطفٰی را محمد صلی اللہ علیہ وسلم از تو مے خواہم خدا را

حضرت ربیعہ نے بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضور ہی کو مانگا مگر چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جنت ہی میں ملیں گے اس لیے جنت بھی مانگ لی عرض کیا آپ سے آپ کی ہمراہی مانگتا ہوں جو جنت میں ہوگی۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ تیسری فصل

عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ اَبُوْ طَلْحَةَ اَكْثَرَ الْاَنْصَارِ بِالْمَدِيْنَةِ مَالًا مِّنْ نَّخْلٍ وَّكَانَ اَحَبُّ اَمْوَالِهٖ اِلَيْهِ بَيْرُحَاءَ وَكَانَتْ مُسْتَقْبِلَةَ الْمَسْجِدِ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُهَا

(۱۸۴۹) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ مدینہ میں تمام انصار سے زیادہ باغوں والے تھے اور انہیں زیادہ پیارا مال باغ بیرحاء تھا ۱؎ جو مسجد شریف کے سامنے تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے جاتے تھے اور وہاں کا بہترین پانی

وَيَشْرَبُ مِنْ مَّآءٍ فِيْهَا طَيِّبٌ قَالَ اَنَسٌ فَلَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ قَامَ اَبُوْ طَلْحَةَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ وَاِنَّ اَحَبَّ مَالِيْ اِلَيَّ بَيْرَحَاءُ وَاِنَّهَا صَدَقَةٌ لِّلّٰهِ تَعَالٰى اَرْجُوْا بِرَّهَا وَذُخْرَهَا عِنْدَ اللّٰهِ فَضَعْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ حَيْثُ اَرَاكَ اللّٰهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَخْ بَخْ ذٰلِكَ مَالٌ رَّابِحٌ وَّقَدْ سَمِعْتُ مَا قُلْتَ وَاِنِّيْ اَرٰى اَنْ تَجْعَلَهَا فِي الْاَقْرَبِيْنَ فَقَالَ اَبُوْ طَلْحَةَ اَفْعَلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَسَمَهَا اَبُوْ طَلْحَةَ فِيْ اَقَارِبِهٖ وَبَنِيْ عَمِّهٖ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

پیتے تھے۲ حضرت انس فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت لن تنالوا البر الخ نازل ہوئی۳ تو حضرت ابوطلحہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کھڑے ہوکر بولے یا رسول اللہ رب تعالٰی فرماتا ہے کہ تم بھلائی اس وقت تک نہیں پاسکتے جب تک کہ اپنا پسندیدہ مال خرچ نہ کرو اور مجھے بہت پسندیدہ مال باغ بیرحاء ہے۔اب وہ اللہ کے لیے صدقہ ہے میں اللہ کے پاس اس کا ثواب اور اس کا ذخیرہ چاہتا ہوں۔۴ یا رسول اللہ آپ اسے وہاں خرچ کریں۔ جہاں رب تعالٰی آپ کی رائے قائم فرمائے۵ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خوب خوب یہ تو بڑا نفع کا مال ہے۶ جو تم نے کہا میں نے سن لیا۔میری رائے یہ ہے کہ تم اسے اپنے اہل قرابت میں وقف کردو۷ ابوطلحہ بولے یا رسول اللہ یہ ہی کرتا ہوں پھر اسے ابوطلحہ نے اپنے عزیزوں اور چچازادوں میں تقسیم کردیا۸(مسلم بخاری)

(۱۸۴۹)۱؎ حضرت طلحہ کے ایک باغ کا نام ہے'اس نام کے محدثین نے آٹھ معنی کئے ہیں'جن میں سے ایک یہ کہ حاء ایک آدمی کا نام تھا جس نے کنواں کھدوایا تھا چونکہ یہ کنواں اس باغ میں تھا'لہذا باغ کا نام بھی یہ ہی ہوا'وہ کنواں اب تک موجود ہے فقیر نے اس کا پانی پیا ہے'دوسرے یہ کہ بیرحا بروزن فعیل ہے ایک ہی لفظ ہے براح سے مشتق بمعنی کھلی زمین پہلی صورت میں اس کے معنے ہوں گے حاء کا کنواں دوسری صورت میں معنے ہوں گے کھلا باغ (از مرقات وغیرہ) ۲؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہاں کا پانی بہت محبوب تھا'اسی لئے حجاج باخبر ضرور اس کا پانی برکت لئے پیتے ہیں ۳؎ جس میں ارشاد ہوا کہ تم بھلائی یعنی رضائے الٰہی یا جنت اس وقت تک نہیں پاسکتے جب تک کہ اپنی پیاری چیز خرچ نہ کرو۔اس آیت کی مکمل تفسیر ہماری تفسیر نور العرفان میں ملاحظہ فرمایئے۔۴؎ حضرت ابوطلحہ کے اس عرض و معروض کا مقصد یہ تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے اس عمل خیر پر گواہ ہوجائیں اور مسلمانوں میں اس وقف کا اعلان ہوجائے'خیال رہے کہ دوسرے نفلی صدقات اکثر خفیہ دینا بہتر ہیں مگر وقف کا ہر طرح' اعلان کردینا سخت ضروری ہے تاکہ آئندہ اس موقوف چیز پر کوئی ناجائز قبضہ نہ کرسکے حتی کہ مسجد کی عمارت میں مینار گنبد وغیرہ ایسے نشانات پیدا کردیئے جائیں جس سے وہ دور ہی سے مسجد معلوم ہو اس میں ریا نہیں بلکہ وقف کا باقی رکھنا ہے نیز آپ کا دلی اخلاص ظاہر کرنا ریاء کے لیے نہ تھا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا حاصل کرنے کے لئے تھا لہذا حدیث پاک پر کوئی اعتراض نہیں ۵؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم جہاں چاہیں اس کی آمدنی لگادیں کہ وہاں خرچ ہوتی رہے چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا چاہنا اپنے نفس کی طرف سے نہیں ہوتا بلکہ رب تعالٰی کی طرف سے ہوتا ہے اسی لیے اس طرح عرض کیا خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا (۹:۱۰۳) یعنی آپ ان کے مالوں کے صدقے وصول فرمالیں اور ان کے ذریعہ انہیں پاک وصاف فرمادیں' آج مسلمان ختم و فاتحہ میں عرض کرتے ہیں نذر اللہ نیاز رسول اللہ اس کا ماخذ یہ حدیث بھی ہے ۶؎ عربی میں نہایت خوشی کے اظہار کے وقت کہا جاتا ہے بخ بخ یعنی خوب خوب' رابح ربح سے بنا بمعنی نفع' رب تعالٰی فرماتے ہیں فَمَا رَبِحَتْ

تجارتهم (۱۲)تو ان کا سودا کچھ نفع نہ لایا (کنزالایمان) یعنی یہ مال بہت نفع والا ہے جیسے لابن دودھ والا اور تم چھواروں والا یعنی اے ابوطلحہ تمہیں اس باغ کے وقف سے بہت نفع ہوگا۔معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اعمال کی قبولیت کی بھی خبر ہے اور یہ بھی کہ کس کا کونسا عمل کس درجہ کا قبول ہے۔یہ باغ کیوں قبول نہ ہوتا باغ بھی اچھا تھا وقف کرنے والے بھی اچھے یعنی صحابی اور جن کی طفیل وقف کیا گیا وہ اچھوں کے شہنشاہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے یعنی اپنے عزیز و اقارب فقرا کو اس کا مصرف بنادو کہ ہمیشہ وہ اس کی آمدنی کھایا کریں تاکہ تمہیں صدقہ کے ساتھ اہل قرابت کے حقوق ادا کرنے کا بھی ثواب ملتا رہے۔خیال رہے کہ بعض اوقاف وہ ہوتے ہیں جن سے امیر و غریب حتی کہ وقف کرنے والا بھی نفع حاصل کرسکتا ہے جیسے کنواں،مسجد،قبرستان،مسافر خانہ۔[8] اس کے دو معنی ہوسکتے ہیں ایک یہ کہ باغ تو وقف رہا مگر اس کی تولیت تقسیم کردی گئی کہ اتنے حصے کے فلاں متولی کہ خود کھائیں اور دوسروں کو کھلائیں اور اتنے حصے کے فلاں،دوسرے یہ کہ خود باغ ہی کو تقسیم کردیا کہ ان لوگوں کو ان حصوں کا مالک بنادیا مگر اشعۃ اللمعات میں شیخ نے فرمایا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں ان کے اہل قرابت سے وہ باغ خرید لیا اور وہاں اپنی عمارتیں بنائیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تقسیم بطریق تملیک تھی۔بطریق تقسیم تولیت نہ تھی۔حضرت حسان ابن ثابت و ابی ابن کعب کو بھی اس سے حصہ ملا تھا۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الصَّدَقَةِ اَنْ تُشْبِعَ كَبِدًا جَائِعًا (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

(۱۸۵۰)روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بہترین صدقہ یہ ہے کہ تم کسی بھوکے کلیجے کو سیر کرو[1](بیہقی فی شعب الایمان)

(۱۸۵۰)[1] بھوکے کلیجے سے مراد ہر بھوکا جاندار ہے۔انسان ہو یا دیگر جانور پھر انسانوں میں مؤمن ہو یا کافر (مرقات و اشعہ) مگر اس سے موذی جانور علیحدہ ہیں جیسے شیر،بھیڑیا،سانپ وغیرہ۔بعض مشائخ کے ہاں لنگر عام جاری ہوتا ہے۔جہاں ہر آنے والا کھاتا ہے۔بعض بزرگوں کے ہاں جانوروں کبوتروں کوؤں وغیرہ کو دانہ ڈالا جاتا ہے۔بعض لوگ مدینہ منورہ کے کبوتروں کیلئے حاج کے ہاتھ دانہ بھیجتے ہیں۔ان سب کی اصل یہ حدیث ہے۔

بَابُ صَدَقَةِ الْمَرْاَةِ مِنْ مَّالِ الزَّوْجِ باب خاوند کے مال سے بیوی کی خیرات

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ پہلی فصل

اگرچہ باب میں صرف بیوی کا ذکر ہے مگر اس میں خازن نوکر چاکر سب شامل ہیں اسی لیے اس باب میں خازن کے خرچ کردینے کا بھی ذکر ہوگا چونکہ عموماً بیویاں ہی خاوند کے مال سے خیرات کیا کرتی ہیں۔خازن تو کسی کسی کے پاس ہوتے ہیں۔اس لیے بیویوں کا ذکر ہوا۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَنْفَقَتِ الْمَرْاَةُ مِنْ طَعَامِ بَيْتِهَا غَيْرَ مُفْسِدَةٍ كَانَ لَهَا اَجْرُهَا بِمَا اَنْفَقَتْ وَلِزَوْجِهَا

(۱۸۵۱)روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عورت اپنے گھر کے کھانے سے کچھ خیرات کرے بشرطیکہ بربادی کی نیت نہ ہو تو اسے خیرات کرنے کا ثواب ہوگا

اَجْرُهٗ بِمَا كَسَبَ وَلِلْخَازِنِ مِثْلُ ذٰلِكَ لَايَنْقُصُ بَعْضُهُمْ اَجْرَ بَعْضٍ شَيْئًا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

۱؎ اور اس کے خاوند کو کمانے کا ثواب اور خزانچی کو بھی اس کے برابر جن میں کوئی دوسرے کے ثواب سے کچھ کم نہ کرے گا ۲؎ (مسلم بخاری)

(۱۸۵۱) ۱؎ اگرچہ حدیث پاک میں کھانے کی خیرات کا ذکر ہے مگر اس میں تمام وہ معمولی چیزیں داخل ہیں جن کے خیرات کرنے کی خاوند کی طرف سے عادۃً اجازت ہوتی ہے۔ جیسے پھٹا پرانا کپڑا ٹوٹا جوتا وغیرہ اور کھانے میں بھی عام کھانا روٹی سالن داخل ہیں۔ جس کو خیرات کرنے سے خاوند کی طرف سے ناراضی نہیں ہوتی۔ اگر خاوند نے کوئی خاص حلوہ یا معجون اپنے گھر کیلئے بہت روپیہ خرچ کر کے تیار کی ہے تو اس میں خیرات کی عورت کو اجازت نہیں۔ مرقات نے فرمایا یہاں خرچ کرنے میں بچوں پر خرچ' مہمانوں کی خاطر تواضع پر خرچ' بھکاری فقیر پر خرچ سب ہی شامل ہے مگر شرط یہ ہی ہے کہ مال برباد کرنے کی نیت نہ ہو بلکہ حصول ثواب کا ارادہ ہو اور اتنا ہی خرچ کرے جتنے خرچ کردینے کی عادت ہوتی ہے۔ ۲؎ یہاں اصل ثواب میں سب برابر ہیں۔ اگرچہ مقدار ثواب میں فرق ہے کمانے والے کا ثواب ان سب سے زیادہ ہوگا۔ لہذا یہ حدیث اگلی حدیث کیخلاف نہیں جس میں عورت کیلئے آدھا ثواب فرمایا گیا ہے کہ یہاں اصل ثواب میں برابری مقصود ہے اور وہاں مقدار ثواب میں فرق ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَنْفَقَتِ الْمَرْاَةُ مِنْ كَسْبِ زَوْجِهَا مِنْ غَيْرِ اَمْرِهٖ فَلَهَا نِصْفُ اَجْرِهٖ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۸۵۲) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب عورت اپنے خاوند کی کمائی سے ۱؎ اس کے صریحی حکم کے بغیر خیرات کرے تو اسے خاوند سے آدھا ثواب ہوگا ۲؎ (مسلم بخاری)

(۱۸۵۲) ۱؎ خاوند کی کمائی کی اس لیے قید لگائی کہ اگر عورت اپنی ملک سے خیرات کرے تو اس کا یہ حکم نہیں۔ ۲؎ یہ اس صورت میں ہے کہ خاوند نے صراحۃً تو خیرات کی اجازت نہ دی ہو' مگر عرفاً اجازت ہو۔ عورت کو معلوم ہو کہ خاوند اس خرچ سے ناراض نہ ہوگا۔ عورت کو آدھا ثواب اسی لیے فرمایا کہ مرد کمانے والا ہے کمانے میں محنت زیادہ ہوتی ہے اور ثواب بقدر مشقت ملتا ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْخَازِنُ الْمُسْلِمُ الْاَمِيْنُ الَّذِيْ يُعْطِيْ مَا اُمِرَ بِهٖ كَامِلًا مُّوَفَّرًا طَيِّبَةً بِهٖ نَفْسُهٗ فَيَدْفَعُهٗ اِلَى الَّذِيْ اُمِرَ لَهٗ بِهٖ اَحَدُ الْمُتَصَدِّقِيْنَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۸۵۳) روایت ہے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان امانت دار خزانچی کو ۱؎ جو اسے حکم دیا جائے وہ پورا اور مکمل خوش دلی سے خیرات کردے اور اس کو دے جسے دینے کو کہا گیا وہ بھی دو میں سے ایک صدقہ دینے والا ہے ۲؎ (مسلم بخاری)

(۱۸۵۳) ۱؎ بادشاہوں امیروں کے ہاں خزانچی بھی ملازم ہوتے ہیں جن کے پاس مالک کا روپیہ جمع رہتا ہے جس کا وہ لین دین کرتے ہیں اور حساب رکھتے ہیں۔ خزانچی مسلمان بھی ہوتے ہیں اور کافر بھی اگلا اجر صرف مسلمان خزانچی کیلئے ہے کیونکہ کافر کسی نیکی کے ثواب کا مستحق نہیں' ثواب قبولیت پر ملتا ہے اور قبولیت کی شرط اسلام ہے۔ اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ مسلمان کو چاہیے کہ حتی الامکان خزانچی مسلمان رکھے اور کلیدی آسامیوں پر مسلمان کو لگائے رب تعالٰی فرماتا ہے: لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ (۳:۱۱۸) غیروں کو اپنا رازدار نہ بناؤ وہ تمہاری برائی میں کمی نہیں کرتے (کنزالایمان) کفار کو اپنا مشیر نہ بناؤ نیز امین اور حساب دان مسلمان کو خزانچی

بناؤ۔ ۲؎ یعنی اگر مسلمان امین خزانچی میں صدقہ دیتے وقت چار صفتیں جمع ہوجائیں تو مالک کی طرح اسے بھی صدقہ کا ثواب ملے گا۔ مالک کے حکم سے صدقہ دے پورا پورا صدقہ دے حکم سے کم نہ دے۔ خوشدلی سے دے جل کر نہ دے جیسا کہ بعض خازنوں کی عادت ہے کہ مالک خیرات کرے ان کی جان جلے جہاں صدقہ دینے کو کہا گیا ہے وہاں ہی دے مصرف نہ بدلے مسجد میں دینے کو کہا ہے تو مسجد میں دے۔ خانقاہ پر خرچ کرنے کو کہا ہے تو وہاں ہی خرچ کرے۔ وحی کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے: فَمَنْ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَا اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِیْنَ یُبَدِّلُوْنَهٗ (۲:۱۸۱) تو جو وصیت کو سن کر بدل دے اس کا گناہ انہیں بدلنے والوں پر ہے (کنزالایمان) یہ حدیث گویا اس آیت شریف کی تفسیر ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اُمِّیْ افْتُلِتَتْ نَفْسُهَا وَاَظُنُّهَا لَوْ تَكَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ فَهَلْ لَهَا اَجْرٌ اِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

(۱۸۵۴) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ ایک شخص نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میری ماں اچانک فوت ہوگئیں میرا خیال ہے کہ اگر کچھ بولتیں تو خیرات کرتیں ۱؎ تو کیا انہیں ثواب ہوگا اگر میں ان کی طرف سے خیرات کردوں فرمایا ہاں ۲؎ (مسلم بخاری)

(۱۸۵۴) ۱؎ سائل حضرت عبادہ ابن عبادہ تھے۔ ان کی والدہ عمرہ بنت مسعود ابن قیس ابن عمرو ابن زید تھیں۔ ۵ھ میں ہارٹ فیل (HEART FAIL) یعنی حرکت قلب بند ہوجانے سے وفات پاگئیں۔ ناگہانی موت غافل کیلئے عذاب ہے کہ اسے توبہ اور نیک اعمال کا موقع نہیں ملتا مگر ذکر خدا میں رہنے والے مومن کیلئے رحمت کہ اللہ تعالیٰ اسے بیماری کی شدتوں سے بچالیتا ہے۔ لہٰذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔ آپ کی والدہ صحابیہ ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرچکی تھیں۔ بڑی عابدہ زاہدہ تھیں ۲؎ یعنی ہاں ان کی طرف سے تم صدقہ دو انہیں ضرور ثواب ملے گا۔ لمعات میں حضرت شیخ نے فرمایا کہ اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہوا کہ میت کی طرف سے صدقہ اور اس کیلئے دعا کرنا سنت ہے۔ اس سے میت کو فائدہ پہنچتا ہے۔ صدقہ کے ثواب پہنچنے میں تمام اہل حق کا اتفاق ہے۔ البتہ بدنی عبادت کے متعلق علماء میں اختلاف ہے مگر حق یہ ہے کہ ان کا ثواب بھی پہنچتا ہے۔ ہم بیرام سعد کی حدیث میں اس مسئلہ کو وضاحت سے بیان کرچکے ہیں کہ اس قسم کی ایصال ثواب کی احادیث نہ تو اس آیت کیخلاف ہیں کہ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (۵۳:۳۹) اور یہ کہ آدمی نہ پائے گا مگر اپنی کوشش (کنزالایمان) اور نہ اس کے کہ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَیْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (۲:۲۸۶) مگر اس کی طاقت بھر اس کا فائدہ ہے جو اچھا کمایا اور اس کا نقصان ہے جو برائی کمائی (کنزالایمان) کیونکہ ان آیات میں یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کی طرف سے بدنی عبادتیں ادا نہیں کرسکتا کہ اس کی طرف سے نمازیں فرض ادا کردیا کرے یا روزے رکھ دیا کرے۔ ادائے فرض اور ہے ثواب کچھ اور اسی لیے آیات میں کسب اور سعی کا ذکر ہوا نہ کہ ثواب کا ایصال ثواب تو قرآن کریم کی آیات سے ثابت ہے۔ دیکھو ہماری کتاب فہرست القرآن اشعۃ اللمعات میں اسی جگہ ہے کہ شیخ عزیز الدین عبدالسلام کو کسی نے ان کی موت کے بعد خواب میں دیکھا فرمایا ہم دنیا میں تو تلاوت قرآن کے ثواب پہنچنے کے منکر تھے مگر اس جہان میں آکر پتا لگا کہ اس کا ثواب بھی پہنچتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ اَبِیْ اُمَامَتہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ فِیْ خُطْبَتِہٖ عَامَ حَجَّۃِ الْوِدَاعِ لَا تُنْفِقُ امْرَأَۃٌ شَیْئًا مِنْ بَیْتِ زَوْجِھَا اِلَّا بِاِذْنِ زَوْجِھَا قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَلَا الطَّعَامَ قَالَ ذٰلِكَ اَفْضَلُ اَمْوَالِنَا (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

(۱۸۵۵) روایت ہے حضرت ابوامامہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجۃ الوداع کے سال خطبہ میں فرماتے سنا کہ کوئی عورت اپنے خاوند کے گھر سے بغیر خاوند کی اجازت کچھ خرچ نہ کرے۱ عرض کیا گیا یا رسول اللہ کھانا بھی نہیں فرمایا یہ تو ہمارا بہترین مال ہے۲ (ترمذی)

(۱۸۵۵)۱ یعنی بیوی خاوند کے مال سے بغیر اجازت خیرات نہ کرے اجازت خواہ صریحی ہو یا عرفی جیسے عام طور پر بیویوں کو خاوندوں کی طرف سے روٹی کا ٹکڑا معمولی چیز خیرات کر دینے، مہمانوں کی خاطر تواضع کر دینے کی اجازت ہوتی ہے بلکہ خاوند اس پر مطلع ہو کر خوش ہوتے ہیں کہ ہماری بیوی سلیقہ مند ہے۔ مہمان نواز ہے۔ لہٰذا یہ حدیث گزشتہ احادیث کے خلاف نہیں ۲ یعنی کھانا تو بہترین مال ہے جس پر زندگی کا دارومدار ہے جب اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر معمولی چیز بھی خرچ نہیں کرسکتی تو کھانے جیسی بہترین چیز کیسے خیرات کرسکتی ہے۔ اس کا مطلب ابھی عرض کیا گیا۔

وَعَنْ سَعْدٍ قَالَ لَمَّا بَایَعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ النِّسَآءَ قَامَتِ امْرَأَۃٌ جَلِیْلَۃٌ کَاَنَّھَا مِنْ نِسَآءِ مُضَرَ فَقَالَتْ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ اِنَّا کَلٌّ عَلٰی اٰبَآئِنَا وَاَبْنَآئِنَا وَاَزْوَاجِنَا فَمَا یَحِلُّ لَنَا مِنْ اَمْوَالِھِمْ قَالَ الرَّطْبُ تَاْکُلْنَہٗ وَتُھْدِیْنَہٗ (رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

(۱۸۵۶) روایت ہے حضرت سعد سے فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے بیعت لی تو ایک شاندار عورت شاید وہ مضر کی عورتوں سے تھی۱ اٹھی اور بولی یا نبی اللہ ہم تو اپنے باپ دادوں اولاد اور خاوندوں پر بوجھ ہیں۲ ہمیں ان کے مالوں سے کس قدر درست ہے فرمایا تر کھانا جسے تم کھالو اور ہدیہ دے سکو۳ (ابوداؤد)

(۱۸۵۶)۱ یعنی حسین صورت دراز قامت عزت و شرف والی کہ قبیلہ مضر کے لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے آج مصری لوگ یعنی غالبًا وہ بی بی قبیلہ مضر ابن نزار سے تھیں۲ یعنی یہ لوگ ہم کو ہمارے حق پورے نہیں دیتے ہم پر خرچ کرتے گھبراتے ہیں۔ خیال رہے کہ لڑکی کا خرچ شادی سے پہلے باپ کے ذمہ ہے۔ شادی کے بعد خاوند کے ذمہ صاحب اولاد ہونے کے بعد بیٹے پر ماں باپ کی ہر طرح کی خدمت لازم ہے مگر پھر بھی خاوند پر اس کا خرچہ رہے گا۳ یعنی پکے ہوئے کھانے تر میوہ جو زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتے انہیں خود بھی کھاؤ اور ہدیہ بھی دو ہر وقت علیحدہ اجازت لینے کی ضرورت نہیں کیونکہ ان چیزوں کے ہدیہ کی عرفًا اجازت ہوتی ہے۔ حق یہ ہے کہ یہ حدیث باپ، اولاد، خاوند کے سب کے مال کے متعلق ہے۔ لڑکی باپ کے مال سے، ماں اولاد کے مال سے، بیوی خاوند کے مال سے بغیر صریحی اجازت کے اس قسم کی چیزوں میں سے صدقہ ہدیہ سب کچھ کرسکتی ہے حق یہی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ عُمَيْرٍ مَوْلٰى اٰبِى اللَّحْمِ قَالَ اَمَرَنِىْ مَوْلَاىَ اَنْ اُقَدِّدَ لَحْمًا فَجَآءَنِىْ مِسْكِيْنٌ فَاَطْعَمْتُهٗ مِنْهُ فَعَلِمَ بِذَالِكَ مَوْلَايَ فَضَرَبَنِىْ فَاَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهٗ فَدَعَاهُ فَقَالَ لِمَ ضَرَبْتَهٗ قَالَ يُعْطِىْ طَعَامِىْ بِغَيْرِ اَنْ اٰمُرَهٗ فَقَالَ الْاَجْرُ بَيْنَكُمَا وَفِىْ رِوَايَةٍ قَالَ كُنْتُ مَمْلُوْكًا فَسَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَصَدَّقُ مِنْ مَّالِ مَوَالِىَّ بِشَىْءٍ قَالَ نَعَمْ وَالْاَجْرُ بَيْنَكُمَا نِصْفَانِ

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۱۸۵۷) روایت ہے حضرت عمیر سے جو ابی اللحم کے غلام ہیں[۱] فرماتے ہیں کہ میرے مولا نے مجھے گوشت سکھانے کا حکم دیا[۲] کہ ایک مسکین آ گیا جسے میں نے اس میں سے کچھ دے دیا[۳] اس کی خبر میرے مولا کو ہوئی تو اس نے مجھے مارا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ ماجرا حضور سے عرض کیا[۴] حضور نے انہیں بلایا فرمایا تم نے انہیں کیوں مارا۔ عرض کیا کہ یہ میرا کھانا میری بغیر اجازت دے دیتا ہے۔ فرمایا ثواب تم دونوں کو ہے[۵] ایک روایت میں یوں ہے کہ فرماتے ہیں میں مظلوم تھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا اپنے مولا کے مال سے کچھ خیرات کر دیا کروں فرمایا! ہاں اور ثواب تم دونوں کو آدھا آدھا ہوگا[۶] (مسلم)

(۱۸۵۷)[۱] عمیر صحابی ہیں۔ غزوہ خیبر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ ان کے مولیٰ بھی صحابی ہیں۔ ان کے مولیٰ کا نام عبداللہ ہے۔ لقب ابی اللحم یعنی گوشت کے انکاری چونکہ یہ گوشت کی تجارت کرتے تھے مگر خود بالکل نہ کھاتے تھے۔ اس لیے ان کا یہ لقب ہوا۔ بعض نے فرمایا کہ یہ زمانہ جاہلیت میں بتوں کے نام کا ذبح کیا ہوا گوشت نہ کھاتے تھے۔ مشہور اور پرانے صحابہ میں سے ہیں۔ جنگ بدر میں شریک ہوئے اور غزوہ حنین میں شہید[۲] اُقَدِّرَ قَدٌّ سے بنا یعنی گوشت کے لمبے پارچے کرنا چونکہ یہ پارچے سکھانے کیلئے کیے جاتے ہیں۔ اس لیے اب سکھانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اہل عرب گوشت سکھا کر مہینوں استعمال کرتے ہیں۔ اب بھی سوکھا گوشت ولایت سے بند ڈبوں میں آتا ہے[۳] چوری یا مولیٰ کے نقصان کی نیت سے نہیں بلکہ محض ثواب کی غرض سے کیونکہ غلاموں کو اس قسم کے صدقات کی عادۃً اجازت ہوتی ہے[۴] اس جملہ سے فقیر کی شرح کو قوت پہنچتی ہے۔ اگر ان کی نیت فاسد ہوتی تو اس واقعہ کو دبا جاتے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت نہ لاتے۔ شکایت کا منشا یہ ہی تھا کہ میں تو مولیٰ کے مال سے صدقہ کرکے ان کا فائدہ کرتا ہوں۔ وہ مجھے مارتے ہیں۔[۵] یعنی اگر تم اس کے دیئے سے راضی ہو جاؤ تو تم بھی ثواب پاؤ۔ اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ غلام کو مولیٰ کی بغیر اجازت اس کے مال میں تصرف کرنے کی مطلقًا اجازت دے دی جائے بلکہ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غلام کی نیک نیتی پر مطلع تھے۔ اس لیے ان کے مولیٰ کو ایک بہتر بات کی ہدایت دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر مولیٰ بلاقصور بھی غلام کو مار دے تو مولیٰ پر اس کا قصاص نہیں۔ یونہی اگر باپ بیٹے کو استاذ شاگرد کو غلط فہمی کی بنا پر بلاوجہ بھی مارے تو قصاص نہیں۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے بلاقصور ہارون علیہ الصلوۃ والسلام کی داڑھی اور سر کے بال پکڑ لیے مگر اصل واقعہ اور حضرت ہارون علیہ السلام کی بے قصوری معلوم ہونے پر ان کیلئے دعا کی لیکن قصاص نہ دیا۔ لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے کو حضرت عکاشہ کے سامنے پیش فرما دینا تعلیم عدل کیلئے ہے نہ کہ بیان قانون کیلئے[۶] اس کا مطلب وہی ہے جو پہلے عرض کیا جا چکا کہ اس سے وہ صورتیں مراد ہوتی ہیں جن میں مولیٰ کی طرف سے غلام کو عرفاً خرچ کر دینے کی اجازت ہوتی

ہے۔ ورنہ کسی کا مال اس کی بغیر اجازت خیرات نہیں کر سکتے۔

بَابُ مَنْ لَّا يَعُوْدُ فِي الصَّدَقَةِ باب کون شخص صدقہ واپس نہ لے

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ پہلی فصل

صدقہ واپس لینے کی چند صورتیں ہیں دے کر واپس لے لینا دے کر خرید لینا دینے کے بعد بطور میراث پھر صدقہ کا لوٹ آنا۔ پہلی صورت بالکل ناجائز ہے اور تیسری صورت بالکل جائز دوسری صورت میں کچھ تفصیل ہے۔ خیال رہے کہ ہدیہ دے کر واپس لینا جائز ہے اگرچہ بہت برا اس کی بحث پہلے ہو چکی مگر صدقہ دے کر واپس لینا جائز ہی نہیں۔

عَنْ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ قَالَ حَمَلْتُ عَلٰى فَرَسٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاَضَاعَهُ الَّذِيْ كَانَ عِنْدَهُ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَشْتَرِيَهُ وَظَنَنْتُ اَنَّهُ يَبِيْعُهُ بِرُخْصٍ فَسَاَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَاتَشْتَرِهِ وَلَا تَعُدْ فِيْ صَدَقَتِكَ وَاِنْ اَعْطَاكَهُ بِدِرْهَمٍ فَاِنَّ الْعَائِدَ فِيْ صَدَقَتِهِ كَالْكَلْبِ يَعُوْدُ فِيْ قَيْئِهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَا تَعُدْ فِيْ صَدَقَتِكَ فَاِنَّ الْعَائِدَ فِيْ صَدَقَتِهِ كَالْعَائِدِ فِيْ قَيْئِهِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۸۵۸) روایت ہے حضرت عمر ابن الخطاب سے فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو اللہ کی راہ میں گھوڑا دیا[۱] جس کے پاس وہ گھوڑا تھا اس نے اسے برباد کر دیا[۲] میں نے چاہا کہ گھوڑا خرید لوں میرا خیال تھا کہ سستا بیچ دے گا[۳] میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آپ نے فرمایا اسے نہ خریدو اور اپنا صدقہ واپس نہ لو۔ اگرچہ تمہیں ایک درہم میں دے دے[۴] کیونکہ اپنے صدقہ میں رجوع کرنے والا اس کتے کی طرح ہے جو قے کرکے چاٹ لے۔ ایک اور روایت میں ہے صدقہ واپس نہ لو کہ اپنے صدقہ میں رجوع کرنے والا ایسا ہے جیسے اپنی قے دوبارہ کھا لینے والا ہے[۵] (مسلم بخاری)

(۱۸۵۸)[۱] بطور خیرات تاکہ اس پر جہاد وغیرہ کیا کرے۔ عاریۃً دینا مراد نہیں بلکہ مالک بنا دینا مراد ہے[۲] اس طرح کہ اس کی خدمت کم کی جس سے وہ کمزور دبلا ہو کر گویا برباد ہی ہو گیا[۳] یا اس لیے کہ گھوڑا کمزور ہو چکا ہے جس سے اس کی قیمت گھٹ گئی یا اس لیے کہ میں اس کا محسن ہوں۔ مجھے رعایت سے دے گا کیونکہ احسان کا بدلہ احسان ہے۔ دوسرا احتمال زیادہ قوی ہے۔[۴] اس جملہ کی بنا پر بعض علماء فرماتے ہیں کہ اپنے دیئے ہوئے صدقہ کا خریدنا حرام ہے مگر حق یہ ہے کہ مکروہ تنزیہی ہے اور کراہت کی وجہ بھی یہ ہے کہ اس موقع پر فقیر صدقہ دینے والے کی گزشتہ مہربانی کا خیال کرتے ہوئے اسے سستا دے دے گا اور یہ قیمت کی کمی صدقہ کی واپسی ہے۔ مثلاً اگر سو روپیہ کا مال اس نے ۸۰ میں دے دیا تو گویا صدقہ دینے والے نے بیس روپیہ صدقہ کرکے واپس لے لئے۔ لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ ملک بدلنے سے احکام بدل جاتے ہیں۔ اس کی مثال بالکل یوں سمجھ لو کہ اگر تم نے اپنے پڑوسی فقیر کو صدقہ دیا۔ اس نے اس مال کا کھانا پکا کر تمہاری دعوت کی۔ یہ اگر اس مہربانی کے شکریہ میں ہو تو وہ دعوت ناجائز ہے اور اگر عام دعوت تھی جس میں اتفاقاً تمہیں بھی بلا لیا گیا ہو تو کوئی مضائقہ نہیں[۵] اس تشبیہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ ممانعت تنزیہی ہے کیونکہ کتے کے اپنی قے کو چاٹ لینے سے اس کا پیٹ تو بھر ہی جائے گا مگر یہ کام گھناؤنا ہے۔ ایسے ہی اپنے صدقہ کو خرید لینے سے ملکیت تو حاصل ہو ہی جائے گی۔ اگرچہ کام بہت برا ہے۔ یہی تشبیہ بہ

واپس لینے والے پر بھی دی گئی ہے۔ حالانکہ ہبہ کی واپسی بالاتفاق جائز ہے اگرچہ مکروہ ہے۔

وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتَتْهُ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّي تَصَدَّقْتُ عَلٰى اُمِّي بِجَارِيَةٍ وَّاِنَّهَا مَاتَتْ قَالَ وَجَبَ اَجْرُكِ وَرَدَّهَا عَلَيْكِ الْمِيْرَاثُ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهٗ كَانَ عَلَيْهَا صَوْمُ شَهْرٍ اَفَاَصُوْمُ عَنْهَا قَالَ صُوْمِيْ عَنْهَا قَالَتْ اِنَّهَا لَمْ تَحُجَّ قَطُّ اَفَاَحُجُّ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ حُجِّيْ عَنْهَا

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۱۸۵۹) روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ ایک عورت حاضر ہوئی بولی یارسول اللہ میں نے اپنی ماں کو ایک لونڈی صدقہ میں دی تھی اور ماں فوت ہوگئی۱ فرمایا تمہارا ثواب پورا ہوگیا اور میراث نے تمہیں لونڈی واپس دے دی۲ عرض کیا یارسول اللہ میری ماں پر ایک مہینہ کے روزے تھے کیا میں اس کی طرف سے روزے رکھ دوں فرمایا رکھ دو۳ بولی اس نے حج نہ کیا تھا کیا میں کروں فرمایا ہاں اس کی طرف سے حج کردو۴ (مسلم)

(۱۸۵۹)۱ اور لونڈی بطور میراث مجھے مل رہی ہے آیا اسے لوں یا نہ لوں کسی اور کو خیرات دے دوں۔ اس جملہ سے معلوم ہوا کہ غریب ماں باپ کو صدقہ نفلی دے سکتے ہیں۔ صدقہ فرض نہیں دے سکتے۔ اس کی تحقیق پہلے کی جاچکی اور ہوسکتا ہے کہ ان بی بی نے اپنی ماں کو لونڈی ہدیۃً دی ہو اور صدقہ سے ہدیہ مراد لیا ہو۔۲ اس حدیث نے تصریح کردی کہ بطور میراث اگر اپنا صدقہ لوٹ آئے تو اس کا لینا جائز ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ دوسرے فقیر کو دے دے۔ کیونکہ یہ حق اللہ بن چکا ہے مگر یہ قیاس حدیث کے مقابل ہے۔ لہذا رد ہے۔ ۳ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی بنا پر فرمایا کہ میت کے قضا روزے وارث رکھ سکتا ہے لیکن امام ابوحنیفہ و شافعی و مالک علیہم الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں نہیں رکھ سکتا کیونکہ روزہ خالص بدنی عبادت ہے جس میں نیابت ناجائز ہے رب تعالٰی فرماتا ہے لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (۵۳:۳۹) اور یہ کہ آدمی نہ پائے گا مگر اپنی کوشش (کنزالایمان) اور فرماتا ہے: لَهَا مَا كَسَبَتْ اور فرماتا ہے: وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ (۲:۱۸۴) اور جنہیں اس کی طاقت نہ ہو وہ بدلہ دیں ایک مسکین کا کھانا (کنزالایمان) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں نہ کوئی کسی کی طرف سے نماز پڑھے نہ روزے رکھے۔ یہاں روزوں کا کفارہ دینا مراد ہے۔ یعنی تم اپنی ماں کے روزوں کا فدیہ دے دو جو حکماً روزہ ہے۔۴ خواہ انہوں نے وصیت کی ہو یا نہ کی ہو اگر ان پر حج فرض تھا تو ان کی طرف سے تم کردو۔ تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ قریب الغنا بیمار یا بوڑھے کی طرف سے اور میت کی طرف سے حج بدل کرنا جائز ہے کیونکہ حج خالص بدنی عبادت نہیں بلکہ بدنی اور مالی کا مجموعہ ہے جو سخت مجبوری اور معذوری کی حالت میں دوسرے کے ادا کردینے سے ادا ہوسکتا ہے۔ لہذا یہ حدیث ان تمام بزرگوں کی دلیل ہے۔ عبادات تین قسم کی ہیں۔ محض بدنی، محض مالی، بدنی و مالی کا مجموعہ محض بدنی عبادات میں نیابت مطلقاً ناجائز ہے جیسے روزہ نماز اور محض مالی میں مطلقاً جائز جیسے زکوۃ اور صدقہ فطر وغیرہ اور مجموعہ میں دائمی عذر میں جائز ویسے ناجائز۔

كِتَابُ الصَّوْمِ — روزے کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

صوم کے لغوی معنی ہیں باز رہنا' قرآن کریم فرماتا ہے: فَقُوْلِیْٓ اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا (۱۹،۲۶) تو کہہ دینا میں نے آج رحمن کا روزہ مانا ہے (کنزالایمان) یعنی میں نے بات چیت سے باز رہنے کی نذر مانی ہے۔شریعت میں صبح سے شام تک بہ نیت عبادت صحبت سے اور کسی چیز کے پیٹ یا دماغ میں داخل کرنے سے باز رہنے کو صوم کہا جاتا ہے۔ روزہ کا منشا ہے۔نفس کا زور توڑنا دل میں صفائی پیدا کرنا' فقرا اور مساکین کی موافقت کرنا' مساکین پر اپنے دل کو نرم بنانا' مرقات میں ہے کہ یوسف علیہ السلام زمانہ قحط میں پیٹ بھر کھانا نہ کھاتے تھے تا کہ بھوکوں فاقہ مستوں کا حق نہ بھول جائیں۔ لمعات' مرقات اور درمختار وغیرہ میں ہے کہ ۲ھ ہجری میں تبدیلی قبلہ کے ایک مہینہ بعد ہجرت سے اٹھارھویں مہینہ دسویں شعبان کو روزے فرض ہوئے۔ روزے کی فرضیت میں چھ قسم کی تبدیلیاں ہوئیں جنہیں ہم نے اپنی تفسیر نعیمی پارہ دوم میں تفصیل وار بیان کیا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَفِیْ رِوَایَةٍ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَسُلْسِلَتِ الشَّیَاطِیْنُ وَفِیْ رِوَایَةٍ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الرَّحْمَةِ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

(۱۸۶۰) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب رمضان آتا ہے[۱] تو آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں[۲] اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ شیاطین زنجیروں میں جکڑ دیئے جاتے ہیں[۳] ایک روایت میں ہے کہ رحمت کے دروازے کھولے جاتے ہیں (مسلم،بخاری)

(۱۸۶۰)[۱] رمضان رمض سے بنا بمعنی گرمی یا گرم چونکہ بھٹی گندے لوہے کو صاف کرتی ہے اور صاف لوہے کو پرزہ بنا کر قیمتی کر دیتی ہے اور سونے کو محبوب کے پہننے کے لائق بنا دیتی ہے۔اسی طرح روزہ گنہگاروں کے گناہ معاف کراتا ہے۔ نیک کار کے درجے بڑھاتا ہے اور ابرار کا قرب الٰہی زیادہ کرتا ہے۔اس لیے اسے رمضان کہتے ہیں۔ نیز یہ اللہ کی رحمت محبت' ضمان امان اور نور لے کر آتا ہے۔اس لیے رمضان کہلاتا ہے۔ خیال رہے کہ رمضان یہ پانچ ہی نعمتیں لاتا ہے اور پانچ ہی عبادتیں روزہ' تراویح' اعتکاف' شب قدر میں عبادات اور تلاوت قرآن' اسی مہینہ میں قرآن کریم اترا اور اسی مہینہ کا نام قرآن شریف میں لیا گیا۔ ماہ رمضان کے تفصیل وار فضائل ہماری کتاب تفسیر نعیمی جلد دوم میں دیکھو[۲] حق یہ ہے کہ ماہ رمضان میں آسمانوں کے دروازے بھی کھلتے ہیں۔جن سے اللہ کی خاص رحمتیں زمین پر اترتی ہیں اور جنتوں کے دروازے بھی جس کی وجہ سے جنت والے حور و غلمان کو خبر ہو جاتی ہے کہ دنیا میں رمضان آ گیا اور وہ روزہ داروں کیلئے دعاؤں میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ حدیث اپنے ظاہر پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں[۳] یہ جملہ بھی اپنے ظاہری معنی پر ہی ہے کہ ماہ رمضان میں واقعی دوزخ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے اس مہینہ میں گنہگاروں بلکہ کافروں کی قبروں پر بھی دوزخ کی گرمی نہیں پہنچتی وہ جو مسلمانوں میں مشہور ہے کہ رمضان میں عذاب قبر نہیں ہوتا۔اس کا یہی مطلب ہے اور حقیقت میں ابلیس مع اپنی ذریتوں

کے قید کر دیا جاتا ہے۔ اس مہینہ میں جو کوئی بھی گناہ کرتا ہے وہ اپنے نفس امارہ کی شرارت سے کرتا ہے نہ کہ شیطان کے بہکانے سے فقیر کی اس تقریر سے اس حدیث کے متعلق بہت سے اعتراضات دفع ہو گئے۔ مثلاً یہ کہ جب ابھی جنت میں کوئی جا ہی نہیں رہا تو اس کے دروازے کھلنے سے کیا فائدہ یا یہ کہ جب دوزخ کے دروازے بند ہو گئے تو رمضان میں گرمی کہاں سے آتی ہے یا یہ کہ جب شیطان بند ہو گیا تو اس مہینہ میں گناہ کیسے ہوتے ہیں۔

وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْجَنَّةِ ثَمَانِيَةُ اَبْوَابٍ مِّنْهَا بَابٌ يُّسَمَّى الرَّيَّانَ لَايَدْخُلُهٗ اِلَّا الصَّائِمُوْنَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۸۶۱) روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت میں آٹھ دروازے ہیں۱؎ جن میں سے ایک باب الریان ہے جس میں صرف روزہ دار داخل ہوں گے۲؎ (مسلم بخاری)

(۱۸۶۱)۱؎ یا اس طرح کہ جنت میں آٹھ طبقے ہیں ہر طبقے کا ایک دروازہ یا اس طرح کہ جنت کی پہلی ہی دیوار میں آٹھ دروازے ہیں تا کہ ہر قسم کے نیک لوگ اپنے اپنے الگ دروازے سے داخل ہوں۲؎ ریان بروزن فعلان رَیٌّ سے بنا بمعنی تروتازگی سیرابی وسبزی چونکہ روزہ دار روزوں میں بھوکے پیاسے رہتے تھے اور بمقابلہ بھوک کے پیاس کی زیادہ تکلیف اٹھاتے تھے۔ اس لیے ان کے داخلے کیلئے وہ دروازہ منتخب ہوا جہاں پانی کی نہریں بے حساب سبزہ پھل فروٹ اور سیرابی ہے۔ اس کا حسن آج نہ ہمارے وہم وگمان میں آسکتا ہے نہ بیان میں انشاءاللہ دیکھ کر ہی پتا لگے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ روزہ چور اور روزہ توڑ مسلمان اگرچہ رحمت خداوندی اور شفاعت مصطفوی کی برکت سے بخش بھی دیئے جائیں اور جنت میں داخل بھی ہو جائیں مگر اس دروازہ سے نہیں جا سکتے کہ یہ دروازہ تو روزہ داروں کیلئے مخصوص ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۸۶۲) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ایمان واخلاص سے رمضان کے روزے رکھے اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۱؎ اور جو رمضان میں ایمان و اخلاص سے راتوں میں عبادت کرے تو اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۲؎ اور جو شب قدر میں ایمان و اخلاص کے ساتھ عبادت کرے تو اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۳؎ (مسلم بخاری)

(۱۸۶۲)۱؎ احتساب حسبٌ سے بنا بمعنی گمان کرنا اور سمجھنا احتساب کے معنی ہیں ثواب طلب کرنا یعنی جس روزہ کے ساتھ ایمان اور اخلاص جمع ہو جائیں اس کا نفع تو بے شمار ہے۔ دفع ضرر یہ ہے کہ اس کے سارے صغیرہ گناہ حقوق اللہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہندوؤں کے برت (روزہ) اور کافروں کے اپنے دینی روزوں کا کوئی ثواب نہیں کہ وہاں ایمان نہیں اور جو شخص بیماری کے علاج کیلئے روزہ رکھے نہ کہ طلب ثواب کیلئے تو کوئی ثواب نہیں کہ وہاں احتساب نہیں۲؎ اس عبادت سے مراد نماز تراویح ہے جو صرف رمضان میں ادا ہوتی ہے یا نماز تہجد۳؎ مرقات نے فرمایا کہ ان جیسے نیک اعمال سے گناہ صغیرہ تو رمضان میں روزوں کی برکت سے گناہ صغیرہ معاف ہو جاتے ہیں اور تراویح کی برکت سے گناہ کبیرہ ہلکے پڑ جاتے ہیں اور شب قدر کی عبادت کی برکت سے درجے بڑھ جاتے ہیں لہٰذا حدیث پر اعتراض نہیں کہ جب روزوں سے گناہ معاف ہو گئے تو پھر تراویح اور شب قدر کی عبادت نے کیا ہوگا۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ عَمَلِ ابْنِ اٰدَمَ يُضٰعَفُ الْحَسَنَةُ بَعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِلَّا الصَّوْمَ فَاِنَّهُ لِيْ وَاَنَا اَجْزِيْ بِهٖ يَدَعُ شَهْوَتَهٗ وَطَعَامَهٗ مِنْ اَجْلِيْ لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهٖ وَفَرْحَةٌ عِنْدَلِقَآءِ رَبِّهٖ وَلَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطْيَبُ عِنْدَاللّٰهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ وَالصِّيَامُ جُنَّةٌ وَّاِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ اَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ فَاِنْ سَآبَّهٗ اَحَدٌ اَوْقَاتَلَهٗ فَلْيَقُلْ اِنِّيْ امْرُءٌ صَائِمٌ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۸۶۳) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انسان کی ساری نیکیاں دس گنے سے سات سو گنے تک بڑھائی جائیں گی۱؎ رب تعالٰی فرماتا ہے سوائے روزہ کے کہ روزہ تو میرا ہے۲؎ اور میں ہی اس کا ثواب دوں گا۳؎ وہ میرے لیے اپنی شہوت اور اپنا کھانا چھوڑتا ہے۴؎ روزہ دار کو دو خوشیاں ہیں ایک خوشی افطار کے وقت اور دوسری خوشی اپنے رب سے ملتے وقت۵؎ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے ہاں مشک کی خوشبو سے بہتر ہے۶؎ اور روزے ڈھال ہیں ۷؎ اور جب تم میں سے کسی کے روزے کا دن ہو تو نہ بری بات کہے نہ شور مچائے ۸؎ اگر کوئی اس سے گالی گلوچ یا جنگ کرے تو کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں۹؎ (مسلم بخاری)

(۱۸۶۳)۱؎ یعنی قانوناً ایک نیکی کا ثواب کم سے کم دس گنا اور زیادہ سے زیادہ سات سو گنا ہے۔ اگر اللہ اور زیادہ دے تو اس کا کرم ہے۔ اس حدیث سے دو آیتوں کی طرف اشارہ ہے ایک تو مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا (۶:۱۶۰) جو ایک نیکی لائے تو اس کے لئے اس جیسی دس ہیں (کنزالایمان) اور دوسری: كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ (۲:۲۶۱) اس دانہ کی طرح جس نے اگائیں سات بالیں ہر بالی میں سو دانے (کنزالایمان) ۲؎ اگرچہ ساری عبادتیں اللہ تعالٰی کی ہیں مگر خصوصیت سے روزہ کو فرمایا کہ یہ میرا ہے۔ چند وجہوں سے ایک یہ کہ دیگر عبادات میں اطاعت غالب ہے اور روزہ میں عشق غالب اور روزہ دار میں علامات عشق جمع ہو جاتی ہیں۔ شعر:

عاشقاں راشش نشان است اے پسر	آہ سرد و رنگ زرد و چشم تر
گر ترا پرسند سہ دیگر کدام	کم خورو کم گفتن و خفتن حرام

اور مطیع کا عوض ثواب ہے عاشق کا عوض لقائے یار دوسرے یہ کہ دوسری عبادتوں میں ریا ہوسکتی ہے کیونکہ ان کی کوئی نہ کوئی صورت ہوتی ہے اور ان میں کچھ کرنا ہوتا ہے مگر روزہ میں ریا نہیں ہوسکتی کہ نہ اس کی کوئی صورت ہے اور نہ اس میں کچھ کرنا ہے جو اندر باہر کچھ نہ کھائے پیئے وہ یقیناً مخلص ہی ہے۔ ریا کار گھر میں کھا کر بھی روزہ ظاہر کرسکتا ہے۔ تیسرے یہ کہ کل قیامت میں دوسری عبادتیں اہل حقوق چھین سکتے ہیں۔ حتیٰ کہ قرض خواہ مقروض سے سات سو نمازیں تین پیسہ قرض کی عوض لے لے گا (شامی) مگر روزہ کسی حق والے کو نہ دیا جائے گا۔ رب تعالٰی فرمائے گا کہ روزہ تو میرا ہے یہ کسی کو نہیں ملے گا۔ چوتھے یہ کہ کفار و مشرکین دوسری عبادتیں بتوں کیلئے بھی کر لیتے ہیں۔ قربانی، سجدہ، حج و خیرات وغیرہ مگر کوئی کافر روزہ بت کیلئے نہیں رکھتا۔ اگر روزہ رکھتے بھی ہیں تو صفائی نفس کیلئے تاکہ اس صفائی سے بتوں سے قرب حاصل ہو غرض کہ روزہ غیر اللہ کیلئے نہیں ہوتا (از مرقات) اشعہ وغیرہ ۳؎ اس عبارت کی دو قراٗتیں ہیں۔ اجزی معروف اور اجزی مجہول یعنی روزہ کا بدلہ میں براہ راست خود دوں گا میں دینے والا روزہ دار لینے والا جو چاہوں دوں۔ اس کی جزا مقرر نہیں یا روزہ کا بدلہ میں خود ہوں یعنی تمام عبادات کا بدلہ جنت ہے اور روزہ کا بدلہ جنت والا رب اس کی وجہ آگے آرہی ہے۔۴؎ یعنی دوسرے عابد ہیں یہ عابد بھی اور عاشق بھی یا

روزہ دار ریاء کیلئے کھانا پینا نہیں چھوڑتا وہ صرف میری رضا کے لیے چھوڑتا ہے۔ ریا کار چھپ کر کھا کر روزہ ظاہر کرسکتا ہے۔۷ سبحان اللہ کیسا پیارا فرمان ہے۔ روزہ دار کو افطار کے وقت روحانی خوشی بھی ہوتی ہے کہ عبادت ادا ہوئی۔ رب تعالٰی راضی ہوا سینہ میں نور دل میں سرور ہوا اور جسمانی فرحت بھی کہ سخت پیاس کے بعد ٹھنڈا پانی بہت ہی فرحت کا باعث ہے اور تیز بھوک میں رب تعالٰی کی روزی بہت لذیذ معلوم ہوتی ہے اور انشاء اللہ مرتے وقت بھی بروز قیامت بھی رب تعالٰی کی مہربانی دیکھ کر روزہ دار کو جو خوشی ہوگی وہ تو بیان سے باہر ہے۔ وہ کریم فرمائے گا کہ دنیا میں جو میں نے کہا وہ تو نے کیا اب جو تو کہے گا وہ میں کروں گا۔ اللہ تعالٰی خیریت سے وہ وقت دکھائے۔ اللہ کا شکر ہے کہ فقیر حقیر گنہگار یہ بیان بھی آج ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۷۹ھ جمعرات کے دن لکھ رہا ہے۔ رب تعالٰی اپنے فضل وکرم اور محبوب معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ سے اس قال کو حال بنادے۔۸ خیال رہے کہ منہ کی وہ بو جو دانتوں کے میل وغیرہ یا بیماری سے پیدا ہو گندہ ذہنی کہلاتی ہے اور جو معدہ خالی ہونے کی وجہ سے پیدا ہوا سے خلوف کہتے ہیں۔ دانتوں کی میل کی بو تو مسواک ومنجن سے جاسکتی ہے اور بیماری کی بو دواؤں سے مگر خلوف معدہ کی بو صرف کھانے سے جاسکتی ہے۔ تجربہ ہے کہ یہ بو مسواک کے بعد بھی رہتی ہے۔ لہٰذا یہ حدیث نہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی اس چیز پر دلیل ہے کہ بعد زوال روزہ میں مسواک منع اور نہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس مسئلہ کے خلاف ہے کہ روزہ میں مسواک ہر وقت جائز ہے۔ یہاں مرقات نے فرمایا کہ یہ جملہ ایسا ہے کہ مسواک کی پوری بحث انشاء اللہ آگے آئے گی۔ ۷ کہ دنیا میں نفس و شیطان کے شر سے بچاتے ہیں اور آخرت میں دوزخ کی آگ سے بچائیں گے۸ شور سے مراد جنگ وجدال کا شور ہے۔ شریعت میں روزہ پیٹ اور دماغ کا ہوتا ہے مگر طریقت میں سارے اعضاء کا کہ انہیں گناہوں سے بچایا جائے۔ اس جملہ میں اسی روزہ کی تعلیم ہے۹ لہٰذا میں تجھ سے لڑنے کو تیار نہیں اس پر انشاء اللہ وہ خود ہی شرمندہ ہو جائے گا یا یہ مطلب ہے کہ میں روزہ دار ہوں اللہ کی ضمان میں ہوں مجھ سے لڑنا گویا رب کا مقابلہ کرنا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت اپنی چھپی عبادت کا اظہار جائز ہے بشرطیکہ فخر وریا کیلئے نہ ہو۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا کَانَ اَوَّلُ لَیْلَةٍ مِّنْ شَهْرِ رَمَضَانَ صُفِّدَتِ الشَّیَاطِیْنُ وَمَرَدَةُ الْجِنِّ وَغُلِقَتْ اَبْوَابُ النَّارِ فَلَمْ یُفْتَحْ مِنْهَا بَابٌ وَّفُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ فَلَمْ یُغْلَقْ مِنْهَا بَابٌ وَّیُنَادِیْ مُنَادٍیَا بَاغِیَ الْخَیْرِ اَقْبِلْ وَیَابَاغِیَ الشَّرِّ اَقْصِرْ وَلِلّٰهِ عُتَقَاءُ مِنَ النَّارِ وَذٰلِكَ کُلَّ لَیْلَةٍ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ اَحْمَدُ عَنْ رَّجُلٍ وَّقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ)

(۱۸۶۴) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب ماہ رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے تو شیاطین اور سرکش جن قید کردیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں کہ ان میں سے کوئی دروازہ کھولا نہیں جاتا اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں جن میں سے کوئی دروازہ بند نہیں کیا جاتا۱ اور پکارنے والا پکارتا ہے کہ اے بھلائی چاہنے والے آ۲ اور برائی چاہنے والے باز آ۳ اور اللہ کی طرف سے لوگ آگ سے آزاد کیے جاتے ہیں یہ ہر رات ہوتا ہے۴ (ترمذی ابن ماجہ) احمد نے ایک شخص سے روایت کی ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۵

(۱۸۶۴)۱ان تین جملوں کی شرح ابھی کچھ پہلے ہو چکی ہے کہ یہ تینوں جملے اپنے ظاہری معنی پر ہیں ان میں کسی کی تاویل یا توجیہ

کی ضرورت نہیں چونکہ ابلیس ایک ہے اور اس کی ذریت بہت قسم کی جن کے نام بھی الگ ہیں اور کام بھی الگ یہ سب ہی ایک مہینہ کیلئے گرفتار کر لیے جاتے ہیں۔ اس لیے شیاطین جمع فرمایا مرقات نے یہاں فرمایا کہ رمضان کے علاوہ دیگر مہینوں میں جنت اور دوزخ کے دروازے کبھی کھلتے ہیں کبھی بند ہوتے ہیں مگر رمضان میں سارا مہینہ دوزخ کے دروازے بند رہتے ہیں' جنت کے کھلے' سبحان اللہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر کا دروازہ دیگر مہینوں میں شب جمعہ کو کھلتا ہے مگر ماہ رمضان میں ہمیشہ کھلا رہتا ہے کیوں نہ ہو کہ وہ ہم غریبوں کی جنت ہے۔ شعر:

مسجد من کعبہ من خلد ما آستان تو در تو کوئے تو

۲؎ اللہ کی طرف آ رسول اللہ کی طرف آ' جنت کی طرف آ' مسجد کی طرف آ' عبادت کی طرف آ' کیونکہ اب عمل قلیل پر جزائے جلیل ملے گی' زمانہ کمائی کا آ گیا کچھ کما لے ۳؎ گناہوں سے باز آ غیر اللہ کی طرف بھاگنے سے باز آ رمضان رب کا مہمان ہے اس سے شرم کر اس آواز کا اثر یہ دیکھا جا رہا ہے کہ اس زمانہ میں بے نماز نمازی ہو جاتے ہیں۔ بخیل سخی بن جاتے ہیں۔ بچے اور بیمار جو نماز سے گھبرائیں روزہ پر حریص ہوتے ہیں۔ حالانکہ روزہ نماز سے دشوار ہے۔ روزہ میں عادۃً سستی اور نیند بڑھ جاتی ہے مگر پھر بھی مسجدیں بھری رہتی ہیں اور راتیں ذکر اللہ سے آباد ۴؎ یعنی مہینہ بھر روزانہ افطار کے وقت بہت سے ہم جیسے گنہگار جو اپنے گیارہ مہینوں کی بدکاریوں کی وجہ سے دوزخ کے مستحق ہو چکے ہیں۔ انہیں اللہ روزہ کی برکت سے معاف دے دیتا ہے فرمایا ہے اگرچہ گنہگار ہیں مگر روزہ دار ہیں۔ بخش دیا۔ ۵؎ یعنی حدیث مرفوع غریب ہے موقوف صحیح ہے اور ہو سکتا ہے کہ غریب بھی ہو اور صحیح بھی کیونکہ غرابت حسن یا صحیح ہونے کے خلاف نہیں (مرقات) امام جزری فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے ایک راوی ابوبکر ابن عیاش بھی ہیں جن کے ثقہ ہونے میں اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا کہ اگرچہ امام عاصم قاری کے شاگرد ہیں اور امام حفص پر قرأت میں مقدم ہیں اور فضائل و کمالات میں اپنے اہل زمانہ پر فوقیت رکھتے ہیں مگر کچھ حافظہ کے کمزور تھے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَاكُمْ رَمَضَانُ شَهْرٌ مُّبَارَكٌ فَرَضَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ صِيَامَهٗ تُفْتَحُ فِيْهِ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَتُغْلَقُ فِيْهِ اَبْوَابُ الْجَحِيْمِ وَتُغَلُّ فِيْهِ مَرَدَةُ الشَّيَاطِيْنِ لِلّٰهِ فِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ مَنْ حُرِمَ خَيْرَهَا فَقَدْ حُرِمَ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ)

(۱۸۶۵) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان آ گیا برکت والا مہینہ ہے ۱؎ اللہ نے تم پر اس کے روزے فرض کیے ۲؎ اس میں آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں ۳؎ دوزخ کے دروازے بند کیے جاتے ہیں اور اس میں مردود شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں ۴؎ اس میں ایک رات ہے ہزار مہینوں سے بہتر ۵؎ جو اس کی خیر سے محروم رہا وہ بالکل ہی محروم رہا ۶؎ (احمد نسائی)

(۱۸۶۵) ۱؎ برکت کے معنی ہیں بیٹھ جانا جم جانا اسی لیے اونٹ کے طویلہ کو مبارک الابل کہا جاتا ہے کہ وہاں اونٹ بیٹھتے بندھتے ہیں۔ اب وہ زیادتی خیر جو آ کر نہ جائے برکت کہلاتی ہے چونکہ ماہ رمضان میں حسی برکتیں بھی ہیں اور غیبی برکتیں بھی اس لیے اس مہینہ کا نام ماہ مبارک بھی ہے۔ رمضان میں قدرتی طور پر مومنوں کے رزق میں برکت ہوتی ہے اور ہر نیکی کا ثواب ستر گنا یا اس سے بھی زیادہ ہے۔ اس

حدیث سے معلوم ہوا کہ ماہ رمضان کی آمد پر خوش ہونا ایک دوسرے کو مبارک باد دینا سنت ہے اور جس کی آمد پر خوشی ہونا چاہیے اس کے جانے پر غم بھی ہونا چاہیے۔ دیکھو نکاح ختم ہونے پر عورت کو شرعاً غم لازم ہے۔ اسی لیے اکثر مسلمان جمعة الوداع کو مغموم اور چشم پرنم ہوتے ہیں اور خطبا اس دن میں کچھ وداعیہ کلمات کہتے ہیں تاکہ مسلمان باقی گھڑیوں کو غنیمت جان کر نیکیوں میں اور زیادہ کوشش کریں ان سب کا ماخذ یہ حدیث ہے۔ ۲؎ یعنی سب پر روزہ رمضان ہی فرض ہیں۔ طاقت روزہ رکھنے والا فدیہ نہیں دے سکتا۔ رب تعالٰی فرماتا ہے: فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ (۲:۱۸۵) تو تم میں جو کوئی یہ مہینہ پائے ضرور اس کے روزے رکھے (کنزالایمان) حتی کہ حائضہ عورت نمازوں کی قضا نہیں کرتی مگر روزوں کی قضا کرتی ہے۔ لہذا حدیث اپنے ظاہر پر ہے ۳؎ آسمان میں بہت سی قسم کے دروازے ہیں روزی اور فرشتے اترنے کے لیے دروازے لوگوں کے اعمال جانے کے دروازے عذاب آنے کے دروازے مخصوص رحمتیں اترنے کے دروازے وغیرہ یہاں یہ آخری قسم کے دروازے مراد ہیں۔ یعنی رمضان میں خاص رحمتوں یا خاص فرشتوں کی آمد کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ آسمان کے دروازے تو ہمیشہ کھلے رہتے ہیں ۴؎ اس جملہ کے کئی مطلب ہو سکتے ہیں بہترین مطلب یہ ہے کہ عام شیاطین تو رب کے عام جیل خانوں میں بند کیے جاتے ہیں مگر بہت سرکش شیاطین زنجیروں وطوقوں میں باندھے جاتے ہیں جیسے دنیاوی جیلوں میں پھانسی کے ملزم کال کوٹھری میں بند ہوتے ہیں اور ڈاکوؤں کو بیڑیاں پہنا دی جاتی ہیں اسی لیے یہاں تغل فرمایا گیا تُغَلّ غل سے بنا بمعنی زنجیر وطوق لہذا یہاں مردود کی قید احترازی ہے اور یہ حدیث گزشتہ حدیث کیخلاف بھی نہیں ۵؎ وہ رات شب قدر ہے جو بفضلہ تعالٰی ہر ماہ رمضان میں ہوتی ہے کہ دوسری ہزار مہینوں کی عبادت سے جس میں شب قدر نہ ہو اس ایک رات کی عبادت بہتر ہے اور غالبًا یہ رات ستائیسویں رمضان ہے۔ اس کی نفیس بحث ہماری کتاب مواعظہ نعیمیہ میں ملاحظہ فرمائیے۔ خیال رہے کہ لیلة القدر میں نو حرف ہیں اور سورۃ قدر میں یہ لفظ تین بار ارشاد ہوا نو تین دفعہ ہوں تو ستائیس بنتے ہیں۔ نیز سورۃ قدر میں تیس کلمے ہیں۔ آخری آیت هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ میں ہی ضمیر جو لَيْلَةَ الْقَدْرِ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ ستائیسواں کلمہ ہے ان وجوہ سے اشارةً معلوم ہوتا ہے کہ شب قدر ستائیسویں رمضان ہے ۶؎ یعنی جس نے یہ رات گناہوں میں گزاری یا اس رات بھی بلا عذر عشاء اور فجر جماعت سے نہ پڑھی اس لیے اس کی خیر و برکت سے محروم رہا وہ بقیہ دنوں میں بھی بھلائی نہیں کمائے گا۔ شب قدر میں عبادتوں کی تین قسم ہیں جن میں سے آخری قسم ہے عشاء و فجر کا جماعت سے ادا کرنا جس نے یہ بھی نہ کیا واقعی وہ بڑا محروم ہے الحمد للہ گنہگار احمد یار آج ستائیسویں رمضان ۱۳۷۹ھ کو یہ مضمون لکھ رہا ہے آج شب قدر ہے۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الصِّيَامُ وَالْقُرْاٰنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ يَقُوْلُ الصِّيَامُ اَىْ رَبِّ اِنِّىْ مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِىْ فِيْهِ وَيَقُوْلُ الْقُرْاٰنُ مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِىْ فِيْهِ فَيُشَفَّعَانِ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِىُّ فِىْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

(۱۸۶۶) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روزے اور قرآن بندے کی شفاعت کریں گے ۱؎ روزے عرض کریں گے یارب میں نے اسے دن میں کھانے اور شہوت سے روکا لہذا اس کے بارے میں میری شفاعت قبول کر اور قرآن کہے گا میں نے اسے رات میں سونے سے روکا لہذا اس کے متعلق میری شفاعت قبول کر ۲؎ دونوں کی شفاعت قبول ہوگی ۳؎ (بیہقی شعب الایمان)

(۱۸۶۶)۱؎ یعنی روزہ رکھنے والے تراویح پڑھنے والے گنہگار بندے تو معافی کی سفارش کریں گے اور بے گناہ بندے کی بلندی درجات کی لہذا قرآن و رمضان کی شفاعت سے سارے ہی مؤمن فائدہ اٹھائیں گے چونکہ قرآن کریم رمضان مبارک ہی میں آیا اور رمضان میں ہی اس کی تلاوت زیادہ ہوتی ہے اور دن میں روزہ رات کو تراویح میں تلاوت قرآن ہوتی ہے۔اسی لیے ان دونوں کو جمع فرمایا گیا۲؎ یعنی روزہ افطار کرکے اس کی طبیعت آرام کی طرف مائل ہوتی تھی ہاتھ پاؤں میں سستی پھیل جاتی تھی کہ نماز عشاء کی اذان کی آواز سنتے ہی تراویح میں مجھے سننے آجاتا تھا۔لہذا یہاں تراویح پڑھنے والے ہی مراد ہیں تہجد والے مرد نہیں کیونکہ تہجد تو سال بھر پڑھی جاتی ہے۔ یہاں خصوصیت سے رمضان کا ذکر ہے بعض علماء نے فرمایا کہ یہاں رمضان نے تو اے رب عرض کیا مگر قرآن نے اے رب نہ کہا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کلام الٰہی قدیم ہے اور مخلوق نہیں (مرقات) اس طرح کہ روزوں کی شفاعت سے گناہ معاف ہوں گے اور قرآن کی شفاعت سے درجے بلند یا روزوں کی شفاعت سے غضب الٰہی کی آگ ٹھنڈی ہوگی اور قرآن کی شفاعت سے رحمت الٰہی کی ہوا چلے گی وغیرہ وغیرہ روزے اور قرآن بلکہ سارے اعمال وہاں شکلوں میں نمودار ہوں گے جیسے آج دنیا میں ہم واقعات کو خواب میں مختلف شکلوں میں دیکھ لیتے ہیں۔بادشاہ مصر نے آئندہ قحط سالیوں کو گایوں اور بالیوں کی شکل میں دیکھا تھا۔

وَعَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ دَخَلَ رَمَضَانُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ هٰذَا الشَّهْرَ قَدْ حَضَرَكُمْ وَفِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ مَنْ حُرِمَهَا فَقَدْ حُرِمَ الْخَيْرَ كُلَّهٗ وَلَا يُحْرَمُ خَيْرَهَا اِلَّا كُلُّ مَحْرُوْمٍ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

(۱۸۶۷) روایت ہے حضرت انس ابن مالک سے فرماتے ہیں رمضان آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ مہینہ تمہارے پاس آگیا۱؎ اس میں رات ہے ہزار مہینوں سے بھلی جو اس رات سے محروم رہا وہ ساری خیر سے محروم رہا۲؎ اور ساری خیر سے پورا بدنصیب محروم رہتا ہے۳؎ (ابن ماجہ)

(۱۸۶۷)۱؎ یعنی ماہ رمضان وہ سخی ہے جو تمہارے پاس آکر دیتا ہے جیسے بادل آکر پانی دیتا ہے۔کنویں کی طرح بلا کر نہیں دیتا۲؎ یعنی یہ ایک رات تو اسی سال چار ماہ سے بہتر ہے اگر وہ شب قدر سے خالی ہوں۳؎ اس کی شرح ابھی گزر گئی کہ اس رات کی عبادت میں مشقت نہایت ہی کم ہے اور ثواب بہت ہی زیادہ جو اتنی سی محنت بھی نہ کرسکے وہ پورا ہی محروم و بدنصیب ہے۔

وَعَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ اٰخِرِ يَوْمٍ مِّنْ شَعْبَانَ فَقَالَ يَاۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ اَظَلَّكُمْ شَهْرٌ عَظِيْمٌ شَهْرٌ مُّبَارَكٌ شَهْرٌ فِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ جَعَلَ اللّٰهُ صِيَامَهٗ فَرِيْضَةً وَقِيَامَ لَيْلِهٖ تَطَوُّعًا مَنْ تَقَرَّبَ فِيْهِ بِخَصْلَةٍ مِّنَ الْخَيْرِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ وَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْهِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى سَبْعِيْنَ فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ وَهُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ وَشَهْرُ الْمُوَاسَاةِ وَشَهْرٌ يُّزَادُ

(۱۸۶۸) روایت ہے حضرت سلمان فارسی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کے آخری دن ہم میں وعظ فرمایا تو فرمایا اے لوگو تم پر عظمت والا مہینہ سایہ فگن ہو رہا ہے۱؎ یہ مہینہ برکت والا ہے جس کی ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے وہ یہ مہینہ ہے جس کے روزے اللہ نے فرض کیے اور جس کی رات کا قیام نفل بنایا۲؎ جو اس ماہ میں نفلی بھلائی سے قرب الٰہی حاصل کرے تو گویا اس نے دوسرے مہینہ میں فرض ادا کیا اور جو اس میں ایک فرض ادا کرے تو ایسا ہوگا جیسے اس نے دوسرے مہینہ میں ستر فرض ادا کیے۳؎ صبر کا مہینہ ہے۴؎ اور صبر کا ثواب جنت ہے یہ غربا کی

فِيهِ رِزْقُ الْمُؤْمِنِ مَنْ فَطَّرَ فِيهِ صَائِمًا كَانَ لَهُ مَغْفِرَةً لِذُنُوبِهِ وَعِتْقَ رَقَبَتِهِ مِنَ النَّارِ وَكَانَ لَهُ مِثْلَ اَجْرِهِ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَنْتَقِصَ مِنْ اَجْرِهِ شَيْءٌ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَيْسَ كُلُّنَا نَجِدُ مَانُفَطِّرُ بِهِ الصَّائِمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْطِي اللّٰهُ هٰذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلٰى مَذْقَةِ لَبَنٍ اَوْ تَمْرَةٍ اَوْ شِرْبَةٍ مِنْ مَاءٍ وَمَنْ اَشْبَعَ صَائِمًا سَقَاهُ اللّٰهُ مِنْ حَوْضِيْ شَرْبَةً لَا يَظْمَأُ حَتّٰى يَدْخُلَ الْجَنَّةَ وَهُوَ شَهْرٌ اَوَّلُهٗ رَحْمَةٌ وَّاَوْسَطُهٗ مَغْفِرَةٌ وَّاٰخِرُهٗ عِتْقٌ مِّنَ النَّارِ وَمَنْ خَفَّفَ عَنْ مَمْلُوْكِهٖ فِيهِ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ وَاَعْتَقَهٗ مِنَ النَّارِ

غم خواری کا مہینہ ہے۵ یہ وہ مہینہ ہے جس میں مومن کا رزق بڑھایا جاتا ہے۶ جو اس مہینہ میں کسی روزہ دار کو افطار کرائے تو اس کے گناہوں کی بخشش اس کی گردن کی آزادی آگ سے ہوگی اور اسے روزہ دار کا ثواب ملے گا۷ اس کے بغیر کہ روزہ دار کے ثواب سے کچھ کم ہو۸ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم میں سے ہر شخص وہ نہیں پاتا جس سے روزہ افطار کرائے۹ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ یہ ثواب اسے دے گا جو روزہ دار کو ایک گھونٹ دودھ یا کھجور یا گھونٹ بھر پانی۱۰ سے افطار کرائے اور جو روزہ دار کو سیر کرے اللہ اسے میرے حوض سے وہ پانی پلائے گا کہ کبھی پیاسا نہ ہوگا حتی کہ جنت میں داخل ہو جائے۱۱ یہ وہ مہینہ ہے جس کے اول میں رحمت بیچ میں بخشش اور آخر میں آگ سے آزادی ہے۱۲ اور جو اس مہینہ میں اپنے غلام سے تخفیف کرے تو اللہ اسے بخش دے گا اور آگ سے آزاد کردے گا۔۱۳

(۱۸۶۸)۱ اس پیشگی اطلاع دینے میں ماہ رمضان کی فضیلت کا اظہار ہے اور مسلمانوں کو اس کی عبادات کیلئے تیار کرنا ہے اظل فرما کر اشارۃً بتایا کہ جیسے درخت یا چھت بندے کو اپنے سایہ میں لے کر سورج کی تپش سے بچا لیتے ہیں۔ ایسے ہی ماہ رمضان مومن کو اپنے سایہ میں لے کر دنیاوی واخروی عذاب سے بچالیتا ہے۔ گویا رمضان سایہ دار باردار درخت ہے یا ڈھال ہے۲ یہاں نفل لغوی معنی میں ہے یعنی زائد چیز اور رات کے قیام سے مراد تراویح ہے یعنی اس ماہ میں نماز تراویح زائد نماز ہے جو دوسرے مہینوں میں نہیں۔ لہذا اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ تراویح نفل ہو وہ تو سنت مؤکدہ ہے۔ تراویح کی پوری بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ دوم میں ملاحظہ فرمایئے۳ یعنی ماہ رمضان کی نفل دوسرے مہینوں کی فرض کی برابر ہے اور اس ماہ کی ستر فرائض کی مثل ہے۔ لہذا اگر مکہ معظمہ میں ماہ رمضان میں ایک فرض ادا کیا جائے تو اس کا ثواب ستر لاکھ فرض کا ہے کیونکہ اور دنوں وہاں ایک کا ثواب ایک لاکھ ہے۔ تو رمضان میں ستر لاکھ اس حساب سے مدینہ منورہ میں ماہ رمضان کی ایک فرض کا ثواب پینتیس لاکھ ہے یہ زیادتی تو رمضان کے عام دنوں میں ہے شب قدر اور رمضان کے جمعہ کی نیکیاں تو بہت زیادہ ہوں گی انشاء اللہ۴ یعنی دوسرے مہینہ شکر کے ہیں جن میں کھاؤ' آرام کرو اور شکر بجالاؤ اس مہینہ میں دن میں نہ کھاؤ' رات کو نہ سوؤ اور صبر کرو۔ رمضان کے چار نام ہیں ماہ رمضان' ماہ صبر' ماہ مواسات' ماہ مبارک ان ناموں کی وجہ ہم نے اپنی تفسیر نعیمی میں تفصیل سے لکھی ہے۵ کہ اس مہینہ میں قدرتی طور پر مسلمانوں میں غرباء اقرباء کی غم خواری کا جذبہ موجزن ہوتا ہے بعض لوگ رمضان میں اپنی شادی شدہ لڑکیوں کو بلا لیتے ہیں۔ بعض لوگ مہینہ بھر تک مسکینوں کو کھلاتے ہیں۔ ان سب کا ماخذ یہ حدیث ہے اور مواسات پر عمل ہے مواسات' بمعنی مساہمت ہے سہم بمعنی حصہ سے مشتق یعنی اپنی روزی میں دوسروں کو حصہ دار بنانا' سخاوت کرنا۶ رزق حسی بھی اور معنوی بھی ہر سال اس کا مشاہدہ ہوتا ہے کہ ہر روزہ دار کو رمضان میں وہ نعمتیں ملتی ہیں جو دوسرے مہینوں میں نہیں ملتیں نیز اس مہینہ میں قدرتی طور پر دل پر وہ اثر ہوتا ہے جو دوسرے مہینوں میں نہیں ہوتا یعنی روزہ افطار کرانے والے کو تین فائدے

ہوتے ہیں۔ گناہوں سے بخشش دوزخ سے آزادی اور اسے روزہ کا ثواب بعض لوگ افطار کے وقت مسجدوں میں پھل فروٹ یا کھانے بھیجتے ہیں۔ ان کی اصل یہ حدیث شریف ہے کاٹھیاواڑ اور یو پی میں ہرنمازی مغرب کے وقت کچھ لے کرآتا ہے اور کوشش ہوتی ہے کہ ہر ایک دوسرے کے کھانے سے روزہ افطار کرے اس کی اصل بھی یہ ہی حدیث ہے خیال رہے کہ روزہ افطار کرانے سے ثواب روزہ تو مل جاتا ہے مگر اس سے روزہ ادا نہیں ہوتا کوئی امیر لوگوں کو افطار کرا کے خود روزہ سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ روزے تو رکھنے ہی پڑیں گے ۸ جیسے علم، روشنی، ہوا ان سے خواہ کتنے ہی لوگ فائدہ اٹھالیں کمی نہیں ہوتی ایسے ہی ثواب تقسیم ہونے سے کم نہیں ہوتا۔ لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ تقسیم ہوکر ثواب میں کمی کیوں نہیں ہوتی۔ مادی چیزیں بٹ کر گھٹتی ہیں۔ نور میں یہ قاعدہ نہیں، بلکہ سمندر اور چشمہ کا پانی بھی خرچ سے گھٹتا نہیں ۹ وہ حضرات سمجھے کہ روزہ افطار کرانے کے معنی ہیں اسے سیر کردینا۔ اس لیے یہ سوال کیا ۱۰ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ صرف پیٹ بھرنے پر یہ ثواب موقوف نہیں جو چیز بھی اولاً روزہ دار کے حلق سے نیچے اتاری جائے یہ ثواب مل جاتا ہے بلکہ اگر چند آدمی مل کر روزہ دار کو کسی چیز سے افطار کرادیں تو سب کو الگ الگ روزے کا ثواب ہوگا۔ داتا کی دین کے بہانے ہوتے ہیں۔ صدقہ ہے اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا ۱۱ یعنی صرف افطار کرانے کا ثواب تو بیان ہو چکا۔ روزہ دار کو سیر کرکے کھلانے کا ثواب یہ ہے۔ خیال رہے کہ جیسے آج دنیا میں سب کو کھانے کی سخت ضرورت ہے۔ ایسے ہی کل میدان محشر میں پانی کی سخت ضرورت ہوگی۔ وہاں بھوک نہ ہوگی مگر پیاس ہوگی۔ اللہ تعالیٰ حوض کوثر کی ایک نہر میدان محشر میں پہنچادے گا جس سے امتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں ہی یہ پانی پیئے گی اور پیاس سے امن میں رہے گی۔ ایک بار جس نے یہ پانی پی لیا تو جنت میں داخلہ تک پیاس نہ لگے گی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو وہاں اس حوض کا پانی نصیب کرے۔ پھر جنت میں پہنچ کر نہ بھوک ہوگی نہ پیاس، لہٰذا حدیث بالکل واضح ہے۔ اس پر نہ تو یہ اعتراض ہے کہ محشر میں حوض کوثر کہاں، حوض تو جنت میں ہوگا، نہ یہ اعتراض رہا کہ پیاسا نہ ہونے کی انتہاء جنت میں داخلہ تک بیان کیوں فرمائی۔ کیا جنت میں پہنچ کر پیاس لگے گی نہ یہ اعتراض رہا کہ کھانے کا بدلہ پانی کیا اس کا بدلہ تو کھانا ہی چاہیے تھا۔ خیال رہے کہ جنت میں بھوک نہ ہوگی نہ پیاس مگر وہاں کھانا پینا سب کچھ ہوگا۔ لذت کیلئے نہ کہ بھوک پیاس دفع کرنے کو اسی لیے وہاں میوے ہیں غلے نہیں کہ غلے بھوک دفع کرنے کو ہوتے ہیں میوہ لذت کو ۱۲ یعنی ماہ رمضان کے تین عشرہ ہیں۔ پہلے عشرہ میں رب تعالیٰ مومنوں پر خاص رحمتیں فرماتا ہے جس سے انہیں روزہ تراویح کی ہمت ہوتی ہے اور آئندہ ملنے والی نعمتوں کی استعداد پیدا ہوتی ہے۔ دوسرے عشرہ میں تمام صغیرہ گناہوں کی معافی ہے جو جہنم سے آزادی کا اور جنت میں داخلہ کا سبب ہے۔ تیسرے عشرہ میں روزے داروں کے جنتی ہو جانے کا اعلان اور وہاں کے داخلہ کا ویزہ (VISA) اور پاسپورٹ (PASSPORT) کی تحریر فقیر کی اس شرح سے اس ترتیب کی وجہ بھی معلوم ہوگئی اور یہ اعتراض بھی نہ رہا کہ جب پہلے دو عشروں میں رحمت و مغفرت ہو چکی تو تیسرے عشرہ میں آگ سے آزادی کے کیا معنی، وہ تو پہلے ہی حاصل ہو چکی ۱۳ اسلامی بادشاہ رمضان میں ہر محکمہ میں چھٹی کرتے تھے۔ اب بھی تمام مدارس اسلامیہ رمضان میں بند رہتے ہیں تاکہ مدرسین کو فرصت اور طلباء کو فراغت ملے۔ بعض امراء اس مہینہ میں نوکروں سے کام یا تو لیتے نہیں یا بہت کم لیتے ہیں۔ مگر ان کی تنخواہ اور کھانا وغیرہ برابر دیتے رہتے ہیں۔ ان سب کی اصل یہ حدیث شریف ہے۔ تم اپنے ماتحتوں، نوکروں پر مہربانی کرو۔ اللہ تم پر مہربانی کرے گا۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ اَطْلَقَ كُلَّ اَسِيْرٍ

(۱۸۶۹) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ جب ماہ رمضان آتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر قیدی کو چھوڑ دیتے تھے ۱

وَاَعْطٰی كُلَّ سَائِلٍ اور ہر منگتے کو دیتے تھے۲؎

(۱۸۶۹)۱؎حق یہ ہے کہ یہاں قیدی سے مراد وہ شخص ہے جو حق اللہ یا حق العبد میں گرفتار ہو اور آزاد فرمانے سے اس کا حق ادا کردینا یا کرادینا مراد ہے۔ ورنہ اس زمانہ پاک میں سوائے ان کفار کے جو غزوۂ جہاد میں قید ہو کر آئے اور کسی کو قید نہ کیا جاتا تھا اور ایسے قیدیوں کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی رمضان میں آزاد نہ کیا کہ ان کو چھوڑ دینا فتنہ سے خالی نہ تھا۔ وہ پھر جا کر مسلمان کے مقابل ہوتے۔ احناف کے نزدیک جنگ کے کفار قیدیوں کو چھوڑنا منسوخ ہے۔ ان کیلئے یا غلام بنانا یا فدیہ پر چھوڑنا امامنا بعد منسوخ ہے۔ اس کا ناسخ ہے فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (۹'۵) تو مشرکوں کو مارو جہاں پاؤ (کنزالایمان) ہاں شوافع کے ہاں آزاد کرنے کا بھی حق ہے۔ یہ معنی جو ہم نے عرض کیے متفق علیہ ہیں۔ یوں تو سرکار ہمیشہ ہی ہر سائل کو دیتے تھے۔ کریم ہیں، سخی ہیں، داتا ہیں مگر ماہ رمضان میں آپ کی سخاوت کا سمندر موجیں مارتا تھا۔ یہاں دو باتیں خیال میں رکھیئے۔ ایک یہ کہ امیروں سے صرف مال مانگے جاتے ہیں مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے مال، اعمال، کمال، رضائے ربِّ ذوالجلال اور جنت نیز دوزخ سے پناہ، ایمان پر خاتمہ سب کچھ ہی مانگا جاتا ہے۔ حضرت ربیعہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت مانگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یوں تو ہمیشہ خصوصاً رمضان میں ہر سائل کو اس کی منہ مانگی مراد دیتے تھے۔ دوسرے یہ کہ سرکار کی یہ بخشش صرف اس زمانہ سے خاص نہیں تا قیامت ان کا دروازہ ہر فقیر کیلئے کھلا ہے۔ کیوں نہ ہو کہ ربّ تعالٰی نے فرمایا: وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ (۹۳'۱۰) اور منگتے کو نہ جھڑکو (کنزالایمان) سائل میں زمان و مکان کی قید نہیں۔ لہٰذا اب بھی رمضان میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر مومن کو رہائی بھی مانگنی چاہیے اور جنت وغیرہ بھی ہم نے عرض کیا ہے شعر:

شرم قیدی، یہ جرم و بے حیائی — رہائی یا رسول اللہ رہائی
رہائی کر دی غزالے زوالے — عطا کن زیں بلا ما را رہائی
چھڑایا قید سے ہرنی کو تم نے — مجھے بھی اس بلا سے دو رہائی

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْجَنَّةَ تُزَخْرَفُ لِرَمَضَانَ مِنْ رَاْسِ الْحَوْلِ اِلٰى حَوْلٍ قَابِلٍ قَالَ فَاِذَا كَانَ اَوَّلُ يَوْمٍ مِّنْ رَّمَضَانَ هَبَّتْ رِيْحٌ تَحْتَ الْعَرْشِ مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ عَلَى الْحُوْرِ الْعِيْنِ فَيَقُلْنَ يَارَبِّ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ عِبَادِكَ اَزْوَاجًا تَقَرُّبِهِمْ اَعْيُنُنَا وَتَقَرُّ اَعْيُنُهُمْ بِنَا (رَوَى الْبَيْهَقِيُّ الْاَحَادِيْثَ الثَّلٰثَةَ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

(۱۸۷۰) روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ماہ رمضان کیلئے جنت شروع سال سے اگلے سال تک سنواری جاتی ہے۱؎ فرمایا جب رمضان کا پہلا دن ہوتا ہے تو عرش کے نیچے جنت کے پتوں سے آنکھ والی حوروں پر ایک خوشگوار ہوا چلتی ہے۲؎ تو حوریں عرض کرتی ہیں یا رب اپنے بندوں کو ہمارا خاوند بنا ان سے ہماری آنکھیں اور ہم سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۳؎ یہ تینوں حدیثیں بیہقی نے شعب الایمان میں نقل فرمائیں۴؎

(۱۸۷۰)۱؎یعنی عید الفطر کا چاند نظر آتے ہی اگلے رمضان کیلئے جنت کی آراستگی شروع ہو جاتی ہے اور سال بھر تک فرشتے اسے سجاتے رہتے ہیں جنت خود بھی سجائی، پھر اور بھی زیادہ سجائی جائے پھر سجانے والے فرشتے ہوں تو کیسی سجائی جاتی ہوگی۔ اس کی سجاوٹ ہمارے وہم و گمان سے وراء ہے بعض مسلمان رمضان میں مسجدیں سجاتے ہیں۔ وہاں قلعی چونا کرتے ہیں۔ جھنڈیاں لگاتے روشنی کرتے ہیں۔ ان کی اصل یہ ہی حدیث ہے۲؎یعنی یہ ہوا عرش سے شروع ہوتی ہے واللہ اعلم ۳؎یعنی ہم کو ان روزے داروں کے نکاح میں دے کہ وہ

ہمارے خاوند ہوں ہم ان کی بیویاں بنیں۔ خیال رہے کہ نکاح کیلئے نامزدگی تو پہلے ہی ہو چکی ہے کہ فلاں حور فلاں کی بیوی' مگر نکاح جنت میں پہنچ کر ہوگا یا نکاح پہلے ہو چکا ہے۔ رخصت یعنی عطا بعد قیامت ہوگی۔ لہٰذا یہ حدیث اس آیت کیخلاف نہیں کَذٰلِكَ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِیْنٍ (۴۴-۵۴) یونہی ہے اور ہم نے انہیں بیاہ دیا نہایت سیاہ اور روشن بڑی آنکھوں والیوں سے (کنزالایمان) خوشگوار ٹھنڈک کو کہتے ہیں۔ اسی لیے بیٹے کو قرۃ العین کہتے ہیں ۳؎ یہ احادیث بہت سی اسنادوں سے مروی ہیں۔ لہٰذا قوی ہیں۔ کثرت اسناد ضعیف کو قوی کر دیتی ہے (مرقات)

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ یُغْفَرُ لِاُمَّتِهٖ فِیْ اٰخِرِ لَیْلَةٍ فِیْ رَمَضَانَ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَهِیَ لَیْلَةُ الْقَدْرِ قَالَ لَا وَلٰکِنَّ الْعَامِلَ اِنَّمَا یُوَفّٰی اَجْرُهٗ اِذَا قَضٰی عَمَلَهٗ
(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

(۱۸۷۱) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ نے فرمایا کہ میری امت کی بخشش رمضان کی آخری رات میں ہوتی ہے عرض کیا گیا یا رسول اللہ کیا وہ شب قدر ہے فرمایا نہیں لیکن مزدور کو مزدوری جب ملتی ہے جب وہ اپنا کام پورا کر لیتا ہے۔ ۱؎ (احمد)

(۱۸۷۱) ۱؎ یعنی رمضان کی انتیسویں یا تیسویں رات کو روزہ داروں کی بخشش کا فرشتوں میں اعلان ہو جاتا ہے کہ ان کے روزے' تراویح' اعتکاف' شب قدر کی عبادتیں قبول فرمائی گئیں اور ان کی بخشش کا فیصلہ کر دیا گیا۔ یہ ہی رات بندوں کے عمل سے فراغت کی رات ہے۔ رب تعالٰی کی عطاء کی رات بھی۔ حسن اتفاق ہے کہ یہ گنہگار بندہ احمد یار آج انتیسویں رمضان دوشنبہ ۱۳۷۹ھ کو یہ شرح لکھ رہا ہے۔ خدا کرے اس رات میں اس گنہگار کی معافی بھی ہوگئی ہو اور جو مسلمان بھائی میری مغفرت کی دعا کرے اللہ اس کی مغفرت فرمادے آمین۔ وَصَلَّی اللّٰهُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمْ

باب رؤية الهلال — باب چاند دیکھنا

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

عربی میں تیسری شب تک کے چاند کو ہلال کہتے ہیں۔ ان کے بعد کئی راتوں میں قمر کہا جاتا ہے اور چودھویں شب کے چاند کو بدر کہا جاتا ہے۔ آخری راتوں میں محاق' یہاں رمضان وغیرہ کی پہلی شب کا چاند مراد ہے۔ بہت سی اسلامی عبادات چاند پر موقوف ہیں۔ اس لیے ہر مہینہ کا ہی چاند دیکھنا چاہیے۔ مگر خصوصیت سے شب برأت' رمضان' شوال' بقرعید کا چاند ضرور دیکھنا چاہیے کہ ان سے روزے' عید' قربانی وغیرہ متعلق ہیں۔ اس لیے مصنف نے چاند دیکھنے کا مستقل باب باندھا۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَصُوْمُوْا حَتّٰی تَرَوُا الْهِلَالَ وَلَا تُفْطِرُوْا حَتّٰی تَرَوْهُ فَاِنْ غُمَّ عَلَیْکُمْ فَاقْدُرُوْا لَهٗ وَفِیْ رِوَایَةٍ قَالَ الشَّهْرُ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ لَیْلَةً فَلَا تَصُوْمُوْا حَتّٰی

(۱۸۷۲) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ روزہ نہ رکھو حتی کہ رمضان کا چاند دیکھ لو اور افطار نہ کرو حتی کہ چاند دیکھ لو ۱؎ اگر تم پر ابر کی وجہ سے چاند چھپ جائے تو مہینہ کا اندازہ لگالو ۲؎ اور ایک روایت میں ہے کہ مہینہ انتیس

تَرَوْهُ فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثَلٰثِيْنَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

راتوں کا ہے تو روزہ نہ رکھو حتی کہ چاند دیکھ لو۳ پھر اگر تم پر چاند مشتبہ ہو جائے تو تمیں دن کی گنتی پوری کرلو۴ (مسلم بخاری)

(۱۸۷۲)۱ یعنی نہ تو مشکوک دن میں روزہ رکھو اور نہ مشکوک میں عید مناؤ۔لہٰذا تیسویں شعبان کو روزہ نہ رکھو کہ شاید کل چاند ہو گیا ہو اور تیسواں رمضان کو عید نہ مناؤ۔اس شبہ پر کہ کل شاید شوال کا چاند ہو گیا ہو۔ بلکہ جب رمضان یا شوال کا چاند یقینی طور پر ہو جائے۔تب روزہ یا عید مانو اس جملہ پر بہت سے شرعی احکام مرتب ہیں۔فقہاء فرماتے ہیں کہ شک کے دن روزہ رکھنا منع ہے۔اس کا ماخذ یہی حدیث ہے۲ یعنی تمیں دن پورے کرلو۔ کیونکہ چاند کا مہینہ ۲۹ دن سے کم نہیں ہوتا اور ۳۰ دن سے زیادہ نہیں ہوتا۔ چاند دیکھنے کی کچھ تفصیل اگلی حدیث میں آرہی ہے۳ یعنی عربی مہینہ انتیس کا بھی ہوتا ہے لیکن اگر چاند نظر نہ آئے تو تمیں کا ہوگا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چاند میں دیکھنے کا اعتبار ہے۔جنتری حساب وغیرہ شریعت میں بالکل غیر معتبر ہیں۔جیسا کہ آگے آرہا ہے۴ یہ جملہ اس آیت کی تفسیر ہے، وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ (۲:۱۸۵) اور اس لئے کہ تم گنتی پوری کرو اور اللہ کی بڑائی بولو اس پر کہ اس نے تمہیں ہدایت کی (کنزالایمان) یعنی ماہ رمضان کی گنتی پوری کرنا فرض ہے۔ یہاں مرقات نے فرمایا کہ اگر جنتری والا اپنے حساب سے روزہ رکھے یا عید کرے تو سخت گنہگار ہوگا۔کیونکہ شریعت میں چاند دیکھنے کا اعتبار ہے اور اگر حساب پر عید منوائے تو سخت فاسق ہوگا اور اگر اسی حساب پر لوگوں کے روزے تڑوادے تو سب پر کفارہ واجب ہوگا اور اگر اس حساب پر عمل کو واجب جان کر روزہ یا عید کو فرض جانے تو کافر ہو جائے گا کیونکہ وہ آیت مذکورہ کا بھی منکر ہوا اور احادیث متواترہ کا بھی۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهِ وَ اَفْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهِ فَاِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاكْمِلُوْا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلٰثِيْنَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۸۷۳) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو۱ پھر اگر چاند تم پر مشتبہ ہو جائے تو شعبان تمیں دن کا شمار کرو۲ (مسلم بخاری)

(۱۸۷۳)۱ صوموا کا فاعل سارے مسلمان ہیں لرؤیتہ میں ضمیر کا مرجع چاند ہے لرؤیتکم نہ فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ کہیں بھی چاند ہو جائے سب مسلمانوں پر روزہ فرض ہو جائے گا۔ بشرطیکہ انہیں چاند کا ثبوت شرعی پہنچ جائے۔ چاند میں اختلاف مطالع کا اعتبار نہ ہو گا جیسا کہ شوافع کا خیال ہے کہ ایک علاقہ کی رؤیت دوسرے علاقہ والوں کیلئے معتبر نہیں مانتے یہ حدیث ان کے خلاف ہے اور احناف کی دلیل ہے۔شوافع کی دلیل حضرت عمر کا یہ فرمان لهم رؤيتهم ولنا رؤيتنا اس کا جواب ان شاء اللہ اسی حدیث کے ماتحت دیا جائے گا کہ وہاں شرعی گواہی نہ ہونے کی وجہ سے یہ فرمایا تھا۔بعض جہلا تیسویں رمضان کو عید کا چاند عصر کے وقت دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ عید کا چاند نظر آ گیا۔ روزہ کھول دو یہ غلط ہے یہاں افطار سے مراد کل روزہ نہ رکھنا اور عید منانا ہے نہ کہ روزہ توڑ دینا جیسا کہ اگلے جملہ سے معلوم ہو رہا ہے۲ چاند مشتبہ ہونیکی دو صورتیں ہیں۔ایک یہ کہ کہیں نظر ہی نہ آئے۔جنتری والے کہتے ہوں کہ کل چاند ہو گیا۔ دوسرے یہ کہ اڑتے اڑتے معلوم ہو جائے کہ فلاں جگہ چاند ہو گیا۔شرعی گواہی نہ پہنچے، فقیر نے ریڈیو کی خبر کے متعلق فتویٰ یہ دیا ہے کہ اگر ریڈیو پر کہیں چاند ہونے کی خبر دی جائے تو معتبر نہیں اور سننے والے اس خبر پر روزہ یا عید نہیں منا سکتے۔لیکن اگر حکومت اسلامیہ کی قائم کردہ ہلال کمیٹی شرعی قواعد کی رو سے شرعی گواہی لے کر چاند ہو جانے کا فیصلہ کرے اور اپنے فیصلہ کا ریڈیو پر اعلان کرے تو معتبر ہے۔کیونکہ پہلی صورت میں چاند کی خبر کا اعلان ہے

اور اس صورت میں حاکم کے فیصلہ کا پہلا اعلان غیر معتبر دوسرا معتبر حاکم کے فیصلہ کی اطلاع تو فائر گولہ چراغاں وغیرہ سے کر دینا بھی جائز ہے۔ ریڈیو کی اطلاع تو اس سے کہیں زیادہ قوی ہے۔ اس مسئلہ کی نہایت نفیس تحقیق ہمارے فتاوے نعیمیہ میں دیکھو۔ خیال رہے کہ فقیر کا یہ فتویٰ اس صورت میں ہے کہ ہلال کمیٹی کے اراکین مسائل شرعیہ سے واقف ہوں اور گواہی وغیرہ شرعی قواعد سے حاصل کریں۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّا اُمَّةٌ اُمِّيَّةٌ لَانَكْتُبُ وَلَا نَحْسَبُ الشَّهْرَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا وَعَقَدَالْاِبْهَامَ فِي الثَّالِثَةِ ثُمَّ قَالَ الشَّهْرُ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا يَعْنِي تَمَامَ الثَّلَاثِيْنَ يَعْنِيْ مَرَّةً تِسْعًا وَّ عِشْرِيْنَ وَمَرَّةً ثَلٰثِيْنَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۸۷۴) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگ بے پڑھی جماعت ہیں نہ لکھیں نہ حساب لگائیں[۱] مہینہ یا تو اتنا اتنا اور اتنا ہے۔ تیسری بار میں انگوٹھا شریف بند کرلیا پھر فرمایا کہ مہینہ اتنا اتنا اور اتنا یعنی پورے تیس دن کا یعنی انتیس کا اور کبھی تیس کا[۲] (مسلم بخاری)

(۱۸۷۴) [۱] لفظ ام۔ اُمّ سے بنا بمعنی اصل یا ماں اس میں اشارہ اہل عرب کی طرف ہے۔ اُمّی کے معنی ہیں ام القرے یعنی مکہ یا حجاز والا یا بے پڑھا ہوا شخص کہ جیسے ماں کے شکم سے پیدا ہو ویسے ہی رہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمّی کہا جاتا ہے۔ اس کی نفیس تفسیریں ہماری کتاب شان حبیب الرحمن میں ملاحظہ فرمایئے۔ یعنی ہم حجازی جماعت عموماً حساب کتاب نہیں کیا کرتے یا عام صحابہ بے پڑھے ہیں۔ حساب نہیں لگاتے مگر قیامت تک سارے مسلمان انہیں بے پڑھوں کے تابع ہیں (مرقات) خیال رہے کہ اُمّی کے معنی بے پڑھا بے علم نہیں۔ اللہ تعالٰی نے صحابہ کرام کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے ایسا عالم بنایا کہ جہان بھر کے علماء ان کی شاگردی کریں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بایں معنی اُمّی ہیں کہ پیدائشی عالم، عارف، معلم ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم شعر:

جو فلسفیوں سے حل نہ ہوئے اور نکتہ وروں سے کھل نہ سکے
وہ راز اک ''اُمّی لقبی'' نے سمجھا دیئے چند اشاروں میں

[۲] اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہوا کہ چاند میں حساب، جنتری، چاند کی رفتار کا قیاس، چاند کا چھوٹا بڑا ہونا، اٹھائیس تاریخ کو نظر نہ آنا وغیرہ کچھ بھی معتبر نہیں۔ صرف روئیت کا اعتبار ہے۔ اگر انتیس کو روئیت نہ ہو تو تیس دن پورے کرنا لازم ہیں۔ سبحان اللہ ان پاک اشاروں پر ہماری جانیں فدا ہوں۔ دو اشاروں میں ہزارہا مسائل حل فرما دیئے۔ اس اشارہ فرمانے سے اشارۃً معلوم ہوا کہ حدود و قصاص کے سوا باقی اکثر احکام شرعیہ میں، اشارہ معتبر ہے۔ اگر کوئی اپنی بیوی کو تین انگلیاں دکھا کر کہے تجھے اتنی طلاقیں، تو تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ اگر حاکم کے سامنے کوئی دسوں انگلیاں دکھا کر کہے مجھ پر فلاں کے اتنے روپے قرض ہیں تو دس روپے کا اقرار ہوگا اگر کسی عورت کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ تیرا نکاح اس سے کرتا ہوں تو نکاح ہو جائے گا وغیرہ وغیرہ اسی طرح گونگا اشاروں سے نکاح، طلاق وغیرہ کر سکتا ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ بَكْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرَا عِيْدٍ لَا يَنْقُصَانِ رَمَضَانُ وَذُوالْحَجَّةِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۸۷۵) روایت ہے حضرت ابوبکرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے دو مہینے[۱] کبھی کم نہیں ہوتے رمضان اور بقر عید[۲] (مسلم بخاری)

(۱۸۷۵) [۱] رمضان اور بقر عید چونکہ رمضان عید الفطر کا پیش خیمہ ہے یا اس کی ہر ساعت خوشی و مسرت کی ہے۔ اس لیے اسے بھی ماہ عید کہہ دیا گیا یا تغلیبًا تسمیہ کر دیا گیا جیسے چاند و سورج کو قمرین کہہ دیتے ہیں اور حضرت ابوبکر و عمر کو عمرین [۲] بعض نے اس کا مطلب یہ سمجھا

ہے کہ ایک سال میں ماہ رمضان و بقرعید دونوں انتیس کے نہیں ہوتے یا دونوں تیس کے ہوں گے یا ایک انتیس کا، دوسرا تیس کا، مگر یہ غلط ہے۔ مشاہدہ کیخلاف ہے بعض نے فرمایا کہ اکثر یہ قاعدہ ہے مگر یہ بھی غلط ہے۔ مرقات نے فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کل نو رمضان کے روزے رکھے۔ جن میں دو تیسے تھے باقی سات انتیسے اب بھی بہت دفعہ رمضان و بقرعید دونوں انتیسے ہو جاتے ہیں۔ لہذا یہاں کمی سے مراد ثواب و درجہ کی کمی ہے، نہ کہ تعداد ایام کی کمی یعنی رمضان و بقرعید انتیس کے ہوں یا تیس کے، ثواب عمل برابر ہی ملے گا یعنی انتیس کا تیس کے برابر یا بقرعید کے پہلے عشرہ کی نیکیوں کا ثواب رمضان کے پہلے عشرہ کی نیکیوں کے برابر ہے، نہ یہ کم نہ وہ واللہ اعلم۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَقَدَّمَنَّ اَحَدُكُمْ رَمَضَانَ بِصَوْمِ يَوْمٍ اَوْ يَوْمَيْنِ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ رَجُلٌ كَانَ يَصُوْمُ صَوْمًا فَلْيَصُمْ ذٰلِكَ الْيَوْمَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۸۷۶) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی رمضان سے پہلے ایک یا دو دن پہلے روزہ نہ رکھے[۱] مگر ہاں جو کوئی روزہ رکھتا ہو تو وہ اس دن روزہ رکھے[۲] (مسلم، بخاری)

(۱۸۷۶) [۱] یعنی رمضان کے چاند سے ایک دو دن پہلے نفلی روزے نہ رکھے تاکہ نفل و فرض مخلوط نہ ہو جائیں۔ جیسے فرض نماز سے ملا کر نفل نہ پڑھے بلکہ وقفہ کر کے جگہ تبدیل کر کے پڑھے یا اس لیے نہ ملائے تاکہ لوگوں کو رمضان کا چاند ہونے کا شبہ نہ ہو جائے۔ لوگ سمجھیں کہ شاید اس نے چاند دیکھ لیا ہے۔ یہ ممانعت تنزیہی ہے۔ وہ بھی عوام کیلئے، خاص علماء اگر روزہ رکھ لیں، اور کسی پر ظاہر نہ کریں تو درست ہے۔ لہذا یہ حدیث ان احادیث کیخلاف نہیں۔ جن میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کے روزے ماہ رمضان سے ملا دیتے تھے (لمعات و مرقات) اس سے معلوم ہوا کہ قضاء اور نذر کے روزے ان دنوں میں رکھنا بلا کراہت جائز ہے [۲] یعنی اگر کسی مسلمان کی عادت ہے کہ ہر سوموار یا ہر جمعرات یا جمعہ کو نفلی روزہ رکھا کرتا ہے اور اتفاقاً انتیسویں شعبان اسی دن آ گئی تو اسے بلا کراہت یہ نفلی روزہ رکھ لینا جائز ہے کہ یہ شک کے دن کا روزہ نہیں، بلکہ اپنی عادت کے دن کا روزہ ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی خاص دن میں ہمیشہ روزہ رکھنا یا نوافل پڑھنا یا خیرات کرنا جائز ہے۔ نہ یہ تعین حرام ہے اور نہ یہ تقرر مکروہ، لہذا ہر ماہ کی بارہویں کو میلاد شریف کرنا، گیارہویں تاریخ کو غوث پاک کی فاتحہ کرنا اس میں نوافل پڑھنا، ختم قرآن کرنا، صدقہ و خیرات کرنا جائز اور باعث ثواب ہے اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ نفلی عبادات میں مقرر کرنا حرام ہے خود ان بزرگوں کے ہاں دینی مدارس کی تعطیلیں و امتحانات مقررہ دنوں میں ہوتے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا انْتَصَفَ شَعْبَانُ فَلَا تَصُوْمُوْا (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِیُّ)

(۱۸۷۷) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب ماہ شعبان آدھا گزر جائے تو روزہ نہ رکھو[۱] (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

(۱۸۷۷) [۱] یہ ممانعت ان کمزور لوگوں کیلئے ہے جو اس زمانہ میں نفلی روزے رکھ کر رمضان کے روزوں پر قادر نہ رہیں یا ان سے تکلیف اٹھائیں یا ان لوگوں کیلئے جو شروع شعبان میں تو روزے نہ رکھیں۔ پندرھویں شعبان کے بعد بلا وجہ مسلسل روزے شروع کر دیں۔ لہذا یہ حدیث ان احادیث کیخلاف نہیں جن میں وارد ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سارے ماہ شعبان کے روزے رکھتے تھے۔ مرقات نے

فرمایا کہ یہ ممانعت تنزیہی ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بیان جواز کیلئے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحْصُوْا هِلَالَ شَعْبَانَ لِرَمَضَانَ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۱۸۷۸) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کیلئے شعبان کے چاند کا حساب رکھوا (ترمذی)

(۱۸۷۸) ا؎ اس طرح کہ شعبان کا چاند بہت تحقیق سے دیکھو اور اس کے دن گنتے رہو تا کہ رمضان کا آنا یقین سے معلوم ہو۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ شعبان کا چاند دیکھنا بھی ضروری ہے رمضان کیلئے۔ اس مسئلہ کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ مَارَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ اِلَّا شَعْبَانَ وَ رَمَضَانَ

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

(۱۸۷۹) روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو متواتر دو ماہ روزے رکھتے نہ دیکھا سوائے شعبان و رمضان کے ا؎

(ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

(۱۸۷۹) ا؎ ظاہر یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سارے ہی شعبان کے اکثر روزے رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ انتیسویں یا تیسویں شعبان کے بھی اس کی ممانعت کی توجیہیں پہلے کی جا چکی ہیں کہ کمزوروں کیلئے پندرہویں شعبان کے بعد روزے مناسب نہیں۔ قوت والوں کیلئے مناسب ہیں۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم شعبان میں روزے زیادہ رکھتے تھے اور افطار کم فرماتے تھے۔ یعنی کبھی وہ عمل فرماتے تھے اور کبھی یہ لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں۔

وَعَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ قَالَ مَنْ صَامَ الْيَوْمَ الَّذِىْ يُشَكُّ فِيْهِ فَقَدْ عَصٰى اَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

(۱۸۸۰) روایت ہے حضرت عمار ابن یاسر سے فرماتے ہیں جو شک کے دن روزہ رکھے اس نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی ۳؎

(ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

(۱۸۸۰) ۳؎ اس نافرمانی کی تین صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ سارے شعبان میں کبھی روزے نہ رکھے۔ صرف شک کے دن بلا وجہ نفلی روزہ رکھے۔ دوسرے یہ کہ شک کے دن رمضان کی نیت سے فرضی روزہ رکھے۔ تیسرے یہ کہ اس روزہ میں متردد نیت کرے کہ آج اگر رمضان کی پہلی ہے تو یہ روزہ فرضی ہے اور اگر شعبان کی تیسویں ہے تو یہ روزہ نفلی ہے یہ تینوں صورتیں ممنوع ہیں۔ دوسری صورت زیادہ بری کہ اس میں اہل کتاب سے مشابہت ہے۔ لہٰذا یہ حدیث گزشتہ حدیث اباحت کیخلاف نہیں۔ مرقات میں ہے کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ شوال کے چھ روزوں کا رمضان سے ملانا عوام کیلئے ناپسند کرتے تھے ۴؎ ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح فرمایا اور بخاری نے اسے تعلیقاً روایت کیا۔ حاکم نے اسے بشرط شیخین بتایا۔ طبرانی نے حضرت ابن عباس سے موقوفاً روایت کیا۔ غرض کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ جن لوگوں نے اسے موضوع بتایا انہوں نے سخت غلطی کی خیال رہے کہ ترمذی وغیرہ میں اصل حدیث یوں ہے کہ حضرت صلح ابن زفر فرماتے ہیں کہ ہم شک کے دن حضرت عمار ابن یاسر کے پاس تھے۔ آپ کی خدمت میں بھنی بکری لائی گئی۔ بعض لوگ پیچھے ہٹ گئے۔ تب آپ نے فرمایا جو اس دن روزہ رکھے اس نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔ اس قسم کی موقوف حدیثیں مرفوع کے حکم میں ہوتی ہیں۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَآءَ اَعْرَابِيٌّ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى

(۱۸۸۱) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں ایک بدوی

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّیْ رَأَیْتُ الْھِلَالَ یَعْنِیْ ھِلَالَ رَمَضَانَ فَقَالَ اَتَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ قَالَ نَعَمْ قَالَ اَتَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ قَالَ نَعَمْ قَالَ یَا بِلَالُ اَذِّنْ فِی النَّاسِ اَنْ یَّصُوْمُوْا غَدًا (رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ وَالدَّارِمِیُّ)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر بولا کہ میں نے چاند دیکھا ہے یعنی رمضان کا چاند۱حضور نے فرمایا کیا تو یہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں بولا ہاں فرمایا کیا یہ بھی گواہی دیتا ہے کہ حضرت محمد اللہ کے رسول ہیں بولا ہاں۲فرمایا اے بلال لوگوں میں اعلان کردو کہ کل روزہ رکھیں۳

(ابوداؤد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ،دارمی)

(۱۸۸۱)۱یعنی اس نے نہ تو اپنے ساتھ کوئی اور گواہ پیش کیا اور نہ گواہی کے الفاظ ادا کیے۔اس سے معلوم ہوا کہ اس چاند میں خبر کافی ہوتی ہے۔۲اس زمانے میں چونکہ اسلام میں فرقے نہ بنے تھے۔صرف کلمہ طیبہ پڑھ لینا مسلمان ہونے کے لیے کافی تھا۔نیز کلمہ طیبہ پڑھنا تمام عقائد اسلامیہ مان لینے کی دلیل تھا۔اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے یہ دو اقرار کرائے۔اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے۔ایک یہ کہ رمضان کے چاند میں مسلمان کی خبر معتبر ہے نہ کہ کافر کی۔دوسرے یہ کہ کسی بات کے جواب میں ہاں کہہ دینا یہ بھی اقرار ہوتا ہے۔اس سے اقرار نکاح طلاق کے بہت سے مسائل مستنبط ہوں گے۔مثلاً کسی نے پوچھا کیا تو نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔اس نے کہا ہاں، طلاق ہوگئی وغیرہ البتہ حدود و قصاص میں اقرار کے صریح الفاظ بولنے ضروری ہیں۔وہاں فقط ہاں کافی نہیں، کیونکہ یہ چیزیں شبہات سے ختم ہو جاتی ہیں۔فقیر نے حدیث کی جو شرح عرض کی اس سے معلوم ہو گیا کہ اب مرزائیوں وغیرہ مرتدین کا فقط کلمہ پڑھ لینا اسلام کیلئے کافی نہیں خود زمانہ نبوی میں (صلی اللہ علیہ وسلم) منافقوں کا کلمہ پڑھنا ان کے اسلام کیلئے کافی نہ تھا۔لہذا یہ حدیث نہ تو قرآن کریم کی اس آیت کے خلاف ہے وَاللّٰہُ یَشْھَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ (۶۳،۱) اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق ضرور جھوٹے ہیں (کنزالایمان) اور نہ ان احادیث کے مخالف جن میں فرمایا گیا کہ آئندہ زمانے میں لوگ قرآن اور نمازیں پڑھیں گے مگر اسلام سے دور ہوں گے۳فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر انتیسویں شعبان کو مطلع صاف نہ ہو تو ایک عادل مسلمان کی خبر سے رمضان کے چاند کا ثبوت ہو جائے گا۔ان کا ماخذ یہ حدیث ہے۔اس حدیث سے اشارۃً معلوم ہوا کہ سارے صحابہ عادل ہیں کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کلمہ کا اقرار کرا کر اعمال کی تحقیق نہ فرمائی۔نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ رمضان کے روزے کی نیت دن میں بھی ہو سکتی ہے۔رات سے نیت کرنا ضروری نہیں۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ تَرَآءَی النَّاسُ الْھِلَالَ فَاَخْبَرْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ رَاَیْتُہٗ فَصَامَ وَاَمَرَ النَّاسَ بِصِیَامِہٖ (رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالدَّارِمِیُّ)

(۱۸۸۲) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ لوگوں نے چاند دیکھنے کی کوشش کی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ میں نے چاند دیکھ لیا حضور نے خود روزہ رکھا اور لوگوں کو روزے کا حکم دیا ۱(ابوداؤد،دارمی)

(۱۸۸۲) ۱یعنی انتیسویں شعبان کو مطلع صاف نہ تھا۔لوگوں نے چاند دیکھنے کی کوشش کی۔کسی کو نظر نہ آیا۔صرف میری خبر پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ کا حکم دے دیا۔خیال رہے کہ حضرت امام شافعی کے ہاں رمضان کے چاند میں جبکہ مطلع صاف نہ ہو دو شخصوں کی گواہی ضروری ہے مگر یہ احادیث ان کے اس فرمان کے خلاف ہیں۔اس لیے اکثر شوافع اس حدیث پر فتویٰ دے کر صرف ایک مسلمان کی

خبر معتبر مانتے ہیں۔ ہمارے امام اعظم کے ہاں صرف ایک عادل کی خبر کافی ہے اور اگر مطلع صاف ہو تو بڑی جماعت کی گواہی درکار ہے کیونکہ رمضان کے چاند پر صرف شرعی احکام مرتب ہوتے ہیں۔ جن میں ایک کی خبر کافی ہوتی ہے مگر عید کے چاند سے بندوں کے حقوق وابستہ ہیں۔ لہذا یہاں دو کی گواہی ضروری ہوئی۔ بڑی جماعت میں اختلاف ہے۔ امام ابو یوسف کے ہاں پچاس آدمی بڑی جماعت ہیں۔ بعض کے ہاں تعداد مقرر نہیں۔ اتنے لوگوں کی گواہی ضروری ہے جن سے چاند کا گمان غالب ہو جائے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَحَفَّظُ مِنْ شَعْبَانَ مَالَا يَتَحَفَّظُ مِنْ غَيْرِه ثُمَّ يَصُوْمُ لِرُؤْيَةِ رَمَضَانَ فَاِنْ غُمَّ عَلَيْهِ عَدَّثَلٰثِيْنَ يَوْمًا ثُمَّ صَامَ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۱۸۸۳) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماہ شعبان کی اتنی نگرانی فرماتے تھے جتنی دوسرے مہینہ کی نہ کرتے تھے[1] پھر رمضان کا چاند دیکھ کر روزہ رکھتے تھے پھر اگر مشتبہ ہو جاتا[2] تو تیس دن پورے کرتے پھر روزہ رکھتے (ابوداؤد)

(۱۸۸۳)[1] اس طرح کہ شعبان کا چاند بہت اہتمام سے دیکھتے تھے۔ پھر اس کے دن کی شمار رکھتے تھے کیونکہ اس پر ماہ رمضان کا دارومدار ہے۔ بقرعید کے چاند پر بھی اگرچہ حج وغیرہ کا دارومدار ہے مگر حج ہر شخص نہیں کرتا اور نماز بقرعید و قربانی چاند سے دس دن بعد ہوتی ہے جس میں چاند کا پتا لگ جاتا ہے۔ رمضان میں چاند ہوتے ہی ہر شخص روزے رکھتا ہے۔ لہذا اس کے چاند کا اہتمام زیادہ چاہیے۔[2] یعنی اگر رمضان کا چاند خود بھی نہ ملاحظہ فرماتے اور نہ شرعی ثبوت پاتے تو تیس دن شعبان کے پورے فرماتے۔

وَعَنْ اَبِى الْبَخْتَرِيِّ قَالَ خَرَجْنَا لِلْعُمْرَةِ فَلَمَّا نَزَلْنَا بِبَطْنِ نَخْلَةَ تَرَآ اَيْنَا الْهِلَالَ فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ هُوَ ابْنُ ثَلٰثٍ وَّقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ هُوَ ابْنُ لَيْلَتَيْنِ فَلَقِيْنَا ابْنَ عَبَّاسٍ فَقُلْنَا اِنَّا رَأَيْنَا الْهِلَالَ فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ هُوَا ابْنُ ثَلٰثٍ وَّقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ هُوَ ابْنُ لَيْلَتَيْنِ فَقَالَ اَیَّ لَيْلَةٍ رَّاَيْتُمُوْهُ قُلْنَا لَيْلَةَ كَذَا وَكَذَا فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَدَّهٗ لِلرُّؤْيَةِ فَهُوَ لِلَيْلَةٍ رَّاَيْتُمُوْهُ وَفِیْ رِوَايَةٍ عَنْهُ قَالَ اَهْلَلْنَا رَمَضَانَ وَنَحْنُ بِذَاتِ عِرْقٍ فَاَرْسَلْنَا رَجُلًا اِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ يَّسْاَلُهٗ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ اَمَدَّهٗ لِرُؤْيَتِه فَاِنْ اُغْمِیَ عَلَيْكُمْ فَاَكْمِلُوا الْعِدَّةَ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۱۸۸۴) روایت ہے حضرت ابوالبختری سے[1] فرماتے ہیں ہم عمرہ کیلئے روانہ ہوئے جب بطن نخلہ میں اترے[2] تو ہم چاند دیکھنے جمع ہوئے[3] بعض قوم نے کہا کہ یہ تیسری رات کا ہے اور بعض نے کہا دوسری رات کا ہے[4] پھر حضرت ابن عباس سے ملے ہم نے عرض کیا کہ ہم نے چاند دیکھا ہے تو بعض نے کہا ہے تیسری رات کا ہے اور بعض نے کہا دوسری رات کا ہے۔ تو آپ نے فرمایا تم نے کس رات دیکھا[5] ہم نے عرض کیا فلاں رات[6] تو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند کی مدت دیکھنے تک کی رکھی لہذا وہ اسی رات کا ہے جب تم نے دیکھا[7] انہی سے ایک روایت ہے کہ ہم نے رمضان کا چاند دیکھا جب ذات عرق میں تھے[8] تو ہم نے حضرت ابن عباس کے پاس ایک شخص مسئلہ پوچھنے بھیجا حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے چاند کی مدت دیکھنے تک رکھی تو اگر تم پر مشتبہ ہو جائے تو تیس دن کی گنتی پوری کرو[9] (مسلم)

(۱۸۸۴) ۱؎ ان کا نام سعید ابن فیروز ہے۔ تابعین میں سے ہیں۔ کوفی ہیں۔ آدمی ٹھیک تھے۔ مائل بہ رفض تھے۔ ان کی سمعی حدیثیں مقبول ہیں۔ دوسری نہیں (مرقات وغیرہ) ۲؎ بطن نخلہ مکہ معظمہ سے مشرق کی جانب طائف کے راستہ پر واقع ہے۔ مشہور منزل ہے۔ اب اسے مضیق کہتے ہیں ۳؎ کہ میدان میں جمع ہو کر ایک دوسرے کو دکھانے لگے کہ وہ ہے چاند خیال رہے کہ چاند کی طرف اشارہ کرنا دکھانے کیلئے جائز ہے بلاضرورت مکروہ کہ فعل کفار ہے (مرقات وشامی) ۴؎ یعنی چاند اونچا اور بڑا تھا اس لیے بعض نے کہا دوسری شب کا ہے۔ بعض نے کہا تیسری شب کا ہے۔ یعنی کسی نے کہا کل ہو چکا ہے کسی نے کہا پرسوں ہو چکا ہے۔ یہ چاند رمضان کا تھا۔ یہ حضرات شعبان کے آخر میں عمرہ کرنے گئے تھے۔ ۵؎ یعنی مجھے اپنا اندازہ نہ بتاؤ۔ اپنی رؤیت کی خبر دو کہ تم میں سے کس نے اس سے پہلے کب دیکھا تھا۔ کل یا پرسوں ۶؎ یعنی حضرت ابن عباس کے فرمانے پر اب ہم نے دیکھنے کی رات بتائی کہ مثلاً کل دیکھا تھا ۷؎ یعنی چاند میں چھوٹا بڑا ہونے یا اونچا ہونے کا اعتبار نہیں دیکھنے کا اعتبار ہے۔ اس سے وہ لوگ عبرت ونصیحت پکڑیں کہ صرف جنتری یا اخبار میں لکھی ہوئی تاریخ دیکھ کر یا چاند کی بڑائی دیکھ کر جھگڑتے ہیں ۸؎ ذات عرق عراق والوں کا میقات ہے۔ جہاں یہ لوگ احرام باندھتے ہیں۔ طائف کے راستہ پر واقع ہے۔ اب اس کا نام سہل ہے۔ لاری بسوں کا مشہور اڈہ ہے۔ فقیر وہاں سے گزرا ہے۔ عراق سے مکہ معظمہ جاتے ہوئے بھی اور مکہ معظمہ سے طائف آتے جاتے بھی بڑے عمرہ کا احرام یہاں سے ہی باندھا جاتا ہے۔ یہاں کا پانی بہت لذیذ اور ہاضم ہے۔ ۹؎ حضرت عبداللہ ابن عباس کا قیام طائف میں تھا۔ وہاں ہی آپ کا مزار پرانوار ہے۔ فقیر نے زیارت کی ہے۔ غالبًا ان حضرات نے طائف پہنچ کر ان سے یہ مسئلہ پوچھا ہوگا۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ شعبان کی مدت رمضان کا چاند دیکھنے تک ہے۔ حساب وغیرہ کا اعتبار نہیں۔ مرقات نے فرمایا کہ یہاں لیلۃ فرمانے سے اشارۃً معلوم ہوا کہ اگر دن میں زوال کے بعد رمضان یا عید کا چاند نظر آجائے مگر بعد غروب آفتاب نظر نہ آئے تو اس دیکھنے کا کوئی اعتبار نہیں۔ آفتاب ڈوبنے کے بعد رؤیت کا اعتبار ہے۔ واللہ اعلم ۱۰؎ چونکہ اس باب میں روزے کے متعلق مختلف احادیث لائیں گے۔ اس لیے اس باب کا کوئی ترجمہ مقرر نہ فرمایا بعض نسخوں میں باب السحور وغیرہ ہے مگر صحیح یہ ہی ہے کہ یہ باب بغیر ترجمہ کے ہے۔

## بَابٌ	## باب
## اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ	## پہلی فصل
عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسَحَّرُوْا فَاِنَّ فِي السَّحُوْرِ بَرَكَةً (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)	(۱۸۸۵) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سحری کھاؤ ۱؎ کہ سحری کھانے میں برکت ہے ۲؎ (مسلم بخاری)

(۱۸۸۵) ۱؎ یہ حکم استحبابی ہے نہ کہ وجوبی کیونکہ روزہ کیلئے سحری مستحبہ ہے۔ واجب یا فرض نہیں۔ صبح سے پہلے کے وقت کو سحر کہتے ہیں اور اس وقت کے کھانے یا پینے کو سحری یعنی آخر رات کی غذا، سحری کا وقت آدھی رات سے شروع ہو جاتا ہے مگر سنت یہ ہے کہ رات کے آخری چھٹے حصے میں کھائی جائے ۲؎ سحور سین کے پیش سے بھی ہے اور زبر سے بھی مگر زبر سے زیادہ فصیح ہے۔ بعض نے فرمایا کہ سحور سین کے پیش سے سحری کھانا اور سین کے زبر سے اس وقت کی غذا (مرقات واشعہ) سحری کا کھانا مبارک ہے اور اس کھانے کے استعمال میں

برکت ہے کیونکہ یہ سنت ہے اورسنت مبارک ہے۔ نیز اس کھانے سے روزے میں مدد ملتی ہے۔ نیز اس کھانے کی وجہ سے مسلمانوں اور عیسائیوں و کفار کے روزوں میں فرق ہو جاتا ہے۔خیال رہے کہ علماء سے رُوشنائی' دوپہری میں قدرے آرام کرنا' روزوں میں سحری کھانا سب مبارک ہیں کہ ان کاتعلق عبادات سے ہے جب عبادت کے تعلق سے عادت مبارک بن جاتی ہےتو دنیا دین ہو جاتی ہےتو حضرات انبیاء و اولیاء سے جس چیزکونسبت ہو جائے وہ بھی یقیناً مبارک ہو جاتی ہے۔ دیکھو شب قدر مبارک' ماہ رمضان مبارک ہے کیونکہ انہیں عبادتوں سے تعلق ہے۔عیسٰی علیہ السلام نے اپنے متعلق فرمایا تھا: وَجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا (۳۱،۱۹) اوراس نے مجھے مبارک کیا (کنزالایمان) مجھے اللہ نے مبارک بنایا یہ حضرات بذات خود مبارک ہیں اوران کی طرف منسوب چیزیں ان کی وجہ سے مبارک

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصْلُ مَابَيْنَ صِيَامِنَا وَصِيَامِ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُكْلَةُ السَّحَرِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۱۸۸۶) روایت ہے حضرت عمرو ابن عاص سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہمارے اوراہل کتاب کے روزوں میں فرق سحری کے چند لقمے ہیں[۱] (مسلم)

(۱۸۸۶)[۱] اکلۃ الف کے پیش اورکاف کے جزم سے بمعنی لقمے یا نوالے اورالف کے زبر سے بمعنی کھانا یعنی سحری کے نوالے یا سحری کھانا مسلمانوں اوراہل کتاب کے روزوں میں فرق کا باعث ہیں کیونکہ ان کے ہاں رات کوسونے کے بعد کھانا حرام ہو جاتا ہے۔ اسلام میں بھی پہلے یہی حکم تھا۔اب پو پھٹنے تک کھانا پینا حلال کر دیا گیا۔سحری کھانے میں اللہ کی دعوت کا قبول کرنا ہےاوراس کی اس نعمت کا شکریہ اکلہ فرمانے میں اس جانب اشارہ ہے کہ سحری تھوڑی کھانا بہتر ہے۔اتنی زیادہ کہ دوپہر تک کھٹی ڈکاریں آئیں بہتر نہیں۔

وَعَنْ سَهْلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَاعَجَّلُوا الْفِطْرَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۸۸۷) روایت ہے حضرت سہل سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگ بھلائی میں رہیں گے جب تک افطار جلدی کرتے رہیں گے[۱] (مسلم بخاری)

(۱۸۸۷)[۱] افطار جلدی کرنے کی دوصورتیں ہیں۔ایک یہ کہ افطار نماز مغرب سے پہلے کیا جائے۔نماز پہلے پڑھ لینا بعد میں افطار کرنا اس حدیث کے خلاف ہے۔(مرقات) دوسرے یہ کہ آفتاب ڈوبنے کا یقین ہو جانے پر افطار کرلیا جائے۔ پھر دیر نہ لگائی جائے۔ خیال رہے کہ افطار کے وقت بھی تین ہیں۔ وقت مستحب' وقت مباح اور وقت مکروہ وقت مستحب تو وہ ہے جو ابھی عرض کیا گیا کہ سورج کا آخری کنارہ چھپتے ہی روزہ افطار کیا جائے۔وقت مباح تارے گتھنے سے کچھ پہلے تک دیر لگانا اور تارے گتھے جانے پر افطار کرنا مکروہ' اس کراہت کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت یہودی روزہ افطار کرتے ہیں۔اس میں ان سے مشابہت ہے اور جلدی افطار کرنے میں اپنے عجز بندگی کا اظہار بھی ہے اوراللہ کی دی ہوئی اجازت کا جلدی قبول کرنا بھی (مرقات) اسی مرقات میں ہے کہ بعض علماء نے فرمایا نفس پر مشقت ڈالنے اورمغرب وعشاء کو ملانے کیلئے دیر سے افطار کرنا بہتر ہے مگر یہ غلط ہے کیونکہ سنت رسول اللہ سیدھا راستہ ہے اوراس کی مخالفت گمراہی ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اورصحابہ کرام افطار میں جلدی اور سحری میں دیر کرتے تھے۔نفس کشی کیلئے سنت کی مخالفت نہ کرو کہ یہ نفس کشی نہیں بلکہ رہبانیت ہے۔ ہماری نفس کشی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ہے۔

وَعَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَقْبَلَ اللَّيْلُ مِنْ هٰهُنَا وَاَدْبَرَ النَّهَارُ مِنْ

(۱۸۸۸) روایت ہے حضرت عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب رات ادھر سے آجائے اوردن ادھر سے

هٰهُنَا وَغَرَبَتِ الشَّمْسُ فَقَدْ اَفْطَرَ الصَّائِمُ
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

چلا جائے اور سورج ڈوب جائے تو تب روزہ دار افطار کرے۲
(مسلم بخاری)

(۱۸۸۸)۱؎ پہلے ادھر سے سمت مغرب مراد ہے اور دوسرے ادھر سے سمت مشرق مراد چونکہ مغرب کی طرف سیاہی پہلے نمودار ہوتی ہے اور سورج کا آخری کنارہ پیچھے ڈوبتا ہے۔اس لیے اس سید الفصحاء صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے آنے کا ذکر پہلے فرمایا دن کے جانے سے مراد سورج کا آخری کنارہ ڈوب جانا ہے نہ کہ سرخی غائب ہو جانا کیونکہ سرخی غائب ہونے پر تو صاحبین کے ہاں وقت عشاء آجاتا ہے۔اسی لیے اگلا جملہ ارشاد ہو رہا ہے۔۲؎ اس جملہ نے دن جانے کی شرح فرمادی یعنی سورج چھپتے ہی روزہ افطار کرو اب نفس شی کے بہانے یا وہمیت کی اتباع نہ کرو۔اب خواہ مخواہ دن ہونے کا شبہ کرنا شک نہیں بلکہ وہم ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْوِصَالِ فِي الصَّوْمِ فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ اِنَّكَ تُوَاصِلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَاَيُّكُمْ مِثْلِيْ اِنِّيْ اَبِيْتُ يُطْعِمُنِيْ رَبِّيْ وَيَسْقِيْنِيْ
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۸۸۹) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے میں وصال کرنے سے منع فرمایا۱؎ تو حضور سے کسی شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ تو وصال کرتے ہیں ۲؎ فرمایا تم میں مجھ جیسا کون ہے۳؎ میں اس طرح رات گزارتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا پلاتا ہے۴؎ (مسلم بخاری)

(۱۸۸۹)۱؎ روزہ کا وصال یہ ہے کہ شب کو بغیر افطار کیے بغیر کچھ کھائے پیئے دوسرا روزہ رکھ لیا جائے۔حق یہ ہے کہ یہ وصال ہمارے لیے مکروہ تحریمی ہے اور یہاں ممانعت حرمت کی ہے۔اس ممانعت میں صدہا حکمتیں ہیں۔وصال سے جسم بہت کمزور ہو جاتا ہے وصال سے دوسری عبادتیں بھاری پڑ جاتی ہیں۔وصال میں جوگیوں سادھوؤں کی مشابہت ہے۔وصال ساری امت کے لیے ناجائز ہے۔خواہ اولیاء ہوں یا دیگر طبقے کے لوگ۲؎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک دن کا نہیں بلکہ متواتر کئی کئی روز کا وصال فرماتے تھے کہ مسلسل روزے پر روزے رکھتے تھے۔اس لیے سائل کو شبہ ہوا کہ وصال تو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونا چاہیے منع کیوں ہے۔۳؎ یہ استفہام انکاری ہے اور ایکم میں صحابہ اور تمام انسانوں سے خطاب ہے یعنی تم میں مجھ جیسا کوئی نہیں جب صحابہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل نہ ہو سکے اور کسی کا کیا منہ ہے جو ان سے ہمسری کا دعویٰ کرے۔ہمارا عقیدہ تو یہ ہے۔شعر

نسبت خود بسگت کردم و بس منفعلم　　　زاں کہ نسبت بسگ کوئے تو شد بے ادبی است

رب تعالیٰ کے فرمان: قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (۱۸:۱۱۰) تو فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں (خزائن العرفان) میں خالص بشریت میں تشبیہ ہے جس میں الوہیت کا خلط نہ ہو یعنی میں تمہاری طرح خالص بشر ہوں نہ خدا نہ خدا کا ساجھی پھر میری بشریت سے نبوت کا خلط ہوا جیسے يُوْحٰى اِلَيَّ نے بیان کیا لہٰذا یہ حدیث قرآن کی اس آیت کے خلاف نہیں تمام جہان کے اولیاء ایک صحابی کی مثل نہیں ہو سکتے جس نے ایمانی نگاہ سے ان کا چہرہ ایک آن دیکھا ان کی ذات تو بہت اعلیٰ ہے۴؎ علماء نے اس کھلانے پلانے کی بہت توجیہیں کی ہیں۔بعض نے کہا کہ اس سے قوت برداشت مراد ہے۔بعض نے فرمایا کہ اس سے روحانی غذائیں مراد ہیں۔بعض نے فرمایا کہ اس سے معنوی فیضان اور مناجات کی لذتیں مراد ہیں۔بعض نے فرمایا کہ اس سے بھوک پیاس کا نہ ہونا مراد ہے وغیرہ۔مگر حضرت محقق کا فتویٰ یہ ہے کہ حدیث اپنے بالکل ظاہری معنی پر ہے [illegible] فرمایا ایک یہ کہ تم

سب اپنے بیوی بچوں کے پاس رات گزارتے ہو اور میں اپنے رب کے پاس۔ شعر:

فرشی و بر اوج عرش منزل ‏‏‏ امی و کتاب خانہ در دل

امی و دقیقہ دان عالم ‏‏‏ بے سایہ و سائبان عالم

دوسرے یہ کہ میں رب تعالٰی کے پاس رہ کر خود نہیں کھاتا پیتا بلکہ مجھے رب تعالٰی کھلاتا پلاتا ہے۔کھلانے والا اس کا دست کرم کھانے والا میں تیسرے یہ کہ رب تعالٰی مجھے وہ روزی کھلاتا پلاتا ہے جس سے نہ روزہ ٹوٹے نہ روزوں کا تسلسل جائے یعنی جنت کے میوے اور سبیل تسنیم وغیرہ کے شربت اس جملہ سے چند مسئلے معلوم ہوئے (۱) ایک یہ کہ کوئی شخص کسی درجہ پر پہنچ کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل نہیں ہوسکتا جب انسان کو ناطق کی قید نے تمام حیوانات سے ذاتی امتیاز دے دیا تو نبوت اور وحی کی صفتوں نے بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انسانوں سے ذاتی ممتاز کردیا (۲) دوسرے یہ کہ اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بہ نیت عبادت کھانا پینا چھوڑیں تو خواہ ہفتوں نہ کھائیں ضعف وکمزوری بالکل طاری نہ ہوگی اور اگر بطور عادت کھانا ملاحظہ نہ کریں تو ضعف بھی نمودار ہوگا اور شکم پاک پر پتھر بھی باندھے جائیں گے کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نور بھی ہیں اور بشر بھی عبادت میں نورانیت کا ظہور ہے اور عادت میں بشریت کی جلوہ گری۔لہذا یہ حدیث حضرت جابر کی اس روایت کے خلاف نہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو وقت کھانا نہ کھانے پر دو پتھر پیٹ سے باندھے (۳) تیسرے یہ کہ جنتی میوے کھانے اور وہاں کا پانی پینے سے روزہ نہیں جاتا جیسے رب تعالٰی سے کلام کرنے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرنے سے نماز نہیں جاتی۔بعض اولیاء خواب میں کھاپی لیتے ہیں کہ کھانے کی خوشبو بیداری کے بعد ان کے منہ میں پائی جاتی ہے مگر ان کا روزہ قائم رہتا ہے دیکھو احتلام سے ہمارا روزہ نہیں جاتا (۴) چوتھے یہ کہ بعض بندوں کو اسی زندگی میں جنتی میوے ملتے ہیں۔حضرت مریم علیہا السلام کا جنتی میوے کھانا قرآن پاک سے ثابت ہے (۵) پانچویں یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر کام ہمارے لیے سنت نہیں بلکہ وہ کام سنت ہے جو ہمارے لیے لائق عمل ہو۔خصوصیات مصطفوی ہمارے لیے سنت نہیں روزہ وصال نو بیویاں نکاح میں جمع فرمانا ہمارے لیے نہ سنت ہیں نہ لائق عمل سنت وحدیث میں یہی فرق ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ حَفْصَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَّمْ يُجْمِعِ الصِّيَامَ قَبْلَ الْفَجْرِ فَلَا صِيَامَ لَهٗ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ اَبُوْدَاوٗدَ وَقَفَهٗ عَلٰى حَفْصَةَ مَعْمَرٌ وَّالزُّبَيْدِيُّ وَابْنُ عُيَيْنَةَ وَيُوْنُسُ الْاَيْلِيُّ كُلُّهُمْ عَنِ الزُّهْرِيِّ

(۱۸۹۰) روایت ہے حضرت حفصہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو فجر سے پہلے روزہ کا ارادہ (نیت) نہ کرے اس کے روزے نہیں ہوتے ۱ (ترمذی ابوداؤد نسائی دارمی) ابوداؤد نے فرمایا کہ اسے معمر زبیدی ابن عیینہ اور یونس ایلی نے حضرت حفصہ پر موقوف کیا یہ تمام حضرات زہری سے راوی ہیں

(۱۸۹۰) ۱؎ یعنی روزے کی نیت رات سے کرنا چاہیے۔صبح صادق سے پہلے تاکہ دن کا ہر حصہ روزے کی نیت سے گزرے۔یہاں اس سے مراد وہ روزہ ہے جو فرض ہو مگر مقرر نہ ہو جیسے رمضان کی قضا یا مطلق نذر کا روزہ نفلی روزہ اور معین فرض روزے کی نیت دن میں ضحوی کبریٰ سے پہلے ہوسکتی ہے۔کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا فرماتی ہیں کہ کبھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف

کوتشریف لاتے تو فرماتے کچھ کھانے کو ہے میں عرض کرتی کچھ نہیں تو فرماتے اچھا تو ہمارا روزہ ہے نیز روایات میں ہے کہ ایک بار صبح کو رمضان کا چاند ہو جانے کی خبر ملی تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ابھی تک کچھ نہ کھایا پیا ہو وہ روزہ رکھ لے۔ فقیر کی اس شرح پر یہ حدیث ان احادیث کیخلاف نہیں کہ وہاں نفلی روزہ ہے یا فرضی معین روزہ اور یہاں فرضی غیر معین روزہ مراد ہے۔ اس حدیث کے متعلق ترمذی نے فرمایا کہ نافع نے حضرت ابن عمر کا قول نقل کیا۔ نسائی نے فرمایا کہ صحیح یہ ہی ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے۔ دارقطنی نے اسے مرفوعاً نقل کیا۔ امام نووی نے فرمایا کہ حدیث صحیح ہے۔ بہت سی اسنادوں سے مروی ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ اَحَدُكُمْ وَالْاِنَاءُ فِیْ یَدِهٖ فَلَا یَضَعْهُ حَتّٰی یَقْضِیَ حَاجَتَهٗ مِنْهُ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۱۸۹۱) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی اذان سنے اور برتن اس کے ہاتھ میں ہو تو اپنی ضرورت پوری کیے بغیر اسے نہ رکھے۔۱ (ابوداؤد)

(۱۸۹۱)۱ یعنی بوقت افطار اذان مغرب ہوتی رہے تم روزہ افطار تے رہو افطار سے فارغ ہو کر نماز کو آ ؤ اذان سن کر افطار کا کھانا پینا نہ چھوڑ دو یا سحری کے وقت اگر اذان فجر ہو جائے اور تمہیں غالب گمان ہو کہ ابھی پو نہیں پھٹی ہے۔ موذن نے غلطی سے اذان کہہ دی ہے تو سحری کھاتے پیتے رہو (مرقات، اشعۃ اللمعات، لمعات) لہٰذا یہ حدیث بالکل واضح ہے۔ اس پر یہ لازم نہیں آتا کہ فجر کی اذان کے وقت سحری کھاتے رہو۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَحَبُّ عِبَادِیْ اِلَیَّ اَعْجَلُهُمْ فِطْرًا (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

(۱۸۹۲) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے میرے بندوں میں مجھے بہت پیارے وہ ہیں جو افطار میں جلدی کریں۔۱ (ترمذی)

(۱۸۹۲)۱ یعنی یہود و نصاریٰ یا روافض سے بہتر مسلمان اہل سنت ہیں کہ وہ لوگ روزہ دیر سے کھولتے ہیں اور سنی مسلمان جلد افطار کر لیتے ہیں۔ سورج ڈوب چکنے کے بعد دیر نہیں لگاتے کیونکہ جلدی افطار سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سنت صحابہ بلکہ سنت انبیاء علیہم السلام ہے اور جلدی افطار میں ربّ تعالٰی کی رحمت کی طرف جلدی کرنا ہے۔ اپنی حاجت مندی کا اظہار ہے (ترمذی)

وَعَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَفْطَرَ اَحَدُكُمْ فَلْیُفْطِرْ عَلٰی تَمْرٍ فَاِنَّهٗ بَرَكَةٌ فَاِنْ لَّمْ یَجِدْ فَلْیُفْطِرْ عَلٰی مَآءٍ فَاِنَّهٗ طَهُوْرٌ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِیُّ وَلَمْ یَذْكُرْ فَاِنَّهٗ بَرَكَةٌ غَیْرُ التِّرْمِذِیُّ فِیْ رِوَایَةٍ اُخْرٰی)

(۱۸۹۳) روایت ہے حضرت سلمان ابن عامر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی روزہ افطار کرنے لگے تو چھوارے پر افطارے کہ یہ برکت ہے۱ پھر اگر چھوارہ نہ پائے تو پانی سے افطار کرے کہ یہ پاک کرنیوالا ہے۲ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی) اور انه بركة کا لفظ ترمذی کے سواء کسی نے روایت نہ کیا (اپنی دوسری روایت میں)۳

(۱۸۹۳)۱ چھوارے سے روزہ افطارنا چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ صحابہ کی سنت ہے نیز خالی پیٹ میٹھی چیز کھانا تندرستی خصوصاً نظر کیلئے بہت مفید ہے۲ اس لیے عمل دینی و دنیاوی برکتوں کا ذریعہ ہے۔ کھجور محبوب بندوں کی غذا ہے۳ یعنی پانی جیسے جسم

کو پاک کرنے والا ہے۔ایسے ہی دل و دماغ کو بھی پاک وصاف کرنے والا ہے۔نیز پانی میں حرام ہونے کا احتمال بہت کم ہوتا ہے کہ کنوئیں کا پانی جنگل کا شکار اصل میں مباح ہے۔دوسری چیزوں میں احتمال ہے کہ حرام کمائی سے حاصل کی گئی ہوں۔روزہ حلال سے افطار کرنا بہتر ہے یہ امر استحبابی ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُفْطِرُ قَبْلَ اَنْ يُّصَلِّیَ عَلٰی رُطَبَاتٍ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ رُطَبَاتٌ فَتُمَيْرَاتٌ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تُمَيْرَاتٌ حَسَا حَسَوَاتٍ مِّنْ مَّآءٍ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)

(۱۸۹۴) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے پہلے چند تر کھجوروں پر روزہ افطار تے تھے[۱] اگر تر کھجوریں نہ ہوتی تو خشک چھواروں پر[۲] اگر چھوارے بھی نہ ہوتے تو پانی کے چند گھونٹ پی لیتے[۳] (ترمذی ابوداؤد) ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

(۱۸۹۴)[۱] اس سے دومسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ روزہ دار افطار پہلے کرے۔نماز مغرب کے بعد افطار کرنا سنت کیخلاف ہے۔دوسرے یہ کہ چند کھجوریں افطار کے وقت کھانا مسنون ہے۔تین یا پانچ بعض روایات میں تین خرمے کا ذکر ہے۔مرقات نے فرمایا کہ حضرت عمر فاروق وعثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کبھی بعد نماز مغرب افطار کرتے تھے یا تو بیان جواز کیلئے تا کہ لوگ نماز سے پہلے افطار کو فرض نہ سمجھ لیں یا اس لیے کہ اتفاقاً اس وقت افطار نے کیلئے کچھ موجود نہ ہوتا۔بہرحال نماز سے پہلے افطار سنت ہے اور نماز کے بعد افطار جائز مگر خلاف سنت ہاں اگر کچھ موجود نہ ہوتو بعد نماز افطار کرلے یا حضرت عمر وعثمان رضی اللہ عنہما کی حدیث میں افطار سے مراد کھانا تناول کرنا ہے یعنی افطار تو نماز سے پہلے کر لیتے تھے اور کھانا بعد نماز کھاتے تھے۔بہرحال حدیث واجب التاویل ہے[۲] اس ترتیب سے پتا لگا کہ تر کھجور پر روزہ افطارنا بہت اچھا ہے پھر اگر یہ نہ ملیں تو خشک چھواروں پر افطار کرنا۔ہمارے رمضان شریف میں کثرت سے بازار میں کھجوریں آجاتی ہیں اور عام طور پر لوگ خریدتے ہیں۔مسجدوں میں بھیجتے ہیں۔ان سب کا ماخذ یہ حدیث ہے[۳] غرضیکہ روٹی چاول یا کسی پرتکلف چیز پر روزہ افطار نہ فرماتے تھے۔پنجاب میں بعض روزہ داروں کو دیکھا گیا کہ سگریٹ سے روزہ افطارتے ہیں۔نعوذ باللہ روزہ دار کے منہ میں پہلے پاکیزہ چیز جانی چاہیے۔سگریٹ گندی بدبودار چیز بھی ہے اور اس سے روزہ افطارنا مضر صحت بھی ہے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ بہتر یہ ہے کہ آگ سے پکی چیز سے روزہ نہ افطارے بلکہ گرمی میں پانی سے، سردی میں کھجور سے افطارے، جب آگ کی پکی چیز سے روزہ نہ افطارنا چاہیے تو خود آگ سے روزہ افطارنا کتنا برا ہوگا۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ مکہ والے ہمیشہ آب زمزم سے روزہ افطاریں یہ غلط ہے، سنت کے خلاف ہے۔سنت ہے کھجور یا چھوارے سے افطارنا اگر یہ نہ لیں تو پانی سے افطارنا۔

وَعَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا اَوْ جَهَّزَ غَازِيًا فَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَمُحْیِ السُّنَّةِ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَقَالَ صَحِيْحٌ)

(۱۸۹۵) روایت ہے حضرت زید بن خالد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوروزے دار کو افطار کرائے یا غازی کو سامان دے تو اسے ان ہی کی طرح ثواب ہے[۱] (بیہقی، شعب الایمان محی السنہ نے شرح سنہ میں اسے روایت کیا اور فرمایا صحیح ہے[۲])

(۱۸۹۵)[۱] اس لیے کہ روزہ دار کو افطار کرانے یا غازی کو سامان دینے میں نیکی پر مدد کرنا ہے۔رب تعالیٰ فرماتا ہے: وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی (۲/۵) اور نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو (کنزالایمان) چونکہ روزہ دار نفس وشیطان سے جہاد کرتا ہے۔اس

لیے اسے غازی کے ساتھ ذکر فرمایا۔ خیال رہے کہ روزہ افطار کرانے سے ثواب روزہ مل جائے گا مگر اس سے روزہ ادا نہ ہوگا۔ وہ تو رکھنے سے ہی ادا ہوگا۔ ثواب مل جانا اور ہے فرض ادا ہونا کچھ اور۔ یہ حدیث ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، ابن حبان وغیرہم محدثین نے نقل فرمائی۔ ترمذی نے اسے حسن صحیح فرمایا، شاید حضرت مصنف قدس سرہ ان اسنادوں پر مطلع نہ ہوئے۔ اس لیے ان کا ذکر نہ فرمایا۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَفْطَرَ قَالَ ذَهَبَ الظَّمَآءُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْأَجْرُ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

(۱۸۹۶) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب روزہ افطار تے تو فرماتے پیاس چلی گئی اور رگیں تر ہوگئیں اور ان شاءاللہ ثواب ثابت ہوگیا۔ (ابوداؤد)

(۱۸۹۶) اس میں رب تعالٰی کا انتہائی شکر ہے کہ پیاس اور رگوں کی خشکی ایک عارضی چیزیں تھیں جو افطار کرتے ہی دور ہوگئیں مگر اس عارضی تکلیف پر جو رب تعالٰی نے ثواب عطا فرمایا وہ عظیم الشان ہے اور دائمی ہے۔ ان شاءاللہ یا محض برکت کیلئے فرمایا گیا یا ہماری تعلیم کیلئے کہ ہم کو روزہ مقبول یا مردود ہونے کی خبر نہیں۔ اگر رب تعالٰی نے قبول فرمالیا ہو تو پھر اجر ہی اجر ہے۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ ان بمعنی اذ اور اس کا تعلق گزشتہ تینوں چیزوں سے ہے مگر پہلی توجیہ قوی ہے اور موقع کے مناسب بھی۔

وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ زُهْرَةَ قَالَ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَفْطَرَ قَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ أَفْطَرْتُ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ مُرْسَلًا)

(۱۸۹۷) روایت ہے حضرت معاذ ابن زہرہ سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب روزہ افطار تے تو فرماتے الٰہی میں نے تیرے لیے روزہ رکھا اور تیرے رزق پر افطار کیا۔ (ابوداؤد مرسلاً)

(۱۸۹۷) افطار کے وقت یہ دعا مانگنا سنت ہے۔ مرقات نے فرمایا کہ اگر یہ بھی کہہ لے وَبِكَ اٰمَنْتُ اگرچہ اس کلمہ کی کوئی اصل تو نہیں مگر درست ہے۔ بعض لوگ آخر میں یہ بھی کہہ لیتے ہیں وَبِصَوْمِ غَدٍ نَوَيْتُ یہ کل کے روزے کی نیت ہے اور زبان سے نیت کے الفاظ ادا کرنا بدعت حسنہ ہے۔ بعض لوگ افطار کے وقت یوں کہتے ہیں اللهم لك صمت وبك امنت وعليك توكلت وبرزقك افطرت فاغفرلي ما قدمت وما اخرت وما احلفت وما اسررت اس میں بھی حرج نہیں۔ غرضیکہ دعائیہ کلمات میں زیادتی جائز ہے۔ بعض لوگ التحیات میں درود ابراہیمی میں لفظ محمد سے پہلے سیدنا بڑھا دیتے ہیں۔ بعض حاجی تلبیہ میں یہ زیادتی کردیتے ہیں ان عبدك وابن عبديك واقف بين يديك حاله لا يخفى عليك وغیرہ اس میں بھی حرج نہیں ہاں درود وظیفوں کے الفاظ بالکل نہ بدلے جائیں کیونکہ وہ کسی خاص اثر کیلئے ہوتے ہیں اور یہ اثر منقولہ الفاظ سے وابستہ ہے اور دعائیں محض ثواب کیلئے یہاں جتنے الفاظ زیادہ اتنا ثواب زیادہ۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ الدِّيْنُ ظَاهِرًا مَّا عَجَّلَ النَّاسُ الْفِطْرَ لِأَنَّ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى يُؤَخِّرُوْنَ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

(۱۸۹۸) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین غالب رہے گا جب تک لوگ جلدی افطار کرتے رہیں گے کیونکہ یہود اور عیسائی دیر سے افطار کرتے ہیں۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

(۱۸۹۸)؎ یعنی مسلمانوں کا جلدی روزہ افطارتے رہنا دین کے غلبے کا سبب ہے۔معلوم ہوا کہ سنتوں بلکہ مستحبات کی پابندی مسلمانوں کی شوکت اور دین کے ظہور و دبدبہ کا باعث ہے۔پھر فرائض کا کیا پوچھنا' ہندوستان کے مسلمان اذان اور گائے کی قربانی پر کفار سے لڑتے رہے کیوں؟ غلبہ اسلام کو قائم رکھنے کیلئے خیال رہے کہ یہاں جلدی سے مراد وقت جواز میں جلدی ہے۔ جب سورج ڈوب جائے پھر دیر نہ لگائے۔ بلاوجہ دیر لگانا سنت کیخلاف ہے اور اتنی دیر کہ تارے گنے جائیں مکروہ تحریمی ۲؎ یعنی دیر سے افطار کرنے میں اہل کتاب سے مشابہت ہے۔مرقات و اشعہ نے فرمایا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام کی درستی سارے کفار کی مخالفت سے وابستہ ہے۔ان سے مشابہت میں دین کی کمزوری ہے۔افسوس ان مسلمانوں پر جو محض عیسائیوں کی مشابہت کیلئے داڑھیاں منڈائیں کھڑے ہوکر پیشاب کریں ننگے سر پھریں۔رب تعالٰی فرماتا ہے:لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰی اَوْلِیَآءَ (۵۱:۵) یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ (کنزالایمان) اور فرماتا ہے:وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ (۵۱:۵) اور تم میں جو ان سے دوستی رکھے گا تو وہ انہیں میں سے ہے (کنزالایمان) اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو بہت دیر کرکے روزہ افطارنے کو دین سمجھتے ہیں۔سورج ڈوبتے ہی فورا روزہ افطارنا چاہیے۔اسی لیے رب تعالٰی نے فرمایا:ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَى الَّیْلِ (۱۸۷:۲) پھر رات آنے تک پورے کرو (کنزالایمان) **فِی الَّیْلِ** نہ فرمایا یعنی روزے کو رات میں بالکل داخل نہ کرو رات آتے ہی روزہ ختم کرو۔

وَعَنْ اَبِیْ عَطِیَّةَ قَالَ دَخَلْتُ اَنَا وَ مَسْرُوْقٌ عَلٰی عَآئِشَةَ فَقُلْنَا یَا اُمَّ الْمُؤْمِنِیْنَ رَجُلَانِ مِنْ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَحَدُهُمَا یُعَجِّلُ الْاِفْطَارَ وَیُعَجِّلُ الصَّلٰوةَ وَالْاٰخَرُ یُؤَخِّرُ الْاِفْطَارَ وَیُؤَخِّرُ الصَّلٰوةَ قَالَتْ اَیُّهُمَا یُعَجِّلُ الْاِفْطَارَ وَیُعَجِّلُ الصَّلٰوةَ قُلْنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ قَالَتْ هٰكَذَا صَنَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالْاٰخَرُ اَبُوْ مُوْسٰی

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۱۸۹۹) روایت ہے حضرت ابوعطیہ سے فرماتے ہیں میں اور مسروق حضرت عائشہ کے پاس گئے۱؎ ہم نے عرض کیا اے ام المؤمنین حضور محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے دو حضرات ہیں ایک تو افطار بھی جلد کرتے ہیں اور نماز بھی جلد پڑھتے ہیں اور دوسرے صاحب افطار بھی دیر سے کرتے ہیں اور نماز بھی دیر سے پڑھتے ہیں۲؎ فرمانے لگیں کون صاحب نماز و افطار میں جلدی کرتے ہیں۳؎ ہم نے عرض کیا عبداللہ ابن مسعود بولیں ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے اور دوسرے حضرت ابو موسیٰ ہیں۴؎ (مسلم)

(۱۸۹۹)۱؎ یہ دونوں حضرات جلیل القدر تابعی ہیں۔ان میں نماز مغرب اور افطار روزہ میں اختلاف ہوا۔فیصلہ کیلئے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوئے کیونکہ آپ بڑی فقیہہ عالمہ تھیں۲؎ نماز سے مراد نماز مغرب ہے اور جلدی سے بہت ہی جلدی آفتاب کا کنارہ چھپتے ہی بالکل متصل اور دیر سے مراد چندمنٹ کی احتیاطاً دیر لگانا ہے نہ کہ تارے گنے جانے تک کی تاخیر'لہذا ان میں سے کسی بزرگ پر اعتراض نہیں ایک صاحب عزیمت پر ہیں دوسرے رخصت پر۳؎ سبحان اللہ جناب ام المؤمنین کا کیسا حکیمانہ سوال ہے۔دیر لگانے والے کا نام نہ پوچھا تاکہ ان پر الزام کا ذکر نہ ہو۔آخری جملہ راوی کا اپنا ہے۔حضرت ام المؤمنین نے جناب عبداللہ کے عمل کو سنت مستحبہ کے موافق بتایا اور قدرے تاخیر کو مستحب قرار دیا۔معلوم ہوا کہ جناب ام المؤمنین مزاج شناس رسول ہیں اور احوال مصطفٰی ہیں صلی اللہ علیہ وسلم غالباً یہ خبر حضرت ابوموسیٰ اشعری کو پہنچی ہوگی اور انہوں نے اپنے عمل میں تبدیلی کرلی ہوگی۔

صحابہ سے یہ توقع ہوسکتی ہی نہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے واقف ہوکر اس کیخلاف کام کریں۔

وَعَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ قَالَ دَعَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى السُّحُوْرِ فِيْ رَمَضَانَ فَقَالَ هَلُمَّ إِلَى الْغَدَاءِ الْمُبَارَكِ فَإِنَّ فِي السُّحُوْرِ بَرَكَةً (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

(۱۹۰۰) روایت ہے حضرت عرباض ابن ساریہ سے فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں سحری کیلئے بلایا۱ تو فرمایا برکت والے ناشتہ کیلئے آؤ کیونکہ سحری میں برکت ہے۲ (ابوداؤد، نسائی)

(۱۹۰۰)۱ ظاہر یہ ہے کہ حضرت عرباض سحری کے وقت خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ہوں گے تو فرمایا آؤ سحری کھالو۔ انہیں باقاعدہ دعوت دے کر گھر سے نہ بلایا ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کھاتے وقت اگر کوئی مسلمان آجائے تو اس پر کھانا پیش کردینا سنت ہے ۲ اس کی شرح پہلے ہوچکی کہ سحری کھانا سنت بھی ہے۔ لہٰذا اس میں اخروی برکت ہے اور اس سے روزے میں مدد بھی ملتی ہے۔ لہٰذا اس میں دنیوی برکت بھی ہے۔ خیال رہے کہ هَلُم اسم فعل ہے۔ ایک کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے اور بہت کیلئے بھی رب تعالٰی نے سارے مشرکوں سے فرمایا: قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَ كُمُ (۶،۱۵۰) تم فرماؤ لاؤ اپنے وہ گواہ (کنزالایمان)

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِعْمَ سَحُوْرُ الْمُؤْمِنِ التَّمْرُ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

(۱۹۰۱) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کی اچھی سحری چھوارے ہیں۱ (ابوداؤد)

(۱۹۰۱)۱ اس طرح کہ سحری کے وقت کچھ کھانا کھا کر آخر میں کچھ چھوارے بھی کھالے تاکہ روزے کی ابتداء بھی چھواروں سے ہو اور انتہا بھی سحری کھانا بھی سنت ہے اور چھوارے کھانا بھی سنت اس صورت میں دوسنتوں کا اجتماع ہوکر انشاء اللہ روزہ نور علے نور ہو جائے گا۔ یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ سحری میں بہت کھانا نہ کھاؤ، جو بدہضمی کا باعث ہو۔ چند کھجوریں کھا کر پانی پی لو۔

بَابُ تَنْزِيْهِ الصَّوْمِ — باب روزے کو پاک وصاف رکھنا

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۱ تنزیہ کے لغوی معنی ہیں دور رکھنا یا الگ کرنا۔ اصطلاح شریعت میں تنزیہ صوم یہ ہے کہ جن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا مکروہ ہوجاتا ہے یا اس کا ثواب کم ہوجاتا ہے۔ ان سے روزہ کو الگ رکھنا یعنی روزہ دار کا الگ رہنا تاکہ روزہ ہر نقصان سے پاک و صاف رہے یہ چیز بہت ضروری ہے۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ اَنْ يَّدَعَ طَعَامَهٗ وَ شَرَابَهٗ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۱۹۰۲) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جھوٹی باتیں اور برے کام نہ چھوڑے۱ تو اللہ تعالٰی کو اس کے کھانا پانی چھوڑ دینے کی پرواہ نہیں۲ (بخاری)

(۱۹۰۲)۱یہاں جھوٹی بات سے مراد ناجائز گفتگو ہے۔جھوٹ، بہتان، غیبت، چغلی، تہمت، گالی، لعن طعن وغیرہ جن سے بچنا فرض ہے اور برے کام سے مراد ہر ناجائز کام ہے۔آنکھ کان کا ہو یا ہاتھ پاؤں وغیرہ کا چونکہ زبان کے گناہ دیگر اعضاء کے گناہوں سے زیادہ ہیں اس لیے ان کا علیحدہ ذکر فرمایا، یہ حدیث بہت جامع ہے۔دو جملہ میں ساری چیزیں بیان فرمادیں۔اگرچہ برے کام ہر حالت میں اور ہمیشہ ہی برے ہیں مگر روزے کی حالت میں زیادہ برے کہ ان کے کرنے میں روزے کی بے حرمتی اور ماہ رمضان کی بے ادبی ہے۔اس لیے خصوصیت سے روزے کا ذکر فرمایا ہر جگہ ایک گناہ کا عذاب ایک مگر مکہ مکرمہ میں ایک گناہ کا عذاب ایک لاکھ ہے کیوں؟ اس زمین پاک کی بے ادبی کی وجہ سے۲یہاں حاجت بمعنی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ تعالٰی ضرورتوں سے پاک ہے۔بلکہ بمعنی توجہ، التفات پرواہ یعنی اللہ تعالٰی ایسے شخص کا روزہ قبول نہیں فرماتا قبول نہ ہونے سے روزہ گویا فاقہ بن جاتا ہے۔اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ یہ روزہ شرعًا تو درست ہو جائے گا کہ فرض ادا ہو جائے گا مگر قبول نہ ہوگا، شرائط جواز تو صرف نیت ہے اور کھانا پینا، صحبت چھوڑ دینا، مگر شرائط قبول میں باتیں چھوڑنا ہے جو روزہ کا اصل مقصود ہے۔روزہ کا منشاء نفس کا زور توڑنا ہے جس کا انجام گناہ چھوڑنا ہے۔جب روزے میں گناہ نہ چھوٹے تو معلوم ہوا نفس نہ مرا، صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ روزہ ہر عضو کا ہونا چاہیے صرف حلال چیزوں یعنی کھانے پینے کو نہ چھوڑو بلکہ حرام چیزوں یعنی جھوٹ وغیبت کو بھی چھوڑو۔مرقات نے فرمایا کہ ایسے بے باک روزے دار کو اصل روزہ کا ثواب ملے گا اور ان چیزوں کا گناہ۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُ وَيُبَاشِرُ وَهُوَ صَائِمٌ وَّكَانَ اَمْلَكَكُمْ لِاَرْبِهٖ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۹۰۳) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزے کی حالت میں بوس وکنار کرلیتے تھے اور حضور اپنی نفسی حاجت پر سب سے زیادہ مالک (قادر) تھے۱ (مسلم بخاری)

(۱۹۰۳)۱اس حدیث سے معلوم ہوا کہ روزہ دار اگر اپنے نفس پر پورا قابو رکھتا ہو یا بیماری یا بڑھاپے کے ضعف کی وجہ سے یا تقوٰی و پرہیزگاری کی وجہ سے وہ اپنی بیوی سے بوس وکنار کرسکتا ہے اور جو قابو نہ رکھے وہ ہرگز ہرگز یہ کام نہ کرے۔اس لیے ام المومنین فرماتی ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نفسی حاجت پر قادر تھے۔حضرت عائشہ کا ایسے واقعات بیان فرمانا مسئلہ شرعی کے بیان کیلئے ہے۔اسے بے غیرتی کہنا حماقت ہے۔رب تعالٰی فرماتا ہے:وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ (۲۳:۵) اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں (کنزالایمان) طبیب لوگ بیماریوں وعلاجوں کے بیان میں کھلی کھلی باتیں بیان کرتے ہیں۔بے غیرتی کیلئے نہیں بلکہ بیان علاج کیلئے۔

وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُدْرِكُهُ الْفَجْرُ فِيْ رَمَضَانَ وَهُوَ جُنُبٌ مِنْ غَيْرِ حُلْمٍ فَيَغْتَسِلُ وَيَصُوْمُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

(۱۹۰۴) روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رمضان میں بحالت جنابت صبح ہوتی تھی۱ احتلام کے بغیر۲ پھر آپ غسل کرتے اور روزہ رکھتے۳ (مسلم بخاری)

(۱۹۰۴)۱اس طرح کہ نماز تہجد کے بعد اپنی ازواج مطہرات سے مقاربت فرماتے اور فورًا غسل نہ فرماتے تھے بلکہ نماز فجر کے وقت پو پھٹنے کے بعد کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز تہجد فرض تھی جس کی بہت پابندی فرماتے تھے۔خصوصًا رمضان شریف میں۲ تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ انبیاء کرام کو خواب سے احتلام نہیں ہوسکتا کیونکہ احتلام شیطانی اثر سے ہوتا ہے کہ ابلیس عورت کی شکل میں

خواب میں آتا ہے اور یہ حضرات اس کے اثر سے محفوظ ہیں بلکہ جو بیبیاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے والی ہوتی ہیں۔ انہیں بھی کبھی خواب سے احتلام نہیں ہوتا جیسا کہ ہم باب الغسل میں عرض کر چکے ہیں۔ ہاں اس میں اختلاف ہے کہ بغیر خواب نیند میں انہیں انزال ہوسکتا ہے یا نہیں یعنی زیادتی منی کے باعث۔ حق یہ ہے کہ وہ حضرات اس سے بھی محفوظ ہیں۔ یہاں حضرت ام المومنین کا **من غیر حلم** فرمانا یہ بتانے کیلئے ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی جنابت مقاربت سے ہوتی تھی۔ یہ منشا نہیں کہ وہاں احتلام کا امکان ہے۔ حضرت ام المومنین کا مقصد یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مخالطت سے ہی جنبی ہوتے تھے نہ کہ احتلام سے احتلام کا امکان ہی نہیں (مرقاۃ و اشعہ) ۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ روزے کے بعض حصہ میں جنبی رہنا روزہ کو فاسد نہیں کرتا خواہ روزہ فرض ہو یا نفل یہ قول صحیح ہے۔ حضرت ابوہریرہ پہلے فرمایا کرتے تھے کہ جو جنابت میں سویا پالے اس کا روزہ نہیں مگر یہ حدیث سن کر رجوع فرمائے اور بولے کہ حضرت عائشہ وام سلمہ رضی اللہ عنہما مجھ سے زیادہ جانتی ہیں۔ اس حدیث کی تائید اس آیت سے بھی ہے **فالئن باشروهن** نیز اس آیت سے بھی **اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ** (۲-۱۸۷) روزوں کی راتوں میں اپنی عورتوں کے پاس جانا تمہارے لئے حلال ہوا (کنزالایمان) کیونکہ جب رمضان میں رات بھر صحبت کرنے کی اجازت دی گئی تو پو پھٹنے تک صحبت جائز ہوئی اب لامحالہ غسل پو پھٹنے پر ہی ہوگا نیز اگر روزہ دار کو دن میں احتلام ہو جائے تو روزہ میں کوئی نقصان نہیں۔ بعض علماء نے فرض و نفل میں فرق کیا ہے مگر حق یہ ہے کہ کوئی فرق نہیں۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ وَّاحْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۹۰۵) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالت احرام اور بحالت روزہ فصد لیا ۱؎ (مسلم بخاری)

(۱۹۰۵) ۱؎ اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم محرم بھی تھے اور روزہ دار بھی اس حال میں پچھنے لگوائے فصد لی جیسے کہ بعض شارحین نے سمجھا بلکہ دونوں واقعہ الگ الگ ہیں یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالت احرام بھی فصد لی ہے اور بحالت روزہ بھی۔ معلوم ہوا کہ فصد سے نہ احرام خراب ہو نہ روزہ فاسد مگر احرام میں ضروری یہ ہے کہ بال نہ اکھڑے ورنہ کفارہ واجب ہوگا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فصد نہ تو روزہ توڑتی ہے اور نہ اس سے مکروہ ہوتا ہے۔ یہ ہی امام اعظم ابوحنیفہ کا فرمان ہے۔ یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے۔ فصد کرنے والا اور کرانے والا دونوں کا روزہ باقی رہتا ہے۔ ٹوٹتا نہیں۔ امام احمد کے ہاں حاجم و محجوم دونوں کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے مگر ان پر کفارہ نہیں صرف قضا ہے۔ یہ حدیث ان کے خلاف ہے۔ ان کی دلیل دوسری حدیث ہے جس کے متعلق اس کی شرح میں انشاءاللہ عرض کیا جائے گا۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَسِيَ وَهُوَ صَائِمٌ فَاَكَلَ اَوْ شَرِبَ فَلْيُتِمَّ صَوْمَهٗ فَاِنَّمَا اَطْعَمَهُ اللّٰهُ وَسَقَاهُ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۹۰۶) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بحالت روزہ بھول جائے تو کھاپی لے وہ اپنا روزہ پورا کرے ۱؎ کہ اسے رب تعالٰی نے کھلایا پلایا ہے ۲؎ (مسلم بخاری)

(۱۹۰۶) ۱؎ یہ حکم فرض و نفل تمام روزوں کیلئے ہے کہ ان میں بھول کر کھانی لینے سے روزہ نہیں جاتا۔ بھول یہ ہے کہ روزہ یاد نہ رہے

اور کھانا پینا ارادۃً ہو اس میں نہ قضا ہے نہ کفارہ خطا یہ ہے کہ روزہ یاد ہو مگر بغیر ارادہ پانی حلق سے اتر جائے جیسے کلی یا غرارہ کرتے وقت اس میں قضا ہے کفارہ نہیں عمد یہ ہے کہ روزہ بھی یاد ہو کھانا پینا بھی ارادۃً ہو اس میں قضا بھی ہے کفارہ بھی جماع بھی کھانے پینے کے حکم میں ہے۔ لہذا اگر روزہ دار بھول کر صحبت کرلے تو بھی روزہ نہیں جائے گا۔ یہی احناف کا مذہب ہے۔ **فلیتم** امر سے معلوم ہوتا ہے کہ نفلی روزہ شروع کردینے سے فرض ہو جاتا ہے۔ اس کا پورا کرنا فرض ہے۔۲؎ یعنی یہ بھول رب تعالٰی کی رحمت ہے۔ اس نے چاہا کہ میرا بندہ کھاپی بھی لے اور اس کا روزہ بھی ہو جائے۔ خیال رہے کہ ہماری بھول چوک غفلت و کمزوری کی بنا پر ہوتی ہے مگر اس پر معافی دینا رب تعالٰی کی طرف سے ہے۔ لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ بھول تو شیطانی اثر سے ہے۔ رب تعالٰی فرماتا ہے: وَمَآ اَنْسَانِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ (۱۸:۶۳) اور مجھے شیطان ہی نے بھلا دیا کہ میں اس کا مذکور کروں (کنزالایمان) پھر اسے رب تعالٰی کی طرف منسوب کیوں فرمایا۔

وَعَنْهُ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوْسٌ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْجَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكْتُ قَالَ مَالَكَ قَالَ وَقَعْتُ عَلٰى امْرَأَتِيْ وَاَنَا صَائِمٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تَجِدُ رَقَبَةً تُعْتِقُهَا قَالَ لَا قَالَ فَهَلْ تَسْتَطِيْعُ اَنْ تَصُوْمَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ لَا قَالَ هَلْ تَجِدُ اِطْعَامَ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا قَالَ لَا قَالَ اجْلِسْ وَمَكَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَيْنَا نَحْنُ عَلٰى ذَالِكَ اُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَرَقٍ فِيْهِ تَمْرٌ وَّالْعَرَقُ الْمِكْتَلُ الضَّخْمُ قَالَ اَيْنَ السَّائِلُ قَالَ اَنَا قَالَ خُذْ هٰذَا فَتَصَدَّقْ بِهٖ فَقَالَ الرَّجُلُ اَعَلٰى اَفْقَرَ مِنِّيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَوَاللّٰهِ مَابَيْنَ لَابَتَيْهَا يُرِيْدُ الْحَرَّتَيْنِ اَهْلُ بَيْتٍ اَفْقَرَ مِنْ اَهْلِ بَيْتِيْ فَضَحِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى بَدَتْ اَنْيَابُهٗ ثُمَّ قَالَ اَطْعِمْهُ اَهْلَكَ

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۹۰۷) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں تھے کہ حضور کی خدمت میں ایک شخص آیا۱؎ عرض کیا یا رسول اللہ میں تو ہلاک ہو گیا۲؎ فرمایا تجھے کیا ہوا عرض کیا میں نے بحالت روزہ اپنی بیوی سے صحبت کرلی۳؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو غلام پاتا ہے جسے آزاد کردے۴؎ بولا نہیں فرمایا تو کیا مسلسل دو ماہ کے روزہ رکھ سکتا ہے بولا نہیں۵؎ فرمایا کیا ساٹھ مسکینوں کا کھانا پاتا ہے بولا نہیں۶؎ فرمایا بیٹھ جا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ توقف فرمایا۷؎ ہم اسی حال میں تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں زنبیل لائی گئی جس میں کھجوریں تھیں عرق بڑی زنبیل ہوتی ہے۔۸؎ فرمایا مسئلہ پوچھنے والا کہاں ہے بولا میں ہوں فرمایا یہ لے اور صدقہ کردے۹؎ اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا اپنے سے زیادہ محتاج پر صدقہ کروں خدا کی قسم مدینہ کے دو گوشوں یعنی دو سنگلاخوں کے بیچ میرے گھر والوں سے زیادہ کوئی خاندان محتاج نہیں۱۰؎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے حتی کہ آپ کے دانت مبارک چمک گئے۱۱؎ فرمایا اپنے گھر والوں کو ہی کھلا۱۲؎ (مسلم بخاری)

(۱۹۰۷) ۱؎ یہ حاضر ہونے والے صاحب حضرت سلمہ ابن صخر انصاری بیاضی ہیں۔ بعض نے فرمایا ان کا نام سلیمان انصاری ہے مگر پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ انہوں نے رمضان میں بحالت روزہ دن میں اپنی زوجہ سے صحبت کرلی تھی اس لیے حاضر بارگاہ ہوئے۔۲؎ اس طرح کہ اسلامی قانون شکنی کر کے سخت سزا کا مستحق ہو [illegible] روزہ دار تھیں۔ اس لیے

ہلاکت کو صرف اپنی طرف نسبت کیا۔ یہ نہ کہا کہ ہم دونوں ہلاک ہو گئے کہ وہ بے قصور تھیں۔ انہوں نے جبراً صحبت کی تھی ۳؎ بیوی کو مجبور کر کے وہ اس پر نہ راضی تھی نہ اس کیلئے آمادہ تھی ۴؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ ماہ رمضان میں بحالت روزہ عمداً دن میں صحبت کر لینے سے قضاء بھی واجب ہے کفارہ بھی، دوسرے یہ کہ عمداً کھا پی لینے سے بھی کفارہ واجب ہے کیونکہ کفارہ کا سبب رمضان میں روزہ توڑنا ہے۔ روزہ جیسے جماع سے ٹوٹ جاتا ہے ویسے ہی کھانے پینے سے، تیسرے یہ کہ اگر عورت سے جبراً صحبت کی ہو تو اس پر کفارہ نہیں بلکہ مرد پر ہوگا۔ کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارہ میں صرف مرد سے خطاب فرمایا۔ چوتھے یہ کہ کفارہ میں ترتیب معتبر ہے کہ اگر غلام آزاد کر سکتا ہے تو یہ کرے۔ اگر غلام نہ پائے تو دو ماہ کے مسلسل روزے۔ اگر یہ ناممکن ہو تو ساٹھ مسکینوں کا کھانا، دارقطنی میں بروایت حضرت ابوہریرہ ہے کہ ایک شخص نے رمضان کے دن میں بحالت روزہ عمداً کھا لیا تھا۔ اسے بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام آزاد کرنے کا حکم دیا۔ اسی دارقطنی میں بروایت سعید ابن المسیب ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے روزہ توڑ دیا ہے اسے بھی کفارہ کا حکم دیا گیا۔ بہرحال رمضان میں جس طرح بھی عمداً روزہ توڑے۔ کفارہ واجب ہے۔ یہ ہی احناف کا قول ہے ۵؎ یعنی مجھ میں دو ماہ مسلسل روزہ رکھنے کی طاقت نہیں، کہ اپنے نفس کو بیوی سے نہیں روک سکتا۔ جیسا کہ دوسری روایت میں وارد ہے۔ معلوم ہوا کہ روزے کی طاقت نہ ہونا، بڑھاپے، بیماری، غلبہ شہوت ہر طرح ثابت ہو جاتا ہے ۶؎ یعنی میرے پاس اپنے کھانے کو نہیں ہے ساٹھ مسکینوں کو کہاں سے کھلاؤں جیسا کہ دوسری روایت میں ہے ۷؎ یعنی انتظار فرمایا کہ کہیں سے کچھ آ جائے تو اس کو ادائے کفارہ کیلئے دے دیا جائے۔ خیال رہے کہ ایسے فقیر پر کفارہ واجب نہیں صرف توبہ کرے مگر یہاں کا یہ واقعہ خصوصیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے ۸؎ یہ کھجوریں صدقہ کی تھیں جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خیرات کرنے کیلئے حاضر کی گئی تھیں۔ عرق وہ بڑا ٹوکرہ ہے جس میں تیس صاع کھجوریں آتی ہیں۔ کفارہ میں ساٹھ مسکینوں کو فی مسکین آدھا صاع کھجوریں دی جاتی ہیں۔ لہٰذا یہ کھجوریں اس کے کفارے کیلئے کافی تھیں۔ بعض نے فرمایا کہ اس زنبیل میں پندرہ صاع کھجوریں تھیں۔ ہر مسکین کو چوتھائی صاع یعنی مد کھجوریں دی جائیں ۹؎ یعنی اس صدقہ کا پہلے تو مالک بن جا، پھر مالک ہو کر اپنی طرف سے ساٹھ مسکینوں کو خیرات کر دے کیونکہ ملک بدلنے سے حکم بدل جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شرعی حیلے درست ہیں کہ کسی فقیر کو زکوٰۃ کا مالک بنا دیا۔ پھر وہ زکوٰۃ اس سے دوسری جگہ خیرات کرا دی۔ سید کو دلوا دی یا مسجد میں خرچ کرا دی۔ حیلے کی مکمل بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں ملاحظہ فرمایئے۔ جہاں آیات قرانیہ و احادیث نبویہ سے اس کا ثبوت دیا گیا ہے۔ ۱۰؎ یعنی کفارہ فقیروں کو دینا چاہیے مگر مدینہ منورہ میں سب سے زیادہ فقیر و حاجت مند ہم ہی ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ اجازت ہو تو اسے میں اور میرے بال بچے ہی کھالیں۔ طلب کیلئے بھی منہ چاہیے کس ڈھنگ سے داتا سے مانگا ۱۱؎ یعنی مسکرائے یہاں تک کہ آپ کے دانت مبارک میں سے کیلیاں ظاہر ہو گئیں ۱۲؎ یعنی اپنا یہ کفارہ تو خود بھی کھالے اور اپنے گھر والوں کو بھی کھلا دے۔ تیرا کفارہ ادا ہو جائے گا یہ ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اختیار خداداد کہ مجرم کیلئے اس کا کفارہ اس کیلئے انعام بنا دیا۔ ورنہ کوئی شخص اپنا کفارہ، اپنی زکوٰۃ نہ تو خود کھا سکتا ہے نہ اس کے بیوی بچے، مگر یہاں اس کا اپنا ہی کفارہ ہے اور اپنے آپ ہی کھا رہا ہے۔ یہاں بعض لوگوں نے بڑے غوطے کھائے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ کفارہ نہ تھا کیونکہ وہ فقیر تھا اور ایسے فقیر پر مالی کفارہ واجب نہیں۔ بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ ابھی تو یہ کھالے جب کبھی تیرے پاس مال آئے تو کفارہ ادا کر دینا مگر یہ غلط ہے چند وجہوں سے ایک، یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرمایا فتصدق بہ اس کا صدقہ دے دے، پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ یہ کفارہ

نہ تھا۔ اگر فقیر کو بقدر کفارہ مال دے دیا جائے تو وہ کفارہ ضرور دے۔ یہاں ایسا ہی ہوا۔ دوسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے یہ نہ فرمایا کہ آئندہ تو کفارہ دے دینا۔ تم یہ کہاں سے کہتے ہو۔ یہ قید اپنی طرف سے ہے۔ حدیث میں نہیں۔ تیسرے یہ کہ روایات میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ صرف تجھے ہی کافی ہے۔ دوسرے کو کافی نہ ہوگا۔ (ہدایہ) اگر آئندہ کفارہ دلوانا ہوتا تو اس خصوصیت کے کیا معنی' چوتھے یہ کہ دارقطنی میں اس حدیث کے آخر میں ہے کہ اللہ نے تیرا کفارہ ادا کر دیا۔ پھر آئندہ کفارہ دینے کے کیا معنی' پانچویں یہ کہ امام زہری وغیرہ محدثین نے اسے اس شخص کی خصوصیات سے مانا۔ دیکھو مرقات واشعۃ اللمعات وغیرہ غرضیکہ یہ تاویل بہت رکیک ہے۔ حق وہ ہی ہے جو فقیر نے عرض کیا کہ یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے خداداد اختیارات میں سے ہے۔ اس اختیار کی پوری بحث ہماری کتاب سلطنت مصطفٰی میں ملاحظہ فرمایئے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

عَنْ عَـآئِشَةَ اَنَّ الـنَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یُقَبِّلُهَا وَهُوَ صَائِمٌ وَّیَمَصُّ لِسَانَهَا (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

(۱۹۰۸) روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بحالت روزہ انہیں چومتے اور ان کی زبان شریف چوستے تھے[۱] (ابوداؤد)[۲]

(۱۹۰۸)[۱] ظاہر یہ ہے کہ یہ واقعہ ماہ رمضان میں واقع ہوتا تھا جبکہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ بھی روزہ دار ہوتی تھیں۔ اس لیے معلوم ہوا کہ روزہ دار اگر اپنے نفس پر قادر ہو تو اپنی بیوی کا بوسہ بھی لے سکتا ہے اور اس کی زبان بھی چوس سکتا ہے۔ بشرطیکہ ایک دوسرے کا تھوک دوسرے کے منہ میں نہ جاوے۔ اگر جائے تو نگلے نہ بلکہ تھوک دے۔ یہ مسئلہ بتانے کیلئے حضرت ام المومنین یہ واقعہ بیان فرما رہی ہیں۔ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ طبیب بیان علاج میں بڑی بڑی خفیہ باتیں بیان کر دیتے ہیں۔ اس بیان میں شرم نہیں کرتے۔ اگر شرم کریں تو علاج کیسے ہو۔ اسی طرح یہ حضرات مسئلہ شرعی بیان کرنے کیلئے بلاحجاب خفیہ باتیں بیان فرما دیتے ہیں۔ اگر شرم کریں تو دینی مسائل کیونکر واضح ہوں اور لوگوں کو ہدایت کیسے ملے۔[۲] مرقات و اشعۃ اللمعات وغیرہ نے فرمایا کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس کی اسناد میں سعد ابن اوس بصری اور محمد ابن دینار ہیں۔ سعد ابن اوس تو ضعیف ہیں اور زبان چوسنے کی روایت سوائے محمد ابن دینار کے کسی نے نہ کی اور محمد ابن دینار بھی ضعیف ہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ هُـرَیْرَةَ اَنَّ رَجُلاً سَأَلَ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَـیْـهِ وَسَـلَّـمَ عَـنِ الْـمُبَاشَرَةِ لِلصَّائِمِ فَرَخَّصَ لَهٗ وَاَتَـاهُ اٰخَرُ فَسَاَلَهٗ فَنَهَاهُ فَاِذَا الَّذِیْ رَخَّصَ لَهٗ شَیْخٌ وَّاِذَا الَّذِیْ نَهَاهُ شَابٌّ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

(۱۹۰۹) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روزہ دار کے بوس و کنار کے متعلق پوچھا آپ نے اسے اجازت دے دی[۱] خدمت عالی میں دوسرا حاضر ہوا اور یہ ہی پوچھا تو اسے منع فرما دیا جس کو اجازت دی تھی وہ بوڑھا تھا اور جسے منع کیا وہ جوان تھا[۲] (ابوداؤد)

(۱۹۰۹)[۱] یعنی اس سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ تجھ جیسے روزہ دار کو بحالت روزہ بوس و کنار کی اجازت ہے۔ یہ مسئلہ بتانا تھا[۲] اس تفریق سے مسئلہ فقہی واضح ہوا کہ بوڑھا یا بیمار یا کمزور یا بہت متقی جو بوس و کنار کے باوجود اپنے نفس پر قابو رکھے اسے

اس کی اجازت ہے۔ دوسرے کیلئے نہیں' تاکہ روزہ نہ توڑ بیٹھے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ اس کی اسناد بہت جید وقوی ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ذَرَعَهُ الْقَيْءُ وَهُوَ صَائِمٌ فَلَيْسَ عَلَيْهِ قَضَاءٌ وَّمَنْ اِسْتَقَاءَ عَمَدًا فَلْيَقْضِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاوُدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ) وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَّا نَعْرِفُهُ اِلَّا مِنْ حَدِيْثِ عِيْسَى بْنِ يُوْنُسَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ يَّعْنِى الْبُخَارِيَّ لَا اُرَاهُ مَحْفُوْظًا

(۱۹۱۰) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جسے روزہ کی حالت میں قے آ جائے تو اس پر قضا نہیں اور جو جان کر قے کرے وہ قضا کرے [۱] (ترمذی' ابوداؤد' ابن ماجہ' دارمی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے جسے ہم سوائے عیسیٰ ابن یونس کی سے نہیں معلوم کرتے۔ امام محمد بخاری نے فرمایا کہ میں اسے محفوظ نہیں جانتا [۲]

(۱۹۱۰) [۱] اسی پر چاروں اماموں کا عمل ہے کہ اگر کوئی شخص روزہ یاد ہوتے ہوئے عمداً قے کرے تو روزہ جاتا رہے گا کیونکہ قے کا کچھ غیر محسوس حصہ حلق میں واپس لوٹ جاتا ہے جس کا احساس نہیں ہوتا جیسے سونا وضو توڑ دیتا ہے کہ اس میں اکثر ریح نکل جاتی ہے مگر احساس نہیں ہوتا۔ ہاں امام یوسف نے عمد کے ساتھ منہ بھر قے ہونے کی پابندی لگائی ہے مگر قے کر دینے سے صرف قضا واجب ہوگی۔ کفارہ نہ ہوگا۔ قے کے پورے مسائل کتب فقہ میں ملاحظہ کیجئے [۲] اراہ کی ضمیر کا مرجع حدیث ہے یعنی میں اس حدیث کو محفوظ نہیں جانتا۔ خیال رہے کہ امام ترمذی و بخاری کو یہ حدیث غریب ہو کر ملی اس کو حاکم' ابن حبان' دارقطنی نے صحیح اسنادوں سے نقل فرمایا۔ حاکم نے فرمایا حدیث صحیح شرط شیخین ہے۔ دارقطنی نے فرمایا کہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ مؤطا میں امام مالک نے حضرت ابن عمر پر موقوفاً روایت کی۔ نسائی و عبدالرزاق نے حضرت ابوہریرہ پر موقوفاً روایت کی۔ ابن ماجہ نے مرفوعاً نقل فرمائی جس کا مضمون و الفاظ اس سے کچھ متفاوت ہے غرضیکہ متن حدیث صحیح ہے۔

وَعَنْ مَّعْدَانَ بْنِ طَلْحَةَ اَنَّ اَبَا الدَّرْدَاءِ حَدَّثَهُ اَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاءَ فَاَفْطَرَ قَالَ فَلَقِيْتُ ثَوْبَانَ فِيْ مَسْجِدِ دِمَشْقَ فَقُلْتُ اَنَّ اَبَا الدَّرْدَاءِ حَدَّثَنِيْ اَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاءَ فَاَفْطَرَ قَالَ صَدَقَ وَاَنَا صَبَبْتُ لَهُ وَضُوْءَهُ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

(۱۹۱۱) روایت ہے حضرت معدان ابن طلحہ [۱] سے کہ ابوالدرداء نے انہیں خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قے کی تو روزہ افطار کر دیا [۲] فرماتے ہیں کہ میں دمشق کی مسجد میں حضرت ثوبان سے ملا میں نے کہا کہ حضرت ابوالدرداء نے مجھے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قے کی تو روزہ افطار فرما دیا فرمایا انہوں نے سچ کہا اور میں نے آپ کیلئے وضو کا پانی انڈیلا [۳] (ابوداؤد' ترمذی' دارمی)

(۱۹۱۱) [۱] آپ جلیل القدر تابعی ہیں۔ حضرت عمر حضرت ابوالدرداء حضرت ثوبان سے احادیث روایت کرتے ہیں [۲] یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے میں عمداً قے کی کسی ضرورت سے تو اسے روزے کا مفطر مانا جس کے بعد کھانا وغیرہ ملاحظہ فرمایا [۳] حضرت ثوبان حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں۔ انہوں نے حضرت ابوالدرداء کی تصدیق فرماتے ہوئے اپنا واقعہ بیان فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے قے کو ناقض وضو بھی قرار دیا چنانچہ آپ نے وضو کیا اور پانی میں نے حاضر کیا اس سے معلوم ہوا کہ

منہ بھر کر تے روزہ بھی توڑ دیتی ہے اور وضو بھی۔ یہ ہی ہمارا مذہب ہے۔ یہ حدیث ہمارے امام اعظم قدس سرہ کی دلیل ہے۔ امام شافعی کے ہاں تے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ وہ یہاں وضو سے مراد کلی کرنا لیتے ہیں مگر قول امام اعظم قوی تر ہے بلاوجہ شرعی معنی چھوڑنا کمزور سی بات ہے۔

وَعَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَالَا أُحْصِي يَتَسَوَّكُ وَهُوَ صَائِمٌ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ)

(۱۹۱۲) روایت ہے حضرت عامر ابن ربیعہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بے شمار دفعہ روزہ کی حالت میں مسواک کرتے دیکھا[۱] (ترمذی، ابوداؤد)[۲]

(۱۹۱۲)[۱] اس حدیث کی وجہ سے امام ابوحنیفہ و مالک رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ روزے میں ہر وقت ہر قسم کی مسواک بلا کراہت جائز ہے۔ زوال سے پہلے کرے یا بعد، تر مسواک کرے یا خشک، بہر حال بلا کراہت درست ہے۔ خیال رہے کہ یہ حدیث اس حدیث کیخلاف نہیں کہ روزے دار کی منہ کی بُو اللہ تعالیٰ کو مشک کی خوشبو سے زیادہ پیاری ہے۔ کیونکہ وہاں لفظ خلوف ہے نہ کہ لفظ بخر خلاف منہ کی وہ بُو ہے جو معدہ خالی ہونے کی وجہ سے منہ میں پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ مسواک سے نہیں جاتی جیسا کہ بارہا کا مشاہدہ ہے۔ رہا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طور والا واقعہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیات سے ہے کہ آپ نے روزے میں مسواک کر لی۔ پھر توریت لینے بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوئے تو ارشاد ہوا۔ اے موسیٰ دس روزے اور رکھو تاکہ پھر وہ ہی مہک پیدا ہو جو مسواک سے جاتی رہی ہے۔ ورنہ مسواک سے روزے کی قضا اور پھر دس روزے رکھنے کا حکم کسی امام کے ہاں نہیں۔ امام شافعی کے ہاں زوال کے بعد روزے میں مسواک مکروہ ہے اور امام احمد کے ہاں آخر دن میں مکروہ مگر مذہب حنفی بہت قوی ہے۔ چنانچہ دارقطنی میں حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روزے دار کا بہترین مشغلہ مسواک ہے طبرانی میں حضرت عبدالرحمٰن ابن غنم سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت معاذ ابن جبل سے پوچھا کیا میں روزے میں مسواک کر سکتا ہوں۔ فرمایا ہاں، پوچھا دن کے کس حصہ میں؟ فرمایا ہر حصہ میں، خیال رہے کہ روزہ دار کے منہ کی بو ربّ تعالیٰ کو ایسی ہی پیاری ہے جیسے غازی کے قدم کی گردوغبار، اگر غازی اپنے قدموں پر ویسے ہی خاک ڈال لے تو ثواب ملتا نہیں اور اگر وہ قدموں کی دھول جھاڑ دے تو ثواب گھٹتا نہیں۔ ایسے ہی اگر روزہ دار بہ تکلف منہ میں بُو پیدا کرلے تو ثواب ملتا نہیں اور اگر مسواک کرے تو ثواب گھٹتا نہیں۔ اسی لیے بیہقی، ابن حبان، طبرانی وغیرہ میں عام صحابہ کا یہ عمل بیان ہوا کہ وہ حضرات روزے میں ہر وقت مسواک کر لیتے تھے۔ اس کی پوری تحقیق یہاں مرقات میں دیکھو[۲] اس حدیث کو ترمذی نے حسن فرمایا اور احمد و ابن خزیمہ نے بھی روایت کیا۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اشْتَكَيْتُ عَيْنَيَّ اَفَاَكْتَحِلُ وَ اَنَا صَائِمٌ قَالَ نَعَمْ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ لَيْسَ اِسْنَادُهُ بِالْقَوِيِّ وَاَبُوْ عَاتِكَه الرَّاوِيُ يُضَعَّفُ)

(۱۹۱۳) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا بولا میں آنکھوں کا بیمار ہوں کیا بحالت روزہ سرمہ لگا سکتا ہوں فرمایا ہاں[۱] (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا کہ اس کی اسناد قوی نہیں۔ ابو عاتکہ راوی ضعیف مانے جاتے ہیں[۲]

(۱۹۱۳)[۱] یہی تینوں اماموں کا مذہب ہے یعنی امام ابوحنیفہ، شافعی و مالک کہ روزہ دار کو سرمہ لگانا، آنکھ میں خشک یا پتلی اگرچہ چکنی

ہو دوا ڈالنا ہر وقت جائز ہے یعنی سونے سے پہلے بھی اور بعد بھی اگر دوا کا رنگ یا مزا حلق میں محسوس ہو جب بھی مضر نہیں۔ امام احمد سونے سے پہلے سرمہ لگانا مکروہ فرماتے ہیں۔ یہ حدیث ان تینوں ائمہ کی دلیل ہے۲؎ یہ حدیث بہت طریقوں سے مختلف اسنادوں سے بہت کتب میں مروی ہے۔ تمام اسنادیں ضعیف ہیں لیکن زیادتی اسناد اور عمل علماء کی وجہ سے قوی ہوگئی۔ تمام اسنادیں بالتفصیل یہاں مرقات نے نقل فرمائیں اور اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ دوم میں دیکھو کہ تعداد اسناد اور عمل علماء سے حدیث ضعیف بھی قوی ہو جاتی ہے۔

وَعَنْ بَعْضِ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعَرْجِ يَصُبُّ عَلٰى رَاْسِهِ الْمَآءَ وَهُوَ صَائِمٌ مِنَ الْعَطَشِ اَوْ مِنَ الْحَرِّ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَّ اَبُوْدَاوُدَ)

(۱۹۱۴) روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ سے فرماتے ہیں۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام عرج میں۱؎ بحالت روزہ سر مبارک پر پیاس یا گرمی کی وجہ سے پانی ڈالتے دیکھا۲؎ (مالک،ابوداؤد)

(۱۹۱۴)۱؎ عرج مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک منزل کا نام تھا اور مدینہ منورہ میں ایک محلہ بھی تھا۔ یہاں دونوں احتمال ہیں کہ یا یہ سفر کا واقعہ ہو یا حضر کا ۲؎ یعنی غسل نہیں فرما رہے تھے بلکہ ٹھنڈک حاصل کرنے کیلئے صرف سر شریف پر پانی بہا رہے تھے۔ اس حدیث سے یہ دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ مسامات کے ذریعہ جو پانی وغیرہ جسم میں پہنچ جائے وہ روزے کیلئے مضر نہیں۔ لہذا روزے دار کا نہانا پانی میں غوطہ لگانا۔ سر یا جسم پر تیل کی مالش کرنا، بھیگا کپڑا جسم پر لپیٹنا روزے کیلئے مضر نہیں ٹیکے (Injection) گودنے کا مسئلہ پہلے بیان ہو چکا کہ ان سے روزہ نہیں جاتا، جیسے سانپ بچھو بھڑ کے کاٹ لینے سے، دوسرے یہ کہ روزے میں سر پر پانی ڈالنا زیادہ نہانا مکروہ نہیں جبکہ گھبراہٹ کے اظہار کیلئے نہ ہو۔ اگر دکھلاوے اور گھبراہٹ کے اظہار کیلئے ہو تو مکروہ ہے لہذا یہ حدیث امام اعظم کیخلاف نہیں۔

وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتٰى رَجُلًا بِالْبَقِيْعِ وَهُوَ يَحْتَجِمُ وَهُوَ اٰخِذٌ بِيَدِيْ لِثَمَانِيَ عَشَرَةَ خَلَتْ مِنْ رَّمَضَانَ فَقَالَ اَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ قَالَ الشَّيْخُ الْاِمَامُ مُحْيِ السُّنَّةِ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَتَاوَّلَهٗ بَعْضُ مَنْ رَّخَّصَ فِي الْحِجَامَةِ اَيْ تَعَرَّضَا لِلْاِفْطَارِ الْمَحْجُوْمُ لِلضُّعْفِ وَالْحَاجِمُ لِاَنَّهٗ لَا يَاْمَنُ مِنْ اَنْ يَّصِلَ شَيْءٌ اِلٰى جَوْفِهٖ بِمَصِّ الْمَلَازِمِ)

(۱۹۱۵) روایت ہے حضرت شداد ابن اوس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقیع میں ایک شخص پر تشریف لائے جو فصد لے رہا تھا حضور انور میرا ہاتھ پکڑے تھے۱؎ رمضان کے اٹھارہ دن گزر چکے تھے تو فرمایا فصد لینے والے اور فصد کرانے والے کا روزہ ٹوٹ گیا۲؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ،دارمی) شیخ امام محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جن بعض علماء نے فصد کی اجازت دے دی۔ وہ اس کی تاویل یوں کرتے ہیں کہ دونوں قریب الافطار ہو گئے۔ فصد کرانے والا تو ضعف کی وجہ سے اور فصد کرنے والا اس لیے کہ وہ اس سے امن میں نہیں کہ سینگی چوسنے کی وجہ سے اس کے پیٹ میں کچھ پہنچ جائے۳؎

(۱۹۱۵)۱؎ یعنی میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ... کلمات ... سنے یا یہ مطلب ہے

کہ مجھ پر اس دن اللہ کا بڑا فضل تھا کہ میرا ہاتھ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ہی قریب تھا۔لہذا میں نے آپ کے کلمات نہایت صحیح سنے'یا یہ مطلب ہے کہ مجھ پر اس دن اللہ کا بڑا فضل تھا کہ میرا ہاتھ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پکڑا ہوا تھا۔۲؎ یہی مذہب ہے امام احمد و اسحاق کا کہ فصد سے دونوں کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔باقی ائمہ فرماتے ہیں کہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا' کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے روزے میں بارہا فصد کرائی ہے۔لہذا یہ حدیث یا منسوخ ہے یا اس کی تاویل لازم ہے۔چنانچہ علماء نے اس کی بہت تاویلیں کی ہیں۔جن میں سے ایک تاویل وہ ہے جو خود مشکوۃ شریف میں ہی آگے آرہی ہے۔۳؎ فصد لینے والا پہلے نشتر سے عضو پر زخم لگاتا ہے پھر سنگی کا چوڑا حصہ زخم پر رکھ کر اس کا باریک حصہ اپنے منہ میں لے کر زور سے چوستا ہے۔پھر اس سوراخ کو آٹے وغیرہ سے بند کردیتا ہے جس سے عضو کا خون جمع ہوتا رہتا ہے۔خون نکل جانے کی وجہ سے فصد کرانے والا بہت کمزور ہوجاتا ہے۔بسا اوقات فوراً اسے کچھ کھانا پینا پڑتا ہے اور فصد لینے والے کے منہ بلکہ حلق سے بے اختیاری طور پر چوستے وقت کچھ خون پہنچ جاتا ہے۔لہذا حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ یہ دونوں قریب الافطار ہوگئے۔فصد لینے والا تو اس لیے کہ شاید کچھ خون حلق میں اتر گیا ہو اور فصد کرانے والا اس لیے کہ شاید وہ زیادتی کمزوری کی بناء پر کچھ کھانے پینے پر مجبور ہوجائے۔سنگی کو ملازم اس لیے کہتے ہیں کہ وہ زخم سے چپٹ جاتی ہے۔بعض علماء نے فرمایا کہ وہ دونوں صاحب فصد کے وقت غیبتیں بھی کررہے تھے۔اس غیبت کی وجہ سے فرمایا کہ ان کا روزہ جاتا رہا یعنی روزے کا ثواب جاتا رہا۔بعض نے فرمایا کہ وہ دونوں ہی حضرات شام کے وقت افطار کے قریب فصد کا کام کررہے تھے۔تب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا یعنی یہ دونوں افطار کرنے والے ہی تھے تھوڑا اور ٹھہر جاتے غرضیکہ یہ حدیث واجب التاویل ہے اور فصد کرانے والی حدیثوں کے خلاف نہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَفْطَرَ یَوْماً مِنْ رَمَضَانَ مِنْ غَیْرِ رُخْصَةٍ وَّلَا مَرَضٍ لَّمْ یَقْضِ عَنْهُ صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهٖ وَاِنْ صَامَهٗ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِیُّ وَالْبُخَارِیُّ فِیْ تَرْجُمَةِ بَابٍ وَّقَالَ التِّرْمِذِیُّ سَمِعْتُ مُحَمَّدًا یَعْنِی الْبُخَارِیَّ یَقُوْلُ اَبُوْالْمُطَوِّسِ الرَّاوِیْ اَلَا اَعْرِفُ لَهٗ غَیْرَ هٰذَا الْحَدِیْثِ)

(۱۹۱۶) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو رمضان میں بغیر شرعی اجازت اور بغیر بیماری ایک دن کا روزہ نہ رکھے تو اگرچہ پھر عمر بھر روزہ رکھے اس کی قضا نہ کرے گا۱؎ (احمد' ترمذی' ابوداؤد' ابن ماجہ' دارمی) اور بخاری نے ترجمہ باب میں روایت کیا ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت محمد یعنی امام بخاری کو فرماتے سنا کہ ابوالمطوس راوی سے اس حدیث کے سواء اور حدیث مجھے معلوم نہیں۲؎

(۱۹۱۶) ۱؎ یعنی بلاوجہ رمضان میں ایک روزہ بھی نہ رکھنے والا اس کے عوض عمر بھر روزہ رکھے تو وہ درجہ اور ثواب نہ پائے گا جو رمضان میں رکھنے سے پاتا۔اگرچہ شرعاً ایک روزے سے اس کی قضاء ہوجائے گی۔ادائے فرض اور ہے درجہ پانا کچھ اور رخصت سے مراد شرعی اجازت ہے جیسے سفر یا عورت کا حمل یا بچہ کا دودھ پلانا وغیرہ' اس سے معلوم ہوا کہ وقت پر عبادت کر لینا بہت بہتر ہے۔نماز وغیرہ ساری عبادات کا یہی حال ہے۔صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جوانی کی عبادت بڑھاپے کی عبادت سے افضل ہے کہ عبادات کا اصل وقت جوانی ہے۔شعر:

کر جوانی میں عبادت کاہلی اچھی نہیں   جب بڑھاپا آ گیا کچھ بات بن پڑتی نہیں

ہے بڑھاپا بھی غنیمت جب جوانی ہو چکی یہ بڑھاپا بھی نہ ہوگا موت جس دم آ گئی

وقت کی قدر کرو۔اسے غنیمت جانو گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔۲؎ یعنی اس حدیث کی اسناد میں حضرت ابوہریرہ سے روایت کرنے والے راوی ابوالمطوس ہیں۔ان سے صرف یہ ہی ایک حدیث مروی ہے۔ابن خلف قرطبی نے فرمایا کہ یہ حدیث ضعیف ہے مگر خیال رہے کہ ایک اسناد ضعیف ہونے سے متن حدیث کا ضعیف ہو جانا لازم نہیں۔ترمذی کی اسناد میں ابوالمطوس ہیں۔باقی ابوداؤد،ابن ماجہ دارمی و احمد نے مختلف اسنادوں سے یہ حدیث نقل کی۔تعدد اسناد ضعیف حدیث کو قوی کر دیتا ہے۔(مرقات)

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمْ مِنْ صَائِمٍ لَّيْسَ لَهٗ مِنْ صِيَامِهٖ اِلَّا الظَّمَأُ وَكَمْ مِّنْ قَائِمٍ لَّيْسَ لَهٗ مِنْ قِيَامِهٖ اِلَّا السَّهَرُ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ وَذُكِرَ حَدِيْثُ لَقِيْطِ بْنِ صَبِرَةَ فِيْ بَابِ سُنَنِ الْوُضُوْءِ)

(۱۹۱۷) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے روزہ دار وہ ہیں جنہیں روزوں سے پیاس کے سواء کچھ حاصل نہیں ۱؎ اور بہت سے شب خیز وہ ہیں جنہیں شب خیزی میں بے خوابی کے سواء کچھ میسر نہیں ۲؎ (دارمی) اور لقیط ابن صبرہ کی حدیث باب سنن الوضوء میں بیان کر دی گئی۔

(۱۹۱۷) ۱؎ یہ وہ لوگ ہیں جو روزے میں گالی گلوچ، جھوٹ غیبت، بہتان وغیرہ گناہوں سے نہیں بچتے کہ یہ لوگ بھوک، پیاس کی تکلیف تو اٹھاتے ہیں مگر روزہ کا ثواب حاصل نہیں کرتے۔چونکہ روزے میں بمقابلہ بھوک کے پیاس کی تکلیف زیادہ ہوتی ہے۔اس لیے صرف پیاس کا ذکر فرمایا خیال رہے کہ ایسے روزے سے فرض شرعی ادا ہو جائے گا۔ادا اور چیز ہے اس کے شرائط کچھ اور، اور قبولیت دوسری چیز ہے۔اس کے شرائط بھی دوسرے ۲؎ یعنی وہ تہجد خواں جو حضور قلبی کے بغیر تہجد پڑھیں وہ جاگنے کی مشقت تو اٹھا لیتے ہیں مگر اس کا ثواب نہیں پاتے۔اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو مغصوب زمین میں نماز پڑھیں اور نماز میں ممنوعات سے بچیں نہیں اور سنن ومستحبات کا لحاظ نہ رکھیں۔اس فرمان کا منشاء یہ نہیں ہے کہ ایسے لوگ روزہ یا تہجد چھوڑ دیں۔بلکہ مقصد یہ ہے کہ یہ برائیاں چھوڑ دیں۔اللہ تعالٰی انہیں محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں مقبول عبادتوں کی توفیق دے۔ہم کمزور ہیں۔نفس امارہ اور شیطان جیسے قوی دشمنوں میں گھرے ہیں۔اے قوی وقادر ہمیں اپنی امان میں لے لے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثٌ لَا يُفَطِّرْنَ الصَّائِمَ الْحِجَامَةُ وَالْقَيْءُ وَالْاِحْتِلَامُ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَيْرُ مَحْفُوْظٍ وَّعَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنِ زَيْدِ الرَّاوِیْ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيْثِ)

(۱۹۱۸) روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزیں روزہ دار کا روزہ نہیں توڑتیں فصد، قے، احتلام ۱؎ (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غیر محفوظ ہے اور عبدالرحمٰن ابن زید راوی حدیث میں ضعیف مانے جاتے ہیں ۲؎

(۱۹۱۸) ۱؎ اس کی تحقیق پہلے کی جا چکی ہے۔قے سے مراد جو خود بخود ہو جائے۔لہٰذا یہ حدیث گزشتہ اس حدیث کیخلاف نہیں جس میں قے کو روزہ ٹوٹنے کا سبب قرار دیا گیا کیونکہ وہاں وہ قے مراد تھی جو خود کی جائے ۲؎ لہٰذا یہ شاذ بھی ہے اور ضعیف بھی، خیال رہے کہ

یہ حدیث صرف ترمذی کی اسناد میں ضعیف ہے۔ اسے دارقطنی بیہقی ابوداؤد نے بھی روایت کیا۔ ابوحاتم نے کہا کہ ابوداؤد کی روایت اشبہ بالثواب ہے۔ ابوزرعہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بہت ہی صحیح ہے۔ بزار نے سیدنا عبداللہ ابن عباس سے اور طبرانی نے ثوبان سے مرفوعاً روایت کی۔ بزار نے فرمایا حدیث صحیح ہے۔

وَعَنْ ثَابِتِ نِ الْبُنَانِيِّ قَالَ سُئِلَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ كُنْتُمْ تَكْرَهُوْنَ الْحِجَامَةَ لِلصَّائِمِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا اِلَّا مِنْ اَجْلِ الضُّعْفِ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۱۹۱۹) روایت ہے حضرت ثابت بنانی سے۱؎ فرماتے ہیں حضرت انس بن مالک سے پوچھا گیا کہ کیا آپ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں روزہ دار کیلئے فصد ناپسند کرتے تھے۲؎ فرمایا نہیں مگر ضعف کی وجہ سے۳؎ (بخاری)

(۱۹۱۹)۱؎ آپ ثابت ابن اسلم مشہور تابعی ہیں۔ بصرہ کے علماء اعلام میں سے تھے۔ حضرت انس کے ساتھ چالیس سال رہے۔۲؎ صحابہ کرام سے فصد کے متعلق یہ سوالات اس حدیث کی وجہ سے ہوتے تھے جو لوگوں میں مشہور ہو چکی تھی۔ **افطر الحاجم والمحجوم** اس کا مطلب ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۳؎ یعنی چونکہ فصد لینے سے خون نکل جانے کے باعث آدمی کمزور پڑ جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ روزہ پورا نہ کر سکے یا بہت تکلیف اٹھائے۔ اس لیے روزہ میں فصد بہتر نہ جانتے تھے۔ اس حدیث نے گزشتہ حدیث **افطر الحاجم والمحجوم** کی تفسیر کر دی جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔

وَعَنِ الْبُخَارِيِّ تَعْلِيْقًا قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَحْتَجِمُ وَهُوَ صَائِمٌ ثُمَّ تَرَكَهُ فَكَانَ يَحْتَجِمُ بِاللَّيْلِ.

(۱۹۲۰) روایت ہے امام بخاری سے **تعلیقاً**۱؎ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر روزہ کی حالت میں فصد لیتے تھے پھر چھوڑ دی پھر رات میں فصد لیتے تھے۲؎

(۱۹۲۰)۱؎ بغیر اسناد حدیث بیان کرنے کو تعلیق کہتے ہیں۔ تعلیقات بخاری سب مقبول و معتبر ہیں کیونکہ امام بخاری اسی جگہ اسناد چھوڑتے ہیں۔ جہاں انہیں حدیث کی صحت کا یقین ہوتا ہے۔ جب امام بخاری کی تعلیق معتبر ہے۔ تو ثقہ تابعین کا ارسال بھی قبول ہے۔ بلکہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فرما دینا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا بالکل قبول ہے۔ یہ حضرات امام بخاری سے زیادہ رتبہ والے ہیں۔۲؎ اس کا مطلب ظاہر ہے کہ آپ جوانی اور طاقت کے زمانہ میں روزہ میں فصد لے لیتے تھے کہ اس وقت آپ کو ضعف کا اندیشہ نہ تھا۔ پھر بڑھاپے اور کمزوری میں یہ عمل چھوڑ دیا کیونکہ فصد لے کر روزہ پورا کرنا دشوار تھا۔

وَعَنْ عَطَاءٍ قَالَ اِنْ مَضْمَضَ ثُمَّ اَفْرَغَ مَا فِيْ فِيْهِ مِنَ الْمَاءِ لَا يَضِيْرُهُ اَنْ يَّزْدَرِدَ رِيْقَهُ وَمَا بَقِيَ فِيْ فِيْهِ وَلَا يَمْضَغُ الْعِلْكَ فَاِنْ اِزْدَرَدَ رِيْقَ الْعِلْكِ لَا اَقُوْلُ اِنَّهُ يُفْطِرُ وَلٰكِنْ يُنْهٰى عَنْهُ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِيْ تَرْجَمَةِ بَابٍ)

(۱۹۲۱) روایت ہے حضرت عطاء سے فرماتے ہیں اگر کلی کرے پھر منہ کا پانی اگل دے تو اسے تھوک کا اور جو پانی کا اثر اس کے منہ میں رہ گیا ہے اسے نگل جانا مضر نہیں۱؎ اور علک (مصطگی) نہ چبائے۲؎ اگر علک والا تھوک نگل گیا تو میں یہ نہیں کہتا کہ روزہ ٹوٹ جائے گا لیکن اس سے منع کرنا چاہیے۳؎ (بخاری) ترجمہ باب

(۱۹۲۱)۱؎ یعنی روزہ دار کو کلی کر کے تھوک نگلنا جائز ہے۔ اگرچہ اس میں پانی کی ٹھنڈک اور اس کا اثر رہ گیا ہو کیونکہ اس قدر اثر سے بچنا ناممکن ہے۔ اس کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس چیز سے روزہ دار نہ بچ سکے اس سے روزہ نہیں جاتا۔ لہٰذا اگر گرد و غبار دھواں، مکھی مچھر اور

آٹے کی مشین کا اڑتا ہوا آٹا' کلی کے پانی کی تری' روزہ دار کے حلق میں چلی جائے تو اس سے روزہ نہیں جائے گا ۲؎ ملک عرب کا مشہور گوند ہے جسے دانتوں کی صفائی اور مضبوطی کیلئے چبایا جاتا ہے۔ مصطگی کی طرح دانہ دانہ ہوتا ہے۔ ۳؎ خلاصہ یہ ہے کہ روزہ میں گوند مصطگی وغیرہ چبا کر تھوک دینا مکروہ ہے کیونکہ اندیشہ ہے کہ گوند کے کچھ اجزاء حلق میں اتر جائیں۔ گویا اس میں روزہ کو قریب اافطار کر دینا ہے جو شخص یہ چبا کر اچھی طرح تھوک دے۔ پھر تھوک نگلے تو اگرچہ گوند کے کچھ نامعلوم ذرے حلق میں اتر جائیں روزہ نہ جائے گا۔ مسئلہ: عورتوں کیلئے مسواک مکروہ ہے کہ ان کے مسوڑھے کمزور ہوتے ہیں۔ ان کیلئے علک' سکڑا' انگلی' موٹا کپڑا مسواک کے قائم مقام ہے۔ مسئلہ: مردوں کیلئے مسی اور سکڑا ملنا مکروہ ہے کہ اس میں عورتوں سے مشابہت ہے۔

بَابُ صَوْمِ الْمُسَافِرِ — باب مسافر کا روزہ

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

شریعت میں مسافر وہ ہے جو اپنے شہر سے تین منزل یعنی چھتیس کوس (۵۷ میل) کے ارادہ سے نکلے' پھر جب تک وہ گھر لوٹ نہ آئے یا کسی جگہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہ کرے مسافر ہی ہوگا کہ اس پر نماز میں قصر واجب ہوگا اور روزہ قضا کرنے کی اجازت ہو گی۔ امام ابو حنیفہ' مالک' شافعی وثوری رضی اللہ عنہم کے ہاں مسافر کو روزہ رکھنا بہتر ہے اور امام احمد و اوزاعی کے ہاں افطار بہتر' یہ عام حالات میں ہے۔ بعض حالات میں اس پر افطار واجب ہو جاتا ہے جیسے مسافر غازی جب روزہ کی وجہ سے بجائے جہاد کرنے کے دوسرے پر بوجھ بن جائیں (از لمعات)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ حَمْزَةَ بْنَ عَمْرٍو الْاَسْلَمِيَّ قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصُوْمُ فِي السَّفَرِ وَكَانَ كَثِيْرَ الصِّيَامِ فَقَالَ اِنْ شِئْتَ فَصُمْ وَاِنْ شِئْتَ فَاَفْطِرْ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۹۲۲) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ حضرت حمزہ ابن عمر اسلمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کیا میں سفر میں روزہ رکھوں وہ بہت روزے رکھتے تھے ۱؎ تو حضور نے فرمایا اگر چاہو روزہ رکھو اگر چاہو افطار کرو ۲؎ (مسلم بخاری)

(۱۹۲۲) ۱؎ یہاں مرقات نے فرمایا کہ آپ صائم الدھر یعنی ہمیشہ کے روزہ دار تھے چاہتے تھے کہ سفر میں بھی کبھی روزہ نہ چھوڑیں۔ تب یہ سوال کیا۔ سفر میں روزہ رکھنا گناہ تو نہیں۔ شاید آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سن چکے تھے کہ سفر میں روزہ اچھا نہیں۔ اس لیے یہ سوال کیا ۲؎ اس جواب سے اشارۃً معلوم ہو رہا ہے کہ اگرچہ مسافر کو روزہ رکھنے نہ رکھنے کا اختیار ہے مگر عام حالات میں روزہ رکھ لینا بہتر' تاکہ عام مسلمانوں کی موافقت بھی ہو جائے اور رمضان کے بعد قضاء گراں بھی نہ پڑے' کیونکہ سرکار نے روزہ رکھنے کا ذکر پہلے فرمایا خیال رہے کہ اگرچہ مسافر کو روزہ نہ رکھنے کا اختیار ہے' مگر ماہ رمضان کی بے حرمتی کرنے کا اختیار نہیں۔ لہٰذا بازاروں میں اعلانیہ نہ کھائے پیئے' نہ سگریٹ پیتا پھرے بلکہ چھپ کر کچھ کھائے پیئے۔ حیض ونفاس والی عورتوں کا بھی یہی حکم ہے کہ وہ چھپ کر کھائیں پیئں۔

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ قَالَ غَزَوْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِسِتَّ عَشْرَةَ

(۱۹۲۳) روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کیا جبکہ ماہ رمضان

مَضَتْ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ فَمِنَّا مَنْ صَامَ وَمِنَّا مَنْ اَفْطَرَ فَلَمْ يَعِبِ الصَّائِمُ عَلَى الْمُفْطِرِ وَلَاالْمُفْطِرُ عَلَى الصَّائِمِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

کے سولہ دن گزر گئے تھے۱؎ تو ہم میں سے بعض نے روزہ رکھا اور بعض وہ تھے جنہوں نے افطار کیا تو نہ روزہ داروں نے بے روزوں کو عیب لگایا اور نہ بے روزوں نے روزہ داروں کو۲؎ (مسلم)

(۱۹۲۳)۱؎ بعض لوگوں کہتے ہیں کہ اگر کوئی درمیان رمضان میں سفر کرے تو اسے افطار جائز نہیں۔ اس پر روزہ ہی فرض ہے۔ افطار کی اجازت صرف اسے ہے جسے بحالت سفر رمضان شروع ہو۔ اس حدیث میں ان کی کھلی تردید ہے۔ دیکھو سولہ رمضان کو سفر شروع ہوا اور بعض صحابہ نے روزے نہ رکھے۲؎ یہ حدیث بظاہر ان علماء کی دلیل ہے جو سفر میں روزہ رکھنے نہ رکھنے کو یکساں کہتے ہیں۔ کسی کو ترجیح نہیں دیتے، مگر یہ استدلال ضعیف سا ہے کیونکہ یہاں عیب لگانے کی نفی ہے۔ ترک مستحب پر نہ عیب لگایا جاتا ہے نہ اعتراض ہوتا ہے۔ خیال رہے کہ اس غزوہ میں حالات معمول پر ہوں گے ورنہ بحالت جنگ روزہ نہ رکھنا بہتر ہے۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَرَاٰى زِحَامًا وَّرَجُلًا قَدْ ظُلِّلَ عَلَيْهِ فَقَالَ مَا هٰذَا قَالُوْا صَائِمٌ فَقَالَ لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِي السَّفَرِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۹۲۴) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے تو لوگوں کی بھیڑ دیکھی اور ایک شخص کو ملاحظہ کیا جس پر سایہ کیا گیا تھا۱؎ فرمایا یہ کیا ہے لوگوں نے کہا ایک روزہ دار ہے فرمایا سفر میں یوں روزہ رکھنا بھلائی نہیں۲؎ (مسلم بخاری)

(۱۹۲۴)۱؎ ان صاحب کا نام قیس یا قیصر ہے۔ کنیت ابواسرائیل ہے۔ گرمی سخت تھی۔ سفر کی حالت تھی۔ غزوۂ تبوک کا موقع تھا جبکہ لشکر اسلام میں کھانے کی بھی کمی تھی۔ یہ ایک درخت کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے۔ بغیر سحری کا روزہ منہ میں تھا کہ بے ہوش ہو کر گر گئے۔ صحابہ کرام نے اپنی چادروں سے سایہ کرلیا یا ان پر خیمہ لگا دیا کیونکہ عرب کے عام درختوں کا سایہ کافی نہیں ہوا کرتا (از مرقات و لمعات)۲؎ بلکہ برا ہے یا تو الصوم میں الف لام عہد خارجی ہے یا سفر میں یا دونوں میں یعنی ایسے سخت سفر میں ایسا بے سروسامانی کا روزہ بھلائی نہیں بلکہ برا ہے اور رب تعالٰی کے اس فرمان کیخلاف ہے يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (۲:۱۸۵) اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا (کنزالایمان) لہذا یہ حدیث اس کیخلاف نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال سفر میں روزے رکھے۔ یہاں مرقات نے فرمایا کہ صالحین کی خدمت نوافل سے افضل ہے۔ یعنی یہ صاحب اگر روزہ نہ رکھتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی خدمت کرتے۔ اب روزہ رکھ کر خود جلیل القدر صحابہ سے خدمت لینے لگے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي السَّفَرِ فَمِنَّا الصَّائِمُ وَمِنَّا الْمُفْطِرُ فَنَزَلْنَا مَنْزِلًا فِيْ يَوْمٍ حَارٍّ فَسَقَطَ الصَّوَّامُوْنَ وَقَامَ الْمُفْطِرُوْنَ فَضَرَبُوا الْاَبْنِيَةَ وَسَقَوُا الرِّكَابَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَهَبَ الْمُفْطِرُوْنَ الْيَوْمَ بِالْاَجْرِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۹۲۵) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے ہم میں سے بعض روزہ دار تھے۔ بعض بے روزہ ہم گرم دن میں ایک منزل پر اترے روزہ دار تو گر گئے۱؎ اور بے روزہ کھڑے رہے۔ انہوں نے خیمے لگائے اونٹوں کو پانی پلایا۲؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج بے روزہ ثواب لے گئے۳؎ (مسلم بخاری)

(۱۹۲۵)۱؎ یعنی روزہ دار حضرات ضعف کی وجہ سے منزل پر پہنچتے ہی لیٹ گئے۔ کوئی کام نہ کرسکے۔ یہاں گرنے سے مراد بے

ہوش ہو کر گرنا نہیں۔ ورنہ ان پر بھی وہ عتاب ہو جاتا جو پچھلی حدیث میں گزرا۲ اور تمام وہ ضروری کام کیے جو سفروں میں عموماً اور جہاد میں خصوصاً کیے جاتے ہیں۔ لہٰذا یہ سارے کام ثواب ہیں۳ ثواب سے مراد کامل ثواب ہے۔ یعنی روزہ داروں نے تو روزوں کا ثواب پایا، جیسے یہ لوگ بھی بعد رمضان قضاء کر کے حاصل کرلیں گے مگر بے روزوں نے جہاد کی تیاری اور لشکر اسلام کی خدمت کر کے وہ ثواب کما لیا جس کی وہ قضاء نہ کرسکیں گے شعر:

نمازیں گر قضاء ہوں پھر ادا ہوں — نگاہوں کی قضائیں کب ادا ہوں

کیا تمہیں خبر نہیں کہ سیدنا علی مرتضٰی نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند پر نماز عصر قضاء کر دی۔ خیال رہے کہ چونکہ یہ روزہ دار حضرات بقیہ صحابہ پر بوجھ نہ بنے اس لیے ان پر عتاب نہ فرمایا گیا۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِيْنَةِ اِلٰى مَكَّةَ فَصَامَ حَتّٰى بَلَغَ عُسْفَانَ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَرَفَعَهُ اِلٰى يَدِهٖ لِيَرَاهُ النَّاسُ فَاَفْطَرَ حَتّٰى قَدِمَ مَكَّةَ وَذٰلِكَ فِىْ رَمَضَانَ فَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُوْلُ قَدْ صَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَفْطَرَ فَمَنْ شَآءَ صَامَ وَمَنْ شَآءَ اَفْطَرَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَ فِىْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ عَنْ جَابِرٍ اَنَّهٗ شَرِبَ بَعْدَ الْعَصْرِ)

(۱۹۲۶) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے مکہ معظمہ تشریف لے گئے۱ تو روزے رکھتے رہے حتیٰ کہ عسفان پہنچ گئے۲ پھر پانی منگایا تو اسے اپنے ہاتھ میں اٹھایا۳ تاکہ آپ کو لوگ دیکھ لیں۴ پھر افطار فرماتے رہے حتیٰ کہ مکہ معظمہ آگئے۵ اور یہ واقعہ رمضان میں تھا۶ چنانچہ حضرت ابن عباس فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں روزہ بھی رکھا اور افطار بھی کیا ہے تو جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے افطار کرے۷ (مسلم بخاری) مسلم کی روایت میں حضرت جابر سے یوں ہے کہ آپ نے بعد عصر پانی پیا۸

(۱۹۲۶)۱ فتح مکہ کے سال خیال رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر اور فتح مکہ کے موقعوں پر رمضان میں سفر کیا ہے۔ ان دو سفروں کے علاوہ اور کبھی رمضان میں سفر ثابت نہیں (مرقات) وہ جو روایتوں میں آتا ہے کہ ہم ایک بار سخت گرمی میں سفر جہاد میں تھے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سواء ہم میں کوئی روزہ دار نہ تھا۔ وہاں رمضان کا ذکر نہیں۲ عسفان مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ کے راستہ پر دوسری منزل ہے۔ مشہور جگہ ہے۳ یہ الیٰ بمعنی فی ہے جیسے: لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ (۴۔۸۷) وہ ضرور تمہیں اکٹھا کرے گا قیامت کے دن (کنزالایمان) اور ہوسکتا ہے کہ بمعنی مع ہو جیسے من انصاری الی اللہ یا جیسے لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ (۴۔۲) اور ان کے مال اپنے مالوں میں ملا کر نہ کھا جاؤ (کنزالایمان) اور ممکن ہے کہ بمعنی علٰی ہو اور ہوسکتا ہے کہ اپنے ہی معنی میں ہو یعنی انتہاء کیلئے اور اصل عبارت یوں ہو الی مدیدہ یعنی پانی کا پیالہ اپنے ہاتھ میں اٹھایا اپنے ہاتھ پر یا دست مبارک کے ساتھ پیالہ بھی اوپر اٹھایا یا پیالہ ہاتھ میں لے کر ہاتھ پورا بلند کر دیا۔ الحمد للہ عبارت میں کوئی اشکال نہ رہا۴ یہ لوگوں کو دکھانا ماہ رمضان کی بے حرمتی کے لیے نہ تھا بلکہ لوگوں کو مسئلہ بتانے کیلئے کیونکہ وہاں سب ہی مسافر تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسافر راستہ میں مسافروں کے ساتھ رمضان میں علانیہ کھا سکتا ہے۔۵ بعض شارحین نے افطر کے معنی یہ سمجھے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھ کر توڑ دیا۔ اسی بنا پر انہوں نے فرمایا کہ مسافر کو رمضان میں روزہ رکھ کر توڑ دینا بھی جائز ہے مگر یہ غلط ہے افطر کے وہی معنی ہیں جو فقیر نے عرض کیے۔ ورنہ ابھی

حدیثوں میں گزر چکا کہ بعض صحابہ سفر جہاد میں روزہ کی وجہ سے بے ہوش ہوکر گر گئے۔ان پر صحابہ نے سایہ تو کیا مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں روزہ توڑنے کی اجازت نہ دی ۶؎ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کیلئے ۲ رمضان ۸ھ میں بعد عصر مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے (مرقات) اور بیس رمضان کو مکہ معظمہ فتح ہوا۔بعض مورخین نے دسویں رمضان کو روانگی بیان کی ہے ۷؎ بعض شیعہ سفر میں روزہ مطلقًا ناجائز کہتے ہیں اور اس قول کو سیدنا عبداللہ ابن عباس کی طرف منسوب کرتے ہیں مگر یہ درست نہیں۔حضرت ابن عباس کا قول وہ ہے جو یہاں منقول ہوا ۸؎ اس کا مطلب وہ ہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا کہ سرکار نے اس دن روزہ رکھا ہی نہ تھا اس کا اظہار عصر کے بعد اس طرح کیا۔یہ مطلب نہیں کہ روزہ رکھ کر توڑ دیا۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پانی پینا ایک مسئلہ شرعیہ کی عملی تبلیغ تھی نہ کہ ماہ رمضان کی بے حرمتی۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكِ نِ الْكَعْبِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ وَضَعَ عَنِ الْمُسَافِرِ شَطْرَ الصَّلٰوةِ وَالصَّوْمَ عَنِ الْمُسَافِرِ وَ عَنِ الْمُرْضِعِ وَالْحُبْلٰى (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَه)

(۱۹۲۷) روایت ہے حضرت انس ابن مالک کعبی سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی نے مسافر سے آدھی نماز معاف فرمادی ۲؎ اور روزہ مسافر دودھ پلانے والی اور حاملہ سے ۳؎ (ابوداؤد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ)

(۱۹۲۷) ۱؎ یہ انس ابن مالک وہ مشہور انس نہیں جو ابوطلحہ انصاری کے سوتیلے بیٹے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص خادم ہیں۔وہ تو انصاری نجاری خزرجی ہیں۔بہت سی احادیث کے راوی ہیں بلکہ یہ انس ابن مالک عبداللہ ابن کعب کی اولاد سے ہیں۔اسی لیے کعبی کہلاتے ہیں۔ان سے بہت ہی کم احادیث یعنی صرف یہ ہی مروی ہے۔(مرقات) اشعۃ اللمعات میں فرمایا کہ بیس صحابہ کے نام انس ہیں جن میں سے دو کے نام انس بن مالک ہیں۔ایک حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص بہت سی احادیث کے راوی،دوسرے یہ ان کا قیام بصرہ میں رہا ۲؎ اس طرح کہ مسافر پر نماز قصر واجب ہے۔صرف جائز نہیں جیسا کہ ہم مسافر کے باب میں ثابت کر چکے ہیں اور اپنی کتاب جاء الحق حصہ دوم میں بہت دلائل سے بیان کر چکے ہیں ۳؎ یعنی ان تین شخصوں سے روزہ کا فوری وجوب معاف ہو چکا ہے۔اگر چاہیں تو قضا کر دیں۔خیال رہے کہ حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت پر بھی روزے کی قضاء ہی واجب ہے۔وہ فدیہ نہیں دے سکتیں۔یہ ہی ہم احناف کا مذہب ہے۔یہ دونوں اس حکم میں مسافر کی طرح ہیں۔نیز ان دونوں عورتوں کو قضاء کی اجازت جب ہے جبکہ انہیں روزہ سے اپنے بچہ پر خوف ہو۔اشعہ نے فرمایا کہ مالدار عورت جس کا بچہ دودھ پیتا ہو وہ بچہ کیلئے دودھ پلائی رکھے اور خود روزہ رکھے۔

وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْمُحَبَّقِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ لَهٗ حَمُوْلَةٌ تَاْوِیْ اِلٰى شِبَعٍ فَلْیَصُمْ رَمَضَانَ حَیْثُ اَدْرَكَهٗ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۱۹۲۸) روایت ہے حضرت سلمہ ابن محبق سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کے پاس سواری ہو جو اسے بحالت سیری منزل تک پہنچا دے ۲؎ وہ رمضان کے روزے رکھے جہاں پائے ۳؎ (ابوداؤد) ۴؎

(۱۹۲۸)ا؎ آپ خود بھی صحابی ہیں اور آپ کے بیٹے سنان ابن سلمہ بھی صحابی، سنان بڑے پہلوان تھے۔ بہت سے غزوات میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ ۲؎ یعنی آرام و آسائش سے منزل پر افطار سے پہلے پہنچ جائے یا اس کا سامان خوردونوش ساتھ ہو تو وہ سفر میں روزہ قضاء نہ کرے بلکہ تمام مسلمانوں کی موافقت میں روزہ رکھے۔ ۳؎ یہ حکم استحبابی ہے یعنی آرام کے سفر میں روزہ رکھ لینا بہتر ہے۔ قضا کر دینا مناسب نہیں آج کل ریل و موٹر کے سفروں میں تو بہت آسانیاں ہیں۔ ان سفروں میں روزہ رکھنا ہی اچھا ہے۔ ۴؎ اس حدیث کی اسناد میں عبدالصمد ابن حبیب ازدی ہے۔ اکثر محدثین کے ہاں قوی نہیں ہے۔ لہذا یہ حدیث ضعیف ہے مگر فضائل اعمال میں حدیث ضعیف قبول ہے جیسا کہ بارہا عرض کیا گیا۔ یہاں بھی فضیلت عمل ہی کا ذکر ہے یعنی آسان سفر میں روزہ رکھ لینا بہتر ہے لہذا قبول ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ عَامَ الْفَتْحِ اِلٰى مَكَّةَ فِيْ رَمَضَانَ فَصَامَ حَتّٰى بَلَغَ كُرَاعَ الْغَمِيْمِ فَصَامَ النَّاسُ ثُمَّ دَعَا بِقَدَحٍ مِّنْ مَّآءٍ فَرَفَعَهُ حَتّٰى نَظَرَ النَّاسُ اِلَيْهِ ثُمَّ شَرِبَ فَقِيْلَ لَهُ بَعْدَ ذٰلِكَ اِنَّ بَعْضَ النَّاسِ قَدْ صَامَ فَقَالَ اُولٰٓئِكَ الْعُصَاةُ اُولٰٓئِكَ الْعُصَاةُ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۱۹۲۹) روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح کے سال رمضان میں مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوئے ا؎ تو روزے رکھتے رہے حتی کہ کراع الغمیم پہنچ گئے ۲؎ لوگ بھی روزہ دار رہے پھر حضور نے پانی کا پیالہ منگایا اسے اٹھایا حتی کہ آپ کو لوگوں نے دیکھا پھر پیا ۳؎ اس کے بعد حضور سے عرض کیا گیا کہ بعض لوگوں نے روزہ رکھ لیا ۴؎ فرمایا یہ لوگ گنہگار ہیں یہ لوگ گنہگار ہیں ۵؎ (مسلم)

(۱۹۲۹)ا؎ فتح مکہ کیلئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی بھی رمضان میں اور فتح فرمانا بھی رمضان میں، جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ۲؎ یہ مشہور جگہ ہے۔ مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کے درمیان واقع ہے۔ عسفان سے تین میل کے فاصلہ پر چونکہ اس جنگل کا نقشہ بکری کی پنڈلی کی طرح ہے۔ اس لیے اسے کراع کہا جاتا ہے غمیم بمعنی جنگل یعنی بکری کی پنڈلی کے نمونہ کا جنگل ۳؎ یعنی آج تک روزہ رکھا۔ آج سے افطار شروع فرمایا، یہ مطلب نہیں کہ آج روزہ رکھ کر توڑ دیا، جیسا کہ ظاہر ہے۔ ۴؎ یعنی صحابہ کرام میں سے بعض نے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل پر عمل کر کے روزہ نہیں رکھا ہے اور بعض نے اس خیال سے رکھ لیا ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا جائز ہے اور یہ نہ سمجھ سکے کہ اس سفر میں اب سے روزہ نہ رکھنا سنت اور روزہ رکھنا خلاف سنت ہے۔ غرضیکہ ان سے خطائے اجتہادی واقع ہوئی ۵؎ اس جملہ کی تکرار تاکید بلکہ تغلیظ کیلئے ہے، یعنی یہ لوگ یقیناً سخت گنہگار ہیں۔ دو وجہ سے (۱) ایک یہ کہ میری موجودگی میں انہیں اجتہاد نہ کرنا چاہیے تھا بلکہ براہ راست مجھ سے مسئلہ پوچھ لینا چاہیے تھا کیونکہ اجتہاد حدیث نہ مل سکنے پر ہوتا ہے۔ (۲) دوسرے یہ کہ آج سے روزہ نہ رکھنا میری سنت ہو چکا تھا۔ لہذا ان کا روزہ رکھنا خلاف سنت ہوا اور سنت کی مخالفت یقیناً گناہ ہے۔ فقیر کی اس تقریر سے یہ اعتراض بھی اٹھ گیا کہ صحابہ کرام تو فسق سے پاک ہیں پھر وہ حضرات یہ گناہ کیسے کر بیٹھے، کیونکہ ان بزرگوں نے نہ تو گناہ کی نیت سے یہ کام کیا تھا نہ بعد میں اس پر قائم رہے اور فسق کیلئے دونوں چیزیں ضروری ہیں اور یہ اعتراض بھی اٹھ گیا کہ خطائے اجتہادی پر پکڑ نہیں اور نہ وہ گناہ ہے۔ پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں گنہگار کیوں فرمایا، کیونکہ سرکار نے اپنی موجودگی میں ان کے اجتہاد کو گناہ قرار دیا کہ انہیں مجھ سے

پوچھنا چاہیے تھا۔ یہ اعتراض بھی اٹھ گیا کہ سفر میں روزہ رکھنا جائز ہے۔ اس پر وہ حضرات گنہگار کیوں ہو گئے' کیونکہ اس وقت سے افطار کرنا سنت ہو چکا تھا اور سنت کی مخالفت یقیناً گناہ ہے۔ خیال رہے کہ عدم سنت اور ہے اور مخالفت سنت کچھ اور اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ روزہ نماز بذات خود ثواب کا باعث نہیں بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ثواب کا باعث ہے' جو عبادت ان کی اتباع سے خالی ہو جائے وہ گناہ بن جاتی ہے۔ عید کے دن کا روزہ سورج نکلتے ڈوبتے نماز پڑھنا منع ہے۔ ایسے ہی اب ان کیلئے روزہ گناہ ہو گیا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کر جانے پر مکہ معظمہ میں رہنا گناہ ہو گیا تھا۔

وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَائِمُ رَمَضَانَ فِي السَّفَرِ كَالْمُفْطِرِ فِي الْحَضَرِ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

(۱۹۳۰) روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سفر میں رمضان کے روزے رکھنے والا ایسا ہے جیسے گھر میں افطار کرنے والا[1] (ابن ماجہ)

(۱۹۳۰)[1] یہاں السفر میں الف لام عہدی ہے اور اس سے وہ سفر مراد ہے جس میں روزہ ہلاکت یا سخت تکلیف کا باعث ہو یا وہ سفر جہاد مراد ہے جس میں روزہ دار بجائے جہاد کرنے کے دوسرے غازیوں پر بوجھ بن جائے۔ لہٰذا یہ حدیث سفر میں روزہ رکھنے کی احادیث کے خلاف نہیں' یعنی ایسا مسافر سفر میں روزہ رکھنے سے ایسا ہی گنہگار ہو گا جیسے غیر مسافر گھر میں رہ کر بلا عذر روزہ نہ رکھنے پر گنہگار ہوتا ہے۔

وَعَنْ حَمْزَةَ بْنِ عَمْرِو نِ الْاَسْلَمِيِّ اَنَّهٗ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اَجِدُبِيْ قُوَّةً عَلَى الصِّيَامِ فِي السَّفَرِ فَهَلْ عَلَيَّ جُنَاحٌ قَالَ هِيَ رُخْصَةٌ مِّنَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فَمَنْ اَخَذَبِهَا فَحَسَنٌ وَّمَنْ اَحَبَّ اَنْ يَّصُوْمَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۱۹۳۱)[1] روایت ہے حضرت حمزہ ابن عمرو اسلمی سے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اپنے اندر سفر میں روزہ کی طاقت رکھتا ہوں تو کیا مجھ پر گناہ ہے فرمایا وہ تو اللہ عزوجل کی طرف سے رخصت ہے جو اسے قبول کرے تو اچھا ہے اور جو روزہ رکھنا پسند کرے تو اس پر گناہ نہیں[1] (مسلم)

(۱۹۳۱)[1] یہ حدیث گزشتہ احادیث کی تفسیر ہے کہ سفر میں روزہ رکھنے کی بھی اجازت ہے اور نہ رکھنے کی بھی' یہاں ایک اعتراض ہے وہ یہ کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مسافر کو روزہ نہ رکھنا بہتر' رکھنا خلاف اولیٰ' کیونکہ سرکار نے نہ رکھنے کو حسن فرمایا اور رکھنے کو لَا جُنَاحَ جواب یہ ہے کہ عرب کے سفر خصوصاً گرمی کے موسم کے عموماً دشوار ہوتے تھے اور ان میں روزہ سخت تکلیف کا باعث' بعض لوگ اندازہ میں غلطی کر کے روزہ رکھ لیتے تھے اور پھر بڑی مشقت جھیلتے تھے۔ اس لیے فرمایا گیا کہ ان حالات میں روزہ نہ رکھنا ہی بہتر' لہٰذا یہ حدیث اس حدیث کیخلاف نہیں جس میں روزے کو افضل قرار دیا گیا۔ ورنہ عام حالات میں بحالت سفر روزہ رکھ لینا ہی بہتر ہے۔

بَابُ الْقَضَآءِ — باب روزہ کی قضا

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

ظاہر یہ ہے کہ قضاء سے روزوں کی قضا مراد ہے جیسا کہ اس موقع سے اور آئندہ حدیثوں سے معلوم ہو رہا ہے خیال رہے کہ ہر عبادت کی قضاء بہت جلد کر لینا چاہیے کیونکہ موت کی خبر نہیں' حتیٰ کہ اگر حائضہ یا مسافر کے پانچ روزے قضاء ہو گئے۔ پھر حائضہ پاک ہونے اور مسافر گھر آنے کے تین دن بعد فوت ہو گئے تو ان تین دن کی پکڑ میں آ جائیں گے رب کی پناہ۔

عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ كَانَ يَكُوْنُ عَلَيَّ الصَّوْمُ مِنْ رَمَضَانَ فَمَا اَسْتَطِيْعُ اَنْ اَقْضِيَ اِلَّا فِيْ شَعْبَانَ قَالَ يَحْيٰى بْنُ سَعِيْدٍ يَعْنِي الشُّغْلُ مِنَ النَّبِيِّ اَوْبِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۹۳۲) روایت ہے' حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں مجھ پر رمضان کے روزے ہوتے تھے [1] تو میں سوائے شعبان کے قضا نہ کر سکتی تھی [2] یحیی ابن سعید نے فرمایا آپ کی مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مشغولیت ہے [3] (مسلم بخاری)

(۱۹۳۲) [1] جو نسائی عوارض یا بیماری کی وجہ سے رہ جاتے تھے پہلے معنے زیادہ مناسب ہیں [2] یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات شریف میں رمضان کے روزوں کی قضاء شعبان سے پہلے نہ کر سکتی تھی' کہ وہ آخری مہینہ ہوتا تھا' جس کے بعد دوسرا رمضان ہوتا تھا' یا ماہ شعبان میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر روزے رکھتے تھے' اس لئے میں فراغت پا لیتی تھی [3] اس جملہ کا مطلب ہے کہ دس ماہ میں ہر وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے تیار رہتی تھی کہ نہ معلوم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کس وقت شرف قربت فرمائیں اس لئے روزہ قضا نہ کرتی تھی' معلوم ہو رہا ہے کہ ام المومنین ان دس ماہ میں نفلی روزے بھی نہ رکھتی تھیں جب فرض قضا نہ کر سکتی تھیں' تو نفل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ خاوند کو حق ہے کہ ایک عورت کی باری کے دن میں دوسری عورت سے صحبت کرے' کیونکہ باری صرف رات کے قیام کی ہوتی ہے نہ کہ صحبت کی دوسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت دیگر عبادات سے افضل ہے' دیکھو عائشہ صدیقہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لئے نفلی روزے نہ رکھتی تھیں' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اکثر روزہ دار رہتی تھیں تیسرے یہ کہ ام المومنین کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتا دینے سے معلوم تھا کہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں وفات نہ پاؤں گی۔ اگر آپ کو اپنی وفات کا ہر دم خطرہ رہتا تو آپ پر قضا بہت جلد کرنا ضروری ہوتا جیسے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج فرض ہونے پر پہلے سال حج نہ کیا' کیونکہ آپ کو اپنی زندگی کا یقین تھا' ہم پر فرض ہوتے ہی کر لینا ضروری ہے' تاخیر گناہ ہے۔ چوتھے یہ کہ ایک سال کے رمضان کی قضا دوسرے رمضان آنے سے پہلے ضرور کر لینا چاہیے شعبان میں ضروری کر لے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَحِلُّ لِلْمَرْاَةِ اَنْ تَصُوْمَ وَزَوْجُهَا شَاهِدٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ وَلَا تَاذَنَ فِيْ بَيْتِهٖ اِلَّا بِاِذْنِهٖ

(۱۹۳۳) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کسی عورت کو نہ تو یہ درست ہے کہ جب اس کا خاوند موجود ہو تو اس کی بغیر اجازت روزہ رکھے [1] نہ یہ کہ

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ) اس کی بلا اجازت اس کے گھر میں کسی کو آنے دے۲؎ (مسلم)

(۱۹۳۳) ۱؎ یعنی خاوند جب گھر پر ہو تو اس کی صریحی یا عرفی اجازت کے بغیر نہ نفلی روزے رکھے نہ نفلی اعتکاف کرے کیونکہ مرد کو دن میں صحبت کرنے کا حق ہے اور اس کا روزہ یا اعتکاف اس حق کو روک دے گا۔لہٰذا حق والے سے اجازت لے لے۔اس حکم سے، نذر منتیں اور رمضان کے روزے علیحدہ ہیں کہ وہ حق شرع ہیں۔اگر عورت نے بغیر خاوند کی اجازت نفلی روزہ رکھ لیا تو وہ اس سے تڑوا کر صحبت کرسکتا ہے جس کی قضا واجب ہوگی۔اسی لیے صاحب مشکوٰۃ یہ حدیث باب القضاء میں لائے فقیر کی اس تقریر سے بہت سے اعتراضات اٹھ گئے۔حدیث واضح ہوگئی۔خیال رہے کہ عورت کو نفل نماز سے منع نہیں فرمایا گیا کیونکہ وہ تھوڑی دیر میں ہو جاتی ہے۔اس سے خاوند کا حق صحبت نہیں مارا جاتا ۲؎ یعنی خاوند کی ناراضگی پر کسی مرد و عورت، اجنبی یا قریبی کو گھر میں آنے کی اجازت نہ دے۔فقہاء فرماتے ہیں کہ خاوند عورت کو اس کے ماں باپ سے ملنے سے نہیں روک سکتا۔ہاں انہیں اپنے گھر میں آنے سے روک سکتا ہے۔عورت وہاں جا کر ملے۔اس کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

وَعَنْ مُعَاذَةَ الْعَدَوِيَّةِ أَنَّهَا قَالَتْ لِعَائِشَةَ مَا بَالُ الْحَائِضِ تَقْضِي الصَّوْمَ وَلَا تَقْضِي الصَّلٰوةَ قَالَتْ عَائِشَةُ كَانَ يُصِيْبُنَا ذٰلِكَ فَنُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّوْمِ وَلَا نُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّلٰوةِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۱۹۳۴) روایت ہے حضرت معاذہ عدویہ سے کہ انہوں نے حضرت عائشہ سے عرض کیا کہ حائضہ کا کیا حال ہے کہ وہ روزہ تو قضاء کرتی اور نماز قضا نہیں کرتی ۱؎ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ یہ عارضہ ہم کو آتا تھا تو ہم کو روزہ کی قضاء کا حکم دیا جاتا تھا اور نماز کی قضاء کا حکم نہیں دیا جاتا تھا ۲؎ (مسلم)

(۱۹۳۴) ۱؎ یعنی نماز بھی فرض ہے روزہ بھی فرض اور حیض و نفاس دونوں سے مانع، پھر نماز کی قضا کیوں نہیں ہوتی اور روزے کی کیوں ہوتی ہے۔معلوم ہوا کہ احکام شرعیہ کی عقلی حکمتیں پوچھنا برا نہیں۔ہاں احکام شرعیہ پر اعتراض کرنا گناہ ہے۔فقیر نے ایک کتاب لکھی اسرار الاحکام، اس میں احکام شریعت و طریقت کی عقلی حکمتیں بیان کی ہیں ۲؎ سبحان اللہ کیسا ایمان افروز جواب ہے کہ مجھے عقلی حکمتوں سے غرض نہیں۔ہم تو حکم کے تابع ہیں۔چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے کی قضاء کا حکم دیا۔نماز کی قضاء کا نہیں دیا۔اس لیے یہ فرق ہوگیا۔ہمیں عقلی حکمتوں سے کیا غرض، بیمار طبیب کے نسخے پینے کی کوشش کرتا ہے۔دواؤں کے اوزان سوچنے میں وقت ضائع نہیں کرتا۔فقہاء فرماتے ہیں کہ روزے کی قضا میں ندرت ہے کہ سال میں سات آٹھ روزے قضاء کرنے پڑتے ہیں۔اس لیے اس میں دشواری نہیں اور قضائے نماز میں کثرت ہے کہ ہر مہینہ سات آٹھ دن کی فی دن پانچ نمازیں قضاء کرنی پڑتیں یعنی چالیس بلکہ بعض کو پچاس نمازیں اس میں بہت دشواری ہوتی۔اس لیے نمازوں کی قضا نہیں۔روزوں کی ہے۔واللہ ورسولہ اعلم

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صَوْمٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهٗ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۹۳۵) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مر گیا اور اس پر روزے تھے تو اس کی طرف سے اس کا ولی روزے ادا کرے ۱؎ (مسلم بخاری)

(۱۹۳۵) ۱؎ یعنی جس شخص پر رمضان یا نذر کا روزہ قضا ہوگیا پھر اسے قضا کرنے کا موقع ملا، مگر قضا نہ کیا کہ مرگیا، تو اس کا ولی وارث اس کی طرف سے روزہ ادا کردے۔امام احمد کے ہاں اس طرح کہ روزے رکھ دے اور باقی تمام اماموں کے ہاں اس طرح کہ

روزوں کا فدیہ دے دے۔ چند وجہوں سے ایک یہ کہ رب تعالٰی فرماتا ہے: وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ (۲:۱۸۴) اور جنہیں اس کی طاقت نہ ہو وہ بدلہ دیں ایک مسکین کا کھانا (کنزالایمان) جو روزہ کی طاقت نہ رکھیں ان پر فدیہ ہے اور میت بھی طاقت نہیں رکھتا۔ دوسرے یہ کہ خود حدیث شریف میں صراحۃً وارد ہوا کہ الا الا یصوم احد عن احد و لا یصلین احد عن احد کوئی کسی کی طرف سے نہ روزہ رکھے نہ نماز پڑھے جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ تیسرے یہ کہ خود صحابہ کرام کا فتوے یہ رہا کہ میت کی طرف سے روزوں کا فدیہ دیا جاوے۔ روزہ رکھا نہ جائے۔ دیکھو مرقات چوتھے یہ کہ قیاس شرعی بھی یہ ہی چاہتا ہے کیونکہ نماز بمقابلہ روزہ زیادہ اہم وضروری ہے، مگر میت کی طرف سے کوئی نمازیں نہیں پڑھتا تو روزے کیسے رکھ سکتا ہے۔ محض بدنی عبادت خود ہی کرنی پڑتی ہے۔ دوسرے سے نہیں کرائی جاتی۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ مَّاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامُ شَهْرِ رَمَضَانَ فَلْيُطْعَمْ عَنْهُ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مِّسْكِيْنٌ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ وَالصَّحِيْحُ اَنَّهٗ مَوْقُوْفٌ عَلَى ابْنِ عُمَرَ)

(۱۹۳۶) روایت ہے حضرت نافع سے وہ حضرت ابن عمر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا جو مر جائے اور اس پر ماہ رمضان کے روزے ہوں تو اسکی طرف سے ہر دن کی جگہ ایک مسکین کو کھلا دیا جائے۱ (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا کہ صحیح یہ ہے کہ یہ ابن عمر پر موقوف ہے۲

(۱۹۳۶)۱؎ یہ حدیث گزشتہ حدیث کی تفسیر ہے کہ وہاں ولی کے روزہ رکھنے سے مراد حکمی روزہ تھا یعنی ادائے فدیہ فقہاء فرماتے ہیں کہ میت کی نمازوں کا بھی فدیہ دے دیا جائے کیونکہ نماز روزے سے زیادہ اہم ہے۔ حیلہ اسقاط کی اصل یہ حدیث ہے۔ اس حیلہ کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں ملاحظہ فرمایئے۔ ۲؎ اگر چہ حدیث موقوف ہی صحیح ہے، مگر یہ موقوف حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام کے وہ اقوال جو عقل سے وراء ہوں وہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتے ہیں کہ صحابی نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ہی یہ فرمایا ہے۔ عقل کی اس میں گنجائش نہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

عَنْ مَّالِكٍ بَلَغَهٗ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يُسْئَلُ هَلْ يَصُوْمُ اَحَدٌ اَوْ يُصَلِّيْ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ فَيَقُوْلُ لَا يَصُوْمُ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ وَّلَا يُصَلِّيْ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ (رَوَاهُ فِي الْمُؤَطَّا)

(۱۹۳۷) روایت ہے حضرت مالک سے انہیں روایت پہنچی کہ حضرت عمر سے پوچھا جاتا تھا کہ کیا کوئی کسی کی طرف سے روزہ رکھ دے یا نماز پڑھ دے تو فرماتے تھے کہ نہ کوئی کسی کی طرف سے روزہ رکھے اور نہ کسی کی طرف سے نماز پڑھے۱ (موطا)

(۱۹۳۷)۱؎ اس حدیث کی تائید آیات قرآنیہ کر رہی ہیں۔ رب تعالٰی فرماتا ہے: وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (۵۳:۳۹) اور یہ کہ آدمی نہ پائے گا مگر اپنی کوشش (کنزالایمان) اور فرماتا ہے: لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (۲:۲۸۶) اس کا فائدہ ہے جو اچھ

کمایا اور اس کا نقصان جو برائی کمائی (کنزالایمان) جس سے معلوم ہوا کہ سعی اور کسب یعنی بدنی عبادات خود بندے ہی کو کرنا ہوں گی۔دوسرے سے نہیں کرا سکتا۔حدیث کا مطلب یہ ہے کہ زندگی میں یا بعد موت کوئی شخص کسی کی طرف سے محض بدنی عبادتیں روزہ نماز وغیرہ نہیں ادا کرسکتا۔نسائی شریف میں حضرت ابن عباس سے بعینہ یہ فتویٰ نقل فرمایا'عبدالرزاق نے حضرت ابن عمر سے یہ قول نقل کیا۔امام مالک نے فرمایا کہ میں نے کسی صحابی تابعی کے متعلق یہ نہ سنا کہ کسی نے کسی کی طرف سے نماز یا روزہ ادا کردینے کی اجازت دی ہو۔یہ گفتگو نماز و روزے میں نیابت کے متعلق ہے۔رہا ان عبادات کا ثواب بخشنا'وہ باتفاق اہل سنت بالکل جائز ہے(مرقات)اس کی تحقیق ہماری کتاب جاءالحق حصہ اول میں ملاحظہ فرمایئے۔

بَابُ صِيَامِ التَّطَوُّعِ — باب نفلی روزے

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

تطوع طوع سے بنا بمعنی رغبت وخوشی'رب تعالٰی فرماتا ہے: قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ (۱۱:۴۱) دونوں نے عرض کیا ہم رغبت کے ساتھ حاضر ہوئے (کنزالایمان)نفلی عبادات کو تطوع اس لیے کہا جاتا ہے کہ بندہ وہ کام اپنی خوشی سے کرتا ہے۔رب تعالٰی نے اس پر فرض نہ کی۔یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کسی مہینہ میں مسلسل اتنے روزے رکھتے کہ ہم گمان کرتے یا اے مخاطب تو گمان کرتا کہ آپ اس ماہ بالکل افطار نہ کریں گے اور کسی مہینہ میں مسلسل اتنا افطار فرماتے کہ معلوم ہوتا اس مہینہ میں آپ روزہ کوئی نہ رکھیں گے۔غرضیکہ روزہ نفلی میں آپ ہیشگی نہ کرتے تھے۔

عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يُفْطِرُ حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يَصُوْمُ وَمَارَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَكْمَلَ صِيَامَ شَهْرٍ قَطُّ اِلَّا رَمَضَانَ وَمَا رَاَيْتُهٗ فِيْ شَهْرٍ اَكْثَرَ مِنْهُ صِيَامًا فِيْ شَعْبَانَ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَتْ كَانَ يَصُوْمُ شَعْبَانَ كُلَّهٗ وَكَانَ يَصُوْمُ شَعْبَانَ اِلَّا قَلِيْلًا

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۹۳۸)روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزے رکھتے رہتے حتی کہ ہم کہتے افطار نہ کریں گے اور افطار کرتے رہتے حتی کہ ہم کہتے روزے نہ رکھیں گے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھا کہ سوائے رمضان کسی مہینے کے پورے روزے رکھے ہوں۱ اور میں نے حضور کو شعبان سے زیادہ کسی مہینہ میں روزے رکھتے نہ دیکھا۲ ایک روایت میں یوں ہے۔فرماتی ہیں کہ قریباً سارے شعبان کے روزے رکھتے تھے اور بجز تھوڑے دنوں کے سارے شعبان کے روزے رکھتے۳ (مسلم بخاری)

(۱۹۳۸)۱یہ کلی حکم ہے جس سے کوئی مہینہ مستثنیٰ نہیں کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے ماہ رمضان کسی مہینہ کے مکمل روزے کبھی نہ رکھے۲یعنی آپ رمضان کے علاوہ باقی تمام مہینوں میں روزے ضرور رکھتے تھے مگر شعبان میں زیادہ رکھتے تھے۔فی شھر اکثر کی ضمیر سے حال ہے اور فی شعبان منہ کی ضمیر سے حال'یا یہ دونوں ظرف ہیں۔۳اس عبارت کا دوسرا جملہ پہلے جملہ کی تفسیر ہے۔یعنی کل شعبان سے مراد قریباً کل ہے چونکہ شعبان رمضان کا پڑوسی ہے۔اس لیے وہ بھی حرمت والا ہے۔نیز اس مہینہ میں رمضانی عبادات کی

تیاری کرنا چاہیے۔اس لیے اس ماہ میں نفلی نماز روزے کثرت سے ادا کرنا بہتر ہے۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ شَقِيقٍ قَالَ قُلْتُ لِعَآئِشَةَ اَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ شَهْرًا كُلَّهُ قَالَتْ مَا عَلِمْتُهُ صَامَ شَهْرًا كُلَّهُ اِلَّا رَمَضَانَ وَلاَ اَفْطَرَهُ كُلَّهُ حَتّٰى يَصُوْمَ مِنْهُ حَتّٰى مَضٰى لِسَبِيْلِهِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۱۹۳۹)روایت ہے حضرت عبداللہ ابن شقیق سے فرماتے ہیں میں نے حضرت عائشہ سے کہا کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی مہینہ کے پورے روزے بھی رکھتے تھے؟ بولیں مجھے خبر نہیں کہ رمضان کے سواء کسی اور پورے مہینے کے روزے رکھے ہوں یا کسی مہینہ کا پورا افطار کیا ہو۔ ہر مہینہ میں کچھ روزے رکھتے تھے۲ حتیٰ کہ اپنی راہ تشریف لے گئے (مسلم)

(۱۹۳۹)۱چونکہ حضرت عائشہ صدیقہ خصوصیت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمدم وہمراز تھیں اور آپ کے ہر حال پر نگاہ رکھتی تھیں۔ساتھ ہی بڑی فقیہ و عالمہ بھی تھیں۔اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اندرونی و بیرونی حالات زیادہ تر آپ ہی سے پوچھے جاتے تھے۔۲حتی یصوم میں حتیٰ بمعنی کے ہے یعنی کسی مہینہ میں سارا افطار اس لیے نہ کیا تاکہ ہر ماہ میں بعض دن روزے رکھنا سنت ہوں اور ہوسکتا ہے کہ حتیٰ انتہائے غایت کا ہو مگر اس میں بہت تکلیف ہے (مرقات) ۳یہ حتیٰ تینوں جملوں کی انتہا ہے اور اپنی راہ تشریف لے جانے سے مراد وفات پا جانا ہے۔

وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ سَاَلَهُ اَوْ سَاَلَ رَجُلاً وَعِمْرَانَ يَسْمَعُ فَقَالَ يَا اَبَا فُلاَنٍ اَمَا صُمْتَ مِنْ سَرَرِ شَعْبَانَ قَالَ لاَ قَالَ فَاِذَا اَفْطَرْتَ فَصُمْ يَوْمَيْنِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۹۴۰)روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا یا کسی اور سے پوچھا اور عمران سن رہے تھے تو حضور نے فرمایا اے ابوفلان کیا تم نے آخر ماہ شعبان کے روزے نہ رکھے۱ وہ بولے نہیں فرمایا جب یہ روزے رکھ چکو تو دو دن روزے رکھ لینا۲ (مسلم بخاری)

(۱۹۴۰)۱سرر و اسرار مہینہ کے اول دنوں کو بھی کہتے ہیں۔درمیانی کو بھی اور آخر کو بھی' مگر زیادہ آخری رات کو کہا جاتا ہے۔کیونکہ اس میں چاند بالکل چھپا ہوتا ہے۔بعض لوگوں نے یہاں اول یا درمیانی مہینہ مراد لیا ہے۔کیونکہ شعبان کی آخری تاریخ میں روزہ منع ہے۔جیسا کہ گزر چکا مگر لمعات' اشعۃ اللمعات و مرقات وغیرہ نے فرمایا کہ یہاں آخری کے معنی ہی میں ہے یہ صاحب ہر مہینہ کے آخر روزہ رکھنے کے عادی تھے یا اسکی منت مان چکے تھے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت سن کر انہوں نے شعبان کے آخر میں روزہ نہ رکھا۔تب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا۲ یعنی ہماری ممانعت ان لوگوں کیلئے ہے جو صرف شعبان کے آخر میں روزے رکھیں۔تم چونکہ ہر ماہ کے آخر میں دو روزوں کے عادی ہو یا نذر مان چکے ہو اس لیے تم بعد عید اس کے عوض دو روزے رکھ لینا (لمعات و مرقات) اس شرح سے حدیث بالکل واضح ہوگئی اور اس پر کوئی اعتراض نہ رہا۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ رَمَضَانَ شَهْرُ اللّٰهِ الْمُحَرَّمُ وَاَفْضَلُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ صَلٰوةُ

(۱۹۴۱)روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رمضان کے بعد افضل روزے اللہ کے مہینہ محرم کے ہیں۱ اور فرض کے بعد افضل نماز رات کی نماز ہے۲

اللَّيْلِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) (مسلم)

(۱۹۴۱)؁ ظاہر یہ ہے کہ محرم سے مراد عاشورہ کا دن ہے نہ کہ سارا ماہ محرم' ورنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کے روزے زیادہ رکھا کرتے ۔ چونکہ عاشورہ کا دن محرم میں واقع اور عاشورہ میں بڑے اہم واقعات ہو چکے ہیں۔ آدم علیہ السلام کی توبہ کی قبولیت نوح علیہ السلام کی کشتی کا جودی پہاڑ پر ٹھہرنا۔ یعقوب علیہ السلام کا اپنے فرزند یوسف علیہ السلام سے ملنا۔ فرعون کا غرق اور موسیٰ علیہ السلام کی نجات ایوب علیہ السلام کی شفا۔ یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ سے باہر آنا وغیرہ عاشورہ ہی کے دن ہوئے ۔ بعد میں شہادت امام حسین اور قیامت کا آنا اسی دن میں ہونے والا تھا۔ اس لیے سارے محرم کو اللہ کا مہینہ فرمایا گیا یعنی اللہ کے محبوبوں کا مہینہ کہ جو اللہ کے بندوں کا ہو جائے وہ اللہ کا ہو جاتا ہے اور جس دن یا جس مہینہ میں کوئی اہم کام ہوا ہو' اس میں عبادتیں کرنا بہتر ہے۔ لہٰذا ربیع الآخر کی گیارہویں' ربیع الاول کی بارہویں' رجب کی ستائیسویں افضل تاریخیں ہیں اور ان میں عبادات' روزہ' نوافل' میلاد شریف وغیرہ کرنا بہت بہتر ہے۔ یہ حدیث بہت سے صوفیانہ و عالمانہ مسائل کا ماخذ ہے۔ صوفیائے کرام بہت سے اعمال کی زکوۃ عاشورہ کے دن ادا کرتے ہیں۔ اسکی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں دیکھئے ۔؂ فرض سے مراد نماز پنجگانہ ہے۔ مع سنن موکدہ اور وتر کے اور رات کی نماز سے مراد تہجد ہے یعنی فرائض' وتر اور سنن موکدہ کے بعد درجہ نماز تہجد کا ہے کیوں نہ ہو کہ اس نماز میں مشقت بھی زیادہ ہے اور خصوصی حضور بھی غالب' یہ نماز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھی۔ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ (۱۷'۷۹) اور رات کے کچھ حصے میں تہجد کرو یہ خاص تمہارے لئے زیادہ ہے (کنزالایمان) رب تعالیٰ نے تہجد پڑھنے والوں کے بڑے فضائل بیان فرمائے تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ (۳۲'۱۶) ان کی کروٹیں جدا ہوتی ہیں خواب گاہوں سے (کنزالایمان) اور فرماتا ہے: وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا (۲۵'۶۴) اور وہ جو رات کاٹتے ہیں اپنے رب کے لئے سجدے اور قیام میں (کنزالایمان) وغیرہ فقیر کی وصیت ہے کہ ہر مسلمان ہمیشہ تہجد پڑھے اور اس نماز کا ثواب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہدیہ کر دیا کرے بلکہ انہی کی طرف سے ادا کیا کرے۔ انشاء اللہ وہاں سے بہت کچھ ملے گا۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَارَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَحَرّٰى صِيَامَ يَوْمٍ فَضَّلَهٗ عَلٰى غَيْرِهٖ إِلَّا هٰذَا يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ وَهٰذَا الشَّهْرَ يَعْنِىْ شَهْرَ رَمَضَانَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۹۴۲) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھا کہ آپ کسی دن کے روزوں کو دوسرے دنوں پر بزرگی دے کر تلاش کرتے ہوں؂ سوائے اسی دن یعنی عاشوراء کے دن اور اس مہینے یعنی ماہ رمضان کے؂ (مسلم بخاری)

(۱۹۴۲)؁ یعنی اس کو بہت بہتر بھی سمجھتے ہوں اور مبالغہ سے اس کی جستجو بھی کرتے ہوں اور سال بھر تک اس کا انتظار فرماتے ہوں یعنی آپ کا انتظار اور تلاش کرنا اتفاقاً نہ تھا بلکہ ان کو سب سے افضل بیان کرنا تھا۔؂ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنوں میں عاشورے کے دن کو بہت افضل جانتے تھے اور مہینوں میں رمضان کے مہینہ کو' عاشورے کی افضلیت کے وجوہ ابھی عرض کیے گئے۔ ماہ رمضان نزول قرآن کا مہینہ ہے۔ اس میں شب قدر ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ اس کا آخری عشرہ اعتکاف کا زمانہ ہے۔ اس مہینہ میں جبریل امین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرآن کریم کا دور فرمایا کرتے تھے۔ نیز اس مہینہ میں دوزخ بند رہتی ہے۔ جنت کے دروازے کھلے رہتے ہیں۔ شیطان قید ہو جاتے ہیں۔ اس لیے یہ مہینہ دوسرے مہینوں سے افضل ہے۔ خیال رہے کہ قریش عاشورہ کا

روزہ رکھتے تھے اور ہجرت سے پہلے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی عمل تھا۔ہجرت کے بعد اسلام میں اس دن کا روزہ فرض ہوا۔ پھر رمضان کی فرضیت سے اس روزے کی فرضیت تو منسوخ ہوگئی مگر سنیت اور استحباب اب بھی باقی ہے۔ یہاں مرقات نے فرمایا کہ صوم عاشورہ کا افضل اور یوم عرفہ کا افضل یعنی نویں ذی الحجہ کہ وہ حج کا دن ہے لہٰذا یہ حدیث عرفہ کی افضلیت کی حدیث کیخلاف نہیں۔

وَعَنْهُ قَالَ حِيْنَ صَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ وَاَمَرَ بِصِيَامِهٖ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهٗ يَوْمٌ يُعَظِّمُهُ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَئِنْ بَقِيْتُ اِلٰى قَابِلٍ لَاَصُوْمَنَّ التَّاسِعَ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۱۹۴۳)روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کے دن کا روزہ رکھا اور اس کے روزے کا حکم دیا۱ تو صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ یہ وہ دن ہے جس کی یہود و عیسائی تعظیم کرتے ہیں۲ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ہم سال آئندہ زندہ رہے تو نویں محرم کا بھی روزہ رکھیں گے۳ (مسلم)

(۱۹۴۳)۱پہلے وجوبی حکم دیا اور فرضیت رمضان کے بعد استحبابی، واقعہ یہ ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد ہجرت یہود مدینہ کو روزہ رکھتے پایا۔ان سے اس کی وجہ پوچھی۔ وہ بولے کہ اس دن اللہ تعالٰی نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات دی کہ اسے غرق کیا۔سرکار نے فرمایا نحن احق بموسٰی منکم بمقابلہ تمہارے موسیٰ علیہ السلام کا ہم پر زیادہ حق ہے۔ یہ فرما کر عاشورہ کا روزہ مسلمانوں پر فرض کردیا۔ پھر روزہ رمضان سے اس کی فرضیت تو منسوخ ہوگئی مگر حضور استحباباً خود بھی یہ روزہ رکھتے رہے اور صحابہ کو بھی حکم دیتے رہے۔تب وہ واقعہ پیش آیا جو یہاں مذکور ہے۔۲ لہٰذا اگر ہم بھی عاشورے کی تعظیم کریں گے تو اہل کتاب سے مشابہت ہو جائے گی اور کفار سے مشابہت اسلام میں حرام ہے۔ یہ عرض معروض ۱۰ھ میں ہوئی (مرقات) ۳ یعنی یہود و نصاریٰ کی مشابہت سے اس طرح بچ جائیں گے کہ وہ صرف عاشورے کا ایک روزہ رکھتے ہیں اور ہم نویں محرم کا بھی روزہ رکھ کر دو کرلیا کریں گے۔ یعنی مشابہت کے خوف سے نیکی بند نہ کریں گے۔ بلکہ اس میں زیادتی کر کے فرق کر دیا کریں گے، مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اگلے سال تک تشریف فرما نہ رہے۔ بلکہ اسی سال ربیع الاول میں وفات پا گئے۔فقہاء فرماتے ہیں کہ اب سنت یہی ہے کہ عاشورے کے دو روزے رکھے۔ سنت قولی تو صراحۃً ہے اور سنت فعلی ارادۃً اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ بزرگوں کی یادگاریں قائم کرنا شرک یا حرام نہیں بلکہ رکن اسلام ہے۔نماز پنجگانہ کی رکعتیں بقرعید کی نماز و قربانی اور حج کے سارے ارکان یادگار انبیاء ہی ہیں (علیہم اسلام) دیکھو ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول لہٰذا عرس، میلادشریف، گیارہویں پاک سب افضل چیزیں ہیں۔ دوسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم باذن الٰہی احکام کے مالک ومختار ہیں۔ عاشورے کے روزے کی کوئی آیت موجود نہیں۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب چاہا فرض ہو گیا اور جب چاہا مستحب ہوگیا۔تیسرے یہ کہ حدیث قرآن سے منسوخ ہوسکتی ہے۔ دیکھو عاشورے کا روزہ حدیث سے ثابت تھا اور اس کا نسخ رمضان سے ہوا جو قرآن سے ثابت ہے۔ چوتھے یہ کہ کفار سے ہر تشبہ برا نہیں بلکہ بری باتوں میں یا ان چیزوں میں تشبہ حرام ہے۔ جسے اسلام نے ان کا قومی یا مذہبی نشان قرار دیا ہو تشبہ اور اشتراک میں بڑا فرق ہے۔ دیکھو ۱۰ھ تک حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورے کا ایک ہی روزہ رکھا اور صحابی کے عرض کرنے پر بھی اس روزے کو حرام نہ کہا پانچویں یہ کہ تھوڑے فرق سے تشبہ اٹھ جاتا ہے۔تشبہ کے بہانے سے عبادات بند نہ کرو۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو میلادشریف کو کنہیا جنم سے اور نیاز فاتحہ کو کنا گتوں سے تشبیہ دے کر حرام کہتے ہیں۔اللہ سچی سمجھ عطا فرمائے چھٹے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی وفات کا علم تھا کہ اس سال ہو جائے گی۔

اسی لیے صرف اس موقع پر اگر فرمایا یہ اگر اپنے شک کیلئے نہیں بلکہ اوروں کو شک میں رکھنے کیلئے جیسے ربّ تعالٰی فرماتا ہے:اِنْ یَّعْلَمِ اللّٰہُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ خَیْرًا(۸:۷۰)اگر اللہ نے تمہارے دل میں بھلائی جانی (کنزالایمان)

وَعَنْ اُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ اَنَّ نَاسًا تَمَارَوْا عِنْدَهَا يَوْمَ عَرَفَةَ فِي صِيَامِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ بَعْضُهُمْ هُوَ صَائِمٌ وَّقَالَ بَعْضُهُمْ لَيْسَ بِصَائِمٍ فَاَرْسَلْتُ اِلَيْهِ بِقَدَحِ لَّبَنٍ وَّهُوَ وَاقِفٌ عَلٰى بَعِيْرِهٖ بِعَرَفَةَ فَشَرِبَهٗ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۹۴۴) روایت ہے حضرت ام الفضل بنت حارث سے۱؎ کہ کچھ لوگوں نے ان کے پاس عرفہ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روزے کے متعلق گفتگو کی بعض نے کہا کہ حضور روزہ دار ہیں اور بعض نے کہا کہ حضور روزہ دار نہیں۲؎ تو ام الفضل نے ایک پیالہ دودھ حضور انور کی خدمت میں بھیجا جبکہ آپ عرفات میں اپنے اونٹ پر قیام فرما تھے تو آپ نے پی لیا۳؎ (مسلم بخاری)

(۱۹۴۴)۱؎ آپ کا نام لبابہ ہے۔حضرت عباس کی بیوی عبداللہ ابن عباس و فضل ابن عباس کی والدہ ہیں۔ام المؤمنین حضرت میمونہ کی بہن ہیں۔آپ کے حالات پہلے بیان ہو چکے۲؎ یہ واقعہ حجۃ الوداع میں عرفہ کے دن ہوا جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم عرفات میں قیام فرما تھے۔خیال رہے کہ یہاں صیام مصدر ہے جمع نہیں۔جیسے قیام کبھی مصدر ہے کبھی جمع صیام صوم کی جمع بھی آئی ہے۔اور صائم کی بھی اور مصدر بھی۳؎ سبحان اللہ ام الفضل کی فراست پر قربان جاؤں کہ آپ نے نہایت آسانی سے ان کا جھگڑا ختم کر دیا اور دودھ بھیجا۔کیونکہ وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ مرغوب تھا۔فقہاء فرماتے ہیں کہ عرفہ کا روزہ غیر حاجی کیلئے سنت ہے۔حاجی کیلئے سنت نہیں۔بلکہ ایسے کمزور کو جو روزہ رکھ کر ارکان حج ادا نہ کر سکے مکروہ ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اونٹ پر دودھ پینا اسی کے اظہار کیلئے تھا۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَارَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَائِمًا فِي الْعَشْرِ قَطُّ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۱۹۴۵) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بقرعید کے عشرہ میں کبھی روزہ رکھتے نہ دیکھا۱؎ (مسلم)

(۱۹۴۵)۱؎ اس میں ام المؤمنین اپنے علم کی نفی کر رہی ہیں نہ کہ اصل روزے کی۔لہٰذا یہ حدیث نسائی کی اس روایت کے خلاف نہیں کہ آپ نویں بقرعید کو روزہ رکھتے تھے۔نیز سرکار نے فرمایا کہ بقرعید کے پہلے عشرے کا ہر روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر ہے اور اس میں ہر رات کا قیام شب قدر کے قیام کے برابر ہے۔امام غزالی فرماتے ہیں کہ بعد رمضان بقرعید کے پہلے عشرے کی عزت ہے خیال رہے کہ اگر نفی اور ثبوت کی احادیث میں تعارض ہو تو ثبوت والی احادیث کو ترجیح ہوتی ہے۔(مرقات)

وَعَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ اَنَّ رَجُلًا اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَيْفَ تَصُوْمُ فَغَضِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قَوْلِهٖ فَلَمَّا رَاٰى عُمَرُ غَضَبَهٗ قَالَ رَضِيْنَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَّبِيًّا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَغَضَبِ رَسُوْلِهٖ فَجَعَلَ عُمَرُ يُرَدِّدُ هٰذَا الْكَلَامَ حَتّٰى سَكَنَ

(۱۹۴۶) روایت ہے حضرت ابوقتادہ سے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا آپ روزے کیسے رکھتے ہیں تو اس کی بات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے۱؎ جب حضرت عمر نے آپ کی ناراضی دیکھی تو عرض کیا ہم اللہ کی ربوبیت اسلام کے دین ہونے اور محمد مصطفٰی کے نبی ہونے سے راضی ہیں ہم اللہ و رسول کے غضب سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۲؎

غَضَبُهٗ فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ مَنْ يَّصُوْمُ الدَّهْرَ كُلَّهٗ قَالَ لَا صَامَ وَلَا اَفْطَرَ اَوْ قَالَ لَمْ يَصُمْ وَلَمْ يُفْطِرْ قَالَ كَيْفَ مَنْ يَّصُوْمُ يَوْمَيْنِ وَيُفْطِرُ يَوْمًا قَالَ وَيُطِيْقُ ذٰلِكَ اَحَدٌ قَالَ كَيْفَ مَنْ يَّصُوْمُ يَوْمًا وَّيُفْطِرُ يَوْمًا قَالَ ذٰلِكَ صَوْمُ دَاوٗدَ قَالَ كَيْفَ مَنْ يَّصُوْمُ يَوْمًا وَّيُفْطِرُ يَوْمَيْنِ قَالَ وَدِدْتُّ اَنِّيْ طُوِّقْتُ ذٰلِكَ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثٌ مِّنْ كُلِّ شَهْرٍ وَّ رَمَضَانُ اِلٰى رَمَضَانَ فَهٰذَا صِيَامُ الدَّهْرِ كُلِّهٖ صِيَامُ يَوْمِ عَرَفَةَ اَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُّكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِيْ قَبْلَهٗ وَالسَّنَةَ الَّتِيْ بَعْدَهٗ وَصِيَامُ يَوْمِ عَاشُوْرَآءَ اَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُّكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِيْ قَبْلَهٗ

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عمر یہ بار بار کہتے رہے حتیٰ کہ حضور کی ناراضی جاتی رہی۳ پھر حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ جو ساری عمر روزے رکھے وہ کیسا فرمایا نہ اس نے روزے رکھے نہ افطار کیا یا فرمایا نہ روزہ رکھ سکا اور نہ افطار کر سکا۴ عرض کیا جو دو دن روزے رکھے اور ایک دن افطار کرے وہ کیسا فرمایا کیا کوئی اس کی طاقت رکھتا ہے۵ عرض کیا جو ایک دن روزہ اور ایک دن افطار کرے وہ کیسا فرمایا یہ داؤد علیہ السلام کے روزے ہیں۶ عرض کیا جو ایک دن روزہ رکھے اور دو دن افطار کرے وہ کیسا فرمایا میری تمنا ہے کہ مجھے یہ طاقت ملتی۷ پھر فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر ماہ میں تین دن کے روزے اور رمضان سے رمضان تک کے روزے ساری عمر کے روزے ہیں۸ عرفہ کے دن کا روزہ مجھے اللہ کے کرم پر امید ہے کہ ایک سال اگلے اور ایک سال پچھلے کا کفارہ ہو جائے۹ اور عاشورہ کے دن روزہ مجھے اللہ کے کرم پر امید ہے کہ پچھلے سال کا کفارہ بنا دے (مسلم)

(۱۹۴۶)۱؎ چند وجہ سے یہ ناراضی ہوئی۔ایک یہ کہ سوال میں بے ادبی کا شائبہ ہے سائل کو چاہیے کہ اپنے متعلق سوال کرے نہ کہ مفتی کے بارے میں، انہیں پوچھنا چاہیے تھا کہ میں کس طرح روزے رکھا کروں۔ دوسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات مختلف تھے۔آپ کبھی زیادہ روزے رکھتے تھے کبھی کم، تو جواب دشوار تھا۔تیسرے یہ کہ بہت سے نیک اعمال حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کم کرتے تھے تاکہ امت پر دشواری نہ ہو۔ان پر آسانی رہے چوتھے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ اسلام حقوق ازواج اور سلطنت کے انتظام، مہمانوں کی تواضع میں زیادہ مشغول رہتے تھے، جس کی وجہ سے روزے کبھی کم رکھتے تھے۔ پانچویں یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے روزے سن کر انہیں کم سمجھتا، جیسے بعض لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہ سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادات سن کر انہیں کم جانا (مرقات واشعہ ولمعات) ۲؎ یعنی میں سارے مسلمانوں کی طرف سے عرض کرتا ہوں کہ ہم سے جو بے ادبیاں سرزد ہو جاتی ہیں ان کی وجہ یہ نہیں کہ ہمیں آپ کے مراتب کا انکار ہے بلکہ محض درباری آداب سے ناواقفیت کی بنا پر ہے۔اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا شعر:

سرکار ہم گنواروں میں طرز ادب کہاں ہم کو تو بس تمیز یہی بھیک بھر کی ہے

مرقات نے یہاں فرمایا کہ چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی پر ربّ تعالیٰ بھی ناراض ہو جاتا ہے اس لیے جناب عمر نے اللہ کے غضب کا بھی ذکر کیا۔خیال رہے کہ اللہ رسول کے غضب سے سوائے ربّ کی بارگاہ کے کہیں پناہ نہیں مل سکتی ۳؎ معلوم ہوا کہ عاجزی اور خوشامد بڑی اکسیر ہے۔شعر:

عجز کار انبیاء و اولیاء ست عاجزی محبوب درگاہ خدا ست

۴؎ ایسا شخص ہمیشہ دن میں کھانے سے محروم رہا اور روزوں کا ثواب بھی نہ پا سکا۔کیونکہ سال میں پانچ دن روزے منع تھے۔وہ ان دنوں

میں بھی روزے رکھ گیا۔ گنہگار ہوا یا یہ حکم اس کے متعلق ہے جو ہمیشہ کے روزوں پر قادر نہ ہو۔ بہت مشقت اٹھا کر اور نفس کو ہلاکت میں ڈال کر روزے رکھے اور ان روزوں کی وجہ سے حق والوں کے حقوق ادا نہ کر سکے۔ لہٰذا یہ حدیث اس کیخلاف نہیں کہ حضرت ابوطلحہ انصاری اور حمزہ ابن عمرو اسلمی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں ان پانچ دنوں کے سواء ہمیشہ روزے رکھتے تھے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مطلع ہونے پر منع نہ کیا۔ نیز بیہقی شریف میں ہے کہ جو ہمیشہ روزے رکھے۔ اس پر دوزخ ایسی تنگ ہو جائے گی جیسے نوے کا عدد کہ کلمے کی انگلی کا کنارہ انگوٹھے کی جڑ میں لگا دیا جائے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ یہ تنبیہ ان لوگوں کیلئے ہے جو ہمیشہ روزے رکھنے کی وجہ سے ایسے عادی ہو جائیں کہ انہیں روزے میں تکلیف محسوس ہو (لمعات و مرقات) لہٰذا امام اعظم ابوحنیفہ کا چالیس سال مسلسل روزے رکھنا اس عتاب کی زد میں نہیں آتا ۵؎ یعنی عام لوگوں پر بھی دشوار ہے۔ اس سے بھی لوگوں کے سارے کاروبار بند ہو جائیں گے۔ اس جواب سے معلوم ہو رہا ہے کہ ممانعت کی وجہ لوگوں کی کمزوری ہے۔ اگر کسی میں ہمیشہ روزے رکھنے کی طاقت ہو جس سے اس کا کوئی کام بند نہ ہو تو اس کیلئے وہی افضل ہے ۶؎ یعنی آپ ہمیشہ یوں ہی روزے رکھتے تھے۔ یہ بہتر طریقہ ہے یا یہ مطلب ہے کہ عوام پر یہ بھی مشکل ہے۔ یہ تو داؤد علیہ السلام ہی تھے جو اس طرح روزے رکھ گئے۔ دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہو رہا ہے اور دوسری حدیثیں پہلے معنی کی تائید کرتی ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین روزے داؤد علیہ السلام کے ہیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ عمل اتنا کرو جو تمہیں علم سے نہ روکے' اور علم میں اتنے مشغول نہ ہونا جو تمہیں اعمال سے روکے' درمیانی چال اچھی ہے ۷؎ یعنی مجھ پر امت کا بوجھ' ازواج کے حقوق' مملکت کے انتظامات نہ ہوتے تو میں اسی طرح روزے رکھا کرتا۔ اگر میں ایسے روزے رکھنے لگوں تو کمزور مسلمان بھی اس سنت پر عمل کرنے لگیں' جس سے ان کے کاروبار بند ہو جائیں گے۔ یہاں طاقت رکھنے سے مراد موقع پانا ہے۔ لہٰذا یہ حدیث اس کیخلاف نہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم روزہ وصال رکھا کرتے تھے کہ وہ ہمیشہ نہ رکھتے تھے کبھی کبھی' پھر بھی صحابہ کو اس سے منع فرما دیا۔ لہٰذا اس عبادت سے کوئی دھوکہ نہ کھائے اور یہ نہ سمجھے کہ نعوذ باللہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کمزور تھے اور آپ میں ان روزوں کی بھی طاقت نہ تھی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلامانِ غلام حضرت بایزید بسطامی نے ایک بار تین سال تک پانی نہ پیا۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں صاحب قدس سرہ نے ایک بار انتیس دن کچھ نہ کھایا اور کسی کام میں فرق نہ آیا۔ یہ واقعہ مجھے میرے مرشد برحق صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب نے فرمایا۔ ہر مہینہ کی تیرھویں' چودھویں' پندرہویں' تاریخ کے روزے رکھ لیے جائیں اور پورے ماہ رمضان کے روزے رکھے جائیں تو اس سے ساری عمر کے روزوں کا ثواب مل جاتا ہے۔ رب تعالٰی فرماتا ہے کہ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا(۶'۱۶۰) جو ایک نیکی لائے تو اس کے لئے اس جیسی دس ہیں (کنزالایمان) جب ایک کا دس ملتا ہے تو انشاء اللہ تین روزوں میں تیس کا ثواب ملے گا۔ اس حساب سے ساری عمر کے روزے ہو جائیں گے۔ یہ سب رحمتیں اس رحمت والے محبوب کے صدقہ سے ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم ۸؎ پہلے عرض کیا جا چکا کہ یہ صیام مصدر ہے نہ کہ صوم یا صائم کی جمع یعنی ذی الحجہ کی نو تاریخ کا روزہ اگلے پچھلے دو سال کے صغیرہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور اگر گناہ صغیرہ نہ ہوں تو درجے بلند کر دیتا ہے۔ گناہ کبیرہ بغیر توبہ اور بندوں کے حق بغیر ادا کیے معاف نہیں ہوتے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ آئندہ ایک سال کے گناہ مٹانے کے معنی یہ ہیں کہ اسے گناہ سے بچنے کی توفیق مل جاتی ہے۔ خیال رہے کہ یہ حدیث غیر حاجیوں کیلئے ہے۔ حاجی کیلئے عرفات میں اس دن روزہ نہ رکھنا بہتر ہے ۹؎ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عاشورے کا دن عرفے کے دن سے بعض اعتبار سے افضل ہے۔ لہٰذا یہ حدیث گزشتہ

حدیث کےخلاف نہیں جس میں عاشورے کے دن کی افضلیت بیان کی گئی۔

وَعَنْهُ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ الْاِثْنَيْنِ فَقَالَ فِيْهِ وُلِدْتُّ وَ فِيْهِ اُنْزِلَ عَلَيَّ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۱۹۴۷) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیر کے روزے کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا[۱] اس دن میں ہم پیدا ہوئے اور اسی دن ہم پر قرآن اتارا گیا[۲] (مسلم)

(۱۹۴۷)[۱] یا تو پوچھا گیا کہ اس دن میں روزہ رکھنا کیسا ہے اور اس کا کیا ثواب ہے' یا یہ کہ یا رسول اللہ آپ ہر پیر کو روزہ کیوں رکھتے ہیں۔اس میں کیا خصوصیت ہے (مرقات و لمعات)[۲] یعنی پیر کے دن دنیا کو دو نعمتیں ملیں۔ایک میری تشریف آوری اور دوسرے نزول قرآن کی ابتداء کہ غارحرا میں پہلی وحی اقرا باسم الایہ پیر کے دن ہی آئی۔لہٰذا اس دن روزہ رکھنا بہت ہی بہتر ہے۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے۔ایک یہ کہ وقت اور جگہ اشرف واقعات کی وجہ سے اشرف ہو جاتے ہیں۔(مرقات) دوسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کریمہ اللہ تعالٰی کی بڑی ہی نعمت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نعمتوں میں شمار کیا۔رب تعالٰی نے صرف اس نعمت پر من فرما کر احسان جتایا کہ فرمایا: لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ (۳:۱۶۴) بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر (کنزالایمان) تیسرے یہ کہ اہم واقعات کی یادگاریں منانا سنت سے ثابت ہے۔چوتھے یہ کہ یادگاریں کھیل کود نہ ہونا چاہیے بلکہ عبادتیں ہوں۔اس لیے میلاد شریف' عید معراج' عرس وغیرہ کا ثبوت ہوتا ہے۔پانچویں یہ کہ امام مالک کے ہاں پیر کا دن جمعہ سے بھی افضل ہے۔ان کی دلیل یہ حدیث بھی ہے۔

وَعَنْ مُعَاذَةَ الْعَدَوِيَّةِ اَنَّهَا سَاَلَتْ عَائِشَةَ اَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ قَالَتْ نَعَمْ فَقُلْتُ لَهَا مِنْ اَيِّ اَيَّامِ الشَّهْرِ كَانَ يَصُوْمُ قَالَتْ لَمْ يَكُنْ يُبَالِيْ مِنْ اَيِّ اَيَّامِ الشَّهْرِ يَصُوْمُ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۱۹۴۸) روایت ہے حضرت معاذہ عدویہ سے کہ انہوں نے حضرت عائشہ سے پوچھا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر مہینہ میں تین دن روزے رکھتے تھے۔فرمایا ہاں میں نے عرض کیا کہ مہینہ کے کون سے حصہ میں روزے رکھتے تھے فرمایا اس کی پروا نہ کرتے تھے کہ کس حصہ میں روزہ رکھیں[۱] (مسلم)

(۱۹۴۸)[۱] چونکہ حضرت عائشہ صدیقہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حال نگاہ میں رکھتی تھیں۔اس لیے سرکار کے حالات زیادہ تر ام المومنین ہی سے پوچھے جاتے تھے۔خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مہینہ میں مختلف روزے رکھتے تھے۔کبھی زیادہ کبھی کم' مگر تین دن سے کم کبھی نہ رکھتے تھے۔اکثر تیرہویں' چودھویں' پندرھویں کے روزے رکھتے تھے۔کبھی ان کے علاوہ اور تاریخوں میں بھی' لہٰذا یہ حدیث اس حدیث کےخلاف نہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان تین تاریخوں میں روزے رکھتے تھے کیونکہ وہاں اکثری حالت کا ذکر ہے۔اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ ان تین روزوں کی تاریخوں میں دس قول ہیں۔

وَعَنْ اَبِيْ اَيُّوْبَ الْاَنْصَارِيِّ اَنَّهُ حَدَّثَهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ اَتْبَعَهُ سِتًّا مِّنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۱۹۴۹) روایت ہے حضرت ابو ایوب انصاری سے انہوں نے خبر دی[۱] کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو رمضان کے روزے رکھے پھر اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے[۲] تو ساری عمر کے روزوں کی طرح ہوگا[۳] (مسلم)

(۱۹۴۹)۱؎ اپنے سے نیچے راوی کو یعنی اپنے شاگرد ابن عمرو ابن ثابت کو انہوں نے یہ حدیث بیان کی جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۲؎ مسلسل یا متفرق افضل اس طرح کہ عید کے سویرے ایک روزہ رکھ لے۔ باقی پانچ روزے پورے مہینے میں کچھ فاصلہ کرتے ہوئے رکھ لے۔۳؎ کیونکہ سال میں دن تقریباً تین سو ساٹھ ہوتے ہیں اور ہر نیکی کا ثواب دس گنا تو رمضان کے تیس روزے تین سو بن گئے اور یہ چھ روزے ساٹھ ہو گئے۔ خیال رہے کہ یہ حدیث اس روایت کیخلاف نہیں جس میں ارشاد ہوا کہ ہر مہینہ میں تین روزے عمر بھر کے روزے ہیں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ان روزوں کا بھی یہی ثواب ہوا اور ان کا بھی یہی، ثواب ایک لیکن اس کے حاصل کرنے کے ذریعے بہت۴؎ مرقات نے فرمایا کہ یہ حدیث قریباً تیس صحابہ سے مروی ہے۔ ترمذی نے اسے حسن فرمایا، باقی انتیس اسنادیں اس کی نہایت صحیح ہیں۔ چنانچہ اسے طبرانی، بزار، ابن ماجہ، نسائی، ابن خزیمہ، ابن حبان، احمد، بیہقی وغیرہ کتب نے ابوہریرہ، جابر، ثوبان، براء ابن عازب، ابن عباس، سعد ابن سعید، ابوایوب انصاری اور حضرت عائشہ صدیقہ سے روایتیں کیں۔ اس حدیث کوضعیف کہنا سخت غلطی ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ یَوْمِ الْفِطْرِ وَالنَّحْرِ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

(۱۹۵۰) روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید وقربانی کے دنوں میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا۱؎ (مسلم بخاری)

(۱۹۵۰)۱؎ نحر کے دن سے تشریق کے سارے دن مراد ہیں۔ چونکہ ان میں سے اکثر میں قربانی ہوتی ہے۔ اس لیے تغلیباً ان سب کونحر کا دن فرما دیا۔ دسویں ذی الحجہ صرف قربانی کا دن ہے۔ گیارہویں، بارہویں قربانی کا دن بھی ہے اور تشریق کا بھی، اور تیرہویں صرف تشریق کا دن ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ سال میں پانچ دن روزہ رکھنا حرام ہے۔ یکم شوال اور دسویں گیارہویں بارہویں تیرہویں ذی الحجہ۔ مسئلہ: جوشخص ان دنوں میں روزے کی نذر مان لے تو دوسرے اماموں کے ہاں وہ نذر ہی درست نہیں اور امام اعظم کے ہاں نذر صحیح ہے مگر اس کی قضاء واجب۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَاصَوْمَ فِیْ یَوْمَیْنِ الْفِطْرِ وَالْاَضْحٰی مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ

(۱۹۵۱) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دو دن روزہ جائز نہیں عید و بقرعید۱؎ (مسلم بخاری)

(۱۹۵۱)۱؎ دو دن سے مراد دوقسم کے دن ہیں اور بقرعید سے مراد دسویں ذی الحجہ سے مع تین دن بعد والے جیسا کہ اگلی حدیث سے معلوم ہو رہا ہے غرضیکہ یہ حدیث مجمل ہے جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

وَعَنْ نُبَیْشَةَ الْهُذَلِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیَّامُ التَّشْرِیْقِ اَیَّامُ اَکْلٍ وَّ شُرْبٍ وَّ ذِکْرِ اللّٰهِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۱۹۵۲) روایت ہے حضرت نبیشہ ہذلی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریق کا زمانہ کھانے اور پینے اور اللہ کے ذکر کا زمانہ ہے۱؎ (مسلم)۲؎

(۱۹۵۲)۱؎ بقرعید کے تین دن بعد تک یعنی ۱۳ تاریخ تک اہل عرب قربانی کے گوشت سکھاتے تھے۔ اس لیے ان دنوں کوتشریق یعنی سکھانے اور دھوپ دکھانے کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ چار دن بندوں کی مہمانی کے ہیں۔ جن میں رب تعالیٰ میزبان بندے مہمان اس لیے ان دنوں میں روزہ رکھنا گویا رب تعالیٰ کی دعوت سے انکار، اس زمانہ میں خوب کھاؤ خوب پیؤ اور خوب اللہ کا ذکر کرو۔ یہ حدیث گزشتہ حدیث کی تفصیل ہے جس نے بتایا کہ وہاں بقرعید سے مراد یہ چاروں دن تھے۲؎ احمد، طبرانی، دارقطنی، ابن ابی شیبہ

وغیرہم نے مختلف الفاظ سے روایتیں کیں، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ کے زمانہ میں اعلان کراتے تھے۔صحابہ منیٰ کے بازار میں شور کرتے پھرتے تھے کہ خبردار ایام تشریق میں روزے نہ رکھنا یہ دن کھانے پینے اور اللہ کے ذکر کے ہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَصُوْمُ اَحَدُكُمْ یَوْمَ الْجُمُعَةِ اِلَّا اَنْ یَّصُوْمَ قَبْلَهٗ اَوْ یَصُوْمَ بَعْدَهٗ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

(۱۹۵۳) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی جمعہ کے دن روزہ نہ رکھے۱ مگر یہ کہ اس کے آگے پیچھے بھی روزہ رکھے۲ (مسلم بخاری)

(۱۹۵۳)۱یعنی نفلی روزہ صرف جمعہ کا نہ رکھے یا جمعرات جمعہ یا جمعہ ہفتہ دو دن روزے رکھے۔اس کی تحقیق آگے آ رہی ہے۲فتح القدیر میں ہے کہ امام ابوحنیفہ و امام محمد کے ہاں صرف جمعہ کا روزہ جائز ہے۔یہ ممانعت تنزیہی ہے۔وہ بھی بعض صورتوں میں جیسا کہ اگلی حدیث میں آ رہا ہے۔نفلی روزہ صرف جمعہ کا نہ رکھنا بہتر اس کی وجہ اللہ رسول ہی جانتے ہیں۔ہوسکتا ہے کہ چونکہ یہ دن غسل کرنے کپڑے بدلنے، خطبہ سننے نماز جمعہ پڑھنے وغیرہ عبادات کا ہے۔ممکن ہے روزے کی وجہ سے بندہ یہ کام بخوبی انجام نہ دے سکے۔جیسے حاجی کیلئے عرفے کے دن روزہ رکھنا بہتر نہیں کہ وہ اس دن روزہ رکھ کر آج کے کام اچھی طرح نہ کر سکے گا۔شارحین نے اور بہت سی وجہیں بیان کی ہیں لیکن یہ وجہ زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے۔بعض نے فرمایا کہ یہود کے ہاں ہفتہ کا دن افضل ہے اور عیسائیوں کے ہاں اتوار بہتر، وہ لوگ ان دنوں میں روزے رکھتے ہیں۔اگر مسلمان اپنے افضل دن یعنی صرف جمعہ کا روزہ رکھیں تو ان سے مشابہت ہو جائے گی۔واللہ اعلم

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَخْتَصُّوْا لَیْلَةَ الْجُمُعَةِ بِقِیَامٍ مِّنْ بَیْنِ اللَّیَالِیْ وَلَا تَخْتَصُّوْا یَوْمَ الْجُمُعَةِ بِصِیَامٍ مِّنْ بَیْنِ الْاَیَّامِ اِلَّا اَنْ یَّكُوْنَ فِیْ صَوْمٍ یَّصُوْمُهٗ اَحَدُكُمْ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۱۹۵۴) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جمعہ کی رات کو دیگر راتوں میں شب بیداری سے خاص نہ کرو۱ اور جمعہ کے دن کو دیگر دنوں میں روزے سے خاص نہ کرو۲ مگر یہ جمعہ اس تاریخ میں آ جائے جس میں کوئی روزہ رکھتا ہو۳ (مسلم)

(۱۹۵۴)۱اس طرح کہ صرف اسی رات میں عبادت کو لازم کرلو یا سمجھ لو۔دوسری راتوں میں بالکل ہی غافل رہو۔بلکہ اور راتوں میں بھی عبادت کیا کرو۔اس توجیہ پر حدیث بالکل صاف ہے۔یعنی جمعہ کی رات میں عبادت کرنا منع نہیں۔بلکہ اور راتوں میں بالکل عبادت نہ کرنا مناسب نہیں کہ یہ غفلت کی دلیل ہے۔چونکہ جمعہ کی رات ہی زیادہ عظمت والی ہے۔اندیشہ تھا کہ لوگ اس کو نفلی عبادتوں سے خاص کرلیں گے۔اس لیے اسی رات کا نام لیا گیا۲ کیونکہ جمعہ ہفتہ بھر کی عید ہے۔صرف عید میں روزہ رکھنا کیسا، لمعات میں امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ کوئی فقیہ صرف جمعہ کے روزے کو منع نہیں کرتا بلکہ بعض فقہاء ارادۃً جمعہ ہی کا روزہ رکھتے ہیں (اشعہ) خلاصہ یہ کہ تمام فقہاء کے ہاں یہ حدیث خلاف اولی کیلئے ہے کیونکہ آگے صراحۃً حدیث میں آ رہا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کو بہت کم افطار کرتے۔روزہ ہی رکھتے تھے۳ مثلاً کوئی شخص ہر گیارہویں یا بارہویں تاریخ کو روزہ رکھنے کا عادی ہو اور اتفاق سے اس دن جمعہ آ جائے تو رکھ لے۔اب خلاف اولی بھی نہیں۔بعض لوگ مخصوص تاریخوں میں خاص عبادتیں کرنے کو منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اپنی طرف سے عبادت یا دن مقرر کرنا حرام ہے اور ان دو حدیثوں کی آڑ پکڑتے ہیں۔الحمدللہ اس جملے نے ان کے خیال کو باطل کر

دیا۔ صاف بتا دیا کہ جمعہ کا روزہ مقرر کرنے کی وجہ سے حرام نہیں ہوا۔ بلکہ اس کی وجوہ کچھ اور ہیں جو پہلے عرض کی گئیں۔ ورنہ یہ تاریخوں کا مقرر کرنا کیوں درست ہوتا۔ اس کی پوری بحث اس جگہ مرقات میں ملاحظہ فرمائیے۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ یَوْماً فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بَعَّدَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ عَنِ النَّارِ سَبْعِیْنَ خَرِیْفاً (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

(۱۹۵۵) روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اللہ کی راہ میں ایک دن روزہ رکھے تو اللہ اسے آگ سے ستر سال کی راہ دور رکھے گا[۱] (مسلم بخاری)

(۱۹۵۵)[۱] عربی میں خریف موسم خزاں کو کہتے ہیں۔ چونکہ اہل عرب اپنے کاروبار میں اس موسم سے سال شروع کرتے ہیں۔ اس لیے اس سے پورا سال بھی مراد لے لیتے ہیں۔ وہی یہاں مراد ہے اور حدیث بالکل اپنے ظاہر پر ہے۔ روزے سے نفلی روزہ مراد ہے۔ اسی لیے صاحب مشکوٰۃ یہ حدیث نفلی روزے کے باب میں لائے یعنی بندہ مسلم اگر نفلی روزہ رکھے اور اللہ قبول کرے تو دوزخ میں جانا تو کیا وہ دوزخ سے قریب بھی نہ ہوگا اور وہاں کی ہوا بھی نہ پائے گا۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا عَبْدَاللّٰهِ اَلَمْ اُخْبَرْ اَنَّكَ تَصُوْمُ النَّهَارَ وَتَقُوْمُ اللَّیْلَ فَقُلْتُ بَلٰی یَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَلَا تَفْعَلْ صُمْ وَاَفْطِرْ وَقُمْ وَنَمْ فَاِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَیْكَ حَقاً وَّاِنَّ لِعَیْنِكَ عَلَیْكَ حَقاً وَّاِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَیْكَ حَقاً وَّاِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَیْكَ حَقًّا لَا صَامَ مَنْ صَامَ الدَّهْرَ صَوْمُ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ مِّنْ كُلِّ شَهْرٍ صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهٖ صُمْ كُلَّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ اَیَّامٍ وَّاقْرَءِ الْقُرْاٰنَ فِیْ كُلِّ شَهْرٍ قُلْتُ اِنِّیْ اُطِیْقُ اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ صُمْ اَفْضَلَ الصَّوْمِ صَوْمَ دَاوٗدَ صِیَامَ یَوْمٍ وَّاِفْطَارُ یَوْمٍ وَّاقْرَاْ فِیْ كُلِّ سَبْعِ لَیَالٍ مَرَّةً وَّلَا تَزِدْ عَلٰی ذٰلِكَ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

(۱۹۵۶) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے فرماتے ہیں فرمایا مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے عبداللہ کیا مجھے یہ خبر نہ ملی کہ تم ہمیشہ دن میں روزہ رکھتے ہو اور رات کو قیام کرتے ہو[۱] میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا ایسا نہ کرو۔ روزہ بھی رکھو افطار بھی کرو قیام بھی کرو اور سوؤ بھی[۲] کیونکہ تم پر تمہارے جسم کا بھی حق ہے اور تم پر تمہاری آنکھوں کا بھی حق ہے[۳] اور تم پر تمہاری بیوی کا بھی حق ہے اور تم پر تمہارے ملاقاتی کا بھی حق ہے[۴] جس نے عمر بھر روزے رکھے اس نے روزے رکھے ہی نہیں[۵] ہر مہینہ تین روزے ساری عمر کے روزے ہیں۔ ہر مہینہ میں تین روزے رکھو[۶] اور ہر مہینہ ایک قرآن ختم کرو[۷] میں نے عرض کیا کہ میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں[۸] فرمایا تو تم بہترین روزے یعنی روزہ داؤد رکھو کہ ایک دن روزہ ایک دن افطار اور سات راتوں میں ایک قرآن ختم کرو اس سے زیادہ نہ کرو[۹] (مسلم بخاری)

(۱۹۵۶)[۱] یہ سوال انکاری ہے یعنی مجھے خبر ملی ہے کہ تم سوائے پانچ ممنوعہ دنوں کے باقی سال بھر مسلسل نفلی روزے رکھتے رہتے ہو اور رات کو عبادات کہ نہ دن میں کبھی افطار کرتے ہو نہ رات میں سوتے ہو[۲] ورنہ تم اتنے کمزور ہو جاؤ گے کہ فرضی عبادتیں اور لوگوں کے شرعی حقوق ادا نہ کرسکو گے اور نفل کی وجہ سے فرض چھوڑنا یا فرض چھوٹنے کے اسباب پر عمل کرنا نہ عقلاً مناسب ہے نہ شرعاً' خیال رہے کہ اس صورت میں یہ ممانعت تحریمی ہے جو چیز فرائض چھڑا دے۔ وہ حرام ہے[۳] ہمیشہ روزہ رکھنے سے تمہارا جسم بہت کمزور ہو جائے گا اور بالکل نہ سونے سے نگاہ کمزور ہو جانے کا خطرہ ہے[۴] اور ہمیشہ روزہ رکھنے اور شب بیداری کرنے سے تم کما نہ سکو گے اور بیوی کو منہ نہ

لگاؤ گے۔ ملاقاتی اور مہمان چاہتے ہیں کہ تم ان کے ساتھ کھاؤ پیؤ اور رات کو دو گھڑی ان سے بات چیت کرو تم یہ بھی نہ کرسکو گے۔ان جملوں سے معلوم ہوا کہ ہمیشہ روزے رکھنے کی ممانعت ہم جیسے لوگوں کیلئے ہے جو تمام حقوق چھوڑ بیٹھیں۔جن کیلئے ہمیشہ کا روزہ اور رات بھر کا جاگنا مذکورہ حقوق سے آڑ نہ ہو۔ان کے لیے اس میں حرج نہیں' مگر ایسے بہادر لوگ لاکھوں میں ایک آدھ ہیں۔ جیسے حضرت طلحہ وغیرہ صحابہ میں اور امام ابوحنیفہ تابعین میں' ۵؎ یعنی کامل روزے نہ رکھے جس سے پورا ثواب ملے۔ ہماری پہلی شرح سے معلوم ہو چکا ہے کہ یہاں مَنۡ سے مراد وہ عام مسلمین ہیں جو دن میں عبادتوں میں مشغول ہو کر باقی حقوق ادا نہ کرسکیں ۶؎ کیونکہ ایک نیکی کا بدلہ دس گنا ہے' تو ہر مہینہ میں تین روزوں کا ثواب پورے مہینہ کے روزوں کا ہوگا۔بہتر یہ ہے کہ یہ تین روزے چاند کی ۱۳' ۱۴' ۱۵ کو رکھے جائیں۔ ۷؎ یہ جملہ قرآن کریم کے تیس پارے بنانے کی اصل ہے۔زمانہ نبوی میں قرآن کریم کی تقسیم سورتوں اور منزلوں پر تھی۔رکوع اور پاروں پر نہ تھی۔پھر خلافت عثمانیہ میں اس میں رکوع قائم کیے گئے کہ حضرت عثمان غنی کی رکعتوں میں جس قدر تلاوت کرکے رکوع فرماتے اس کا نام رکوع رکھا گیا اور حاشیہ پر ع کا نشان لگایا گیا تاکہ تراویح کا باقاعدہ رواج دینے والے جناب عمر اور اس رواج کو تمام دنیا میں پھیلانے والے حضرت عثمان کی طرف اشارہ ہو۔تراویح روزانہ بیس رکعت ہوتی تھیں اور ستائیسویں شب کو ختم قرآن' اس لیے قرآن کریم کے پانچ سو چالیس رکوع ہوئے۔ بہت عرصہ بعد قرآن کریم کے تیس پارے کیے گئے تاکہ روزانہ تلاوت کرنے والوں کو آسانی رہے کہ وہ اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے ہر مہینہ ایک قرآن ختم کرلیا کریں۔ ۸؎ لہٰذا مجھے زیادہ عبادت کی اجازت دیجئے۔خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ممانعت سے ان کیلئے اتنے نوافل اور روزے ناجائز ہو گئے تھے۔اس لیے آپ خوشامد کرکے زیادہ کی اجازت حاصل کر رہے ہیں۔اس سے جہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیارات خداداد معلوم ہوئے۔ وہاں ہی صحابہ کا شوق عبادت بھی ظاہر ہوگیا۔اللہ بزرگوں کے طفیل ہمیں بھی عبادات کا شوق دے ۹؎ کہ روزانہ فمی بشوق کی ترتیب پر ایک منزل پڑھو تاکہ ہفتہ میں ایک قرآن کریم ختم ہو۔ابھی عرض کیا جا چکا کہ یہ حکم ان لوگوں کیلئے ہے جو حضرت عبداللہ ابن عمرو جیسی طاقت رکھتے ہوں۔ان سے کمزور مہینہ میں ختم کریں اور ان سے زیادہ قوی ہفتہ سے کم میں بھی ختم کرسکتے ہیں۔ایک مہینہ میں بھی ختم نہ کرنا بڑی محرومی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ
دوسری فصل

عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسَ
(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ)

(۱۹۵۷) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتے تھے۱؎
(ترمذی' نسائی)

(۱۹۵۷) ۱؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر جمعرات اور پیر کے دن نفلی روزے رکھتے تھے۔اس کی وجہ اگلی حدیث میں آ رہی ہے۔پیر کو یوم الاثنین غالبًا اسی لیے کہتے ہیں کہ یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کا دن ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم' ع: بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔بعض نے کہا کہ عرب میں ہفتہ اتوار سے شروع ہوتا ہے۔لہٰذا اتوار پہلا دن ہوا اور پیر دوسرا اور جمعرات پانچواں مگر علماء کا قول یہ ہے کہ ہفتہ سنیچر سے شروع ہوتا ہے (مرقات) احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہفتہ کا پہلا دن جمعہ ہے کہ اس دن ہی پیدائش عالم کی ابتداء پڑی۔ واللہ اعلم

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تُعْرَضُ الْاَعْمَالُ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ وَالْخَمِیْسِ فَاُحِبُّ اَنْ یُّعْرَضَ عَمَلِیْ وَاَنَا صَائِمٌ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

(۱۹۵۸) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اعمال پیر و جمعرات کو پیش کیے جاتے ہیں۱ لہذا میں چاہتا ہوں کہ میرے عمل اس حال میں پیش ہوں کہ میں روزہ والا ہوں۲ (ترمذی)

(۱۹۵۸)۱ اس طرح کہ اعمال لکھنے والے فرشتے بندوں کے ہفتہ بھر کے اعمال ان دو دنوں میں رب تعالٰی کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں۔ خیال رہے کہ اعمال کا اٹھانا یعنی آسمانوں پر پہنچانا اور ہے اور رب تعالٰی کی بارگاہ میں پیشی کچھ اور' اعمال کا اٹھانا تو روزانہ چوبیس گھنٹے میں دو بار ہوتا ہے کہ دن کے اعمال رات سے پہلے' اور رات کے اعمال دن سے پہلے وہاں پہنچائے جاتے ہیں' مگر پیشی ہفتہ میں دو بار' لہذا یہ حدیث اس حدیث کیخلاف نہیں جس میں روزانہ دو بار اعمال اٹھانے کا ذکر ہے۔ (مرقات) یا اس کے معنی یہ ہیں کہ اعمال لکھنے والے فرشتے اعمال نامے ان فرشتوں پر پیش کرتے ہیں جو اعمال ناموں کی نقل اپنے رجسٹروں میں کرتے ہیں (اشعہ) تب تو یہ حدیث بالکل صاف ہے۲ تا کہ روزے کی برکت سے رحمت الٰہی کا دریا جوش مارے۔ خیال رہے کہ سال بھر کے اعمال کی تفصیلی پیشی شعبان میں ہوتی ہے کیونکہ وہ اللہ کے ہاں سال کا آخری مہینہ ہے اور رمضان سال کا شروع مہینہ جیسے دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ غرضیکہ فرشی سال اور ہے جس کی ابتداء محرم سے انتہاء بقرعید پر' عرشی سال کچھ اور (از مرقات)

وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا اَبَاذَرٍّ اِذَا صُمْتَ مِنَ الشَّهْرِ ثَلَاثَةَ اَیَّامٍ فَصُمْ ثَلَاثَ عَشَرَةَ وَاَرْبَعَ عَشَرَةَ وَخَمْسَ عَشَرَةَ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ)

(۱۹۵۹) روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے ابوذر جب تم ہر مہینہ تین روزے رکھو تو تیرھویں' چودھویں' پندرھویں کے رکھو۱ (ترمذی' نسائی)

(۱۹۵۹)۱ انہی دنوں کو عربی میں ایام بیض یعنی چمکدار دن کہا جاتا ہے۔ جن کی راتیں روشن ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان تاریخوں میں اکثر روزے رکھتے تھے جیسا کہ اگلی حدیث میں آرہا ہے۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَصُوْمُ مِنْ غُرَّةِ کُلِّ شَهْرٍ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ وَّقَلَّمَا کَانَ یُفْطِرُ یَوْمَ الْجُمُعَةِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ النَّسَائِیُّ وَرَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ اِلٰی ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ)

(۱۹۶۰) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر مہینہ میں پہلی تین تاریخوں میں روزے رکھتے تھے۱ اور جمعہ کے دن بہت کم افطار کرتے تھے۲ (ترمذی' نسائی) اور ابوداؤد نے تین ایام تک روایت کی۔

(۱۹۶۰)۱ پہلی' دوسری' تیسری تاریخوں میں یا ان کے قریب' حضرت ابن مسعود کی یہ روایت اپنے علم کے لحاظ سے ہے۔ ورنہ سرکار کا یہ عمل کبھی کبھی تھا اکثر ۱۳' ۱۴' ۱۵ کو روزہ رکھا کرتے تھے۔ لہذا یہ حدیث نہ تو اس حدیث کیخلاف ہے کہ سرکار مہینہ کے روزوں میں خاص تاریخوں کے پابند نہ تھے اور نہ اس کے مخالف' کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ایام بیض یعنی تیرھویں' چودھویں' پندرھویں کے روزے رکھتے تھے۲ یعنی اکثر جمعہ کو روزہ رکھتے تھے۔ چونکہ جمعہ کی نیکی کا ثواب ستر گنا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ آپ صرف جمعہ کا روزہ رکھتے تھے اور یہ آپ کی خصوصیات میں سے نہیں۔ ہر شخص کو اس دن کے روزے کی اجازت ہے۔ لہذا یہ حدیث مذہب حنفی وفقہاء کے فتوٰی کی مؤید

ہے کہ جمعہ کا روزہ ممنوع نہیں۔ جہاں ممانعت آئی ہے وہاں کسی عارضہ سے ہے یا بمعنی خلاف اولیٰ ہے۔ (مرقات واشعۃ)

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ مِنَ الشَّهْرِ السَّبْتَ وَالْاَحَدَ وَالْاِثْنَيْنِ وَمِنَ الشَّهْرِ الْاٰخَرِ الثُّلٰثَاءَ وَالْاَرْبِعَاءَ وَالْخَمِيْسَ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۱۹۶۱) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مہینہ میں ہفتہ اتوار اور پیر کا روزہ رکھتے تھے اور دوسرے مہینہ میں منگل بدھ اور جمعرات کا [۱] (ترمذی)

(۱۹۶۱) [۱] یعنی آپ نے ہفتہ کے سارے دنوں میں اپنے روزے تقسیم کردیئے تھے تاکہ کوئی دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے روزے کی برکت سے محروم نہ رہے۔ چنانچہ ایک مہینہ میں تین دن اور دوسرے مہینہ میں اگلے تین دن روزے رکھتے تھے اور جمعہ کے روزے کی تو عادت کریمہ تھی ہی جیسا کہ ابھی حدیث پاک میں گزر گیا ہم لوگ دنوں سے برکت حاصل کرتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادات سے دن برکت پاتے تھے۔ جیسے ہم چاند سے روشنی پاتے ہیں اور چاند سورج سے۔

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْمُرُنِىْ اَنْ اَصُوْمَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ مِّنْ كُلِّ شَهْرٍ اَوَّلُهَا الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسُ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِىُّ)

(۱۹۶۲) روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے حکم دیتے تھے کہ میں تین روزے ہر مہینہ میں رکھوں جن میں پہلا روزہ پیر یا جمعرات کا ہو [۱] (ابوداؤد، نسائی)

(۱۹۶۲) [۱] یہ حکم استحبابی تھا نہ کہ وجوبی اسی واسطے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے وہ روزے نفل ہوتے تھے۔ مرقات نے فرمایا کہ اثنین پیر کے دن کا نام بن چکا ہے۔ جیسے بحرین ایک علاقہ کا نام ہے اور ناموں میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ اس لیے یہاں رفع کی حالت میں اثنان نہ آیا بلکہ اثنین ہی آیا۔ بعض کا خیال ہے کہ یہاں یوم پوشیدہ ہے۔ اثنین اس کا مضاف الیہ ہے۔ مگر پہلی بات بہت قوی ہے مطلب یہ ہے کہ کسی مہینہ میں پیر منگل اور بدھ کے روزے رکھو اور کسی میں جمعرات، جمعہ اور ہفتہ کے بعض شارحین کے خیال میں یہ واؤ بمعنی او ہے یعنی تمہیں اختیار ہے کہ پیر سے شروع کرو یا جمعرات سے۔

وَعَنْ مُسْلِمِ الْقُرَشِيِّ قَالَ سَاَلْتُ اَوْسُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صِيَامِ الدَّهْرِ قَالَ اِنَّ لِاَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا صُمْ رَمَضَانَ وَالَّذِىْ يَلِيْهِ وَكُلَّ اَرْبِعَاءٍ وَّخَمِيْسٍ فَاِذَا اَنْتَ قَدْ صُمْتَ الدَّهْرَ كُلَّهٗ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)

(۱۹۶۳) روایت ہے حضرت مسلم قرشی سے فرماتے ہیں کہ یا میں نے یا کسی اور نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر بھر کے روزوں کے متعلق پوچھا [۱] تو فرمایا کہ تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے۔ رمضان کا اور اس کے متصل کا روزہ رکھو [۲] اور ہر بدھ و جمعرات کا روزہ رکھو تو تم نے ساری عمر کے روزے رکھ لیے [۳] (ابوداؤد، ترمذی)

(۱۹۶۳) [۱] کہ پانچ ممنوعہ دنوں کے علاوہ باقی سارا سال روزہ رکھنے کا شرعی حکم کیا ہے۔ ثواب ہے یا گناہ [۲] متصل سے مراد یا شعبان ہے یا شوال یعنی اکثر شعبان اور سارے رمضان کے روزے رکھو یا سارے رمضان اور چھ شوال کے روزے رکھو۔ یہ حدیث مجمل ہے جس کی شرح پہلی احادیث تھیں۔ [۳] یعنی ان روزوں میں تمہیں ساری عمر کے روزوں کا ثواب مل جائے گا۔ یہاں مرقات نے فرمایا اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ عمر بھر کے روزے بذات خود ممنوع نہیں بلکہ اگر ضعف پیدا کریں جس سے مسلمان دوسرے حقوق ادا نہ کرسکے

تو ممنوع ہیں۔ لہٰذا بعض صحابہ کرام اور مشائخ عظام کا عمر بھر روزے رکھنا اس حدیث کیخلاف نہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ صَوْمِ یَوْمِ عَرَفَةَ بِعَرَفَةَ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

(۱۹۶۴) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام عرفات میں عرفہ کے روزے سے منع فرمایا[۱] (ابوداؤد)

(۱۹۶۴)[۱] یعنی حاجی کو نویں بقرعید کے دن عرفات شریف میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا گیا تاکہ حاجی اس دن دعا مانگنے۔ نمازوں کے جمع کرنے اور حج کے دیگر کاموں سے عاجز نہ ہو جائے اور روزے کی وجہ سے اس کے اخلاق اپنے ساتھیوں کے ساتھ خراب نہ ہو جائیں۔ یہ ممانعت بھی تنزیہی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے بارہا اس دن روزہ رکھا ہے۔ حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ اگر سردی میں ایسا موقع آئے تو میں روزہ رکھ لیتا ہوں، گرمیوں میں نہیں۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ عَنْ اُخْتِهِ الصَّمَّآءِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَصُوْمُوْا یَوْمَ السَّبْتِ اِلَّا فِیْمَا افْتُرِضَ عَلَیْكُمْ فَاِنْ لَّمْ یَجِدْ اَحَدُكُمْ اِلَّا لِحَآءَ عِنَبَةٍ اَوْعُوْدَ شَجَرَةٍ فَلْیَمْضَغْهُ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِیُّ)

(۱۹۶۵) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن بسر سے وہ اپنی بہن صماء سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہفتہ کے دن بجز اس کے جو تم پر فرض ہو اور روزہ نہ رکھو[۱] اگر تم میں سے کوئی انگور کی چھال یا درخت کی لکڑی کے سواء کچھ نہ پائے تو وہ ہی چبائے[۲] (احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)[۳]

(۱۹۶۵)[۱] یعنی نفلی روزہ صرف ہفتہ کے دن نہ رکھو کیونکہ اس میں یہود سے مشابہت ہے کہ وہ اگرچہ اس دن روزہ تو نہیں رکھتے مگر اس کی تعظیم بہت ہی کرتے ہیں۔ تمہارے اس روزے میں ان سے اشتباہ ہوگا۔ جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ یہ ممانعت بھی تنزیہی ہے۔ لہٰذا یہ حدیث ہفتہ کے دن کے روزے کی احادیث کے خلاف نہ ہوگی کہ وہ بیان جواز کیلئے ہیں اور یہ حدیث بیان استحباب کیلئے اگر ہفتہ کے ساتھ اور دن کا بھی روزہ رکھ لیا جائے، تو نہ مشابہت رہے گی نہ ممانعت، یہاں فرض سے مراد صرف شرعی فرض نہیں بلکہ بمعنی ضروری ہے۔ لہٰذا رمضان قضائے رمضان، نذر، کفارہ، عاشورے، گیارھویں، بارھویں، وغیرہ متبرک تاریخوں کے روزے اس دن میں رکھنا بلا کراہت جائز ہیں (مرقات ولمعات)[۲] یعنی ہفتے کے دن اتفاقیہ فاقہ بھی نہ کرے۔ اگر گھر میں کچھ کھانے پینے کو نہ ہو تو معمولی چیز نگل کر ہی فاقہ سے بچ جائے۔ یہ فرمان مبالغہ کیلئے ہے۔ اور ہوسکتا ہے کہ یہ ممانعت تحریمی ہو اور حدیث منسوخ ہو[۳] اس حدیث کو حاکم نے صحیح اور شرط بخاری پر کہا اور نووی فرماتے ہیں کہ محدثین نے اس کی تصحیح کی ہے۔ ابوداؤد فرماتے ہیں حدیث منسوخ ہے (مرقات)

وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ یَوْماً فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ جَعَلَ اللّٰهُ بَیْنَهٗ وَبَیْنَ النَّارِ خَنْدَقاً كَمَا بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

(۱۹۶۶) روایت ہے حضرت ابوامامہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص اللہ کی راہ میں ایک دن روزہ رکھے[۱] تو اللہ تعالیٰ اس کے اور آگ کے درمیان ایسی خندق کر دے گا جیسے آسمان اور زمین کے درمیان[۲] (ترمذی)

(۱۹۶۶)[۱] اللہ کی راہ سے مراد جہاد، حج، عمرہ، طلب علم دین کا سفر ہے۔ یعنی ان میں سے جو مسافر ایک دن بھی رکھ لے یا اس سے مراد رضائے الٰہی ہے یعنی جو کوئی گھر یا سفر میں ایک نفلی روزہ رکھ لے[۲] یعنی پانچ سو سال کی راہ اس سے پہلے ستر سال کی راہ کا فاصلہ بھی آ

چکا ہے، مگر ان میں آپس میں تعارض نہیں، کیونکہ اخلاص کے فرق سے ثواب میں فرق ہو جاتا ہے۔خندق فرما کر اس جانب اشارہ فرمایا گیا کہ انشاءاللہ اس تک آگ تو کیا آگ کی تپش بھی نہ پہنچ سکے گی۔ جیسے اتنی لمبی چوڑی خندق پھلانگ کر دشمن نہیں پہنچ سکتا۔

وَعَنْ عَامِرِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغَنِيْمَةُ الْبَارِدَةُ الصَّوْمُ فِي الشِّتَاءِ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ مُرْسَلٌ وَّذُكِرَ حَدِيْثُ اَبِيْ هُرَيْرَةَ مَا مِنْ اَيَّامٍ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ فِيْ بَابِ الْاُضْحِيَّةِ)

(۱۹۶۷) روایت ہے حضرت عامر ابن مسعود سے۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھنڈی غنیمت جاڑوں کے روزے ہیں۲؎ (احمد، ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث مرسل ہے۳؎ اور حضرت ابوہریرہ کی یہ حدیث ما من ایام الحدیث قربانی کے باب میں ذکر ہو چکی۔

(۱۹۶۷)۱؎ ان کے نام اور ان کی صحابیت میں بڑا اختلاف ہے۔بعض نے کہا کہ یہ عامر ابن عبداللہ ابن مسعود ہیں۔تابعی ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ یہ عامر ابن مسعود ابن امیہ ابن خلف جمحی ہیں۔یعنی صفوان ابن امیہ کے بھتیجے، حق یہی ہے کہ آپ صحابی نہیں۔تابعی ہیں۔۲؎ جن میں تکلیف بہت کم اور اصل روزے کا ثواب پورا جیسے جہاد میں دشمن بغیر مقابلہ بھاگ جائے اور سردی کا موسم بھی ہو کہ غازی بلاتکلیف ثواب اور غنیمت لے آتا ہے۔سردی کے رمضان کا بھی یہی حال ہے۔خیال رہے کہ یہ اصل ثواب میں گفتگو ہے۔ورنہ گرمی کے روزوں میں زیادہ مشقت کا ثواب بھی ملے گا۔اسی لئے حضرت علی مرتضیٰ فرماتے ہیں کہ مجھے تین چیزیں بڑی پیاری ہیں۔ اکرام الضیف، صیام الصیف، جہاد بالسیف، مہمان کی خدمت، گرمی کے روزے، تلوار سے جہاد۳؎ کیونکہ عامر ابن مسعود نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نہ پائی۔خیال رہے کہ آپ ابراہیم ابن عامر قرشی کے والد ہیں اور آپ کی اس کے سواء کوئی حدیث نہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ فَوَجَدَ الْيَهُوْدَ صِيَامًا يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا هٰذَا الْيَوْمُ الَّذِيْ تَصُوْمُوْنَهُ فَقَالُوْا هٰذَا يَوْمٌ عَظِيْمٌ اَنْجَى اللّٰهُ فِيْهِ مُوْسٰى وَقَوْمَهُ وَغَرَّقَ فِرْعَوْنَ وَقَوْمَهُ فَصَامَهُ مُوْسٰى شُكْرًا فَنَحْنُ نَصُوْمُهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَحْنُ اَحَقُّ وَاَوْلٰى بِمُوْسٰى مِنْكُمْ فَصَامَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَمَرَ بِصِيَامِهِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۹۶۸) روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو یہود کو عاشورے کے دن روزہ رکھتے پایا۱؎ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کیسا دن ہے جس میں تم روزہ رکھتے ہو۲؎ وہ بولے یہ وہ عظمت والا دن ہے جس میں اللہ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات دی اور فرعون اور اس کی قوم کو ڈبویا موسیٰ علیہ السلام نے شکریہ میں روزہ رکھا ہم بھی رکھتے ہیں۳؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم موسیٰ علیہ السلام کے تم سے زیادہ حقدار ہیں۴؎ چنانچہ یہ روزہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی رکھا۵؎ اور اس روزہ کا حکم بھی دیا۶؎ (مسلم، بخاری)

(۱۹۶۸)۱؎ یعنی ہجرت کے دوسرے سال میں جب عاشورے کا دن آیا، تو آپ نے یہود کو روزہ دار دیکھا، کیونکہ ربیع الاول شریف میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ پہنچے تھے۔اس سال کا عاشورہ گزر چکا تھا۲؎ خیال رہے کہ یہود کے مہینے اور تاریخیں اسلامی

مہینوں اور تاریخوں کے علاوہ تھیں' مگر انہوں نے عاشورے کے دن کو روزے کیلئے چھانٹ لیا تھا جس میں چاند کے حساب سے ہی روزے رکھتے تھے محض برکت کیلئے' لہٰذا حدیث پر اعتراض نہیں کہ جب یہود کے مہینہ ہی اور تھے' تو ان کا عاشورا کے دن روزہ کیسا ۳؎ شرعی قاعدہ سے دینی باتوں میں کفار کی خبر معتبر نہیں' مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ خبر معتبر مانی یا اس لیے کہ عبداللہ ابن سلام وغیرہ علمائے یہود جو اسلام لا چکے تھے۔ انہوں نے بھی یہ خبر دی' یا اس لیے کہ یہود کے ہاں یہ خبر متواتر تھی۔ متواتر خبریں کفار کی بھی معتبر ہیں۔ تواتر مستقل بڑا ثبوت ہے۔ ۴؎ کیونکہ انبیاء علیہم السلام سارے بھائی ہیں۔ اصل دین میں سب متفق ہیں۔ اے یہود تم نے، تو ان کی کتاب ہی بدل دی' اور تم اصل دین ہی میں ان کے مخالف ہو گئے' تو جب تم ان کی خوشی میں شرکت کرتے ہو تو ہم بھی ان کی خوشی میں شریک ہوں گے اور ان کی یادگار قائم کریں گے۔ اس میں لطیف اشارہ اس جانب بھی ہے کہ ہم عاشورہ کا روزہ تمہاری مشابہت کیلئے نہیں رکھتے بلکہ موسیٰ علیہ السلام کی موافقت کیلئے رکھتے ہیں اور موافقت انبیاء علیہم السلام اسلام میں بڑی پیاری چیز ہے۔ دیکھو سورہ ص کا سجدہ داؤد علیہ السلام کی موافقت کیلئے ہے نہ کہ داؤدیوں کی مشابہت کیلئے' فقیر کی اس تقریر سے اس حدیث سے یہ شبہ اٹھ گیا کہ یہود و نصاریٰ سے مشابہت اسلام میں منع ہے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ شروع اسلام میں یہ مشابہت ممنوع نہ تھی۔ بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بہت سی باتوں میں اہل کتاب کی موافقت کرتے تھے۔ حتیٰ کہ اسلام کا پہلا قبلہ بیت المقدس رہا۔ کیوں' انہی کے تالیف قلوب کیلئے' پھر جب ان کی ہٹ دھرمی کھل گئی تو اسلام میں ان کی مخالفت لازم کر دی گئی ۵؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ روزہ رکھنا موسیٰ علیہ السلام کی موافقت کے لیے ہے نہ کہ ان کی متابعت کیلئے' موافقت اور متابعت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ربّ تعالیٰ فرماتا ہے: فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ (۶'۹۰) تو تم انہیں کی راہ چلو (کنزالایمان) یہاں موافقت کا ذکر ہے کہ آپ سارے انبیاء کی موافقت فرمائیں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر موسیٰ علیہ السلام بحیات ظاہری زندہ ہوتے تو انہیں میری اتباع کے بغیر چارہ کار نہ ہوتا۔ یہاں اتباع کا ذکر ہے خلاصہ یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء کے موافق ہیں اور انبیائے کرام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ۶؎ چنانچہ شروع اسلام میں عاشوراء کا روزہ فرض رہا' پھر رمضان کی فرضیت سے عاشورا کے روزہ کی فرضیت تو منسوخ ہوگئی مگر سنیت اب بھی باقی ہے۔ اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ معظم واقعات کی یادگاریں منانا رکن اسلامی ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ یادگاریں محض اس لیے حرام نہ کہی جائیں گی کہ ان میں مشابہت کفار کا شائبہ ہے۔ تیسرے یہ کہ اسلامی یادگاریں کھیل کود سے نہ منائی جائیں بلکہ عبادتوں سے منائی جائیں۔ دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی یادگار میں روزہ رکھا جو کہ عبادت ہے۔ چوتھے یہ کہ اللہ والوں کی خوشی میں شرکت کرنا کچھ ملنے کا بہانہ ہو جاتا ہے۔ بادشاہوں کے نوکر چاکر شہزادوں کی سالگرہ میں دکھلاوے کی خوشی منا کر بھی کچھ پا لیتے ہیں' تو اگر ہم عید میلاد' عید معراج دل سے منائیں تو انشاء اللہ منہ مانگی مرادیں پائیں گے بلکہ پا رہے ہیں۔ ان تمام عیدوں کی اصل یہ حدیث ہے۔

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ يَوْمَ السَّبْتِ وَيَوْمَ الْاَحَدِ اَكْثَرَ مَا يَصُوْمُ مِنَ الْاَيَّامِ وَيَقُوْلُ اِنَّهُمَا يَوْمَا عِيْدٍ لِلْمُشْرِكِيْنَ فَاَنَا اُحِبُّ اَنْ اُخَالِفَهُمْ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

(۱۹۶۹) روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن دنوں میں روزے زیادہ رکھتے تھے ان میں اکثر ہفتہ و اتوار کو رکھتے تھے ۱؎ اور فرماتے تھے کہ یہ دونوں دن مشرکین کی عید کے دن ہیں میں چاہتا ہوں کہ ان کی مخالفت کروں ۲؎ (احمد)

(۱۹۶۹)۱؎ خیال رہے کہ ہفتہ یا اتوار یا دونوں دنوں کے روزے رکھنا یہودیوں عیسائیوں کی مخالفت کرنے کیلئے بہت ہی بہتر ہے اور ان دنوں کی تعظیم کیلئے روزہ رکھنا سخت منع' لہٰذا یہ حدیث اس گزشتہ حدیث کیخلاف نہیں جس میں ہفتہ کے روزے سے منع فرمایا گیا تھا کیونکہ وہاں دوسری نوعیت کا روزہ مراد تھا اور یہاں پہلی قسم کا روزہ مقصود ہے' اور ہوسکتا ہے کہ وہاں صرف ہفتہ کا روزہ مراد ہو' اور یہاں ہفتہ اتوار دونوں دن کا روزہ ہے۔ ۲؎ یعنی ہفتہ کا دن یہود کی عید ہے اور اتوار کا دن عیسائیوں کی عید ان میں وہ خوب کھاتے پیتے ہیں اور عیش کرتے ہیں۔ ہم نے ان کی مخالفت میں روزہ رکھا۔ مشرکین سے مراد یہودی عیسائی ہیں کیونکہ یہود عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مان کر ان کی پوجا کرتے ہیں اور عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کی۔ لہٰذا یہ دونوں مشرک ہوئے۔ قرآن شریف میں عموماً شرک بمعنی کفر اور مشرک بمعنی کافر استعمال ہوا ہے۔ ربّ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (۳۱،۱۳) بے شک شرک بڑا ظلم ہے (کنزالایمان) اور فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ (۳۱،۱۳) بے شک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے (کنزالایمان) ان آیتوں میں شرک بمعنی کفر ہے ہوسکتا ہے کہ یہاں بھی مشرکین سے کفار مراد ہوں۔

وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْمُرُ بِصِيَامِ يَوْمِ عَاشُوْرَاءَ وَيَحُثُّنَا عَلَيْهِ وَيَتَعَاهَدُنَا عِنْدَهٗ فَلَمَّا فُرِضَ رَمَضَانُ لَمْ يَاْمُرْنَا وَلَمْ يَنْهَنَا عَنْهُ وَلَمْ يَتَعَاهَدْنَا عِنْدَهٗ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۱۹۷۰) روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عاشوراء کے دن روزہ رکھنے کا حکم دیتے اور ہم کو اس پر رغبت دیتے اور عاشورہ کے دن ہماری تحقیقات فرماتے تھے پھر جب رمضان فرض ہوا تو نہ ہمیں اس کا حکم دیا نہ منع کیا نہ تحقیقات فرمائی۱؎ (مسلم)

(۱۹۷۰)۱؎ یہ دونوں واقعے ہجرت کے بعد ہیں۔ ہجرت سے پہلے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی روزہ کا حکم نہیں دیا تھا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شروع اسلام میں عاشورہ کا روزہ فرض تھا کیونکہ اس کا حکم دینا اور عاشورہ آنے پر تحقیقات فرمانا کہ کس نے روزہ رکھا اور کس نے نہیں فرضیت کی علامت ہے۔ رمضان کی فرضیت کے بعد عاشوراء کی فرضیت اٹھ گئی' مگر سنیت باقی رہی کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات شریف تک یہ روزہ رکھا ہے۔ مسلم بخاری میں حضرت سلمہ ابن اکوع سے روایت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے یہ اعلان کرایا کہ جس نے کچھ کھالیا ہو وہ بقیہ دن کچھ نہ کھائے اور جس نے نہ کھایا ہو' وہ روزہ رکھ لے۔ کیونکہ آج عاشورہ ہے۔ یہ حدیث اس زمانہ کی ہے جب عاشورہ کا روزہ فرض تھا۔

وَعَنْ حَفْصَةَ قَالَتْ اَرْبَعٌ لَمْ تَكُنْ يَدَعُهُنَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صِيَامُ عَاشُوْرَاءَ وَ الْعَشْرِ وَثَلٰثَةَ اَيَّامٍ مِّنْ كُلِّ شَهْرٍ وَّرَكْعَتَانِ قَبْلَ الْفَجْرِ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

(۱۹۷۱) روایت ہے حضرت حفصہ سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چار کام نہ چھوڑتے تھے عاشورہ کا روزہ بقرعید کے دس دن اور ہر مہینہ تین دن کے روزے۱؎ اور فجر سے پہلے کی دو رکعتیں (نسائی)

(۱۹۷۱)۱؎ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات شریف تک یہ تینوں قسم کے روزے رکھے۔ لہٰذا یہ سب سنت ہیں۔ بقرعید کے دس دن سے مراد نو دن ہیں۔ ورنہ دسویں بقرعید کو روزہ حرام ہے۔ یہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثر عمل مراد ہے نہ کہ ہمیشہ کا' لہٰذا یہ حدیث حضرت عائشہ صدیقہ کی اس گزشتہ حدیث کیخلاف نہیں' جس میں آپ فرماتی ہیں کہ میں نے آپ کو بقرعید کے عشرہ میں روزہ

رکھتے نہ دیکھا۔ بقرعید کا عشرہ بہت ہی بہترین زمانہ ہے۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ رمضان کے آخری عشرہ کی راتیں بہترین ہیں کہ ان سب میں شب قدر ہے اور بقرعید کے پہلے عشرہ کے دن افضل ہیں کہ ان میں عرفہ کا دن ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُفْطِرُ اَيَّامَ الْبِيْضِ فِيْ حَضَرٍ وَّلَا سَفَرٍ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

(۱۹۷۲) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاندنی کے روشن دنوں میں روزے نہ چھوڑتے تھے نہ گھر میں نہ سفر میں ۱؎ (نسائی)

(۱۹۷۲) ۱؎ یہاں مرقات نے فرمایا ایام بیض کے متعلق علماء کے ۹ قول ہیں۔جن میں سے زیادہ قوی قول یہ ہے کہ ماہ چاند کی تیرھویں، چودھویں، پندرھویں راتیں ہیں۔انہیں ایام بیض یا تو اس لیے کہتے ہیں کہ ان کی راتیں اجیالی ہیں اور یا اس لیے کہ ان کے روزے دلوں کو نورانی اور اجیالا کرتے ہیں اور یا اس لیے کہ آدم علیہ السلام کے اعضاء جنت سے آکر سیاہ پڑ گئے تھے۔رب تعالیٰ نے انہیں ان تین روزوں کا حکم دیا۔ ہر روزے سے آپ کا تہائی جسم چمکیلا ہوا۔حتی کہ تین روزوں کے بعد سارا جسم نہایت حسین ہو گیا۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِكُلِّ شَيْءٍ زَكٰوةٌ وَّزَكٰوةُ الْجَسَدِ الصَّوْمُ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

(۱۹۷۳) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چیز کی زکوٰۃ ہے اور جسم کی زکوٰۃ روزہ ہے ۱؎ (ابن ماجہ)

(۱۹۷۳) ۱؎ کہ روزے کی برکت سے اکثر آدمی دبلے ہو جاتے ہیں۔جسم کا کچھ گوشت گل جاتا ہے، یا روزہ کی برکت سے جسم گناہوں سے پاک وصاف ہو جاتا ہے، یا روزہ کی برکت سے آگ روزہ دار تک نہ پہنچ سکے گی۔غرضیکہ روزہ زکوٰۃ کے سے تینوں کام کرتا ہے۔

وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَصُوْمُ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسِ فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّكَ تَصُوْمُ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسِ فَقَالَ اِنَّ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسِ يَغْفِرُ اللّٰهُ فِيْهِمَا لِكُلِّ مُسْلِمٍ اِلَّا ذَاهَاجِرَيْنِ يَقُوْلُ دَعْهُمَا حَتّٰى يَصْطَلِحَا (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

(۱۹۷۴) روایت ہے انہی سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیر اور جمعرات کے دن روزے رکھتے تھے عرض کیا گیا یا رسول اللہ حضور پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتے ہیں تو فرمایا کہ پیر اور جمعرات کے دن اللہ تعالیٰ سوائے عداوت والوں کے باقی سب مسلمانوں کو بخش دیتا ہے ۱؎ ان کے متعلق فرمایا ہے انہیں چھوڑ دو حتی کہ آپس میں صلح کر لیں ۲؎ (احمد، ابن ماجہ)

(۱۹۷۴) ۱؎ سبحان اللہ یہ دونوں دن بڑی عظمت اور برکت والے ہیں کیوں نہ ہوں کہ انہیں عظمت والوں سے نسبت ہے۔ جمعرات تو جمعہ کا پڑوسی ہے اور حضرت آمنہ خاتون کے حاملہ ہونے کا دن ہے اور پیر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا دن بھی ہے اور نزول قرآن کریم کا بھی، جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ بخاری شریف میں ہے کہ ایک صحابی (حضرت عباس) نے ابولہب کو اس کے مرنے کے بعد خواب میں دیکھا، پوچھا کیا حال ہے۔ بولا سخت عذاب میں گرفتار ہوں، مگر پیر کے دن میرا عذاب کچھ ہلکا ہوتا ہے اور اپنے داہنے ہاتھ کی پہلی انگلی سے مجھے پانی ملتا ہے، کیونکہ میں نے اس دن حضور انور کی پیدائش کی خوشی میں اپنی لونڈی ثویبہ کو اس انگلی کے اشارہ سے کہا تھا جا تو آزاد ہے سبحان اللہ تاقیامت ان دو دنوں میں اللہ کے فضل سے ہم گنہگار بخشش اور مغفرت کی مٹھائیاں لیتے رہیں گے شعر:

بزرگوں سے نسبت بڑی چیز ہے خدا کی یہ نعمت بڑی چیز ہے

یہاں مرقات نے فرمایا کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ پیر و جمعرات کے دن ان مسلمانوں کی بخشش ہوتی ہے جو ان دنوں میں روزہ رکھنے کے عادی ہیں۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ يَوْماً اِبْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ بَعَّدَهُ اللّٰهُ مِنْ جَهَنَّمَ كَبُعْدِ غُرَابٍ طَائِرٍ وَّهُوَ فَرْخٌ حَتّٰى مَاتَ هَرِماً (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ قَيْسٍ

(۱۹۷۵) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو رضائے الٰہی کی تلاش میں ایک دن روزہ رکھے[۱] تو اللہ اسے دوزخ سے اتنا دور کردے گا جیسے اڑنے والے کوے کی دوری جب وہ بچہ ہو حتیٰ کہ بوڑھا ہو کر مر جائے[۲] (احمد) اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت سلمہ ابن قیس سے روایت کی۔[۳]

(۱۹۷۵)[۱] ظاہر یہ ہے کہ اس روزے سے مراد نفلی روزہ ہے۔ اسی لیے صاحب مشکوٰۃ یہ حدیث نفلی روزوں کے باب میں لائے۔ تلاش رضاء الٰہی کی قید اس لیے ہے کہ کوئی عمل بغیر اخلاص نہ قبول ہو نہ اس کا کوئی ثواب نہ اس کے فوائد کا ظہور ہو۔ اس میں اشارۃً بتایا جارہا ہے کہ جب ایک نفلی روزے کے ثواب کا یہ حال ہے تو اندازہ لگالو کہ فرضی روزے کا ثواب کتنا ہوگا[۲] کوے کی طبعی عمر ایک ہزار سال ہے (مرقات) اور یہ بہت تیز اڑتا ہے۔ یہاں دوزخ سے انتہائی دوری بتانے کیلئے بطور تمثیل ارشاد ہوا کہ کوے کا بچہ اگر پیدا ہوتے ہی اڑنا شروع کردے اور مرتے دم یعنی ایک ہزار سال تک برابر اڑتا رہے تو اندازہ لگالو کہ اپنے گھونسلے سے کتنی دور جائے گا۔ ربّ تعالٰی اس روزہ دار کو دوزخ سے اتنا دور رکھے گا۔ حدیث بالکل ظاہر پر ہے۔ کسی تاویل کی ضرورت نہیں، ربّ تعالٰی کی عطائیں ہمارے وہم و گمان سے وراء ہیں[۳] مرقات نے فرمایا حق یہ ہے کہ ان کا نام سلمہ ابن قیس نہیں بلکہ سلمہ ابن قیصر حضرمی ہے۔ طبرانی نے ان کا نام سلامہ بتایا واللہ اعلم۔

روزہ کے متفرق احکام

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

چونکہ اس باب میں گزشتہ بابوں کے متعلق مختلف مضامین بیان ہوں گے۔ نفلی روزے، روزہ رکھ کر توڑ دینا، روزے کی قضاء وغیرہ اس لیے مصنف نے اس کا ترجمہ یا عنوان قائم نہ فرمایا گویا یہ باب المتفرقات ہے

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَقَالَ هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ فَقُلْنَا لَا قَالَ فَاِنِّي اِذًا صَائِمٌ ثُمَّ اَتَانَا يَوْمًا اٰخَرَ فَقُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اُهْدِيَ لَنَا حَيْسٌ فَقَالَ اَرِيْنِيْهِ فَلَقَدْ اَصْبَحْتُ صَائِمًا فَاَكَلَ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۱۹۷۶) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے تو فرمایا کیا تمہارے پاس کچھ ہے ہم نے عرض کیا نہیں[۱] فرمایا تو اچھا ہمارا روزہ ہے[۲] پھر دوسرے اور دن تشریف لائے تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں حیس ھدیۃ آیا ہے[۳] فرمایا مجھے دکھاؤ میں نے تو آج روزہ دار ہو کر صبح کی تھی پھر آپ نے کھالیا[۴] (مسلم)

(۱۹۷۶)۱؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سوال تمام ازواج پاک سے تھا اور یہ جواب بھی سب کی طرف سے ہوا۔یعنی نو ازواج میں سے کسی کے گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہیں' جو مالک کونین ہے ان کے اپنے گھر کا یہ حال ہے شعر:

مالک کونین ہیں گوپاس کچھ رکھتے نہیں　　　دوجہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فقر و فاقہ اختیاری ہے۔فرماتے ہیں اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلیں۲؎ یعنی چونکہ آج گھر میں کچھ کھانے کو نہیں' لہذا ہم اب اس وقت سے روزہ نفلی کی نیت کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ روزے نفل کی نیت ضحوۂ کبریٰ یعنی نصف نہار شرعی سے پہلے پہلے ہوسکتی ہے۔رات سے ہونا ضروری نہیں۔مصنف اسی مقصد کیلئے یہ حدیث یہاں لائے۳؎ یعنی کسی شخص نے کھجور کا حلوہ بطور ہدیہ بھیجا ہے۔حضور ملاحظہ فرمائیں' عربی میں حیس کے معنی ہیں خلط یا مخلوط چیز' اصطلاح میں یہ ایک حلوہ ہے جو مکھن پنیر کھجور سے یا آٹے مکھن اور گھی سے تیار کیا جاتا ہے حریسہ اس سے اعلیٰ درجہ کا ہوتا ہے۔فقیر نے مدینہ طیبہ میں حیس بھی کھایا ہے اور حریسہ بھی۴؎ یہ صورت پہلے کا عکس ہوئی کہ وہاں تو گھر میں کھانا نہ ہونے کی وجہ سے روزے کی نیت کر لی گئی تھی۔اور یہاں کھانا دیکھ کر رکھا ہوا نفلی روزہ توڑ دیا گیا۔ہمارے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ نفلی روزہ یا نماز شروع کرنے سے واجب ہو جاتے ہیں کہ ان کا پورا کرنا ضروری ہوتا ہے کیونکہ رب تعالٰی نے فرمایا ہے: لَا تُبۡطِلُوۡۤا اَعۡمَالَکُمۡ (۴۷:۳۳) اور اپنے عمل باطل نہ کرو (کنزالایمان) اور فرماتا ہے: فَمَا رَعَوۡھَا حَقَّ رِعَایَتِھَا (۵۷:۲۷) پھر اسے نہ نباہا جیسا اس کے نباہنے کا حق تھا (کنزالایمان) یعنی اہل کتاب نے نیک اعمال شروع کیے انہیں نبھایا نہیں معلوم ہوا کہ نیکی شروع کر کے پوری کرنا واجب ہے۔اگر کوئی شخص نفلی روزہ شروع کر کے توڑ دے تو اس کی قضاء واجب ہے ان دوگزشتہ آیتوں کی وجہ سے اور اس حدیث کی وجہ سے جو بروایت حضرت عائشہ صدیقہ آگے آرہی ہے اور نفلی حج و عمرہ پر قیاس کی وجہ سے کہ یہ دونوں چیزیں احرام باندھتے ہی واجب ہو جاتی ہیں کہ اگر انہیں پورا نہ کر سکے تو قضاء کرنا واجب ہے۔خیال رہے کہ نفلی روزہ اور نمازیں بلا عذر توڑنا ناجائز ہیں۔دعوت اور مہمان کی آمد بھی عذر ہیں۔یہ حدیث حنفیوں کیخلاف نہیں کہ یہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ روزہ توڑنا عذراً تھا یعنی کئی روز سے کھانا ملاحظہ نہ فرمایا اور اس میں یہ ذکر نہیں کہ آپ نے اس روزے کی قضاء نہ کی۔لہذا یہ حدیث نہ شافعیوں کی دلیل ہے نہ مالکیوں کی اور نہ حنفیوں کیخلاف۔نوٹ:۔شوافع کے ہاں نفلی روزہ توڑنے سے مطلقاً قضاء واجب نہیں اور مالکیوں کے ہاں اگر بلا عذر توڑا ہو تو قضاء واجب ہے۔ہمارے ہاں مطلقاً قضاء واجب۔

وَعَنۡ اَنَسٍ قَالَ دَخَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ عَلٰی اُمِّ سُلَیۡمٍ فَاَتَتۡہُ بِتَمۡرٍ وَّسَمۡنٍ فَقَالَ اَعِیۡدُوۡا سَمۡنَکُمۡ فِیۡ سِقَآئِہٖ وَتَمۡرَکُمۡ فِیۡ وِعَآئِہٖ فَاِنِّیۡ صَائِمٌ ثُمَّ قَامَ اِلٰی نَاحِیَۃٍ مِّنَ الۡبَیۡتِ فَصَلّٰی غَیۡرَ الۡمَکۡتُوۡبَۃِ فَدَعَا لِاُمِّ سُلَیۡمٍ وَّاَھۡلِ بَیۡتِھَا
(رَوَاہُ الۡبُخَارِیُّ)

(۱۹۷۷) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ام سلیم کے ہاں تشریف لائے۱؎ تو وہ حضور کی خدمت میں چھوارے وگھی لائیں۲؎ حضور نے فرمایا اپنا گھی تو مشکیزہ میں لوٹ دو اور اپنے چھوارے اس برتن میں ڈال دو میں روزہ دار ہوں۳؎ پھر گھر کے ایک گوشہ میں کھڑے ہوئے تو فرض کے علاوہ نماز پڑھی پھر ام سلیم اور ان کے گھر والوں کیلئے دعا کی۴؎ (بخاری)

(۱۹۷۷)۱؎ ام سلیم بنت ملحان کے حالات پہلے بیان ہو چکے ہیں کہ یہ حضرت انس کی والدہ ہیں اور ابوطلحہ کی زوجہ' ان کے نام میں بہت اختلاف ہے۔امامہ ہے یا طلیکہ یا غمیصہ یا رمیصاء پہلے مالک ابن نضر کے نکاح میں تھیں۔ان سے حضرت انس پیدا ہوئے' پھر

حضرت ابوطلحہ سے اسلام کی شرط پر نکاح کیا۔۲؎ ظاہر یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم صرف ملاقات کیلئے تشریف لائے تھے اور ام سلیم نے خاطر و تواضع کے طور پر یہ پیش کیا۔ باقاعدہ دعوت نہ تھی۔ ورنہ ام سلیم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے روزہ کے دن دعوت نہ دیتیں یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم روزے کے عذر سے دعوت قبول نہ فرماتے۔ نیز دعوت میں عموماً روٹی سالن پیش کیا جاتا ہے نہ کہ فقط کھجور گھی' اس لیے معلوم ہوا کہ ملاقاتی اور مہمان کی خاطر و تواضع کرنا سنت ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ بغیر کھائے پیئے مُردوں کی سی ملاقات ہے۔۳؎ روزے کا اظہار اس لیے فرمادیا تاکہ جناب ام سلیم کو اس ردفرمادینے پر رنج نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ نفلی روزہ دار کو اگر پتا ہو کہ میرے روزے سے گھر والے مطلع ہو کر نہ کھانے پر ناراض نہ ہوں گے تو روزہ نہ توڑنا افضل ہے اور اگر ان کے رنجیدہ ہونے کا اندیشہ ہو تو روزہ توڑ دینا اور کچھ کھالینا بہتر ہے بعد میں قضاء کی جائے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنی چھپی عبادت کا ہر اظہار ریاء نہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ گھر میں کھانے پینے کا سامان جمع رکھنا توکل کیخلاف نہیں۔ دیکھو حضرت ام سلیم کے گھر گھی کی مشکیں بھری ہوئی تھیں اور چھواروں کے ٹوکرے۔۴؎ گھر کے گوشہ میں نماز تو اس لیے پڑھی تاکہ وہ گھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نفل سے متبرک ہو جائے اور یہ جگہ گھر والوں کیلئے دائمی جائے نماز بن جائے اور دعا اس لیے کی تاکہ معلوم ہو کہ روزہ دار آکر کھانا نہ کھائے تو گھر والوں کیلئے دعا ضرور کردے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دُعِیَ اَحَدُکُمْ اِلٰی طَعَامٍ وَّهُوَ صَائِمٌ فَلْیَقُلْ اِنِّیْ صَائِمٌ وَّفِیْ رِوَایَةٍ قَالَ اِذَا دُعِیَ اَحَدُکُمْ فَلْیُجِبْ فَاِنْ کَانَ صَائِمًا فَلْیُصَلِّ وَ اِنْ کَانَ مُفْطِرًا فَلْیَطْعَمْ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۱۹۷۸) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کسی کو دعوت دی جائے اور وہ ہو روزہ دار تو کہہ دے میں روزہ دار ہوں۱؎ ایک روایت میں یوں ہے کہ فرمایا جب تم میں سے کسی کو دعوت دی جائے تو قبول کرلے پھر اگر روزہ دار ہو تو دعا کردے اور اگر بے روزہ ہو تو کھالے۲؎ (مسلم)

(۱۹۷۸)۱؎ یا اس طرح کہ دعوت قبول ہی نہ کرے یا اس طرح کہ قبول کرلے اور پہنچ بھی جائے مگر وہاں کھائے نہیں یہ عذر کر دے۔ دوسرے معنی زیادہ قوی ہیں۔ جیسا کہ اگلے مضمون سے معلوم ہو رہا ہے۔ خیال رہے کہ نفلی روزے کا چھپانا بہتر ہے مگر چونکہ یہاں چھپانے سے یا صاحب خانہ کے دل میں عداوت پیدا ہوگی یا رنج و غم' مسلمان کے دل کو خوش کرنا بھی عبادت ہے۔ اس لیے روزے کے اظہار کا حکم دیا گیا۔۲؎ دعا کا حکم تو استحبابی ہے کہ وہیں نفل پڑھ کر یا بغیر نفل پڑھے دعا کردینا بہتر ہے اور کھانے کا حکم وجوبی بھی ہوسکتا ہے اور استحبابی بھی' جیسا دعوت دینے والا اور جیسا موقع ویسا حکم (مرقات) لہذا یہ حدیث ان احادیث کیخلاف نہیں جن میں دعوت کے موقع پر روزہ توڑنے کا حکم ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ اُمِّ هَانِیءٍ قَالَتْ لَمَّا کَانَ یَوْمُ الْفَتْحِ فَتْحِ مَکَّةَ جَآءَتْ فَاطِمَةُ فَجَلَسَتْ عَلٰی یَسَارِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاُمُّ هَانِیءٍ عَنْ یَمِیْنِهٖ فَجَآءَ

(۱۹۷۹) روایت ہے حضرت ام ہانی سے فرماتی ہیں کہ جب فتح مکہ کا دن ہوا تو حضرت فاطمہ زہرا آئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں طرف بیٹھ گئیں اور ام ہانی حضور کے دائیں طرف

تِ الْوَلِيْدَةُ بِاِنَاءٍ فِيْهِ شَرَابٌ فَنَاوَلَتْهُ فَشَرِبَ مِنْهُ ثُمَّ نَاوَلَهُ اُمَّ هَانِيءٍ فَشَرِبَتْ مِنْهُ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَقَدْ اَفْطَرْتُ وَكُنْتُ صَائِمَةً فَقَالَ لَهَا اَكُنْتِ تَقْضِيْنَ شَيْئًا قَالَتْ لَا قَالَ فَلَا يَضُرُّكِ اِنْ كَانَ تَطَوُّعًا (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ نَحْوَهُ وَالدَّارِمِيُّ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِّاَحْمَدَ وَالتِّرْمِذِيِّ وَ فِيْهِ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَمَا اِنِّيْ كُنْتُ صَآئِمَةً فَقَالَ الصَّائِمُ الْمُتَطَوِّعُ اَمِيْرُ نَفْسِهٖ اِنْ شَآءَ صَامَ وَاِنْ شَآءَ اَفْطَرَ)

تھیں ۱ تو ایک لونڈی ایک برتن لائی جس میں شربت تھا حضور کو پیش کیا آپ نے اس سے پیا پھر ام ہانی کو دے دیا انہوں نے پیا ۲ پھر بولیں یا رسول اللہ میں نے روزہ توڑ لیا میں تو روزہ دار تھی ۳ تو فرمایا کیا تم کوئی روزہ قضاء کررہی تھیں بولیں نہیں فرمایا اگر نفلی روزہ تھا تو تمہیں کچھ ضرر نہیں ۴ ابوداؤد' دارمی' اور احمد و ترمذی کی روایت میں اسی کی مثل ہے اور اس میں یہ ہے کہ آپ بولیں یا رسول اللہ میں روزہ دار تھی تو فرمایا نفلی روزہ دار اپنے نفس کا خود مختار ہے اگر چاہے روزہ پورا کرے اگر چاہے افطار کرلے ۵

(۱۹۷۹) ۱ غالبًا مجلس کی یہ ترتیب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے تھی کیونکہ ام ہانی فاطمہ زہرا کی نند بھی تھیں اور پھوپھی بھی' عمر میں بھی آپ سے بڑی تھیں اس لیے انہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بائیں طرف بٹھایا اور ام ہانی کو دائیں طرف' اب بھی اجتماع کے موقع پر نشست گاہوں میں مرتبہ کے مطابق ترتیب چاہیے۔ غالبًا یہ واقعہ ام ہانی کے اپنے گھر میں نہ ہوا بلکہ کسی دوسرے گھر میں' ورنہ ام ہانی میزبانی کی خدمت خود انجام دیتیں۔ خیال رہے کہ ام ہانی نے مکہ معظمہ سے ہجرت نہیں کی تھی ۲ سنت یہ ہے کہ مجلس میں پانی وغیرہ کا برتن پہلے بزرگ کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ پھر داہنی طرف کو دور چلے کہ اگرچہ اس طرف چھوٹا آدمی یا بچہ ہی ہو اور بائیں طرف بڑا' مگر دیا جائے داہنی طرف ہی' اور یہاں تو اتفاقًا داہنی جانب ام ہانی تھیں جو رشتہ اور عمر میں فاطمہ زہرا سے بڑی تھیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عزیز قرابت دار مرد و عورت ایک دوسرے کا جھوٹا پانی پی سکتے ہیں۔ جن روایات میں ہے کہ عورت مرد کا جھوٹا نہ پیئے نہ مرد عورت کا' وہاں اجنبی لوگ مراد ہیں۔ لہٰذا یہ حدیث اس کیخلاف نہیں ۳ سبحان اللہ کیا عجب عمل ہے کہ ام ہانی نے پہلے روزہ توڑا پھر مسئلہ پوچھا' ان کے نزدیک حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا پس خوردہ تبرک پینا روزے سے افضل تھا۔ ان کے دل نے فتویٰ دیا کہ روزے کی قضاء یا کفارہ ادا کرلوں گی۔ مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا جھوٹا پھر کہاں ملے گا۔ عشق کے رنگ نرالے ہیں شعر:

نیست ایں باراں ازیں ابر شما ۔۔۔ است باراں دیگر و دیگر سما

عشق کا مدرسہ ہی دوسرا ہے اور اس کے آسمان و زمین ہی کچھ اور ۴ یعنی اگر یہ روزہ نذر یا قضائے رمضان وغیرہ تھا تب تو اس کا توڑنا منع تھا اگر محض نفلی تھا تو توڑنا بالکل جائز اگرچہ اس کی قضاء واجب اس سے معلوم ہوا کہ مرید یا شاگرد اپنے پیر یا استاذ کے تبرک کھانے کیلئے نفلی روزہ توڑ سکتا ہے۔ دعوت کی طرح یہ بھی روزہ توڑنے کا ایک عذر ہے ۵ ان ظاہری الفاظ سے امام شافعی نے فرمایا کہ نفلی روزہ توڑ دینے سے قضاء واجب نہیں لیکن یہ دلیل ضعیف ہے کیونکہ یہاں گناہ کی نفی ہے نہ کہ قضاء کی قضاء کا حکم تو اگلی حدیث میں آرہا ہے امیر نفسہٖ کا مطلب یہ ہے کہ نفلی روزہ دار کسی موقع اور محل پر افطار بہتر سمجھے تو توڑ سکتا ہے۔ اس حدیث پر بڑا اعتراض یہ ہے کہ فتح مکہ رمضان میں ہوئی۔ ام ہانی اس دن مسافر نہ تھیں۔ ان پر روزہ رمضان فرض تھا نفلی روزہ نہ رکھ سکتی تھیں۔ اس لیے ترمذی نے فرمایا کہ اس کی اسناد میں کچھ ضعف ہے۔ نسائی نے کہا کہ اس کی اسناد میں بہت اختلاف ہے۔ امام منذری فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ثابت نہیں اور اگر صحیح ہو بھی تو یہاں فتح مکہ کے دن سے زمانہ فتح مکہ مراد ہے۔ کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد مکہ میں عرصہ تک

قیام فرمایا تھا۔لہٰذا یہ واقعہ ماہ رمضان کے بعد پیش آیا۔شیخ نے فرمایا کہ فتح مکہ کیلئے مدینہ منورہ سے سفر رمضان میں ہوا مگر فتح بعد رمضان، لیکن پہلی توجیہ قوی معلوم ہوتی ہے۔کیونکہ سارے مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ فتح مکہ بھی رمضان ہی میں ہوئی۔

وَعَنِ الذُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَنَا وَ حَفْصَةَ صَائِمَتَيْنِ فَعُرِضَ لَنَا طَعَامٌ نِ اشْتَهَيْنَاهُ فَاَكَلْنَا مِنْهُ فَقَالَتْ حَفْصَةُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا كُنَّا صَآئِمَتَيْنِ فَعُرِضَ لَنَا طَعَامٌ نِ اشْتَهَيْنَاهُ فَاَكَلْنَا مِنْهُ قَالَ اَقْضِيَا يَوْمًا اٰخَرَ مَكَانَهُ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَذَكَرَ جَمَاعَةً مِّنَ الْحُفَّاظِ رَوَوْا عَنِ الذُّهْرِيِّ عَنْ عَآئِشَةَ مُرْسَلاً وَّلَمْ يَذْكُرُوْا فِيْهِ عَنْ عُرْوَةَ وَهٰذَا اَصَحُّ وَرَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ عَنْ زُمَيْلٍ مَّوْلٰى عُرْوَةَ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَآئِشَةَ)

(۱۹۸۰) روایت ہے حضرت زہری سے وہ عروہ سے وہ عائشہ صدیقہ سے راوی فرماتی ہیں کہ میں اور حفصہ دونوں روزہ دار تھیں اور ہمارے سامنے وہ کھانا آیا جس کی ہمیں رغبت تھی۔ہم نے اس میں سے کھالیا۱ حضرت حفصہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم دونوں روزہ دار تھیں۔ہمارے سامنے مرغوب کھانا آیا تو ہم نے اس سے کھالیا۲ سرکار نے فرمایا اس کی جگہ ایک دن کی قضا کرو۳ ترمذی، حافظین کی ایک جماعت نے اسے زہری سے انہوں نے حضرت عائشہ سے مرسلاً روایت کیا۴ اور اس میں عروہ کا ذکر نہ کیا۔یہ ہی صحیح تر ہے اور روایت کیا کہ ابوداؤد نے اسے عروہ کے مولٰی زمیل سے انہوں نے عروہ سے انہوں نے حضرت عائشہ سے روایت کیا۵

(۱۹۸۰)۱ اس جملہ سے معلوم ہوا کہ ان دونوں بزرگ بیبیوں کا یہ روزہ نفلی تھا۔قضائے رمضان یا نذر کا فرضی روزہ نہ تھا کہ فرضی روزہ توڑ دینے کی ہمت کوئی عام مسلمان بھی نہیں کرتا۔چہ جائیکہ ازواج مطہرات محض اچھا کھانا دیکھ کر ایک اہم عبادت توڑ دیں۔لہٰذا بعض شافعیوں کا اسے فرضی روزہ قرار دینا درست نہیں۔ان بزرگوں کی شان کے خلاف ہے۔۲ یہ دونوں بزرگ سمجھیں کہ جب دعوت کیلئے نفلی روزہ توڑ دینا جائز ہے تو ہدیہ کیلئے بھی جائز ہونا چاہیے کہ دونوں قریباً یکساں ہیں۔یہ ہی اجتہادی غلطی یا خطا تھی۔۳ یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کیونکہ اقضیا امر ہے اور امر وجوب کیلئے ہوتا ہے۔معلوم ہوا کہ اگر نفلی روزہ شروع کر کے توڑ دیا جائے تو اس کی قضاء واجب ہوتی ہے اور جس کی قضاء واجب ہو وہ خود بھی واجب ہوتا ہے۔لہٰذا نفلی روزہ شروع کردینے سے واجب ہو جاتا ہے۔ شوافع فرماتے ہیں کہ یا تو یہ روزہ قضا یا نذر کا واجب روزہ تھا اس کا جواب تو ابھی عرض کردیا گیا اور یا یہ حکم استحبابی ہے نہ کہ وجوبی، کیونکہ نفل پہلے بھی نفل ہے اور بعد شروع بھی نفل، شروع کے بعد واجب ہو جانا اس کی نفلیت کے خلاف ہے، مگر وہ حضرات بھی نفل حج وغیرہ کو شروع ہو جانے کے بعد واجب مانتے ہیں اور توڑ دینے یا چھوڑ دینے پر قضاء لازم سمجھتے ہیں۔لہٰذا ان کا یہ استدلال یہاں بھی کمزور ہے۔ نیز جب نذر مان لینے سے نفل واجب ہو جاتے ہیں تو شروع کردینے سے بھی واجب ہو جانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔اس مسئلے پر بہت قوی دلائل ہیں جو ابھی کچھ پہلے عرض کیے جاچکے۔دار قطنی نے حضرت جابر سے اور ابوداؤد طیالسی نے حضرت ابوسعید خدری سے روایت کی کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی دعوت کی۔جب سب حضرات کھانے لگے تو ایک صاحب الگ بیٹھ گئے۔ بولے میرا روزہ ہے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا توڑ دو اور اپنے بھائی میزبان کو خوش کرو اور اس کی قضاء کرلو (مرقات و لمعات)۴ یہاں مرسل سے اصطلاحی مرسل مراد نہیں یعنی صحابی کا چھوٹ جانا بلکہ لغوی مرسل مراد ہے، یعنی اسناد میں راوی کا رہ جانا جسے محدثین کے ہاں منقطع کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جناب زہری اور حضرت عائشہ کے درمیان عروہ جن کا اس اسناد میں ذکر نہیں۵ یعنی

اسناد میں بھی انقطاع ہے کیونکہ زمیل نے عروہ سے حدیث نہیں سنی نیز زمیل مجہول شخص ہیں۔لہٰذا یہ اسنادضعیف ہے۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ یہ ضعف مضرنہیں کیونکہ ابن حبان وغیرہ نے عن جریرابن حازم عن یحییٰ ابن سعیدعن عروہ عن عائشہ روایت کی اور ابن ابی شیبہ نے عن خصیف عن سعید ابن جبیرعن عائشہ روایت کی اورطبرانی نے عن خصیف عن عکرمہ عن ابن عباس عن عائشہ روایت کی اور بزار نے عن حماد ابن ولیدعن عبیداللہ ابن عمروعن نافع عن ابن عمرعن عائشہ روایت کی اورطبرانی نے عن محمدابن عمروعن ابی سلمہ عن ابی ہریرہ عن عائشہ روایت کی۔جب اتنی صحیح اسنادیں موجود ہیں تو حدیث صحیح ہے اوراس سے دلیل پکڑنا درست لہٰذا مذہب حنفی نہایت ہی قوی ہے۔

وَعَنْ اُمِّ عُمَارَةَ بِنْتِ كَعْبٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا فَدَعَتْ لَهُ بِطَعَامٍ فَقَالَ لَهَا كُلِیْ فَقَالَتْ اِنِّیْ صَآئِمَةٌ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الصَّآئِمَ اِذَا اُكِلَ عِنْدَهُ صَلَّتْ عَلَيْهِ الْمَلٰئِكَةُ حَتّٰی يَفْرُغُوْا (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِیُّ)

(۱۹۸۱) روایت ہے حضرت ام عمارہ بنت کعب سے۱؎ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے حضور کیلئے کھانا منگوایا۔حضور نے ان سے فرمایا تم بھی کھاؤ بولیں میں روزہ دار ہوں۲؎ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب روزہ دار کے پاس کچھ کھایا جائے تو اسے فرشتے دعائیں دیتے ہیں جب تک کہ وہ فارغ ہوں۳؎ (احمد،ترمذی،ابن ماجہ،دارمی)

(۱۹۸۱)۱؎ آپ کا نام نسیبہ ابن کعب ابن عوف ہے کنیت ام عمارہ صحابیہ ہیں۔انصاریہ ہیں۔عاصم ابن زید کی بیوی ہیں۔بیعت عقبہ اور بیعت رضوان میں حاضرتھیں۔غزوہ احد میں آپ نے گیارہ زخم کھائے۔حتیٰ کہ زخموں کی وجہ سے آپ کا ایک ہاتھ کاٹنا پڑا تھا۔رضی اللہ تعالٰی عنہا اس کے باوجود تمام غزوؤں میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں۲؎ چنانچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا کھایا۔انہوں نے نہ کھایا اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے۔ایک یہ کہ روزہ دار مہمان کی تواضع خاطر کھانے سے کرسکتا ہے۔ہاں رمضان میں روزہ توڑوں اور روزہ چوروں کو نہ کھانا کھلائے،نہ ان کیلئے پکائے کہ یہ گناہ پر مدد ہے۔رب تعالٰی فرماتا ہے:وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (۲؍۵) اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو (کنزالایمان) دوسرے یہ کہ اگر مہمان کا ناراضی کا اندیشہ نہ ہو،تو میزبان نفلی روزہ نہ توڑے،اور مہمان سے عذر کردے۳؎ کیونکہ یہ روزہ دار دو عبادتیں کررہا ہے۔ایک روزہ،دوسرا کھانا کھاتے دیکھ کر صبر اس لیے اس کا اجروثواب بھی زیادہ ہے اور فرشتوں کی دعائیں نفع میں ظاہر یہ ہے کہ فرشتوں سے مراد اعمال لکھنے والے اور حفاظت کرنے والے فرشتے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ دَخَلَ بَلَالٌ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَتَغَدّٰی فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغَدَآءَ يَا بَلَالُ قَالَ اِنِّیْ صَآئِمٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَاْكُلُ رِزْقَنَا وَفَضْلُ رِزْقِ بَلَالٍ فِی الْجَنَّةِ اَشَعَرْتَ يَا بَلَالُ اَنَّ الصَّآئِمَ يُسَبِّحُ عِظَامُهُ

(۱۹۸۲) روایت ہے حضرت بریدہ سے۱؎ فرماتے ہیں کہ حضرت بلال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ حضور ناشتہ کررہے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بلال ناشتہ کرلو عرض کیا یارسول اللہ میں روزہ دار ہوں۲؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم اپنی روزی کھارہے ہیں اور بلال کی بہتر روزی جنت میں ہے۳؎ اے بلال کیا تمہیں خبر ہے کہ جب تک

وَیَسْتَغْفِرُ لَهُ الْمَلٰئِكَةُ مَا اُكِلَ عِنْدَهٗ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَان)

روزے دار کے سامنے کچھ کھایا جائے تب تک اس کی ہڈیاں تسبیح کرتی ہیں اسے فرشتے دعائیں دیتے ہیں۔ (بیہقی شعب الایمان)

(۱۹۸۲)ا آپ مشہور صحابی ہیں' اسلمی ہیں' حجمی ہیں۔ زمانہ نبوی اور زمانہ خلفائے راشدین میں آپ نے اسلام کی شاندار خدمات کیں۔ جنگ جمل وصفین میں جناب علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ یزید پلید کے زمانہ میں ۶۲ ہجری میں مقام مرو میں وفات ہوئی۔ وہیں آپ کا مزار ہے جس سے لوگ برکتیں حاصل کرتے ہیں۲ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کھانا کھاتے میں کوئی آ جائے تو اسے بھی کھانے کیلئے بلانا سنت ہے' مگر دلی ارادہ سے بلائے' جھوٹی تواضع نہ کرے اور آنے والا بھی جھوٹ بول کر یہ نہ کہے کہ مجھے خواہش نہیں تاکہ بھوک اور جھوٹ کا اجتماع نہ ہو جائے' بلکہ اگر کھانا کم دیکھے تو کہہ دے بارک اللہ یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی عبادات نہیں چھپانی چاہیں۔ بلکہ ظاہر کر دی جائیں۔ تاکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر گواہ بن جائیں۔ یہ اظہار ریاء نہیں ۳ یعنی آج کی روزی ہم تو اپنی یہیں کھائے لیتے ہیں اور بلال اس کے عوض جنت میں کھائیں گے۔ وہ عوض اس سے بہتر بھی ہوگا اور زیادہ بھی ۴ حدیث بالکل اپنے ظاہری معنی پر ہے۔ واقعی اس وقت روزہ دار کی ہر ہڈی و جوڑ بلکہ رگ رگ تسبیح کرتی ہے جس کا روزہ دار کو پتا نہیں ہوتا مگر سرکار سنتے ہیں۔ یہ تسبیح اگرچہ بغیر اختیار ہے مگر اس پر ثواب بے شمار' جب سبزہ کی تسبیح سے میت کو فائدہ پہنچ جاتا ہے تو ان ہڈیوں کی تسبیح سے خود روزہ دار بلکہ اس کے پاس بیٹھنے والوں کو بھی ثواب ملے گا۔

بَابُ لَيْلَةِ الْقَدْرِ — باب شب قدر کا

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

شب قدر اس امت محمدیہ کی خصوصیات سے ہے۔ ہم سے پہلے کسی کو نہ ملی قدر کے معنی ہیں اندازہ لگانا عزت وعظمت وتنگی چونکہ اس رات میں سال بھر کے ہونے والے واقعات فرشتوں کے صحیفوں میں لکھ کر انہیں دے دیئے جاتے ہیں۔ ملک الموت کو سال بھر میں مرنے والوں کی فہرست مل جاتی ہے۔ حضرت میکائیل کو تقسیم رزق کی فہرست عطا ہوتی ہے۔ ربّ تعالیٰ فرماتا ہے: فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ (۴۴:۴) اس میں بانٹ دیا جاتا ہے ہر حکمت والا کام (کنزالایمان) نیز اس رات میں اتنے فرشتے زمین پر اترتے ہیں کہ زمین تنگ ہو جاتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: تَنَزَّلُ الْمَلٰئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا (۹۷:۴) اس میں فرشتے اور جبریل اُترتے ہیں (کنزالایمان) اس لیے اسے لیلۃ القدر کہتے ہیں نیز اس رات کی عزت وعظمت بہت زیادہ ہے اس شب میں عبادت کرنے والا رب تعالیٰ کے ہاں عزت والا ہے۔ لہٰذا اسے لیلۃ القدر کہتے ہیں۔ اس میں بہت اختلاف ہے کہ یہ رات کب ہوتی ہے۔ بعض کے خیال میں یہ مقرر نہیں کسی سال کسی مہینہ اور کسی تاریخ میں دوسرے سال کسی مہینہ اور تاریخ میں بعض کا خیال ہے کہ رمضان شریف میں ہوتی ہے مگر تاریخ مقرر نہیں۔ بعض کے خیال میں رمضان کے آخری عشرہ میں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس عشرہ کی طاق تاریخوں میں ہے۔ اکیسویں' تئیسویں وغیرہ مگر زیادہ قوی قول یہ ہے کہ ان شاء اللہ شب قدر ہمیشہ ستائیسویں رمضان کی شب ہے کیونکہ لیلۃ القدر میں ۹ حرف ہیں' یہ لفظ سورہ قدر میں تین جگہ ارشاد ہوا ہے تو تینوں ستائیس ہوتے ہیں۔ نیز سورہ قدر میں تیس حرف ہیں جن سے ستائیسواں حرف ہے ھی یہ

ضمیر لیلۃ القدر کی طرف لوٹتی ہے۔ (روح البیان) اس کی پوری تحقیق اور اس رات میں کرنے کے اعمال ہماری کتاب مواعظ نعیمیہ اور اسلامی زندگی میں ملاحظہ کرو۔

عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَّمَضَانَ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۱۹۸۳) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب قدر رمضان کے آخری عشرہ کی طاق تاریخوں میں ڈھونڈو[1] (بخاری)

(۱۹۸۳)[1] اس حدیث سے اتنا معلوم ہوا کہ شب قدر ہر سال ماہ رمضان میں ہوتی ہے اور ہوتی بھی ہے۔ آخری عشرہ میں، وہ بھی طاق تاریخوں میں قرآن کریم بھی اس کی تائید فرمارہا ہے کیونکہ ایک جگہ ارشاد ہے: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ (۲،۱۸۵) رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اُترا (کنز الایمان) جس سے معلوم ہوا کہ نزول قرآن ماہ رمضان میں ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ (۹۷،۱) بے شک ہم نے اسے شب قدر میں اُتارا (کنز الایمان) جس سے معلوم ہوا کہ قرآن شب قدر میں نازل ہوا۔ یہ دونوں آیتیں جب ہی جمع ہوسکتی ہیں جبکہ شب قدر رمضان میں ہو۔ خیال رہے کہ شب قدر کو رب تعالٰی نے ہم سے چھپا لیا تاکہ ہم اس کی تلاش میں بہت راتوں میں عبادات کریں۔ تلاش کرنے سے مراد عبادتیں کرنا ہے۔ حق یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو شب قدر کا علم دیا مگر اس کے اظہار کی اجازت نہ دی۔ اسم اعظم کی طرح عوام سے اسے چھپا رکھا تاکہ اس کی تلاش رہے اور اچھی چیز کی تلاش بھی عبادت ہے۔ لہذا یہ چھپانا ہمارے لیے بہتر ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اِنَّ رِجَالًا مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُرُوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْمَنَامِ فِي السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرٰى رُؤْيَاكُمْ قَدْ تَوَاطَأَتْ فِي السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ فَمَنْ كَانَ مُتَحَرِّيْهَا فَلْيَتَحَرَّهَا فِي السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۹۸۴) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ کو شب قدر خواب میں دکھائی گئی کہ رمضان کے آخری ہفتہ میں ہے[1] تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ تمہاری خوابیں آخری ہفتہ پر متفق ہوگئیں[2] ہیں تو جو شب قدر تلاش کرے وہ آخری ہفتہ میں تلاش کرے[3] (مسلم بخاری)

(۱۹۸۴)[1] یہ ترجمہ بہت احتیاط سے کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کسی صحابی نے خواب دیکھا کہ وہ رمضان کی اکیسویں شب ہے کسی نے دیکھا کہ تئیسویں ہے کسی نے پچیسویں اور کسی نے ستائیسویں یا انتیسویں کہا ہے یعنی آخری عشرہ کی طاق راتیں چونکہ ان میں اکثر راتیں آخری ہفتہ میں ہیں یعنی تیسویں سے انتیسویں تک اس لیے آخری ہفتہ ارشاد ہوا۔ اس جملہ کی شرح میں شارحین کو بہت دشواری ہوئی ہے۔ فقیر نے جو عرض کیا وہ زیادہ قرین ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم[2] یعنی اے صحابہ تمہاری خوابیں شخصی تعیین میں تو مختلف ہیں مگر نوعی تعیین میں متفق ہیں کہ ہر شخص نے اسے رمضان کے آخری ہفتہ میں دیکھا[3] اس سے معلوم ہوا کہ مومن کا خواب معتبر ہے۔ خصوصاً جبکہ نبی کی تصدیق بھی ہوجائے۔ دیکھو اذان خواب ہی میں صحابہ نے دیکھی تھی جو آج تک اسلام میں جاری ہے بلکہ اسلام کا شعار ہے۔ ایسے ہی یہ بھی ہے۔ لہذا اکیسویں، تئیسویں، پچیسویں، ستائیسویں، انتیسویں میں اس کی تلاش کی جائے اس کی تفصیل اگلی حدیث میں آرہی ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْتَمِسُوْهَا فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ لَیْلَةَ الْقَدْرِ فِیْ تَاسِعَةٍ تَبْقٰی فِیْ سَابِعَةٍ تَبْقٰی فِیْ خَامِسَةٍ تَبْقٰی (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

(۱۹۸۵) روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شب قدر کو رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کرو جب نو دن باقی رہیں، سات دن باقی رہیں، پانچ دن باقی رہیں ان میں ۱ (بخاری)

(۱۹۸۵) ۱؎ عرب میں دستور ہے کہ ابتدائی مہینہ میں تاریخوں کا اعتبار شروع مہینہ سے کرتے ہیں۔یعنی پانچویں تاریخ وہ جس سے پہلے چار تاریخیں گزر گئی ہوں۔آٹھویں وہ جس سے پہلے مہینہ کے سات دن گزر چکے ہوں مگر مہینہ کے انتہا میں آخر کی طرف سے حساب لگاتے ہیں۔اس طرح کہ نویں تاریخ وہ جس کے بعد مہینہ کے نو دن باقی ہوں۔یعنی اکیسویں، ساتویں تاریخ وہ جس کے بعد مہینہ کے سات دن باقی ہوں یعنی تیسویں اور اس کے ساتھ لفظ تبقے بول دیتے ہیں یعنی اس کے بعد اتنے روز باقی ہیں۔اسی محاورے سے یہ فرمان عالی ہے تو مطلب یہ ہوا کہ شب قدر رمضان کی اکیسویں، تیسویں، پچیسویں وغیرہ میں تلاش کرو۔شارحین نے اس جملے کے اور بہت سے معنی کیے ہیں کہ سابعہ سے ستائیسویں شب مراد ہے۔تاسعہ سے انتیسویں اور خامسہ سے پچیسویں مگر فقیر نے جو معنی کیے آسان تر ہیں۔واللہ ورسولہ اعلم، اس افصح الفصحاء صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سمجھنا آسان نہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اعْتَکَفَ الْعَشْرَ الْاَوَّلَ مِنْ رَمَضَانَ ثُمَّ اعْتَکَفَ الْعَشْرَ الْاَوْسَطَ فِیْ قُبَّةٍ تُرْکِیَّةٍ ثُمَّ اَطْلَعَ رَاْسَهٗ فَقَالَ اِنِّیْ اَعْتَکِفُ الْعَشْرَ الْاَوَّلَ اَلْتَمِسُ هٰذِهِ اللَّیْلَةَ ثُمَّ اَعْتَکِفُ الْعَشْرَ الْاَوْسَطَ ثُمَّ اُتِیْتُ فَقِیْلَ لِیْ اِنَّهَا فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ فَمَنْ کَانَ اعْتَکَفَ مَعِیَ فَلْیَعْتَکِفِ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ فَقَدْ اُرِیْتُ هٰذِهِ اللَّیْلَةَ ثُمَّ اُنْسِیْتُهَا وَقَدْ رَاَیْتُنِیْ اَسْجُدُ فِیْ مَآءٍ وَّطِیْنٍ مِّنْ صَبِیْحَتِهَا فَالْتَمِسُوْهَا فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ وَالْتَمِسُوْهَا فِیْ کُلِّ وِتْرٍ قَالَ فَمَطَرَتِ السَّمَآءُ تِلْکَ اللَّیْلَةَ وَکَانَ الْمَسْجِدُ عَلٰی عَرِیْشٍ فَوَکَفَ الْمَسْجِدُ فَبَصُرَتْ عَیْنَایَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَعَلٰی جَبْهَتِهٖ اَثَرُ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ مِنْ صَبِیْحَةِ اِحْدٰی وَعِشْرِیْنَ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ) فِی الْمَعْنٰی وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ اِلٰی قَوْلِهٖ فَقِیْلَ لِیْ اِنَّهَا فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ وَالْبَاقِیْ لِلْبُخَارِیِّ وَفِیْ رِوَایَةِ عَبْدِاللّٰهِ

(۱۹۸۶) روایت ہے حضرت ابی سعید خدری سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے پہلے عشرہ میں اعتکاف کیا ۱ پھر ترکی خیمہ کے اندر درمیانی عشرہ میں اعتکاف کیا ۲ پھر سر مبارک خیمہ سے نکال کر فرمایا کہ ہم نے اس رات کی تلاش میں پہلے عشرہ کا اعتکاف کیا پھر درمیانی عشرہ کا اعتکاف کیا ۳ پھر ہمارے پاس آنے والا آیا اور مجھے بتایا گیا کہ وہ رات آخری عشرہ میں ہے ۴ تو جس نے ہمارے ساتھ اعتکاف کیا ہو وہ آخری عشرہ کا بھی اعتکاف کرے ۵ مجھے یہ رات دکھائی گئی تھی پھر بھلائی گئی میں نے اس رات کی سویرے اپنے کو کیچڑ میں سجدہ کرتے دیکھا ہے ۶ لہذا تم اسے آخری عشرہ میں ڈھونڈو ہر طاق تاریخ میں نہیں تلاش کرو ۷ راوی فرماتے ہیں کہ اس نے بارش دیکھی اور مسجد پر چھپر تھا ۸ چنانچہ مسجد ٹپکی اور میری آنکھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اکیسویں کے سویرے دیکھا کہ آپ کی پیشانی پاک پر کیچڑ کا اثر تھا ۹ مسلم بخاری معنی اور لفظ مسلم کے ہیں اس مضمون تک کہ مجھے بتایا گیا وہ آخری عشرہ میں ہے باقی بخاری میں ہے اور عبداللہ ابن انیس کی روایت میں ہے کہ فرمایا کہ وہ تیسویں رات ہے ۱۰

بْنِ اُنَيْسٍ قَالَ لَيْلَةَ ثَلاثٍ وَّ عِشْرِيْنَ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) (مسلم)

(۱۹۸۶)لے یہاں اول واو کے شد سے بھی ہوسکتا ہے۔تفصیل کا واحد مذکر کیونکہ لفظ عشر واحد بھی ہے مذکر بھی اور ہمزہ کے پیش واوَ کے زبر سے بھی اولیٰ کی جمع' کیونکہ عشر معنے کے لحاظ سے مونث ہے اور جمع ہے۔پہلی قرأت زیادہ مشہور ہے۔اگلا جملہ بھی اس کی تائید کر رہا ہے کہ اس میں اوسط واحد مذکر آیا ہے۔یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار رمضان کے پہلے عشرہ میں اعتکاف کیا۔۲؎ اس خیمہ کو عربی میں خرتان کہتے ہیں اور فارسی میں خرکاء' یہ نمدہ یا کمبل کا چھوٹا سا گول خیمہ ہوتا ہے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے مسجد میں لگایا گیا تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ معتکف مسجد میں اپنے لیے جگہ خاص کر لیتا ہے۔جہاں چادر وغیرہ تان لے' جس میں بغیر اجازت کوئی نہ آ سکے۔۳؎ اس وقت تک حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو شب قدر کی اطلاع نہیں دی گئی تھی' آپ نے صرف اجتہاد سے یہ تلاش فرمائی' اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے سے بھی علم تھا کہ شب قدر رمضان ہی میں ہے۔دوسرے مہینوں میں نہیں۔یہ حدیث ان بزرگوں کے خلاف ہوگی جو کہتے ہیں کہ شب قدر سال بھر میں کبھی ہو جاتی ہے۔۴؎ چونکہ اس عشرہ کی ہر رات میں شب قدر ہونے کا احتمال تھا۔اس لیے یہاں اواخر جمع ارشاد ہوا (مرقات) یعنی بیسویں تاریخ کو فرشتہ نے آ کر عرض کیا کہ شب قدر اگلے عشرہ میں ہے۔ربّ تعالٰی چاہتا تھا کہ محبوب کا سارا مہینہ اعتکاف میں گزرے۔اس لیے پہلے اطلاع نہ دی ۵؎ تا کہ اس کی یہ محنت رائیگاں نہ جائے اور شب قدر کی تلاش میں کامیاب ہو جائے۔اس جملے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ شب قدر رمضان میں ہے اور آخری عشرہ میں ہے۔۶؎ مرقات نے یہاں فرمایا کہ غالبًا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو شب قدر کی خصوصی علامت بتائی گئی تھی۔پھر وہ بھلا دی گئی تا کہ امت اس کی تلاش میں کوشش کرے اور ثواب پائے۔معین رات صراحۃً نہ بتائی گئی تھی کہ اس کا بھول جانا کچھ بعید از عقل ہے۔خیال رہے کہ جو چیز ضروریات دین سے نہ ہو پیغمبر اسے بھول سکتے ہیں اور اس بھول میں اللہ کی بہت حکمتیں ہیں۔یہ بھی خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو شب قدر وغیرہ تمام چیزوں کا تفصیلی علم عطا ہوا' خود فرماتے ہیں **فتجلی الی کل شیء وعرفت** ہر چیز میں شب قدر بھی یقینًا داخل ہے۔بھلا دی گئی فرما کر یہ بتایا کہ یہ بھولنا ہماری اپنی کوتاہی سے نہیں ہوا بلکہ ربّ تعالٰی کی طرف سے ہوا۔رب تعالٰی فرماتا ہے: سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ (۷۔۶،۸۷) اب ہم تمہیں پڑھائیں گے کہ تم نہ بھولو گے مگر جو اللہ چاہے (کنزالایمان) ۷؎ یعنی میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ اس سال شب قدر میں بارش ہوگی۔مسجد نبوی شریف ٹپکے گی جس سے مسجد میں کیچڑ ہو جائے اور ہم اس کیچڑ میں نماز فجر ادا کریں گے۔یہ مطلب نہیں کہ ہر سال شب قدر میں بارش ہوا کرے گی اور ہم کیچڑ میں فجر پڑھا کریں گے۔۸؎ معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو شب قدر بالکل نہ بھلائی گئی تھی بلکہ اس کا تقرر وتعین بھلا دیا گیا تھا۔اس لیے فرمایا کہ شب قدر آخری عشرہ رمضان کی طاق تاریخوں تئیسویں' پچیسویں وغیرہ میں ہے ڈھونڈو ۹؎ کہ بجائے ستونوں کے کھجور کے تنے تھے اور بجائے کڑیوں کے کھجور کی شاخیں تھیں جن پر کھجور کے پتے ڈال دیئے گئے تھے۔دھوپ بھی چھن کر آتی تھی اور بارش بھی اسی لیے تھوڑی بارش سے مسجد میں کیچڑ ہو جاتی تھی۔۱۰؎ تب ہمیں پتا لگا کہ آج اکیسویں شب کو لیلۃ القدر ہوگئی۔اس حدیث کی وجہ سے بعض علماء فرماتے ہیں کہ شب قدر اکیسویں رمضان میں ہے۔بعض نے فرمایا کہ اس سال اکیسویں شب تھی۔ہمیشہ نہیں ہم عرض کر چکے ہیں کہ دلائل ہر رات کے متعلق موجود ہیں مگر ستائیسویں شب کے دلائل ہی قوی اور زیادہ ہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدہ میں پیشانی زمین پر ضرور لگائے اگرچہ فرش پر معمولی کیچڑ ہو اور نماز میں پیشانی وغیرہ پونچھے نہیں۔مٹی کیچڑ لگنے دے۔ہاں بعد نماز پونچھ ڈالے کہ یہ عبادت کا اثر ہے جس کے

اظہار میں ریاء کا اندیشہ ہے۔ اس جملہ میں لَیْلَۃٌ کو یا تو زبر ہے تو معنی ہوئے کہ بارش وغیرہ کا یہ واقعہ تیئیسویں رمضان کی شب میں ہوا۔ تب راویوں کی یاد میں اختلاف ہے۔ ابوسعید خدری کو یاد رہا کہ اکیسویں شب کو بارش ہوئی اور حضرت عبداللہ ابن انیس کو تیئسویں شب یاد رہی اور یا لیلۃ کو پیش ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ شب قدر تیئسویں رمضان کی رات ہے کیونکہ انہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات بہت عبادت کرنے کا حکم دیا۔

وَعَنْ زِرِّبْنِ حُبَيْشٍ قَالَ سَالْتُ اُبَیَّ بْنَ كَعْبٍ فَقُلْتُ اِنَّ اَخَاكَ ابْنَ مَسْعُوْدٍ يَقُوْلُ مَنْ يَّقُمِ الْحَوْلَ يُصِبْ لَيْلَةَ الْقَدْرِ فَقَالَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اَرَادَ اَنْ لَّا يَتَّكِلَ النَّاسُ اَمَا اَنَّهُ قَدْ عَلِمَ اَنَّهَا فِیْ رَمَضَانَ وَاَنَّهَا فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ وَاَنَّهَا لَيْلَةُ سَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ ثُمَّ حَلَفَ لَا يَسْتَثْنِیْ اَنَّهَا لَيْلَةَ سَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ فَقُلْتُ بِاَیِّ شَیْءٍ تَقُوْلُ ذٰلِكَ يَا اَبَا الْمُنْذِرِ قَالَ بِالْعَلَامَةِ اَوْ بِالْاٰيَةِ الَّتِیْ اَخْبَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهَا تَطْلُعُ يَوْمَئِذٍ لَّا شُعَاعَ لَهَا (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۱۹۸۷) روایت ہے حضرت زِرّ ین حبیش سے [۱] فرماتے ہیں میں نے حضرت ابی ابن کعب سے پوچھا میں نے کہا کہ تمہارے بھائی ابن مسعود فرماتے ہیں جو سال بھر شب بیداری کرے وہ شب قدر پالے گا [۲] وہ بولے اللہ ان پر رحم کرے۔ انہوں نے چاہا یہ لوگ بھروسہ نہ کرلیں ورنہ وہ جانتے ہیں کہ شب قدر رمضان میں ہے۔ اس کے آخری عشرہ میں ہے اور وہ ستائیسویں شب ہے [۳] پھر آپ نے بغیر انشاء اللہ کہے قسم کھائی کہ وہ ستائیسویں شب ہے [۴] میں نے کہا آپ کس دلیل سے یہ فرماتے ہیں۔ اے ابوالمنذر فرمایا اس نشانی یا اس دلیل سے جو ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی کہ اس دن سورج بغیر شعاؤں کے طلوع ہوتا ہے [۵] (مسلم)

(۱۹۸۷) [۱] آپ جلیل القدر تابعین میں سے ہیں۔ آپ کی عمر ایک سوبیس یا ایک سوتیس یا ڈیڑھ سو برس ہوئی۔ آدھی عمر جاہلیت میں گزاری۔ آدھی اسلام میں زبردست قاری تھے۔ حضرت ابن مسعود و ابی ابن کعب کے ساتھیوں میں سے ہیں [۲] شب بیداری سے مراد نماز تہجد پڑھنا ہے کیونکہ تمام سال پوری رات جاگنا شرعاً ممنوع ہے۔ ربّ تعالیٰ فرماتا ہے: قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا (۷۳-۲) رات میں قیام فرما سوا کچھ رات کے (کنزالایمان) یہ حدیث ان بزرگوں کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ شب قدر نہ تو رمضان کی کسی خاص تاریخ سے مخصوص ہے نہ خود رمضان شریف سے بلکہ سال کے کسی مہینہ میں ضرور ہوتی ہے۔ مثلاً اگر کوئی اپنی بیوی سے کہے کہ تجھے شب قدر کی صبح کو طلاق ہے تو کہنے سے سال بھر کے بعد طلاق واقع ہوگی کیونکہ نکاح یقینی تھا اور شب قدر کی تعیین میں شک ہے۔ سال میں یقینا ہوتی ہے یقینی چیز یقینی سے ہی زائل ہوسکتی ہے [۳] یعنی میرا بھی گمان غالب قریباً یقین ہے اور حضرت ابن مسعود کا بھی کہ شب قدر ستائیسویں رمضان کی رات ہے مگر انہوں نے اس کا اظہار محض اس لیے نہ کیا کہ تم لوگ اس کی تلاش نہ چھوڑ دو۔ تلاش میں لگے رہو کہ ثواب پاتے رہو کہ اچھی چیز کی تلاش بھی اچھی ہے۔ [۴] یعنی یوں فرمایا کہ قسم خدا کی شب قدر ستائیسویں رمضان کی شب ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسائل اجتہادیہ پر قسم کھائی جاسکتی ہے۔ مثلاً حنفی کہے قسم خدا کی آمین اونچی آواز سے پکارنا منع ہے یا اللہ کی قسم رفع یدین نہ کرنا سنت ہے۔ دیکھو حضرت ابی ابن کعب اپنے اجتہاد سے جانی ہوئی بات پر قسم کھا رہے ہیں۔ آپ کو اتنا اعتماد ہے [۵] یعنی شب قدر کی علامت یہ بتائی گئی ہے کہ اس کے سویرے کو سورج کی بوقت طلوع شعاعیں نہیں پڑتیں۔ سفید بغیر شعاع طلوع ہوتا ہے بعد میں شعاعیں ظاہر ہوتی ہیں اور میں نے یہ آزمالیا کہ ستائیسویں رمضان کو ایسا ہوتا ہے۔ اس دلیل کا کبریٰ نص سے ثابت ہے اور صغریٰ ان کے اجتہاد سے لہٰذا دلیل اجتہادی

ہوئی۔ اشعۃ اللمعات میں اس جگہ فرمایا کہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ سے شب قدر کے متعلق پوچھا تو حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ رمضان کے آخری عشرہ کی ساتویں رات ہے۔خواہ سات باقی ہوں یا سات گزر گئی ہوں۔یعنی تیئسویں یا ستائیسویں شب' جناب عمر نے پوچھا دلیل کیا ہے۔آپ نے فرمایا کہ رب تعالٰی نے آسمان بنائے سات' زمین سات' ہفتہ کے دن سات' انسان کی پیدائش سات اندام سے نیز انسان کھاتا ہے سات اعضاء سے' سجدہ کرتا ہے سات اعضاء پر' طواف میں سات چکر ہیں' رمی جمار میں سات کنکر ہی مارے جاتے ہیں۔لہٰذا شب قدر میں بھی سات کا ہی عدد چاہیے۔حضرت عمر نے فرمایا اب ابن عباس تم نے وہ تو چیز جان لی جو ہمارے علم میں بھی ہے۔

وَعَنْ عَـآئِشَةَ قَـالَـتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَـلَيْـهِ وَسَـلَّـمَ يَـجْتَـهِـدُ فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مَالَا يَجْتَهِدُ فِيْ غَيْرِهٖ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۱۹۸۸) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری عشرہ میں اس قدر مشقت فرماتے تھے جو دیگر ایام میں نہ کرتے تھے[۱] (مسلم)

(۱۹۸۸)[۱] چنانچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف بھی کرتے تھے اور عموماً شب بیداری بھی یا تو اس لیے کہ اس عشرہ میں شب قدر ہے یا اس لیے کہ مہمان جارہا ہے۔الوداع سامنے ہے جو اوقات مل جائیں غنیمت ہے یا اس لیے کہ مہینہ کا خاتمہ زیادہ عبادتوں پر ہو۔بزرگوں کو دیکھا گیا ہے کہ بڑھاپے میں دنیا سے کنارہ کر کے عبادت زیادہ کرتے ہیں کہ اب چلتا وقت ہے جو ہو سکے کرلیں۔شعر:

اترتے چاند ڈھلتی چاندنی جو ہو سکے کرلے
اندھیرا پاکھ آتا ہے یہ دو دن کی اجالی ہے

وَعَنْهَا قَـالَـتْ كَـانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّـمَ اِذَا دَخَـلَ الْـعَشْرُ شَدَّمِيْزَرَهٗ وَاَحْىٰ لَيْلَهٗ وَ اَيْقَظَ اَهْلَهٗ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۹۸۹) روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ جب آخری عشرہ آتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کمر بستہ ہو جاتے[۱] راتوں کو خود جاگتے اور گھر والوں کو جگاتے[۲] (مسلم بخاری)

(۱۹۸۹)[۱] میزر ازار سے بنا بمعنی تہبند یا پائجامہ' لفظی معنی ہوئے اپنا تہبند باندھ لیتے۔ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد ہے شاق کاموں کیلئے تیار ہو جاتے جیسے کہا جاتا ہے اٹھ باندھ کمر کیا بیٹھا ہے اور ہوسکتا ہے کہ مقصد یہ ہو کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانہ میں ازواج پاک سے قطعاً علیحدہ رہتے اعتکاف کی وجہ سے بھی اور زیادہ عبادتوں میں مشغولیت کے سبب سے بھی[۲] یعنی اس عشرہ کی راتوں میں قریباً تمام رات جاگتے تھے۔تلاوت قرآن' نوافل' ذکر اللہ میں راتیں گزارتے تھے اور ازواج پاک کو بھی اس کا حکم دیتے تھے۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام رات بیداری و عبادات کبھی نہ کیں۔خیال رہے کہ یہاں اَحْیٰ سے مراد ہے عبادت کیلئے جاگنا اور لیلہ اس کا ظرف ہے۔یعنی رات بھر عبادت کیلئے جاگتے۔ہوسکتا ہے کہ لیلہ مفعول بہ ہو یعنی رات کے اوقات کو اپنی عبادت سے زندہ کر دیتے یا زندہ رکھتے جو وقت اللہ کی یاد میں گزارے وہ زندہ ہے جو غفلت میں گزرے وہ مردہ' جامع صغیر میں ہے کہ جو عشاء کی نماز جماعت سے پڑھے اس نے گویا شب قدر میں عبادت کی۔طبری نے بروایت حضرت ابو امامہ روایت کی کہ جو نماز عشاء جماعت سے پڑھے وہ گویا آدھی رات عبادت گزار رہا اور جو فجر بھی جماعت سے پڑھ لے تو گویا وہ تمام رات عابد رہا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ عَـآئِشَةَ قَـالَتْ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَیْتَ اِنْ عَلِمْتُ اَیُّ لَیْلَةٍ لَّیْلَةُ الْقَدْرِ مَا اَقُوْلُ فِیْهَا قَالَ قُوْلِیْ اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَصَحَّحَهٗ)

(۱۹۹۰) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ فرمایئے اگر میں جان لوں کہ شب قدر کونسی رات ہے تو اس میں کیا پڑھوں[۱] فرمایا یہ عرض کرو الٰہی تو معاف فرمانیوالا ہے معافی پسند کرتا ہے مجھے معافی دے دے[۲] احمد ابن ماجہ ترمذی اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے

(۱۹۹۰)[۱] یعنی اگر کبھی میری آنکھوں سے حجاب اٹھ جائیں اور میں شجر وحجر کو سجدہ کرتے، فرشتوں کو اترتے، شب قدر کا نور پھیلتے، روح فرشتہ کوز میں پر آتے دیکھوں، جس سے معلوم کرلوں کہ یہ شب قدر ہے تو میں اس میں دعا کیا مانگوں، معلوم ہوا کہ بعض اولیاء کبھی شب قدر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں مگر انہیں بھی چھپانے کا حکم ہے کہ شب قدر کو چھپانا سنت ہے۔ (مرقات) [۲] یہ دعا مختصر ہے اور بہت جامع ہے کیونکہ جب ربّ تعالٰی نے بندے کو معافی دے دی تو سب کچھ دے دیا۔ خیال رہے کہ گنہگار گناہوں سے معافی مانگتے ہیں اور نیک کار نیکی کر کے معافی کے خواستگار ہوتے ہیں کہ خداوندا تیری بارگاہ کے لائق نیکی نہ ہوسکی تو معاف فرمانے والا ہے۔ معافی پسند کرتا ہے مجھے معافی دے دے شعر:

زاہداں از گناہ توبہ کنند | عارفاں از اطاعت استغفار

حضرت عائشہ صدیقہ ربّ تعالٰی کے فضل سے گناہوں سے محفوظ ہیں پھر بھی معافی مانگنے کا حکم دیا گیا۔ گناہوں سے معافی نہیں بلکہ وہ معافی جو عرض کی گئی۔

وَعَنْ اَبِیْ بَـكْـرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِلْتَمِسُوْهَا یَعْنِیْ لَیْلَةَ الْقَدْرِ فِیْ تِسْعٍ یَّبْقَیْنَ اَوْفِیْ سَبْعٍ یَّبْقَیْنَ اَوْ فِیْ خَمْسٍ یَّبْقَیْنَ اَوْثَلَاثٍ اَوْ اٰخِرِ لَیْلَةٍ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

(۱۹۹۱) روایت ہے حضرت ابوبکرہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ یہ رات یعنی شب قدر ڈھونڈو جب نو دن باقی رہیں یا سات دن باقی رہیں یا پانچ دن باقی رہیں یا تین یا آخری رات[۱] ترمذی

(۱۹۹۱)[۱] یعنی شب قدر کو اکیسویں رمضان یا تئیسویں یا پچیسویں یا ستائیسویں یا انتیسویں کی راتوں میں تلاش کرو۔ اس کی تحقیق ابھی کچھ پہلے عرض کی جاچکی ہے کہ عرب میں کبھی آخر ماہ سے حساب لگاتے ہیں۔ وہاں یَبْقَیْنَ یابقیت کہہ دیتے ہیں اور یہ حساب اس حساب سے ہے کہ رمضان تیس دن کا ہو۔

وَعَنِ ابْـنِ عُـمَرَ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَـلَیْـهِ وَسَـلَّـمَ عَـنْ لَیْـلَةِ الْقَدْرِ فَقَالَ هِیَ فِیْ كُلِّ رَمَـضَانَ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَقَالَ رَوَاهُ سُفْیَانُ وَشُعْبَةُ عَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ مَوْقُوْفًا عَلَی ابْنِ عُمَرَ)

(۱۹۹۲) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شب قدر کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا وہ ہر رمضان میں ہوتی ہے[۱] ابوداؤد اور ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث سفیان وشعبہ نے ابواسحاق سے حضرت ابن عمر پر موقوف روایت کی۔

(۱۹۹۲)۱؎ اس جواب کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ایک یہ کہ ہمیشہ شب قدر رمضان میں ہوگی۔اس کے علاوہ دوسرے مہینہ میں نہیں ہوگی، نہ تو یہ ہوگا کہ کوئی سال شب قدر سے بالکل خالی رہے کہ کسی مہینہ میں شب قدر نہ ہو اور نہ یہ کہ رمضان کے سواء کسی اور مہینہ میں ہو جاوے۔دوسرے یہ کہ رمضان کے ہر حصہ میں شب قدر ہوسکتی ہے آخری عشرہ سے خاص نہیں، کبھی شروع تاریخوں میں ہوگی کبھی درمیانی میں اور کبھی آخری تاریخوں میں، یہ حدیث ان علماء کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ ہمیشہ شب قدر رمضان ہی میں ہوگی مگر تاریخ مقرر نہیں، کبھی کسی تاریخ میں اور کبھی کسی میں، واللہ ورسولہ اعلم

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اُنَيْسٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ لِيْ بَادِيَةً اَكُوْنُ فِيْهَا وَاَنَا اُصَلِّيْ فِيْهَا بِحَمْدِ اللّٰهِ فَمُرْنِيْ بِلَيْلَةٍ اَنْزِلُهَا اِلٰى هٰذَا الْمَسْجِدِ فَقَالَ اَنْزِلْ لَيْلَةَ ثَلَاثٍ وَّ عِشْرِيْنَ قِيْلَ لِاَبْنِهٖ كَيْفَ كَانَ اَبُوْكَ يَصْنَعُ قَالَ كَانَ يَدْخُلُ الْمَسْجِدَ اِذَا صَلَّى الْعَصْرَ فَلَا يَخْرُجُ مِنْهُ لِحَاجَةٍ حَتّٰى يُصَلِّيَ الصُّبْحَ فَاِذَا صَلَّى الصُّبْحَ وَجَدَ دَآبَّتَهٗ عَلٰى بَابِ الْمَسْجِدِ فَجَلَسَ عَلَيْهَا وَلَحِقَ بِبَادِيَتِهٖ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۱۹۹۳) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن انیس سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرا ایک جنگل ہے جس میں میں رہتا ہوں۱؎ اور الحمد اللہ وہاں ہی نمازیں پڑھتا ہوں۲؎ مجھے ایک رات بتا دیجئے جس میں میں اس مسجد میں آیا کروں۳؎ فرمایا تیئسویں رات آ جایا کرو۴؎ ان کے بیٹے سے پوچھا گیا کہ آپ کے والد کیا کرتے تھے فرمایا جب عصر پڑھ لیتے تو مسجد نبوی میں چلے جاتے۵؎ پھر کسی کام کیلئے نہ نکلتے حتی کہ نماز فجر پڑھ لیتے۶؎ جب فجر پڑھ لیتے تو اپنی سواری مسجد کے دروازے پر پاتے اس پر سوار ہوکر اپنے جنگل چلے جاتے ۷؎ (ابوداؤد)۸؎

(۱۹۹۳)۱؎ یعنی میرا مکان مدینہ منورہ سے دور اپنی زمین میں واقع ہے۔جہاں میرا کنواں باغ وغیرہ ہے۔وہاں ہی میرے جانور رہتے ہیں اور وہاں ہی میرے بال بچے، عرب میں یہ بات عام مروج تھی کہ باغوں زمینوں والے اپنی زمینوں میں رہتے تھے۔۲؎ اس طرح کہ اس زمین میں میں نے مسجد بنالی ہے۔جہاں ہم سب گھر والے باجماعت نمازیں پڑھ لیا کرتے ہیں۔راہگیر مسافر بھی وہاں نمازیں پڑھتے ہیں، جیسا کہ پنجاب میں کنوؤں کی مسجدوں میں ہوتا ہے۔لہذا ان صحابی پر ترک جماعت کا اعتراض نہیں ہوسکتا ۳؎ یعنی مسجد نبوی شریف میں حاضر ہو جایا کروں۔رات بھر نوافل پڑھنے کیلئے یعنی شب قدر بتادیں تاکہ زمان اور مکان دونوں کی برکتیں حاصل کرلیا کروں۔شب قدر ہو مسجد نبوی کی زمین پاک ہو اور میری جبین نیاز ہو اس طرح نوافل ادا کیا کروں۔رب تعالٰی کبھی ہم کو بھی یہ سعادت میسر کرے۔۴؎ یعنی تیئسویں رمضان کی رات یہاں آکر شب بیدار اور نوافل ادا کیا کرو کہ یہ رات شب قدر ہے۔یہ حدیث ان بزرگوں کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ تیئسویں رمضان شب قدر ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو شب قدر کا علم دیا گیا ۵؎ یعنی میرے والد بائیسویں رمضان کی عصر پڑھ کر مسجد نبوی میں داخل ہو جاتے تھے۔ظاہر یہ ہے کہ نماز عصر اپنے گھر پڑھ کر آتے تھے اور ہو سکتا ہے کہ نماز عصر یہاں مسجد نبوی شریف میں ہی پڑھتے ہوں۔تب داخلہ سے مراد ٹھہرنے کا داخلہ ہوگا۔اس طرح کہ یہاں عصر پڑھی پھر ضروریات سے فارغ ہوئے پھر رات بھر قیام کے ارادے سے مسجد میں آگئے ۶؎ ظاہر یہ ہے کہ حاجت سے مراد مطلق ضرورت ہے تو آپ تمام ضروریات انسانی سے ایسے فارغ ہوکر مسجد میں داخل ہوتے تھے کہ پھر وضو کیلئے بھی باہر نہ آتے تھے۔وضو ٹوٹتا ہی نہ تھا۔اس جملہ کی اور بہت شرحیں کی گئی ہیں مگر یہ شرح بہت ہی مناسب ہے۔خیال رہے کہ آپ معتکف نہ ہوتے تھے کیونکہ فرضی اعتکاف تو چوبیس

گھنٹے کا ہوتا ہے اور اعتکاف سنت رمضان کے پورے آخری عشرہ کا اور اعتکاف نفلی ایک ساعت کا بھی ہوسکتا ہے' مگر اس میں مسجد سے باہر آنا ممنوع نہیں جب چاہے معتکف باہر آجائے اور جب چاہے اندر جائے اور پھر نیت اعتکاف کرلے۔ لہٰذا جن شارحین نے اس سے اعتکاف سمجھا وہ مناسب نہیں معلوم ہوتا آپ اس رات کی حاضری کو غنیمت جانتے تھے اور ایک منٹ کیلئے بھی باہر نہ آتے تھے ۷ اور پھر شہر میں کبھی کبھار آتے اس سے اشارۃً معلوم ہو رہا ہے کہ اس رات کو وہ شب قدر جان کر یہ عبادت کرتے تھے جیسا کہ مرقات میں ہے ۸ ابوداؤد نے یہ حدیث ضمرہ ابن عبداللہ ابن انیس سے روایت کی۔ اس اسناد میں محمد ابن اسحاق راوی ہیں جن کا حال یہ ہے کہ اگر وہ حدثنا کہہ کر روایت کریں تو اسناد صحیح ہوتی ہے۔ اصل حدیث مسلم کی ہے۔ بروایت بشر ابن سعید۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُخْبِرَنَا بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ فَتَلَاحٰى رَجُلَانِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَ خَرَجْتُ لِأُخْبِرَكُمْ بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ فَتَلَاحٰى رَجُلَانِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَ خَرَجْتُ لِأُخْبِرَكُمْ بِلَيْلَةِ فَتَلَاحٰى فُلَانٌ وَّفُلَانٌ فَرُفِعَتْ وَعَسٰى اَنْ يَّكُوْنَ خَيْرًا لَّكُمْ فَالْتَمِسُوْهَا فِي التَّاسِعَةِ وَالسَّابِعَةِ وَالْخَامِسَةِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

(۱۹۹۴) روایت ہے حضرت عبادہ ابن صامت سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں شب قدر بتانے تشریف لائے ۱ تو دو مسلمان مرد لڑ پڑے ۲ حضور نے فرمایا کہ میں تمہیں شب قدر بتانے آیا تھا مگر فلاں فلاں لڑ پڑے تو شب قدر اٹھالی گئی ۳ ممکن ہے یہ اٹھا لیا جانا تمہارے لیے بہتر ہی ہو ۴ اب اسے آخری نویں ساتویں پانچویں میں تلاش کرو ۵ (بخاری)

(۱۹۹۴) ۱ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو شب قدر کی خبر بھی دے دی گئی اور بتانے کی اجازت بھی دے دی گئی۔ اس لیے سرکار بتانے کیلئے تشریف لائے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰی نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو شب قدر کا علم دیا ۲ غالبًا یہ حضرات عبداللہ ابن ابی حدود اور کعب ابن مالک تھے۔ جن کا جھگڑا قرض کے متعلق تھا۔ جن میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آدھا معاف کرا دیا اور باقی آدھا ادا کرنے کا حکم دے دیا ۳ یعنی میرے علم سے اس کا تقرر دور کر دیا گیا اور مجھے بھلا دی گئی۔ یہ مطلب نہیں کہ خود شب قدر ہی ختم کر دی۔ اب وہ ہوا ہی نہ کرے گی۔ ان جھگڑنے والوں کا جھگڑنا حق بھی تھا اور اعتدال سے زیادہ بھی جس کا اثر یہ ہوا۔ معلوم ہوا کہ دنیاوی جھگڑے منحوس ہیں۔ ان کا وبال بہت ہی زیادہ ہے۔ ان کی وجہ سے اللہ کی آتی ہوئی رحمتیں رک جاتی ہیں ۴ یعنی اس شر کے ضمن میں تمہارے لیے خیر ہے کہ اب تم شب قدر تلاش کرو گے اور اس کی تلاش بھی عبادت ہے۔ لہٰذا تم اس پر بھی بہت ثواب پاؤ گے۔ یہاں مرقات نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص شب قدر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے تو وہ بھی لوگوں پر ظاہر نہ کرے کہ اس کا ظاہر نہ کرنا سنت ہے اور ظاہر کر دینا خلاف سنت اللہ تعالٰی نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر مطلع کر دیا تھا مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تحقیقی اطلاع نہ دی تھی یا علامتیں بتائیں یا نوعی تقرر ظاہر کیا ۵ یعنی رمضان کی انتیسویں' ستائیسویں' پچیسویں راتوں میں زیادہ جستجو کرو غالب یہ ہے کہ ان میں سے کسی رات میں ہے اس فرمان سے معلوم ہوا کہ اس جھگڑے سے خود شب قدر نہ اٹھی تھی بلکہ اس کا تعین اٹھا ورنہ اسکے تلاش کرنے کے کیا معنی' تلاش وہ چیز کی جاتی ہے جو ہو مگر اس کا پتا نہ ہو۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ نَزَلَ جِبْرَيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي كُبْكُبَةٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ يُصَلُّوْنَ عَلٰى كُلِّ عَبْدٍ قَآئِمٍ اَوْ قَاعِدٍ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ فَاِذَا كَانَ يَوْمُ عِيْدِهِمْ يَعْنِيْ يَوْمَ فِطْرِهِمْ يُبَاهِيْ اللّٰهُ بِهِمْ مَلٰٓئِكَتَهٗ فَقَالَ يَامَلٰٓئِكَتِيْ مَاجَزَآءُ اَجِيْرٍ وَّفّٰى عَمَلَهٗ قَالُوْا رَبَّنَا جَزَآءُهٗ اَنْ يُّوَفّٰى اَجْرُهٗ قَالَ مَلٰٓئِكَتِيْ عَبِيْدِيْ وَاِمَآئِيْ قَضَوْا فَرِيْضَتِيْ عَلَيْهِمْ ثُمَّ خَرَجُوْا يَعُجُّوْنَ اِلَى الدُّعَآءِ وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ وَكَرَمِيْ وَعُلُوِّيْ وَارْتِفَاعِ مَكَانِيْ لَاُجِيْبَنَّهُمْ فَيَقُوْلُ ارْجِعُوْا فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ وَبَدَّلْتُ سَيِّاٰتِكُمْ حَسَنَاتٍ قَالَ فَيَرْجِعُوْنَ مَغْفُوْرًا لَّهُمْ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

(۱۹۹۵) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب شب قدر ہوتی ہے تو جبریل علیہ السلام فرشتوں کی جماعت میں اترتے ہیں۱ ہر اس کھڑے بیٹھے بندے کو دعائیں دیتے ہیں جو اللہ کا ذکر کررہا ہو۲ پھر جب بندوں کی عید کا دن ہوتا ہے تو اللہ ان بندوں سے اپنے فرشتوں پر فخر فرماتا ہے۳ فرماتا ہے اے میرے فرشتو اس مزدور کی اجرت کیا ہونی چاہیے جو اپنا کام پورا کردے۴ عرض کرتے ہیں الٰہی اس کی اجرت یہ ہے کہ اسے پورا ثواب دیا جائے۵ فرماتا ہے اے فرشتو میرے بندے بندیوں نے میرا فریضہ پورا کردیا جو ان پر تھا پھر دعا میں شور مچاتے نکل پڑے۶ مجھے اپنی عزت اپنے جلال اپنے کرم اپنی بلندی اپنے غلبہ مرتبہ کی قسم میں ان کی دعا قبول کروں گا۷ پھر فرماتا ہے لوٹ جاؤ میں نے تمہیں بخش دیا۸ اور تمہاری برائیوں کو خوبیاں بنا دیا۹ فرمایا پھر یہ لوگ بخشے ہوئے لوٹتے ہیں۱۰ (بیہقی شعب الایمان)

(۱۹۹۵)۱؎ یہ حدیث اس آیت کریمہ کی تفسیر ہے کہ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا (۹۷،۴) اس میں فرشتے اور جبریل اُترتے ہیں (کنزالایمان) اس سے پتا لگا کہ وہاں روح سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں اور ملائکہ سے مراد فرشتوں کی وہ جماعت ہے جو ان کے ساتھ اترتی ہے۔ یہ جماعت سوائے شب قدر کے اور کبھی نہیں اترتی۔ بعض بزرگوں نے کبھی اس جماعت کو دیکھا بھی ہے۔ روح کی تفسیریں اور بہت ہیں مگر قوی یہ ہی ہے کہ وہ حضرت جبریل ہیں۲؎ اس تعلیم سے معلوم ہوا کہ شب قدر میں صرف نماز ہی پڑھنا لازم نہیں بلکہ نماز، تلاوت قرآن اور تمام قسم کے ذکر اللہ کیے جائیں پھر نماز نفل کھڑے ہوکر پڑھی جائے یا بیٹھ کر ہر طرح فرشتوں کی دعائیں مل جاتی ہیں۳؎ فرماتا ہے اے فرشتو تم نے تو کہا تھا کہ خلافت الٰہیہ انسان کو کیوں عطا ہورہی ہے۔ یہ تو خون ریزی کرے گا۔ فساد پھیلائے گا۔ دیکھو انسانوں میں ایسے عابد بھی ہیں جو دن کو روزے رکھ کر راتوں کو اس طرح جاگ لیتے ہیں اور ایسی عبادتیں کر لیتے ہیں جو کسی مخلوق سے نہ ہو سکے۔ خیال رہے کہ روزہ جہاد اشاعت دین شہادت وغیرہ وہ عبادتیں ہیں جو صرف انسان ہی کرسکتا ہے۔ فرشتوں سے بھی نہیں ہوسکتیں۔ رکوع سجدہ تو عبادات مشترکہ ہیں، مگر یہ عبادات انسان سے خاص ہیں اسی لیے ربّ تعالٰی نے فرمایا: وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ (۳۳،۷۲) اور آدمی نے اٹھالی (کنزالایمان) جنات سفر حج اور جہاد کی مشقتوں کو کیا جانیں۴؎ یعنی ان بندوں نے رمضان کی عبادات پوری کرلیں۔ روزے، تراویح، اعتکاف شب قدر کی شب بیداری وغیرہ سب کام پورے کرچکے۔ اب بتاؤ ہم کیا کریں اور انہیں کیا دیں۔ لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ انسان کا کام تو مرتے وقت پورا ہوتا ہے ابھی یہ کیوں فرمایا گیا، کیونکہ یہاں اس ماہ کی عبادات پوری کرلینا مراد ہے۵؎ کہ یہ تو ان مزدوروں کا حق ہے جو تو نے اپنے ذمہ کرم پر لازم فرمالیا ہے۔ آگے جو تو کرم فرمائے تو تیرا کرم ہے جو سب کے وہم و گمان سے وراء ہے۔ یہ کلام در پردہ فرشتوں کی سفارش ہے۔ خیال رہے کہ فرشتے مومنوں کیلئے عمومی دعا تو ہمیشہ کرتے رہتے ہیں۔ ربّ تعالٰی فرماتا ہے: اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ

وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (۴۰،۷) وہ جو عرش اُٹھاتے ہیں اور جو اس کے گرد ہیں اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بولتے اور اس پر ایمان لاتے اور مسلمانوں کی مغفرت مانگتے ہیں (کنزالایمان) اور خصوصی دعائیں خاص موقعوں پر کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ اس کے عوض ہے جو انہوں نے بارگاہ الٰہی میں انسانوں کی شکایت کی تھی۔ اسی لیے شب قدر میں فرشتے یہی دعائیں کرنے آتے ہیں اور آج فرشتوں ہی سے یہ خطاب ہے۔[۶] اس حدیث سے پتا لگا کہ عید الفطر کی نماز جنگل میں نکل کر پڑھنا بہتر ہے اور یہ نماز درحقیقت اس نعمت کا شکریہ ہے کہ جس نے ہمیں رمضان کی عبادات کی توفیق بخشی۔ قرآن کریم فرماتا ہے: وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰكُمْ (۲،۱۸۵) اور اللہ کی بڑائی بولو اس پر کہ اس نے تمہیں ہدایت کی (کنزالایمان) روزہ چوروں اور روزہ چھوڑوں اور روزہ توڑوں کو عید کی خوشی منانے کا حق ہی نہیں مگر آج کل عید کی زیادہ خوشی یہ ہی لوگ مناتے دیکھے گئے۔[۷] یعنی بعد نماز عید جو دعا مانگیں گے وہ قبول کروں گا۔ معلوم ہوا کہ نماز عید کے بعد دعا ضرور مانگے۔ اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ نماز عید کے بعد دعا مانگنا بدعت ہے نہیں مانگنا چاہیے[۸] اس طرح کہ تمہارے سارے گناہ بخش دے۔ چھوٹے ہوں یا بڑے یہ ہی زیادہ ظاہر ہے[۹] مرقات نے فرمایا کہ معافی و بخشش تو گنہگاروں کیلئے ہے اور گناہوں کو نیکیاں بنا دینا توبہ کرنے والوں کیلئے اس کی تائید اس آیت سے ہے اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ (۲۵،۷۰) مگر جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور اچھا کام کرے تو ایسوں کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں سے بدل دے گا (کنزالایمان) اس کا مطلب یہ ہے کہ نامہ اعمال سے گناہ مٹا کر ان کی جگہ نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں جن پر اجر و ثواب ملتا ہے۔ یہ رب تعالٰی کے کرم سے کوئی بعید نہیں۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں ع گاہے بدشنامے خلعت دہند[۱۰] یہ تو ان لوگوں کیلئے ہے جو عید گاہ جا کر نماز پڑھتے ہیں۔ رہے وہ لوگ جو وہاں نہیں جاتے جیسے دیہاتی لوگ اور عورتیں وغیرہ ان کی بخشش اس کے بغیر بھی ہوتی ہے جیسے عام مسلمانوں کی بخشش روزہ نماز سے، بچوں اور دیوانوں کی بخشش محض کرم سے اس کی عطا ہماری طلب پر موقوف نہیں۔ شعر:

ما نہ بودیم و تقاضا ما نبود ‏ لطف تو نا گفتہ ما مے شنید

بَابُ الْاِعْتِكَافِ اعتکاف کا باب

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ پہلی فصل

[۱] اعتکاف عکف سے بنا بمعنی ٹھہرنا یا قائم رہنا رب تعالٰی فرماتا ہے: يَعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ (۷،۱۳۸) اپنے بتوں کے آگے آسن مارے (جم کر بیٹھے) تھے (کنزالایمان) اور فرماتا ہے: وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِى الْمَسٰجِدِ (۲،۱۸۷) جب تم مسجدوں میں اعتکاف سے ہو (کنزالایمان) شریعت میں بہ نیت عبادت مسجد میں خاص ٹھہرنے کو اعتکاف کہا جاتا ہے۔ اعتکاف بڑی پرانی عبادت ہے۔ رب تعالٰی نے حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام سے فرمایا تھا: اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ (۲،۱۲۵) کہ میرا گھر خوب ستھرا کرو طواف والوں اور اعتکاف والوں اور رکوع و سجود والوں کے لئے (کنزالایمان) اعتکاف تین قسم کا ہے۔ اعتکاف فرض جیسے نذر مانا ہوا اعتکاف، اس میں روزہ شرط ہے اور اس کی مدت کم از کم ایک دن و رات ہے۔ اعتکاف سنت یہ بیسویں رمضان کی عصر سے عید کا چاند دیکھنے تک ہے۔ اعتکاف نفل اس میں نہ روزہ شرط ہے نہ اس کی مدت مقرر جب بھی مسجد میں جائے تو کہہ دے میں نے اعتکاف کی نیت کی جب تک مسجد میں ہوں حق یہ ہے کہ رمضان کا اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے کہ اگر بستی میں کسی نے نہ کیا تو

سب سنت کے تارک ہوئے۔ اگر ایک نے بھی کرلیا تو سب کی طرف سے ادا ہوگیا۔ مرد تو جماعت والی مسجد میں ہی اعتکاف کرسکتا ہے۔ جہاں نماز پنج گانہ باجماعت ہوتی ہو مگر عورت اپنے گھر میں کوئی جگہ صاف و پاک کرکے وہاں ہی اعتکاف کرلے جسے مسجد خانہ کہتے ہیں (لمعات مرقات) وغیرہ

عَنْ عَآئِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَّمَضَانَ حَتّٰى تَوَفَّاهُ اللّٰهُ ثُمَّ اعْتَكَفَ اَزْوَاجُهٗ مِنْ ۢ بَعْدِهٖ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۹۹۶) روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف کرتے تھے حتیٰ کہ اللہ نے انہیں وفات دی[۱] پھر آپ کی بیویوں نے آپ کے بعد اعتکاف کیا[۲] (مسلم بخاری)

(۱۹۹۶)[۱] اس ہمیشگی سے معلوم ہوا کہ اعتکاف سنت مؤکدہ ہے اور چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم امت کو صراحۃً نہ دیا بلکہ رغبت دی۔ معلوم ہوا کہ اعتکاف واجب نہیں کیونکہ وجوب کیلئے حکم دینا ضروری ہے۔ لہٰذا یہ حدیث احناف کی دلیل ہے کہ رمضان کا اعتکاف سنت مؤکدہ ہے۔ پھر سارے مدینہ منورہ میں صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض صحابہ ہی اعتکاف کرتے تھے۔ سب مسلمان نہ کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اعتکاف سنت مؤکدہ علے الکفایہ ہے۔[۲] یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی ازواج پاک نے ہمیشہ اپنے گھروں میں اعتکاف کیا نہ کہ مسجد نبوی شریف میں مسجد میں تو ایک بار ان بیویوں نے اعتکاف کیا تھا۔ اعتکاف کیلئے کپڑے کے خیمے لگائے تھے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اکھڑوا دیئے تھے۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ اگرچہ عورت مسجد میں بھی باپردہ رہ کر اعتکاف کرسکتی ہے مگر اس کیلئے گھر میں اعتکاف بہت اچھا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَيْرِ وَكَانَ اَجْوَدَ مَا يَكُوْنُ فِيْ رَمَضَانَ كَانَ جِبْرَئِيْلُ يَلْقَاهُ كُلَّ لَيْلَةٍ فِيْ رَمَضَانَ يَعْرِضُ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُرْاٰنَ فَاِذَا لَقِيَهٗ جِبْرَئِيْلُ كَانَ اَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيْحِ الْمُرْسَلَةِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۱۹۹۷) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام سے بڑھ کر ہر بھلائی کے سخی داتا تھے[۱] اور آپ رمضان میں تو بہت ہی سخاوت فرماتے تھے[۲] ہر رات جبریل امین آپ سے ملتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل پر قرآن پیش فرماتے تھے[۳] تو جب آپ سے جبریل ملتے تب آپ بھیجی ہوئی تیز ہوا سے بھی زیادہ سخی بالخیر ہوتے تھے[۴] مسلم بخاری

(۱۹۹۷)[۱] کہ ہمیشہ ہی مال کی، اعمال کی، علم کی ہر رحمت الہیہ کی سخاوت کرتے تھے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سی سخاوت آج تک نہ کسی نے کی نہ کوئی کرسکتا ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالٰی کی صفت جواد کے مظہر اتم ہیں۔ قرآن پاک نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو کریم یعنی سخی داتا فرمایا۔ شعر:

یارب تو کریمی و رسول تو کریم صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم

[۲] کہ ماہ رمضان میں تو کسی کو کسی طرح رد فرماتے ہی نہ تھے۔ جنت مانگنے والوں کو جنت، رحمت کے سائلوں کو رحمت، خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضور کو مانگنے والوں کو اپنی توجہ کرم، مال مانگنے والوں کو مال، اعمال، کمال، لقائے ذوالجلال غرضیکہ جو سائل جو مانگتا تھا منہ مانگی پاتا تھا۔ بعض عشاق اب بھی رمضان میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر چیز مانگتے ہیں۔ مسلمانوں کو بھی رمضان میں بہت سخاوت کرنا چاہیے کہ یہ سنت رسول ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ [۳] یہاں مرقات نے فرمایا کہ ہر رمضان میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل کے

ساتھ اول سے آخر تک سارا قرآن مع تجوید و مخارج حروف کے دَور فرماتے تھے۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ رمضان میں دور قرآن کرنا یا قرآن کا دورہ کرنا سنت رسول بھی ہے اور سنت جبریل بھی دوسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اول ہی سے سارا قرآن جانتے ہیں۔نزول قرآن تو امت پر احکام جاری کرنے کیلئے ہوا' کیونکہ ہر رمضان میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پورا قرآن سن بھی رہے ہیں اور حضرت جبریل کو سنا بھی رہے ہیں۔حالانکہ ابھی سارا قرآن نازل نہیں ہوا تھا۔نزول کی تکمیل تو وفات سے کچھ پہلے ہوئی چونکہ یہ تلاوت خصوصیت سے اعتکاف میں ہوتی تھی۔اس لیے مصنف یہ حدیث اعتکاف کے باب میں لائے ۳؎ یعنی جیسے ہوا کی سخاوت پر عالم قائم ہے کہ ہر شخص ہوا سے ہی سانس لیتا ہے اور ہوا ہی سے بارش آتی ہے۔ہوا سے ہی کھیت و باغ پھلتے پھولتے ہیں۔پھر ہر جگہ ہوا موجود ہے ہر جاندار و غیر جاندار کو ہر طرح فیض پہنچاتی ہے۔ایسے ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ملاقات جبریل کے موقع پر ہر ایک کو ہر طرح ہر چیز دیتے تھے۔خیال رہے کہ ربّ تعالٰی رمضان میں بہت جودوکرم فرماتا ہے۔اس سنت الہیہ کے مطابق حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بھی رمضان میں زیادہ سخاوت کرتے تھے۔ہوئے جو ربّ تعالٰی کے مظہر اتم صلی اللہ علیہ وسلم۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ یُعْرَضُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْقُرْاٰنَ کُلَّ عَامٍ مَرَّةً فَعُرِضَ عَلَیْهِ مَرَّتَیْنِ فِی الْعَامِ الَّذِیْ قُبِضَ وَکَانَ یَعْتَکِفُ کُلَّ عَامٍ عَشْرًا فَاعْتَکَفَ عِشْرِیْنَ فِی الْعَامِ الَّذِیْ قُبِضَ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

(۱۹۹۸) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سارا قرآن ایک بار پیش کیا جاتا تھا جس سال حضور انور کو وفات دی گئی اس سال دوبار پیش کیا گیا ۱؎ اور حضور ہر سال دس دن اعتکاف کرتے تھے وفات کے سال بیس دن اعتکاف کیا ۲؎ بخاری

(۱۹۹۸) ۱؎ یعنی شروع نبوت سے مابعد ہجرت شروع سے ہر رمضان میں حضرت جبریل اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک پارہ روز دورہ کرتے تھے جس سے پورے رمضان میں ایک ختم ہوتا تھا۔وفات کے سال دو پارہ روز دور کیا جس سے مہینہ میں دو ختم ہوئے۔یوں سمجھو کہ افضل رسول پر افضل مہینہ میں افضل کلام افضل مقام میں لاکر سنتے اور سناتے تھے۔یہاں معارضہ سے مراد مدارستہ ہے یعنی دور شعر:

نور آیا نور لایا نور پر نورانی رات   اس لیے رمضان کا سارا مہینہ نور ہے

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی وفات کی خبر تھی کہ اس سال ہوگی۔اسی لیے اس سال سفر آخرت کی تیاری خصوصیت سے فرما رہے ہیں۔یہ حدیث اہل سنت کے بہت سے مسائل کی اصل ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر شخص بڑھاپے میں یا مرض وفات میں خصوصیت سے آخرت کی تیاری کرے دنیاوی تعلقات کم کرنا شروع کردے یہ بھی سنت رسولی ہے۔اللہ تعالٰی توفیق دے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اعْتَکَفَ اَدْنٰی اِلَیَّ رَأْسَهٗ وَهُوَ فِی الْمَسْجِدِ فَاُرَجِّلُهٗ وَکَانَ لَایَدْخُلُ الْبَیْتَ اِلَّا لِحَاجَةِ الْاِنْسَانِ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

(۱۹۹۹) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف کرتے تو مسجد میں رہتے ہوئے میری طرف اپنا سر جھکا دیتے میں کنگھی کر دیتی ۱؎ اور بجز ضروریات انسانی گھر میں تشریف نہ لاتے ۲؎ مسلم بخاری

(۱۹۹۹) ۱؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ کا دروازہ مسجد میں تھا تو بحالت اعتکاف آپ مسجد میں رہتے اور حضرت عائشہ گھر میں

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں بیٹھے ہوئے سر مبارک حجرہ میں کر دیتے ام المومنین کنگھی کر دیتی تھیں۔ اس حدیث سے بہت سے مسائل معلوم ہوئے ایک یہ کہ معتکف کا اپنے بعض اعضاء مسجد سے نکال دینا جائز ہے۔ یہ مسجد سے نکلنا نہیں کہا جاتا اسی طرح حائضہ عورت کا اپنے بعض اعضاء مسجد میں داخل کر دینا جائز ہے۔ تیسرے یہ کہ کنگھی وغیرہ مسجد میں نہ کرنا بہتر ہے کہ اس سے بال مسجد میں گریں گے۔ اڑیں گے چوتھے یہ کہ جو کام مسجد میں رہ کر کیے یا کرائے جا سکتے ہیں ان کیلئے معتکف مسجد سے نہ نکلے۲ حاجت انسانی سے مراد صرف پیشاب پاخانہ ہے کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم احتلام سے محفوظ ہیں۔ فقہاء صرف چار کاموں کیلئے معتکف کو مسجد سے نکلنے کی اجازت دیتے ہیں۔ پیشاب' پاخانہ' غسل جنابت اور نماز جمعہ اگر اس مسجد میں جمعہ نہ ہوتا ہو اور اس پر جمعہ فرض ہو۔ غسل جمعہ کے متعلق روایت نہ ملی۔ حضرت شیخ نے یہاں اشعہ میں فرمایا کہ معتکف غسل نفل کیلئے بھی مسجد سے نکل سکتا ہے۔ مرقات نے فرمایا کہ اگر مسجد میں رہتے ہوئے کسی ٹب وغیرہ میں اس طرح غسل کر لے کہ مسجد میں مستعمل پانی بالکل نہ گرے تو وہاں ہی کرے غسل خانہ میں نہ جائے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ سَاَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ كُنْتُ نَذَرْتُ فِی الْجَاهِلِيَّةِ اَنْ اَعْتَكِفَ لَيْلَةً فِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ قَالَ فَاَوْفِ بِنَذْرِكَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۰۰۰) روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ حضرت عمر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا عرض کیا کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں۱ ایک رات مسجد حرام میں اعتکاف کرنے کی نذر مانی تھی۲ فرمایا اپنی نذر پوری کرو۳ (مسلم بخاری)۴

(۲۰۰۰)۱ زمانہ جاہلیت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے زمانہ کو کہتے ہیں۔ جب اہل عرب بالکل اندھیروں میں تھے۔ گزشتہ نبیوں کی تعلیم گم ہو چکی تھی مگر یہاں اشاعت نبوت سے پہلے کا زمانہ مراد ہے کیونکہ حضرت عمر کی یہ نذر قبول اسلام کے بعد کی ہے کہ آپ نے مسلمان ہو کر یہ نذر مانی مگر پوری نہ کر سکے۔ کیونکہ کفار مکہ کا بہت زور تھا۔ وہ آپ کو مسجد حرام میں رات گزارنے نہ دیتے تھے۔ وہاں ٹھہرنے میں آپ کو جان کا خطرہ تھا (مرقات) ۲ رات سے مراد رات مع دن ہے۔ اہل عرب رات بول کر پورے چوبیس گھنٹے مراد لیتے ہیں۔ ورنہ نذر کے اعتکاف میں روزہ شرط ہے اور وہ دن ہی میں ہوتا ہے۔ امام شافعی کے ہاں صرف رات بھر کا بھی اعتکاف ہو سکتا ہے۔ ان کے ہاں روزہ شرط نہیں۔ وہ اس حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں مگر یہ دلیل نہایت ہی کمزور ہے۔ آگے صراحۃ حدیث آ رہی ہے کہ بغیر روزہ اعتکاف نہیں۔ اس صریح حدیث کے ہوتے ہوئے اس اشارہ پر عمل نہیں کیا جا سکتا۳ یہ امر وجوبی ہے کیونکہ حضرت عمر کی نذر اسلام قبول کر لینے کے بعد کی ہے۔ مسلمان کی نذر درست ہے۔ اگر کافر زمانہ کفر میں کسی اچھے کام کی نذر مانے' پھر مسلمان ہو جائے تو اسے نذر پورا کرنا مستحب ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو کعبہ معظمہ یعنی مسجد حرام میں اعتکاف کا حکم دیا۔ بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر مسجد نبوی میں اعتکاف کی نذر مانی ہو تو دوسری مسجد میں اعتکاف نہیں کر سکتا۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ بعض کے ہاں کر سکتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم استحبابی ہے۔۴ یہ حدیث ابوداؤد' نسائی اور دارقطنی نے بھی نقل کی مگر ان کی روایت میں ہے کہ جناب عمر نے کعبہ معظمہ کے پاس ایک دن و رات اعتکاف کرنے کی نذر مانی تھی۔ نسائی' دارقطنی نے روایت کی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اعتکاف اور روزے کا حکم دیا (مرقات) فتح القدیر میں ہے کہ مسلم و بخاری کی روایت میں بھی ہے کہ حضرت عمر نے ایک دن و رات کے اعتکاف کی نذر پوری کی تھی۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَعْتَکِفُ فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ فَلَمْ یَعْتَکِفْ عَاماً فَلَمَّا کَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ اعْتَکَفَ عِشْرِیْنَ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَرَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَۃَ عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ)

(۲۰۰۱) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرتے تھے ایک سال اعتکاف نہ کر سکے۱؎ جب اگلا سال آیا تو حضور انور نے بیس دن اعتکاف کیا۲؎ ترمذی اور ابوداؤد و ابن ماجہ نے حضرت ابی بن کعب سے روایت کی۔

(۲۰۰۱)۱؎ کسی مجبوری کی وجہ سے ورنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا عذر اعتکاف کبھی نہ چھوڑا ' ہمیشہ رمضان کے آخری عشرہ میں کرتے تھے (مرقات) ۲؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ گزشتہ رمضان کے اعتکاف کی قضاء نہ تھی۔ ورنہ اس رمضان تک انتظار نہ فرماتے وہ رمضان گزرتے ہی قضاء کر لیتے جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری رمضان میں جس کے بعد وفات شریف واقع ہوئی بیس دن اعتکاف فرمایا تھا۔ ایسے ہی اس رمضان میں کیا' ہوسکتا ہے کہ دس دن گزشتہ رمضان کی قضاء ہی ہوں تو یہ قضاء حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے۔ ورنہ آپ پر اعتکاف فرض نہ تھا اور قضا صرف فرض یا واجب کی ہوتی ہے جیسے ایک دفعہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ظہر چار رکعت رہ گئی تھیں تو بعد عصر ان کی قضاء کی پھر ہمیشہ یہ رکعتیں پڑھتے رہے۔ وہ بھی خصوصیات میں سے تھا۔ مرقات نے فرمایا کہ موقت نفلوں کی قضاء کر لینا بہتر ہے جیسے نفل تہجد۔

وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ اَنْ یَعْتَکِفَ صَلَّی الْفَجْرَ ثُمَّ دَخَلَ فِیْ مُعْتَکَفِہٖ (رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ وَ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۲۰۰۲) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف کا ارادہ فرماتے تو نماز فجر پڑھتے پھر اپنے اعتکاف گاہ میں داخل ہو جاتے۱؎ (ابوداؤد' ابن ماجہ)

(۲۰۰۲)۱؎ اس حدیث کی بناء پر امام اوزاعی ولیث نے فرمایا کہ اعتکاف بعد فجر شروع کیا جائے مگر باقی تمام ائمہ کے ہاں اعتکاف سنت وفرض بعد عصر شروع کیا جائے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس وقت سے اعتکاف گاہ میں داخلہ تیاری اعتکاف کیلئے ہوتا تھا۔ اصل اعتکاف بعد عصر شروع فرماتے تھے۔ اسی لیے آپ فرما رہی ہیں کہ اپنے اعتکاف گاہ میں داخل ہو جاتے۔ یہ نہ فرمایا کہ اعتکاف شروع کر دیتے تھے۔ اعتکاف شروع کرنا اور ہے اور اعتکاف گاہ میں داخلہ کچھ اور اعتکاف گاہ سے مراد چٹائی کا وہ حجرہ ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتکاف کیلئے بنایا جاتا تھا کہ چٹائی گول شکل میں کھڑی کر دی جاتی تھی۔

وَعَنْهَا قَالَتْ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَعُوْدُ الْمَرِیْضَ وَھُوَ مُعْتَکِفٌ فَیَمُرُّ کَمَا ھُوَ فَلَا یُعَرِّجُ یَسْاَلُ عَنْہُ (رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَۃَ)

(۲۰۰۳) روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بحالت اعتکاف بیمار کی مزاج پرسی یوں فرماتے تھے کہ اسی طرح چلتے رہتے تھے مڑتے نہ تھے۔ اس کا مزاج پوچھ لیتے تھے۔ (ابوداؤد' ابن ماجہ)

(۲۰۰۳)۱؎ یعنی جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بحالت اعتکاف پیشاب یا پاخانہ کیلئے مسجد سے باہر جاتے اور اتفاقاً کوئی بیمار مل

جاتا' تو چلتے ہوئے ہی مزاج پرسی فرمالیتے نہ تو ٹھہرتے نہ اس کی خاطر راستہ سے مڑتے جمہور علماء کے ہاں معتکف کیلئے یہی حکم ہے،اگر وہ مزاج پرسی کیلئے بقدر اداء نماز ٹھہرے تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔اس سے کم ٹھہرا تو مکروہ ہوگا۔جمہور علماء کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

وَعَنْهَا قَالَتِ السُّنَّةُ عَلَى الْمُعْتَكِفِ اَنْ لَّا يَعُوْدَ مَرِيْضاً وَّلَا يَشْهَدَ جَنَازَةً وَّلَا يَمَسَّ الْمَرْاَةَ وَلَا يُبَاشِرَهَا وَلَا يَخْرُجَ لِحَاجَةٍ اِلَّا لِمَا لَا بُدَّمِنْهُ وَلَا اِعْتِكَافَ اِلَّا بِصَوْمٍ وَّلَا اعْتِكَافَ اِلَّا فِيْ مَسْجِدِ جَامِعٍ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ

(۲۰۰۴) روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں معتکف کیلئے سنت یہ ہے کہ نہ تو بیمار کی مزاج پرسی کرے[۱] اور نہ جنازے ہی کو جائے[۲] نہ عورت کو ہاتھ لگائے نہ اسے چھوئے[۳] نہ کسی کام کو جائے سوائے ضروری کام کے[۴] بغیر روزہ اعتکاف نہیں ہوتا[۵] اور صرف جامع مسجد میں ہی اعتکاف کرے[۶] (ابوداؤد)[۷]

(۲۰۰۴)[۱] نہ مزاج پرسی کیلئے مسجد سے نکلے اور نہ مسجد سے باہر اس کیلئے ٹھہرے۔لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کیخلاف نہیں کہ وہاں چلتے ہوئے مزاج پرسی مراد تھی اور یہاں ٹھہر کر[۲] یعنی نماز جنازہ کیلئے مسجد سے باہر نہ جائے اگرچہ خارج مسجد میں نماز جنازہ ہو کہ معتکف اندروں مسجد رہنا چاہیے۔ بلاضرورت وضو اور غسل کی جگہ بھی نہ جائے۔اگرچہ یہ جگہ مسجد کی حدود میں ہوتی ہیں[۳] یعنی معتکف اپنی بیوی کو نہ شہوۃً ہاتھ سے چھوئے نہ اسے چمٹائے نہ صحبت کرے۔صحبت سے تو اعتکاف یقیناً جاتا رہے گا اور بوس و کنار یا شہوۃً چھونے سے انزال ہوگیا تو اعتکاف گیا' ورنہ سخت مکروہ ہوا[۴] اس سے معلوم ہوا کہ نفلی غسل گرمی کے غسل کیلئے مسجد سے نکلنا بھی جائز نہیں۔صرف پیشاب پاخانہ غسل جنابت کیلئے نکل سکتا ہے۔حتیٰ کہ جس پر جمعہ فرض نہیں جیسے عورت یا دیہاتی وہ نماز جمعہ کیلئے مسجد سے نہیں جاسکتا[۵] یہ حکم اعتکاف فرض یا اعتکاف سنت کیلئے ہے۔عورتوں کے اعتکاف کیلئے مسجد شرط نہیں۔وہ اپنے گھروں میں اعتکاف کریں۔اور اگر اس سے مراد جمعہ والی مسجد ہو جہاں مؤذن و امام مقرر ہو اور نماز پنج گانہ باجماعت ہوتی ہو۔ایسی ہی مسجد میں اعتکاف کریں۔جامع مسجد سے مراد جماعت والی مسجد ہے۔جہاں نماز جمعہ بھی ہوتی ہو تو یہ حکم استحبابی ہے کہ جمعہ والی مسجد میں اعتکاف مستحب ہے۔جائز تو ہر مسجد میں ہے۔ربّ فرماتا ہے: وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِی الْمَسٰجِدِ (۱۸۷،۲) جب تم مسجدوں میں اعتکاف سے ہو (کنزالایمان) خیال رہے کہ سب سے افضل اعتکاف حرم کعبہ یعنی مسجد حرام میں ہے۔پھر مسجد نبوی میں پھر بیت المقدس میں پھر وہاں جہاں کا امام افضل ہو پھر وہاں جہاں جماعت بڑی ہوتی ہو۔(مرقات و لمعات)' یہ حدیث احناف کی دلیل ہے کہ مرد مسجد ہی میں اعتکاف کرسکتا ہے[۷] یہ حدیث کچھ فرق سے نسائی نے بھی نقل کی موطا امام مالک میں کچھ تھوڑی تبدیلی سے ہے۔اس حدیث کی اسناد میں عبدالرحمن ابن اسحاق ہیں۔جن پر بعض محدثین نے جرح کی ہے مگر بعض محدثین نے انہیں ثقہ کہا اور جب جرح و تعدیل میں تعارض ہو تو تعدیل مقدم ہوتی ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ کا یہ فرمانا کہ سنت یہ ہے مرفوع حدیث کے حکم میں ہے کیونکہ یہ بات محض اٹکل و قیاس سے نہیں کہی جاسکتی۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ اِذَا اعْتَكَفَ طُرِحَ لَهٗ فِرَاشُهٗ اَوْ يُوْضَعُ لَهٗ سَرِيْرُهٗ وَرَآءَ اُسْطُوَانَةِ التَّوْبَةِ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

(۲۰۰۵) روایت ہے حضرت ابن عمر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ جب اعتکاف کرتے تو آپ کیلئے بستر بچھا دیا جاتا یا ستون توبہ کے پیچھے آپ کا تخت پوش ڈال دیا جاتا[۱] (ابن ماجہ)

(۲۰۰۵)[۱] یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف کرتے تھے تو وہاں آپ کیلئے کبھی تو صرف بستر بچھا دیا

جاتا تھا اور کبھی چارپائی کی طرح تخت بھی معلوم ہوا کہ معتکف مسجد میں چارپائی یا تخت پر سوسکتا ہے۔ بشرطیکہ بالکل پاک وصاف ہو۔ ستون توبہ مسجد نبوی میں وہ ستون ہے جہاں ابولبابہ نے توبہ کی تھی۔ اسی ستون سے انہیں باندھ دیا گیا تھا۔ اب حجاج وہاں کھڑے ہوکر توبہ واستغفار کرتے ہیں۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي الْمُعْتَكِفِ هُوَ يَعْتَكِفُ الذُّنُوْبَ وَيُجْرٰى لَهٗ مِنَ الْحَسَنَاتِ كَعَامِلِ الْحَسَنَاتِ كُلِّهَا (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

(۲۰۰۶) روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معتکف کے بارے میں فرمایا کہ اعتکاف گناہوں سے باز رکھتا ہے۱ اور معتکف کو تمام نیکیوں کا ثواب دیا جاتا ہے۔ تمام نیکیاں کرنے والے کی طرح۲ (ابن ماجہ)

(۲۰۰۶)۱یعنی اعتکاف کا فوری فائدہ تو یہ ہے کہ یہ معتکف کو گناہوں سے باز رکھتا ہے۔ علف کے معنی ہیں روکنا' باز رکھنا' کیونکہ اکثر گناہ' غیبت' جھوٹ اور چغلی وغیرہ لوگوں سے اختلاط کے باعث ہوتی ہے۔ معتکف گوشہ نشین ہے اور جو اس سے ملنے آتا ہے وہ بھی مسجد واعتکاف کا لحاظ رکھتے ہوئے بری باتیں نہ کرتا ہے نہ کراتا ہے۲ یعنی معتکف اعتکاف کی وجہ سے جن نیکیوں سے محروم ہوگیا جیسے زیارت قبور مسلمانوں سے ملاقات بیمار کی مزاج پرسی' نماز جنازہ میں حاضری اسے ان سب نیکیوں کا ثواب اسی طرح ملتا ہے جیسے یہ کام کرنے والوں کو ثواب ملتا ہے۔ انشاء اللہ غازی' حاجی' طالب علم دین کا بھی یہ ہی حال ہے۔

كِتَابُ فَضَآئِلِ الْقُرْاٰنِ — قرآن کے فضائل کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

فضائل فضیلت کی جمع ہے۔ فضیلت فضل سے بنا بمعنی زیادتی عرف میں فضیلت اس خصوصی بزرگی کو کہتے ہیں جو دوسرے کو حاصل نہ ہو۔ خیال رہے کہ فضل صفت ہے اور فضول عیب یعنی عبث یا فائدہ سے خالی قرآن کی وجہ تسمیہ ہماری کتاب تفسیر نعیمی جلد اول کے مقدمہ میں ملاحظہ کیجئے کہ یہ لفظ قرءٌ سے بنا یا قرأۃ سے یا قرن سے قرآن کے فضائل بعض عمومی ہیں یعنی سارے قرآن کے فضائل اور بعض خصوصی یعنی بعض سورتوں یا بعض آیتوں کے خصوصی فائدے وتاثیریں جن آیات میں حمد ونعت ہیں وہ ذکر بھی افضل' ذاکر بھی اعلیٰ اور مذکور بھی بہتر مگر جن آیات میں کفار کا ذکر ہے وہاں ذکر اعلیٰ ذاکر افضل مگر مذکور بدترین خلق' اسی لیے قل ہو اللہ تین بار پڑھنے میں سارے قرآن کی تلاوت کا ثواب ہے کہ یہ حمد کی سورت ہے اور تبت یدا تین سو بار بھی پڑھ لو تو بھی یہ ثواب نہیں کعبہ معظمہ سارا ہی خدا کا گھر ہے مگر رکن اسود بہت اعلیٰ ہے۔ مسجد ساری بیت اللہ ہے مگر محراب ومنبر اعلیٰ ہیں۔ لہذا اس فضیلت پر منکرین حدیث کا یہ اعتراض نہیں پڑسکتا کہ سارا ہی قرآن کلام الٰہی ہے پھر یہ فرق مراتب کیسا نبیوں' ولیوں میں فرق مراتب موجود ہے حالانکہ وہ سارے اللہ کے پیارے ہیں۔ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (۲:۲۵۳) یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا (کنزالایمان)

عَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۲۰۰۷) روایت ہے حضرت عثمان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم میں بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے ۱ (بخاری)

(۲۰۰۷) ۱ قرآن سیکھنے سکھانے میں بہت وسعت ہے۔ بچوں کو قرآن کے ہجے روزانہ سکھانا' قاریوں کا تجوید سیکھنا سکھانا' علماء کا قرآنی احکام بذریعہ حدیث وفقہ سیکھنا سکھانا صوفیائے کرام کا اسرار ورموز قرآن بسلسلہ طریقت سیکھنا سکھانا سب قرآن ہی کی تعلیم ہے صرف الفاظ قرآن کی تعلیم مراد نہیں۔ لہذا یہ حدیث فقہاء کے اس فرمان کیخلاف نہیں کہ فقہ سیکھنا تلاوت قرآن سے افضل ہے کیونکہ فقہ احکام قرآن ہے اور تلاوت میں الفاظ قرآن چونکہ کلام اللہ تمام کلاموں سے افضل ہے لہذا اس کی تعلیم تمام کاموں سے بہتر اور اسرار قرآن الفاظ قرآن سے افضل ہیں کہ الفاظ قرآن کا نزول حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے کان مبارک پر ہوا اور اسرار واحکام کا نزول حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر ہوا۔ تلاوت سے علم فقہ افضل رب تعالٰی فرماتا ہے: فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (۲،۹۷) تو اس (جبریل) نے تو تمہارے دل پر اللہ کے حکم سے یہ قرآن اُتارا (کنزالایمان) عمل بالقرآن علم قرآن کے بعد ہے۔ لہذا عالم عامل سے افضل ہے۔ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام عالم تھے۔ فرشتے عامل مگر حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام افضل ومسجود رہے۔

وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ فِي الصُّفَّةِ فَقَالَ اَيُّكُمْ يُحِبُّ اَنْ يَغْدُوَ كُلَّ يَوْمٍ اِلٰى بُطْحَانَ اَوِ الْعَقِيْقِ فَيَاْتِيَ بِنَاقَتَيْنِ كَوْمَاوَيْنِ فِيْ غَيْرِ اِثْمٍ وَّلَا قَطْعِ رَحِمٍ فَقُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ كُلُّنَا نُحِبُّ ذٰلِكَ قَالَ اَفَلَا يَغْدُوْا اَحَدُكُمْ اِلَى الْمَسْجِدِ فَيُعَلِّمَ اَوْ يَقْرَاَ اٰيَتَيْنِ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ نَّاقَتَيْنِ وَثَلَاثٌ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ ثَلٰثٍ وَّاَرْبَعٌ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ اَرْبَعٍ وَّمِنْ اَعْدَادِهِنَّ مِنَ الْاِبِلِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۰۰۸) روایت ہے حضرت عقبہ بن عامر سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جبکہ ہم صفہ میں تھے ۱ فرمایا تم میں کون یہ چاہتا ہے کہ ہر صبح بطحان یا عقیق کی طرف نکل جایا کرے اور بغیر گناہ کیے بغیر رشتہ توڑے' دو اونچی اونٹیاں لے آیا کرے ۲ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو ہم سب چاہتے ہیں ۳ فرمایا تو تم میں سے ہر شخص روزانہ صبح کو کیوں نہ مسجد چلا جایا کرے وہاں قرآن کریم کی دو آیتیں سیکھ لیا کرے یا پڑھ لیا کرے ۴ یہ دو اونٹنیوں سے بہتر ہیں اور تین تین اونٹنیوں سے بہتر ہیں۔ اور چار چار سے اور اسی قدر اونٹوں سے بہتر ہیں ۵ (مسلم)

(۲۰۰۸) ۱ صفہ کے معنی ہیں چبوترہ (تھڑا) مسجد نبوی سے متصل پیچھے کی جانب تھوڑا سا چبوترا بنادیا گیا تھا جہاں مہمان اترتے تھے اور علم سیکھنے والے فقراء صحابہ وہاں مستقل طور پر رہتے تھے۔ یہ حضرات اصحاب صفہ کہلاتے' انہیں کی سی صفات رکھنے والوں کو آج صوفیاء کہتے ہیں۔ یعنی صفائی دل اور صوف کا لباس رکھنے والی جماعت یہ حضرات کم وبیش ہوتے رہتے تھے۔ کبھی ستر اور کبھی دوسو سے زیادہ گویا یہ مدرسہ نبوی تھا۔ عقبہ ابن عامر اور ابوہریرہ بھی انہی میں سے تھے ۲ یعنی تھوڑی دور جا کر تھوڑی سی دیر میں بہت سا حلال مال لے آوے عرب میں اونٹنی بڑا اعزیز مال تھا۔ عقیق مدینہ منورہ سے دو تین میل پر ایک بازار ہے۔ جہاں جانور زیادہ فروخت ہوتے ہیں۔ بطحان مدینہ پاک کا ایک وسیع جنگل ہے۔ بطح بمعنی وسعت یا پتھریلا علاقہ ۳ یعنی یا رسول اللہ یہ تو ہم سب چاہتے ہیں۔ خیال رہے کہ وہ حضرات اگرچہ تارک دنیا تھے مگر دین کیلئے دنیا حاصل کرنے کو بہت افضل جانتے تھے۔ دنیا اگر دین کیلئے ہو تو عین دین ہے اور اگر طین (مٹی

گارے) کیلئے ہو تو دنیا ہے یعنی ادنیٰ چیز لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ وہ لوگ تو محب دنیا نہ تھے۔ پھر یہ جواب کیوں دیا ہے یہ گفتگو صرف صفہ والے اصحاب سے نہیں ہے۔ وہ تو ہر وقت گویا مسجد ہی میں رہتے تھے بلکہ تا قیامت مسلمانوں سے ہے کہ دنیاوی کاروبار میں مشغول ہونے سے پہلے کچھ علم قرآن حاصل کرلیا کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ دینی مدرسے مسجد میں ہونا بہتر ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا مدرسہ صفہ میں تھا جو مسجد سے متصل تھا گویا مسجد ہی میں تھا نیز معلوم ہوا کہ صبح سویرے علم قرآن حاصل کرنا افضل و صبح کے کام میں برکت ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ علماء بلا تامل طلباء کو علم سکھایا کریں ۵؎ یعنی پانچ آیات پانچ اونٹوں سے افضل اور چھ یا سات آیتیں اسی قدر اونٹوں سے افضل عرب میں ابل مطلقاً اونٹ کو کہتے ہیں نر ہو یا مادہ اور جمل نر اونٹ کو ناقہ مادہ کو جیسے انسان یا آدمی مطلقاً انسان کو کہتے ہیں اور رجل مرد کو امراۃ عورت کو خیال رہے کہ یہاں آیت سے مراد آیت سیکھنا یا اس کی تعلیم میں مشغول رہنا ہے۔ یعنی ایک آیت سیکھنا ایک اونٹنی کی ملکیت سے بہتر ہے۔ لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ آیت قرآنی تو تمام دنیا سے بہتر ہے۔ ایک اونٹ کا ذکر کیوں ہوا یا یہ تفصیل ان اہل عرب کو سمجھانے کیلئے ہے جنہیں اونٹ بہت مرغوب ہے۔ جیسے میٹھی نیند سونے والوں کو سمجھانے کیلئے فجر کی اذان میں کہتے ہیں الصلوٰۃ خیر من النوم نماز اس نیند سے بہتر ہے حالانکہ نماز تو ساری دنیا سے بہتر ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اِذَا رَجَعَ اِلٰی اَهْلِهٖ اَنْ یَّجِدَ فِیْهِ ثَلٰثَ خَلِفَاتٍ عِظَامٍ سِمَانٍ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ فَثَلٰثُ اٰیَاتٍ یَقْرَءُ بِهِنَّ اَحَدُکُمْ فِیْ صَلٰوتِهٖ خَیْرٌ لَّهٗ مِنْ ثَلٰثِ خَلِفَاتٍ عِظَامٍ سِمَانٍ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۰۰۹) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تم میں سے کوئی یہ چاہتا ہے کہ جب وہ اپنے گھر لوٹے تو وہاں تین حاملہ بڑی اور موٹی اونٹنیاں پائے ۱؎ ہم نے عرض کیا ہاں فرمایا تو تین آیتیں جنہیں کوئی اپنی نماز میں پڑھ لے ۲؎ وہ اسے تین حاملہ بڑی اور موٹی اونٹنیوں سے بہتر ہیں ۳؎ مسلم

(۲۰۰۹) ۱؎ یعنی جب سفر' بازار سے گھر پہنچے تو وہاں یہ حلال دولت پائے۔ اہل عرب مادہ اونٹنی کو خصوصاً جب وہ حاملہ بھی ہو۔ اونچی اور موٹی بھی بہت ہی پسند کرتے ہیں۔ اس لیے یہ مثال ارشاد ہوئی کیونکہ اونٹنی سے نسل چلتی ہے۔ اونٹ سے نہیں چلتی اور ظاہر ہے کہ اچھی نسل کی اونٹنی کی نسل بھی اچھی ہوگی ۲؎ قرآن کریم اعلیٰ چیز ہے اور جب نماز میں پڑھا جائے' تو نور علٰی نور ہے کہ نماز و قرآن کی برکتیں جمع ہو جاتی ہیں اور اگر تقدیر سے حرم مکہ یا حرم مدینہ میں نماز نصیب ہو جائے تو اس تلاوت کی برکتیں بے شمار ہو جاتی ہیں کہ تین خوبیاں جمع ہو گئیں۔ نماز' تلاوت' حرم کی زمین ۳؎ ان اونٹنیوں کا نفع صرف دنیا میں ہے' اور آیات قرآنیہ کا نفع دنیا میں بھی آخرت میں بھی اور فانی سے باقی بہتر ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ دنیاوی مال میں مشغول ہو کر آخرت سے لاپروانہ ہو جایئے۔ یہ مطلب نہیں کہ دنیا بالکل چھوڑ دو' کہ اسلام میں ترک دنیا منع ہے۔ بلکہ جو دنیا دین کمانے کا ذریعہ ہو وہ بھی دین ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْاٰنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْکِرَامِ الْبَرَرَةِ وَالَّذِیْ یَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ وَیَتَتَعْتَعُ فِیْهِ وَهُوَ عَلَیْهِ شَاقٌّ لَّهٗ اَجْرَانِ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

(۲۰۱۰) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کا عالم ۱؎ معزز فرشتوں اور محترم و معظم نبیوں کے ساتھ ہوگا ۲؎ اور جو قرآن پڑھتا ہو کہ اس میں اٹکتا ہو اور قرآن اس پر گراں ہو اس کیلئے دو ثواب ہیں ۳؎ (مسلم بخاری)

(۲۰۱۰) ۱؎ قرآن کریم کا ماہر وہ عالم ہے جو الفاظ قرآن' معانی و مسائل قرآن اسرار و رموز قرآن کا واقف ہو۔ اس کا بڑا درجہ ہے ۲؎

شیخ نے فرمایا کہ یہاں سفرہ سے فرشتوں کی جماعت مراد ہے اور کرام بررۃ سے انبیائے کرام مقصود مرقات نے فرمایا کہ یہ تینوں صفتیں فرشتوں کی ہیں۔ سفرہ یا توسفر سے بنا ہے۔یعنی سفر کرتے رہنے والے فرشتے جو ہمیشہ حق تعالٰی اور رسولوں کے درمیان آتے جاتے رہتے ہیں۔وحی وغیرہ کیلئے یا سِفْرٌ سے بنا بمعنی کتاب' جس کی جمع اسفار ہے یحمل اسفارا یعنی وہ فرشتے جولوح محفوظ سے مضامین صحیفوں میں نقل کرتے رہتے ہیں۔یا کاتبین اعمال فرشتے یا سفار بمعنی اصلاح سے بنا یعنی وہ فرشتے جو ربّ تعالٰی کی طرف سے بندوں پر مصلحت و رحمت کی خبریں لاتے ہیں۔ چونکہ یہ فرشتے اول درجہ کے مقرب بارگاہ الٰہی ہیں اور گناہوں سے بہت ہی پاک و صاف اس لیے ان کے یہ تین لقب ہوئے قرآن کریم کا عالم ان فرشتوں اور نبیوں کا سا کام کرتا ہے اس لیے اس کا حشر بھی انہیں جماعتوں کے ساتھ ہوگا۔معلوم ہوا کہ قیامت میں اچھوں کا ساتھ اللہ تعالٰی کی بڑی نعمت ہے شعر:

گر محمد کا ساتھ ہو جائے (صلی اللہ علیہ وسلم) پھر تو سمجھو نجات ہو جائے

بعض نے فرمایا کہ یہ تینوں صفتیں صحابہ کرام کی ہیں کہ انہوں نے قرآن جمع بھی کیا اور وہ اللہ کے ہاں مقبول اور گناہوں سے محفوظ بھی ہیں مرقات ۳؎ سبحان اللہ عالم بالقرآن کا تو وہ مرتبہ ہے جو ابھی ذکر ہوا اور جو کند ذہن' موٹی زبان والا قرآن پاک سیکھ تو نہ سکے مگر کوشش میں لگا رہے کہ مرتے دم تک کوشش کیے جائے وہ دوگنا ثواب کا مستحق ہے۔شوق محنت' خیال رہے کہ یہ دوگنا ثواب عالم قرآن کے مقابلہ میں نہیں ہے۔ عالم قرآن تو فرشتوں نبیوں اور صحابہ کے ساتھ ہے بلکہ اس کے مقابلہ میں ہے جو بے تکلف قرآن پڑھ کر بس کردے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا حَسَدَ اِلَّا عَلٰى اثْنَيْنِ رَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ الْقُرْاٰنَ فَهُوَ يَقُوْمُ بِهٖ اٰنَاءَ اللَّيْلِ وَاٰنَاءَ النَّهَارِ وَرَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ اٰنَاءَ اللَّيْلِ وَاٰنَاءَ النَّهَارِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۰۱۱) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دو شخصوں پر غبطہ ہے ۱؎ ایک وہ جس کو اللہ نے علم قرآن دیا وہ دن و رات اسے پڑھتا ہو ۲؎ دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے مال دیا وہ دن رات اس سے خیرات کرے ۳؎ (مسلم' بخاری)

(۲۰۰۱۱) ۱؎ یہاں حسد بمعنی غبطہ' رشک ہے حسد تو کسی پر جائز نہیں نہ دنیا دار پر نہ دین دار پر شیطان کو حضرت آدم علیہ السلام پر حسد ان کی دینی عظمت پر ہوا تھا نہ کہ دنیاوی مال و دولت پر مگر مارا گیا۔حسد کے معنی ہیں دوسرے کی نعمت پر جلنا اور اس کا زوال چاہنا' رشک کے معنی ہیں دوسرے کی سی نعمت اپنے لیے بھی چاہنا۔ دینی چیزوں میں رشک جائز ہے۔۲؎ یعنی عالم دین ہو۔ دن رات نمازیں پڑھتا ہو۔ قرآن پر عمل کرتا ہو۔ ہر وقت اس کے مسائل سوچتا ہو۔ اس میں غور و تامل کرتا ہو۔ یقوم میں یہ سب کچھ داخل ہے۔ مبارک ہے۔ وہ زندگی جو قرآن و حدیث میں تامل و غور کرنے میں گزر جائے اور مبارک ہے وہ موت جو قرآن و حدیث کی خدمت میں آئے۔ اللہ نصیب کرے شعر:

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

انسان جس شغل میں جیئے گا۔ اسی میں مرے گا اور انشاء اللہ اسی میں اٹھے گا۔ بعض صحابہ کرام قبر میں بھی سورہ ملک پڑھتے سنے گئے جیسا کہ مشکوٰۃ شریف میں آئے گا ۳؎ چونکہ خفیہ خیرات علانیہ خیرات سے افضل ہے۔ اس لیے یہاں رات کا ذکر دن سے پہلے ہوا۔ یعنی وہ مالدار خفیہ بھی خیرات کرے اور اعلانیہ بھی' خیال رہے کہ سنت کی نیت سے اپنے اور اپنے بال بچوں پر خرچ کرنا بھی اسی میں داخل ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِیْ یَقْرَاُ الْقُرْاٰنَ مَثَلُ الْاُتْرُجَّۃِ رِیْحُھَا طَیِّبٌ وَّطَعْمُھَا طَیِّبٌ وَّ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِیْ لَا یَقْرَاُ الْقُرْاٰنَ مَثَلُ التَّمْرَۃِ لَارِیْحَ لَھَا وَطَعْمُھَا حُلْوٌ وَّمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِیْ لَایَقْرَاُ الْقُرْاٰنَ کَمَثَلِ الْحَنْظَلَۃِ لَیْسَ لَھَا رِیْحٌ وَّطَعْمُھَا مُرٌّ وَّمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِیْ یَقْرَاُ الْقُرْاٰنَ مَثَلُ الرَّیْحَانَۃِ رِیْحُھَا طَیِّبٌ وَّطَعْمُھَا مُرٌّ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ) وَفِیْ رِوَایَۃٍ اَلْمُؤْمِنُ الَّذِیْ یَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ وَیَعْمَلُ بِہٖ کَالْاُتْرُجَّۃِ وَالْمُؤْمِنُ الَّذِیْ لَا یَقْرَاُ الْقُرْاٰنَ وَیَعْمَلُ بِہٖ کَالتَّمْرَۃِ

(۲۰۱۲) روایت ہے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مومن کی مثال جو قرآن پڑھا کرتا ہے ترنج کی سی ہے۱ جس کی خوشبو بھی اچھی اور لذت بھی اعلی ۲ اور اس مومن کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا چھوارے کی سی ہے جس میں خوشبو کوئی نہیں مزا میٹھا ہے۳ اور اس منافق کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا اندرائن (تمہ) کی سی ہے جس میں خوشبو کوئی نہیں اور مزا کڑوا ۴ اور اس منافق کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے ریحان گھاس کی سی ہے جس میں خوشبو اچھی اور مزہ کڑوا ۵ (مسلم بخاری) اور ایک روایت میں یوں ہے کہ وہ مومن جو قرآن پڑھے اور اس پر عمل کرے ترنج کی طرح ہے ۶ اور وہ مومن جو قرآن پڑھے تو نہیں اس پر عمل کرے چھوارے کی طرح ہے ۷

(۲۰۱۲) ۱ یعنی تلاوت قرآن کرتا رہتا ہے۔ منزل نہیں چھوڑتا' معلوم ہوا کہ ہمیشہ تلاوت قرآن کرنا بہت بڑی عبادت ہے۔ خواہ معنی سمجھے یا نہ سمجھے' ترنج عرب کا مشہور پھل ہے جس کا رنگ بہت اچھا ہوتا ہے خوشبو نہایت اعلی مزہ بہت بہترین' دماغ اور معدہ کو بہت قوت دیتا ہے۔ اس کے بہت فوائد کتب طب میں مذکور ہیں۲ یہ ہی اس مومن کا حال ہے کہ لوگ اس کی تلاوت سے ایمانی لذت بھی حاصل کرتے ہیں اور ثواب بھی خود اسے بھی لذت و ثواب دونوں ملتے ہیں۔ قرآن شریف بہت ہی لذیذ چیز ہے۳ ایسے ہی یہ غافل مسلمان ہے کہ اس کا ظاہر خاص اچھا نہیں مگر باطن نور ایمانی سے منور ہے۔ لوگ اس سے ظاہری فائدہ نہیں اٹھاتے مگر اس کی صحبت سے کچھ نہ کچھ باطنی فیض پا لیتے ہیں۔ مومن کی صحبت بھی اچھی ہے۴ اندرائن ایک مشہور کڑوا پھل ہے جس میں کسی قسم کی بو نہیں اور سخت کڑوا ہوتا ہے۔ منافق کا نہ ظاہر اچھا نہ باطن ۵ یعنی بے دین جو ریاء کیلئے یا مسلمانوں کو دھوکا دینے کیلئے قرآن پڑھے۔ اگرچہ خود تو بدمزہ مگر اس کی خوشبو سے دماغ ضرور معطر ہو جاتا ہے۔ اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ تلاوت قرآن کا اثر ظاہر و باطن میں ہوتا ہے کہ اس سے زبان' کان' دل' دماغ ایمان سب ہی تازہ ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ قرآن پاک کی تاثیریں مختلف ہیں۔ جیسے پڑھنے والے کی زبان ویسے ہی تاثیر قرآن حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے انڈے پر قل ھو اللہ پڑھ کر دم کر دیا تو سونا ہو گیا اور فرمایا کہ کلام ربانی کے ساتھ زبان فرید ہونی چاہیے۔ دیکھو یہاں مومن و منافق کی تلاوتوں میں فرق فرمایا گیا پھر جیسا مومن ویسی ہی تلاوت کی تاثیر تیسرے یہ کہ ہر تلاوت قرآن کرنے والے سے دھوکہ نہ کھاؤ ان میں کبھی منافق بھی ہوتے ہیں۔ قرآن کریم ریڈیو کی سوئی ہے۔ تلاوت والے کے دل کی سوئی اگر شیطان کی طرف لگی ہوئی ہے تو اس کے سامنے تو قرآن ہو گا مگر اس کے منہ سے شیطان بولے گا اور اگر دل کی سوئی مدینہ پاک کی طرف ہے تو انشاءاللہ زبان سے مدینہ کے فیضان نکلیں گے۶ مرقات نے فرمایا کہ جس گھر میں ترنج ہو وہاں جنات نہیں آتے ایک شاعر کہتا ہے۔ شعر:

کانکم شجر الاترج طاب معا حملا' ونورا' وطاب العود والورق

۷؎ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرآن کی تلاوت بھی مستقل عبادت ہے اور اس پر عمل مستقل نیکی محبوب کا پیغام، وطن کا خط پڑھنے، سننے میں بھی مزہ آتا ہے۔ اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ تلاوت قرآن محض بیکار ہے۔ قرآن عمل کیلئے ہے نہ کہ پڑھنے کیلئے کیونکہ دوا کھانے پینے اور برتنے کیلئے ہوتی ہے۔ محض نسخہ پڑھ لینے سے شفا نہیں ہوتی۔ ان بے وقوفوں کو خبر نہیں کہ بعض دواؤں کا سونگھنا مفید ہوتا ہے۔ بعض کا محض دیکھنا فائدہ مند، سبزہ دیکھنے سے آنکھ کی روشنی بڑھتی ہے اور بعض دواؤں کے سننے سے فائدہ ہوتا ہے۔ بیمار عشق کیلئے محبوب کا ذکر سننا بہت مفید دوا ہے۔ لیموں یا ترش چیزوں کا ذکر کرو تو منہ میں پانی بھر جاتا ہے۔

وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَاماً وَّيَضَعُ بِهٖ اٰخَرِيْنَ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۰۱۳) روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ اس قرآن کے ذریعہ کچھ قوموں کو سربلند کرے گا اور کچھ کو گرادے گا ۱؎ (مسلم)

(۲۰۱۳) ۱؎ یعنی جو مسلمان قرآن کریم کو صحیح طرح سمجھیں، صحیح طرح عمل کریں تو وہ دنیا و آخرت میں بلند درجے پائیں گے، اور جو اس سے غافل رہیں، یا غلط طرح سمجھیں، غلط طور پر عمل کریں۔ وہ دنیا و آخرت میں ذلیل ہوں گے۔ قرآن کریم سے زندگی و موت طیب ہوتی ہے۔ یہ محبوبین کیلئے ماء (پانی) ہے، اور مجوبین کیلئے دماء (خون) ہے۔ اب بھی قرآن پاک کے صحیح متبع بڑی عظمت و عزت کے مالک ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا (۱۷،۸۲) جو ایمان والوں کے لئے شفا اور رحمت ہے اور اس سے ظالموں کو نقصان ہی بڑھتا ہے (کنزالایمان) حضرت عمر نے ابن ابزی غلام کو مکہ معظمہ کا حاکم بنایا لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ یہ اگرچہ غلام ہے مگر قرآن کا ماہر ہے۔

وَعَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ اُسَيْدَ بْنَ حُضَيْرٍ قَالَ بَيْنَمَا هُوَ يَقْرَاُ مِنَ اللَّيْلِ سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ وَفَرَسُهٗ مَرْبُوْطَةٌ عِنْدَهٗ اِذْ جَالَتِ الْفَرَسُ فَسَكَتَ فَسَكَنَتْ فَقَرَاَ فَجَالَتْ فَسَكَتَ فَسَكَنَتْ ثُمَّ قَرَاَ فَجَالَتِ الْفَرَسُ فَانْصَرَفَ وَكَانَ ابْنُهٗ يَحْيٰى قَرِيْباً مِّنْهَا فَاَشْفَقَ اَنْ تُصِيْبَهٗ وَلَمَّا اَخَّرَهٗ رَفَعَ رَاْسَهٗ اِلَى السَّمَآءِ فَاِذَا مِثْلُ الظُّلَّةِ فِيْهَا اَمْثَالُ الْمَصَابِيْحِ فَلَمَّا اَصْبَحَ حَدَّثَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اقْرَاْ يَا ابْنَ حُضَيْرٍ اِقْرَاْ يَا ابْنَ حُضَيْرٍ قَالَ فَاَشْفَقْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنْ تَطَاَ يَحْيٰى وَكَانَ مِنْهَا قَرِيْباً فَانْصَرَفْتُ اِلَيْهِ وَرَفَعْتُ رَاْسِىْ اِلَى السَّمَآءِ فَاِذَا مِثْلُ الظُّلَّةِ فِيْهَا اَمْثَالُ الْمَصَابِيْحِ فَخَرَجْتُ حَتّٰى لَا اَرَاهَا قَالَ وَتَدْرِىْ مَاذَاكَ قَالَ لَا قَالَ تِلْكَ

(۲۰۱۴) روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے کہ حضرت اسید ابن حضیر ۱؎ فرماتے ہیں اس اثناء میں کہ وہ رات میں سورۂ بقر پڑھ رہے تھے۔ ان کا گھوڑا ان کے پاس بندھا تھا کہ گھوڑا کودنے لگا ۲؎ وہ خاموش ہو گئے تو گھوڑا بھی ٹھہر گیا۔ انہوں نے پھر پڑھا تو گھوڑا پھر کودا وہ پھر چپ ہو گئے تو گھوڑا پھر ٹھہر گیا۔ انہوں نے پھر پڑھا تو گھوڑا پھر کودا آپ نے قرأت بند کر دی ۳؎ ان کا بیٹا یحیٰی گھوڑے سے قریب تھا آپ ڈرے کہ گھوڑا اس تک پہنچ جائے۔ جب انہوں نے یحیٰی کو ہٹایا تو اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا دیکھا کہ شامیانہ کی طرح ہے جس میں چراغ جیسے ہیں ۴؎ جب صبح ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واقعہ عرض کیا ۵؎ فرمایا اے ابن حضیر پڑھا کرو اے ابن حضیر پڑھا کرو ۶؎ عرض کیا یا رسول اللہ میں ڈرا کہ یحیٰی کو گھوڑا روند دے۔ یحیٰی اس سے قریب ہی تھے تو میں ان کے پاس چلا گیا ۷؎ اور میں نے آسمان کی طرف سر اٹھایا تو شامیانہ سا تھا جس

الْمَلَائِكَةُ دَنَتْ لِصَوْتِكَ وَلَوْ قَرَأْتَ لَاَصْبَحَتْ يَنْظُرُ النَّاسُ اِلَيْهَا لَا تَتَوَارٰى مِنْهُمْ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيّ وَفِيْ مُسْلِمٍ عَرَجَتْ فِي الْجَوِّ بَدَلَ فَخَرَجَتْ عَلٰى صِيْغَةِ الْمُتَكَلِّمِ)

میں چراغ جیسی چیزیں تھیں ۸ میں باہر آ گیا حالانکہ وہ نظر نہ آئیں فرمایا کیا جانتے ہو یہ کیا تھا عرض کیا نہیں فرمایا یہ فرشتے تھے جو تمہاری آواز پر جھک پڑے تھے ۹ اگر تم پڑھتے رہتے فرشتے اس طرح سویرا کر دیتے لوگ انہیں دیکھتے فرشتے ان سے نہ چھپتے ہیں ۱۰ (مسلم بخاری' لفظ بخاری کے ہیں مسلم میں بجائے متکلم فخرجت کے یوں ہے کہ وہ شامیانہ اوپر چڑھ گیا)

(۲۰۱۴) ا آپ نقباء انصار میں سے ہیں جلیل القدر صحابی ہیں۔ ۲۰ یا ۲۱ ھ میں وفات پائی۔ حضرت عمر نے آپ کا جنازہ اٹھایا اور نماز پڑھائی ۲ غالبًا یہ تہجد کا وقت تھا۔ آپ نماز تہجد سے فارغ ہو کر تلاوت قرآن کر رہے تھے۔ آخر شب میں نماز کے سواء تلاوت بھی ثواب ہے۔ عمل صحابہ ہے ۳ بچے کی جان کے خوف سے اور اس واقعہ میں غور و تامل کرنے کیلئے کیونکہ تلاوت میں سکون قلبی نہ رہا تھا۔ دل اور طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ سکون قلب حاصل کرنے کیلئے یہ تلاوت بند فرمائی۔ اگر نمازی کو عین نماز کی حالت میں سانپ بچھو نظر آئے تو انہیں مار سکتا ہے تاکہ سکون دل میسر ہو۔ لہٰذا اس واقعہ پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ آپ نے دنیاوی وجہ سے دینی کام کیوں بند کر دیا یہ بند کرنا نہیں بلکہ اس کو کامل بنانے کی تدبیر ہے۔ ۴ غالب یہ ہے کہ شامیانہ روزانہ ہی ان کی تلاوت پر لگ جاتا تھا مگر آج ان کی نگاہ سے حجاب اٹھا دیئے گئے۔ اس لیے آپ کی نگاہوں نے اسے دیکھ بھی لیا۔ بلکہ آپ کی فیض صحبت سے آپ کے گھوڑے نے بھی اسے دیکھ لیا ۵ اس سے معلوم ہوا کہ مرید اپنے شیخ کی خدمت میں قلبی واردات اور خفیہ اثرات اعمال کی مخفی تاثیریں عرض کر سکتا ہے۔ اس میں ریاء نہیں' بلکہ کبھی اس سے اپنی خامی دور ہوتی ہے اور کبھی مدارج میں ترقی ہوتی ہے۔ مریض اپنا ہر حال طبیب سے عرض کرتا ہے۔ حصول صحت کیلئے غرضیکہ ان امور کا اظہار عوام پر نہ کرے۔ خواص پر خصوصاً اپنے شیخ پر کرے۔ ۶ یعنی آئندہ بھی تلاوت قرآن کیا کرو۔ ان جیسے واقعات دیکھ کر گھبرانا نہیں یہ ڈرنے کی چیز نہیں ہے۔ یہ ہی شرح زیادہ ظاہر ہے۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ یہ امر بمعنی ماضی ہے۔ یعنی تم نے اور زیادہ تلاوت کی ہوتی بند کیوں کر دی اور دوسری شرح کی بنا پر اگلا جواب بالکل ظاہری ہے جو حضرت اسید نے عرض کیا ۷ یعنی دل تو میرا بھی چاہتا تھا کہ تلاوت خوب کروں کسی سستی وغیرہ کی وجہ سے میں نے تلاوت بند نہ کی' بلکہ واقعہ یہ پیش آیا جس کی وجہ سے مجھے تلاوت بند کرنی پڑی ۸ اس عجوبہ کو پہلے گھوڑے نے دیکھا جس سے وہ بدکا' پھر میں نے اسے دیکھا اس کا بدکنا میرے دیکھنے کا باعث بنا۔ ۹ حضرت اسید کا ان فرشتوں کو دیکھ لینا اس وجہ سے ہوا کہ آج رب تعالٰی نے ان کی آنکھ سے غیبی حجابات اٹھا دیئے تھے۔ جیسے ایک بار حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے تیز بارش دیکھی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری کو دفن کرنے قبرستان تشریف لے گئے تھے۔ واپسی پر آپ نے عرض کیا کہ حضور اس بارش میں آپ کہاں تھے۔ بھیگے کیوں نہیں فرمایا تمہارے سر پر کیا کپڑا ہے۔ عرض کیا آپ کا تہبند فرمایا اس تہبند کی برکت سے تم نے یہ غیبی نورانی بارش دیکھ لی' ورنہ یہ بارش کسی کو نظر نہیں آتی' مثنوی شریف میں اس واقعہ کا تفصیلی ذکر فرمایا ہے۔ جس کے آخری اشعار یہ ہیں۔

گفت چہ بر سر فگندی از ازار   گفت کردم آں ردائے تو خمار

گفت بہر آں نمود اے پاک جیب   چشم پاکت راخدا باران غیب

نیست ایں باراں ازیں ابرشما   ہست باراں دیگر و دیگر سما

بعض بزرگ مرید کے سر پر ہاتھ رکھ دیتے ہیں تو اس کی آنکھ سے غیبی حجاب اٹھ جاتے ہیں اور وہ عالم غیب کا مشاہدہ کر لیتا ہے۔مولانا فرماتے ہیں شعر:

سرمہ کن درچشم خاک اولیاء   تا بہ بینی زابتدا تا انتہاء

۱۰؎ یہاں مرقات نے فرمایا کہ فرشتے پرے باندھ کر ان کی تلاوت سن رہے تھے۔ان کے سامنے شامیانہ کی طرح حجاب بن گئے۔ان کے چہرے چراغوں کی طرح چمک رہے تھے۔نورانی اجسام کا اژدہام آڑ بن سکتا ہے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ایسا ہی ہے جیسے فرمایا آج ہم نے شیطان پکڑ لیا تھا۔چاہا کہ اسے مسجد کے ستون سے باندھ دیں۔اگر باندھ دیتے تو مدینہ کے بچے اس سے کھیلتے اا؎ کیونکہ وہ آسمان کے رہنے والے فرشتے تھے۔آسمان پر رہتے ہوئے زمین والوں کی آواز سن لیتے ہیں مگر قربت حاصل کرنے کیلئے ایسی مجلس خیر میں آتے ہیں۔نعت خواں ایک شعر پڑھا کرتے ہیں۔شعر:

فرشتے محفل میلاد میں رحمت کے آتے ہیں   رسول اللہ خود اس بزم میں تشریف لاتے ہیں

اس شعر کا ماخذ یہ حدیث ہے۔مجلس ذکر میں اب بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لانا بہت سی روایات سے ثابت ہے۔دیکھو ہماری کتاب جاءالحق حصہ اول۔

وَعَنِ الْبَرَآءِ قَالَ كَانَ رَجُلٌ يَقْرَاءِ سُوْرَةَ الْكَهْفِ وَاِلٰى جَانِبِهٖ حِصَانٌ مَّرْبُوْطٌ بِشَطَنَيْنِ فَتَغَشَّتْهُ سَحَابَةٌ فَجَعَلَتْ تَدْنُوْا وَتَدْنُوْا وَجَعَلَ فَرَسُهٗ يَنْفِرُ فَلَمَّا اَصْبَحَ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهٗ فَقَالَ تِلْكَ السَّكِيْنَةُ تَنَزَّلَتْ بِالْقُرْاٰنِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۰۱۵) روایت ہے حضرت براء سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص سورہ کہف پڑھ رہا تھا اس کے پہلو میں دراز رسیوں سے گھوڑا بندھا تھا تو ان پر ایک بادل چھا گیا۔وہ جھکنے لگا اور خوب جھکنے لگا اور ان کا گھوڑا بدکنے لگا۱؎ پھر جب صبح ہوئی تو وہ صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے یہ ماجرا عرض کیا فرمایا یہ سکینہ رحمت ہے جو قرآن کی وجہ سے اتری۲؎ (مسلم بخاری)

(۲۰۱۵)۱؎ گھوڑے کا یہ بدکنا ایک عجیب چیز کے نظارہ کی وجہ سے تھا۔جیسا کہ عرض کیا گیا۲؎ فرشتوں کی ایک جماعت کا نام سکینہ ہے۔چونکہ ان کے اترنے سے مومن کے دل کو سکون و چین حاصل ہوتا ہے۔اس لیے اسے سکینہ کہتے ہیں مومن پر بعض خاص حالات میں بھی اور خاص عبادات کے موقع پر بھی یہ فرشتے اترتے ہیں۔ربّ تعالٰی ہجرت کے غار کا واقعہ بیان فرماتے ہوئے حضرت صدیق اکبر کے متعلق فرماتا ہے:فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ (۹:۴۰) تو اللہ نے اس پر اپنا سکینہ اُتارا (کنزالایمان) صدیق اکبر کو اس وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت غم اور کفار کا اندیشہ تھا۔اسی لیے ان پر سکینہ اتری۔خیال رہے کہ بزرگوں کے تبرکات سے بھی سکون قلبی نصیب ہوتا ہے۔انہیں بھی ربّ تعالٰی نے سکینہ فرمایا ہے۔چنانچہ تابوت سکینہ جس میں حضرت موسٰی و ہارون علیہما السلام کے تبرکات عمامہ نعلین وغیرہ تھے۔ان کے متعلق ربّ تعالٰی فرماتا ہے:فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ (۲:۲۴۸) جس میں تمہارے ربّ کی طرف سے دلوں کا چین ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں معزز موسٰی اور معزز ہارون کے ترکہ کی اُٹھاتے لائیں گے اسے فرشتے (کنزالایمان) بعض لوگ قبروں پر اپنے بزرگوں کے تبرکات عمامہ وغیرہ اور اپنا شجرہ،آیات قرآنیہ رکھ دینے کی

وصیت کرتے ہیں تا کہ سکون قبر میسر ہو۔ ان کا ماخذ قرآن کریم کی مذکورہ آیت ہے۔ صحابہ کرام نے اپنے کفنوں میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ناخن، بال، تہبند شریف رکھوائے، خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی بی بی زینب کے کفن میں اپنا تہبند شریف رکھا۔ اس کی بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں ملاحظہ فرمائیے۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُعَلّٰی قَالَ کُنْتُ اُصَلِّیْ فِی الْمَسْجِدِ فَدَعَانِی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ اَجِبْهُ ثُمَّ اَتَیْتُهٗ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ کُنْتُ اُصَلِّیْ قَالَ اَلَمْ یَقُلِ اللّٰهُ اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ ثُمَّ قَالَ اَلَا اُعَلِّمُكَ اَعْظَمَ سُوْرَةٍ فِی الْقُرْاٰنِ قَبْلَ اَنْ تَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ فَاَخَذَ بِیَدِیْ فَلَمَّا اَرَدْنَا اَنْ نَّخْرُجَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّكَ قُلْتَ لَاُعَلِّمَنَّكَ اَعْظَمَ سُوْرَةٍ مِّنَ الْقُرْاٰنِ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ هِیَ السَّبْعُ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنُ الْعَظِیْمُ الَّذِیْ اُوْتِیْتُهٗ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

(۲۰۱۶) روایت ہے حضرت ابوسعید ابن معلّٰی سے فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا۱ کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا میں نے جواب نہ دیا پھر میں حاضر ہوا۲ اورعرض کیا یا رسول اللہ میں نماز پڑھ رہا تھا فرمایا کیا اللہ تعالٰی نے یہ نہیں فرمایا کہ اللہ رسول جب تمہیں بلائیں تو فوراً جواب دو۳ پھر فرمایا کہ کیا میں تمہیں تمہارے مسجد میں جانے سے پہلے قرآن کریم کی عظیم الشان سورۃ نہ بتاؤں۴ پھر حضور نے میرا ہاتھ پکڑا جب باہر نکلنے لگے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے فرمایا تھا کہ میں تم کو قرآن کی عظیم الشان سورۃ بتاؤں گا۵ فرمایا وہ الحمد للہ رب العالمین ہے، یہ تو وہ سات مکرر آیتیں ہیں اور قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا ہوئیں۶ (بخاری)

(۲۰۱۶)۱؎ یہ حضرت مسجد نبوی شریف میں حاضر ہوئے، جبکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم برسر منبر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے اور آیت: قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ (۲:۱۴۴) ہم دیکھ رہے ہیں بار بار تمہارا آسمان کی طرف منہ کرنا (کنزالایمان) تلاوت فرمارہے تھے۔ انہوں نے تحیۃ المسجد نفل کی نیت باندھ لی ایک گوشہ میں نماز پڑھنے لگے۲؎ یعنی میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا بلاوا سن لیا مگر نماز کی مشغولیت کی وجہ سے حاضر نہ ہوا پھر بعد سلام حاضر ہوا اور معذرت کیلئے یہ عرض کیا۳؎ یہاں اللہ رسول کے بلانے سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا بلانا ہے۔ ورنہ رب تعالٰی بلاواسطہ کسی کو نہیں بلاتا۔ اس لیے دعا واحد کا صیغہ ارشاد ہوا (مرقات) اس فرمان سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ اگر عین نماز میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو بلائیں تو اسی وقت اسی حالت میں حاضر بارگاہ ہو جانا واجب ہے۔ دوسرے یہ کہ اس حاضر ہو جانے سے بلکہ جو خدمت سرکار فرمائیں اس کے بجالانے سے نماز ٹوٹے گی نہیں وہ نماز ہی میں رہے گا۔ اور خدمت سے فارغ ہوکر بقیہ رکعتیں پوری کرے گا۔ جیسے حضور سے خطاب اور حضور کو سلام نماز نہیں توڑتا۔ ایسے ہی حضور کی یہ اطاعت نماز فاسد نہیں کرتی (مرقات) نمازی وضوٹوٹنے پر پانی کے پاس جائے تو نماز نہیں جاتی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تو رحمت الٰہی کا سمندر ہیں۔ آپ کے پاس آنے سے نماز کیسے جائے۴؎ پہلے سے یہ فرما کر منتظر بنادیا تا کہ خوب یاد رکھیں جو بات انتظار کے بعد ملے۔ اس کی قدر ہوتی ہے۔ سورۃ قرآن شریف کا وہ حصہ ہے جس میں مضمون مکمل ہو اور اس کا نام بھی ہو۔ یہاں مرقات نے فرمایا کہ تمام آسمانی کتابوں کے مضامین قرآن شریف میں ہیں اور سارے قرآن شریف کے مضامین سورۃ فاتحہ میں، اور ساری سورۃ فاتحہ کے مضامین بسم اللہ میں اور ساری بسم اللہ کے مضامین اس کے ب کے نقطہ میں۔ دیکھو ریلوے ٹائم ٹیبل یا جغرافیہ میں پورے ملک یا پورے شہر کی طرف ایک نقطہ سے اشارہ کردیا جاتا ہے اس لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ فاتحہ کو بڑی سورۃ فرمایا اور ہر رکعت میں یہ دہرائی جاتی ہے۔۵؎ حضور انور صلی

اللہ علیہ وسلم کو اپنا وعدہ یاد تھا مگر آپ نے ابتداءً نہ تعلیم دی تاکہ ان کے اپنے شوق کا پتا لگے کہ انہوں نے یہ بات یاد رکھی یا نہیں' اور ان کا شوق پورا ہے یا نہیں۔ ۶؎ خلاصہ فرمان یہ ہے کہ سورہ فاتحہ بہت سی خوبیوں کی جامع سورۃ ہے۔ اس میں حمد الٰہی نعت پاک مصطفوی' وعدے و عیدیں' حشر ونشر کا ذکر' محبوب ومردود بندوں کا تذکرہ' ربّ تعالیٰ سے سوال کی تعلیم' دین برحق کی پہچان وغیرہ تمام مضامین ہیں۔ دیکھو ہماری تفسیر نعیمی کلاں' اس میں سات آیتیں ہیں جو نماز کی ہر رکعت میں دہرائی جاتی ہیں ان کا نزول دوبار ہوا۔ ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد یہ سورت اس امت کی خصوصیات سے ہے۔ کسی کو ہم سے پہلے نہ ملی۔ اس لیے ربّ تعالیٰ نے اس کی عطاء کا خصوصیت سے ذکر فرمایا کہ ارشاد ہوا: وَلَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ (۱۵'۸۷) اور بے شک ہم نے تم کو سات آیتیں دیں جو دہرائی جاتی ہیں اور عظمت والا قرآن (کنزالایمان) اگرچہ قرآن پاک میں یہ سورۃ بھی تھی مگر اس کا ذکر مستقل طور پر فرمایا' (لمعات' مرقات) اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کی بعض سورتیں بعض سے اعلیٰ وافضل ہیں۔ اس کی تحقیق پہلے کی جا چکی ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَجْعَلُوْا بُیُوْتَكُمْ مَقَابِرَ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْفِرُ مِنَ الْبَیْتِ الَّذِیْ یُقْرَأُ فِیْهِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۰۱۷) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ ۱؎ شیطان اس گھر سے بھاگتا ہے جس میں سورہ بقر پڑھی جائے ۲؎ (مسلم)

(۲۰۱۷) ۱؎ یعنی گھروں میں مردے دفن نہ کرو کہ یہ تو خصوصیت انبیاء ہے یا اپنے گھروں کا ذکر اللہ سے خالی نہ رکھو جیسے قبرستان خالی ہوتا ہے۔ ایسے گھر قبرستان ہیں اور وہاں کے باشندے مردے' دوسرے معنی زیادہ موزوں ہیں۔ جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔ خیال رہے کہ مومن مردے اپنی قبروں میں ذکر اللہ کرتے ہیں مگر وہ ذکر ہم نہیں سنتے۔ ہم کو قبرستان سنسان معلوم ہوتا ہے۔ اسی لیے یہ ارشاد ہوا۔ لہٰذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں ۲؎ یعنی شیاطین کا سرگروہ ابلیس اس گھر سے دور رہتا ہے یا سورہ بقر پڑھتے وقت قرین شیطان دور رہتا ہے۔ اگرچہ بعد میں آجائے یا اس گھر کے باشندوں کو وہ جنت سے بہکا نہیں سکتا۔ انہیں بے دین بے ایمان نہیں بنا سکتا۔ انشاء اللہ لہٰذا حدیث واضح ہے۔ خیال رہے کہ شیطان کو دفع کرنے کی یہ تمام تدابیر ہیں۔ نفس امارہ ان سے نہیں مرتا۔ اس کی موت اس کی مخالفت سے ہے۔ اسی لیے اگرچہ رمضان میں شیطان قید ہوتا ہے مگر لوگ گناہ کرتے ہیں۔ نفس امارہ موجود ہے۔ یعنی ہمیشہ تلاوت کیا کرو اور اس موقع کو غنیمت جانو۔ قرآن کریم کی تلاوت مستقل عبادت ہے۔ معنی سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں۔ مرکب دوائیں معجونین مفید ہیں ان کے اجزاء معلوم ہوں یا نہ ہوں۔

وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اقْرَءُوْا الْقُرْاٰنَ فَاِنَّهٗ یَاْتِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ شَفِیْعًا لِّاَصْحَابِهٖ اقْرَءُوْا الزَّهْرَاوَیْنِ الْبَقَرَةَ وَسُوْرَةَ اٰلِ عِمْرَانَ فَاِنَّهُمَا تَاْتِیَانِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ كَاَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ اور غَیَایَتَانِ اَوْفِرْقَانِ مِنْ طَیْرٍ صَوَافَّ تُحَاجَّانِ عَنْ اَصْحَابِهِمَا اقْرَءُوْا سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ فَاِنَّ اَخْذَهَا بَرَكَةٌ وَّتَرْكَهَا حَسْرَةٌ وَّلَا

(۲۰۱۸) روایت ہے حضرت ابوامامہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ قرآن پڑھا کرو ۱؎ کہ وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کا سفارشی آئے گا ۲؎ دو چمکدار سورتیں یعنی بقرہ وآل عمران پڑھا کرو ۳؎ یہ دونوں قیامت کے دن یوں آئیں گی جیسے بادل کے ٹکڑے یا سائبان یا صف بستہ چڑیوں کی ٹولیاں ہیں ۴؎ اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے جھگڑیں گی ۵؎ سورہ بقر پڑھا کرو اس کا پڑھنا برکت ہے اور اس کا چھوڑنا حسرت ۶؎ جسے

يَسْتَطِيعُهَا الْبَطَلَةُ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) جھٹلانے والے جھٹلا نہیں سکتے ہے (مسلم)

(۲۰۱۸) ۱؎ گنہگاروں کی مغفرت کی سفارش کرے گا۔۲؎ نیک کاروں کی بلندی درجات کی صحابہ سے مراد قرآن کی تلاوت کرنے والے اس کو سیکھنے سکھانے، اس پر عمل کرنے والے سب ہی مراد ہوتے ہیں مگر یہاں تلاوت کرنے والے مراد ہیں۔ جیسا کہ اس مضمون سے ظاہر ہے۔۳؎ مرقات نے فرمایا کہ یہ دونوں سورتیں باقی سورتوں میں ایسی ہیں جیسے تاروں میں چاند اس لیے انہیں زہراوین یعنی چمکدار سورتیں فرمایا گیا ورنہ سارا قرآن نور ہے لہٰذا حدیث واضح ہے۴؎ یہ تین تشبیہیں تین قسم کے تلاوت کرنے والوں کے لحاظ سے ہیں۔ جیسا قاری کا اخلاص کل قیامت میں، ویسا ہی ان کا سایہ بہت مخلص کیلئے یہ سورتیں ابر رحمت بن کر سایہ بھی کریں گی اور روشنی بھی دیں گی۔ درمیانی اخلاص والے کیلئے سائبان وشامیانہ کی طرح اور معمولی اخلاص والے کیلئے پرندوں کی جماعت کی طرح یہ شک راوی کو نہیں ہے جیسا کہ بعض شارحین نے سمجھا، نیز یہاں ثواب تلاوت مراد نہیں بلکہ خود یہ سورتیں کل ان شکلوں میں ہوں گی۔ یہاں کے عرض اور اعمال، وہاں جسم و جوہر ہوں گے۔ آج ہم خواب میں آئندہ حالات کو جسمانی شکل میں دیکھتے ہیں۔ بادشاہ مصر نے آئندہ قحط کو سات گایوں اور بالیوں کی شکل میں دیکھا تھا۵؎ یا تو اس کے دشمنوں سے جھگڑا کریں گی یا عذاب کے فرشتوں سے جھگڑ کر اسے چھڑائیں گی، یا خود رب تعالیٰ سے جھگڑ جھگڑ کر اسے بخشوائیں گی مگر یہ جھگڑا ناز کا ہوگا نہ مقابلہ کا آج پیارا بیٹا اپنے باپ سے جھگڑ کر دوسروں کی سفارش کرتا ہے۔ لہٰذا حدیث واضح ہے کوئی اعتراض نہیں ۶؎ یعنی قیامت میں ان سورتوں کے پڑھنے والے کا ثواب دیکھ کر نہ پڑھنے والے کف افسوس ملیں گے۔ جنتی لوگ تمنا کریں گے کہ کاش ہم نے دنیا میں ایک سانس بھی بغیر ذکر اللہ کے نہ لی ہوتی ۷؎ اس جملہ کے کئی معنی ہیں۔ ایک یہ کہ منافقین ریاء کار یہ سورتیں یاد نہ کرسکیں گے۔ ان کی تلاوت نہ کرسکیں گے یا انہیں یہ دونوں سورتیں بہت دراز اور گراں معلوم ہوں گی۔ مخلصین پر آسان ہوں گی۔ دوسرے یہ کہ جادوگر وغیرہ ان سورتوں کا اثر اپنے جادو کے زور سے زائل نہیں کرسکتے اور ان کی تلاوت کرنے والے کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ تیسرے یہ کہ ان کی صداقت اس قدر ظاہر ہے کہ انہیں جھوٹے لوگ جھٹلا نہیں سکتے۔

وَعَنِ النَّوَاسِ بْنِ سَمِعَانَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يُؤْتَى بِالْقُرْاٰنِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَاَهْلِهِ الَّذِيْنَ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ بِهٖ تَقْدُمُهٗ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ وَآلُ عِمْرَانَ كَاَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ اَوْ ظُلَّتَانِ سَوْدَاوَانِ بَيْنَهُمَا شَرْقٌ اَوْ كَاَنَّهُمَا فُرْقَانِ مِّنْ طَيْرٍ صَوَآفَّ تُحَاجَّانِ عَنْ صَاحِبِهِمَا (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۰۱۹) روایت ہے حضرت نواس ابن سمعان سے فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ قیامت کے دن قرآن اور قرآن والے جو اس پر عمل کرتے تھے یوں بلائے جائیں گے ۱؎ کہ سورہ بقر و آل عمران آگے آگے ہوں گے گویا سفید بادل ہیں یا کالے شامیانے ۲؎ جن کے درمیان کچھ فاصلہ ہوگا ۳؎ گویا وہ صف بستہ پرندوں کی دو ٹولیاں اپنے عاملوں کی طرف سے جھگڑتی ہوں گی ۴؎ (مسلم)

(۲۰۱۹) ۱؎ عزت عظمت کے ساتھ وفد کی شکل میں بارگاہ الٰہی میں پیشی کیلئے لائے جائیں گے رب تعالیٰ فرماتا ہے: يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ۝ وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا (۸۶،۱۹) جس دن ہم پرہیزگاروں کو رحمٰن کی طرف لے جائیں گے مہمان بنا کر اور مجرموں کو جہنم کی طرف ہانکیں گے پیاسے (کنزالایمان) ۲؎ یعنی یہ سورتیں بڑے مخلصین کیلئے سفید بادل کی طرح اور ان سے کم درجہ والوں کیلئے شامیانہ کی طرح سایہ کیے ہوں گی جن سے لوگ گرمی محشر سے محفوظ ہوں گے۔ یہ بادل

وشامیانے ان لوگوں کے ساتھ چلتے ہوں گے۔ تمام محشر والے انہیں دیکھتے ہی پہچان لیں گے کہ یہ حضرات قرآن پاک کی تلاوت کرنے والے اوراس پرعمل کرنے والے ہیں۔ اب جو کہے کہ قیامت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو مومن و کافر کی بھی پہچان نہ ہو گی وہ جھوٹا ہے۔ ۳؎ عربی میں شرق بکری کے کان کی پھٹن کو کہتے ہیں۔ یہاں اس سے ان دونوں سورتوں کے درمیان فاصلہ مراد ہے۔ یہ فاصلہ بسم اللہ شریف کا ہوگا۔ یہاں بھی بسم اللہ ہی دوسورتوں میں فاصلہ وفرق کرتی ہے بعض نے فرمایا کہ شرق بمعنی نور و چمک ہے یعنی ان دونوں سورتوں کے درمیان روشنی ہوگی۔ مقصد یہ ہے کہ سورتیں خود گہرے بادل کی طرح ہوں گی مگر ان سے اندھیرا نہ ہوگا بلکہ محشر کی جگمگاہٹ ان کے نیچے ہی محسوس ہوگی۔ یہ چمک سورج وغیرہ کی نہ ہوگی۔ نورالٰہی کی ہوگی رب تعالٰی فرماتا ہے: وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا (۶۹:۳۹) اور زمین جگمگا اُٹھے گی اپنے رب کے نور سے (کنزالایمان) ۴؎ یعنی اللہ تعالٰی سے جھگڑ جھگڑ کر اپنے قاری عاملین دعاملین کو بخشوائیں گی۔ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ یہ جھگڑا مقابلہ کا نہ ہوگا بلکہ ناز وانداز کا ہوگا۔ رب تعالٰی ہم کو بھی ان سورتوں کی شفاعت نصیب کرے۔ آمین

وَعَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا الْمُنْذِرِ اَتَدْرِيْ اَيُّ اٰيَةٍ مِّنْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى مَعَكَ اَعْظَمُ قُلْتُ اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ يَا اَبَا الْمُنْذِرِ اَتَدْرِيْ اَيُّ اٰيَةٍ مِّنْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى مَعَكَ اَعْظَمُ قُلْتُ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ قَالَ فَضَرَبَ فِيْ صَدْرِيْ وَقَالَ لِيَهْنِكَ الْعِلْمُ يَا اَبَا الْمُنْذِرِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۰۲۰) روایت ہے حضرت ابی ابن کعب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے ابوالمنذر کیا جانتے ہو کہ تمہارے پاس کتاب اللہ کی کونسی شاندار آیت ہے ۱؎ میں نے عرض کیا اللہ رسول ہی جانیں فرمایا اے ابوالمنذر کیا جانتے ہو تمہارے پاس کتاب اللہ کی کونسی شاندار آیت ہے ۲؎ میں نے عرض کیا اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم ۳؎ تو حضور نے میرے سینہ پر ہاتھ مارا اور فرمایا تمہیں علم مبارک ہو ۴؎ اے ابوالمنذر (مسلم)

(۲۰۲۰) ۱؎ حضرت ابی ابن کعب اور آپ کے تین چچا زاد بھائی اس زمانہ میں پورے قرآن کریم کے حافظ تھے۔ سوال یہ ہے کہ اے ابی ابن کعب بتاؤ جو قرآن کریم تم نے سارا حفظ کیا ہے اس میں بہت شاندار آیت کونسی ہے (مرقات) اس زمانہ میں قرآن کریم کی تلاوت اور اس کا حفظ بقدر نزول ہوتا تھا ۲؎ اعظم سے مراد اخروی ثواب اور دنیاوی فوائد میں زیادہ ہے۔ یہ زیادتی اضافی ہے۔ لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ کسی حدیث میں کسی آیت کو اعظم فرمایا اور دوسری حدیث میں دوسری آیت کو ۳؎ پہلی بار نہ بتانے اور پھر بتانے کی شارحین نے بہت وجوہ بیان کی ہیں۔ فقیر کی نظر میں قوی وجہ یہ ہے کہ ان دوسوالوں کے درمیان کے وقفہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دل میں جواب بطور فیضان القاء فرمادیا پھر پوچھا تو آپ نے وہ ہی القاء کیا ہوا جواب عرض کر دیا۔ حضرات صوفیاء کبھی نظر سے کبھی سینہ پر ہاتھ رکھ کر کبھی مرید کو سامنے بٹھا کر کبھی کوئی بات پوچھ کر فیض دیتے ہیں۔ ان طریقوں کی اصل یہ حدیث ہے (از لمعات واشعہ) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی ابن کعب کو نظر بھر کر دیکھا جس سے ان کے سینہ میں علوم کے دریا بہ گئے ۴؎ یہ فرمان ہمارے عرض کیے ہوئے مطلب کی تائید ہے یعنی اے ابی تمہیں یہ علم لدنی مبارک ہو کہ بغیر کتابیں پڑھے داتا کی دین اور رہبر کامل کی ایک نگاہ کرم سے تمہیں سب کچھ مل گیا۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ وَكَّلَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى

(۲۰۲۱) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحِفْظِ زَكٰوةِ رَمَضَانَ فَاَتَانِیْ اٰتٍ فَجَعَلَ يَحْثُوْا مِنَ الطَّعَامِ فَاَخَذْتُهٗ وَقُلْتُ لَاَرْفَعَنَّكَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنِّیْ مُحْتَاجٌ وَّعَلَیَّ عِيَالٌ وَّلِیْ حَاجَةٌ شَدِيْدَةٌ قَالَ فَخَلَّيْتُ عَنْهُ فَاَصْبَحْتُ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَاهُرَيْرَةَ مَا فَعَلَ اَسِيْرُكَ الْبَارِحَةَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ شَكَا حَاجَةً شَدِيْدَةً وَّعِيَالًا فَرَحِمْتُهٗ فَخَلَّيْتُ سَبِيْلَهٗ قَالَ اَمَا اِنَّهٗ قَدْ كَذَبَكَ وَسَيَعُوْدُ فَعَرَفْتُ اَنَّهٗ سَيَعُوْدُ لِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهٗ سَيَعُوْدُ فَرَصَدْتُّهٗ فَجَآءَ يَحْثُوْا مِنَ الطَّعَامِ فَاَخَذْتُهٗ فَقُلْتُ لَاَرْفَعَنَّكَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ دَعْنِیْ فَاِنِّیْ مُحْتَاجٌ وَّعَلَیَّ عِيَالٌ لَا اَعُوْدُ فَرَحِمْتُهٗ فَخَلَّيْتُ سَبِيْلَهٗ فَاَصْبَحْتُ فَقَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَاهُرَيْرَةَ مَا فَعَلَ اَسِيْرُكَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ شَكَا حَاجَةً شَدِيْدَةً وَّعِيَالًا فَرَحِمْتُهٗ فَخَلَّيْتُ سَبِيْلَهٗ فَقَالَ اَمَا اِنَّهٗ قَدْ كَذَبَكَ وَسَيَعُوْدُ فَرَصَدْتُّهٗ فَجَآءَ يَحْثُوْا مِنَ الطَّعَامِ فَاَخَذْتُهٗ فَقُلْتُ لَاَرْفَعَنَّكَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهٰذَا اٰخِرُ ثَلٰثِ مَرَّاتٍ اَنَّكَ تَزْعُمُ لَا تَعُوْدُ ثُمَّ تَعُوْدُ قَالَ دَعْنِیْ اُعَلِّمْكَ كَلِمَاتٍ يَّنْفَعُكَ اللّٰهُ بِهَا اِذَا اَوَيْتَ اِلٰى فِرَاشِكَ فَاقْرَاْ اٰيَةَ الْكُرْسِیِّ اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَيُّوْمُ حَتّٰى تَخْتِمَ الْاٰيَةَ فَاِنَّكَ لَنْ يَّزَالَ عَلَيْكَ مِنَ اللّٰهِ حَافِظٌ وَّلَا يَقْرَبُكَ شَيْطَانٌ حَتّٰى تُصْبِحَ فَخَلَّيْتُ سَبِيْلَهٗ فَاَصْبَحْتُ فَقَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا فَعَلَ اَسِيْرُكَ قُلْتُ زَعَمَ اَنَّهٗ يُعَلِّمُنِیْ كَلِمَاتٍ يَّنْفَعُنِیَ اللّٰهُ بِهَا قَالَ اَمَا اِنَّهٗ

صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے فطرہ کی حفاظت پر مقرر فرمایا ۱؎ تو ایک شخص آیا غلے سے لپ بھرنے لگا ۲؎ میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلوں گا ۳؎ وہ بولا میں محتاج ہوں میرے بال بچے ہیں اور مجھے سخت حاجت ہے ۴؎ فرماتے ہیں میں نے اسے چھوڑ دیا ۵؎ جب صبح ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوہریرہ آج رات تمہارے قیدی کا کیا بنا ۶؎ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس نے سخت حاجت اور بال بچوں کا عذر کیا اس پر میں نے رحم کیا تو اس کو رہا کر دیا ۷؎ فرمایا وہ تم سے جھوٹ بول گیا اور وہ پھر لوٹے گا ۸؎ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی وجہ سے یقین ہو گیا کہ وہ لوٹ کر آئے گا۔ میں اس کی تاک میں رہا ۹؎ وہ پھر آیا اور غلے کے لپ بھرنے لگا میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا اب کے تو تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ضرور لے چلوں گا وہ بولا مجھے چھوڑ دیجئے میں محتاج ہوں اور مجھ پر بال بچوں کا بہت بوجھ ہے میں اب نہ آؤں گا۔ مجھے رحم آ گیا اسے رہا کر دیا ۱۰؎ جب صبح ہوئی تو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوہریرہ تمہارے قیدی کا کیا بنا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس نے سخت محتاجی اور بال بچوں کا عذر کیا مجھے اس پر رحم آ گیا اسے رہا کر دیا ۱۱؎ فرمایا وہ تم سے جھوٹ بول گیا اور وہ پھر آئے گا۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانے سے وہ پھر آئے گا یقین ہو گیا کہ وہ ضرور آئے گا۔ میں گھات میں رہا وہ آیا غلے سے لپیں بھرنے لگا میں نے اسے پکڑ لیا تو کہا کہ اب تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ضرور لے چلوں گا۔ یہ آخر تیسری بار ہے کہ تو کہہ جاتا ہے کہ نہ آئے گا پھر آ جاتا ہے ۱۲؎ وہ بولا مجھے چھوڑ دیجئے میں آپ کو چند ایسے کلمات سکھائے دیتا ہوں کہ اللہ ان کی برکت سے آپ کو نفع دے گا ۱۳؎ جب آپ بستر میں جائیں ۱۴؎ تو آیۃ الکرسی اللہ لا الہ الا هو الحی القیوم آخری آیت تک پڑھ لیں تو آپ پر اللہ کی طرف سے حافظ رہے گا ۱۵؎ اور صبح تک شیطان

صَدَقَكَ وَهُوَ كَذُوْبٌ وَّتَعْلَمُ مَنْ تُخَاطِبُ مُنْذُ ثَلٰثِ لَيَالٍ قُلْتُ لَا قَالَ ذَاكَ شَيْطَانٌ (رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ)

آپ کے قریب نہ پھٹکے گا۱۶ میں نے اسے چھوڑ دیا۱۷ جب صبح ہوئی تو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا بنا تمہارے قیدی کا میں نے عرض کیا اس نے کہا کہ مجھے ایسے کلمات سکھائے گا جن سے اللہ مجھے نفع دے گا۔حضور نے فرمایا وہ ہے تو جھوٹا مگر تم سے سچ بول گیا۱۸ کیا جانتے ہو کہ تم تین دن سے کس سے گفتگو کر رہے ہو میں نے کہا نہیں فرمایا یہ شیطان ہے۱۹ (بخاری)

(۲۰۲۱)۱؎ یعنی صحابہ کرام جو اپنے فطرے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر کر جاتے تھے تاکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خود فقراء میں تقسیم فرما دیں تاکہ آپ کے ہاتھ کی برکت سے ربّ تعالٰی قبول فرمالے۔اس جمع شدہ فطروں کی حفاظت اس دفعہ حضرت ابوہریرہ کے سپرد ہوئی۲؎ یعنی فطرے کا گندم چرانے اور لے جانے لگا میں نے اسے یہ حرکت کرتے دیکھ لیا۔خیال رہے کہ ابلیس اور اس کی ذریت دانہ' غذائیں پھل' مٹھائیاں سب کچھ کھاتے ہیں۔ساتھ ہی کوئلہ وغیرہ بھی کھاتے ہیں۔حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص بغیر بسم اللہ پڑھے کھائے تو شیطان کھانے میں شریک ہو جاتا ہے۔لہٰذا حدیث پر اعتراض نہیں کہ ابلیس کو کھانے کی کیا حاجت اس سے معلوم ہوا کہ شیطان چوری کرتا ہے۔اس لیے آیۃ الکرسی وغیرہ مال پر دم کردی جائے تاکہ جن وانس کی چوری سے محفوظ رہے۳؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ اولیاء اللہ خصوصاً صحابہ کرام شیطان کو دیکھ سکتے ہیں۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض کی برکت سے ان کی آنکھوں سے غیبی حجاب اٹھ جاتے ہیں۔ان حضرات نے تو بارہا فرشتوں کو دیکھا جن کی کیا حقیقت ہے۔دوسرے یہ کہ شیطان ان کی گرفت سے چھوٹ نہیں سکتا۔وہ لوگ نورانی ہیں۔نور کی طاقت نار سے زیادہ ہے۔جن کا ہاتھ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہو اس کی گرفت سے کون چھوٹے تیسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے شیطان گھبراتا ہے۔وہاں حاضری کی ہمت نہیں کرتا۔خیال رہے کہ قرآن کریم شیاطین کے متعلق فرماتا ہے:اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ (۷-۲۷) بے شک وہ اور اس کا کنبہ تمہیں وہاں سے دیکھتے ہیں کہ تم انہیں نہیں دیکھتے (کنزالایمان) کہ وہ اور اس کی ذریت تو تم کو دیکھتے ہیں مگر تم ان کو نہیں دیکھتے۔آیت کا منشاء یہ ہے کہ تم ان جنات کو ان کی اصلی شکل میں نہیں دیکھ سکتے۔لیکن جب وہ شکل انسانی میں ہوں تو انہیں دیکھا جا سکتا ہے۔لہٰذا یہ حدیث قرآن کیخلاف نہیں۔(مرقات)' یا آیت میں عام انسانوں کا ذکر ہے اور یہاں اللہ کے خاص بندوں کا تذکرہ۴؎ ادائے قرض وغیرہ معلوم ہوا کہ شیطان جھوٹ بولتا ہے۔وہ نہ محتاج ہے نہ اس کے بال بچوں کو فاقہ ہے۔دفینہ کانیں اس کی نگاہ میں ہیں۔سفلی عمل کرنے والوں کو وہ روزانہ مال پہنچاتا ہے۔جسے ناجائز دست غیب کہا جاتا ہے۔جائز دست غیب ربّ تعالٰی کی رحمت ہے۔ناجائز دست غیب حرام۵؎ یا اس لیے چھوڑ دیا کہ ابھی اس نے چوری نہیں کی تھی۔ارادہ کی کیا تھا یا چوری تو کرلی تھی مگر چوری حاکم کے پاس پہنچنے سے پہلے حق العبد رہتی ہے اور وہاں پہنچ کر حق اللہ بن جاتی ہے۔پہلی صورت میں بندہ اس سے مال چھین کر اسے چھوڑ سکتا ہے۔دوسری صورت میں بندہ معاف نہیں کرسکتا۔ہاتھ ہی کٹیں گے یا اس لیے کہ اگر زکوۃ وخیرات سے فقیر چوری کرے تو ہاتھ نہ کٹیں گے۔کیونکہ اس مال میں اس کا بھی حق ہے جیسے بیوی بخیل خاوند کے مال سے اپنے حق کے بقدر چوری کرے تو مجرم نہیں کہ اس نے چوری نہیں کی بلکہ اپنا حق لیا۔بہرحال حدیث پر اعتراض نہیں کہ انہیں چور کو چھوڑ دینے کا کیا حق تھا۶؎ یعنی جب میں نماز فجر کے لیے حاضر بارگاہ ہوا

تو بغیر کچھ عرض کیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سوال فرمایا معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ ہر ظاہر و چھپی چیزیں دیکھتی ہے۔کوئی چیز ان سے مخفی نہیں وہ تو قبر کے اندر کے عذاب اور دلوں کے حال سے خبردار ہیں۔مصرع

چشم تو بیند مافی الصدور (اقبال)

ے اس جملہ میں فقیر کی عرض کی ہوئی توجیہ کی تائید ہوئی کہ حضرت ابوہریرہ کو اس پر رحم کرنے کا بھی حق تھا اور چھوڑ دینے کا بھی اسی لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ پر عتاب نہ فرمایا کہ ابوہریرہ تمہیں چھوڑ دینے کا کیا حق تھا۔۸ اس سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب ثابت ہوا۔معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو آئندہ ہونے والے واقعات کا رب تعالٰی نے علم بخشا جو آئندہ ہونے والا ہے وہ بتا رہے ہیں۔شعر:

خدا مطلع ساخت بر جملہ غیب علی کل شئی خبیر آمدی

۹ یعنی آج شب کو میں خوب چوکنا رہا سویا نہیں' غافل نہ رہا اسے پکڑنا بھی تھا اور اس کا تماشا بھی دیکھنا تھا۔۱۰ حضرت ابوہریرہ نے اس کا یہ قول کہ اب نہ آؤں گا اس کی توبہ سمجھا۔اس لیے چھوڑ دیا اسے سچا نہ سمجھا' کیونکہ اس کا جھوٹا ہونا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے معلوم ہو چکا تھا۔یہ رحمت اس کی توبہ پر ہے نہ کہ اسے غریب سمجھ کر اس بار بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ پر عتاب نہ فرمایا۔لہٰذا حدیث بالکل واضح ہے کوئی اعتراض نہیں یا آپ نے خیال فرمایا کہ یہ جھوٹ سے توبہ کر چکا ہے اور اب سچ بول رہا ہے پہلے جھوٹا تھا۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے گزشتہ جھوٹ کی خبر دی تھی اور اب سچ بول رہا ہے۔۱۱ اس رحم کی وجہ ابھی عرض کر دی گئی اس چھوڑ دینے میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پاک کی مخالفت نہیں ہے کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آئندہ چھوڑ دینے سے منع نہ کیا تھا۔۱۲ خیال رہے کہ شیطان نے صرف ایک دفعہ یعنی دوسری بار میں ہی کہا تھا کہ میں اب نہ آؤں گا مگر حضرت ابوہریرہ فرما رہے ہیں کہ تو کہہ جاتا ہے میں نہ آؤں گا اس لیے شارحین نے فرمایا کہ یہاں تزعم مضارع ہے۔مگر بمعنی ماضی ہے یعنی تو کہہ گیا تھا اب نہ آؤں گا اور پھر آ گیا یا حکمی وحقیقی دونوں طرح کہہ جانا مراد ہے یعنی تو پہلی بار میں حکماً اور دوسری بار میں حقیقۃً کہہ گیا تھا کہ اب نہ آؤں گا لہٰذا یہ حدیث واضح ہے۔۱۳ یعنی میں آپ پر ایک عمل مجرب بتا کر احسان کرتا ہوں آپ اس کے عوض مجھ پر یہ احسان کر دیں کہ مجھے چھوڑ دیں کیونکہ احسان کا بدلہ احسان ہوتا ہے۔ابلیس کی اس خوشامد سے معلوم ہوا کہ وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش ہوتے ہوئے بہت گھبراتا ہے۔ورنہ وہ حاضر ہو جانے پر راضی ہو جاتا۔اب جس کے دل میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت نہ ہو وہ شیطان سے بدتر ہے۔شیطان یا تو خدا سے ڈرتا ہے کہ کہتا ہے اِنِّیۡۤ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعٰلَمِیۡنَ (۵:۲۸) یا جناب مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمان کے دل میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت ہی ہیبت چاہیے ڈاکٹر اقبال یوں دعا کرتے ہیں شعر:

مکن رسوا بروئے خواجہ مارا حساب من زچشم او نہاں گیر

۱۴ یعنی سونے کیلئے لیٹیں بستر پر یا فرش خاک پر یا تخت پر' بستر کا ذکر عرف کی بناء پر ہے اور سونا خواہ دن میں ہو یا رات میں ۱۵ یعنی خود ربّ تعالٰی یا اس کا مقرر کردہ' فرشتہ آپ کے جان و مال کی حفاظت کرے گا کہ گھر تو گر جانے آگ لگ جانے وغیرہ سے محفوظ رہے گا اور مال چوری وغیرہ سے امان میں رہے گا جیسا کہ دوسری احادیث میں وارد ہے۔یہ عمل بہت ہی مجرب ہے ۱۶ یعنی دینی یا دنیاوی نقصان پہنچانے کیلئے شیطان ابلیس آپ کے قریب نہ آ سکے گا۔مطلقاً قریب آنے کی نفی نہیں۔لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں رہا کہ بارہا دیکھا

گیا ہے کہ ہم آیۃ الکرسی پڑھ کر سوتے ہیں پھر بھی احتلام ہو جاتا ہے اور احتلام شیطان سے ہوتا ہے ہاں آیۃ الکرسی کی برکت سے شیطان نماز قضا نہ کرا سکے گا کہ یہ دینی نقصان ہے۔ یوں ہی اس کی برکت سے اولاً تو گھر میں چور سانپ وغیرہ آئیں گے نہیں اگر اتفاقاً آ گئے تو شیطان اسے اس موقع پر غافل نہ کر سکے گا کہ اس میں دنیاوی نقصان ہے۔ انشاء اللہ آنکھ کھل جائے گی اور یہ شخص ان کے شر سے محفوظ رہے گا ۷؎ اس بار رحم کھا کر نہ چھوڑا بلکہ اس کے احسان کے عوض اور اس چھوڑ دینے میں بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت نہ تھی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہ کیا تھا۔ ۸؎ اس فرمان عالی سے چند مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ شیطان قرآن شریف سے بھی واقف ہے اور آیات قرآنیہ کے احکام و اسرار و اشارات سے بھی خبردار ہے۔ امام فخر الدین رازی نے فرمایا کہ شیطان ہر دین کے اچھے برے اعمال سے تفصیل وار واقف ہے۔ اور ہر شخص کی نیت و ارادہ پر مطلع ہے۔ اس کے بغیر وہ خلق کو بہکا نہیں سکتا۔ جب اس بہکانے والے کے علم کا یہ حال ہے تو خلق کے ہادی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کا کیا پوچھنا۔ دوا کی طاقت بیماری سے زیادہ چاہیے۔ قرآن کریم فرماتا ہے: اِنَّهٗ یَرٰىكُمْ هُوَ وَ قَبِیْلُهٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ (۷:۲۷) بے شک وہ اور اس کا کنبہ تمہیں وہاں سے دیکھتے ہیں کہ تم انہیں نہیں دیکھتے (کنز الایمان) شیطان اور اس کی ذریت تم سب کو دیکھتے ہیں مگر تم انہیں نہیں دیکھتے یعنی وہ حاضر ناظر ہے۔ کیوں؛ لوگوں کو گمراہ کرنے کیلئے تو جس کے ذمہ خلق کی ہدایت ہے وہ بھی حاضر و ناظر ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم؛ دوسرے یہ کہ شیطان کافر بھی کبھی سچ بول دیتا ہے۔ تیسرے یہ کہ مومن کو چاہیے جہاں سے اسے علم ملے لے لے۔ ہاں بے دین کو استاذ دین کا نہ بنائے۔ یہاں حضرت ابوہریرہ نے شیطان کو استاذ نہ بنایا۔ جیسے قابیل کو کوے نے طریقۂ دفن سکھایا، مگر کوا ان کا استاذ نہ تھا۔ خیال رہے کہ کافر و بے دین کی اچھی بات پر جلد اعتماد نہ کرے۔ ممکن ہے وہ شہد میں زہر دے رہا ہوں۔ یہاں جناب ابوہریرہ نے شیطان کی جب مانی، جبکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تائید و تصدیق فرمادی۔ چوتھے یہ کہ آیۃ الکرسی دفع شیطان کیلئے اکسیر ہے۔ خود شیطان اس کی خبر دے گیا کہ میرے بھاگنے کا ذریعہ آیۃ الکرسی ہے۔ بھگانے والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی تائید فرمادی، اور بھاگنے والے مردود نے بھی اس کی خبر دے دی۔ پانچویں یہ کہ کافر کی سچی بات کی مسلمان تصدیق و تائید کر سکتا ہے ۹؎ یعنی ابلیس تھا جو اس مال میں برکت "مٹانے آیا تھا" ورنہ اسے چوری کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ حدیث تسخیر جنات کی اصل ہے۔ بعض عامل حضرات جنات کو اپنے عمل سے قید کر دیتے ہیں۔ بالکل حق ہے دلیل یہ حدیث ہے۔ فقیر کی اس مذکور شرح سے حسب ذیل اعتراضات اٹھ گئے۔ اول یہ کہ حضرت ابوہریرہ کو شیطان نظر کیسے آ گیا۔ قرآن پاک فرماتا ہے کہ تم اسے نہیں دیکھ سکتے۔ دوسرے یہ کہ حضرت ابوہریرہ کی گرفت میں شیطان کیونکر آ گیا۔ وہ ہوا یا آگ کے شعلہ کی طرح ہے جسے پکڑا نہیں جا سکتا۔ تیسرے یہ کہ شیطان کو چوری کی کیا ضرورت ہے۔ چوتھے یہ کہ حضرت ابوہریرہ کو اسے پکڑ کر چھوڑ دینے کا کیا حق تھا۔ پانچویں یہ کہ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا تھا کہ وہ جھوٹا ہے اور پھر آئے گا تو جناب ابوہریرہ نے اس کی بات کا اعتبار کیوں کیا۔ چھٹے یہ کہ شیطان کو کیا خبر کہ قرآن کریم کی کس آیت میں کیا تاثیر ہے۔ ساتویں یہ کہ اس سے لازم آیا کہ شیطان حضرت ابوہریرہ کا استاذ ہو۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَیْنَمَا جِبْرَئِیْلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَاعِدٌ عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ نَقِیْضًا مِّنْ فَوْقِهٖ فَرَفَعَ رَأْسَهٗ فَقَالَ هٰذَا بَابٌ مِّنَ

(۲۰۲۲) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں جب حضرت جبریل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے تو آپ نے اوپر سے آواز سنی تو آپ نے سر مبارک اٹھایا

السَّمَآءِ فُتِحَ الْیَوْمَ لَمْ یُفْتَحْ قَطُّ اِلَّا الْیَوْمَ فَنَزَلَ مِنْهُ مَلَكٌ فَقَالَ هٰذَا مَلَكٌ نَزَلَ اِلَی الْاَرْضِ لَمْ یَنْزِلْ قَطُّ اِلَّا الْیَوْمَ فَسَلَّمَ فَقَالَ اَبْشِرْ بِنُوْرَیْنِ اُوْتِیْتَهُمَا لَمْ یُؤْتَهُمَا نَبِیٌّ قَبْلَكَ فَاتِحَةُ الْكِتَابِ وَخَوَاتِیْمُ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ لَنْ تَقْرَاَ بِحَرْفٍ مِّنْهُمَا اِلَّا اُعْطِیْتَهٗ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جبریل نے عرض کیا یہ آسمان کا وہ دروازہ کھولا گیا ہے جو آج کے سوا کبھی نہ کھولا گیا۲ اس سے ایک فرشتہ اترا جبریل بولے یہ وہ فرشتہ زمین پر اترا ہے جو آج کے سواء کبھی نہ اترا۳ اس نے سلام کیا پھر بولا آپ خوش وخرم ہوں ان دونوروں سے جو آپ کو دیئے گئے۴ آپ سے پہلے کسی کو نہ دیئے گئے۵ سورۃ فاتحہ اور سورۃ البقر کی آخری آیتیں۶ ان دونوں کا ایک حرف بھی آپ نہ پڑھیں گے مگر آپ کو اس کا اجر ملے گا۷ (مسلم)

(۲۰۲۲) ۱؎ سمع کا فاعل حضرت جبریل علیہ السلام ہیں یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض شارحین نے فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام ہیں کیونکہ اگلی ضمیریں بھی انہیں کی طرف راجع ہیں۔نقیض نقض سے بنا بمعنی ٹوٹنا چونکہ لکڑی وغیرہ کے ٹوٹنے کے وقت سخت آواز پیدا ہوتی ہے۔اس لیے اب ہر سخت آواز کو نقیض کہہ دیتے ہیں۲؎ خیال رہے کہ آسمان کے بے شمار دروازے ہیں جن سے مختلف چیزیں آتی جاتی ہیں۔بعض دروازوں سے رزق آتے ہیں بعض سے عذاب بعض سے دعائیں وتوبہ جاتی ہیں بعض سے خاص فرشتے اترتے ہیں ایک دروازہ وہ بھی ہے جو صرف معراج کی رات حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کھولا گیا' آج کا یہ دروازہ اس فرشتے کیلئے کھولا گیا تھا اس سے پہلے نہ یہ فرشتہ کبھی زمین پر آیا تھا اور نہ یہ دروازہ کبھی کھلا تھا۳؎ یعنی نہ کام کے لیے یہ زمین پر آیا نہ کسی پیغمبر کو کوئی پیغام سنانے کیلئے یہ فرشتہ صرف آج ہی آیا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا ہے۔اس فرشتہ کا نزول حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی کرامت وعزت کے اظہار کیلئے ہے ورنہ یہ پیغام تو حضرت جبریل بھی عرض کر سکتے تھے۴؎ چونکہ یہ دونوں سورتیں دنیا میں سیدھے راستہ کی ہادی ہیں اور پل صراط پر روشنی جس کے ذریعہ ان کی تلاوت کرنے والا آسانی سے اسے طے کرلے گا۔اس لیے انہیں نور فرمایا خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خود نور ہیں پھر آپ پر یہ نور اترے تو بفضلہٖ تعالٰی نورٌ علٰی نور ہوئے۵؎ یعنی آپ سے پہلے نبیوں میں سے کسی کو ایسی شاندار آیات وسورتیں نہ ملیں توریت انجیل وغیرہ میں ایسی شان کی آیات نہیں۔یوں تو سارا قرآن شریف ہی ان کتب سے افضل ہے مگر یہ آیات بہت ہی افضل۶؎ یعنی سورۃ بقر کا آخری رکوع للّٰہ ما فی السمٰوٰت سے علی القوم الکفرین تک ۷؎ یعنی ان آیات کے ہر حرف کی تلاوت پر آپ کو اور آپ کے صدقہ سے آپ کی امت کو خصوصی ثواب ملے گا۔علاوہ تلاوت کے ثواب کے کہ وہ ثواب تو قرآن شریف کے تمام حروف پر ہے۔(اشعہ) یا حرف سے مراد آیت ہے یعنی ان میں جو آیات دعا ہیں ان میں سے ہر آیت قبول ہوگی اور اس آیت کی دعا انشاء اللہ منظور ہوگی۔مرقات ان دونوں جگہ میں بہت شاندار دعائیں ہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْاٰیَتَانِ مِنْ اٰخِرِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ مَنْ قَرَاَبِهِمَا فِیْ لَیْلَةٍ كَفَتَاهُ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

(۲۰۲۳) روایت ہے حضرت ابومسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بقرہ کی آخری دو آیتیں ایسی ہیں کہ جو انہیں رات میں پڑھے تو وہ اسے کافی ہیں۱؎ (مسلم بخاری)

(۲۰۲۳) ۱؎ یعنی دکھ درد رنج وغم میں کافی ہیں کہ ان کا تلاوت کرنے والا انشاء اللہ دکھ درد سے محفوظ رہتا ہے اور اگر اتفاقاً کبھی آ بھی جائیں تو اللہ مشکل حل کردیتا ہے یا تمام وِرد وظیفوں کی طرف سے کافی ہیں۔یا نماز تہجد میں' جو ان آیتوں کی تلاوت کیا کرے تو بہت

سی تلاوت سے کافی ہیں۔نماز تہجد میں اس کی تلاوت ضرور کی جائے کہ بہت ہی مفید ہے ایک رکعت میں یہ آیات پڑھے' دوسری میں ان فی خلق السموت والارض سے لےکر تخلف المیعاد تک انشاءاللہ ان سے حضور قلبی بھی نصیب ہوگا اور بہت فیضان بھی میسر ہو گا۔اگر شروع رات میں بھی پڑھ لی جائیں اور تہجد میں بھی بہت مفید ہے۔

وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَفِظَ عَشَرَ اٰیَاتٍ مِّنْ اَوَّلِ سُوْرَةِ الْکَهْفِ عُصِمَ مِنَ الدَّجَّالِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۰۲۴) روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جوشروع سورہ کہف کی دس آیتوں پر پابندی کرے[۱] وہ دجال سے بچ جائے گا[۲] (مسلم)

(۲۰۲۴)[۱] اس طرح کہ روزانہ ان کی تلاوت کرلیا کرے یا ہر جمعہ کو بعض لوگ ہر جمعہ کو سورہ کہف کی تلاوت کرتے ہیں۔ان کا ماخذ یہ حدیث بھی ہے۔[۲] ظاہر یہ ہے کہ دجال سے مراد وہی بڑا دجال ہے جو قریب قیامت نکلے گا اس کا فتنہ اتنا سخت ہوگا کہ ہر نبی نے اپنی امت کو اس سے ڈرایا یعنی اگر اس کی تلاوت کرنے والے کے زمانہ میں دجال ظاہر ہوا تو انشاءاللہ اس کے فتنے سے یہ محفوظ رہے گا اور ہوسکتا ہے کہ دجال سے مراد تمام فتنہ گر بے دین لوگ مراد ہوں جیسا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد تمیں دجال پیدا ہوں گے جو نبوت کا دعویٰ کریں گے۔ان آیات کی برکت سے یہ شخص ہر بے دین فتنہ گر کے شر سے بچا رہے گا۔سورہ کہف میں اصحاب کہف کا ذکر ہے کہ اللہ تعالٰی نے انہیں کافر بادشاہ کے شر سے محفوظ رکھا۔ان کی آیات پڑھنے والے پر انشاءاللہ وہی فیضان ہوتا ہے۔بعض روایات میں تین آیات ارشاد ہوئیں مگر دس میں تین بھی داخل ہیں لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیَعْجِزُ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّقْرَاَ فِیْ لَیْلَةٍ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ قَالُوْا وَکَیْفَ یَقْرَأُ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ قَالَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَرَوَاهُ الْبُخَارِیُّ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ)

(۲۰۲۵) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم اس سے عاجز ہو کہ ہر رات تہائی قرآن پڑھ لیا کرو[۱] لوگ بولے کیسے تہائی قرآن پڑھا جا سکتا ہے فرمایا قل ھو اللہ احد تہائی قرآن کے برابر ہے[۲]

مسلم بخاری میں حضرت ابوسعید سے یہ روایت ہے

(۲۰۲۵)[۱] یعنی روزانہ دس پاروں کی تلاوت مشکل ہے۔ایک دودن تو ہمت کرکے پڑھا جا سکتا ہے[۲] شارحین نے اس جملہ کے بہت معنی کیے ہیں۔بہترین معنی یہ ہیں کہ ایک بار قل ھو اللہ احد پڑھنے کا ثواب دس پارے تلاوت کرنے کے برابر ہے۔لہذا تین بار تلاوت کرلینے سے سارا قرآن شریف پڑھ لینے کا ثواب ہے۔ختم شریف وغیرہ میں تمام سورتیں ایک ایک بار پڑھی جاتی ہیں مگر سورہ اخلاص تین بار اس عمل کی اصل یہ ہی حدیث ہے خیال رہے کہ قرآن کریم میں تین قسم کے مضامین ہیں۔اللہ تعالٰی کی ذات وصفات' قصے' احکام اور سورہ اخلاص میں ذات وصفات الٰہی کا مکمل ذکر ہے۔اس لیے یہ سورۃ قرآن کریم کے تہائی کا ثواب رکھتی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ حمد کی آیات دیگر آیات سے افضل ہیں۔

وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ رَجُلًا عَلٰی سَرِیَّةٍ وَّکَانَ یَقْرَأُ لِاَصْحَابِهٖ فِیْ صَلٰوتِهِمْ فَیَخْتِمُ بِقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ فَلَمَّا رَجَعُوْا

(۲۰۲۶) روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو لشکر کا سردار بنا کر بھیجا وہ اپنے ساتھیوں کی امامت نماز کرتا تھا[۱] تو ہمیشہ قل ھو اللہ احد پر قرأت ختم کرتا تھا[۲] جب

ذَكَرُوْا ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ سَلُوْهُ لِاَيِّ شَيْءٍ يَّصْنَعُ ذٰلِكَ فَسَاَلُوْهُ فَقَالَ لِاَنَّهَا صِفَةُ الرَّحْمٰنِ وَ اَنَا اُحِبُّ اَنْ اَقْرَاَهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخْبِرُوْهُ اَنَّ اللّٰهَ يُحِبُّهٗ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

صحابہ لوٹے تو یہ ماجرا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا حضور انور نے فرمایا ان سے پوچھو ایسا کیوں کرتے تھے۳ ان سے پوچھا وہ بولے اس لیے کہ رحمٰن کی صفت ہے مجھے اس کا پڑھنا بڑا پسند ہے۴ تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے خبر دے دو کہ اللہ اس سے محبت کرتا ہے۵ (مسلم بخاری)

(۲۰۲۶)۱ کیونکہ امامت کا حق سلطان اسلام یا سردار قوم کو ہے جب کہ وہ علم شریعت رکھتے ہوں۔ چونکہ یہ اس فوج کے کمانڈر تھے اس لیے ان کے امام بھی رہے۲ یعنی ہر نماز کی آخری رکعت میں اور جماعت کی دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھا کرتے تھے قرأت ختم کرنے کے بعد کے یہ ہی معنی ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ ہر رکعت میں اور سورت پڑھ کر قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھتے تھے کہ یہ تو مکروہ ہے۳ یا تو حکایۃً کہا گیا یا شکایۃً کیونکہ صحابہ کرام نماز میں کوئی سورت مقرر نہ کرتے تھے۔ فرائض میں یہ مکروہ بھی ہے۔ ہاں نوافل میں سورتوں کا تقرر جائز ہے مثلاً کوئی شخص ہمیشہ تہجد میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ ہی پڑھا کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شاگرد کی شکایت استاذ سے مرید کی شکایت پیر سے حتی کہ اپنے امام کی شکایت سلطان اسلام سے کر سکتے ہیں۔ یہ غیبت نہیں بلکہ اصلاح ہے۴ محض نماز کو مختصر کرنے کیلئے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھتے تھے یا اس لیے کہ انہیں دوسری سورتیں کم یاد ہیں یا کسی اور وجہ سے معلوم ہوا کہ فریقین کا بیان لے کر حاکم کو فیصلہ کرنا چاہیے۔ فتویٰ اور ہے فیصلہ کچھ اور فتویٰ صرف ایک فریق کے بیان پر دیا جا سکتا ہے۔ دیکھو داؤد علیہ السلام نے بکریوں والے فرشتوں میں سے ایک کا بیان سن کر فتویٰ دے دیا تھا۔ یہ حدیث تعلیم فیصلہ کیلئے ہے۵ یعنی مجھے اللہ تعالیٰ سے محبت ہے اور عاشق کو اپنے محبوب کا ذکر پیارا ہوتا ہے اور وہ اس کا ذکر اکثر کرتا ہے۔ اس لیے میں بھی نماز میں اکثر یہ سورت پڑھا کرتا ہوں۔ ورنہ مجھے اور سورتیں بھی یاد ہیں۶ یا تو اس سورۃ سے محبت کرنے کی بنا پر یا اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کی بناء پر اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی آیات ذات و صفات الٰہی سے محبت کرنا اللہ تعالیٰ کے محبوب بن جانے کا ذریعہ ہے۔ ایسے ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت بلکہ ان کی اطاعت خدا کی محبوبیت کا ذریعہ ہے۔ ربّ تعالیٰ فرماتا ہے: فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (۳۱:۳) تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا (کنزالایمان) یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم سب بندوں کے ایسے حالات سے خبردار ہیں جن کی خود ہمیں بھی خبر نہیں۔ محبوب خدا یا مردود بارگاہ ہونا ایک ایسی چھپی ہوئی حالت ہے جو کسی دلیل یا علامت سے معلوم نہیں ہوسکتی' مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر بھی خبردار ہیں۔ اس ایک جملہ میں اس کے تقویٰ پر استقامت' ایمان پر خاتمہ' قبر وحشر میں نجات' جنت میں داخلہ' سب کی خبر دے دی گئی۔ ظاہر یہ ہے کہ ان صحابی کو ہمیشہ نماز میں سورہ اخلاص پڑھنے کی اجازت دے دی گئی۔ یہ اجازت ان کی خصوصیات سے ہے۔ دوسروں کیلئے یہ عمل مکروہ ہے۔ اسی لیے دوسرے صحابہ نے یہ خوشخبری سن کر خود یہ عمل شروع نہ کر دیا۔ لہٰذا یہ حدیث فقہی مسئلہ کے خلاف نہیں۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اِنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اُحِبُّ هٰذِهِ السُّوْرَةَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ قَالَ اِنَّ حُبَّكَ اِيَّاهَا اَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ رَوَى الْبُخَارِيُّ مَعْنَاهُ)

(۲۰۲۷) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا۱ یا رسول اللہ میں اس سورۃ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ سے بڑی محبت کرتا ہوں۔ سرکار نے فرمایا تیری یہ محبت تجھے جنت میں پہنچا دے گی۲ (ترمذی) اور بخاری نے اسکے معنی کی روایت کی۳

(۲۰۲۷)۱؎ اس عرض کرنے والے کا نام کلثوم یا کرزم ہے۔ پہلا قول زیادہ قوی ہے۔ (مرقات) ۲؎ سبحان اللہ کیسا مختصر اور جامع جواب ہے یعنی تو اس سورت سے محبت کی بنا پر اللہ کا پیارا بن جائے گا اور اللہ کے پیارے کی جگہ جنت ہی تو ہے۔ بعض لوگ سورہ الم نشرح، والضحی اور سورہ فتح واحزاب سے بڑی محبت کرتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کی سورتیں ہیں۔ ان کی یہ محبت بھی انشاء اللہ جنتی ہونے کا ذریعہ ہے۳؎ یہ مصنف پر اعتراض ہے کہ اس نے پہلی فصل میں ترمذی کی حدیث نقل کی، حالانکہ بخاری میں اس کی مثل موجود تھی۔ چنانچہ بخاری نے حضرت انس سے تعلیقاً ایک بڑا واقعہ روایت کیا کہ ایک انصاری مسجد قباء شریف میں امام تھے۔ وہ ہر رکعت میں الحمد پڑھ کر پہلے سورہ اخلاص پڑھتے پھر دوسری سورت اس پر مقتدیوں نے اعتراض کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں امامت چھوڑ دوں گا مگر سورہ اخلاص پڑھنا نہیں چھوڑوں گا۔ چونکہ وہ افضل صحابہ میں سے تھے۔ اس لیے لوگ ان کی امامت کو غنیمت جانتے تھے۔ ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد قباء کی زیارت کیلئے تشریف لائے۔ تب یہ مقدمہ بارگاہ عالی میں پیش کیا گیا جس پر سرکار نے ان امام کا بیان لے کر یہ فیصلہ دیا۔ (مرقات) اس حدیث کو بزار اور بیہقی نے بھی روایت کیا۔

وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَمْ تَرَ اٰيَاتٍ اُنْزِلَتِ اللَّيْلَةَ لَمْ يُرَمِثْلُهُنَّ قَطُّ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۰۲۸) روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم دیکھتے نہیں کہ آج رات وہ آیتیں اتری ہیں جس کی مثل دیکھی نہ گئیں۱؎ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس۲؎ (مسلم)

(۲۰۲۸)۱؎ الم تر میں عام مسلمانوں سے خطاب ہے اور یہ فرمان اظہار تعجب یا ان سورتوں کی اہمیت دکھانے کیلئے ہے یعنی تعوذ اور پناہ لینے کے متعلق جتنی آیتیں ہیں۔ ان سب میں یہ سورتیں افضل ہیں۔ لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تو ان سورتوں میں بھی افضل ہے ۲؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ بسم اللہ سورت کا جزء نہیں کہ یہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ کا ذکر نہ فرمایا قُلْ اعوذ سے سورت کی ابتداء بتائی نیز پہلی وحی اقرا باسم ربك ہے بسم اللہ وہاں بھی نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ دونوں سورتیں قرآن میں ہیں۔ اسی پر امت کا اجماع ہے۔ لہٰذا جو انہیں قرآن نہ مانے وہ کافر ہے۔ وہ جو کہا گیا ہے کہ حضرت ابن مسعود اور ابی ابن کعب نے انہیں قرآن نہ مانا غلط ہے۔ ان بزرگوں پر تہمت ہے۔ (مرقات)

وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَوٰى اِلٰى فِرَاشِهٖ كُلَّ لَيْلَةٍ جَمَعَ كَفَّيْهِ ثُمَّ نَفَثَ فِيْهِمَا فَقَرَاَ فِيْهِمَا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَّ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ثُمَّ يَمْسَحُ بِهِمَا مَا اسْتَطَاعَ مِنْ جَسَدِهٖ يَبْدَاُ بِهِمَا عَلٰى رَاْسِهٖ وَوَجْهِهٖ وَمَا اَقْبَلَ مِنْ جَسَدِهٖ يَفْعَلُ ذٰلِكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ ابْنِ مَسْعُوْدٍ لَمَّا اُسْرِيَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ

(۲۰۲۹) روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات میں جب اپنے بستر پر تشریف لے جاتے۱؎ تو اپنے ہاتھ جمع کر کے ان میں پھونکتے۲؎ جن میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور اعوذ برب الفلق اور اعوذ برب الناس پڑھتے۳؎ پھر جسم کے جس حصہ تک ہوسکتا وہ ہاتھ پھیرتے۴؎ اپنے سر مبارک اور چہرے پاک کے سامنے والے حصہ سے شروع فرماتے یہ تین بار کرتے تھے۵؎ مسلم بخاری اور حضرت ابن مسعود کی یہ حدیث کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کرائی گئی الخ انشاء اللہ باب المعراج

بَابِ الْمِعْرَاجِ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰی) میں بیان کریں گے۔۶

(۲۰۲۹)۱؎ہر رات کے فرمانے سے معلوم ہوا کہ یہ عمل دن کے قیلولہ میں نہ کرتے تھے۔صرف رات کو سوتے وقت کرتے تھے۔ بستر سے مراد خوابگاہ ہے۔لہٰذا اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں جنگل میں بھی رات کو سوتے تو یہ عمل کر کے سوتے۲؎ نفخ اور نفث دونوں کے معنی ہیں پھونکنا مگر نفخ میں محض سانس نکالنا ہوتا ہے اور نفث میں سانس کے ساتھ کچھ لعاب دہن بھی شامل ہوتا ہے۳؎ یہاں فَقَرَاءَ کی ف ایسی ہے جیسے رب تعالٰی کا فرمان: فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ (۱۶،۹۸) تو جب تم قرآن پڑھو تو اللہ کی پناہ مانگو (کنزالایمان) یا جیسے اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ (۵،۶) جب نماز کو کھڑے ہونا چاہو تو اپنا منہ دھوؤ (کنزالایمان) یعنی جب بستر پر لیٹتے اور دم کرنا چاہتے تو یہ سورتیں پڑھتے یہ مطلب نہیں کہ دم تو پہلے کر لیتے اور سورتیں بعد میں پڑھتے۔لہٰذا ہمارا ترجمہ درست ہے ف کیخلاف نہیں،بعض نسخوں میں ونفث واو سے ہے۔تب تو بالکل واضح ہے۴؎ تاکہ قرآن کی برکت کے ساتھ اپنے سانس اور ہاتھ شریف کی برکتیں بھی شامل ہو جائیں۔اس سے بزرگوں کا دم درود یا مرض کی جگہ ہاتھ رکھ کر یا ہاتھ پھیر کر دم کرنا ثابت ہوا۵؎ ہم کو بھی اس پر عمل کرنا چاہیے۔اس سے آفات سے حفاظت رہتی ہے۶؎ یعنی وہ حدیث مصابیح میں یہاں تھی مگر ہم اسے باب المعراج میں بیان کریں گے کیونکہ وہ اس باب سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلٰثَةٌ تَحْتَ الْعَرْشِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَلْقُرْاٰنُ يُحَاجُّ الْعِبَادَ لَهٗ ظَهْرٌ وَّ بَطْنٌ وَّ الْاَمَانَةُ وَالرَّحِمُ تُنَادِيْ اَلَا مَنْ وَصَلَنِيْ وَصَلَهُ اللّٰهُ وَمَنْ قَطَعَنِيْ قَطَعَهُ اللّٰهُ

(رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

(۲۰۳۰) روایت ہے حضرت عبدالرحمن بن عوف سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن تین چیزیں عرش کے نیچے ہونگی۱؎ ایک قرآن کریم جو بندوں کی طرف سے جھگڑے گا۲؎ قرآن کا ایک ظاہر ہے ایک باطن۳؎ دوسری امانت۴؎ تیسری رحم۵؎ جو پکارے گا کہ جس نے مجھے جوڑا اللہ اسے اپنے سے ملائے گا اور جس نے مجھے توڑا اللہ اسے اپنے سے دور کرے گا۶؎ (شرح سنہ)

(۲۰۳۰)۱؎ یعنی ان تین چیزوں کو بہت ہی عزت و قرب الٰہی عطا فرمایا جائے گا کہ خاص عرش اعظم کے نیچے انہیں جگہ دی جائے گی جیسے وزیر کی نشست بادشاہ کے بہت قریب ہوتی ہے اور ان کے طفیل ان کے عاملوں کو بھی عزت و قرب نصیب ہوگا۔اللہ تعالٰی ان کا اجر ضائع نہ کرے گا۲؎ بندوں سے مراد قرآن کریم کی تلاوت اور اس پر عمل کرنے والے مسلمان ہیں اور جھگڑنے سے مراد جھگڑ جھگڑ کر ان کی شفاعت کرنا ہے یعنی قرآن شریف اپنے تلاوت کرنے والوں اور اپنے عاملین کی شفاعت رب تعالٰی سے جھگڑ جھگڑ کر کرے گا۔یہ جھگڑا مقابلہ کا نہیں بلکہ ناز کا ہوگا۔۳؎ یعنی قرآن پاک کے بعض معنی ظاہر ہیں جو عام مسلمان سمجھ لیتے ہیں۔بعض مخفی جو واجب التاویل ہیں۔ جن تک علماء کی رسائی ہے یا تلاوت قرآن پاک کا ایک ظاہر ہے یعنی الفاظ کا زبان سے پڑھنا اور ایک باطن یعنی اس میں غور و تدبر کرنا یا شرعی احکام قرآن کا ظاہر ہے اور طریقت کے اسرار اس کا باطن جیسے بدن انسان ہمارا ظاہر ہے اور روح انسان ہمارا باطن مطلب یہ ہے کہ قرآن کی شفاعت بقدر تعلق ہوگی۔ظاہر قرآن والوں کی شفاعت اور قسم کی کرے گا اور باطن قرآن سے تعلق رکھنے والوں کی

شفاعت اور قسم کی کرے گا۔ ۴ امانت سے مراد خلق و خالق کے حقوق ہیں جو ہمارے ذمہ واجب الادا ہیں۔ رب تعالٰی فرماتا ہے: اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ (۲۲،۳۳:۷۲) بے شک ہم نے امانت پیش فرمائی آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر (کنزالایمان) یہاں امانت کے یہ معنی بھی کیے گئے ہیں' یا امانت سے مراد عشق الٰہی اور عشق رسول ہے کہ قرآن کو عشق سے بہت تعلق ہے۔ ۵ رحم سے مراد انسانوں کے آپس کی قرابت داریاں ہیں چونکہ ان قرابت داریوں کا تعلق عورت کے رحم سے ہے۔ اس لیے ان قرابتوں کو رحم فرمایا جاتا ہے۔ چونکہ اہل قرابت کے حقوق ادا کرنا بہت ضروری ہیں۔ رب تعالٰی فرماتا ہے: وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ (۱۷:۲۶) اور رشتہ داروں کو ان کا حق دے (کنزالایمان) اس لیے یہ بھی وہاں ہوگا۔ خیال رہے کہ دنیا کے اعراض کل قیامت میں جواہر ہوں گے۔ ان اعمال کی شکل وصورت ہوگی۔ یہ بات بھی کریں گے جیسے یہاں خواب میں اعراض اجسام نظر آتے ہیں ۶ یعنی دنیا میں جس نے اپنے اہل قرابت کے حقوق ادا کیے تھے۔ آج اسے قرب الٰہی اور رحمت الٰہی نصیب ہوں گے اور جس نے دنیا میں اپنے اہل قرابت کے حقوق ادا نہ کیے ان سے تعلق نہ رکھا۔ آج وہ خدا کی رحمت سے محروم رہے گا۔ رحم کا یہ پکارنا رب تعالٰی کے حکم سے ہوگا جیسے حکام کے چپڑاسی کچہری کے دروازے پر اعلانات کرتے ہیں۔ خیال رہے کہ بندے پر تین قسم کے حق ہیں۔ اللہ تعالٰی کے' عام انسانوں کے اور خاص قرابت والوں کے قرآن پاک کا تعلق حقوق اللہ سے ہے۔ امانت کا تعلق عام لوگوں سے اور رحم کا تعلق اپنے عزیزوں و قرابت داروں سے اس لیے یہ تین ہی عرش اعظم کے نیچے ہوں گے۔ کامیاب بندہ وہ ہے جو ان سب حقوق کو ادا کر کے جائے۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْاٰنِ اقْرَأْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا فَاِنَّ مَنْزِلَكَ عِنْدَ اٰخِرِ اٰيَةٍ تَقْرَأُهَا
(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ)

(۲۰۳۱) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قرآن والے سے کہا جائے گا ۱ پڑھ اور چڑھ ۲ اور یوں ہی آہستگی سے، تلاوت کر جیسے دنیا میں کرتا تھا آج تیرا ٹھکانہ و مقام وہاں ہے جہاں تو آخری آیت پڑھے ۳
(احمد' ترمذی' ابوداؤد' نسائی)

(۲۰۳۱) ۱ قرآن والے سے مراد وہ مسلمان ہے جو ہمیشہ تلاوت کرتا ہو اور اس پر عامل ہو۔ وہ شخص نہیں جو قرآن پڑھتا ہو اور قرآن اس پر لعنت کرتا ہو کہ یہ تلاوت تو عذاب الٰہی کا باعث ہے۔ بعض آریہ اور عیسائی بھی قرآن پاک پر اعتراضات کرنے کیلئے قرآن پاک پڑھتے بلکہ حفظ تک کر لیتے ہیں۔ پنڈت کالی چرن چودہ پاروں کا حافظ ہوا۔ مرقات ۲ جنت کے درجات اوپر تلے ہیں جس قدر درجے کی بلندی' اسی قدر بہتر' انشاء اللہ اس دن تلاوت قرآن مومن کیلئے پروں کا کام دے گی یا اس سے مراتب قرب الٰہی میں ترقی کرنا مراد ہے۔ یعنی تلاوت کرتا جا اور مجھ سے قریب تر ہوتا جا ۳ یعنی جہاں تیرا پڑھنا ختم' وہاں تیرا چڑھنا ختم' وہاں اسی قدر تلاوت کر سکے گا جس قدر تلاوت دنیا میں کرتا تھا اور جس طرح آہستہ یا جلدی یہاں تلاوت کرتا تھا اسی طرح وہاں کرے گا۔ اس سے چند مسائل معلوم ہوئے ایک یہ کہ جنت کے چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ درجے ہیں کیونکہ قرآن کریم کی آیات اتنی ہی ہیں اور ہر آیت پر ایک درجہ ملتا ہے۔ اگر درجے اس سے کم ہوں تو یہ حساب کیسے درست ہو اور ہر درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین و آسمان کے درمیان' مرقات' دوسرے یہ کہ جنت میں کوئی عبادت نہ ہوگی۔ سوائے تلاوت قرآن کے مگر یہ تلاوت لذت اور ترقی درجات کیلئے ہوگی۔ جیسے فرشتوں کی تسبیح تیسرے یہ کہ دنیا میں تلاوت قرآن کریم کا عادی بعد موت انشاء اللہ حافظ قرآن ہو جائے گا۔ ورنہ یہ شخص وہاں بغیر

قرآن دیکھے سارا قرآن کیسے پڑھتا' چوتھے یہ کہ بغیر ترجمہ سمجھے بھی تلاوت بہت مفید ہے کہ یہاں تلاوت کومطلق رکھا گیا۔ یہاں مرقات نے فرمایا کہ قرآن میں تفکر کرنا محض تلاوت سے افضل ہے۔ اسی لیے حضرت صدیق اکبر حفاظ صحابہ سے افضل ہوئے۔ جنت میں ساری امت سے اونچے درجہ میں وہ ہی ہونگے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الَّذِيْ لَيْسَ فِيْ جَوْفِهٖ شَيْءٌ مِنَ الْقُرْاٰنِ كَالْبَيْتِ الْخَرِبِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ)

(۲۰۳۲) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس کے سینے میں قرآن نہیں وہ ویران گھر کی طرح ہے[۱] (ترمذی' دارمی اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے۔

(۲۰۳۲)[۱] جوف کے حقیقی معنی ہیں پیٹ' اسی لیے معطل العین کواجوف یعنی خالی پیٹ والا کہتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: مَاجَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ (۴:۳۳) اللہ نے کسی آدمی کے اندر دودل نہ رکھے (کنزالایمان) مگر یہاں جوف سے مراد دل یا سینہ ہے۔ گھر کی آبادی انسان وسامان سے ہے۔ دل کی آبادی قرآن سے باطن یعنی روح کی آبادی ایمان سے تو جسے قرآن بالکل یاد نہ ہو یا اگرچہ یادتو ہو مگر کبھی اس کی تلاوت نہ کرے یا اس کے خلاف عمل کرے اس کا دل ایسا ہی ویران ہے جیسے انسان وسامان سے خالی گھر۔ شعر:

آباد وہ ہی دل ہے کہ جس میں تمہاری یاد ہے
جو یاد سے غافل ہوا ویران ہے برباد ہے

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْاٰنَ عَنْ ذِكْرِيْ وَمَسْئَلَتِيْ اَعْطَيْتُهٗ اَفْضَلَ مَا اُعْطِي السَّائِلِيْنَ وَفَضْلُ كَلَامِ اللّٰهِ عَلٰى سَآئِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ اللّٰهِ عَلٰى خَلْقِهٖ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ)

(۲۰۳۳) روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے جسے قرآن مجید میرے دوسرے ذکر اور مجھ سے مانگنے سے روک دے[۱] اسے میں مانگنے والوں سے زیادہ دونگا[۲] اور اللہ تعالیٰ کے کلام کی فضیلت تمام کلاموں پر ویسی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی عظمت اپنی خلق پر[۳] ترمذی' دارمی' بیہقی شعب الایمان[۴] اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

(۲۰۳۳)[۱] قرآن سے مراد حفظ قرآن یا تلاوت قرآن یا تفکر وتدبر فی القرآن ہے۔ یعنی جو حافظ یا قاری قرآن یا تجوید یاد کرنے میں یا عالم دین قرآن کریم سے مسائل مستنبط کرنے میں اتنا مشغول رہے کہ اسے دیگر وظیفے دعاؤں کا وقت ہی نہ ملے اسی طرح جو معلم تعلیم علوم قرآن کی مشغولیت کی وجہ سے ورد وظیفے دعائیں نہ کرسکے یہاں دعاؤں وظیفوں سے مراد وہ دعائیں وظیفے ہیں جو قرآن مجید کے علاوہ ہیں۔ ورنہ قرآن شریف میں خود بہت دعائیں وظیفے ہیں[۲] اعطی متکلم کا صیغہ ہے۔ اسی لیے سائلین منصوب آیا۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ سے دعائیں مانگنا صراحۃً اور صاف صاف بھیک مانگنا ہے مگر تلاوت قرآن یا تعلیم قرآن بالواسطہ بھیک ہے جیسے ہمارے دروازہ پر بھکاری کھڑے ہوکر ہماری تعریفیں کرتے ہیں کہ آپ بڑے سخی داتا ہیں۔ یوں ہی درود شریف درپردہ دعا ہے۔ بھکاری غنی کے بال بچوں کو دعائیں دے کر درپردہ بھیک مانگتے ہیں۔ بچے جیتے رہیں جان مال کی خیر ہو۔ ہم بھی رب تعالیٰ کے محبوب کو دعائیں دے کر اس سے بھیک مانگتے ہیں۔ اسی لیے درود شریف کے متعلق بھی مشکوۃ شریف میں گزر چکا کہ جو شخص درود شریف میں

مشغولیت کی وجہ سے دعا نہ مانگ سکے۔ اس کے تمام ضروریات خود ہی پورے ہونگے۔ دکھ، درد، رنج، غم خود بخود ہی دفع ہوتے رہیں گے۳؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی فرمان عالی ہے یعنی کلام کی شان متکلم کی شان کے بقدر ہوتی ہے۔ ایک بات فقیر بے نوا کہے اس پر کوئی دھیان بھی نہیں دیتا۔ وہ ہی بات بادشاہ کہے تو دنیا میں دھوم مچ جاتی ہے۔ چونکہ کلام اللہ رب تعالٰی کا کلام ہے۔ اس لیے تمام مخلوق کے کلام سے یقیناً افضل ہے۔ اسی طرح حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بعد خدا تمام خلق سے افضل ہیں، تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث تمام خلق کے کلاموں سے بعد قرآن افضل ہونگی۴؎ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ سوائے عطیہ عوفی کے کہ ان میں کچھ ضعف ہے۔ مگر فضائل اعمال میں ضعیف حدیث بھی معتبر ہے۔ خصوصاً جبکہ دوسری روایتوں یا قرآنی آیتوں سے اسے قوت پہنچ جائے۔ اس حدیث کو دوسری اسنادوں سے قوت حاصل ہے۔ اس لیے اسے ترمذی نے حسن فرمایا۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ حَرْفاً مِّنْ كِتَابِ اللّٰهِ فَلَهٗ حَسَنَةٌ وَّالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا لَا اَقُوْلُ الٓمّٓ حَرْفٌ اَلِفٌ حَرْفٌ وَّلَامٌ حَرْفٌ وَّمِيْمٌ حَرْفٌ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ اِسْنَادًا)

(۲۰۳۴) روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کتاب اللہ قرآن کریم کا ایک حرف پڑھے۱؎ تو اسے ایک نیکی اور نیکی کا دس گنا۲؎ میں نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے۳؎ بلکہ الف ایک حرف ہے لام ایک حرف اور میم ایک حرف۴؎ ترمذی، دارمی، ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث اسناد سے حسن بھی ہے صحیح بھی غریب بھی

(۲۰۳۴)۱؎ ظاہر ہے کہ یہاں حرف سے مراد وہ حرف ہے جو جدا جدا پڑھا جائے لہٰذا الم تین حرف ہیں چنانچہ الف ایک حرف لام ایک حرف اور میم ایک حرف، (مرقات) مگر قوی تر یہ ہے کہ حرف سے مراد مطلقاً حرف ہے علیحدگی کے قابل ہوں یا نہ ہوں کیونکہ حدیث پاک میں کوئی قید نہیں۔ لہٰذا قرآن کریم میں لفظ اللہ پڑھنے سے چالیس نیکیاں ملیں گی۔ خیال رہے کہ قرآن پاک میں خبیث چیزوں کے نام بھی ہیں جیسے ابی لہب، ابلیس، شیطان، خنزیر وغیرہ مگر ان ناموں کی تلاوت پر بھی ثواب اسی حساب سے ہوگا کہ یہ حروف یا ان کے ترجمے برے نہیں، بلکہ ان کے مصداق خبیث ہیں۔ یہ تحقیق خیال میں رکھی جائے۲؎ اس فرمان میں اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے کہ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا (۶،۱۶۰) جو ایک نیکی لائے تو اس کے لئے اس جیسی دس ہیں (کنزالایمان) یہ تو ادنٰی ثواب ہے۔ آگے رب تعالٰی کا فضل ہماری شمار سے باہر ہے وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ (۲،۲۶۱) اور اللہ اس سے بھی زیادہ بڑھائے جس کے لئے چاہے (کنزالایمان) مرقات میں فرمایا کہ یہ ثواب تو عام تلاوتوں کا ہے۔ مکہ معظمہ و مدینہ میں تلاوت کا ثواب اس حدیث سے معلوم کرو کہ مکہ معظمہ میں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ ہے اور مدینہ پاک میں پچاس ہزار۳؎ چونکہ عربی میں حرف، حرف معانی، حرف مبانی، ہجاء حرف ہجا، اور جملہ مفیدہ، مطلقاً کلمہ سب کو ہی کہا جاتا ہے۔ اسی لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یہ تفسیر فرمائی۴؎ الف، لام، میم کو حرف فرمانا مجازاً ہے۔ ورنہ یہ حرفوں کے نام یعنی اسمائے حروف ہیں۔ اس میں لطیف اشارہ اس طرف ہے کہ الف میں تین حرف ہیں۔ ا، ل، ف، مگر اس کو ہم ایک حرف ہی مانتے ہیں کہ قرآنی تلاوت میں یہ ایک حرف ہو کر آتا ہے۔ اگرچہ اس کے اجزا تین ہیں۔ بعض شارحین نے کہا کہ الم ترکیف میں الم کی تیس نیکیاں ہیں اور الم ذلك الكتب میں الم کی نوے نیکیاں ہیں کیونکہ اس میں حرف نو ہیں اسمائے حروف اگرچہ تین ہیں مگر یہ قول اس حدیث کےخلاف ہے کیونکہ مکتوبی یعنی لکھے ہوئے حرف مراد ہیں نہ کہ مقروئی یعنی پڑھے ہوئے حرف

اور مکتوبی حرف سورۂ فیل و بقرہ میں یکساں ہیں۔

وَعَنِ الْحَارِثِ الْاَعْوَرِ قَالَ مَرَرْتُ فِي الْمَسْجِدِ فَاِذَاالنَّاسُ يَخُوْضُوْنَ فِي الْاَحَادِيْثِ فَدَخَلْتُ عَلٰى عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَاَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ اَوْ قَدْ فَعَلُوْهَا قُلْتُ نَعَمْ قَالَ اِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلَا اِنَّهَا سَتَكُوْنُ فِتْنَةٌ قُلْتُ مَا الْمَخْرَجُ مِنْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ كِتَابُ اللّٰهِ فِيْهِ نَبَاُ مَا قَبْلَكُمْ وَخَبَرُمَا بَعْدَكُمْ وَحُكْمُ مَا بَيْنَكُمْ هُوَ الْفَصْلُ لَيْسَ بِالْهَزْلِ مَنْ تَرَكَهٗ مِنْ جَبَّارٍ قَصَمَهُ اللّٰهُ وَمَنِ ابْتَغَى الْهُدٰى فِيْ غَيْرِهٖ اَضَلَّهُ اللّٰهُ وَهُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ وَهُوَ الذِّكْرُ الْحَكِيْمُ وَهُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيْمُ هُوَالَّذِيْ لَا تَزِيْغُ بِهِ الْاَهْوَآءُ وَلَا تَلْتَبِسُ بِهِ الْاَلْسِنَةُ وَلَا يَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَآءُ وَلَا يَخْلُقُ عَنْ كَثْرَةِ الرَّدِّوَلَا يَنْقَضِيْ عَجَائِبُهٗ هُوَ الَّذِيْ لَمْ تَنْتَهِ الْجِنُّ اِذْ سَمِعَتْهُ حَتّٰى قَا لُوْا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰناً عَجَباً يَّهْدِيْ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ مَنْ قَالَ بِهٖ صَدَقَ وَمَنْ عَمِلَ بِهٖ اُجِرَوَ مَنْ حَكَمَ بِهٖ عَدَلَ وَمَنْ دَعَا اِلَيْهِ هَدٰى اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ اِسْنَادُهٗ مَجْهُوْلٌ وَّفِي الْحَارِثِ مَقَالٌ)

(۲۰۳۵) روایت ہے حضرت حارث سے فرماتے ہیں میں مسجد میں گزرا تو لوگ بات چیت میں مشغول تھے[۱] میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گیا[۲] میں نے آپ کو اس کی خبر دی تو فرمایا کیا لوگ یہ حرکت کرنے لگے میں بولا ہاں فرمایا آگاہ رہو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ عنقریب فتنے ہونگے[۳] میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ان سے رہائی کی سبیل کیا ہے[۴] فرمایا اللہ تعالٰی کی کتاب[۵] جس میں تمہارے اگلوں کی خبریں اور پچھلوں کی خبریں اور تمہارے آپس کے فیصلے ہیں۔ قرآن فیصلہ کن ہے[۶] وہ غیر درست نہیں ہے جو ظالم اسے چھوڑ دے گا اللہ اس کے ٹکڑے اڑا دے گا۔[۷] اور جو اسکے غیر میں ہدایت ڈھونڈے گا اللہ اسے گمراہ کر دے گا[۸] وہ اللہ کی مضبوط رسی ہے اور وہ حکمت والا ذکر ہے۔ وہ سیدھا راستہ ہے[۹] قرآن وہ ہے جس کی برکت سے خیالات بگڑتے نہیں[۱۰] اور جس سے دوسری زبانیں مشتبہ نہیں ہوتیں[۱۱] جس سے علماء سیر نہیں ہوتے[۱۲] جو زیادہ دہرانے سے پرانا نہیں پڑتا[۱۳] جس کے عجائبات ختم نہیں ہوتے[۱۴] قرآن ہی وہ ہے کہ جب اسے جنات نے سنا تو یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ ہم نے عجیب قرآن سنا ہے جو صلاحیت کی رہبری کرتا ہے تو ہم اس پر ایمان لے آئے[۱۵] جو قرآن کا قائل ہو وہ سچا ہے جس نے اس پر عمل کیا ثواب پائے گا اور جو اس پر فیصلہ کرے گا منصف ہوگا اور جو اسکی طرف بلائے گا وہ سیدھی راہ کی طرف بلائے گا[۱۶] ترمذی' دارمی اور ترمذی نے فرمایا اس حدیث کی اسناد مجہول ہے اور حارث میں کچھ گفتگو ہوئی ہے[۱۷]

(۲۰۳۵)[۱] احادیث سے مراد دنیاوی باتیں ہیں جو مسجد میں حرام ہیں۔ اگر چہ جائز باتیں ہی ہوں۔ وہاں غیبت وجھوٹ وغیرہ حرام گفتگو تو اور سخت حرام ہے۔ احادیث سے مراد احادیث نبویہ نہیں جیسا کہ بعض جاہلوں نے سمجھا۔ مسجد میں حدیث شریف وفقہ وغیرہ دینی علوم کا درس بہترین عبادت ہے۔ اصحاب صفہ مسجد نبوی میں رہتے تھے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے سارے دینی علوم سیکھتے تھے۔ یہ حارث تابعی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خدام خاص میں سے ہیں[۲] اگر چہ اس وقت اور صحابہ بھی موجود تھے مگر آپ خصوصیت سے حضرت علی کے پاس گئے کہ حضرت علی دروازہ شہر نبوت ہیں۔ انا مدینة العلم وعلی بابها یہ حدیث اگر چہ اسناد مقررہ سے ضعیف ہے

مگر متن حدیث صحیح ہے۔ مرقات ۳؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں فتنوں سے مراد وہ لڑائیاں اور جھگڑے ہیں جو صحابہ میں رونما ہوئے اور مسجدوں میں دنیاوی باتیں کرنا ان فتنوں کے ظہور کی علامت ہے یعنی اب وہ فتنے قریب آ گئے کیونکہ مسجد میں دنیاوی باتیں ہونے لگیں۔ بعض نے اس سے مراد آگ کا یا دجال کا نکلنا مراد لیا مگر پہلے معنی زیادہ موزوں ہیں۔ خیال رہے کہ فتنہ عام مصیبت یا آزمائش کو کہتے ہیں ۴؎ یعنی ایسا کون سا کام کیا جائے جس سے ان فتنوں سے مسلمان بچا رہے ۴؎ قرآن کریم پر عمل یا اس کی تلاوت میں مشغولیت' معلوم ہوا کہ بعض نیکیوں کی برکت سے انسان دنیاوی آفات سے محفوظ رہتا ہے۔ درود شریف کی کثرت موت و زندگی کے فتنوں سے محفوظ رکھتی ہے۔ بِـفَضْلِهٖ تَعَالٰی ۵؎ یعنی قرآن شریف ایسی جامع کتاب ہے کہ اس میں گزشتہ امتوں کے واقعات آئندہ تا قیامت بلکہ جنت و دوزخ کے حالات بھی ہیں اور عبادات و معاملات و سیاسیات بھی ہیں ۶؎ یہ جملہ یا خبر ہے یا بددعا یعنی جو شخص قرآن کیخلاف چلے خدا اس کے ٹکڑے اڑا دے گا یا جو اس کے علاوہ دوسری راہ اختیار کرے گا خدا تعالٰی اسے برباد کر دے گا یعنی وہ کافر ہو جائے گا۔ خیال رہے کہ قرآن شریف کو ناحق جان کر اسے چھوڑ دینا کفر ہے اور اس کو حق جان کر عمل نہ کرنا فسق اور مجبوراً اس پر عمل نہ کر سکنا معذوری ہے جس پر پکڑ نہیں۔ یہاں پہلی صورت مراد ہے۔ لہٰذا حدیث بالکل واضح ہے۔ ۷؎ غیر قرآن سے مراد علوم عقلیہ یا کفار کی پیروی ہے۔ حدیث و فقہ غیر قرآن نہیں کہ یہ دونوں قرآن کریم کی شرحیں ہیں۔ جیسے صرف و نحو قرآن پاک کیلئے مدو معاون ہیں۔ لہٰذا اس حدیث سے چکڑالوی دلیل نہیں پکڑ سکتے ۹؎ یہ تمام چیزیں قرآن کریم کے اوصاف بھی ہیں اور اس کے نام بھی قرآن کریم میں یہ نام موجود ہیں۔ رسی کے ذریعہ بکھروں کو جمع کیا جاتا ہے۔ رسی کے ذریعہ کنوؤں سے گروی کو اوپر نکالا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں یہ ساری صفات موجود ہیں۔ رب تعالٰی نے فرمایا: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا (۳'۱۰۳) اور اللہ کی رسی مضبوط تھام لو (کنزالایمان) وہاں حبل اللہ سے مراد قرآن پاک ہے یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم یا دونوں ذکر کے معنی عزت' شہرت' نصیحت تذکرہ ہیں۔ قرآن کریم میں یہ ساری صفات موجود ہیں کہ اسی قرآن کی وجہ سے اہل عرب کی دنیا میں شہرت و عزت ہوگئی۔ اس میں ہر قسم کی نصیحتیں اور ہر قسم کے تذکرے ہیں۔ یہ خدا تعالٰی تک پہنچانے والا سیدھا راستہ ہے جو اسے چھوڑ دے وہ رب تعالٰی تک نہیں پہنچ سکتا ۱۰؎ یعنی جو قرآن کریم سے صحیح طور پر استدلال کرے گا وہ اپنے خیالات کو بگڑنے سے محفوظ رکھے گا۔ اگر کوئی اس سے غلط استدلال ہی کرے اور گمراہ ہو جائے تو قرآن کریم کا قصور نہیں بلکہ اس کے استدلال کا قصور ہے۔ قرآن کریم کو حدیث و فقہ کی روشنی میں سمجھو۔ لہٰذا یہ حدیث اس کیخلاف نہیں کہ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا (۲'۲۶) اللہ بہتیروں کو اس سے گمراہ کرتا ہے اور بہتیروں کو ہدایت فرماتا ہے (کنزالایمان) نیز اس حدیث سے موجودہ زمانہ کے چکڑالوی دلیل نہیں پکڑ سکتے کہ وہ قرآن کریم کو صحیح طور سے سمجھتے ہی نہیں۔ بعض شارحین نے اس جملہ کے معنی یہ کیے ہیں کہ قرآن کریم کو گمراہ لوگ بدل نہیں سکتے۔ یہ اسی طرح محفوظ رہے گا کیوں نہ ہو کہ رب تعالٰی اس کا محافظ ہے۔ فرماتا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (۱۵'۹) بے شک ہم نے اُتارا ہے یہ قرآن اور بے شک ہم خود ہی اس کے نگہبان ہیں (کنزالایمان) اس صورت میں بہ کی ب تعدیہ ہے تاریخ شاہد ہے کہ قرآن کریم بدلنے کی بہت کوششیں کی گئیں مگر بدلنے والے مٹ گئے قرآن کریم نہ بدل سکا ۱۱؎ یعنی قرآن مجید کی عبارت دوسرے کلاموں سے ایسی ممتاز ہے کہ دوسرا عربی کلام خواہ کتنا ہی فصیح و بلیغ ہو اس سے خلط نہیں ہو سکتا۔ مخلوق کا کلام خالق کے کلام سے مشتبہ نہیں ہو سکتا یا اس جملہ کے معنی یہ ہیں کہ یہ کلام مسلمانوں کی زبان پر گراں نہیں پڑتا۔ آسانی سے پڑھ لیا جاتا ہے بلکہ حفظ کر لیا جاتا ہے۔ رب تعالٰی فرماتا ہے: وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ (۵۴'۱۷) اور بے شک ہم نے قرآن یاد کرنے کے لئے آسان

فرما دیا (کنزالایمان) ۲؎ یعنی قرآن کریم کے اسرار و نکات کبھی ختم نہیں ہوتے۔علماء جب بھی غور کرتے ہیں اس سے نئے مسائل و اسرار معلوم کرتے ہیں۔قرآن کریم کی کنہ تک کوئی نہیں پہنچتا۔یہ ان موتیوں کا وہ سمندر ہے جس کے موتی کبھی ختم نہیں ہوتے ۳؎ یہ قرآن کریم کا کھلا معجزہ ہے کہ بغیر معنی سمجھے بھی اس کا پڑھنا اور سننا لذت دیتا ہے اور عمر بھر پڑھو ہر بار نیا لطف دیتا ہے۔اس سے دل اکتاتا نہیں۔دوسرے کلام کتنے ہی اعلیٰ ہوں مگر چند بار پڑھ لینے کے بعد دل اکتا جاتا ہے۔۴؎ یہ جملہ پہلے جملوں کی یا تو شرح ہے یا دلیل یعنی اس سے علماء سیر نہیں ہوتے۔بار بار پڑھنے سے یہ پرانا نہیں پڑتا کیونکہ اس کے عجیب مضامین کبھی ختم نہیں ہوتے ہر بار عجیب لطف دیتا ہے ۵؎ یہ نصیبین کے جنات کا واقعہ ہے جو قرآن شریف نے سورہ جن میں بیان فرمایا کہ جنات کے ایک گروہ نے سوق عکاظ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم سنا تو اپنی قوم میں جا کر یہ گفتگو کی ۶؎ یہ تمام خوبیاں قرآن کریم سے وہ حاصل کرسکتا ہے جو اسے محض اپنی رائے سے نہ سمجھے بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے سمجھے' ورنہ آج ہر بے دین قرآن کریم ہی کا نام لے کر لوگوں کو گمراہ کررہا ہے۔۷؎ اس حدیث کی اسناد میں ایک راوی حارث ابن اعور وہ اگرچہ حضرت علی کے ساتھ رہے ہیں اور ان سے چار حدیثیں بھی روایت کی ہیں مگر اسے نسائی نے کہا یہ قوی نہیں۔شعبی نے کہا یہ جھوٹا تھا مگر ابوداؤد نے فرمایا یہ بڑا فقیہ علم فرائض کا بڑا عالم اور بہت نسب دان تھا۔بہرحال اگرچہ الفاظ حدیث میں کچھ ضعف ہو مگر معنی حدیث بالکل صحیح ہیں نیز فضائل میں حدیث ضعیف بھی قبول (مرقات لمعات)

وَعَنْ مُعَاذِ نِ الْجُهَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ وَعَمِلَ بِمَا فِيْهِ اُلْبِسَ وَالِدَاهُ تَاجًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ضَوْءُهٗ اَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِيْ بُيُوْتِ الدُّنْيَا لَوْ كَانَتْ فِيْكُمْ فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِيْ عَمِلَ بِهٰذَا (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ)

(۲۰۳۶) روایت ہے حضرت معاذ جہنی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قرآن پڑھے اور اس کے احکام پر عمل کرے ۱؎ تو قیامت کے دن اسکے ماں باپ کو ایسا تاج پہنایا جائے گا ۲؎ جس کی روشنی سورج کی روشنی سے اچھی ہوگی جو دنیا میں تمہارے گھروں کو منور کرتی ہے ۳؎ تو اس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جو اس پر عامل ہو ۴؎ (احمد'ابوداؤد)

(۲۰۳۶) ۱؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں قرآن پڑھنے سے مراد روزانہ اس کی تلاوت کرنا ہے اور ہوسکتا ہے کہ قرآن پڑھنے سے مراد علوم قرآن سیکھنا ہو یعنی عالم باعمل کا ثواب وہ ہے جو آگے مذکور ہے ۲؎ یعنی عالم باعمل کے مومن ماں باپ کا درجہ یہ ہوگا۔خواہ انہوں نے اسے اپنی کوشش سے پڑھایا ہو یا نہیں کیونکہ حدیث مطلق ہے۔پڑھانے کی قید نہیں ۳؎ یعنی اگر سورج زمین پر ہوتا تو بتاؤ اس کی چمک دمک روشنی تمہارے گھروں میں کتنی ہوتی۔اس سے زیادہ اس تاج کے موتی چمکتے ہوں گے ۴؎ یعنی پھر عالم باعمل کے متعلق سوچو کہ اس کا درجہ قیامت میں کیا ہوگا وہ تو ہمارے خیال سے وراء ہے۔

وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَوْ جُعِلَ الْقُرْاٰنُ فِيْ اِهَابٍ ثُمَّ اُلْقِيَ فِي النَّارِ مَا احْتَرَقَ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

(۲۰۳۷) روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اگر قرآن کھال میں رکھ کر آگ میں ڈالا جائے تو وہ نہ جلے ۱؎ (دارمی)

(۲۰۳۷) ۱؎ اس حدیث پاک کی بہت شرحیں کی گئی ہیں۔قوی تر شرح یہ ہے کہ آگ سے مراد دوزخ کی آگ ہے۔مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کی عظمت یہ ہے کہ اگر بالفرض کسی کھال میں رکھ کر اسے دوزخ میں ڈالو تو نہ قرآن پاک کا کاغذ جلے نہ وہ کھال تو جس

مؤمن کے دل میں اور دماغ میں قرآن پاک کے مضامین ہوں جسم پر قرآنی عمل ہو وہ دوزخ میں کیسے جل سکے گا۔ بعض نے فرمایا کہ قرآن کریم کا یہ معجزہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ظاہر تھا جیسے جابر کے ہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑے کے دستر خوان سے ہاتھ و منہ پونچھ لیے تھے تو وہ آگ میں نہ جلتا تھا۔ مولانا فرماتے ہیں شعر:

گفت روزے مصطفےٰ دست و دہاں — پس بما لید اندریں دستار خواں
اے دل ترسندہ از نارو عذاب — باچنیں دست و دہاں کن انتساب

بعض نے فرمایا کہ یہ کلام فرض و تقدیر پر ہے یعنی قرآن پاک کی عظمت کا تقاضا یہ ہے کہ آگ میں اس کا تھیلا بھی نہ جلے جیسے رب تعالیٰ کا فرمان ہے۔ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ (۵۹:۲۱) اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر اُتارتے تو ضرور تو اسے دیکھتا جھکا ہوا پاش پاش ہوتا اللہ کے خوف سے (کنزالایمان) حضرت ابولبابہ سے روایت ہے فرماتے ہیں قرآنی سورتیں حفظ کرو کہ جس دل میں قرآن ہوگا اسے آگ سے عذاب نہ دیا جائے گا۔ لمعات و مرقات۔ خیال رہے کہ قرآن پاک کے یہ تمام فوائد مؤمن کیلئے ہیں۔ اگر سارا قرآن حفظ کرلیں کفار تو بھی دوزخی ہیں۔ رام چندر دہلوی کو چودہ پارے حفظ تھے۔ بے جان جسم کو کوئی دوا مفید نہیں بے ایمان دل کو کوئی عمل فائدہ مند نہیں۔

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَظْهَرَهٗ فَاَحَلَّ حَلَالَهٗ وَحَرَّمَ حَرَامَهٗ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ وَشَفَّعَهٗ فِيْ عَشْرَةٍ مِّنْ اَهْلِ بَيْتِهٖ كُلُّهُمْ قَدْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَّحَفْصُ بْنُ سُلَيْمَانَ الرَّاوِيُّ لَيْسَ هُوَ بِالْقَوِيِّ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيْثِ)

(۲۰۳۸) روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قرآن پڑھے پھر اسے یاد رکھے[۱] اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام جانے[۲] اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا اور اس کے گھر والوں میں سے ایسے دس آدمیوں میں اس کی شفاعت قبول فرمائے گا جن کیلئے دوزخ ضروری ہوچکی[۳] احمد ترمذی ابن ماجہ دارمی اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور حفص ابن سلیمان راوی قوی نہیں انہیں حدیث میں ضعیف مانا گیا ہے[۴]۔

(۲۰۳۸)[۱] استظہار کے معنی ہیں مدد لینا یعنی قرآن میں اپنے دل سے مدد لے کہ اسے یاد رکھے۔ ہر وقت اس کا خیال و لحاظ رکھے[۲] یعنی صرف تلاوت و حفظ پر قناعت نہ کرے بلکہ اس کے عقائد کو مانے احکام پر عمل کرے لہٰذا اس میں حافظ و عالم باعمل دونوں داخل ہیں[۳] ایسے باعمل عامل کو قرآن پاک سے دو عظیم الشان فائدے حاصل ہوں گے۔ ایک یہ کہ اول ہی سے جنت میں داخل کیا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ اس کے اہل قرابت میں سے دس دوزخی مسلمانوں کو اس کی شفاعت سے بخشا جائے گا۔ معلوم ہوا کہ شفاعت بلندی درجات کی نہ ہوگی بلکہ معافی سیئات کی بھی ہوگی اور علماء حافظ، شہدا وغیرہم کی شفاعت برحق ہے۔ خیال رہے کہ شفاعت کبریٰ کا سہرا صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر ہے۔ شفاعت صغریٰ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام بھی کریں گے۔ شفاعت کی تحقیق و تقسیم ہماری تفسیر نعیمی جلد سوم میں ملاحظہ فرمائیے[۴] یہ حدیث غریب بھی ہے اور حفص ابن سلیمان راوی کی وجہ سے اس کی یہ اسناد جس میں یہ راوی ہے ضعیف بھی ہے مگر ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ فضائل میں حدیث ضعیف بھی قبول ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ كَيْفَ تَقْرَأُ فِي الصَّلٰوةِ

(۲۰۳۹) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی ابن کعب سے تم نماز میں قرآن کیسے

فَقَرَأَ اُمَّ الْقُرْاٰنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ مَا اُنْزِلَتْ فِی التَّوْرٰۃِ وَلَا فِی الْاِنْجِیْلِ وَلَا فِی الزَّبُوْرِ وَلَا فِی الْفُرْقَانِ مِثْلُھَا وَ اِنَّھَا سَبْعٌ مِنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنُ الْعَظِیْمُ الَّذِیْ اُعْطِیْتُہٗ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَرَوَی الدَّارِمِیُّ مِنْ قَوْلِہٖ مَا اُنْزِلَتْ وَلَمْ یَذْکُرْ اُبَیَّ بْنَ کَعْبٍ وَّقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ

پڑھتے ہوا تو انہوں نے الحمد شریف پڑھی۲؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اس جیسی سورت نہ توریت میں اتری اور نہ انجیل میں اور نہ زبور میں اور نہ قرآن میں۳؎ اور یہ سات مکرر آیتیں اور قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا ہوئے۴؎ ترمذی اور دارمی نے ماانزلت کی روایت کی اور ابی ابن کعب کا واقعہ ذکر نہ کیا۵؎ ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن و صحیح ہے۔

(۲۰۳۹)۱؎ یعنی نماز کی ہر رکعت میں کونسی سورۃ پڑھتے ہو اور کیسے پڑھتے ہو۔ مجھے پڑھ کر سناؤ معلوم ہوا کہ شاگردوں کا امتحان لینا سنت ہے۔ فقیر کی اس شرح سے حدیث پر یہ اعتراض نہ ہوا کہ حضرت ابی کا جواب سرکار کے سوال کے مطابق نہیں کیونکہ یہاں قرأت طریقہ قرأت اور مقرد سب کے متعلق تھا۔ اس لیے جواب میں ابی کا سورہ فاتحہ پڑھ کر سنا دینا ہر سوال کا جواب ہوگیا۲؎ سورہ فاتحہ کے بہت سے نام ہیں۔ جن میں سے ایک نام ام القرآن بھی ہے کہ یہ سورۃ سارے قرآن کے سارے مضامین کو اپنے میں ایسے لیے ہوئے ہیں جیسے ماں بچے کو اپنے پیٹ یا گود میں لیے ہوتی ہے۔ اس کی تحقیق ہماری کتاب تفسیر نعیمی پارہ اول میں ملاحظہ فرمائیے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شاگرد کا استاذ کو پڑھا ہوا سبق سنانا سنت صحابہ ہے۔۳؎ یعنی ایسے فضائل و فوائد والی جامع سورۃ کسی اور آسمانی کتاب میں تو کیا ہوتی خود قرآن کریم میں بھی نہیں ہے۔ سورۃ فاتحہ کے فضائل و فوائد بے شمار ہیں۔ اسی لیے یہ نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے۔ اس کے فضائل و فوائد کی کچھ تفصیل ہماری تفسیر نعیمی پارہ اول میں ملاحظہ کیجئے۔ یہ سورۃ شفاء ہے۔ امان ہے۔ مومن کی حرز جان ہے۴؎ یعنی قرآن مجید میں ارشاد ہوا: لَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ (۱۵/۸۷) بے شک ہم نے تم کو سات آیتیں دیں جو دہرائی جاتی ہیں (کنزالایمان) اس سے مراد سورۃ فاتحہ ہے۔ اس میں سات آیتیں ہیں اور ہر رکعت میں بار بار پڑھی جاتی ہیں۔ نیز اس کا نزول ہجرت سے پہلے بھی ہوا اور بعد بھی اس لیے یہ سبع مثانی ہے یعنی سات مکرر آیتیں اور یہ قرآن عظیم بھی ہے کیونکہ قرآن کریم کی ہر آیت قرآن ہے۔ جیسے پانی کا ہر قطرہ پانی ہے لہٰذا اس آیت کریمہ میں یہ دونوں وصف سورۃ فاتحہ کے ہیں۔۵؎ یعنی دارمی کی روایت میں حضرت ابی ابن کعب کا یہ واقعہ مذکور نہیں صرف فضائل مذکور ہیں۔

وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَعَلَّمُوا الْقُرْاٰنَ فَاقْرَءُوْہُ فَاِنَّ مَثَلَ الْقُرْاٰنِ لِمَنْ تَعَلَّمَ فَقَرَاَ وَقَامَ بِہٖ کَمَثَلِ جِرَابٍ مَّحْشُوٍّ مِّسْکًا تَفُوْحُ رِیْحُہٗ کُلَّ مَکَانٍ وَّمَثَلُ مَنْ تَعَلَّمَہٗ فَرَقَدَ وَھُوَ فِیْ جَوْفِہٖ کَمَثَلِ جِرَابٍ اُوْکِیَ عَلٰی مِسْکٍ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ)

(۲۰۴۰) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن سیکھو پھر اسے پڑھا کرو۱؎ کیونکہ جو قرآن سیکھے اور اسکی قرأت کرے اور اس پر عمل کرے۔ اس کی مثال اس تھیلے کی سی ہے جس میں مشک بھرا ہو جس کی خوشبو ہر جگہ مہک رہی ہو۳؎ اور جو اسے سیکھے پھر سو یا رہے۴؎ اس طرح کہ اسکے سینے میں قرآن ہو وہ اس تھیلے کی طرح ہے جو مشک پر سر بند کر دیا گیا ہو۵؎ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

(۲۰۴۰)۱؎ ظاہر یہ ہے کہ قرآن سیکھنے سے مراد عام ہے جس میں قرآن کے الفاظ، معانی، احکام سیکھنا سب ہی شامل ہیں۔ فقہاء فرماتے ہیں حفظ قرآن فرض کفایہ ہے مختلف بستیوں میں اتنے حافظ ضرور رہیں جن سے قرآن کریم کا تواتر قائم رہے اور کوئی بے دین

قرآن میں تبدیلی نہ کر سکے۔ لہٰذا اگر لوگ حفظ قرآن چھوڑ دیں تو سب گنہگار ہیں اور اگر اتنے لوگ حفظ کرلیں تو سب کا فرض ادا ہو گیا۔ علم قرآن کا بھی یہ ہی حال ہے اور بقدر جواز نماز قرآن حفظ کرنا فرض عین ہے جیسے بقدر ضرورت مسائل یاد کرنا سیکھنا فرض عین ہے اور پورا عالم دین بننا فرض کفایہ ۲؎ یعنی قرآن شریف یاد کرنے اور سیکھنے کے بعد اس کا دور نہ چھوڑ دو اور اپنے حافظہ پر اعتماد نہ کرلو یہ بہت جلد ذہن سے اتر جاتا ہے یا مطلب یہ ہے کہ قرأت قرآن یعنی تجوید سیکھو کہ بقدر جواز نماز تجوید سیکھنا بھی فرض عین ہے اور پورا قاری بننا فرض کفایہ اسی لیے عرس، ختم، میلاد اور گیارہویں شریف وغیرہ میں قرآنی رکوع پنج آیات پڑھتے ہیں تاکہ لوگوں میں قرأت کا چرچا رہے۔ یہ چیزیں خصوصاً تراویح کی نماز بقائے قرآن کا بڑا ذریعہ ہیں ۳؎ لہٰذا ایسے عالم و قاری کا سینہ گویا تھیلا ہے اور اس میں قرآن شریف گویا تھیلے میں بھرا ہوا مشک ہے اور اس قاری کا تلاوت کرنا اس مشک کی مہک ہے جس سے سننے والے فائدہ اٹھاتے ہیں ہر جگہ سے مراد قرآن سننے والے ہیں اور جو قرآنی علم کی اشاعت کر جائے اس کی مہک ہے جس سے سننے والے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ رب تعالیٰ خدمت قرآن کی توفیق بخشے ۴؎ کہ اس کی تلاوت نہ کیا کرے یا اس پر عمل نہ کیا کرے ۵؎ اس بند تھیلے میں اگرچہ مشک تو ہے اور اسی مشک کی وجہ سے تھیلا قیمتی بھی ہے مگر لوگ اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے ایسے ہی یہ شخص اللہ کے نزدیک قیمتی ہے۔ حافظ قرآن یا عالم قرآن ہونے کی وجہ سے مگر لوگ اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے بلکہ خود بھی فائدہ نہیں اٹھاتا کسی پنجابی شاعر نے کیا اچھا کہا شعر:

علم ودھیرا پڑھ لیا عمل نہ کیتے نیک آئی گھٹا اتر گئی بوند پئی نہ ایک
احمد یارا احمق ہوئیوں علم ودھیرا پڑھ کے پڑھے لکھے تے مان نہ کریو پھٹ جاندا دُدھ کڑھ کے

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ حٰمٓ اَلْمُؤْمِنَ اِلٰى اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ وَاٰيَةَ الْكُرْسِيِّ حِيْنَ يُصْبِحُ حُفِظَ بِهِمَا حَتّٰى يُمْسِيَ وَمَنْ قَرَأَبِهِمَا حِيْنَ يُمْسِيْ حُفِظَ بِهِمَا حَتّٰى يُصْبِحَ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

(۲۰۴۱) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص صبح کے وقت سورہ حم مومن الیہ المصیر تک ۱؎ اور آیۃ الکرسی پڑھ لیا کرے تو شام تک اس کی حفاظت کی جائیگی ۲؎ اور جو ان دونوں کو شام کے وقت پڑھ لیا کرے تو صبح تک اسکی حفاظت ہو گی ۳؎ ترمذی دارمی اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے ۴؎

(۲۰۴۱) ۱؎ یعنی سورہ مومن کی پہلی آیت حٰمٓ ○ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ○ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ۙ ذِي الطَّوْلِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ (۴۰) یہ کتاب اتارنا ہے اللہ کی طرف سے جو عزت والا علم والا گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا سخت عذاب کرنے والا بڑے انعام والا اس کے سوا کوئی معبود نہیں اسی کی طرف پھرنا ہے۔ (کنزالایمان) تک پڑھے ۲؎ کو جو شخص نماز فجر سے پہلے یا اس کے بعد یہ دو آیتیں پڑھ لیا کرے خواہ آیت الکرسی پہلے پڑھے اور سورہ مومن کی یہ آیت بعد میں یا اس کے برعکس، (مرقات وغیرہ) تو شام تک وہ اللہ کی امان و حفظ میں رہے گا کہ شیطان، جادو اور دوسری دنیاوی آفتیں اس تک انشاء اللہ نہ پہنچ سکیں گی ۳؎ یعنی بعد نماز مغرب یہ آیتیں پڑھ لیا کرے تو صبح تک اللہ کی حفظ و امن میں رہے گا۔ خیال رہے کہ بغیر نماز کوئی وظیفہ یا عمل مفید نہیں تمام وردو وظیفوں کیلئے پابندی نماز ضروری ہے ۴؎ یہ حدیث احمد و ابن حبان نے بھی روایت کی۔

وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ كِتَابًا قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِاَلْفَيْ عَامٍ اَنْزَلَ مِنْهُ اٰيَتَيْنِ خَتَمَ بِهِمَا سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ وَلَا تُقْرَاٰنِ فِيْ دَارٍ ثَلٰثَ لَيَالٍ فَيَقْرَبُهَا الشَّيْطٰنُ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

(۲۰۴۲) روایت ہے حضرت نعمان ابن بشیر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی نے زمین و آسمان کی پیدائش سے دو ہزار برس پہلے ایک کتاب لکھی[۱] جس میں سے دو آیتیں وہ اتاریں جن پر سورہ بقرہ ختم فرمائی[۲] یہ ناممکن ہے کہ کسی گھر میں یہ آیتیں برابر تین شب پڑھی جائیں پھر شیطان اس کے پاس بھی پھٹکے[۳] ترمذی٬ دارمی اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے[۴]

(۲۰۴۲)[۱] دو ہزار برس سے مراد اس قدر مدت کہ اگر سورج ہوتا تو اسی مدت کے دو ہزار برس بن جاتے ورنہ اس وقت سورج نہ تھا نہ دن رات٬ پھر دن مہینے ہفتے اور سال کیسے بن سکتے ہیں۔ لکھنے سے مراد فرشتوں کو لکھنے کا حکم دینا ہے۔ خاص خدام کا کام گویا سلطان ہی کا کام ہے۔ خیال رہے کہ مخلوق کی تقدیریں آسمان و زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار برس پہلے لکھی گئیں٬ مگر یہ تحریر دو ہزار برس پہلے ہوئی۔ لہٰذا یہ حدیث پچاس ہزار برس کی روایت کےخلاف نہیں کہ وہاں لوح محفوظ میں تقدیروں کی تحریر مراد ہے اور یہاں قرآن کریم کی تحریر مراد اور ہوسکتا ہے کہ یہاں دو ہزار برس سے تحدید مراد نہ ہو بلکہ مطلق زیادتی بیان کرنا مقصود ہو (مرقات)[۲] یہ دو آیتیں امن الرسول سے آخر سورہ بقر تک ہیں۔ اگرچہ سارا قرآن شریف ہی لوح محفوظ میں تھا اور وہاں سے ہی نازل ہوا مگر ان آیتوں میں وہ خصوصیت ہے جس کا ذکر آگے ہو رہا ہے۔ اس لیے ان کا ذکر خصوصیت سے فرمایا[۳] جب ان آیتوں کی برکت سے وہ گھر وہ عمارت وہ جگہ شیطان سے محفوظ ہو جاتی ہے۔ جہاں تین دن یہ آیات پڑھ لی جائیں تو جس زبان میں یہ آیتیں رہیں انشاء اللہ وہ بھی شیطان سے محفوظ رہیں گے۔ ان جیسی تمام احادیث میں شیطان سے مراد ابلیس ہوتا ہے۔ ورنہ قرین شیطان اور نفس امارہ تو بہرحال انسان کے ساتھ رہتے ہیں۔ ان موذیوں سے بچنے کی کوئی تدبیر نہیں جسے اللہ بچائے وہ ہی بچے[۴] اس حدیث کو نسائی٬ ابن حبان اور حاکم نے اپنی مستدرک میں بھی روایت کیا (مرقات)

وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَآءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَاَ ثَلٰثَ آيَاتٍ مِّنْ اَوَّلِ الْكَهْفِ عُصِمَ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ)

(۲۰۴۳) روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سورہ کہف شروع سے تین آیتیں پڑھا کرے وہ دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا[۱] ترمذی اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے

(۲۰۴۳)[۱] اس کی شرح پہلے گزر چکی کہ چونکہ سورہ کہف میں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالٰی نے اصحاب کہف کو دقیانوس بادشاہ کے ظلم وستم سے بچالیا اور وہ بادشاہ ان بزرگوں کو دین حق سے نہ ہٹا سکا اب اس ذکر میں تاثیر ہے کہ روزانہ یا ہر جمعہ کو ان آیات کا پڑھنے والا دجال کے شر سے محفوظ رہے گا کہ اگر اس کی زندگی میں دجال آجائے تو اسے ایمان سے نہ ہٹا سکے گا۔ بزرگوں کے ذکر میں بھی تاثیر ہوتی ہے۔ خیال رہے کہ اللہ تعالٰی نے اولاً تو پوری سورۃ کہف میں یہ تاثیر رکھی تھی۔ پھر اس کی دس اگلی آیتوں میں یہ تاثیر بخش دی۔ پھر اس کی تین آیتوں میں یہ ہی تاثیر رکھ دی گئی۔ ربّ تعالٰی کی عطائیں مختلف رہیں۔ لہٰذا یہ حدیث ان احادیث کےخلاف نہیں جن میں پوری سورہ کہف یا اس کی دس آیتوں کی یہ تاثیر مذکور ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ قَلْبًا وَّقَلْبُ الْقُرْاٰنِ يٰسٓ وَمَنْ قَرَاَ يٰسٓ كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ بِقِرَاءَتِهَا قِرَاءَةَ الْقُرْاٰنِ عَشْرَ مَرَّاتٍ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

(۲۰۴۴) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چیز کا ایک دل ہے اور قرآن کا دل سورہ یٰس ہے[۱] جو سورہ یٰس پڑھے تو اللہ اسے اس کی تلاوت کی برکت سے دس بار قرآن ختم کرنے کا ثواب دے گا[۲] ترمذی و دارمی اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے[۳]

(۲۰۴۴)[۱] جیسے دل سے اصل زندگی وابستہ ہے کہ اگر یہ ٹھیک ہو تو جاندار جاندار ہے اس کو ٹھیس لگتے ہی بے جان ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی قرآن کریم کا اصل مقصود سورہ یٰس سے وابستہ ہے۔ یہ سورۃ پورے قرآن شریف کا گویا خلاصہ ہے کہ اس میں قیامت کے حالات کا مکمل بیان ہے۔ اس کی تلاوت سے دل زندہ' ایمان تازہ روح شاداں وفرحاں ہوتے ہیں۔ قریب موت اس کی تلاوت سے جان کنی آسان ہوتی ہے۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ ایمان کا دل ہے قیامت کے حالات کو ماننا اور حالات قیامت جس تفصیل سے سورہ یٰس میں مذکور ہیں دوسری سورت میں مذکور نہیں۔ اس لیے اسے قرآن کا دل فرمایا[۲] اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ سارا قرآن شریف ہی کلام الٰہی ہے مگر اس کی سورتوں کی تاثیریں مختلف ہیں۔ ایک بار سورہ یٰس کی تلاوت دس قرآن کا ثواب رکھتی ہے۔ یہ اس کی بے مثال خصوصیت ہے۔ خیال رہے کہ دس ختم قرآن کا ثواب ملنا اور ہے اور حقیقۃً دس قرآن کریم ختم کرنا کچھ اور طبیب کہتے ہیں کہ ایک منقیٰ گرم کر کے کھانے میں ایک روٹی کی طاقت ہے مگر پیٹ بھرے گا روٹی ہی کھانے سے ختم قرآن ہو گا تیسوں پارے پڑھنے سے[۳] اس لیے کہ اس کی اسناد میں ہارون ابن محمد ہیں جو محدثین کے نزدیک بہت قوی نہیں۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَرَاَ طٰهٰ وَيٰسٓ قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِاَلْفِ عَامٍ فَلَمَّا سَمِعَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ الْقُرْاٰنَ قَالَتْ طُوْبٰى لِاُمَّةٍ يُّنْزَلُ هٰذَا عَلَيْهَا وَطُوْبٰى لِاَجْوَافٍ تَحْمِلُ هٰذَا وَطُوْبٰى لِاَلْسِنَةٍ تَتَكَلَّمُ بِهٰذَا (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

(۲۰۴۵) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی نے سورہ طٰہٰ اور یٰس زمین و آسمان پیدا فرمانے سے ایک ہزار سال پہلے پڑھی[۱] جب فرشتوں نے قرآن سنا تو بولے خیر وخوبی ہے اس امت کو جس پر یہ اترے گی اور خوبی ہے ان سینوں کو جو اسے اٹھائیں گے اور خوبی ہے ان زبانوں کو جو اسے پڑھیں گی[۲] دارمی

(۲۰۴۵)[۱] حدیث بالکل ظاہر معنی پر ہے۔ واقعی رب تعالٰی نے یہ سورتیں پڑھیں۔ فرشتوں نے بلاواسطہ سنیں اب رب تعالٰی کی تلاوت کی نوعیت ہماری عقل سے وراء ہے۔ اس طرح قرأت کی جو اس کی شان کے لائق ہے۔ مرقات نے فرمایا کہ یٰس اور طٰہٰ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام شریف ہیں۔ چونکہ ان سورتوں کی ابتداء حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے ہوئی۔ اس لیے یہ سورتیں بہت عظمت والی ہیں۔ اسی وجہ سے رب تعالٰی نے فرشتوں کو سنائیں معلوم ہوا کہ نعت کی سورتیں' آیتیں رب تعالٰی کو بڑی پیاری ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فرشتوں کی پیدائش زمین و آسمان کی پیدائش سے پہلے ہے[۲] طوبٰی جنت کا ایک درخت بھی ہے جس کی شاخیں جنت کے ہر محل میں ہیں اور بمعنی خوش خبری بھی یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں یعنی ساری امت محمدیہ موماً اور ان سورتوں کے حافظ وقاری خصوصاً درخت طوبٰی کے مالک ہیں یا انہیں خصوصی خوشخبری ہے۔ یہ لوگ بڑے خوش نصیب ہیں۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ حٰمٓ الدُّخَانَ فِيْ لَيْلَةٍ اَصْبَحَ يَسْتَغْفِرُ لَهٗ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَّعُمَرُ بْنُ خَثْعَمِ نِ الرَّاوِيْ يُضَعَّفُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ يَعْنِي الْبُخَارِيَّ هُوَ مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ)

(۲۰۴۶) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو رات میں سورہ حم الدخان پڑھے وہ اس طرح سویرا کرے گا کہ اس کیلئے ستر ہزار فرشتے دعائے مغفرت کریں گے[۱] ترمذی اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور عمر ابن خثعم راوی ضعیف مانے گئے ہیں امام محمد بخاری نے فرمایا وہ منکر الحدیث ہے[۲]

(۲۰۴۶)[۱] یعنی اس کی تلاوت کے وقت سے صبح تک اتنے فرشتے اس کیلئے دعائے مغفرت کرتے رہیں گے۔ خیال رہے کہ اس دعا سے خصوصی دعا مراد ہے۔ ورنہ حاملین عرش اور دوسرے فرشتے ہمیشہ ہی مومنوں کیلئے دعائیں کرتے رہتے ہیں۔ رب تعالٰی فرماتا ہے۔ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا لہٰذا یہ حدیث اس قرآنی آیت کیخلاف نہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورۃ دخان پڑھنا ان معصوموں کی معصوم زبان سے دعائیں لینے کا ذریعہ ہے[۲] امام عسقلانی نے شرح نخبۃ الفکر میں فرمایا کہ محدثین کی اصطلاح میں منکر الحدیث کہنا ضعیف کہنے سے زیادہ سخت ہے یعنی عمر ابن خثعم کو دوسرے محدثین نے تو ضعیف فرمایا مگر امام بخاری نے اسے منکر فرمایا یعنی ضعیف سے بھی سخت تر، خیال رہے کہ یہ حدیث فضائل اعمال کی ہے فضائل میں حدیث ضعیف قبول ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ حٰمٓ الدُّخَانَ فِيْ لَيْلَةِ الْجُمُعَةِ غُفِرَ لَهٗ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَّهِشَامٌ اَبُو الْمِقْدَامِ الرَّاوِيْ يُضَعَّفُ)

(۲۰۴۷) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جمعہ کی رات حم الدخان پڑھے اس کی بخشش ہو گی[۱] ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے ضعیف ہے اور ہشام ابو مقدام راوی کو ضعیف کہا گیا ہے[۲]

(۲۰۴۷)[۱] اس سے معلوم ہوا کہ سورہ دخان دوسری راتوں میں پڑھنا تو اچھا ہے کہ اس کے ذریعہ ہزارہا فرشتوں کی دعائیں ملتی ہیں لیکن شب جمعہ میں اس کی تلاوت بہت ہی بہتر ہے کہ اس سے فرشتوں کی دعائیں بھی ملتی ہیں اور رب تعالٰی کی مغفرت بھی گویا اس رات کی تلاوت سے دو نعمتیں ملتی ہیں[۲] یہ نہ معلوم ہوا کہ ان کے ضعف کی وجہ کیا ہے۔ احناف کے ہاں جرح مجہول معتبر نہیں۔

وَعَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَأُ الْمُسَبِّحَاتِ قَبْلَ اَنْ يَّرْقُدَ يَقُوْلُ اِنَّ فِيْهِنَّ اٰيَةً خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ اٰيَةٍ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَ رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ مُرْسَلًا وَّقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)

(۲۰۴۸) روایت ہے حضرت عرباض ابن ساریہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے پہلے تسبیح والی آیتیں پڑھا کرتے تھے[۱] فرماتے تھے ان میں ایک آیت ہزار آیتوں سے بہتر ہے[۲] ترمذی و ابوداؤد و دارمی نے یہ حدیث خالد ابن معدان سے مرسلا روایت کی[۳] اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے غریب ہے[۴]

(۲۰۴۸)[۱] یعنی جن سورتوں کے اول میں سبح یا یسبح یا سبح اسم ربك یا سبحن ہے۔ وہ سورتیں پڑھتے تھے۔ یہ سورتیں کل سات ہیں سورہ اسراء، حدید، حشر، صف، جمعہ، تغابن، اعلیٰ (مرقات)۔ ظاہر یہ ہے کہ سرکار یہ پوری سورتیں نہ پڑھتے ہونگے کہ یہ تو بہت زیادہ ہیں بلکہ ان کی چیدہ چیدہ آیات تلاوت فرماتے ہونگے۔[۲] ان الفاظ سے یہ پتا نہ لگا کہ وہ آیت کون سی ہے۔ بعض نے فرمایا

کہ یہ آیت لو انزلنا ھذا القرآن الایہ ہے۔بعض نے فرمایا کہ وہ آیت ہر سورۃ کی شروع کی آیت ہے جس میں سبح یا یسبح ہے مگر حق یہ ہے کہ وہ آیت ربّ تعالٰی کے اسم اعظم یا شب قدر کی طرح صیغہ راز میں رکھی گئی ہے۔مرقات نے فرمایا کہ یہاں فیھن سے مراد جمیعھن ہے یعنی ان تمام سورتوں میں ایک ایک آیت ایسی ہے جو ہزار آیتوں سے افضل و بہتر ہے۳؎ کیونکہ خالد ابن معدان شامی ہیں۔تابعی ہیں۔فرماتے ہیں کہ میں نے ستر صحابہ سے ملاقات کی ہے۔ہم نے پہلے عرض کیا کہ ثقہ تابعی کا ارسال معتبر ہے اور ان سے مرسل حدیث حجت ہے کہ وہ تابعی خود تو ثقہ ہے اور صحابہ سارے ہی عادل ہیں۔۴؎ اسے نسائی نے حضرت عرباض ابن ساریہ سے مرفوعًا اور معاویہ ابن صالح سے موقوفًا روایت کیا۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ سُوْرَةً فِی الْقُرْاٰنِ ثَلٰثُوْنَ اٰیَةً شَفَعَتْ لِرَجُلٍ حَتّٰی غُفِرَلَهٗ وَهِیَ تَبَارَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

(۲۰۴۹) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی ایک تیس آیتوں والی سورۃ نے۱؎ ایک شخص کی یہاں تک شفاعت کی کہ اسکی بخشش ہوگئی۔وہ سورۃ تبارک الذی بیدہ الملک ہے۲؎ (احمد،ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ)۳؎

(۲۰۴۹)۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ بسم اللہ شریف سورۃ کا جز نہیں ورنہ سورہ ملک کی آیتیں ۳۱ ہوجاتیں کیونکہ سورہ ملک کی بسم اللہ کے علاوہ تیس آیتیں ہیں۔۲؎ یعنی ایک شخص سورۃ ملک کا ورد رکھتا تھا۔اس سے بہت محبت کرتا تھا۔اس کے مرنے کے بعد اس سورہ نے اس کی سفارش کی تو اس کی شفاعت کی برکت سے وہ شخص عذاب قبر سے محفوظ رہا۔لہذا یہاں شفعت بمعنی ماضی ہی ہے۔معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عالم کی ہر بات ہر واقعہ کی تفصیلی خبر ملتی رہتی ہے یا خود ملاحظہ فرماتے رہتے ہیں۔لمعات نے فرمایا کہ شفعت بمعنی مستقبل بھی ہوسکتا ہے۔یعنی سورہ ملک اپنے عاملوں کی شفاعت کرے گی اور اس کی شفاعت کی برکت سے عامل کی بخشش ہوگی۔اس صورت میں یہ فرمان ترغیب کیلئے ہے تاکہ لوگ اس کی تلاوت کیا کریں۔اس کی شفاعت کی امید رکھیں۳؎ اسے ابن حبان اور حاکم نے بھی روایت کیا۔حاکم کی روایت میں یوں ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بہتر ہوتا کہ یہ سورۃ ہر مسلمان کے دل میں ہوتی۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ ضَرَبَ بَعْضُ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خِبَآءَهٗ عَلٰی قَبْرٍ وَّهُوَ لَا یَحْسِبُ اَنَّهٗ قَبْرٌ فَاِذَا فِیْهِ اِنْسَانٌ یَقْرَأُ سُوْرَةَ تَبَارَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ حَتّٰی خَتَمَهَا فَاَتَی النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهٗ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هِیَ الْمَانِعَةُ هِیَ الْمُنْجِیَةُ تُنْجِیْهِ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ)

(۲۰۵۰) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی نے ایک قبر پر خیمہ ڈال لیا۔انہیں خبر نہ تھی کہ یہاں قبر ہے۱؎ پتا لگا کہ اس میں ایک شخص سورۃ تبارک الذی بیدہ الملک پڑھ رہا ہے حتیٰ کہ اس نے ختم کرلی۲؎ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس واقعہ کی خبر دی۳؎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سورۃ روکنے والی ہے۴؎ نجات دینے والی ہے جو اللہ کے عذاب سے نجات دیگی ۵؎ (اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔)

(۲۰۵۰)۱؎ اگر قبر کی خبر ہوتی تو وہاں ہرگز خیمہ نہ ڈالتے کیونکہ قبر پر بیٹھنا لیٹنا اس پر چلنا پھرنا ممنوع ہے۔۲؎ مرقات نے یہاں فرمایا کہ بعض مردے قبر میں بھی بعض وہ نیکیاں کرتے رہتے ہیں جو زندگی میں کرتے تھے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کو قبر

میں نماز پڑھتے دیکھا۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ جس حال میں جیو گے اسی میں مرو گے اور جس حال میں مرو گے اسی میں اٹھو گے۔اس لیے کوشش کرو کہ زندگی اچھے اعمال میں گزارو۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت بلال اذان دیتے ہوئے قبر سے اٹھیں گے۔ان کا ماخذ غالبًا ان جیسی روایات ہیں۔انشاء اللہ نعت خواں مسلمان قبر میں بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ہی پڑھیں گے۔ربّ تعالٰی قبول فرمائے ان صحابی کا یہ تلاوت سن لینا ان کی کرامت ہے۔ورنہ ہم لوگ نہیں سنا کرتے ۳؎ اور تعجب کا اظہار کیا کہ مردہ بھی تلاوت قرآن کررہا تھا۔۴؎ یعنی تلاوت کرنے والے کو زندگی میں گناہوں سے، موت کے وقت خرابی خاتمہ سے قبر میں عذاب وتنگی گور سے، آخرت میں دہشت وسخت عذاب سے بچاتی ہے۔۵؎ یعنی عذاب قبر وحشر سے بچائے گی۔خلاصہ جواب یہ ہوا کہ یہ شخص اپنی زندگی میں اس سورۃ کی تلاوت کرتا تھا۔اب قبر میں بھی تلاوت کررہا ہے اور اس سے مذکورہ بالا فائدے حاصل کرچکا ہے۔اب بھی کررہا ہے۔آئندہ بھی کریگا۔

وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ لَا یَنَامُ حَتّٰی یَقْرَاَ الٓمٓ تَنْزِیْلُ وَتَبَارَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَ الدَّارِمِیُّ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ وَّ کَذَافِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَفِی الْمَصَابِیْحِ غَرِیْبٌ)

(۲۰۵۱) روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ سوتے حتی کہ پڑھ لیتے الم تنزیل اور تبارك الذی بیده الملك ۱؎ احمد، ترمذی، دارمی اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے یوں ہی شرح سنہ میں ہے اور مصابیح میں ہے کہ غریب ہے۲؎

(۲۰۵۱) ۱؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بعد نماز عشاء اور سونے سے پہلے یہ دونوں سورتیں ہمیشہ پڑھا کرتے تھے۔خواہ مسجد ہی میں یا بستر پر پہنچ کر، معلوم ہوا کہ شب کو یہ سورتیں پڑھنا سنت ہے اور اس میں بہت فوائد ہیں۲؎ خیال رہے کہ حدیث کی غرابت اس کے صحیح ہونے کی مخالف نہیں ایک ہی حدیث صحیح بھی ہوتی ہے، غریب بھی۔لہذا ترمذی کا اسے صحیح کہنا اور مصابیح کا غریب فرمانا دونوں درست ہیں۔یہ حدیث نسائی، ابن ابی شیبہ اور حاکم نے بھی حضرت جابر سے روایت کی۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَّاَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا زُلْزِلَتْ تَعْدِلُ نِصْفَ الْقُرْاٰنِ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ وَقُلْ یٰۤاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ تَعْدِلُ رُبُعَ الْقُرْاٰنِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

(۲۰۵۲) روایت ہے حضرت ابن عباس وانس ابن مالک سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اذا زلزلت آدھے قرآن کے برابر ہے۱؎ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تہائی قرآن کے برابر۲؎ اور قل یا ایها الکافرون چوتھائی قرآن کے برابر۳؎ (ترمذی)

(۲۰۵۲) ۱؎ یعنی سورہ اذا زلزلت کی تلاوت میں پندرہ پارے تلاوت کرنے کا ثواب ہے یا چونکہ قرآن کریم میں معاش ومعاد دونوں کا ذکر ہے اور اذا زلزلت میں معاد کا ذکر ہے۔یعنی قیامت اور وہاں کے حالات کا لہذا اس کا مضمون مضامین قرآن پاک کا نصف ہے۲؎ اس کی شرح اور وجہ پہلے عرض کی گئی ہے اسی باب میں۳؎ کیونکہ قرآن مجید میں اصل مضامین چار ہیں۔شرک اور بدعقیدگیوں سے دوری توحید ورسالت اور تمام عقائد اسلامیہ کا اقرار، احکام قصص، سورہ کافرون میں شرک سے بیزاری کا کامل طور پر ذکر ہے۔لہذا قرآن کا چوتھائی مضمون اس سورۃ میں ہے۔اس لیے یہ سورۃ چار بار پڑھنے سے پورے قرآن کریم کی تلاوت کا ثواب ملتا ہے۔(لمعات واشعہ وغیرہ) جو کوئی سوتے وقت یہ سورۃ پڑھ لیا کرے تو انشاء اللہ اسے ایمان پر خاتمہ نصیب ہوگا۔فقیر بفضل ربّ قدیر اس پر عامل ہے اور حسن خاتمہ کی ربّ تعالٰی سے امید رکھتا ہے اللہ نصیب کرے۔

وَعَنْ مَّعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يُصْبِحُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ فَقَرَأَ ثَلٰثَ اٰيَاتٍ مِّنْ اٰخِرِ سُوْرَةِ الْحَشْرِ وَكَّلَ اللّٰهُ بِهٖ سَبْعِيْنَ اَلْفَ مَلَكٍ يُّصَلُّوْنَ عَلَيْهِ حَتّٰى يُمْسِيَ وَاِنْ مَاتَ فِيْ ذٰلِكَ الْيَوْمِ مَاتَ شَهِيْدًا وَّ مَنْ قَالَهَا حِيْنَ يُمْسِيْ كَانَ بِتِلْكَ الْمَنْزِلَةِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

(۲۰۵۳) روایت ہے حضرت معقل ابن یسار سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور نے فرمایا جو صبح کے وقت تین بار یہ کہہ لے کہ میں سننے والے جاننے والے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۱ مردود شیطان سے۲ پھر سورۃ حشر کی آخری تین آیتیں پڑھ لے۳ تو اللہ اس پر ستر ہزار فرشتے مقرر فرمادے گا جو شام تک اسے دعائیں دیں گے اور یہ اس دن مر جائے تو شہید مرے گا۴ اور جو یہ چیزیں شام کے وقت پڑھ لے تو اسی درجہ میں ہوگا۵ (ترمذی دارمی اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔)

(۲۰۵۳)۱ یعنی میری بات سننے والے، میرا درد دل جاننے والے ربّ کی پناہ مانگتا ہوں۔ خیال رہے کہ اعوذ جملہ خبر یہ ہے بمعنی انشاء اللہ یعنی اے اللہ مجھے اپنی پناہ میں لے لے۲ تاکہ دن بھر وہ مردود مجھے بہکا نہ سکے۔ عبادتوں میں دھیان نہ بٹا سکے۔ چونکہ سویرا زندگی کی دکان کھلنے کا وقت ہے۔ اس لیے خصوصیت سے اسی وقت یہ دعا پڑھوائی گئی۳ ھو اللہ الذی سے آخر سورۃ وھو العزیز الحکیم تک یہ آیات خالص حمد کی ہیں۴ یہاں فرشتوں کی دعا سے ان کی خصوصی دعائیں مراد ہیں۔ ورنہ فرشتے عمومی دعائے مغفرت تو ہر مسلمان کیلئے کرتے رہتے ہیں جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا اور شہید سے مراد شہادت حکمی ہے کہ بندہ اگرچہ اپنے بستر پر مرے مگر قیامت میں اس کا شمار ان شہداء میں ہو جو راہ خدا میں مارے گئے۵ لغت میں صباح آدھی رات سے زوال تک کو کہتے ہیں اور مساء زوال سے اول نصف رات تک کو مگر اوراد وظائف میں صبح صادق سے سورج نکلنے سے کچھ بعد تک ہے اور شام اس کے مقابل یعنی سورج چھپنے سے کچھ رات گئے تک یعنی وقت عشاء آنے سے پہلے (از مرقات) اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے صبح و شام کی نہایت نفیس تحقیق اپنی کتاب الوظیفۃ الکریمہ میں فرمائی ہے ناظرین اس کا مطالعہ ضرور کریں۔

وَعَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَأَ كُلَّ يَوْمٍ مِّائَتَيْ مَرَّةٍ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ مُحِيَ عَنْهُ ذُنُوْبُ خَمْسِيْنَ سَنَةً اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ عَلَيْهِ دَيْنٌ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَفِيْ رِوَايَتِهٖ خَمْسِيْنَ مَرَّةً وَلَمْ يَذْكُرْ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ عَلَيْهِ دَيْنٌ)

(۲۰۵۴) روایت ہے حضرت انس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور نے فرمایا جو روزانہ دو سو بار قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھ لیا کرے۱ تو اسکے پچاس سال کے گناہ مٹا دیئے جائیں گے۲ سوائے قرض کے۳ ترمذی ودارمی اور ایک روایت میں پچاس بار ہے اور قرض نہ ہونے کا ذکر نہیں

(۲۰۵۴)۱ یعنی دن و رات کے کسی حصہ میں پوری سورہ اخلاص دو سو بار پڑھا کرے۔ بہتر یہ ہے کہ ایک دم ہی پڑھے اور اگر مختلف مجلسوں میں پڑھے تو بھی اجر مذکور کی امید ہے۲ یعنی عمر بھر یہ پڑھتا رہے تو انشاء اللہ پچاس سال کے گناہ صغیرہ معاف ہونگے اور اگر اتنے گناہ نہ ہوں تو درجے بلند ہونگے کیونکہ جن اعمال سے گنہگاروں کے عفو سیئات ہوتی ہے نیک کاروں کیلئے رفع درجات یہ قانون کرم ہے۔ لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ پھر تو نیک لوگ یہ عمل نہ کیا کریں۔۳ کہ قرض تو حق العبد ہے بغیر ادا کیے یا قرض خواہ کے بغیر معاف کیے ساقط نہیں ہوتا سارے حقوق العباد کا یہی حال ہے۔

وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَرَادَ اَنْ يَنَامَ عَلٰى فِرَاشِهٖ فَنَامَ عَلٰى يَمِيْنِهٖ ثُمَّ قَرَأَ مِائَةَ مَرَّةٍ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ يَقُوْلُ لَهُ الرَّبُّ يَا عَبْدِيَ ادْخُلْ عَلٰى يَمِيْنِكَ الْجَنَّةَ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)

(۲۰۵۵) روایت ہے انہی سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور انور نے فرمایا جو اپنے بستر پر سونا چاہے۱ تو داہنی کروٹ پر لیٹے۲ پھر سو بار قل ھو اللہ احد پڑھ لے۳ تو جب قیامت کا دن ہوگا۔ ربّ تعالٰی فرمائے گا اے میرے بندے، اپنی داہنی طرف سے جنت میں جا۴ ترمذی اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۵

(۲۰۵۵)۱بستر کا ذکر اتفاقی ہے۔اگر کوئی زمین پر بھی لیٹے تو یہ پڑھ لے مگر لیٹنا سونے کیلئے ہو ویسے لیٹنے کا حکم نہیں۔اس لیے اس سید الفصحاء صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کے ارادے کا ذکر فرمایا۲اس طرح کہ قبلہ کو رخ ہو اور داہنی ہتھیلی داہنے رخسار کے نیچے رکھے کہ سنت اسی طرح لیٹنا ہے۔پھر بائیں کروٹ لے کر سو جائے۔غرضیکہ بستر کا رخ قبر کا سا ہو۳فقط لفظ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ نہیں بلکہ پوری سورۃ مع بسم اللہ کے ہر بار،اگرچہ یہ عمل ہے تو مشکل مگر بہت مفید ہے۴یعنی چونکہ تو میرے محبوب کی سنت پر عمل کرتے ہوئے داہنی کروٹ لیٹتا تھا اور میری حمد والی سورۃ پڑھ کر سوتا تھا۔اس کے انعام میں آج تو جنت کے داہنے باغ میں داخل ہو جا وہ تیرا مقام ہے۔خیال رہے کہ جنتی لوگ تین قسم کے ہونگے۔مقربین حضرات علیین والے ہیں،ابرار یہ یمین والے ہیں،گنہگار جن کی شفاعت کی بنا پر مغفرت ہو چکی یہ یسار والے ہیں۔ربّ تعالٰی نے فرمایا:مِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ(۳۲،۳۵) ان میں سے کوئی اپنی جان پر ظلم کرتا ہے اور ان میں کوئی میانہ چال پر ہے اور ان میں کوئی وہ ہے جو اللہ کے حکم سے بھلائیوں میں سبقت لے گیا (کنزالایمان) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنت کا داہنا حصہ بائیں سے افضل ہے اور یہ کہ عرش کی داہنی طرف والے بائیں سمت والوں سے بہتر۵علماء فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اگرچہ درجہ صحیح کو نہ پہنچی مگر اس پر عمر میں کم از کم ایک بار ضرور عمل کرے کہ اس کے عامل کو بڑی بشارت ہے۔فضائل اعمال میں حدیث ضعیف بھی قبول ہے۔مرقات

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلًا يَّقْرَأُ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ فَقَالَ وَجَبَتْ قُلْتُ وَمَا وَجَبَتْ قَالَ الْجَنَّةُ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَّالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ)

(۲۰۵۶) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو قل ھو اللہ احد پڑھتے سنا تو فرمایا واجب ہوگئی میں نے عرض کیا کیا واجب ہوگئی فرمایا جنت۱ (مالک،ترمذی،نسائی)

(۲۰۵۶)۱یعنی اس سورۃ شریف کی تلاوت کی برکت سے اس کیلئے جنت واجب و لازم ہوگئی۔خیال رہے کہ نیک اعمال جنت حاصل ہونے کے اسباب میں علت تامہ نہیں بڑے بڑے نیک لوگ پھسل جاتے ہیں مگر یہ شخص حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بشارت کی وجہ سے جنتی یقیناً ہوگیا کہ آپ کی زبان ربّ تعالٰی کا قلم ہے۔اس شخص کا جنتی ہو جانا قطعی ہوگیا۔

وَعَنْ فَرْوَةَ بْنِ نَوْفَلٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهٗ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلِّمْنِيْ شَيْئًا اَقُوْلُهٗ اِذَا اَوَيْتُ اِلٰى فِرَاشِيْ فَقَالَ اقْرَاْ قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ فَاِنَّهَا بَرَآءَةٌ مِّنَ الشِّرْكِ

(۲۰۵۷) روایت ہے حضرت فروہ بن نوفل سے وہ اپنے والد سے راوی۱ کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے ایسی چیز سکھائیے جو میں بستر پر دراز ہوتے وقت پڑھ لیا کروں تب فرمایا قل یا یہا الکافرون

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَالدَّارِمِیُّ) پڑھ لیا کرو۲ کہ یہ شرک سے بیزاری ہے۳ (ترمذی ابوداؤد دارمی)

(۲۰۵۷) ۱؎ فروہ کی صحابیت میں اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ آپ صحابی نہیں بلکہ تابعی ہیں۔ مگر آپ کے والد نوفل صحابی ہیں۔ (اشعہ) ۲؎ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ پڑھتے ہی سو جاؤ یعنی پھر کوئی دنیاوی بات نہ کرو اور اگر کرنا پڑ جائے تو دوبارہ پڑھ لو۳؎ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اس کا عامل انشاء اللہ ایمان پر ہی مرے گا۔ علماء نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔

وَعَنْ عُقْبَۃَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ بَیْنَا اَنَا اَسِیْرُ مَعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَیْنَ الْجُحْفَۃِ وَ الْاَبْوَآءِ اِذْ غَشِیَتْنَا رِیْحٌ وَّظُلْمَۃٌ شَدِیْدَۃٌ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَعَوَّذُ بِاَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَاَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ وَیَقُوْلُ یَا عُقْبَۃُ تَعَوَّذْ بِھِمَا فَمَا تَعَوَّذَ مُتَعَوِّذٌ بِمِثْلِھِمَا (رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۲۰۵۸) روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں کہ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جحفہ اور ابواء کے درمیان سفر کر رہا تھا۱ کہ اچانک ہمیں آندھی اور سخت تاریکی نے گھیر لیا۲ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعوذ فرمانے لگے اعوذ برب الفلق سے اعوذ برب الناس اور فرمانے لگے اے عقبہ ان دونوں سورتوں سے تعوذ کیا کرو کہ کسی پناہ لینے والے نے ان جیسی سے تعوذ نہ کیا۳ (ابوداؤد)

(۲۰۵۸) ۱؎ جحفہ اور ابواء دونوں مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کے درمیان دو مقامات ہیں۔ ابواء تو وہ ہی جگہ ہے جہاں حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ تعالٰی عنہا کی وفات شریف ہوئی۔ جحفہ شام، مصر اور مغرب والوں کا میقات ہے۔ جہاں سے یہاں کے حجاج احرام باندھتے ہیں۔ اسی جگہ کے متعلق حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی کہ خدایا مدینہ کی وبا جحفہ کی طرف منتقل فرما دے۔ چنانچہ وہاں بیماریاں خصوصاً بخار بہت زیادہ ہے۔ حتیٰ کہ اگر پرندہ بھی وہاں سے گزرے تو اسے بھی بخار آ جاتا ہے۔ یہ جگہ رابغ کے پاس ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ اب اسی جحفہ کا نام رابغ ہے۔ جحفہ اور ابواء کے درمیان بیس میل کا فاصلہ ہے (لمعات و مرقاۃ) ۲؎ یعنی کالی آندھی آ گئی اور ہم اس میں گھر گئے سفر میں ایسی صورت بہت تکلیف دہ ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں سورتیں صرف جادو کیلئے ہی نہیں بلکہ دوسری آفتوں میں بھی کام آتی ہیں۔ اگر ان کا تعویذ لکھ کر ساتھ رکھا جائے تو بھی امان ملتی ہے۔ قرآنی آیات سے تعویذ جائز ہے۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ خُبَیْبٍ قَالَ خَرَجْنَا فِیْ لَیْلَۃِ مَّطَرٍ وَّظُلْمَۃٍ شَدِیْدَۃٍ نَّطْلُبُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَدْرَکْنَاہُ فَقَالَ قُلْ قُلْتُ مَا اَقُوْلُ قَالَ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ وَّالْمُعَوِّذَتَیْنِ حِیْنَ تُصْبِحُ حِیْنَ تُمْسِیْ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ تَکْفِیْکَ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ)

(۲۰۵۹) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن خُبَیب سے فرماتے ہیں کہ ہم ایک بارشی اور سخت اندھیری رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھونڈنے نکلے۱ تو ہم نے حضور کو پالیا۔ حضور نے فرمایا کہو میں بولا کیا کہوں فرمایا صبح و شام کے وقت قل ھو اللہ احد اور فلق و ناس تین تین بار پڑھ لیا کرو۲ یہ تمہیں ہر چیز سے کافی ہوں گی۳ (ترمذی ابوداؤد نسائی)

(۲۰۵۹) ۱؎ یعنی ہم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تو آگے بڑھ گئے۔ ہم لوگ پیچھے رہ گئے تو ہم نے رفتار تیز کر دی تاکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جائیں۔ چنانچہ ہم اپنے مطلوب و محبوب تک پہنچ گئے اور اپنے مدعا کو پا لیا۲؎ ہمارے سلسلہ میں ایک عمل ہے کہ بعد نماز فجر و مغرب حسب ذیل سورتیں پڑھ لیا کرے۔ سورہ حشر کا آخری رکوع اذا زلزلت الارض قل یایھا الکفرون قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ تین بار فلق، ناس ہمیشہ اس پر عمل کرے۔ انشاء اللہ دنیاوی مصیبتوں سے محفوظ رہے گا

اور ایمان پر خاتمہ نصیب ہوگا اور مرتے وقت اپنی جنت کی جگہ خواب میں دیکھ لے گا اور قریب موت اسے خواب میں اطلاع دے دی جائے گی کہ تیرا وقت قریب ہے تیاری کر لے۔فقیر نے یہ عمل اپنے بزرگوں سے پایا ہے اور بحمدہ تعالیٰ اس پر عامل ہے۔اس کے نتائج کی اپنے رب سے امید رکھتا ہے۔اللہ نصیب کرے۔۳؎ یعنی تجھ سے ہر آفت کے ٹالنے اور ہر مصیبت کو دفع کرنے میں کافی ہوں گی یا تجھے ہر ورد وظیفے سے غنی کردیں گی کہ ان کے ہوتے تجھے دفع ضرر کیلئے اور کوئی وظیفہ کرنا نہ پڑے گا۔اس دوسرے معنی کی تفسیر وہ حدیث ہے کہ ان سورتوں سے بہتر کوئی تعویذ نہیں یہ بہترین تعویذ و امان ہے۔

وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَقْرَأُ سُوْرَةَ هُوْدٍ اَوْ سُوْرَةَ يُوْسُفَ قَالَ لَنْ تَقْرَأَ شَيْئًا اَبْلَغَ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

(۲۰۶۰) روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا میں سورہ ہود یا سورہ یوسف پڑھا کروں ۱؎ فرمایا تم قُل اعوذ برب الفلق سے بڑھ کر کوئی ایسی سورت نہیں پڑھ سکتے جو آسان تر اور رب کے نزدیک تمام تر ہو۲؎ (احمد،نسائی،دارمی)

(۲۰۶۰)۱؎ اقراء سے ہمزہ استفہامیہ دور کردیا گیا ہے۔یعنی کیا میں آفات سے بچنے اور مصیبتوں کے دفع کرنے کیلئے سورہ یوسف و ہود کا ورد رکھوں۔(لمعات و مرقات) غرضیکہ یہاں تلاوت کی اجازت نہیں چاہ رہے ہیں بلکہ تعوذ کی اجازت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ورد وظیفوں میں شیخ کی اجازت چاہیے۔ورنہ ثواب تو مل جائے گا مگر اثر نہ ہوگا۔یہ حدیث اجازت شیخ کی اصل ہے۔۲؎ یعنی سورۃ فلق پڑھنے میں نہایت آسان ہے کہ مختصر سی سورۃ ہے اور بلائیں دفع کرنے میں تیر بہدف اور جامع ہے کیونکہ اس میں ہر مخلوق کی شر سے پناہ مانگ لی گئی ہے اور وظیفوں و دعاؤں میں جامع وظیفے و دعائیں بہتر ہیں۔مرقات نے فرمایا کہ ممکن ہے اس سے دو سورتیں فلق و ناس مراد ہوں۔یعنی ایک کا ذکر فرما کر دونوں کی اجازت دی ہو کیونکہ سورۃ ناس سورۃ فلق کی ساتھی ہے۔واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْرِبُوا الْقُرْاٰنَ وَاتَّبِعُوْا غَرَآئِبَهٗ وَغَرَآئِبُهٗ فَرَآئِضُهٗ وَحُدُوْدُهٗ

(۲۰۶۱) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو خوب ظاہر کرو۱؎ اور قرآن کے عجائبات کی پیروی کرو اس کے عجائب اس کے فرائض اور اس کے اسرار ہیں۲؎

(۲۰۶۱)۱؎ اے عالمو! قرآن کریم کی لوگوں میں خوب اشاعت کرو۔اسے چھپا نہ رکھو جیسے یہود و نصاریٰ نے اصل توریت و انجیل چھپا دی۔سورج چھپنے کیلئے نہیں نکلتا چمکنے کیلئے نکلتا ہے۔قرآن کو چمکنے دو بلکہ خود بھی چمکاؤ۔اعراب کے معنی ہیں ظاہر کرنا عربی میں حرکات یعنی زیر،زبر،پیش کو اسی لیے اعراب کہتے ہیں کہ اس سے کلمات کی فاعلیت،مفعولیت وغیرہ ظاہر ہو کر عبارت کے معنی ظاہر ہوجاتے ہیں۲؎ یعنی غرائب سے مراد قرآنی متشابہات نہیں کیونکہ ان کی تاویلیں کرنا منع بلکہ مراد قرآنی احکام ہیں جو بہت انوکھے اور نرالے ہیں یا فرائض سے مراد کرنے والے کاموں کے احکام ہیں اور حدود سے مراد نہ کرنے والی چیزیں یا فرائض سے مراد وراثت کے حصے ہیں اور حدود سے مراد باقی دیگر احکام ہیں یا فرائض سے مراد عام فہم معنی و احکام ہیں اور حدود سے مراد قرآنی اسرار ہیں۔یعنی قرآنی احکام اس کے معجزات اس کے وعدے وعید ہیں۔طلباء و عوام پر ظاہر کرو۔طلباء پر مدرسوں میں عوام پر مجلسوں اور وعظوں میں۔قرآن کا ایک ظاہر ہے ایک باطن جیسے انسان کا ظاہر بدن

ہے اور باطن قلب و روح' فرائض میں ظاہر کی طرف اشارہ ہے۔حدود میں باطن کی طرف اس سے معلوم ہوا کہ قرآن شریف کیلئے علم نحو صرف' لغت' بلاغت وغیرہ سیکھنا ضروری ہے کہ ان علموں کے بغیر قرآن کے ہر صفات ظاہر نہ ہو سکتے ہیں نہ کیے جا سکتے ہیں۔

وَعَنْ عَـآئِشَةَ اَنَّ الـنَّبِـيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قِـرَآءَةُ الْقُرْاٰنِ فِي الصَّلٰوةِ اَفْضَلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ فِي غَيْرِ الصَّلٰوةِ وَقِرَاءَةُ الْـقُـرْاٰنِ فِيْ غَيْرِ الصَّلٰوةِ اَفْضَلُ مِنَ التَّسْبِيْـحِ وَالتَّـكْبِيْـرِ وَالتَّسْبِيْـحُ اَفْـضَلُ مِنَ الصَّدَقَةِ وَالصَّدَقَةُ اَفْضَلُ مِنَ الصَّوْمِ وَالصَّوْمُ جُنَّةٌ مِّنَ النَّارِ

(۲۰۶۲) روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز میں قرآن پڑھنا بیرون نماز کی تلاوت سے افضل ہے۱ اور بیرون نماز قرآن شریف پڑھنا تسبیح و تکبیر پڑھنے سے بہتر ہے۲ اور تسبیح پڑھنا خیرات سے بہتر ہے۳ اور خیرات روزے سے افضل ہے۴ اور روزہ آگ سے ڈھال ہے۵

(۲۰۶۲)۱ کیونکہ نماز میں تلاوت سے دو عبادتوں کا اجتماع ہے اور ایک عبادت سے دو افضل ہیں۔نیز نماز میں جو یکسوئی ہوتی ہے وہ بیرون نماز میسر نہیں ہوتی۔نیز نماز میں جو قرب الٰہی نصیب ہوتا ہے۔وہ بیرون نماز نصیب نہیں ہوتا۔اس سے معلوم ہوا کہ دو عبادتوں کا اجتماع افضل ہے۔لہذا فاتحہ ختم وغیرہ بہترین چیز ہے کہ ان میں تلاوت و خیرات کا اجتماع ہوتا ہے یعنی یہ دو عبادتوں کا مجموعہ ہیں۲ کیونکہ تسبیح و تہلیل قرآن کا جز ہیں اور تلاوت میں کل قرآن ہے اور جزء سے کل افضل نیز قرآن میں وظیفہ بھی ہے اور رب تعالٰی کے احکام بھی علماء فرماتے ہیں کہ سجدہ و رکوع و تشہد سے قیام افضل ہے کیونکہ قیام میں تلاوت قرآن ہے۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔شیخ نے فرمایا کہ بیرون نماز تلاوت نماز کی تسبیح و تہلیل سے بھی افضل ہے۔۳ یعنی اس خیرات سے بہتر ہے جو ذکر اللہ سے خالی ہو وجہ ظاہر ہے کہ صدقہ ہے ہمارا کام' تسبیح و تہلیل میں ہے رب کا نام' ہمارے کام سے رب کا نام افضل ہے۔چاہیے کہ خیرات کے وقت اللہ کا ذکر بھی کیا جائے۴ اس وجہ سے کہ صدقہ میں مال راہ خدا میں خرچ کرنا ہے اور روزے میں مال نفس کے لیے روکنا اور بچانا ہے کہ روزہ میں دوپہر کا کھانا بچ جاتا ہے اور مال بچانے سے خرچ کرنا راہ خدا میں بہتر بعض صوفیاء فرماتے ہیں کہ روزہ وہ بہتر جس میں بچا ہوا مال خیرات کر دیا جائے۔یعنی جب نفلی روزہ رکھے تو دوپہر کا کھانا خیرات کر دے تا کہ روزہ خیرات جمع ہو جائیں بلکہ روزہ میں ذکر اللہ زیادہ کرے تا کہ روزہ و تسبیح و تہلیل کا اجتماع نصیب ہو یا یہ وجہ ہے کہ روزہ میں صرف روزہ دار کا نفع ہے اور صدقہ میں دینے والے کا بھی اور فقیر کا بھی بھلا' اور لازم عبادت سے متعدی عبادت بہتر ہے۔خیال رہے کہ یہ فضیلت جزوی ہے ورنہ کلیۃً روزہ خیرات سے بہتر ہے۔لہذا یہ حدیث روزہ کے فضائل کی احادیث کیخلاف نہیں۵ جب روزہ جو ان تمام عبادات میں سے آخر درجہ کی عبادت ہے اس کا یہ فائدہ ہے تو سوچ لو کہ اس سے اوپر والی عبادتوں کا کیا فائدہ ہوگا وہ ہمارے خیال وہم سے وراء ہے۔

وَعَنْ عُثْـمَـانَ بْـنِ عَبْـدِاللّٰهِ بْنِ اَوْسٍ الثَّقَفِيِّ عَنْ جَـدِّهٖ قَـالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِرَاْئَةُ الـرَّجُـلِ الْـقُرْاٰنَ فِـيْ غَيْرِ الْمُصْحَفِ اَلْفُ دَرَجَةٍ وَّقِـرَاْئَـتُـهٗ فِـي الْمَصْحَفِ تُضَعَّفُ عَلٰى ذٰلِكَ اِلٰى اَلْفَيْ دَرَجَةٍ

(۲۰۶۳) روایت ہے حضرت عثمان ابن عبداللہ ابن اوس ثقفی سے وہ اپنے دادا سے راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو بغیر قرآن کریم دیکھے تلاوت کرنا ہزار درجہ ہے۱ اور قرآن میں دیکھ کر تلاوت کرنا اس پر دو ہزار درجہ افضل ہے۲

(۲۰۶۳)۱ یعنی حفظ تلاوت قرآن کا ثواب دیگر عبادت سے ہزار گنا زیادہ ہے۔اس کی وجہ پہلے بیان ہو چکی ۲ یعنی قرآن کریم

میں دیکھ کر تلاوت کرنے کا ثواب دوسری عبادات سے دو ہزار گنا زیادہ یا حفظ تلاوت سے دو ہزار حصہ زیادہ ہے کیونکہ قرآن کریم دیکھنا بھی عبادت ہے اور اس کی تلاوت بھی عبادت تو دیکھ کر پڑھنے والا دوہری عبادت کرتا ہے اور حفظ تلاوت کرنے والا ایک عبادت کرتا ہے۔ خیال رہے کہ چند چیزوں کا دیکھنا عبادت ہے۔قرآن کریم' کعبہ معظمہ' عالم دین کا چہرہ' ماں باپ کو شفقت کی نظر سے دیکھنا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیکھنا تو بڑی ہی عبادت ہے کہ اس سے مومن' صحابی بن جاتا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ هٰذِهِ الْقُلُوْبَ تَصْدَأُ كَمَا يَصْدَأُ الْحَدِيْدُ اِذَا اَصَابَهُ الْمَآءُ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَ مَاجِلَاءُ هَا قَالَ كَثْرَةُ ذِكْرِ الْمَوْتِ وَتِلَاوَةُ الْقُرْاٰنِ (رَوَى الْبَيْهَقِيُّ الْاَحَادِيْثَ الْاَرْبَعَةَ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

(۲۰۶۴) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یہ دل ایسے زنگ آلود ہوتے رہتے ہیں جیسے لوہا پانی لگنے سے زنگ آلود ہو جاتا ہے[۱] عرض کیا گیا یا رسول اللہ ان دلوں کی صیقل کیا ہے[۲] فرمایا موت کی زیادہ یاد[۳] اور قرآن کریم کی تلاوت[۴] ان چاروں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

(۲۰۶۴)[۱] یعنی گناہوں دنیاوی الجھنوں میں مشغولیت ذکر محبوب سے غفلت وغیرہ دل کے زنگ کا سبب ہے۔ یہ زنگ کبھی معمولی ہوتی ہے جو معمولی کوشش سے جاتی رہتی ہے اور کبھی بہت سخت کہ بہت کوشش کے بعد دور ہوتی ہے اور کبھی نا قابل دفع جسے رین اور ختم کہا جاتا ہے۔ رب تعالٰی فرماتا ہے: كَلَّا بَلْ سكتہ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (۸۳'۱۴) کوئی نہیں بلکہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دیا ہے ان کی کمائیوں نے (کنزالایمان) خیال رہے کہ یہاں ھذہ القلوب سے مراد عام انسانوں کے دل ہیں۔ انبیائے کرام اور خاص اولیاء اللہ کے دل اس سے مستثنٰی ہیں جو ہمیشہ حفاظت الٰہی میں رہتے ہیں۔ ان کے لیے ذکر موت اور تلاوت قرآن زیادتی نورانیت کے سبب ہیں[۲] یعنی ہر چیز کی صفائی کے آلات الگ الگ ہیں اور ہر ایک کی پالش جداگانہ ہے تو دلوں کی پالش وصفائی کس چیز سے ہوگی[۳] کیونکہ موت کو یاد کرنے میں دل دنیا سے سرد ہو جاتا ہے۔ آخرت کی طرف راغب ہو کر گناہوں سے متنفر اور نیکیوں کی طرف مائل ہو جاتا ہے جو شخص روزانہ موت کو یاد کر لیا کرے اس کو درجہ شہادت ملے گا۔ اگرچہ طبعی موت سے مرے۔ شامی' اسی لیے زیارت قبور سنت ہے تاکہ اس سے اپنی موت یاد آتی رہے۔ موت خاموش واعظ ہے[۴] کیونکہ قرآن گویا اپنے روحانی دیس کا خط ہے جو ہم پردیسیوں کو وہاں کی یاد دلاتا ہے۔ اس دیس کی یاد اس جسمانی عارضی دیس سے دل سرد کر دیتی ہے۔ یہ بولتا ہوا واعظ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یاد موت کی کثرت دل کا زنگ دور کرتی ہے اور تلاوت مطلقاً خواہ زیادہ ہو یا کم یہ اثر کرتی ہے۔

وَعَنْ اَيْفَعِ بْنِ عَبْدِ الْكَلَاعِيِّ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّ سُوْرَةِ الْقُرْاٰنِ اَعْظَمُ قَالَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ قَالَ فَاَيُّ اٰيَةٍ فِي الْقُرْاٰنِ اَعْظَمُ قَالَ اٰيَةُ الْكُرْسِيِّ اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ قَالَ فَاَيُّ اٰيَةٍ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ تُحِبُّ اَنْ تُصِيْبَكَ وَاُمَّتَكَ قَالَ خَاتِمَةُ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فَاِنَّهَا مِنْ خَزَآئِنِ رَحْمَةِ اللّٰهِ

(۲۰۶۵) روایت ہے حضرت ایفع ابن عبدالکلاعی سے[۱] فرماتے ہیں ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ قرآن کریم کی کونسی سورۃ بہت بڑی ہے فرمایا قل ھو اللہ احد[۲] عرض کیا پھر قرآن کریم کی کونسی آیت بہت بڑی ہے[۳] فرمایا آیۃ الکرسی یعنی اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم[۴] عرض کیا یا نبی اللہ کس آیت کے متعلق آپ چاہتے ہیں کہ اس کی برکت آپ کو اور آپ کی امت کو پہنچے[۵] فرمایا سورہ بقر کی

تَعَالٰی مِنْ تَحْتِ عَرْشِهٖ اَعْطَاهَا هٰذِهِ الْاُمَّةَ لَمْ تَتْرُكْ خَيْرًا مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اِلَّا شْتَمَلَتْ عَلَيْهِ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

آخری آیات ۶؎ کہ وہ اللہ تعالٰی کی رحمت کے عرشی خزانے ہیں جو اللہ نے اس امت کو بخشے ۷؎ ان آیتوں نے دنیا و آخرت کی کوئی بھلائی ایسی نہ چھوڑی جو اپنے میں لے نہ لی ہو ۸؎ (دارمی)

(۲۰۶۵) ۱؎ آپ کا نام ایفع ابن ناکور کلاعی ہے ذوالکلاع یمن کا مشہور قبیلہ ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ آپ صحابی ہیں مگر مرقات نے فرمایا کہ آپ تابعی ہیں۔ کیونکہ آپ یمن سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کیلئے روانہ ہوئے۔ راستہ میں تھے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی ۲؎ کیونکہ اس سورت میں رب تعالٰی کی توحید کا نہایت جامع اور مکمل بیان ہے اور کلام کی عظمت اس کے مضمون کی عظمت سے ہوتی ہے۔ لہذا یہ حدیث ان احادیث کیخلاف نہیں جن میں ارشاد ہوا کہ سورۃ فاتحہ بڑی اعظم سورۃ ہے کہ وہاں اعظمیت اور لحاظ سے ہے کہ وہ بہت سے مضامین کی جامع ہے اور یہاں اعظمیت دوسری حیثیت سے غالبًا یہاں سوال بھی اسی اعظمیت کا تھا۔ لہذا جواب سوال کے مطابق ہے ۳؎ جس میں رب کی ذات وصفات کا مکمل و جامع بیان ہو۔ پہلے سورۃ کے متعلق سوال تھا۔ اب آیت کے متعلق سوال ہے ۴؎ آخر آیت وھو العلی العظیم تک آیۃ الکرسی بہت ہی نافع آیت ہے۔ اس کے فضائل حدوعد سے باہر ہیں ۵؎ یہاں برکت سے مراد دائمی ثواب و فائدہ ہے جو کبھی ختم نہ ہو برکت برکٌ سے بنا بمعنی بیٹھ جانا نہ ہٹنا ۶؎ امن الرسول سے آخر تک اور بہتر یہ ہے کہ للہ ما فی السموت سے آخر تک پڑھا کرے ان خزانوں کا نزول عرش سے ہوا اور اس امت کے سواء کسی امت کو اس جیسی عظیم الشان نعمت نہ ملی ۸؎ کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالٰی کی توحید، ملکیت عامہ، غفاری، ستاری وغیرہ صفات کا بھی اعلٰی بیان ہے اور جامع دعائیں بھی ہیں اور رب تعالٰی کو بندے کا مانگنا بہت محبوب ہے۔ یہ آیت عمومًا اور تہجد کی نماز میں خصوصًا پڑھنا چاہیے اس کے بڑے فائدے دیکھے گئے ہیں۔

وَعَنْ عَبْدِالْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ فَاتِحَةِ الْكِتٰبِ شِفَآءٌ مِنْ كُلِّ دَآءٍ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

(۲۰۶۶) روایت ہے عبدالملک ابن عمیر سے مرسلًا ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سورہ فاتحہ میں ہر بیماری کی دوا ہے ۲؎ (دارمی بیہقی) شعب الایمان

(۲۰۶۶) ۱؎ یہ حدیث مرسل اس لیے ہے کہ عبدالملک ابن عمیر تابعی ہیں۔ امام شعبی کے بعد کوفے کے قاضی رہے۔ بڑے عالم و متقی وہ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صحابی کا ذکر نہ کیا اسی کا نام ارسال ہے ۲؎ جسمانی خیالی اور روحانی تمام بیماریوں کی شفاء مطلق ہے۔ بہت بیماریوں میں مختلف طریقوں سے استعمال کی جاتی ہے اور بہت مفید ہوتی ہے تجربہ ہے۔ ایمان و یقین شرط ہے۔

وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ مَنْ قَرَاَ اٰخِرَ اٰلِ عِمْرَانَ فِيْ لَيْلَةٍ كُتِبَ لَهٗ قِيَامُ لَيْلَةٍ

(۲۰۶۷) روایت ہے حضرت عثمان ابن عفان سے فرمایا جو رات کو آل عمران کی آخری آیات پڑھے اس کیلئے تمام رات عبادت کا ثواب لکھا جائے گا ۱؎

(۲۰۶۷) ۱؎ یہ حدیث اگرچہ حضرت عثمان پر موقوف ہے مگر مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ قرآنی سورتوں کے فضائل عقل سے نہیں معلوم ہو سکتے صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان شریف سے ہی معلوم ہو سکتے ہیں۔ آخر آل عمران سے مراد آیت ان فی خلق السموت والارض سے آخر تک ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیات تہجد کیلئے اٹھنے پر بھی پڑھتے تھے۔ آسمان کے تاروں کو

ملاحظہ فرماتے جاتے اور آیات پڑھتے جاتے تھے۔بہتر یہ ہے کہ تہجد کے وقت اٹھنے پر بھی پڑھے اور نماز تہجد میں بھی مطلب یہ ہے کہ جو کوئی یہ آیتیں رات کے کسی حصہ میں خصوصاً تہجد میں پڑھے تو اسے تمام رات نوافل پڑھنے کا ثواب ملے گا۔سبحان اللہ رب تعالٰی کی عطا ہمارے خیال سے وراء ہے۔

وَعَنْ مَكْحُوْلٍ قَالَ مَنْ قَرَأَ سُوْرَةَ آلِ عِمْرَانَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ صَلَّتْ عَلَيْهِ الْمَلآئِكَةُ اِلَى اللَّيْلِ (رَوَاهُمَا الدَّارِمِيُّ)

(۲۰۶۸) روایت ہے حضرت مکحول سے فرماتے ہیں جو جمعہ کے دن سورۃ آل عمران پڑھے تو رات تک فرشتے اسے دعائیں کرتے رہتے ہیں ۱(دارمی)

(۲۰۶۸)۱یعنی حضرت مکحول شامی جو مشہور تابعی ہیں فرماتے ہیں کہ جو جمعہ کے دن میں پوری سورۃ آل عمران پڑھ لے وہ فرشتوں کی دعاؤں کا مستحق ہے۔دعاؤں سے مراد خاص دعائیں کیونکہ ان کی عام دعائیں تو ہر مسلمان کیلئے وقف ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ہے یہ اگرچہ حضرت مکحول کا قول ہے مگر حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔

وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ خَتَمَ سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ بِآيَتَيْنِ اُعْطِيْتُهُمَا مِنْ كَنْزِهِ الَّذِىْ تَحْتَ الْعَرْشِ فَتَعَلَّمُوْهُنَّ وَعَلِّمُوْهُنَّ نِسَآءَ كُمْ فَاِنَّهَا صَلٰوةٌ وَّ قُرْبَانٌ وَّ دُعَآءٌ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ مُرْسَلاً)

(۲۰۶۹) روایت ہے حضرت جبیر ابن نفیر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالٰی نے سورۃ بقرہ کو ان دو آیتوں پر ختم فرمایا ہے۱ جو مجھے اس کے عرشی خزانہ سے عطا ہوئیں لہذا انہیں سیکھو اور اپنی عورتوں کو سکھاؤ۲ کہ یہ نماز اور باعث قرب الٰہی و دعا ہیں۳ (دارمی) مرسلاً۴

(۲۰۶۹)۱یعنی امن الرسول سے آخر سورۃ تک کی دو آیتیں عرشی خزانوں میں سے ہیں۔خزانوں سے مراد رحمت کے معنوی خزانہ ہیں۔۲یعنی ان دونوں آیتوں کا ایک ایک کلمہ سیکھو اور سکھاؤ اسی لیے ہن جمع مونث ارشاد ہوا ورنہ دو آیتوں کیلئے ضمیر تثنیہ آنی چاہیے تھی۔رب تعالٰی فرماتا ہے ھذان خصمان اختصمو (۲۲:۱۹) اور فرماتا ہے وان طآئفتان من المؤمنين اقتتلوا (۴۹:۹) الخ عورتوں کا ذکر خصوصیت سے اس لیے فرمایا کہ بمقابلہ مردوں کے عورتیں گناہ زیادہ کرلیتی ہیں۔اس لیے یہ دوزخی زیادہ ہیں۔یعنی یہ دو آیتیں اپنے سارے گھر والوں کو سکھاؤ کہ ان کے سکھانے سے چھوٹے بچے جلد سیکھ جائیں گے کہ بچوں کا پہلا مکتب ماں کی گود ہے۔۳ صلٰوۃ سے مراد یا تو استغفار ہے جیسے ان اللہ وملئکته يصلون على النبى میں فرشتوں کی صلٰوۃ سے مراد ہے استغفار یا یہ مطلب ہے کہ نماز میں تلاوت کی جانے والی آیتیں ہیں۔مطلب یہ ہے کہ نماز یا خارج نماز ان آیات کے پڑھنے میں بہت فائدے ہیں۔ان میں دعاء بھی ہے قربت الٰہی بھی استغفار بھی اور ان سے نماز بھی ہوتی ہے کہ ان میں غفرانك بھی ہے اور والیك المصير بھی یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب کا ذریعہ ہے۔ایسی جامعیت دوسری آیات میں کم ہے۔معلوم ہوا کہ آیات کے فضائل کبھی ان کے مضامین کی اہمیت کی وجہ سے بھی ہوتے ہیں۔۴ کیونکہ جبیر ابن نفیر تابعی ہیں۔انہوں نے فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد کیا۔صحابی کا ذکر نہ آیا۔حاکم نے حضرت ابوذر سے مرفوعاً روایت کی تھوڑے فرق سے۔مرقات

وَعَنْ كَعْبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اقْرَءُوْا سُوْرَةَ هُوْدٍ يَوْمَ الْجُمُعَةِ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

(۲۰۷۰) روایت ہے حضرت کعب سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کے دن سورہ ہود پڑھا کرو۱ (دارمی)

(۲۰۷۰)۱؎ہود منصرف بھی ہے اور غیر منصرف بھی اور جمعہ میم کے پیش سے بھی ہے اور سکون سے بھی مگر قرآن کریم میں میم کے پیش سے ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن سورہ ہود پڑھنا بہت برکتوں کا باعث ہے جیسے اسی دن سورہ کہف کی تلاوت دفع بلاء کیلئے ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَاَ سُوْرَةَ الْكَهْفِ فِیْ یَوْمِ الْجُمُعَةِ اَضَآءَ لَهُ النُّوْرُ مَابَیْنَ الْجُمُعَتَیْنِ

رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ فِی الدَّعَوَاتِ الْكَبِیْرِ

(۲۰۷۱) روایت ہے حضرت ابوسعید سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو جمعہ کے دن میں سورہ کہف پڑھے تو اس کا نور ایمانی دوجمعوں کے درمیان چمکتا ہے۱؎

(بیہقی دعوات الکبیر)۲؎

(۲۰۷۱)۱؎یہ چمک اس کے چہرہ پر ہوگی یا دل میں زندگی میں یا قبر میں یا قیامت کے دن اور دوجمعوں کے درمیان سے مراد اتنی مدت اور اتنا وقت ہے جو شخص ہر جمعہ کو یہ پڑھ لیا کرے تو انشاء اللہ ہمیشہ ہی منور ہے یہ سورۃ فتنہ دجال سے امان بھی ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے بلکہ یہ نور ہی دجال کی آفت سے بچنے کا ذریعہ ہوگا۔انشاء اللہ۔۲؎یہ حدیث مختلف طریقوں اور مختلف عبارتوں سے حاکم، دارمی، نسائی، طبرانی، بزار نے بھی روایت کی۔

وَعَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ قَالَ اقْرَاءُ وَالْمُنْجِیَةَ وَهِیَ الٓمّٓ تَنْزِیْلُ فَاِنَّهٗ بَلَغَنِیْ اَنَّ رَجُلاً كَانَ یَقْرَاُهَا مَایَقْرَاُ شَیْئًا غَیْرَهَا وَكَانَ كَثِیْرَ الْخَطَایَا فَنَشَرَتْ جَنَاحَهَا عَلَیْهِ قَالَتْ رَبِّ اغْفِرْلَهٗ فَاِنَّهٗ كَانَ یُكْثِرُ قِرَآتِیْ فَشَفَّعَهَا الرَّبُّ تَعَالٰی فِیْهِ وَقَالَ اكْتُبُوْا لَهٗ بِكُلِّ خَطِیْئَةٍ حَسَنَةً وَّارْفَعُوْا لَهٗ دَرَجَةً وَّقَالَ اَیْضًا اِنَّهَا تُجَادِلُ عَنْ صَاحِبِهَا فِی الْقَبْرِ تَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ مِنْ كِتَابِكَ فَشَفِّعْنِیْ فِیْهِ وَاِنْ لَّمْ اَكُنْ مِنْ كِتَابِكَ فَامْحُنِیْ عَنْهُ وَاِنَّهَا تَكُوْنُ كَالطَّیْرِ تَجْعَلُ جُنَاحَهَا عَلَیْهِ فَتَشْفَعُ لَهٗ فَتَمْنَعُهٗ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَقَالَ فِیْ تَبَارَكَ مِثْلَهٗ وَكَانَ خَالِدٌ لَا یَبِیْتُ حَتّٰی یَقْرَاَهُمَا وَقَالَ طَاوٗسٌ فُضِّلَتَا عَلٰی كُلِّ سُوْرَةٍ فِی الْقُرْاٰنِ بِسِتِّیْنَ حَسَنَةً

(رَوَاهُ الدَّارِمِیُّ)

(۲۰۷۲) روایت ہے حضرت خالد ابن معدان سے۱؎ کہ انہوں نے فرمایا نجات دینے والی سورۃ پڑھا کرو جو الم تنزیل ہے۲؎ مجھے خبر ملی ہے کہ ایک شخص یہ ہی سورۃ پڑھتا تھا اس کے سواء کچھ نہ پڑھتا تھا۳؎ اور وہ تھا بڑا گنہگار تو اس سورۃ نے اس کے اوپر اپنے پر پھیلا دیئے بولی یا ربّ اسے بخش دے۴؎ کیونکہ یہ میری بہت تلاوت کرتا تھا۔ربّ تعالٰی نے اس کے بارے میں اس کی شفاعت قبول کی۵؎ اور فرمایا اس کیلئے ہر گناہ کے عوض نیکی لکھو اور درجہ بلند کرو۶؎ راوی نے یہ بھی فرمایا کہ یہ سورۃ اپنے پڑھنے والے کی طرف سے قبر میں جھگڑے گی کہے گی الٰہی اگر میں تیری کتاب سے ہوں تو اس کے حق میں میری شفاعت قبول کر۷؎ اور اگر میں تیری کتاب سے نہیں ہوں تو مجھے اس سے مٹا دے۸؎ اور وہ پرندے کی طرح ہو جائے گی کہ اس پر اپنے پر پھیلا دے گی۹؎ اس کی شفاعت قبول کی جائے گی اور یہ اسے عذاب قبر سے بچالے گی اور سورہ ملک کے بارے میں اسی طرح فرمایا۱۰؎ اور حضرت خالد اسے بغیر پڑھے نہ سوتے تھے حضرت طاؤس نے فرمایا یہ دونوں سورتیں قرآن کی تمام سورتوں پر ساٹھ گنا بزرگی رکھتی ہیں۱۱؎ (دارمی)

(۲۰۷۲)۱؎آپ مشہور تابعی ہیں۔ستر صحابہ سے آپ کی ملاقات ہے۔ثقہ ہیں عالم ہیں (اشعہ)۲؎یہ سورۃ دنیاوی آفات عذاب قبر

وحشر سے نجات کا ذریعہ ہے اس لیے اسے منجیہ کہتے ہیں۔ جب قرآنی سورۃ کو منجیہ کہنا درست ہے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی منجی یعنی نجات دہندہ کہا جا سکتا ہے۳؎ یعنی صرف اس سورۃ کا وظیفہ کرتا تھا۔ اس کے سوائے اس کا کوئی ورد وظیفہ نہ تھا۔۴؎ یعنی جب وہ قبر میں گیا تو یہ سورت پرندے کی شکل میں نمودار ہوئی اور اس پر اپنے پروں کا سایہ کرلیا تاکہ اس شخص پر عذاب نہ آ سکے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ خبر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو دی ہو۔ بعض صحابہ سے بعض گناہ سرزد ہوئے ہیں مگر اس میں فاسق کوئی نہیں گناہ اور ہے فسق کچھ اور۔۵؎ یعنی اس شفاعت کی برکت سے عذاب قبر دفع ہی ہوگیا۔ اولاً تو اس نے عذاب قبر سے بچایا پھر دفع کیا۔۶؎ یعنی اس کے نامہ اعمال سے سارے گناہ مٹادو اور ہر گناہ پر نیکی کا ثواب دو۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ گناہ ہٹا کر یہ لکھ دو کہ اس نے نیکیاں کیں کہ یہ تو جھوٹ ہے۔ ربّ تعالٰی فرماتا ہے: فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنٰتٍ (۲۵:۷۰) (کنزالایمان) بادشاہ خوش ہوتے ہیں تو گالی پر انعام دے دیتے ہیں گا ہے بدشنام خلعت دہند' لہٰذا حدیث واضح ہے۔ خیال رہے کہ خَطِیْئَۃٌ سے مراد حقوق اللہ کے گناہ صغیرہ ہیں نہ کہ حقوق العباد' لہٰذا اس سے یہ لازم نہیں کہ الم تنزیل پڑھنے والا لوگوں کے مال مارے چوری ڈکیتی کرتا رہے اور اس کو ان جرموں پر ثواب ملے۔۷؎ اور اس کی قبر میں وسعت' نور کردے اور اسے سوالات نکیرین میں کامیاب فرمادے کیونکہ یہ مجھے بہت تلاوت کرتا تھا۔ آج اس کا پھل اسے دے۔۸؎ یعنی مجھے لوح محفوظ سے مٹادے یا قرآنی اوراق سے یا اس کے سینے سے نکال دے۔ یہ ناز کی عرض ومعروض ہے جیسے ناز پروردہ غلام اپنے آقا سے کہے کہ اگر میں تیرا غلام ہوں تو میری بات مان ورنہ مجھے فروخت فرمادے یا بیٹا باپ سے عرض کرے کہ اگر میں آپ کا فرزند ہوں تو میرے حق کا لحاظ فرمائیں اگر نہیں ہوں تو مجھے اپنے گھر سے باہر نکال دیجئے۔ لہٰذا یہ اگر مگر شک وتردد کے لیے نہیں۔۹؎ یعنی جیسے مرغی یا چڑیا اپنے بچوں کو اپنے پروں میں لے لیتی ہے جس سے بچوں تک باہر کی تکلیف نہیں پہنچنے پاتی' ایسے ہی یہ سورۃ اپنے عامل کو قبر وقیامت میں اپنے پروں میں لے لے گی جس سے اس شخص تک گرمی' وحشت' دہشت وغیرہ نہ پہنچ سکے گی۔۱۰؎ حضرت خالد ابن معدان نے سورہ ملک کے فضائل بھی تقریباً ایسے ہی بیان کیے۔۱۱؎ یعنی بعض خصوصی فائدوں میں دوسری تمام سورتوں سے ساٹھ گنا زیادہ ہیں یا بعض حالات میں ان کی تلاوت دوسری سورتوں کی تلاوت سے ساٹھ گنا زیادہ مفید ہو جیسے نماز وتر میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی اور قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ اور قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ پڑھنا بہت بہتر ہے اور جمعہ کی فجر میں سورۃ سجدہ اور سورہ دھر کی تلاوت افضل ہے۔ لہٰذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص کے فضائل تو بہت ہیں۔

وَعَنْ عَطَآءِ بْنِ اَبِیْ رَبَاحٍ قَالَ بَلَغَنِیْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَأَ یٰسٓ فِیْ صَدْرِ النَّھَارِ قُضِیَتْ حَوَآئِجُہٗ (رَوَاہُ الدَّارِمِیُّ مرسلاً)

(۲۰۷۳) روایت ہے حضرت عطاء ابن ابی رباح سے۱؎ فرماتے ہیں مجھے خبر ملی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شروع دن میں سورہ یٰسین پڑھ لے اس کی تمام ضرورتیں پوری ہوں گی۲؎ (دارمی مرسلاً)

(۲۰۷۳)۱؎ آپ جلیل القدر تابعی بے مثل عالم اور بے نظیر فقیہ تھے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے عطاء سے بڑا تو کیا ان جیسا عالم وفقیہ نہ دیکھا' سیاہ رنگ' ایک آنکھ' چپٹی ناک' ایک ہاتھ شل تھا' پاؤں سے لنگڑے تھے' آخر عمر میں نابینا ہوگئے تھے۔ اٹھاسی سال عمر پائی ۱۱۵ھ میں وفات ہوئی۔ امام احمد ابن حنبل فرماتے ہیں اگر علم نسب یا دوسری خصوصیات سے ملتا تو عطاء کو نہ ملتا کہ ان میں کوئی ظاہر خصوصیت نہ تھی مگر علم کے خزانے ان کے سینے میں تھے۔ مالک ہے وہ جس کی عطاء کسی کے کمال پر موقوف نہیں شعر:

داد حق را قابلیت شرط نیست بلکہ شرط قابلیت داد اوست

آپ نے حضرت ابن عباس، ابوہریرہ، ابوسعید خدری، جابر، ابن عمر، عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے احادیث لیں اور ان سے فیوض حاصل کیے۲؎ بعض بزرگ نماز فجر کے بعد سورہ یٰسین کی تلاوت کرتے ہیں۔ان کی اصل یہ حدیث ہے۔یہ عمل نہایت مجرب ہے۔اس کا عامل انشاء اللہ کبھی فقروفاقہ یا دیگر آفات میں نہ پھنسے گا۔دفع حاجات کیلئے یہ سورۃ اکسیر ہے۔

وَعَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ الْمُزَنِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَا يٰسٓ اِبْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ تَعَالٰى غُفِرَلَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ فَاقْرَءُوْهَا عِنْدَ مَوْتَاكُمْ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

(۲۰۷۴) روایت ہے حضرت معقل ابن یسار مزنی سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو رضائے الٰہی کیلئے سورہ یٰسین پڑھے اس کے گزشتہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۱؎ لہذا اسے مرنے والے کے پاس پڑھا کرو۲؎ (بیہقی شعب الایمان)

(۲۰۷۴)۱؎ یہ سورۃ یٰسین کا اخروی فائدہ ہے یعنی اس کی تلاوت کرنے والا دنیاوی آفات سے محفوظ رہے گا اور اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔انشاء اللہ کبیرہ گناہ بھی (مرقات)۲؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں موتی سے مراد وہ ہے جس کی جان نکل رہی ہو۔قریب الموت ہو۔ایسی حالت میں سورۃ یٰسین تلاوت کرنے کا عام رواج ہے۔اس کی اصل یہ حدیث ہے۔چونکہ اس سورۃ سے مشکل بھی حل ہوتی ہے اور گناہ بھی معاف،اس لیے اس وقت سورۃ یٰسین پڑھنا نہایت مناسب ہے اور ہوسکتا ہے کہ موتی سے مراد میت ہی ہو یعنی قبر پر یا دفن سے پہلے سورہ یٰسین پڑھا کرو پہلے معنی زیادہ موزوں ہیں (لمعات ومرقات)

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهٗ قَالَ اِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ سَنَامًا وَاِنَّ سَنَامَ الْقُرْاٰنِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ وَاِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ لُبَابًا وَاِنَّ لُبَابَ الْقُرْاٰنِ الْمُفَصَّلُ رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ

(۲۰۷۵) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے انہوں نے فرمایا کہ ہر چیز کی ایک بلندی ہے اور قرآن کی بلندی سورہ بقر ہے۱؎ اور ہر چیز کا ایک خلاصہ ہے اور قرآن کا خلاصہ مفصل ہے۲؎ (دارمی)

(۲۰۷۵)۱؎ یعنی اونٹ کا حسن اونچے کوہان سے ہے۔مسجد کا حسن اونچے میناروں سے ہے اور قرآن کا حسن سورہ بقرہ سے ہے کہ اکثر احکام شرعیہ اسی سورۃ میں ہیں اور آیات جہاد بھی اسی سورۃ میں ہیں اور جہاد سے اسلام وقرآن سب ہی کی بقاء ہے۔نیز یہ سورۃ تمام سورتوں سے بڑی ہے۔۲؎ سورہ حجرات سے والناس تک کو مفصل کہتے ہیں۔اس کے تین حصے ہیں حجرات سے بروج تک طوال مفصل ہے اور بروج سے لم یکن تک اوساط اور لم یکن سے والناس تک قصار،مرقات نے فرمایا کہ بقیہ قرآن کے مضامین توریت وانجیل کے مضامین کے مشابہ ہیں مگر مفصل کے مضمون بے مثال ہیں۔ایسے ہی مفصل میں اکثر ان مضامین کی تفصیل کردی گئی ہے جو بقیہ قرآن میں اجمالاً مذکور ہوئے۔اس لیے اسے خلاصہ قرآن فرمایا گیا۔

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لِكُلِّ شَيْءٍ عُرُوْسٌ وَّعُرُوْسُ الْقُرْاٰنِ الرَّحْمٰنُ

(۲۰۷۶) روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ہر چیز کی ایک زینت ہے اور قرآن کی زینت سورہ رحمٰن ہے۱؎

(۲۰۷۶)۱؎ چند وجہ سے سورہ رحمان کو قرآن کی دلہن،زینت فرمایا گیا۔اس سورۃ میں اللہ تعالٰی کی ذات وصفات کا ذکر ہے اور ذات وصفات پر اعتقاد ایمان کی زینت ہے۔اس سورۃ میں جنت کی حوروں ان کے حسن وجمال،ان کے زیورات کا ذکر ہے یہ چیزیں

جنت کی زینت ہیں۔ اس سورۃ میں آیت کریمہ: فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (۵۵:۱۳) تو اے جن و انس! تم دونوں اپنے رب کی کونسی نعمت جھٹلاؤ گے (کنزالایمان) ستائیس جگہ ارشاد ہوا اس سے سورۃ کی زینت زیادہ ہوگئی۔ خیال رہے کہ عربی میں عروس دولہا کو بھی کہتے ہیں اور دلہن کو بھی یہ عرس سے بنا ہے بمعنی شادی بارات چونکہ دولہا دلہن کو نہایت آراستہ پیراستہ کیا جاتا ہے۔ اس لیے پھر یہ لفظ بمعنی زینت و زیبائش استعمال ہونے لگا۔ یہاں اسی مجازی معنی میں ارشاد ہوا ہے۔ جنت میں رب تعالیٰ سورہ رحمان کی تلاوت فرمائے گا۔ جنتی سنیں گے۔ اس سننے سے جو لذت و سرور حاصل ہوگا وہ بیان بلکہ گمان سے وراء۔ آج اچھے قاری کی تلاوت سن کر لوگ لوٹ پوٹ ہو جاتے ہیں تو رب تعالیٰ کی تلاوت کیسی ہوگی۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ سُوْرَةَ الْوَاقِعَةِ فِيْ كُلِّ لَيْلَةٍ ثُمَّ لَمْ تُصِبْهُ فَاقَةٌ اَبَدًا وَّكَانَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ يَأْمُرُ بَنَاتِهٖ يَقْرَأْنَ بِهَا فِيْ كُلِّ لَيْلَةٍ (رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

(۲۰۷۷) روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو ہر رات سورہ واقعہ پڑھا کرے تو اسے فاقہ کبھی نہ ہوگا۱ حضرت ابن مسعود اپنی لڑکیوں کو حکم دیتے تھے کہ ہر رات یہ پڑھا کریں۲ یہ دونوں حدیثیں بیہقی شعب الایمان میں مروی ہیں۔

(۲۰۷۷)۱ بعض شارحین نے اس حدیث کی تاویلیں کی ہیں کہ اسے فاقہ میں بے صبری نہ ہوگی یا اسے توکل نصیب ہوگا یا اسے دلی فاقہ یعنی عبادت سے غفلت نہ ہوگی مگر حق یہ ہے کہ حدیث ظاہر پر ہے۔ سورہ واقعہ ہر رات پڑھنے والا فقر و فاقہ سے محفوظ رہتا ہے۔ یہ عمل بہت مجرب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بعض سورتوں' آیتوں میں دنیاوی فائدے بھی رکھے ہیں تاکہ لوگوں کو تلاوت قرآن کی رغبت ہو مختلف آیتوں میں مختلف دنیاوی تاثیریں بھی رکھی گئی ہیں (لمعات)۲ تاکہ تلاوت کا ثواب بھی پائیں اور فقر و فاقہ سے محفوظ بھی رہیں۔ معلوم ہوا کہ دنیاوی نفع و اثر کیلئے بھی قرآن پاک پڑھنا جائز ہے۔ ہاں ناجائز مقاصد کیلئے قرآن کریم پڑھنا یا کوئی عمل کرنا جرم ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم قرآنی آیات اور دوسری دعائیں بیماروں پر استعمال فرماتے تھے۔ شفا کے لیے۔

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ هٰذِهِ السُّوْرَةَ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

(۲۰۷۸) روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سورۃ سے محبت کرتے تھے سبح اسم ربك الاعلی۱ (احمد)

(۲۰۷۸)۱ چنانچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی پہلی رکعت میں یہ ہی سورۃ پڑھتے تھے۔ ویسے بھی اس کی تلاوت زیادہ کرتے تھے۔ اس لیے کہ اس سورۃ میں حضرت ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام اور ان کے صحیفوں کا بھی ذکر ہے اور مشکلات آسان کرنے کا بھی وعدہ ہے جیسے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سورہ فتح دنیا و ما فیہا سے زیادہ پیاری ہے کہ اس میں فتح مکہ کا وعدہ ہے۔ مغفرت کی بشارت ہے۔ مرقات میں اس جگہ فرمایا کہ انسان اپنے اوقات کے تین حصے کرے ایک حصہ میں اپنے نفس کا حساب لے کہ میں نے آج کتنے جرم کیے اور کیوں کیے۔ دوسرے حصہ میں اللہ تعالیٰ کی صنعتوں پر غور کرے۔ تیسرے حصے میں تلاش معاش کرے۔ اس سورۃ میں یہ تینوں چیزیں صراحۃً یا اشارۃً مذکور ہیں۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ اَتٰی رَجُلُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَقْرِءْنِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَقَالَ اِقْرَءْ ثَلٰثًا مِنْ ذَوَاتِ الٓرٰ فَقَالَ کَبُرَتْ سِنِّیْ وَاشْتَدَّ قَلْبِیْ وَغَلُظَ لِسَانِیْ قَالَ فَاقْرَا ثَلٰثًا مِنْ حٰمٓ فَقَالَ مِثْلُ مَقَالَتِہٖ قَالَ الرَّجُلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَقْرِءْنِیْ سُوْرَۃً جَامِعَۃً فَاَقْرَاَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا زُلْزِلَتْ حَتّٰی فَرَغَ مِنْھَا فَقَالَ الرَّجُلُ وَالَّذِیْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا اَزِیْدُ عَلَیْہِ اَبَدًا ثُمَّ اَدْبَرَ الرَّجُلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَفْلَحَ الرُّوَیْجِلُ مَرَّتَیْنِ
(رَوَاہُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۲۰۷۹) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا بولا یا رسول اللہ مجھے قرآن سکھایئے ۱؎ فرمایا الٓرٰ والی تین سورتیں پڑھا کرو ۲؎ عرض کیا میری عمر بہت ہوچکی دل سخت اور زبان موٹی ہوچکی ۳؎ فرمایا تو حم والی تین سورتیں پڑھا کرو ۴؎ تو اس نے پھر وہ ہی عذر کیا پھر وہ بولا یا رسول اللہ مجھے کوئی جامع سورۃ سکھایئے ۵؎ تو اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ اذا زلزلت پڑھائی حتیٰ کہ اس سے فارغ ہوگئے ۶؎ وہ شخص بولا اس کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اس پر کبھی کچھ زیادتی نہ کروں گا ۷؎ اس نے پیٹھ پھیری تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبار فرمایا یہ شخص کامیاب بامراد ہو گیا ۸؎ (احمد، ابوداؤد)

(۲۰۷۹) ۱؎ یعنی تلاوت قرآن کی اجازت دیجئے یا قرآنی ورد وظیفے بتایئے جو میں پڑھا کروں۔ یہ مطلب نہیں کہ مجھے قرآنی الفاظ کے ہجے یا رواں کرنا سکھایئے جیسا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب سے معلوم ہو رہا ہے ۲؎ یعنی جن سورتوں کے اول میں الف لام را ہے۔ ان میں سے تین سورتیں روزانہ پڑھ لیا کرو۔ بہت فوائد دیکھو گے۔ ۳؎ یعنی یہ سورتیں ہیں لمبی اور بڑھاپے کی وجہ سے میرا دل قابو میں ہے نہ زبان، زیادہ لمبے ورد نہیں پڑھ سکتا۔ بہت زیادہ تلاوت نہیں کرسکتا۔ ۴؎ یعنی اگر الٓر والی دراز سورتیں روزانہ نہیں پڑھ سکتے تو حم والی سورتیں پڑھ لیا کرو کہ یہ ان سے چھوٹی ہیں۔ ۵؎ یعنی ایسی سورۃ بتایئے جو پڑھنے میں آسان ہو۔ الفاظ میں مختصر ہو۔ فوائد میں جامع ہو کہ بڑی بڑی سورتوں کے فضائل وفوائد رکھتی ہو۔ جامع سے یہ ہی مراد ہے۔ ۶؎ یعنی اس سے یہ سورت سنی اور سن کر اس کے ورد کی اجازت دے دی۔ حضرات صوفیاء دلائل الخیرات شریف وغیرہ وظیفے مریدوں کو سکھاتے ہیں۔ پھر ان سے سنتے ہیں۔ پھر ان کی اجازت دیتے ہیں جس سے ان کی تاثیر بہت زیادہ ہوجاتی ہے۔ اس سننے اور اجازت دینے کی اصل یہ حدیث بھی ہے کہ اس شخص نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اذا زلزلت کے عمل کی اجازت لی۔ حضور علیہ السلام نے اسے اجازت مرحمت فرمائی کلام کے اثر کے ساتھ زبان کی تاثیر بھی چاہیے۔ کارتوس کی طاقت کے ساتھ رائفل کی قوت بھی ضروری ہے۔ ۷؎ یعنی صرف اسی سورت کا وظیفہ کیا کروں گا۔ اگرچہ تلاوت سارے قرآن شریف کی کیا کروں گا۔ یہ مطلب نہیں کہ سوائے اسی سورۃ کے اور کوئی آیت یا سورۃ کبھی نہ پڑھوں گا کہ یہ تو غلط ہے۔ نماز میں الحمد شریف پڑھنا واجب ہے اور اس کے بعد سورتیں بدل کر پڑھنا بھی ضروری ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مرید شیخ کے بتائے ہوئے ورد وظیفے میں نہ تو زیادتی کمی کرے نہ تبدیلی کرے ورنہ اثر نہ ہوگا۔ ۸؎ سورۃ اذا زلزلت فضائل وفوائد کے لحاظ سے بھی جامع ہے اور احکام، مسائل شریعت وطریقت میں جامع ہے۔ اس کی ایک آیت میں دونوں جہان جمع ہیں: فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ (۹۹، ۷) تو جو ایک ذرہ بھر بھلائی کرے گا اسے دیکھے گا اور جو ایک ذرہ بھر برائی کرے اسے دیکھے گا۔ (کنزالایمان) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو جامعہ فاذہ فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہر شخص کے

آئندہ کے عمل اور اس کے خاتمہ کو جانتے ہیں۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں اس شخص کے متعلق دوخبریں دیں۔ایک یہ کہ اسے اس عمل کے نبھانے کی توفیق ملے گی۔دوسرے یہ کہ اس کا انجام بخیر ہوگا۔کیونکہ کامیابی انہیں چیزوں پر موقوف ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا يَسْتَطِيْعُ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّقْرَأَ اَلْفَ اٰيَةٍ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ قَالُوْا وَمَنْ يَّسْتَطِيْعُ اَنْ يَّقْرَأَ اَلْفَ اٰيَةٍ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ قَالَ اَمَا يَسْتَطِيْعُ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّقْرَاَ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

(۲۰۸۰) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تمہارا کوئی یہ نہیں کرسکتا کہ روزانہ ہزار آیتیں پڑھ لیا کرے لوگ بولے روزانہ ہزار آیتیں کون پڑھ سکتا ہے[۱] فرمایا کیا کوئی یہ نہیں کرسکتا الھکم التکاثر پڑھ لیا کرے[۲] (بیہقی شعب الایمان)

(۲۰۸۰)[۱] یعنی ایک دو دن تو آدمی تمام کام بند کر کے ایک ہزار آیتیں پڑھ سکتا ہے۔روزانہ نہیں پڑھ سکتا۔ورنہ دوسرے کاموں کیلئے وقت نہ ملے گا۔ہم لوگ کاروبار بھی کرتے ہیں[۲] کہ اس کی تلاوت میں ایک ہزار آیتوں کی تلاوت و عمل کا ثواب ہے۔قرآن کریم میں چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ ۶۶۶۶ آیتیں ہیں۔کسر کو نکالو تو چھ ہزار آیات رہتی ہیں اور مقاصد قرآن چھ ہیں۔جن میں سے ایک ہے آخرت کی پہچان یہ سورہ تکاثر میں موجود ہے۔اس لیے یہ سورۃ گویا قرآن کریم کا تقریباً چھٹا حصہ ہے۔اس میں غور کرنے سے دنیا سے بے رغبتی ہوتی ہے۔آخرت میں رغبت جس سے نفس گناہوں سے متنفر اور نیکیوں میں راغب ہوتا ہے۔

وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ مُرْسَلاً عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَأَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ عَشَرَ مَرَّاتٍ بُنِيَ لَهٗ بِهَا قَصْرٌ فِي الْجَنَّةِ وَمَنْ قَرَأَ عِشْرِيْنَ مَرَّةً بُنِيَ لَهٗ بِهَا قَصْرَانِ فِي الْجَنَّةِ وَمَنْ قَرَأَهَا ثَلٰثِيْنَ مَرَّةً بُنِيَ لَهٗ بِهَا ثَلٰثَةُ قُصُوْرٍ فِي الْجَنَّةِ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَاللّٰهِ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِذًا لَّنُكْثِرَنَّ قُصُوْرَنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُ اَوْسَعُ مِنْ ذٰلِكَ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

(۲۰۸۱) روایت ہے حضرت سعید ابن مسیب سے ارسالاً وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا جو قل ہو اللہ احد دس بار پڑھے اللہ اس کیلئے جنت میں محل تیار کرے گا اور جو بیس بار پڑھے اللہ اس کی برکت سے جنت میں دو محل تیار کرے گا اور جو اسے تیس بار پڑھے اللہ اس کی برکت سے جنت میں تین محل تیار کرے گا[۱] حضرت عمر ابن الخطاب نے عرض کیا یا رسول اللہ تب تو اللہ کی قسم ہم اپنے محل بہت بنوالیں گے[۲] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اس سے بھی زیادہ وسعت والا ہے[۳] (دارمی)

(۲۰۸۲)[۱] خلاصہ یہ ہے کہ ہر دس بار پر ایک بے مثل محل کا عطیہ ہے۔یہ تکرار اس لیے مذکور ہوئی کہ کوئی شخص یہ نہ خیال کرلے کہ محل کی عطا صرف پہلے دس بار پر تو ہے بعد میں نہیں،وسعت عطا ظاہر فرمانے کیلئے ارشاد فرمایا کہ جتنے دہاکے پڑھو گے اتنے ہی محل پاؤ گے[۲] یہ عرض معروض تعجب کے طور پر ہے کہ اگر ربّ کی عطا کا یہ حال ہے تو ہم میں سے ہر شخص خوب تلاوت سورہ اخلاص کیا کرے گا اور خوب محل بنوائے گا[۳] یعنی اے عمر تم اس عطاء پر تعجب نہ کرو۔ربّ کی جنت بہت وسیع ہے اور اس کی عطاء بہت زیادہ اگر تمام انسان ایمان لاکر ہزار ہا بار روزانہ سورہ اخلاص کی تلاوت کیا کریں تو ہر ایک کو اسی حساب سے جنتی محل عطا فرمائے گا اور اس کے خزانوں میں کچھ بھی کمی نہ ہوگی۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ربّ تعالٰی کی عطا کے مظہر اتم ہیں۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض موقع پر معمولی خدمت پر جنت بخش دی۔شعر

جھولیاں کھولے ہوئے یونہی نہ دوڑے آتے
ہم کو معلوم ہے دولت تری عادت تیری

وَعَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلًا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَأَ فِیْ لَیْلَۃٍ مِّائَۃَ اٰیَۃٍ لَّمْ یُحَاجَّہُ الْقُرْاٰنُ تِلْکَ اللَّیْلَۃَ وَمَنْ قَرَأَ فِیْ لَیْلَۃٍ مِّائَتَیْ اٰیَۃٍ کُتِبَ لَہٗ قُنُوْتُ لَیْلَۃٍ وَّمَنْ قَرَاَ فِیْ لَیْلَۃٍ خَمْسَ مِائَۃٍ اِلَی الْاَلْفِ اَصْبَحَ وَلَہٗ قِنْطَارٌ مِّنَ الْاَجْرِ قَالُوْا وَ مَا الْقِنْطَارُ قَالَ اثْنَا عَشَرَ اَلْفًا (رَوَاہُ الدَّارِمِیُّ)

(۲۰۸۲) روایت ہے حضرت حسن سے[۱] ارسالاً کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ایک رات میں سو آیتیں پڑھے تو قرآن شریف اس رات کے متعلق اس سے خصومت نہ کرے گا[۲] اور جو رات میں دو سو آیتیں پڑھے تو اس کیلئے تمام رات کی عبادت لکھی جائے گی اور جو رات میں پانچ سو سے ہزار آیتوں تک پڑھے تو اسے صبح ہونے پر ثواب کا ڈھیر ملے گا۔عرض کیا ڈھیر کتنا فرمایا بارہ ہزار[۳] (دارمی)

(۲۰۸۲)[۱] محدثین جب حسن مطلق بولتے ہیں تو حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ مراد ہوتے ہیں جو جلیل القدر تابعی ہیں۔[۲] قیامت میں قرآن شریف کی ایک شکل وصورت ہوگی۔وہ اپنے عاملوں کی شفاعت اور غافلوں کی شکایت کرے گا۔قرآن کریم کی دو شکایتیں ہوں گی۔ایک تو اس کیخلاف عمل کرنے والے کی۔دوسرے اس حافظ کی جو قرآن کریم کا دور نہ کرے۔حتی کہ اسے بھول جائے۔یہاں دوسری شکایت کا ذکر ہے یعنی جو حافظ ہر شب سو آیتیں تلاوت کرلیا کرے تو قرآن کریم اس حافظ کی یہ شکایت نہ کرے گا۔لہٰذا حدیث بالکل واضح ہے۔بلاوجہ کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔قرآن سے یہ ہی قرآن مراد ہے جو ہم پڑھا کرتے ہیں اور شکایت سے ظاہری شکایت ہی مراد ہے[۳] بارہ ہزار درہم یا دینار یا بارہ ہزار اوقیہ خیرات کرنے کا ثواب ملے گا اور ایک اوقیہ آسمان و زمین کی وسعت سے زیادہ وسیع، غرضیکہ رب تعالٰی کی عطا ہمارے فہم وسمجھ سے وراء ہے۔(مرقات وغیرہ) عربی میں قنطار بہت مال کو کہتے ہیں۔رب تعالٰی نے فرمایا: اٰتَیْتُمْ اِحْدٰھُنَّ قِنْطَارًا (۴:۲۰) اور اسے ڈھیروں مال دے چکے ہو۔(کنزالایمان)

بَابُ اٰدَابُ التِّلَاوَۃِ — باب آداب تلاوت

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

مشکوٰۃ شریف کے بعض نسخوں میں صرف باب ہے۔یعنی قرآن کریم کے متعلق متفرق مسائل کا باب، اور بعض نسخوں میں بـــاب اداب التلاوۃ ہے اور بعض نسخوں میں ہے باب اداب التلاوۃ و درس القرآن (اشعہ)

عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَعَاھَدُوا الْقُرْاٰنَ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَھُوَ اَشَدُّ تَفَصِّیًا مِّنَ الْاِبِلِ فِیْ عُقُلِھَا (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

(۲۰۸۳) روایت ہے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی نگرانی رکھو[۱] اس کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ قرآن رسی میں بندھے اونٹ سے زیادہ بھاگ جانے والا ہے[۲] (مسلم، بخاری)

(۲۰۸۳)[۱] تعاھد عہد سے بنا بمعنی حفاظت ونگرانی، مضبوط وعدے کو بھی اسی لیے عہد کہتے ہیں کہ اس کی حفاظت کی جاتی ہے۔

قرآن شریف کی نگرانی کرنے سے مراد ہے اس کا دور کرتے رہنا۔اس کی تلاوت کی عادت ڈالنا۔خصوصاً حافظ صاحبان کیلئے ظاہر یہ ہے کہ قرآن سے مراد الفاظ قرآن' معانی قرآن' علوم قرآن' علوم قرآن اور مسائل قرآن سب ہی ہیں۔یعنی حفاظ اپنے حفظ کی' قاری صاحبان تجوید کی' علماء علوم قرآنیہ کی تجدید وتکرار کرتے رہیں۔ورنہ بھول جانے کا اندیشہ ہے۔۲؎ عقل عین وقاف کے پیش سے ہے عقال کی جمع بمعنی رسی جس سے جانور باندھا جاوے۔یہاں فی بمعنی من ہے یعنی جیسے اونٹ کو باندھنے کے باوجود اس سے غافل نہیں ہوتے۔اسی طرح قرآن شریف حفظ کرنے کے باوجود اپنی یاد پر اعتماد نہ کرو۔یہ بہت جلد بھول جاتا ہے۔کیوں نہ ہو کہ کلام الٰہی قدیم اور ہم حادث ہم کو اس سے نسبت ہی کیا ہے۔یہ رب تعالٰی کی مہربانی ہے کہ ہم اسے سیکھ لیتے ہیں اور یہ ہمارے ذہنوں میں سما جاتا ہے تو ہماری ذرا سی غفلت اور لاپرواہی سے یہ نعمت ہم سے جاتی رہے گی۔پان والے ہمیشہ پان کے ڈھیر کو لوٹتے پلٹتے رہتے ہیں' تو قرآن والے ہمیشہ اس کی لوٹ و پلٹ رکھیں۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِئْسَ مَالِاَحَدِهِمْ اَنْ يَّقُوْلَ نَسِيْتُ اٰيَةَ كَيْتَ وَكَيْتَ بَلْ نُسِّيَ وَاسْتَذْكِرُوا الْقُرْاٰنَ فَاِنَّهٗ اَشَدُّ تَفَصِّيًا مِّنْ صُدُوْرِ الرِّجَالِ مِنَ النَّعَمِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَزَادَ مُسْلِمٌ بِعُقُلِهَا)

(۲۰۸۴) روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کا یہ کہنا برا ہے کہ میں فلاں آیت بھول گیا بلکہ وہ بھلا دیا گیا۱؎ اور قرآن یاد کرتے رہو کیونکہ قرآن لوگوں کے سینوں سے وحشی جانور سے بھی زیادہ بھاگ جانے والا ہے۲؎ مسلم بخاری اور مسلم نے یہ زیادہ کیا کہ اپنی رسی سے۔

(۲۰۸۴)۱؎ یعنی کسی شخص کو قرآن شریف یا کوئی یاد کی ہوئی سورۃ یا آیت یاد نہ رہے تو یہ نہ کہے کہ میں بھول گیا کیونکہ اس میں اپنے گناہ کا اعلان ہے اور قرآن شریف کی بے ادبی' اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ میں نے قرآن شریف سے لاپرواہی برتی کہ اسے چھوڑ دیا۔اسی لیے بھول گیا۔یہ عیب کفار کا ہے اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى (۲۰:۱۲۶) بلکہ یوں کہے کہ مجھے رب تعالٰی کی طرف سے بھلا دیا گیا۔اس کلام میں اظہار حسرت ہے۔یعنی ہائے افسوس میں اس نعمت سے محروم کر دیا گیا۔رب تعالٰی فرماتا ہے: مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا (۲:۱۰۶) جب کوئی آیت ہم منسوخ فرمائیں یا بھلا دیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی لے آئیں گے (کنزالایمان) بجائے اعلان گناہ کے اظہار حسرت کرے کہ اعلان گناہ بھی گناہ ہے اور اظہار حسرت ثواب' خیال رہے کہ یہ حکم استحبابی ہے۔لہٰذا یہ حدیث اس حدیث کیخلاف نہیں جس میں ارشاد ہوا رجل اوتسی اية فنسيها حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو ایک آیت کی تلاوت کرتے سنا تو فرمایا لقد اذكرني اية كنت اسقطتها اس جملہ کی اور کئی شرحیں کی گئی ہیں مگر یہ شرح بہترین ہے۔۲؎ یعنی جیسے شکاری جانور کا وطن جنگل ہے۔وہ تمہاری قید میں جب تک ہی رہے گا جب تک کہ تم اس کی نگرانی رکھو۔یوں ہی قرآن کریم کا وطن عالم بالا ہے۔وہ تمہارے ذہنوں میں جب تک ہی محفوظ رہے گا جب تک کہ تم اس کی نگہبانی کرتے رہو۔ورنہ چڑیا اس پنجرے سے اڑ جائے گی۔یہ تجربہ بھی ہے کہ بڑے سے بڑا حافظ یا عالم اگر کچھ دن یہ مشغلہ نہ رکھے تو بھول جاتا ہے۔اسی لیے علامہ شامی نے فرمایا کہ قاضی کو کچھ روز بعد کتب بینی کیلئے چھٹی دی جائے تاکہ علم قرآن شریف بھول نہ جائے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا مَثَلُ صَاحِبِ الْقُرْاٰنِ كَمَثَلِ صَاحِبِ

(۲۰۸۵) روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن والے کی مثال بندھے اونٹ والے کی سی

اَلْاِبِلِ الْمُعَلَّقَةِ اِنْ عَاهَدَ عَلَيْهَا اَمْسَكَهَا وَاِنْ اَطْلَقَهَا ذَهَبَتْ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ہے۔اگر اس کی نگہبانی کرے گا تو اسے روک لے گا اور اگر چھوڑ دے گا تو بھاگ جائے گا! (مسلم بخاری)

(۲۰۸۵) ایعنی اونٹ تو مضبوط رسی سے کھونٹے پر رہتا ہے اور قرآن شریف ہمیشہ دور کرتے اور تکرار کرتے رہنے سے ذہن میں ٹھہرتا ہے۔ پھر جیسے اونٹ اگر ٹھہر جائے تو بڑے فائدے پہنچاتا ہے۔سواری، بار برداری، گوشت، دودھ، نسل، اون وغیرہ سب ہی دیتا ہے۔ایسے ہی قرآن اگر ذہن میں ٹھہر جائے تو ایمان، عرفان رضائے رحمان وغیرہ سب کچھ اسی سے میسر ہوتے ہیں۔

وَعَنْ جُنْدَبِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْرَؤُا الْقُرْاٰنَ مَا ائْتَلَفَتْ عَلَيْهِ قُلُوْبُكُمْ فَاِذَا اخْتَلَفْتُمْ فَقُوْمُوْا عَنْهُ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۰۸۶) روایت ہے حضرت جندب ابن عبداللہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تک تمہارا دل لگے قرآن پڑھتے رہو! پھر جب ادھر ادھر ہونے لگو تو اس سے اٹھ جاؤ۲ (مسلم بخاری)

(۲۰۸۶) ایہ قاعدہ ان خوش نصیب لوگوں کیلئے ہے جن کو قرآن شریف کی تلاوت میں لذت اور حضور قلب میسر ہوتا ہے اور کبھی زیادہ تلاوت کی وجہ سے دل اکتا جاتا ہے وہ دل لگنے تک پڑھتے رہیں مگر وہ شخص جس کا دل تلاوت میں لگتا ہی نہ ہو وہ دل کو مجبور کرکے تلاوت کرے۔دل نہ لگنے کے عذر سے تلاوت چھوڑ نہ دے پہلے کچھ دن دل پر جبر کرنا پڑے گا پھر ان شاء اللہ دل لگنے لگے گا جیسا کہ تجربہ ہے۲یعنی کچھ دیر کیلئے تلاوت بند کردو حتیٰ کہ وہ حالت جاتی رہے۔تمام عبادات کا یہی حال ہے کہ دل لگا کر ادا کرو۔

وَعَنْ قَتَادَةَ قَالَ سُئِلَ اَنَسٌ كَيْفَ كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَتْ مَدًّا مَدًّا ثُمَّ قَرَاَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ يَمُدُّ بِبِسْمِ اللّٰهِ وَيَمُدُّ بِالرَّحْمٰنِ وَيَمُدُّ بِالرَّحِيْمِ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۲۰۸۷) روایت ہے حضرت قتادہ سے فرماتے ہیں حضرت انس سے پوچھا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کیسی تھی! تو فرمایا مد سے تھی کھینچ کر پھر آپ نے پڑھا بسم اللہ الرحمن الرحیم کہ بسم اللہ کو کھینچتے تھے پھر رحمان کو اور رحیم کو کھینچتے تھے۲ (بخاری)

(۲۰۸۷) ایعنی کیا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آہستہ تلاوت فرماتے تھے۔ٹھہر ٹھہر کر یا جلدی اور تیزی سے تاکہ ہم بھی اسی طرح تلاوت کیا کریں۔معلوم ہوا کہ تلاوت قرآن کریم میں بھی سنت کا لحاظ رکھے۔کوشش کرے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح تلاوت کرے۔کیونکہ طریقہ تلاوت بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالیٰ نے سکھایا ہے۔رب تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ (۱۷:۷۵) بے شک اس کا محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے (کنزالایمان) ۲یہاں مد سے مراد اصلی وطبعی مد ہے کہ اگر الف، ی، واو ساکن کو قدرے کھینچ کر نہ پڑھا جائے تو یہ حروف ادا نہیں ہوتے بلکہ زبر، زیر، پیش بن جاتے ہیں۔اسے مد اصلی کہتے ہیں۔ایک مد فرعی ہوتا ہے جس کے سبب دو ہیں یا تو ان ہی حروف یعنی الف، ی، د کے بعد ہمزہ آجائے یا حروف ساکن خواہ مشدد ہو یا غیر مشدد، تو انہیں کھینچ کر پڑھنا پڑتا ہے جیسے لام، میم، نون کے الف، ی واو، یا دوابّ یا ضآلین کے آ، یا اسرائیل کا الف ہمزہ خواہ ایک ہی کلمہ میں ان حروف کے بعد واقع ہو جیسے السَّمَآءُ السُّوْٓءُ جِیْٓءَ یا دوسرے کلمہ میں جیسے ما انزل، قالوا امنا وغیرہ مد کی پوری تحقیق کتب تجوید میں ملاحظہ فرمائیے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

(۲۰۸۸) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَذِنَ اللّٰهُ لِشَیْءٍ مَا اَذِنَ لِلنَّبِیِّ حَسَنِ الصَّوْتِ بِالْقُرْاٰنِ یَجْهَرُبِه (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی نے اپنے نبی کو جتنا خوش الحانی سے تلاوت قرآن کا حکم دیا اتنا کسی اور چیز کا نہ دیا۱؎ (مسلم بخاری)

(۲۰۸۸)۱؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں نبی سے مراد تمام انبیائے کرام ہیں اور قرآن سے مراد تمام آسمانی کتابیں اور صحیفے ہیں۔ یعنی اللہ تعالٰی نے اپنے نبیوں کو جس قدر تاکیدی حکم اس کا دیا کہ اپنی کتب آسمانی خوش الحانی سے پڑھیں اتنا تاکیدی حکم اور دوسری چیزوں کا نہ دیا اور ممکن ہے کہ نبی سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور قرآن سے مراد یہ ہی قرآن شریف ہو یعنی اللہ تعالٰی نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو جیسا تاکیدی حکم یہ دیا کہ قرآن کریم خوش الحانی سے تلاوت کریں اتنا تاکیدی حکم دوسرا نہ دیا کیونکہ خوش الحانی قرآن کریم کی زینت ہے جس سے قرآن کا حسن اور بھی بڑھ جاتا ہے۔

وَعَنْـهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَااَذِنَ اللّٰهُ لِشَیْءٍ مَا اَذِنَ لِنَبِیٍّ یَتَغَنّٰى بِالْقُرْاٰنِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۰۸۹) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ نے کسی چیز کا اتنا حکم نہ دیا جتنا نبی کو خوش الحانی سے قرآن پڑھنے کا حکم دیا۱؎ (مسلم و بخاری)

(۲۰۸۹)۱؎ اس کی شرح ابھی اوپر والی حدیث میں گزر گئی۔ تغنی بالقرآن کے معنی انشاء اللہ ابھی اگلی حدیث میں عرض کیے جائیں گے۔

وَعَنْـهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ یَتَغَنَّ بِالْقُرْاٰنِ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

(۲۰۹۰) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قرآن خوش الحانی سے نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ۱؎ (بخاری)

(۲۰۹۰)۱؎ یَتَغَنَّ یا تو غناءٌ سے بنا ہے بمعنی خوش الحانی اور اچھے لہجے سے پڑھنا غنا سے بنا بمعنی بے پروائی' بے نیازی یعنی جو شخص قرآن شریف خوش الحانی سے نہ پڑھے وہ ہمارے طریقہ سے خارج ہے۔ معلوم ہوا کہ بری آواز والا بھی بقدر طاقت عمدگی سے قرآن شریف پڑھے کہ خوش آواز ہی قرآن کریم کا زیور ہے جس سے تلاوت میں کشش پیدا ہوتی ہے۔ لوگوں کے دل مائل ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ تبلیغ کا ذریعہ ہے یا جسے اللہ قرآن کا علم دے اور وہ لوگوں سے بے نیاز نہ ہو جائے بلکہ اپنے کو ان کا محتاج سمجھے وہ ہمارے طریقہ یا ہماری جماعت سے خارج ہے۔ عالم صرف اللہ رسول کا محتاج ہے اور باقی مخلوق عالم دین کی حاجت مند ہے۔ اس لیے معلوم ہوا کہ قرآن پڑھ کر بھیک مانگنا یا علماء کا مالداروں کے دروازوں پر ذلت سے جانا ممنوع ہے۔ اللہ تعالٰی علمائے دین کو کفایت بھی دے قناعت بھی (از لمعات)

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ اِقْرَاْ عَلَیَّ قُلْتُ اَقْرَاُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ اُنْزِلَ قَالَ اِنِّیْ اُحِبُّ اَنْ اَسْمَعَهٗ مِنْ غَيْرِیْ فَقَرَاْتُ سُوْرَةَ النِّسَآءِ حَتّٰى اَتَيْتُ اِلٰى هٰذِهِ الْاٰيَةِ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ

(۲۰۹۱) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبکہ آپ منبر پر تھے میرے سامنے تلاوت کرو۱؎ میں نے عرض کیا کہ میں آپ کے سامنے کیا پڑھوں آپ پر ہی تو قرآن اترا ہے۲؎ فرمایا میں چاہتا ہوں کہ دوسرے سے سنوں۳؎ میں نے سورۂ نساء پڑھی حتی کہ میں اس آیت پر پہنچ گیا کہ

بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَآءِ شَهِيْدًا قَالَ حَسْبُكَ الْاٰنَ فَالْتَفَتُّ اِلَيْهِ فَاِذَا عَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کیا ہوگا جب ہم ہر امت سے گواہ لائیں گے اور آپ کو ان سب پر گواہ بنائیں گے۴؎ فرمایا اب بس کرو میں نے آپ کو دیکھا تو آپ کی آنکھیں اشک بار تھیں۵؎ (مسلم بخاری)

(۲۰۹۱)۱؎ یعنی تم قرآن پڑھو میں سنوں شعر:

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں ‏ ‏ ‏ گفتہ آید در حدیث دیگراں

معلوم ہوا کہ قرآن شریف پڑھنا' پڑھوانا' سننا' سنانا سب عبادت اور سنت رسول ہے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پڑھوانا نہ تو تعلیم کیلئے تھا نہ اصلاح کیلئے بلکہ صرف سننے کیلئے تھا۲؎ یعنی حضور آپ کو تو حضرت جبریل قرآن سناتے ہیں تو میری کیا حقیقت ہے یا قرآن کریم حکمت ہے حضور حکیم ہیں۔جنہیں اللہ عزیز حکیم نے سکھایا۔حکمت حکیم کے منہ سے بجتی ہے۔میرا حضور کے سامنے پڑھنے کا حوصلہ نہیں پڑتا۔۳؎ کیونکہ قرآن پڑھنا بھی عبادت ہے اور دوسرے سے پڑھوا کر سننا بھی پہلی عبادت تو ہم کرتے رہتے ہیں۔آج چاہتے ہیں کہ دوسری عبادت بھی ادا کریں۔عرب شریف میں اب بھی دستور ہے کہ جہاں چند احباب جمع ہوتے ہیں تو وہاں ایک دوسرے سے قرآن شریف سنتے ہیں۔یہ اس حدیث پر عمل ہے۔۴؎ یعنی اے محبوب قیامت کے دن ان کفار کا کیا بنے گا۔جب کہ ان کے انبیاء ان کیخلاف گواہی دیں گے اور اے محبوب تم ان تمام انبیاء کی تائیدی گواہی دو گے کہ مولی یہ سارے انبیاء سچے ہیں۔ان کی قوموں نے واقعی بہت سرکشی کی تھی۔اپنے نبیوں کی بات نہ مانی تھی۔اس آیت کریمہ کی نفیس تفسیر ہماری کتاب شان حبیب الرحمان اور تفسیر نعیمی میں ملاحظہ کرو۔۵؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی یا تو ہیبت الٰہی سے قیامت کے اس مقدمہ کے تصور سے یا اپنی امت پر رحمت کی وجہ سے' مرقات نے فرمایا کہ اس آیت پر بعض لوگ بے ہوش ہو گئے اور بعض حضرات مر بھی گئے۔معلوم ہوا کہ قرآن شریف پڑھ کر یا سن کر رونا سنت ہے۔بشرطیکہ بناوٹ سے نہ ہو۔بیہقی شریف میں ہے کہ قرآن کریم غم و رنج لیے ہوئے آیا ہے۔اس لیے تم اس کی تلاوت پر روؤ (مرقات)

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِيْ اَنْ اَقْرَاَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ قَالَ اَللّٰهُ سَمَّانِيْ لَكَ قَالَ نَعَمْ قَالَ وَقَدْ ذُكِرْتُ عِنْدَ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ قَالَ نَعَمْ فَذَرَفَتْ عَيْنَاهُ وَفِيْ رِوَايَةٍ اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِيْ اَنْ اَقْرَاَ عَلَيْكَ لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قَالَ وَسَمَّانِيْ قَالَ نَعَمْ فَبَكٰى (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۰۹۲) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی ابن کعب سے فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمہارے سامنے قرآن پڑھوں۱؎ عرض کیا کہ اللہ نے میرا نام لیا فرمایا ہاں عرض کیا کیا رب العلمین کی بارگاہ میں میرا ذکر ہوا۲؎ فرمایا ہاں تو آپ کی آنکھوں سے اشک رواں ہو گئے۳؎ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ مجھے اللہ نے حکم دیا کہ تم پر لم یکن الذین کفروا تلاوت کروں عرض کیا کیا رب تعالٰی نے میرا نام لیا فرمایا ہاں۴؎ (مسلم بخاری)

(۲۰۹۲)۱؎ اس طرح کہ قرآن کریم کی بعض آیتیں یا سورتیں خصوصیت سے تم کو سناؤں اگرچہ عموماً ہر مسلمان کو سنانا احکام بتانا ہمارا تبلیغی فریضہ ہے۔معلوم ہوا کہ کسی خاص شخص کو قرآن پاک سنانا بھی سنت ہے۔۲؎ یہ سوال تعجب کیلئے ہے کہ کیا مجھ جیسے عاجز مسلمان کا نام بھی رب تعالٰی نے آپ کے سامنے عزت کے ساتھ لیا۔کیا میں ایسا خوش نصیب انسان ہوں۔سوال کے بہت مقصد ہوتے ہیں۔ایک

تعجب بھی ہے۳؎ یہ رونا انتہائی خوشی کا تھا اور اس اندیشہ کی بنا پر تھا کہ میں عاجز انسان اتنی بڑی نعمت کا شکریہ کس طرح ادا کرسکوں گا۔ حضرت ابی ابن کعب نے قرآن سیکھنے میں بڑی محنت کی تھی۔حتی کہ آپ تمام صحابہ میں بڑے پائے کے قاری تھے۔اسی بناء پر رب تعالٰی نے فرمایا کہ اے محبوب چونکہ دنیا ان سے قرأت سیکھے گی۔لہذا آپ خصوصیت سے انہیں قرأت سنائیں۔آپ میرے شاگرد اعلٰی ہیں۔یہ آپ کے شاگرد رشید ہوں۔۴؎ خصوصیت سے یہ سورۃ تلاوت فرمانے کی یہ وجہ ہوسکتی ہے کہ حضرت ابی ابن کعب علمائے یہود سے تھے اور اس سورۃ میں علمائے اہل کتاب کا ذکر ہے۔اس کے سننے سے ان کا ایمان اور بھی قوی ہوگا۔اس حدیث سے حضرت ابی ابن کعب کی عظمت کا پتا لگا یہ بھی معلوم ہوا کہ افضل مفضول کو مفضول افضل کو قرآن کریم سکھائے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّسَافَرَ بِالْقُرْاٰنِ اِلٰى اَرْضِ الْعَدُوِّ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ لَا تُسَافِرُوْا بِالْقُرْاٰنِ فَاِنِّيْ لَا اٰمَنُ اَنْ يَّنَالَهُ الْعَدُوُّ)

(۲۰۹۳) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کی زمین میں قرآن کے ساتھ سفر کرنے سے منع فرمایا۱؎ (مسلم بخاری اور مسلم کی روایت میں یوں ہے کہ قرآن لے کر سفر نہ کرو کہ مجھے اطمینان نہیں کہ اسے دشمن لے لے۲؎

(۲۰۹۳)۱؎ ظاہر یہ ہے کہ قرآن شریف سے مراد یہی لکھا ہوا قرآن مجید ہے۔اور دشمن سے مراد کفار حربی ہیں اور جانے سے مراد وہ جانا ہے جس میں کفار سے قرآن کریم کی بے حرمتی کا اندیشہ قوی ہو۔لہذا اگر لشکر اسلام قرآن شریف لے کر دارالحرب میں جائے یا اکیلا مسلمان کفار کی امن لے کر وہاں جائے یا جو مسلمان کفار کی رعایا بن کر ان کے ملک میں رہتے ہوں اور ان کے پاس قرآن شریف ہوتو کوئی مضائقہ نہیں کہ ان صورتوں میں قرآن کی بے حرمتی کا قوی اندیشہ نہیں۔لہذا اب قرآن کریم کے پارسل کفار کے ملک میں بھیجنے یا خود کفار کے ہاتھ قرآن پاک فروخت کرنا یا کفار کے خط میں قرآنی آیت لکھنا یا انہیں قرآن سنانا سب کچھ جائز ہے کہ یہ تبلیغ ہے۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں قرآن سے مراد حافظ قرآن ہیں یا وہ صحیفے جن میں زمانہ صحابہ میں قرآنی آیات لکھی ہوئی تھیں۔مقصد یہ ہے کہ آج کل حافظ قراء اکیلے دشمن کے ملک میں نہ جائیں کہ اگر یہ شہید کردیئے گئے تو قرآن مجید ضائع ہوجائے گا یا یہ صحیفے لے کر دشمن کے ملک میں اکیلے نہ جاؤ کہ اگر یہ برباد ہوگئے تو قرآن کریم کا بہت حصہ جاتے رہنے کا اندیشہ ہے۔لمعات و مرقات نے فرمایا کہ اس میں غیبی خبر ہے کہ آئندہ قرآن کریم کتابی شکل میں جمع ہوگا کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن کریم کتابی شکل میں نہ تھا۲؎ اور لے کر اس کی توہین کرے یا تم کو واپس نہ دے یا اسے پھاڑ دے یا جلادے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ قَالَ جَلَسْتُ فِيْ عِصَابَةٍ مِّنْ ضُعَفَآءِ الْمُهَاجِرِيْنَ وَاِنَّ بَعْضَهُمْ لَيَسْتَتِرُ بِبَعْضٍ مِّنَ الْعُرْيِ وَقَارِئٌ يَّقْرَأُ عَلَيْنَا اِذْ جَآءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ عَلَيْنَا فَلَمَّا قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَكَتَ الْقَارِئُ

(۲۰۹۴) روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں کہ میں کمزور مہاجروں کی جماعت میں بیٹھا تھا۱؎ وہ حضرات برہنگی کے باعث بعض بعض کی آڑ لیتے تھے۲؎ ایک قاری ہم پر تلاوت کررہے تھے۳؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہم کھڑے ہو گئے۔جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرمائے ہوئے تو قاری

فَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ مَاكُنْتُمْ تَصْنَعُوْنَ قُلْنَا كُنَّا نَسْتَمِعُ اِلٰى كِتَابِ اللّٰهِ فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ جَعَلَ مِنْ اُمَّتِىْ مَنْ اُمِرْتُ اَنْ اَصْبِرَ نَفْسِىْ مَعَهُمْ قَالَ فَجَلَسَ وَسَطَنَا لِيَعْدِلَ بِنَفْسِهٖ فِيْنَا ثُمَّ قَالَ بِيَدِهٖ هٰكَذَا فَتَحَلَّقُوْا وَبَرَزَتْ وُجُوْهُهُمْ لَهٗ فَقَالَ اَبْشِرُوْا يَامَعْشَرَ صَعَالِيْكَ الْمُهَاجِرِيْنَ بِالنُّوْرِ التَّآمِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ قَبْلَ اَغْنِيَآءِ النَّاسِ بِنِصْفِ يَوْمٍ وَّ ذٰلِكَ خَمْسُ مِائَةِ سَنَةٍ

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

خاموش ہو گئے۔حضور نے سلام کیا۴ پھر حضور نے فرمایا تم کیا کر رہے تھے۵ ہم نے عرض کیا ہم اللہ کی کتاب بغور سن رہے تھے۶ فرمایا شکر ہے اس خدا کا جس نے میری امت میں وہ لوگ پیدا کیے جن کے ساتھ رہنے کا مجھے حکم دیا گیا پھر ہمارے درمیان۷ تشریف فرما ہو گئے تاکہ اپنے کو ہمارے برابر رکھیں۸ پھر ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ یوں ہو جاؤ لوگ حلقہ بن گئے کہ سب کے چہرے حضور کے سامنے ہو گئے۹ فرمایا اے فقراء مہاجرین کی جماعت تمہیں قیامت کے دن کے مکمل نور کی بشارت ہو۱۰ تم جنت میں مالداروں سے آدھا دن پہلے جاؤ گے یہ آدھا دن پانچ سو سال ہیں۱۱ (ابوداؤد)

(۲۰۹۴) ۱؎ یعنی صفہ والے صحابہ کے ساتھ جو تقریبًا ستر تھے۔جنہوں نے اپنے کو علم دین سیکھنے کیلئے وقف کر دیا تھا ۲؎ یعنی ان کی غریبی و افلاس کا یہ حال تھا کہ بعض کے جسم پر بقدر تن پوشی بھی پورا کپڑا نہ تھا تو وہ دوسرے کی آڑ میں بیٹھا تھا کہ کچھ ستر پوشی ہو جائے۔اللہ اکبر شعر:

یہ وہ تھے جن سے حق کا بول بالا ہونے والا تھا
یہ وہ تھے جن سے دنیا میں اجالا ہونے والا تھا

۳؎ یعنی اس جماعت میں ایک قاری تلاوت قرآن کر رہے تھے۔باقی تمام سن رہے تھے سب یکدم نہ پڑھتے تھے کہ یہ ممنوع ہے۔۴؎ یعنی جب قاری خاموش ہو گیا۔تب آپ نے سلام کیا۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ کسی دینی بزرگ کی تشریف آوری پر تلاوت بند کر دینا۔ان کے احترام میں خاموش ہو جانا بالکل جائز بلکہ سنت صحابہ ہے۔بلکہ قرآن مجید بند کرکے اس کی تعظیم کو کھڑا ہو جانا بھی درست ہے۔صحابہ کرام نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب عین نماز میں کیا ہے کہ حضرت صدیق اکبر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر مصلے امامت سے پیچھے ہٹ کر مقتدی بن گئے۔دوسرے یہ کہ آنے والا بحالت تلاوت سلام یا کلام نہ کرے۔جب تلاوت بند ہو جائے تب سلام کرے۔تیسرے یہ کہ اگر آتے وقت سلام کا موقع نہ ہو تو بعد میں بھی آمد کا سلام کرنا جائز ہے ۵؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سوال اگلی خوشخبری کی تمہید ہے۔ورنہ سرکار نے ان کی تلاوت سن لی تھی اور ان کی حالت دیکھ لی تھی۔جیسے رب تعالٰی نے موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام سے پوچھا کہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے ۶؎ برکت اور لذت ایمانی کیلئے تلاوت قرآن بہترین مشغلہ ہے۔اللہ نصیب کرے۔اس سے انسان دنیا کے سارے غم بھول جاتا ہے۔یہ ہی تاثیر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک پڑھنے لکھنے اس کی شرح کرنے میں ہے۔فقیر کا تجربہ ہے ۷؎ یعنی میری امت وصحابہ میں ایسے فقراء و مساکین پیدا کیے جو رب تعالٰی پر متوکل قرآن کے حامل ہیں اور مجھے حکم دیا کہ محبوب تم ان ہی غریبوں میں رہو کہ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ (۱۸:۲۸) خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی ان ہی مساکین کے سینوں میں رہتے ہیں۔اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھونڈنا ہے تو ان سینوں میں تلاش کرو۔ان کے سینے رحمت کے گنجینے ہیں،مدینے ہیں ۸؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس مجلس میں ہم میں اس طرح بیٹھ گئے کہ ہم سب قرب میں یکساں ہو گئے نہ اونچی نشست پر جلوہ فرما ہوئے نہ ہم سے علیحدہ ہم فقراء کے زمرہ میں ہم مساکین کے حلقہ

میں ایسے بیٹھ گئے جیسے تاروں کے درمیان چاند قربان اس حلقہ پر یہ حلقہ ملائکہ سے افضل تھا۹ تا کہ سب پر حضور کی نظر رحمت یکساں پڑے۔ یہ رب تعالٰی کے اس فرمان پر عمل تھا وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ (۲۸،۱۸) اور تمہاری آنکھیں انہیں چھوڑ کر اور پر نہ پڑیں (کنز الایمان) شعر:

جو ہم واں ہوتے خاک گلشن لپٹ کے قدموں سے لیتے اترن ۔۔۔ مگر کریں کیا نصیب میں تو یہ نامرادی کے دن لکھے تھے

عام مجلسوں میں حلقہ بنانا افضل ہے۔ نماز و جہاد میں صف بنانا بہتر۱۰ معلوم ہوا کہ قیامت کے دن فقراء مسلمین کا نور مسلمان مالداروں سے زیادہ ہوگا۔ کیونکہ صبر کا نور شکر کے نور سے قوی تر ہے۔ جیسے چاند کے نور سے سورج کا نور قوی ہے۔۱۱ یعنی قیامت کا دن ایک ہزار سال کا اس کا آدھا پانچ سو سال ہوگا۔ مالداروں کو حساب دینے میں دیر لگے گی، مگر ان فقراء سے وہ لوگ مراد ہیں جو صابر متقی ہوں۔ اسی وجہ سے ارشاد ہے کہ فقیر صابر، غنی شاکر سے افضل ہے۔ یہ گفتگو ایک درجہ کے فقراء واغنیاء میں ہے۔ ورنہ غیر صحابی فقیر صحابی کے قدم کی خاک کو نہیں پہنچ سکتا۔ یوں ہی خلفائے راشدین تک ان کے ماتحت حضرات نہیں پہنچ سکتے۔ لہذا عثمان و زبیر ابن عوام وغیرہم بہت اونچی شان والے ہیں کہ یہ حضرات بے حساب جنتی ہیں نہ ان کا حساب ہوگا نہ انہیں دیر لگے گی۔ خیال رہے کہ قیامت کا دن ہے تو ایک ہزار سال کا، مگر کفار کو پچاس ہزار سال کا محسوس ہوگا اور بعض خاص مومنین کو چار رکعت نماز کی بقدر۔

وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَيِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِكُمْ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْدَاوُدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

(۲۰۹۵) روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کو اپنی آوازوں سے زینت دو۱ (احمد، ابن ماجہ، دارمی)۲

(۲۰۹۵)۱ یعنی خوش الحانی اور بہترین لہجے غمگین آواز سے تلاوت کرو اور ہر حرف کو اس کے مخرج سے صحیح ادا کرو مگر گا کر تلاوت کرنا جس سے مدشد میں فرق آجائے حرام ہے۲ اسے نسائی، ابن حبان، حاکم نے بھی روایت کیا۔ ان میں یہ بھی ہے کہ اچھی آواز قرآن کا زیور ہے۔ حکایت: ایک بار حضرت عبداللہ ابن مسعود کسی مجلس پر گزرے جہاں ایک گویا بہت اچھی آواز سے گا رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کاش یہ آواز قرآن شریف پر استعمال ہوتی یہ خبر گویئے کو پہنچی اس نے سچی توبہ کی اور حضرت ابن مسعود کے ساتھ رہنے لگا حتی کہ قرآن کریم کا عالم وقاری ہو گیا (مرقات)

وَعَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامِنِ امْرِئٍ يَقْرَاُ الْقُرْاٰنَ ثُمَّ يَنْسَاهُ اِلَّا لَقِيَ اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَجْذَمَ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ)

(۲۰۹۶) روایت ہے حضرت سعد ابن عبادہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کوئی نہیں جو قرآن پڑھ کر بھلا دے مگر وہ قیامت کے دن اللہ تعالٰی سے کوڑھی ہو کر ملے گا۱ (ابوداؤد، دارمی)

(۲۰۹۶)۱ اس حدیث کی بہت شرحیں کی گئیں جن میں قوی تر یہ ہے کہ جو شخص قرآن شریف پورا یا اس کی کوئی سورۃ حفظ کرے پھر اس کا دور چھوڑ دے جس سے وہ بھول جائے تو یہ شخص قیامت میں کوڑھی اٹھے گا۔ اس کی کوڑھ اس کے اس جرم کی علامت ہوگی جس سے سب لوگ پہچان لیں گے۔ بعض نے فرمایا کہ اجذم سے مراد دانت گرا ہوا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ اجذم سے مراد مقطوع الدلیل ہے جو رب تعالٰی کے سامنے بول نہ سکے وغیرہ مگر پہلی تفسیر اعلٰی ہے

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمْ يَفْقَهْ مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ فِيْ اَقَلَّ مِنْ ثَلٰثٍ

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَالدَّارِمِيُّ)

(۲۰۹۷) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو تین دن سے کم میں قرآن کریم ختم کرے وہ سمجھے گا نہیں!

(ترمذی' ابوداؤد' دارمی)

(۲۰۹۷)! یعنی جو شخص ہمیشہ تین دن سے کم میں ختم قرآن کیا کرے۔ وہ جلدی تلاوت کی وجہ سے نہ تو الفاظ قرآن صحیح طور پر سمجھ سکے گا اور نہ اس کے ظاہری معنی میں غور کر سکے گا۔ خیال رہے کہ یہ حکم عام مسلمانوں کیلئے ہے کہ وہ اگر بہت جلدی تلاوت کریں تو زبان لپٹ جاتی ہے۔ حرف صحیح ادانہیں ہوتے۔ خواص کا حکم اور ہے خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی ایک ایک رکعت میں پانچ پانچ چھ چھ پارے پڑھ لیتے تھے۔ حضرت عثمان غنی نے ایک رات میں ختم قرآن کیا ہے۔ داؤد علیہ السلام چند منٹ میں زبور ختم کر لیتے تھے۔ حضرت علی گھوڑا کسنے سے پہلے ختم قرآن کر لیتے تھے۔ مرقات نے فرمایا کہ شیخ موسیٰ سدوانی جو شیخ ابومدین کے اصحاب میں سے تھے۔ ایک دن ورات میں ستر ہزار ختم کر لیتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے کعبہ معظمہ میں سنگ اسود چوم کر دروازہ کعبہ پر پہنچ کر ختم قرآن فرمالیا اور لوگوں نے ایک ایک حرف سنا ارواح ثلاثہ میں مولوی اشرف علی صاحب نے اس کی تصدیق کی کہ مولوی محمد اسماعیل خاں دہلوی نے ایک بار نماز عصر کے بعد سے نماز مغرب تک پورا قرآن ختم کیا کہ ہر حرف الگ الگ سنا گیا۔ لہٰذا اس حدیث کی بنا پر نہ تو مروجہ شبینوں کو حرام کہا جا سکتا ہے اور نہ امام اعظم ابوحنیفہ اوران صحابہ کرام پر اعتراض کیا جا سکتا ہے جو ایک دن ورات میں پورا ختم کر لیتے تھے کہ یہ حکم عوام مسلمانوں کیلئے ہے جو اس قدر جلد قرآن شریف پڑھنے میں درست نہ پڑھ سکیں۔ ختم قرآن میں عام بزرگوں کے طریقے مختلف رہے ہیں۔ بعض ایک ماہ میں ایک ختم کرتے تھے۔ بعض ایک ہفتہ میں ایک ختم فمی بشوق کی منزلوں کے لحاظ سے پہلی منزل سورہ فاتحہ پر شروع ہوتی تھی۔ دوسری مائدہ پر تیسری یونس پر چوتھی بنی اسرائیل پر پانچویں شعراء پر چھٹی والذریات پر ساتویں سورۃ ق پر بعض حضرات تین دن میں۔

وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْجَاهِرُ بِالْقُرْاٰنِ كَالْجَاهِرِ بِالصَّدَقَةِ وَالْمُسِرُّ بِالْقُرْاٰنِ كَالْمُسِرِّ بِالصَّدَقَةِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ) (وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)

(۲۰۹۸) روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علانیہ قرآن پڑھنے والا علانیہ صدقہ دینے والے کی طرح ہے اور آہستہ قرآن پڑھنے والا خفیہ صدقہ دینے والے کی طرح ہے!(ترمذی' ابوداؤد' نسائی) ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن بھی ہے غریب بھی۔

(۲۰۹۸)! یعنی دونوں طرح تلاوت جائز اور باعث ثواب ہے۔ جیسے دونوں طرح کا صدقہ خفیہ وعلانیہ باعث ثواب ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ (۲:۲۷۱) اگر خیرات علانیہ دو تو وہ کیا ہی اچھی بات ہے (کنزالایمان) مگر بعض حالات میں بلند تلاوت افضل ہے کہ اس سے دل بیدار ہوتا ہے۔ دوسروں کو تلاوت کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ نیند بھاگتی ہے۔ شیطان دفع ہوتا ہے۔ رحمان راضی ہوتا ہے اور بعض حالات میں آہستہ تلاوت افضل ہے جبکہ تلاوت میں ریا کا اندیشہ ہو یا کسی نمازی وغیرہ کو تکلیف ہو (مرقات وشامی) یہ اختلاف احکام ان تلاوتوں میں ہے جن میں جہر یا اخفاء واجب نہ ہو ورنہ نماز ظہر وعصر میں اخفاء اور فجر وغیرہ میں

جہر واجب ہے (لمعات واشعہ)

وَعَنْ صُهَيْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اٰمَنَ بِالْقُرْاٰنِ مَنِ اسْتَحَلَّ مَحَارِمَهٗ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ لَيْسَ اِسْنَادُهٗ بِالْقَوِيِّ)

(۲۰۹۹) روایت ہے حضرت صہیب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ شخص قرآن پر ایمان ہی نہ لایا جو اس کے محرمات کو حلال جانے ۱؎ (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا اس حدیث کی اسناد قوی نہیں ۲؎

(۲۰۹۹) ۱؎ یعنی تلاوت قرآن جب مفید ہے۔ جب کہ اس کے احکام پر ایمان ہو ایمان کے بغیر نہ تلاوت مفید ہے نہ قرآن ساتھ رکھنا۔ اگرچہ سارے ہی محرمات کو حرام ماننا ضروری ہے' مگر چونکہ قرآن کریم بہت عظمت والا ہے۔ اس لیے خصوصیت سے اسی کا ہی ذکر فرمایا حلال وحرام پر ایمان نہ لانے والا کافر ہے پھر تلاوت کا ثواب کیسے پائے۔ غذا' دوا' زندہ کو مفید ہے نہ کہ مردے کو۔ ۲؎ اگرچہ حدیث بعض راویوں کی وجہ سے قوی نہ ہو مگر قرآن مجید اس کی تائید فرما رہا ہے۔ فرمایا ہے: اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا (۱۸'۱۰۴) ان کے جن کی ساری کوشش دنیا کی زندگی میں گم ہوگئی اور وہ اس خیال میں ہیں کہ اچھا کام کر رہے ہیں (کنزالایمان)

وَعَنِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ اَبِيْ مُلَيْكَةَ عَنْ يَّعْلٰى بْنِ مَمْلَكٍ اَنَّهٗ سَاَلَ اُمَّ سَلَمَةَ عَنْ قِرَاءَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا هِيَ تَنْعَتُ قِرَاءَةً مُفَسَّرَةً حَرْفًا حَرْفًا (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

(۲۱۰۰) ۱؎ روایت ہے حضرت لیث ابن سعد سے وہ ابوملیکہ سے وہ یعلیٰ ابن مملک سے راوی ۱؎ کہ انہوں نے حضرت ام سلمہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت قرآن کی متعلق پوچھا تو آپ حضور کی قرأت اس طرح بتانے لگیں کہ ایک ایک حرف الگ الگ ۲؎ (ترمذی' ابوداؤد' نسائی)

(۲۱۰۰) ۱؎ لیث ابن سعد مشہور تابعی فقیہ ہیں۔ مصر کے امام ہیں اور ابن ابی ملیکہ تابعی ہیں مکہ معظمہ کے قاضی تھے۔ حضرت ابن زبیر کی طرف سے آپ نے تیس صحابہ سے ملاقات کی ہے۔ یعلیٰ ابن مملک بھی تابعین میں سے ہیں۔ ۲؎ یعنی حضرت ام سلمہ نے خود قرأت کر کے سنائی تو اس قرأت شریف میں دو خوبیاں تھیں۔ ایک تو نہایت ترتیل کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر تھی۔ دوسرے ہر حرف اپنے مخرج سے صحیح ادا ہوتا تھا۔ معلوم ہوا کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بڑی قاریہ تھیں۔ ورنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کی نقل نہ کر سکتیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ مجھے ترتیل سے ایک سورۃ تلاوت کرنا بغیر ترتیل کے سارا قرآن پڑھنے سے زیادہ پسند ہے۔ زیادہ حسن اچھا ہے۔ ایک موتی ہزار بار روپیہ سے بہتر ہوتا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنِ ابْنِ اَبِيْ مُلَيْكَةَ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَطِّعُ قِرَاءَتَهٗ يَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ثُمَّ يَقِفُ ثُمَّ يَقُوْلُ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ثُمَّ يَقِفُ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ لَيْسَ اِسْنَادُهٗ بِمُتَّصِلٍ لِاَنَّ اللَّيْثَ

(۲۱۰۱) روایت ہے حضرت ابن جریج سے وہ ابن ابوملیکہ سے وہ حضرت ام سلمہ سے راوی فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کرتے تھے ۱؎ اس طرح کہ پڑھتے الحمد للہ رب العالمین پھر ٹھہر جاتے پھر پڑھتے الرحمن الرحیم پھر ٹھہر جاتے ۲؎ (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا اس حدیث کی اسناد مسلسل نہیں کیونکہ

رَوٰی هٰذَا الْحَدِیْثَ عَنِ ابْنِ اَبِیْ مُلَیْکَةَ مِنْ یَعْلَی بْنِ مَمْلَكٍ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ وَحَدِیْثُ اللَّیْثِ اَصَحُّ)

یہ حدیث لیث نے ابن ابی ملیکہ سے انہوں نے یعلیٰ ابن مملک سے انہوں نے ام سلمہ سے روایت کی لیث کی حدیث زیادہ صحیح ہے۔[۴]

(۲۱۰۱)[۱] یعنی ہر آیت پر ٹھہر کر سانس توڑ دیتے تھے۔ پھر دوسری آیت تلاوت فرماتے تھے۔ سکتہ اور وقف میں یہ ہی فرق ہے۔ کہ وقف میں سانس توڑ دی جاتی ہے۔ پھر ٹھہرا جاتا ہے مگر سکتہ میں ٹھہرتے تو ہیں سانس نہیں توڑتے[۲] قراء کہتے ہیں کہ وقف تین قسم کا ہے۔ وقف حسن' وقف کافی' وقف تام' الرحمن الرحیم پر وقف کرنا وقف کافی ہے۔ وقف حسن نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ ملك یوم الدین پر وقف کرے۔ اسی طرح رب العالمین پر وقف تام تو ہے حسن نہیں' وقف حسن یہ ہی ہے کہ الحمد سے شروع کر کے یوم الدین پر ٹھہرے' ہمارے ہاں بعض بزرگ لوگ رب العالمین پر وقف کو سخت برا جانتے ہیں یہ بھی درست نہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے ہاں یہ کہو کہ بہتر نہیں[۳] کیونکہ ابن ابی ملیکہ نے حضرت ام سلمہ سے ملاقات نہیں کی۔ لہٰذا درمیان میں کوئی راوی چھوٹ گئے۔ حدیث منقطع ہے[۴] خلاصہ یہ ہے کہ ابن ابی ملیکہ سے لیث ابن سعد نے بھی روایت کی ہے اور جریج نے بھی مگر لیث ابن سعد کی روایت صحیح تر ہے کہ اس میں کوئی راوی چھوٹا نہیں۔ ام سلمہ سے پہلے یعلیٰ ابن مملک کا ذکر ہے اور جریج کی روایت میں راوی چھوٹ گیا ہے۔ یہ منقطع ہے۔ لیث ابن سعد بہت ثقہ تھے۔ انہوں نے ابن ابی ملیکہ' عطاء زہری سے روایات لیں اور ان سے بہت محدثین نے' انہیں بیس ہزار دینار کی سالانہ آمدنی تھی' مگر ان پر کبھی زکوٰۃ واجب نہ ہوئی۔ نیز اس حدیث کا متن بلاغت ولہجہ کے بھی خلاف ہے کہ الرحمن الرحیم پر وقف بہتر نہیں۔ (مرقات وغیرہ)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

عَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ وَفِیْنَا الْاَعْرَابِیُّ وَالْعَجَمِیُّ فَقَالَ اقْرَءُوْا فَکُلٌّ حَسَنٌ وَّسَیَجِیْءُ اَقْوَامٌ یُّقِیْمُوْنَهٗ کَمَا یُقَامُ الْقِدْحُ یَتَعَجَّلُوْنَهٗ وَلَا یَتَأَجَّلُوْنَهٗ

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

(۲۱۰۲) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر تشریف لائے جب ہم قرآن پڑھ رہے تھے۔ عربی اور عجمی سب ہی تھے[۱] فرمایا پڑھے جاؤ سب ٹھیک ہو[۲] کچھ قومیں ایسی ہونگی جو تلاوت کو ایسے درست کریں گی جیسے تیر سیدھا کیا جاتا ہے[۳] دنیا میں اجرت لیں گے آخرت کیلئے نہ رکھیں گے[۴]

(ابوداؤد' بیہقی' شعب الایمان)

(۲۱۰۲)[۱] یعنی اس مجلس میں شہری صحابہ بھی تھے اور دیہات کے باشندے بھی' عربی و اعرابی میں یہ ہی فرق ہے کہ عربی عام ہے اعرابی خاص اہل دیہات اور عربی بھی تھے بیرون عرب کے بھی کہ بلال حبشہ کے تھے۔ سلمان فارس کے صہیب روم کے رضی اللہ عنہم غرض کہ۔ شعر:

لگایا تھا مالی نے اک باغ ایسا — نہ تھا جس میں چھوٹا بڑا کوئی پودا

[۲] یعنی قرآن شریف عجمی' عربی' شہری' بدوی سب کیلئے آیا ہے۔ سب ہی تلاوت کیا کرو عجمی یہ خیال نہ کریں کہ چونکہ ہمارا لہجہ عرب کا سا نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا ہم تلاوت ہی چھوڑ دیں جو لہجہ بن پڑے اس میں پڑھو' ہاں صحیح پڑھو لہجے کا اعتبار نہیں صحت کا اعتبار ہے اور اخلاص کا ثواب۔ شعر:

مادروں رابنگریم وحال را ——— مابروں رانگریم وقال را

۳؎ یعنی آخر زمانہ میں محض ریاء ونمود کیلئے قرآن کا لہجہ درست کرنے میں بہت تکلفات کریں گے مگر ثواب سے محروم رہیں گے۔اس کی وجہ آگے آرہی ہے۔۴؎ یعنی ان کی یہ تمام محنتیں صرف لہجہ حسین کرنے کیلئے ہوں گی تاکہ دنیا دار پسند کریں واہ واہ ہو۔ پیسے خوب ملیں۔ اخلاص نہ ہوگا پھر ثواب کیسے پائیں۔ جان کی قیمت ہوتی ہے نہ کہ محض قالب کی۔ ہر عبادت کا یہ ہی حال ہے۔اللہ تعالیٰ اخلاص نصیب کرے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ناراضی ان کی محنت پرنہیں بلکہ ریاء ونمود پر ہے۔

وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْرَءُوا الْقُرْاٰنَ بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ وَاَصْوَاتِهَا وَاِيَّاكُمْ وَلُحُوْنَ اَهْلِ الْعِشْقِ وَلُحُوْنَ اَهْلِ الْكِتَابَيْنِ وَسَيَجِيْءُ بَعْدِيْ قَوْمٌ يُرَجِّعُوْنَ بِالْقُرْاٰنِ تَرْجِيْعَ الْغِنَاءِ وَالنَّوْحِ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ مَفْتُوْنَةً قُلُوْبُهُمْ وَقُلُوْبُ الَّذِيْنَ يُعْجِبُهُمْ شَاْنُهُمْ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَرَزِيْنٌ فِيْ كِتَابِهٖ)

(۲۱۰۳) روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید عربی لہجوں اور عربی آوازوں سے پڑھو۱؎ عشق والوں کی راگنیوں اور توریت و انجیل والوں کے لہجوں سے بچو۲؎ ہمارے بعد وہ قومیں آئیں گی جو قرآن میں ایسی گلے بازیاں کریں گے جیسے گانے اور نوحے میں۳؎ قرآن ان کے گلے سے نیچے نہ اترے گا۴؎ انکے اورانہیں پسند کرنے والوں کے دل فتنہ میں مبتلا ہوں گے۵؎ (بیہقی شعب الایمان) اور رزین نے اپنی کتاب میں

(۲۱۰۳) ۱؎ اہل عرب کی تلاوت میں صرف آواز کی عمدگی، مخارج کی صحت، اداء الفاظ کی نفاست ہوتی ہے۔تکلف اور موسیقی کے طریقوں سے خالی، چونکہ قرآن شریف عربی ہے۔اسے عربی طریقے سے پڑھو۔لحن کے معنی ہیں خوش وطرب اور آواز کی لچک ولہر۔۲؎ یعنی نہ تو قرآن گیت کے نغموں سے گاؤ جیسے عشاق گویے ٹھمری، دادرے وغیرہ گاتے ہیں اور نہ ایسے تکلفات سے پڑھو جیسے یہود و نصاری توریت وانجیل پڑھتے ہیں جس سے اصل عبارت بگڑ جاتی ہے۔ جہاں مد نہ ہو وہاں پیدا ہو جاتا ہے۔ جہاں شد ہو وہاں نہیں رہتا الف زبر بن جاتا ہے زبر الف وغیرہ فقیر نے بعض قوالوں کو قرآنی آیات طبلے سارنگی پرنغموں سے گاتے سنا کہ ان کے گیتوں میں آیتیں ہیں۔انہیں باجوں پر گاتے ہیں۳؎ یعنی قرآن میں گلے بازیاں، راگ، راگنی وآوازیں بھرانے سے کام لیں گے۔اسے گیت یا قوالی کا شعر بنادیا کریں گے۔جیسا کہ آج دیکھا جارہا ہے۔اس غیب دان نبی نے پہلے ہی اس کی خبر دے دی تھی۔۴؎ یعنی صرف زبان پرقرآن کے الفاظ ہونگے۔دل پرقرآن کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ایمان میں تازگی نہ پیدا ہوگی نہ انکے نہ سامعین کے کیونکہ جو منہ سے نکلتا ہے وہ کان پر گرتا ہے جو دماغ سے نکلتا ہے وہ دماغ پرگرتا ہے جو دل سے نکلتا ہے وہ دل پر گرتا ہے۵؎ یعنی خود ان کے اور سامعین کے دل اس تلاوت سے فائدہ نہ اٹھائیں گے بلکہ الٹا نقصان۔

وَعَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ حَسِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِكُمْ فَاِنَّ الصَّوْتَ الْحَسَنَ يَزِيْدُ الْقُرْاٰنَ حُسْنًا (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

(۲۱۰۴) روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ قرآن کو اپنی آوازوں سے زینت دو کیونکہ اچھی آواز قرآن کا حسن بڑھا دیتی ہے۱؎ (دارمی)

(۲۱۰۴) ۱؎ اس کی شرح پہلے گزر چکی کہ ہر شخص کی آواز اس کے لحاظ سے ہوگی۔ایک ہی شخص اپنی آواز بری بھی نکال سکتا ہے اور

کچھ اچھی بھی تو قرآن کی تلاوت میں اچھی آواز استعمال کرو۔ یہ مطلب نہیں کہ جس کی آواز اچھی نہ ہو وہ تلاوت قرآن ہی نہ کرے۔ حضرت بلال اسی موٹی آواز سے ہی اذان وتلاوت کرتے تھے۔ ربّ تعالٰی کو وہ ہی پیاری تھی کہ وہاں دل کی آواز سنی جاتی ہے۔شعر:

گفت ہاتف باز از بانگ بلال خوش شدے برعرش ربّ ذوالجلال

مطلب یہ ہے کہ حتی الامکان خوش الحانی سے قرآن شریف پڑھو تاکہ سننے والوں کو قرآن کی طرف میلان ہو یہ نہ ہو کہ:۔شعر:

گرتو قرآن بدیں نمط خوانی میروی رونق مسلمانی

یا اس اچھی آواز کا مطلب وہ ہے جو اگلی حدیث میں آرہا ہے یعنی درد والی آواز جو درد دل کا پتادے۔خشوع وخضوع ظاہر کرے۔

وَعَنْ طَاؤسٍ مُرْسَلًا قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ النَّاسِ اَحْسَنُ صَوْتًا لِلْقُرْاٰنِ وَاَحْسَنُ قِرَآءَةً قَالَ مَنْ اِذَا سَمِعْتَهُ يَقْرَأُ اُرِيْتَ اَنَّهُ يَخْشَى اللّٰهَ قَالَ طَاؤسٌ وَّكَانَ طَلْقٌ كَذٰلِكَ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

(۲۱۰۵) روایت ہے حضرت طاؤس سے ارسالاً فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کون شخص قرآن میں خوش آواز اور اچھی قرأت والا ہے[۱] فرمایا وہ جسے تم جب قرآن پڑھتے سنو تو محسوس کرو کہ وہ اللہ سے ڈر رہا ہے[۲] طاؤس فرماتے ہیں کہ طلق ایسے ہی تھے[۳] (دارمی)

(۲۱۰۵)[۱] سبحان اللہ کیا پیارا سوال ہے۔مقصد یہ ہے کہ لوگ اچھی آواز تو سریلی رسیلی آواز کو سمجھتے ہیں اور نغمہ والی تلاوت کو اچھی تلاوت سمجھتے ہیں۔سرکار نے جو اچھی آواز میں تلاوت قرآن کا حکم دیا ہے کیا اس سے بھی یہ ہی مراد ہے یا کچھ اور[۲] یہ حدیث تمام ان احادیث کی شرح ہے جس میں اچھی آواز اچھی تلاوت کا حکم دیا گیا یعنی درد دل والی اداء اور خوف خدا والی قرأت اچھی ہے۔نفیس آواز باریک ہو یا موٹی بعض بزرگوں کو دیکھا گیا کہ ان کی آواز موٹی تھی مگر ان کی تلاوت سے خود ان کے اور سننے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔دل کانپ جاتے تھے۔اللہ تعالٰی ایسی تلاوت نصیب کرے آمین۔[۳] یعنی طلق ابن علی ابن عمرو نخعی یمامی اسی طرح تلاوت کرتے تھے کہ خدا یاد آجاتا تھا۔آپ قیس ابن طلق یمانی کے والد ہیں۔مشہور صحابی ہیں حضرت طاؤس نے ان سے ملاقات کی ہے۔

وَعَنْ عُبَيْدَةَ الْمُلَيْكِيِّ وَكَانَتْ لَهُ صُحْبَةٌ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَهْلَ الْقُرْاٰنِ لَا تَتَوَسَّدُوا الْقُرْاٰنَ وَاتْلُوْهُ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ مِنْ اٰنَآءِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَاَفْشُوْهُ وَتَغَنَّوْهُ وَتَدَبَّرُوْا مَافِيْهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ وَلَا تُعَجِّلُوْا ثَوَابَهٗ فَاِنَّ لَهٗ ثَوَابًا (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

(۲۱۰۶) روایت ہے حضرت عبیدہ ملیکی سے ان کو جناب مصطفٰے کی صحبت میسر تھی[۱] فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے قرآن والو[۲] قرآن کو تکیہ نہ بناؤ[۳] اور دن رات اس کی تلاوت کرو جیسا کہ تلاوت کا حق ہے[۴] اور قرآن کا اعلان کرو اسے خوش آوازی سے پڑھو اسکے معنی میں غور کرو تاکہ تم کامیاب ہو[۵] اور اس کا ثواب جلدی نہ مانگو کہ اس کا بہت ثواب ہے[۶] (بیہقی شعب الایمان)

(۲۱۰۶)[۱] یہ جملہ معترضہ ہے اور امام بیہقی کا قول ہے یعنی عبیدہ ملیکی صحابی ہیں کہ انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میسر ہے۔خیال رہے کہ صحابی بننے کیلئے ایک آن کی صحبت یا ایک نظر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا کافی ہے۔مگر تابعیت کے لیے صحابی کے ساتھ رہنا فیضان صحبت حاصل کرنا ضروری ہے۔[۲] اصطلاح میں اہل قرآن ہر قرآن کے ماننے والے پڑھنے والے اس پر عمل کرنے والے کو کہتے ہیں اور اہل حدیث وہ خاص جماعت ہے جو اپنی زندگی علم حدیث حاصل کرنے اور سکھانے میں گزار دے۔یعنی محدث نہ تو

اہل قرآن سے چکڑالوی منکر حدیث مراد ہوتے ہیں نہ لفظ اہل حدیث سے موجودہ وہابی منکر فقہ مراد ہوتے ہیں یعنی اے قرآن ماننے والے مسلمانو۳؎ یعنی قرآن شریف پر سر رکھ کر نہ لیٹو کہ یہ بے ادبی ہے۔قرآن سے بے فکر نہ ہو جاؤ کہ اس کی تلاوت میں سستی کرو۔اس پر عمل نہ کرو۔دوسرے معنی قوی ہیں۔جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۴؎ اس جملہ میں دو حکم ہیں ہمیشہ قرآن پڑھنا اور درست پڑھنا۔قرآن کا حق تلاوت یہ ہے کہ اس کی تلاوت صحیح طریقہ سے کرے اور اس پر عمل کرے۔رضائے الٰہی کیلئے پڑھے نہ کہ محض لوگوں کو خوش کرنے کیلئے رب تعالٰی فرماتا ہے:اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ کِتَابَ اللہِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ (۳۵،۲۹) بے شک وہ جو اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں (کنزالایمان) یہاں مرقات نے فرمایا کہ قرآن کریم پر تکیہ لگانا اس کی طرف پاؤں پھیلانا اس پر کوئی اور کتاب رکھنا اس کی طرف پیٹھ کرنا اسے پھینکنا وغیرہ سخت منع ہے۔قرآن کریم کو چومنا سر پر رکھنا مستحب ہے۔اس سے فال نکالنا حرام ہے۔۵؎ تغنوا کے دو معنی پہلے عرض کیے جا چکے ہیں۔یعنی قرآن کریم خوش الحانی سے پڑھو اور قرآن کے ذریعہ لوگوں سے غنی و بے نیاز ہو جاؤ۔گانے کے معنی میں نہیں کہ قرآن شریف گا کر پڑھنا حرام ہے۔تدبر قرآن علماء کا اور ہے بے علم لوگوں کا کچھ اور علماء تو اس کے معانی و احکام میں غور کریں عوام یہ سمجھ کر پڑھیں کہ یہ وہ الفاظ ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ نے پڑھے تھے۔اللہ اکبر ہمارے کہاں نصیب کہ وہ الفاظ ہماری زبان پر بھی آئیں ۶؎ یعنی تلاوت قرآن،تعلیم قرآن،تجوید قرآن کا ثواب آخرت میں ملے گا جو تمہارے علم و فہم سے وراء ہے تم صرف یہاں ہی اس کا ثواب نہ لو یعنی دنیا کو اسی کا مقصد نہ بنالو۔

بَابٌ اختلاف قرأت کا باب

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ پہلی فصل

یعنی قرأت قرآن کے متعلق متفرق مضامین کا باب بعض نسخوں میں یوں ہے باب فی اختلاف القرآن وجمع القرآن یعنی قرآن شریف کی مختلف قرأتوں اور جمع قرآن کا باب جمع قرآن سے مراد یکجا کتابی شکل میں جمع کرنا ہے۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ يَقْرَأُ سُوْرَةَ الْفُرْقَانِ عَلٰى غَيْرِ مَا اَقْرَأُهَا وَكَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْرَأَنِيْهَا فَكِدْتُّ اَنْ اَعْجَلَ عَلَيْهِ ثُمَّ اَمْهَلْتُهٗ حَتّٰى انْصَرَفَ ثُمَّ لَبَّبْتُهٗ بِرِدَآئِهٖ فَجِئْتُ بِهٖ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اِنِّيْ سَمِعْتُ هٰذَا يَقْرَأُ سُوْرَةَ الْفُرْقَانِ عَلٰى غَيْرِ مَا اَقْرَأْتَنِيْهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْسِلْهُ اِقْرَأْ فَقَرَاَ الْقِرَآءَةَ الَّتِيْ سَمِعْتُهٗ يَقْرَأُ فَقَالَ

(۲۱۰۷) روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے فرماتے ہیں میں نے ہشام ابن حکیم ابن حزام کو سنا۱؎ کہ وہ سورہ فرقان اس کے خلاف پڑھ رہے ہیں جو میں پڑھتا تھا اور مجھے یہ سورۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی تھی۲؎ قریب تھا کہ میں ان پر جلدی کر بیٹھوں مگر میں نے انہیں مہلت دی حتی کہ فارغ ہو گئے پھر میں نے انہیں ان ہی کی چادر میں لپیٹ لیا۳؎ پھر انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لایا اور عرض کیا یا رسول اللہ میں نے انہیں سنا کہ سورہ فرقان اس کے علاوہ پڑھ رہے ہیں جو مجھے حضور نے پڑھائی ہے۴؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہیں چھوڑ دو۵؎ ہشام پڑھو

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھٰکَذَا اُنْزِلَتْ ثُمَّ قَالَ لِیْ اِقْرَأْ فَقَرَأْتُ فَقَالَ ھٰکَذَا اُنْزِلَتْ اِنَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ اُنْزِلَ عَلٰی سَبْعَۃِ اَحْرُفٍ فَاقْرَؤُا مَاتَیَسَّرَ مِنْہُ

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ) وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ

انہوں نے وہ ہی قرأت تلاوت کی جو میں نے انہیں تلاوت کرتے سنی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوں ہی اتری ہے، پھر مجھ سے فرمایا پڑھو میں نے پڑھی فرمایا یوں بھی اتری ہے۔ یہ قرآن سات قرأت پر اترا ہے جس طرح آسان ہو تلاوت کرلیا کرو[۶] (مسلم بخاری) اور لفظ مسلم کے ہیں[۷]

(۲۱۰۷)[۱] پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ حکیم ابن حزام قرشی ہیں۔ حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ کے بھتیجے ہیں فتح مکہ کے دن ایمان لائے آپ کی ساری اولاد صحابی ہے۔ ان میں سے ہشام بھی ہیں[۲] یعنی مجھے اپنی قرأت کے صحیح ہونے کا یقین تھا کیونکہ میں نے کسی اور سے نہیں سیکھی تھی۔ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھی تھی۔ اس لیے مجھے شبہ ہوا کہ ہشام دیدہ و دانستہ قرآن غلط پڑھ رہے ہیں[۳] اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ دین میں کسی کی رعایت نہیں۔ عزیز قریبی ہو یا اجنبی معمولی آدمی ہو یا بڑا دوسرے یہ کہ تلاوت قرآن کا بڑا احترام ہے۔ کسی شخص کو دوران تلاوت میں اس سے لڑنا جھگڑنا نہیں چاہیے نہ اس کی تلاوت میں رکاوٹ ڈالے دیکھو حضرت عمر قرآن کریم کے الفاظ میں فرق دیکھ کر طیش میں آ گئے مگر تلاوت ختم ہونے پر حضرت ہشام کو گویا گرفتار کرلیا نہ رعایت نہ قرابت کی تلاوت ہے[۴] اس لیے میں انہیں گرفتار کرکے آپ کی خدمت میں لایا ہوں تاکہ آپ اس سے منع فرمادیں اور گزشتہ قصور پر سزا دیں۔ معلوم ہوا کہ حتی الامکان کسی ملزم کو خود سزا نہ دو حاکم سے فیصلہ کراؤ[۵] چونکہ حضرت عمر کا یہ طیش نفس کیلئے نہ تھا اللہ کیلئے تھا۔ نیز حضرت عمر مثل استاذ کے تھے۔ اور حضرت ہشام مثل شاگرد کے اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو حضرت عمر پر عتاب فرمایا اور نہ انہیں حضرت ہشام سے معافی مانگنے کا حکم دیا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون کی بےقصور داڑھی سر کے بال پکڑ لیے انہیں کھینچا کیونکہ ماں باپ استاذ شیخ اگر غلط فہمی سے کسی کو سزا ناجائز طور پر بھی دے دیں۔ تب بھی مجرم نہیں[۶] محدثین فرماتے ہیں کہ قرآن شریف لغت قریش میں نازل ہوا مگر چونکہ عرب کے بہت سے قبیلے تھے جن کی زبانیں مختلف تھیں ہر قبیلہ کی زبان گراں معلوم ہوتی تھی۔ اپنی زبان آسان تھی اور زمانہ بالکل نیا تھا اندیشہ تھا کہ دوسرے قبیلے تلاوت قرآن چھوڑ دیں گے۔ اسی لیے سات بلکہ سات سے بھی زیادہ طریقوں سے تلاوت کی اجازت دے دی گئی تھی۔ یہاں سات سے مراد بیان زیادتی ہے نہ کہ خاص یہ عدد اور حرف سے مراد طریقہ تلاوت ہے۔ خواہ خود حرف کی ذات میں فرق ہو جیسے ننشزھا زا سے اور ننشرھا راء مہملہ سے یا صفات حرف میں فرق ہو جیسے مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ اور مَلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ خواہ طریقہ ادا میں فرق ہو جیسے ادغام، اظہار، تفخیم، ترقیق، امالہ، مد، قصر، تلیین وغیرہ مگر ان اختلاف کی وجہ سے معانی نہ بدلیں گے۔ قرآن کریم کی سات قرأتیں تو متواتر ہیں اور چودہ شاذ متواتر قرأتوں کی تلاوت کرے شاذ کی نہ کرے جیسے فصیام ثلثۃ ایام متوالیات یا جیسے وصلوۃ الوسطی صلوۃ العصر وغیرہ اب ہماری قرأت ابوحفص عن عاصم والی ہے۔ قاریوں کو چاہیے کہ اس کی قرأۃ کیا کریں۔ ورنہ عوام میں فتنہ پھیلے گا اور لوگ ان قرأتوں کا انکار ہی کردیں گے۔[۷] بعض محدثین نے فرمایا کہ یہ حدیث متواتر ہے اکیس صحابہ سے مروی ہے شاید متواتر سے مراد متواتر المعنی ہو۔ (مرقات)

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَجُلًا قَرَأَ

(۲۱۰۸) روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں میں نے

وَسَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ خِلَافَهَا فَجِئْتُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرْتُهُ فَعَرَفْتُ فِيْ وَجْهِهِ الْكَرَاهِيَةَ فَقَالَ كِلَاكُمَا مُحْسِنٌ فَلَا تَخْتَلِفُوْا فَاِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ اخْتَلَفُوْا فَهَلَكُوْا (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

ایک شخص کو تلاوت کرتے سنا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسکے خلاف تلاوت کرتے سنا تو میں انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا اور یہ سب بتایا تو میں نے حضور انور کے چہرہ منور میں ناراضی دیکھی ۱؎ فرمایا تم دونوں ٹھیک ہو ۲؎ آپس میں جھگڑو مت کیونکہ تم سے پہلے لوگ جھگڑے تو ہلاک ہو گئے ۳؎ (بخاری)

(۲۱۰۸) ۱؎ یہ ناراضی قرآن شریف میں اختلاف کی وجہ سے ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطرہ تھا کہ کہیں مسلمان کتاب اللہ میں یہود و نصاریٰ کی طرح اختلاف نہ کرنے لگیں ۲؎ یعنی تم نے جو سنا وہ ٹھیک سنا اور انہوں نے جو پڑھا درست پڑھا تمہارا سننا ان کا پڑھنا دونوں ٹھیک ہیں۔ چونکہ تمہیں یہ خبر نہ تھی کہ قرآن کریم کی قرأت مختلف طریقوں سے جائز ہے۔ اس لیے تم یہ انکار کر بیٹھے تمہیں ان صحابی سے اچھا گمان کرنا چاہیے تھا۔ انہیں میرے پاس لانا نہ چاہیے تھا ۳؎ اس طرح کہ یہود نے توریت کے اور عیسائیوں نے انجیل کے مختلف نسخے بنا دیئے اور ہر جماعت نے دوسرے نسخے کا انکار کر دیا اور کلام الٰہی کا انکار کفر ہے۔

وَعَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كُنْتُ فِي الْمَسْجِدِ فَدَخَلَ رَجُلٌ يُّصَلِّيْ فَقَرَأَ قِرَاءَةً اَنْكَرْتُهَا عَلَيْهِ ثُمَّ دَخَلَ اٰخَرُ فَقَرَأَ قِرَاءَةً سِوٰى قِرَاءَةِ صَاحِبِهٖ فَلَمَّا قَضَيْنَا الصَّلٰوةَ دَخَلْنَا جَمِيْعًا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اِنَّ هٰذَا قَرَأَ قِرَاءَةً اَنْكَرْتُهَا عَلَيْهِ وَدَخَلَ اٰخَرُ فَقَرَأَ سِوٰى قِرَاءَةِ صَاحِبِهٖ فَاَمَرَهُمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَءَا فَحَسَّنَ شَاْنَهُمَا فَسُقِطَ فِيْ نَفْسِيْ مِنَ التَّكْذِيْبِ وَلَا اِذْ كُنْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَلَمَّا رَاٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قَدْ غَشِيَنِيْ ضَرَبَ فِيْ صَدْرِيْ فَفِضْتُ عَرَقًا فَكَاَنَّمَا اَنْظُرُ اِلَى اللّٰهِ فَرَقًا فَقَالَ لِيْ يَا اُبَيُّ اُرْسِلَ اِلَيَّ اَنِ اقْرَاِ الْقُرْاٰنَ عَلٰى حَرْفٍ فَرَدَدْتُّ اِلَيْهِ اَنْ هَوِّنْ عَلٰى اُمَّتِيْ فَرُدَّ اِلَيَّ الثَّانِيَةَ اِقْرَاْهُ عَلٰى حَرْفَيْنِ فَرَدَدْتُّ اِلَيْهِ اَنْ هَوِّنْ عَلٰى اُمَّتِيْ فَرُدَّ اِلَي الثَّالِثَةَ اقْرَاْهُ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ وَّلَكَ بِكُلِّ رَدَّةٍ رَدَدْتُّكَهَا مَسْئَلَةٌ تَسْاَلُنِيْهَا فَقُلْتُ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاُمَّتِيْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاُمَّتِيْ وَاَخَّرْتُ

(۲۱۰۹) روایت ہے حضرت ابی ابن کعب سے فرماتے ہیں میں مسجد میں تھا کہ ایک شخص آ کر نماز پڑھنے لگا اس نے ایسی قرأت کی جس کا میں نے انکار کیا ۱؎ پھر دوسرا شخص آیا تو اس نے بھی اس پہلے والے کی قرأت کے سواء اور قرأت کی ۲؎ جب ہم نماز پڑھ چکے اور ہم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ۳؎ تو میں نے عرض کیا کہ ان صاحب نے ایسی قرأت کی ہے جس کا میں انکاری ہوں اور دوسری صاحب آئے تو انہوں نے ان کے سوا اور ہی قرأت کی۔ تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو حکم دیا انہوں نے قرأت کی ۴؎ تو حضور نے ان کی تعریف کی اس سے میرے دل میں کچھ تردد پیدا ہوا ۵؎ جو زمانہ جاہلیت میں نہ ہوا تھا ۶؎ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر چھایا ہوا تردد ملاحظہ کیا تو میرے سینہ پر دست اقدس مارا کہ میں پسینے سے نچڑ گیا اور ڈر سے میں ایسا ہو گیا گویا رب کو دیکھ رہا ہوں ۷؎ مجھ سے فرمایا اے ابی قرآن مجھ پر ایک قرأت میں بھیجا گیا تھا۔ میں نے رب کی بارگاہ میں رجوع کیا کہ الٰہی میری امت پر آسانی کر رب نے مجھے دوبارہ جواب دیا کہ دو قرأتوں پر پڑھ سکتے ہو پھر میں نے رب کی طرف رجوع کیا کہ میری امت پر آسانی فرما رب نے تیسرا جواب دیا کہ سات قرأتوں پر تلاوت

الثَّالِثَةَ لِيَوْمٍ يَّرْغَبُ اِلَيَّ الْخَلْقُ كُلُّهُمْ حَتّٰى اِبْرَاهِيْمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

کر سکتے ہو۸؎ اور اے محبوب تمہیں ہر بار عرض کے عوض ایک خصوصی دعا بخشتے ہیں جو تم ہم سے مانگ لینا۹؎ میں نے عرض کیا الٰہی میری امت بخش دے۔ الٰہی میری امت بخش دے۱۰؎ اور میں نے تیسری دعا اس دن کیلئے بچا رکھی ہے جب ساری خلقت حتی کہ ابراہیم علیہ السلام بھی میرے در پر شفاعت کیلئے آئیں گے۱۱؎ مسلم

(۲۱۰۹)۱؎ غالبًا یہ قراۃ نماز سے خارج ہوگی یعنی انہوں نے نماز سے فارغ ہو کر قرآن کریم کی تلاوت کی۔ اس تلاوت میں یہ واقعہ پیش آیا۔ انکار کی وجہ یہ ہوئی کہ حضرت ابی نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اور طرح تلاوت سیکھی تھی اور یہ دوسری طرح تھی ان کے علم میں یہ بات نہ تھی کہ تلاوت قرآن مختلف طرح سے درست ہے۔ یہاں انکار سے مراد دلی انکار ہے یعنی میں نے دل میں ان پر اعتراض کیا۲؎ یعنی ان دوسرے صاحب کی قرأت میری قرأت کے بھی خلاف تھی اور اس پہلے شخص کی قرأت کے بھی خلاف' اس سے میرا تعجب وانکار اور بڑھ گیا۳؎ مرقات نے فرمایا غالبًا یہ نماز چاشت تھی جو آگے پیچھے ان بزرگوں نے پڑھی' مسجد نبوی میں ان سب کا اجتماع ہوگیا فرض نماز ہوتی تو ایک ساتھ جماعت سے پڑھی جاتی۔ لہٰذا حدیث بالکل ظاہر ہے۔ بعد نماز یہ حضرات حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حجرے میں حاضر ہوئے۔ جہاں اس وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر تھے۴؎ وہ ہی قرأتیں کیں جو میں نے ان دونوں سے سنی تھیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی ان مختلف قرأتوں کو صحیح فرمایا کہ تم بھی ٹھیک پڑھتے ہو اور تم بھی۵؎ ظاہر یہ ہے کہ فسقط معروف ہے اس لیے اس کے یہ معنی کیے گئے اور تکذیب سے مراد ہے اس کے کلام الٰہی ہونے کا انکار کہ اگر یہ کلام ربانی ہوتا تو ایک ہی طرح ہوتا چند طرح کیسا' خیال رہے کہ بے اختیاری برے خیال کو وسوسہ کہتے ہیں اس پر نہ عذاب ہے نہ سزا یہ وسوسہ ہی تھا۔ اس لیے حضرت ابی پر نہ فتویٰ کفر لگ سکتا ہے نہ فتویٰ فسق' اس لیے فسقط فرمایا یعنی غیر اختیاری طور پر دل میں بدگمانی سی پیدا ہوئی۶؎ یعنی آج کا یہ انکار غیر اختیاری اتنا قوی تھا کہ اس سے پہلے حالت کفر میں اس قسم کا اتنا سخت انکار میرے دل میں نہ آیا تھا۔ خیال رہے کہ اس انکار کو اتنا سخت کہنا اس لیے ہے کہ پہلے تو وہ مسلمان تھے ہی نہیں۔ اس وقت انکار کرنا اتنا بڑا جرم نہ تھا۔ اب ہو چکے تھے مسلمان اور مسلمان ہو کر انکار بڑا جرم ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اتنا خطرناک انکار زمانہ کفر میں میرے دل میں نہ آیا تھا۔ اس انکار کو خطرناک جاننا کمال ایمان کی دلیل ہے اور یہ ندامت بہترین عبادت ہوسکتا ہے کہ پوشیدہ ہو اور من التکذیب کی تعلیلیہ یعنی اس غیر اختیاری تکذیب کی وجہ سے مجھے اتنی شرمندگی ہوئی اور میرے دل میں ایسی ندامت واقع ہوئی کہ ایسی ندامت اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی نہ کفر میں نہ اسلام میں اس صورت میں معنی بالکل واضح ہیں۹؎ اس واقعہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے تین معجزے ظاہر ہوئے ایک یہ کہ حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی ندامت وشرمندگی معلوم فرمالینا دوسرے دست اقدس رکھ کر اس انکار اور ندامت کو ختم فرما دینا۔ تیسرے حضرت ابی ابن کعب کو احساس کے اعلیٰ درجہ پہ پہنچا دینا کہ حضرت ابی کو یہ محسوس ہونے لگا کہ میں ربّ کو دیکھ رہا ہوں۔ اس وقت جو فیضان ہوا ہوگا وہ بیان سے باہر ہے۔ حضرت ابی کو پسینہ آجانا قوت فیض کی بنا پر تھا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو جاڑوں کے موسم میں وحی نازل ہونے پر پسینہ آجاتا تھا۔ بعض مشائخ اپنے مریدین کو ان کے سینے پر ہاتھ مار کر فیض دیتے ہیں۔ ان کا ماخذ یہ حدیث ہے۱۰؎ سرکار عالی کا یہ ارشاد فرمانا جنانی تسکین عطا فرمانے کے بعد لسانی تسکین ہے حضرت ابی کو اطمینان تو پہلے ہی ہو چکا تھا مگر وہ بیان میں نہ آسکتا تھا۔ اب کلامًا ارشاد

فرمایا جس کی تبلیغ بھی ہوسکتی ہے گویا پہلے طریقت سکھائی پھر شریعت بتائی ۱؎یعنی اے محبوب ہم تو پہلے ہی جانتے تھے کہ قرآن کریم کی قرأتیں سات ہونگی مگر ہمارا منشاء یہ تھا کہ یہ آسانی تمہاری طلب پر دیں تاکہ ہماری یہ نعمت امت کو تمہاری طفیل ملے جیسے پچاس نمازوں کی پانچ رہیں۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عرض اور تمہاری کوشش سے اور ہم کو تمہاری یہ عرض ومعروض ایسی پیاری معلوم ہوئیں کہ ہم تمہیں ہر عرض پر ایک انعام خاص بخشتے ہیں کہ تم نے تین بار عرض کیا ہم تمہیں تین خصوصی دعائیں دیتے ہیں جو مانگو سو پاؤ ۲؎اس رحمت والے داتا کے قربان اس کی دین کے صدقے اس وقت حضور اپنے اور اپنی اولاد کیلئے جو چاہتے مانگ لیتے مگر امت کو یاد فرمایا خیال رہے کہ پہلی بخشش سے کبیرہ گناہوں کی بخشش مراد ہے اور دوسری بخشش سے صغیرہ گناہوں کی مغفرت مقصود یعنی الٰہی میری امت کے چھوٹے بڑے سارے گناہ بخش دے چونکہ یہ بخششیں صرف مجرم مسلمانوں کیلئے ہی ہوسکتی ہیں۔اس لیے اپنی امت کا ذکر کیا ۳؎یعنی تیسری دعا قیامت کیلئے اٹھا رکھی ہے۔اس دعا کا فائدہ کفار' مسلمان' گنہگار' نیک کار انبیائے کرام' اولیائے عظام سب ہی اٹھائیں گے کہ اس دعا سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کبریٰ کا دروازہ کھولیں گے۔اس کی برکت سے کفار کو میدان حشر سے نجات ہم گنہگاروں کو دوزخ سے نجات' نیک کاروں کو رفع درجات میسر ہونگے اور سب کیلئے عرض حاجات کا دروازہ کھل جائے گا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی دھوم مچ جائے گی۔شعر:

گرتے ہوؤں کو مژدہ سجدے میں گرے مولیٰ ۔۔۔۔ رو رو کے شفاعت کی تمہید اٹھائی ہے

اللھم صلی وبارك علی سیدنا محمد وآله وصحبه وسلم

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَقْرَاَنِیْ جِبْرَائِیْلُ عَلٰی حَرْفٍ فَرَاجَعْتُهُ فَلَمْ اَزَلْ اَسْتَزِيْدُهُ وَيَزِيْدُنِیْ حَتّٰى انْتَهٰى اِلٰی سَبْعَةِ اَحْرُفٍ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ بَلَغَنِیْ اَنْ تِلْكَ السَّبْعَةَ الْاَحْرُفَ اِنَّمَا هِیَ فِی الْاَمْرِ تَكُوْنُ وَاحِدًا لَا تَخْتَلِفُ فِیْ حِلَالٍ وَّلَا حَرَامٍ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۱۱۰) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے جبریل نے ایک قرأت پر قرآن پیش کیا تھا مگر میں نے انہیں واپس بھیجا میں رب سے زیادہ مانگتا رہا رب مجھے زیادہ دیتا رہا حتیٰ کہ سات قرأتوں تک پہنچ گیا ۱؎ابن شہاب فرماتے ہیں مجھے خبر ملی ہے کہ یہ سات قرأتیں حقیقۃً ایک ہی ہیں جو حلال وحرام میں مختلف نہیں ۲؎(مسلم' بخاری)

(۲۱۱۰) ۱؎یعنی پہلی ایک قرأت تو رب تعالیٰ کی طرف سے میری بغیر طلب ملی۔بقیہ چھ قرأتیں میری طلب پر عطا ہوئیں۔یہ قرآنی آیات بلکہ اسلامی احکام کا حال ہے کہ بعض تو خود رب تعالیٰ نے عطا فرمائیں اور بعض حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طلب وخواہش پر دی گئیں۔رب تعالیٰ فرماتا ہے:قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ (۲:۱۴۴) ہم دیکھ رہے ہیں تمہارا بار بار آسمان کی طرف منہ کرنا (کنز الایمان) معلوم ہوا کہ تبدیلی قبلہ کا حکم اور اس کی آیت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کی بناء پر ہے اس خواہش میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کا اظہار ہے ۲؎ابن شہاب یعنی امام زہری کا مقصد یہ ہے کہ یہاں سبعۃ احرف سے مراد احکام قرآنی نہیں ہیں جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھا وہ بولے کہ قصے' مثالیں' امر' نہی' حلال' حرام' محکم' متشابہ وغیرہ مضامین جو قرآن کریم میں وارد ہوئے۔یہاں وہ مراد ہیں۔امام زہری فرماتے ہیں نہیں یہ مراد نہیں بلکہ سات قرأتیں مراد ہیں کہ ان قرأتوں میں صرف حروف کی ہیئتوں میں فرق ہوتا ہے۔معانی واحکام وغیرہ میں فرق نہیں ہوتا علماء اصول نے فرمایا کہ قرآن میں مطلق' مقید' عام' خاص' نص' قول' ناسخ' منسوخ' مجمل

مفسر وغیرہ ہیں نحویوں نے کہا کہ اس میں ذکر، حذف، تقدیم، تاخیر، استعارہ، تکرار، کنایہ حقیقت و مجاز وغیرہ ہیں۔ صوفیاء نے فرمایا کہ قرآن میں زہد و قناعت، یقین، حرف، خدمت، حیاء، کرم، مجاہدہ، مراقبہ، خوف، امید، رضاء، شکر و صبر محبت شوق، مشاہدہ وغیرہ ہیں۔ یہاں وہ مراد ہے مگر امام زہری کا قول قوی ہے کہ یہاں سات قرأتیں مراد ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ قَالَ لَقِیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِبْرَئِيْلَ فَقَالَ يَا جِبْرَئِيْلُ اِنِّیْ بُعِثْتُ اِلٰی اُمَّةٍ اُمِّيِّيْنَ مِنْهُمُ الْعَجُوْزُ وَالشَّيْخُ الْكَبِيْرُ وَالْغُلَامُ وَالْجَارِيَةُ وَالرَّجُلُ الَّذِیْ لَمْ يَقْرَاْ كِتَابًا قَطُّ قَالَ يَا مُحَمَّدُ اِنَّ الْقُرْاٰنَ اُنْزِلَ عَلٰی سَبْعَةِ اَحْرُفٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَفِیْ رِوَايَةٍ لِّاَحْمَدَ وَاَبِیْ دَاوٗدَ قَالَ لَيْسَ مِنْهَا اِلَّا شَافٍ كَافٍ وَفِیْ رِوَايَةٍ لِلنَّسَآئِیِّ قَالَ اِنَّ جِبْرَئِيْلَ وَ مِيْكَائِيْلَ اَتَيَانِیْ فَقَعَدَ جِبْرَئِيْلُ عَنْ يَّمِيْنِیْ وَ مِيْكَآئِيْلُ عَنْ يَسَارِیْ فَقَالَ جِبْرَئِيْلُ اِقْرَاِ الْقُرْاٰنَ عَلٰی حَرْفٍ قَالَ مِيْكَآئِيْلُ اسْتَزِدْهُ حَتّٰی بَلَغَ سَبْعَةَ اَحْرُفٍ فَكُلُّ حَرْفٍ شَافٍ كَافٍ

(۲۱۱۱) روایت ہے حضرت ابی ابن کعب سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جبریل امین نے ملاقات کی تو حضور نے فرمایا اے جبریل میں بے پڑھی جماعت کی طرف بھیجا گیا ہوں جن میں بوڑھی عورتیں بڑے بوڑھے بچے بچیاں اور وہ لوگ بھی جنہوں نے کبھی کوئی کتاب نہ پڑھی[۱] انہوں نے عرض کیا اے محمد یہ قرآن سات قرأتوں پر اتارا گیا ہے[۲] (ترمذی اور احمد و ابوداؤد) کی روایت میں یوں ہے۔ ان قرأتوں میں سے ہر قرأت شافی کافی ہے[۳] اور نسائی کی روایت میں ہے کہ فرمایا حضور انور نے جبریل و میکائیل میرے پاس آئے جبریل تو میری داہنی جانب بیٹھ گئے اور میکائیل میری بائیں طرف[۴] جبریل بولے قرآن ایک قرأت پر تلاوت کیجئے۔ حضرت میکائیل نے کہا یا رسول اللہ زیادتی کا مطالبہ فرماؤ[۵] حتی کہ سات قرأتوں تک پہنچ گئے ہر قرأت شافی کافی ہے[۶]

(۲۱۱۱)[۱] خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم تا قیامت لوگوں کیلئے آیا اور ان میں سب لائق و فائق ہی نہ ہوں گے بلکہ ہر قسم کے لوگ ہوں گے تو اگر اس کی قرأت صرف ایک رہی تو بہت لوگوں کو دشواری ہوگی کہ بعض لوگوں کی زبان پر امالہ آسان ہوتا ہے۔ بعض کی زبان پر تحقیق سہل اس لیے اس میں نرمی ہونی چاہیے۔ جبریل امین سے یہ فرمانا درحقیقت ربّ تعالٰی سے عرض کرنا ہے کیونکہ حضرت جبریل محبّ و محبوب کے درمیان وسیلہ ہیں جیسے ہمارا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے درد کہنا درحقیقت حق تعالٰی سے عرض کرنا ہے۔ معلوم ہوا کہ ربّ کے مقبول بندوں سے عرض مدعا کرنا درحقیقت ربّ تعالٰی ہی کو کہنا ہے۔ بنی اسرائیل کو جو کچھ رب سے کہنا ہوتا تھا وہ موسیٰ علیہ السلام سے ہی عرض کرتے تھے۔ وسیلہ کا ثبوت ہوا۔[۲] یعنی قرآن کریم سات لغتوں میں نازل ہوا جس کو جو لغت آسان ہو اس میں قرأت کر لے۔ اس کی مفصل شرح پہلے ہو چکی ہے[۳] یعنی ان سات قرأتوں میں سے جو قرأت پڑھ لی جائے وہ مومن کیلئے باعث شفا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر کافی دلیل ہے یا دنیا میں شافی ہے آخرت میں ثواب کیلئے کافی ہر قرأت کا ثواب یکساں کیونکہ صرف الفاظ اور طریقہ ادا میں کچھ فرق ہے معنی یکساں ہیں[۴] سبحان اللہ فرشتے نورانی اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نور، نوروں نے نور کو گھیر لیا اور مجمع نور علیٰ نور ہو گیا[۵] حضرت جبریل السلام اور حضرت میکائیل صف قدم بوسی کیلئے حاضر ہو... حضور انور صلی اللہ

علیہ وسلم کی خدمت میں مختلف فرشتے مختلف مقاصد لے کر حاضری دیتے تھے۔کوئی وحی دینے کو کوئی فیض لینے کو۵ جبریل امین سے اور وہ عرض کریں ربّ العالمین سے تاکہ آپ کی امت کو یہ فیض اور یہ آسانی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے اور ان فرشتوں کے ذریعہ سے میسر ہو۔خیال رہے کہ حضرت جبریل کا عرض کرنا کہ ایک قرأت پر تلاوت قرآن کیجئے۔ربّ تعالٰی کی طرف سے تھا اور حضرت میکائیل کی یہ عرض بھی حقیقۃً ربّ تعالٰی ہی کی طرف سے ہے کہ یہ عرض ان کے دل میں ڈال دی۔اس کی حکمتیں ہم ابھی کچھ پہلے عرض کر چکے ہیں۔۶ اس طرح کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر جبریل امین بارگاہ ربّ العالمین میں حاضر ہوئے اور دو قرأتوں کی اجازت لائے پھر دوبارہ فرمان عالی پاکر پھر وہاں پہنچے اور تین قرأتوں کی اجازت لائے۔غرضیکہ محبّ ومحبوب کے درمیان سات چکر لگائے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں نمازیں کم کرانے کو حضرت کلیم اور بارگاہ ربّ العالمین کے درمیان دس دفعہ گردش فرمائی تھی۔یہ منظر بھی عجیب ہوتا ہے۔

وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّهٗ مَرَّعَلٰى قَاصٍّ يَّقْرَأُ ثُمَّ يَسْاَلُ فَاسْتَرْجَعَ ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ فَلْيَسْاَلِ اللّٰهَ بِهٖ فَاِنَّهٗ سَيَجِيْءُ اَقْوَامٌ يَّقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ يَسْاَلُوْنَ بِهِ النَّاسَ

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ)

(۲۱۱۲) روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے کہ وہ ایک قصہ خواں پر گزرے جو قرآن پڑھتا اور لوگوں سے مانگتا تھا۱ آپ نے اناللہ پڑھی پھر فرمایا۲ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو قرآن پڑھے تو اس کے ذریعہ صرف اللہ سے مانگے۔عنقریب ایسی قومیں ہوں گی جو قرآن پڑھیں گی اسکے ذریعہ لوگوں سے مانگیں گی (احمد،ترمذی)۳

(۲۱۱۲)۱ محدثین کی اصطلاح میں قاص پیشہ ور واعظ کو کہتے ہیں جو اپنی تقریر میں احکام شرعیہ بیان نہ کرے صرف شعر اشعار قصے کہانیاں سنا کر لوگوں کو خوش کرنے کی کوشش کرے۔اگرچہ قرآن شریف ہی کے قصے سنائے مگر احکام سے خالی جیسے آج کل کے عام بے علم واعظین یہ سب قاص ہیں۔واعظ نہیں کہ واعظ تو نصیحت کرنیوالے کو کہتے ہیں۔وہ نصیحت نہیں کرتا صرف پیسے مانگتا ہے۔حاجت مند کسی کو نصیحت نہیں کرسکتا۔۲ اس گناہ و بدعت و علامت قیامت کو دیکھ کر آپ کو سخت صدمہ ہوا۔اظہار رنج کیلئے آپ نے اناللہ پڑھی۳ یا تو اس طرح کہ دوران تلاوت میں جب آیت رحمت پر گزرے تو اسکے حصول کی دعا مانگ لے اور جب آیت عذاب تلاوت کرے تو اس سے پناہ مانگ لے یا اس طرح کہ تلاوت سے فارغ ہوکر دعا مانگے۔معلوم ہوا کہ تلاوت سے فراغت پر خصوصاً ختم قرآن کے موقع پر دعا ضرور مانگی جائے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ يَتَاَكَّلُ بِهِ النَّاسَ جَآءَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَوَجْهُهٗ عَظْمٌ لَّيْسَ عَلَيْهِ لَحْمٌ

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

(۲۱۱۳) روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قرآن پڑھے اسکے ذریعہ لوگوں سے کھائے۱ وہ قیامت کے دن یوں آئے گا کہ اسکے منہ میں ہڈیاں ہوں گی۲ گوشت نہ ہوگا۳ (بیہقی) شعب الایمان

(۲۱۱۳)۱؎ جیسا آج کل دیکھا جارہا ہے کہ بعض بھکاری مسجدوں میں بلکہ گلی کوچوں میں تلاوت کرتے پھرتے ہیں اور ہاتھ پھیلایا ہوتا ہے یہ حرام ہے کہ اس سے قرآن کریم کی توہین ہے۔خیال رہے کہ طلباء سے ختم قرآن شریف کرا کر ان کی دعوت بھی کی جاتی ہے اور کچھ نقدی بھی دی جاتی ہے یا علمائے دین سے جلسوں میں وعظ کرا کر کرایہ و نذرانے دیئے جاتے ہیں۔یہ تمام صورتیں اس حکم سے خارج ہیں کہ وہاں ختم اور وعظ فی سبیل اللہ ہے اور ان کی خدمت فی سبیل اللہ جیسے مدرسین دینیہ کی تنخواہیں یا خلفائے اسلامیہ کے بھاری بھاری وظیفے نیز دم و تعویذ کی اجرت بھی اس سے خارج ہے کہ وہ تو علاج کی ہے نہ کہ تلاوت قرآن کی خلفائے راشدین نے خلافت پر تنخواہ لی اور صحابہ نے سورت فاتحہ پڑھ کر مار گزیدہ پر دم کیا۔اجرت میں تیس بکریاں لیں جن کا گوشت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ملاحظہ فرمایا جیسا کہ اسی مشکوۃ شریف کتاب الاجارہ میں انشاء اللہ آئے گا۔۲؎ اس طرح کہ بھکاری چند لقمے حاصل کرنے کیلئے دروازہ پر بجائے صدا دینے کے قرآن کریم پڑھے تاکہ لوگ کچھ دے دیں اسے قرآن پڑھانے والوں کی اجرت مدرسین و علماء کی تنخواہوں سے کوئی تعلق نہیں جیسا کہ روش حدیث سے ظاہر ہے۔۳؎ یعنی ان کے چہروں پر ذلت و خواری چھائی ہوگی جیسے آج بھی بعض لوگوں کو دیکھتے ہی معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ فقیر بھکاری ہے۔خیال رہے کہ امت محمدیہ کے چھپے عیب اللہ تعالٰی بھی چھپائے گا۔شان ستاری کی جلوہ گری ہو گی۔مگر جو عیب خود ان لوگوں نے ہی علانیہ کیے ہوں۔وہ وہاں پر بھی علانیہ طور پر ظاہر ہوں گے۔لہٰذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ یہ بھکاری تو امت مصطفوی میں سے تھا پھر اس کا یہ عیب کیوں ظاہر فرمایا گیا کیونکہ یہ اظہار تو خود وہ ہی کر چکا ہے۔ربّ تعالٰی کسی کا پردہ فاش نہیں کرے گا۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَعْرِفُ فَصْلَ السُّوْرَةِ حَتّٰى يَنْزِلَ عَلَيْهِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۲۱۱۴) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورتوں میں فاصلہ نہ پہچانتے تھے حتی کہ آپ پر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اتری تھی۱؎ (ابوداؤد)

(۲۱۱۴)۱؎ یہ حدیث مذہب حنفی کی قوی دلیل ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہر سورت کا جزء نہیں ہے بلکہ سورتوں کے درمیان فاصلہ کیلئے نازل فرمائی گئی ہے۔اسی لیے امام جہری نمازوں میں بسم اللہ بلند آواز سے نہیں پڑھتا اور جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلی سورۃ یعنی اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ اتری تو بسم اللہ نہ اتری کہ یہ نزول میں پہلی سورت تھی۔یہاں فصل کرنے کی ضرورت نہ تھی اور اس لیے بسم اللہ دوسری آیتوں سے ملا کر نہیں لکھی جاتی بلکہ علیحدہ سطر میں لکھی جاتی ہے اور اس لیے سورۃ توبہ میں بسم اللہ نہ لکھی گئی کیونکہ وہاں بسم اللہ کی جگہ معلوم نہ ہوسکی سورۃ توبہ کا علیحدہ سورت ہونا مشکوک تھا اس لیے وہاں سورۃ کا نام تو لکھ دیا گیا بسم اللہ نہ لکھی گئی۔بعض علماء نے فرمایا کہ بسم اللہ رحمت کی آیت ہے اور سورۃ توبہ عذاب و قہر کی سورۃ ہے۔اس لیے قہر کی سورت میں رحمت کی آیت مناسب نہیں (مرقات لمعات مع اضافہ)

وَعَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ كُنَّا بِحِمْصَ فَقَرَاَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ سُوْرَةَ يُوْسُفَ فَقَالَ رَجُلٌ مَا هٰكَذَا اُنْزِلَتْ فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ وَاللّٰهِ لَقَرَاْتُهَا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَحْسَنْتَ بَيْنَمَا هُوَ

(۲۱۱۵) روایت ہے حضرت علقمہ سے فرماتے ہیں ہم حمص میں تھے حضرت ابن مسعود نے سورۃ یوسف پڑھی تو ایک شخص بولا یہ اس طرح نہیں اتری۔حضرت عبداللہ نے فرمایا اللہ کی قسم میں نے یہ سورۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں پڑھی تو حضور

يُكَلِّمُهُ إِذْ وَجَدَمِنْهُ رِيحَ الْخَمْرِ فَقَالَ أَتَشْرَبُ الْخَمْرَ وَتُكَذِّبُ بِالْكِتَابِ فَضَرَبَهُ الْحَدَّ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

نے فرمایا ٹھیک پڑھی! جبکہ وہ شخص باتیں کر رہا تھا کہ اس سے شراب کی بو محسوس کی تو عبداللہ نے فرمایا تو شراب پیتا ہے اور قرآن کو جھٹلاتا ہے پھر اسے حد لگائی۲ (مسلم بخاری)

(۲۱۱۵) ایعنی تو تو کہتا ہے کہ سورۃ یوسف اس طرح نازل نہیں ہوئی اور خود صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم نے میری یہ ہی سورۃ سنی اور تصدیق وتحسین فرمائی تھی۔ یہ فخر یہ نہ کہا تھا بلکہ نعمت الٰہی کے اظہار کیلئے فرمایا۲ اس کوڑے شراب پینے کی سزا اس سے چند مسئلے ثابت ہوئے ایک یہ کہ شراب کی بو منہ سے پائی جائے تو اس سے شراب پینے کا ثبوت ہو جائے گا۔ مجرم اقرار کرے یا نہ کرے۔ گواہی قائم ہو یا نہ ہو مگر شرط یہ ہے کہ بو یقیناً شراب ہی کی ہو کچے سیب یا بہی کی نہ ہو۔ یہ ہی احناف کا مذہب ہے۔ دوسرے یہ کہ شراب کی بو پائے جانے یا شراب کی قے کرنے پر بھی حد شراب یعنی شرب کی سزا دی جاسکتی ہے۔ تیسرے یہ کہ نشہ والے کا ارتداد معتبر نہیں کہ وہ اپنے ہوش میں نہیں ہوتا۔ دیکھو قرآن شریف کا یا اس کی متواتر قرأت یعنی طریقہ ادا کا انکار کفر ہے مگر حضرت ابن مسعود نے اسے مرتد قرار نہ دیا۔ بلکہ شرابی قرار دیا ورنہ آپ یا تو اسے قتل کراتے۔ ورنہ تجدید ایمان وتجدید نکاح کا حکم دیتے ایک بار حضرت حمزہ نے نشہ کی حالت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر صحابہ سے کہہ دیا تھا ھل انتم الا عبید لا بی یہ گفتگو کفر تھی مگر انہیں کافر نہ کہا گیا فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر میت سے بحالت نزع روح کفریہ بات سنی جائے تو اسے کافر نہ مانا جائے گا۔ اس کی نماز جنازہ و دفن کیا جائے گا کہ اس وقت ہوش ٹھکانے نہیں ہوتے بے ہوشی میں کہہ رہا ہے بعض صوفیاء سے سکر کی حالت میں کلمہ کفر ثابت ہیں جیسے انا الحق یا سبحانی ما اعظم شانی وہ معذور ہیں کہ مدہوش ہیں نیند کا بھی یہ ہی حال ہے۔

وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ أَرْسَلَ إِلَيَّ أَبُوبَكْرٍ مَقْتَلَ أَهْلِ الْيَمَامَةِ فَإِذَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عِنْدَهُ قَالَ أَبُوبَكْرٍ إِنَّ عُمَرَ أَتَانِيْ فَقَالَ إِنَّ الْقَتْلَ قَدِ اسْتَحَرَّ يَوْمَ الْيَمَامَةِ بِقُرَّآءِ الْقُرْاٰنِ وَإِنِّيْ أَخْشٰى أَنِ اسْتَحَرَّ الْقَتْلُ بِالْقُرَّآءِ بِالْمَوَاطِنِ فَيَذْهَبُ كَثِيرٌ مِّنَ الْقُرْاٰنِ وَإِنِّيْ أَرٰى أَنْ تَأْمُرَ بِجَمْعِ الْقُرْاٰنِ قُلْتُ لِعُمَرَ كَيْفَ تَفْعَلُ شَيْئًا لَّمْ يَفْعَلْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَقَالَ عُمَرُ هٰذَا وَاللّٰهِ خَيْرٌ فَلَمْ يَزَلْ عُمَرُ يُرَاجِعُنِيْ حَتّٰى شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرِيْ لِذٰلِكَ وَرَاَيْتُ فِيْ ذٰلِكَ الَّذِيْ رَاٰى عُمَرُ قَالَ زَيْدٌ قَالَ أَبُوبَكْرٍ إِنَّكَ رَجُلٌ شَابٌّ عَاقِلٌ لَّانَتَّهِمُكَ وَقَدْ كُنْتَ تَكْتُبُ الْوَحْيَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَتَبَّعِ الْقُرْاٰنَ فَاجْمَعْهُ فَوَاللّٰهِ لَوْ كَلَّفُوْنِيْ

(۲۱۱۶) روایت ہے حضرت زید ابن ثابت سے فرماتے ہیں مجھے ابوبکر صدیق نے جنگ یمامہ کے موقع پر بلایا اتو حضرت عمر ابن خطاب آپ کے پاس تھے۔ ابوبکر صدیق نے فرمایا کہ جناب عمر میرے پاس آئے تو بولے کہ یمامہ کے دن قرآن کے قاری بہت شہید ہو گئے میں ڈرتا ہوں کہ اگر اور چند جنگوں میں قاری شہید ہوتے رہے تو بہت سا قرآن ضائع ہو جائے گا۲ لہذا میری رائے یہ ہے آپ قرآن جمع کرنے کا حکم دے دیں۳ میں نے عمر سے کہا تم وہ کام کیسے کر سکتے ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا۴ فرماتے ہیں کہ تب حضرت عمر نے کہا رب کی قسم یہ کام اچھا ہے۔ حضرت عمر بار بار یہ کہتے رہے۔ حتیٰ کہ اللہ نے اس کام کیلئے میرا سینہ کشادہ کر دیا۵ اور میں نے حضرت عمر کی رائے میں مصلحت دیکھی۔ حضرت زید کہتے ہیں کہ جناب ابوبکر نے فرمایا تم جوان ہو عقلمند ہو ہمیں تم پر بد اعتمادی نہیں۶ اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نَقْلَ جَبَلٍ مِّنَ الْجِبَالِ مَا كَانَ اَثْقَلَ عَلَيَّ مِمَّا اَمَرَنِيْ بِهٖ مِنْ جَمْعِ الْقُرْاٰنِ قَالَ قُلْتُ كَيْفَ تَفْعَلُوْنَ شَيْئًا لَّمْ يَفْعَلْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هُوَ وَاللّٰهِ خَيْرٌ فَلَمْ يَزَلْ اَبُوْبَكْرٍ يُرَاجِعُنِيْ حَتّٰى شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرِيْ لِلَّذِيْ شَرَحَ لَهٗ صَدْرَ اَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ فَتَتَبَّعْتُ الْقُرْاٰنَ اَجْمَعُهٗ مِنَ الْعُسُبِ وَاللِّخَافِ وَصُدُوْرِ الرِّجَالِ حَتّٰى وَجَدْتُّ اٰخِرَ سُوْرَةِ التَّوْبَةِ مَعَ اَبِيْ خُزَيْمَةَ الْاَنْصَارِيِّ لَمْ اَجِدْهَا مَعَ اَحَدٍ غَيْرِهٖ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ حَتّٰى خَاتِمَةِ بَرَآءَةَ فَكَانَتِ الصُّحُفُ عِنْدَ اَبِيْ بَكْرٍ حَتّٰى تَوَفَّاهُ اللّٰهُ ثُمَّ عِنْدَ عُمَرَ حَيٰوتَهٗ ثُمَّ عِنْدَ حَفْصَةَ بِنْتِ عُمَرَ

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

کے پاس وحی لکھتے رہے ہوئے لہٰذا تم ہی قرآن تلاش کرو اور اسے جمع کر دو ۸؎ اللہ کی قسم اگر وہ مجھے پہاڑوں میں سے کسی پہاڑ کے ہٹا دینے کا حکم دیتے وہ مجھ پر اتنا گراں نہ ہوتا جتنا قرآن جمع کرنے کا حکم مجھ پر بھاری پڑا ۹؎ فرماتے ہیں میں نے کہا آپ وہ کام کیوں کرتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا حضرت صدیق نے فرمایا خدا کی قسم یہ کام بہت اچھا ہے ۱۰؎ پھر حضرت صدیق بار بار مجھے یہ فرماتے رہے حتیٰ کہ اللہ نے میرا سینہ بھی اس کیلئے کھول دیا جس کیلئے حضرت صدیق و فاروق کا سینہ کھولا ۱۱؎ پھر میں نے قرآن کی تلاش شروع کی کہ اسے خرمے کی شاخوں' پتھروں اور لوگوں کے سینوں سے جمع کرنے لگا ۱۲؎ حتیٰ کہ سورۃ توبہ کا آخری حصہ حضرت ابوخزیمہ انصاری کے پاس پایا انکے سواء کسی کے پاس نہ ملا ۱۳؎ یعنی لقد جاء کم رسول سے ختم سورۃ برأت تک ۱۴؎ پھر یہ اوراق حضرت ابوبکر کے پاس رہے حتیٰ کہ رب نے انہیں وفات دے دی پھر تاحین حیات حضرت عمر کے پاس پھر حضرت حفصہ بنت عمر کے پاس ۱۵؎ (بخاری) ۱۶؎

(۲۱۱۶) ۱؎ یمامہ ایک سرسبز شہر ہے جو مدینہ منورہ سے سولہ منزل پر واقع ہے۔ یمامہ عورت کے نام پر رکھا گیا۔ وہاں قبیلہ بنی حنیفہ کے ایک شخص مسیلمہ نے دعویٰ نبوت کیا۔ اس پر بہت لوگ ایمان لے آئے۔ ان مرتدین سے حضرت ابوبکر صدیق نے جہاد کیا۔ بڑے گھمسان کا رن پڑا بارہ سو مسلمان شہید ہوئے۔ جن میں سات سو حافظ قرآن و قاری صحابہ بھی تھے۔ قرآن کریم کی حفاظت خطرہ میں پڑ گئی۔ حضرت خالد ابن ولید اسلامی سپہ سالار تھے۔ آخر حضرت وحشی نے مسیلمہ کو ہلاک کیا یہ کہہ کر کہ یہ حضرت حمزہ کے خون کا کفارہ ہے۔ خولہ بنت جعفر حنفیہ اسی جنگ میں گرفتار آئیں جو حضرت علی مرتضٰی کو دی گئیں۔ جن سے محمد ابن حنفیہ پیدا ہوئے۔ اس جنگ کی خبر قرآن کریم نے یوں دی: سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ (۴۸:۱۶) عنقریب تم ایک سخت لڑائی والی قوم کی طرف بلائے جاؤ گے (کنزالایمان) ۲؎ کیونکہ ابھی تک قرآن کریم نہ تو جمع ہوا ہے نہ کتابی شکل میں باقاعدہ لکھا گیا ہے۔ صرف سینوں میں ہے۔ اگر یہ سینے ہی ختم ہو گئے تو قرآن بھی ختم ہو جائیگا ۳؎ اے عمر فاروق اللہ تمہیں ہم سب کی طرف سے جزاء خیر دے۔ تم ہی نے قرآن جمع کرایا اور تم ہی نے حفاظت قرآن کا ذریعہ قائم کیا یعنی باقاعدہ تراویح کی جماعت میں ختم قرآن ہونا' اگر تراویح نہ ہوتی تو حفظ قرآن کا رواج بھی ختم ہو چکا ہوتا۔ تمہارے احسان سے مسلمان تاقیامت سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ اللہ تمہاری قبر انور نور سے بھر دے رضی اللہ تعالٰی عنہ ۴؎ یعنی جمع قرآن بدعت ہے اور ہر بدعت بری ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ کام بھی برا ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر وہ کام جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں نہ ہو وہ بدعت ہے۔ اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کی باقاعدہ جماعت قائم کرکے فرمایا نعمت البدعة هذه یہ بڑی اچھی بدعت ہے یعنی سُنت صحابہ شرعی بدعت ہے۔ خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ حیات میں قرآنی

آیات کی ترتیب تو دے دی تھی کہ ہر آیت کے نزول پر فرما دیتے تھے کہ اسے فلاں سورۃ میں فلاں آیت کے بعد رکھو یہ ترتیب لوح محفوظ کی ترتیب کے موافق تھی مگر قرآن جمع نہ فرمایا تھا کیونکہ جمع ممکن نہ تھا۔ آخر حیات شریف تک تو مختلف سورتوں کی مختلف آیتیں آتی رہی ہیں۔ جمع قرآن کی یہ سعادت تو حضرت ابوبکر و عمر و عثمان غنی کے نصیب میں تھی ۵ اور میں نے بھی یہ سمجھ لیا کہ ہر بدعت بری نہیں ہوتی بلکہ بعض بدعتیں اچھی بھی ہوتی ہیں حتی کہ بدعت حسنہ مستحب کبھی واجب اور کبھی فرض بھی ہوتی ہے۔ اس وقت قرآن بدعت تھا مگر فرض تھا۔ اس سے بدعت حسنہ کا قوی ثبوت ہوا ۶ مجھے یقین ہو گیا کہ اس وقت جمع قرآن نہ کرنا یہ اس کے ضائع ہونے کا سبب ہوگا۔ یہاں مرقات نے فرمایا کہ جمع قرآن بدعت تھا مگر خیر بدعت ۷ یعنی جمع قرآن میں قوت کی بھی ضرورت ہے اور علم و حفظ اور دیانتداری کی بھی تم میں خدا کے فضل سے یہ سارے اوصاف جمع ہیں ۸ یعنی اکثر کتابت وحی تم نے کی ہے۔ مرقات نے فرمایا کہ کاتبین وحی چوبیس صحابہ تھے جس میں خلفائے راشدین بھی ہیں۔ ہم نے اپنی کتاب امیر معاویہ میں بحوالہ صواعق محرقہ وغیرہ لکھا ہے کہ کاتبین وحی تیرہ ہیں، یعنی زیادہ تر لکھنے والے خلفاء راشدین، عامر ابن فہیرہ، عبداللہ ابن ارقم، ابی ابن کعب، ثابت ابن قیس، خالد ابن سعید ابن عاص، حنظلہ ابن ربیع سلمی ہے۔ زید ابن ثابت، معاویہ ابن ابی سفیان، شرحبیل ابن حسنہ ۹ یعنی یہ کام قریباً سارے صحابہ کریں گے، مگر اس کے منتظم تم ہو گے۔ لہٰذا اس جملہ پر یہ اعتراض نہیں کہ پھر تو قرآن کریم متواتر نہ رہا ایک زید ابن ثابت کی روایت سے شروع ہوا ۱۰ یا تو اس لیے کہ جمع قرآن کو میں نے بدعت جانا اور ناجائز سمجھا اس لیے کہ پہاڑ کا منتقل کرنا جسمانی مشقت سے ہے اور جمع قرآن میں جسمانی اور روحانی دونوں مشقتیں ہیں یا اس لیے کہ پہاڑ ٹال دینے میں کوئی ذمہ داری نہیں اور جمع قرآن میں قیامت تک مسلمانوں کے ایمان و اعمال کی حفاظت کی ذمہ داری ہے کہ اگر ایک آیت میں ذرا سی بھی غلطی ہوگئی تو کسی کے نہ ایمان کی خیر ہے نہ اعمال کی ۱۱ یعنی اگرچہ قرآن جمع کرنا بدعت ہے مگر اچھی بدعت ہے۔ خیال رہے کہ ایجادات صحابہ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت فرمایا ہے علیکم بسنتی وسنته الخلفاء الراشدين لغوی معنی سے یعنی طریقہ و مسلک، ربّ تعالٰی نے فرمایا ہے سنة من قد ارسلنا قبلك من رسلنا اور میں بھی سمجھ گیا کہ ہر بدعت بری نہیں ہوتی بعض بدعتیں اچھی بھی ہوتی ہیں۔ جمع قرآن مجید ہے تو بدعت مگر اچھی ہے ۱۲ خیال رہے کہ چار صحابہ کو قرآن کریم مکمل حفظ تھا۔ ابی ابن کعب، زید ابن ثابت، معاذ ابن جبل، ابوالدرداء رضی اللہ عنہم مگر حضرت زید نے صرف اپنی یاد پر جمع نہ فرمایا بلکہ تمام صحابہ سے ہر آیت کی تائید حاصل کی۔ چنانچہ مختلف آیتیں مختلف صحابہ سے مختلف طرح ملیں۔ کسی کو صرف یاد تھیں۔ کسی کے پاس یاد کے علاوہ پتوں، پتھروں وغیرہ پر لکھی ہوئی بھی تھیں۔ حضرت زید بن ثابت نے ان تمام چیزوں کو جمع کیا پھر اپنی یاد سے مقابلہ کیا پھر انہیں مختلف اوراق میں پرچوں کی شکل میں یکجا کر کے انہیں دھاگہ سے باندھ کر ایک تھیلا میں محفوظ کر لیا۔ صدیق اکبر کے زمانہ میں جمع قرآن کی یہ نوعیت ہوئی کہ آیات قرآنیہ متفرق تھیں۔ ایک دھاگہ اور ایک تھیلا میں جمع ہوگئیں۔ کتابی شکل میں قرآن کا آنا عہد عثمان میں ہوا۔ اس لیے حضرت عثمان کو جامع قرآن کہا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ جمع قرآن تین بار ہوا۔ ایک بار تو عہد نبوی میں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے لوگوں نے اپنے ذہن میں ترتیب دے لیں۔ پھر عہد صدیق میں کہ مختلف اوراق ایک دھاگہ ایک تھیلا میں جمع ہو گئے پھر عہد عثمانی میں قرآن شریف کتابی شکل میں آ گیا۔ (لمعات و مرقات) اس تقریر سے تمام شبہات دفع ہو گئے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود جمع قرآن کیوں نہ کیا۔ یہ کہ جب جامع قرآن ابوبکر صدیق ہیں تو عثمان غنی کو جامع قرآن کیوں کہا جاتا ہے یہ کہ پھر تو قرآنی آیات متواتر نہ رہیں بعض مشکوک ہو گئیں جو محض اوراق یا پتوں یا پتھروں سے لی گئیں وغیرہ ۱۳ یعنی یہ آیت ابوخزیمہ

انصاری کے سواء کسی کے پاس لکھی ہوئی محفوظ نہ تھی۔ یاد مجھے بھی تھی اور دوسرے صحابہ کو بھی مگر میں نے صرف اپنی یاد پر آیات جمع نہ کیں۔ لہذا اس سے لازم یہ نہیں کہ یہ آیت متواتر نہ تھی ۱۴ براءۃ سورۃ توبہ کا نام ہے کیونکہ اس کے اول میں ہے براءۃ من اللہ یعنی سورۃ توبہ کی آخری آیت لقد جاء کم سے ربّ العرش العظیم تک صرف ابوخزیمہ انصاری کے پاس لکھی ہوئی ملی۔ مرقات نے فرمایا کہ الفاظ قرآن دلیل قطعی سے ثابت ہیں اور طریقہ کتابت دلیل ظنی سے ۱۵ چونکہ صدیق اکبر کی حیات شریف میں ہی حضرت عمر خلیفہ ہو گئے تھے اس لیے اوراق آیات کا یہ تھیلا عمر فاروق کو خود صدیق اکبر ہی نے عطاء فرما دیا تھا اور حضرت فاروق کی زندگی میں خلیفہ مقرر نہ ہوا تھا بعد میں چناؤ ہونا تھا۔ اس لیے یہ اوراق جناب عمر کی صاحبزادی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ام المومنین حفصہ کے پاس امانۃً محفوظ رہے جو پھر حضرت عثمان نے ان سے منگا لیے جس کا ذکر اگلی حدیث میں آ رہا ہے۔ ۱۶ یہاں مرقات نے حدیث حسن نقل کی کہ حضرت علی فرماتے ہیں کہ مسلمانوں پر احسان عظیم فرمانے والے ابوبکر صدیق ہیں۔ اللہ ان پر رحمتوں کی بارش کرے کہ مسلمان کو قرآن جمع کر کے دے گئے وہ جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت علی نے خفیہ قرآن جمع کیا وہ روافض کی گھڑی ہوئی ہے۔ ورنہ وہ ضرور اس قرآن کی اشاعت کرتے۔ قرآن تو اشاعت کیلئے آیا نہ کہ غار میں چھپانے کیلئے رب تعالٰی فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَ الْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِی الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓىٕكَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ (۱۵۹:۲) بے شک وہ جو ہماری اتاری ہوئی روشن باتوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں بعد اس کے کہ لوگوں کے لئے ہم اسے کتاب میں واضح فرما چکے ان پر اللہ کی لعنت ہے اور لعنت کرنے والوں کی لعنت (کنزالایمان) یعنی قرآن چھپانے والے پر اللہ کی اور سب خلق کی لعنت ہے۔

وَعَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ حُذَیْفَةَ بْنَ الْیَمَانِ قَدِمَ عَلٰى عُثْمَانَ وَكَانَ یُغَازِیْ اَهْلَ الشَّامِ فِیْ فَتْحِ اَرْمِیْنِیَةَ وَاَذْرَبِیْجَانَ مَعَ اَهْلِ الْعِرَاقِ فَاَفْزَعَ حُذَیْفَةَ اخْتِلَافُهُمْ فِی الْقِرَآءَةِ فَقَالَ حُذَیْفَةُ لِعُثْمَانَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَدْرِكْ هٰذِهِ الْاُمَّةَ قَبْلَ اَنْ یَّخْتَلِفُوْا فِی الْكِتَابِ اخْتِلَافَ الْیَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى فَاَرْسَلَ عُثْمَانُ اِلٰى حَفْصَةَ اَنْ اَرْسِلِیْ اِلَیْنَا بِالصُّحُفِ نَنْسَخُهَا فِی الْمَصَاحِفِ ثُمَّ نَرُدُّهَا اِلَیْكِ فَاَرْسَلَتْ بِهَا حَفْصَةُ اِلٰى عُثْمَانَ فَاَمَرَ زَیْدَ بْنَ ثَابِتٍ وَّعَبْدَاللّٰهِ بْنَ الزُّبَیْرِ وَسَعِیْدَ بْنَ الْعَاصِ وَعَبْدَاللّٰهِ بْنَ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ فَنَسَخُوْهَا فِی الْمَصَاحِفِ وَقَالَ عُثْمَانُ لِلرَّهْطِ الْقُرَشِیِّیْنَ الثَّلٰثِ اِذَا اخْتَلَفْتُمْ اَنْتُمْ وَزَیْدُ بْنُ ثَابِتٍ فِیْ شَیْءٍ مِّنَ الْقُرْاٰنِ فَاكْتُبُوْهُ بِلِسَانِ قُرَیْشٍ فَاِنَّمَا نَزَلَ بِلِسَانِهِمْ

(۲۱۱۷) روایت ہے حضرت انس ابن مالک سے کہ حضرت حذیفہ ابن یمان جناب عثمان کی خدمت میں آئے جبکہ آپ فتح ارمینیہ میں شام والوں اور فتح آذربیجان میں عراق والوں سے جہاد کر رہے تھے۔ حضرت حذیفہ کو لوگوں کی قرأت قرآن کے اختلاف نے گھبرا دیا تھا ۱ چنانچہ حضرت حذیفہ نے حضرت عثمان سے عرض کیا اے امیر المومنین اس امت کی اس سے پہلے مدد کیجئے جبکہ وہ یہود و نصاریٰ کی طرح کتاب اللہ میں اختلاف کر بیٹھیں ۲ تب جناب عثمان نے بی بی حفصہ کو پیغام بھیجا کہ ہمارے پاس وہ اوراق بھیج دو تا کہ ہم انہیں صحیفوں میں نقل کریں ۳ پھر تمہیں واپس کر دیں گے ۴ حضرت حفصہ نے وہ صحیفے جناب عثمان کو بھیج دیئے۔ آپ نے حضرت زید ابن ثابت عبداللہ ابن زبیر سعید ابن عاص عبداللہ ابن حارث ابن ہشام کو حکم دیا ۵ انہوں نے اسے مختلف صحیفوں میں نقل کیا ۶ اور حضرت عثمان نے قریشی جماعت سے فرمایا جو تین صاحب تھے ۷ کہ جب تم اور زید ابن ثابت قرآن کی کسی آیت میں

فَفَعَلُوْا حَتّٰى اِذَا نَسَخُوا الصُّحُفَ فِي الْمَصَاحِفِ رَدَّ عُثْمَانُ الصُّحُفَ اِلٰى حَفْصَةَ وَاَرْسَلَ اِلٰى كُلِّ اُفُقٍ بِمُصْحَفٍ مِمَّا نَسَخُوْا وَاَمَرَ بِمَا سِوَاهُ مِنَ الْقُرْاٰنِ فِي كُلِّ صَحِيْفَةٍ اَوْ مُصْحَفٍ اَنْ يُّحْرَقَ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَاَخْبَرَنِيْ خَارِجَةُ بْنُ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّهُ سَمِعَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ قَالَ فَقَدْتُّ اٰيَةً مِنَ الْاَحْزَابِ حِيْنَ نَسَخْنَا الْمُصْحَفَ قَدْ كُنْتُ اَسْمَعُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ بِهَا فَالْتَمَسْنَاهَا فَوَجَدْنَاهَا مَعَ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ الْاَنْصَارِيِّ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَاَلْحَقْنَاهَا فِيْ سُوْرَتِهَا فِي الْمُصْحَفِ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

اختلاف کرو ۸ تو اسے زبان قریش ہی میں لکھنا کیونکہ قرآن زبان قریش میں اترا ہے ۹ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا حتیٰ کہ جب یہ صحیفے دیگر مصاحف میں نقل کرلیے تو حضرت عثمان نے یہ اوراق بی بی حفصہ کو واپس کردیئے اور ان نقل شدہ میں سے ہر طرف ایک نسخہ بھیج دیا ۱۰ اور ان کے سواء بقیہ اور نسخوں کو جلا دینے کا حکم دے دیا ۱۱ ابن شہاب فرماتے ہیں کہ مجھے خارجہ ابن زید ابن ثابت نے خبر دی ۱۲ کہ انہوں نے حضرت زید ابن ثابت کو فرماتے سنا کہ میں نے سورہ احزاب کی ایک آیت قرآن نقل کرتے وقت گم پائی جو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے ہوئے سنا کرتا تھا ۱۳ ہم نے اسے بہت تلاش کیا تو اسے خزیمہ ابن ثابت انصاری کے پاس پایا ۱۴ یعنی یہ آیت کہ مومنوں میں بعض وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو سچ کر دکھایا چنانچہ ہم نے اسے قرآن شریف میں اس سورت سے ملا دیا (بخاری) ۱۵

(۲۱۱۷) ۱ بلاد الغرب میں آذر بائیجان مشہور شہر ہے اور اسی شہر کے نام سے علاقہ کو بھی آذر بیجان کہا جاتا ہے۔ اس علاقہ میں آرمینیہ مشہور شہر ہے۔ عہد عثمانی میں یہ علاقہ فتح ہوا۔ اس جہاد میں شام و عراق کے غازی جمع تھے۔ یہ حضرات قرآن کریم مختلف طرح پڑھتے تھے اور ہر ایک کہتا تھا کہ میرا قرآن صحیح دوسرے کا غلط ہے۔ یہ اختلاف یا تو مختلف قرأتوں کی بناء پر تھا جو زمانہ نبوی میں مروج ہوچکی تھیں یا اس لیے کہ بعض صحابہ کے پاس قرآنی آیتوں کے ساتھ کچھ تفسیری نوٹ تھے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے تھے۔ وہ اسے قرآن سمجھے بیٹھے تھے اور قرآن کی طرح ان کی بھی تلاوت کرلیتے تھے۔ ۲ یعنی اے امیر المومنین ابھی تو عہد صحابہ ہے۔ اگر اس وقت سے قرآن میں اختلاف پیدا ہوگیا تو آگے چل کر سینکڑوں قسم کے قرآن جمع ہوجائیں گے جس کی وجہ سے مسلمانوں میں تفرقہ پیدا ہوگا ہر فرقہ کہے گا کہ میرا قرآن درست ہے۔ دوسرے کا غلط جیسا کہ آج توریت و انجیل کے نسخوں کا حال ہے۔ ۳ حضرت عثمان غنی۔ نے پہلے تو پچاس ہزار مسلمانوں کو جمع فرما کر ان سے مشورہ کیا سب نے بالاتفاق جمع قرآن کی رائے دے دی پھر آپ نے حضرت ام المومنین حفصہ بنت عمر فاروق سے جمع شدہ تھیلا منگوایا۔ یہاں مصحف سے مراد وہ اوراق ہیں جو حضرت صدیق اکبر جمع فرما کر دھاگے سے باندھ کر یکجا کر گئے تھے اور مصاحف سے مراد قرآن کریم کے مکمل نسخے ہیں جو کتابی شکل میں ہوں۔ لہٰذا حدیث واضح ہے ۴ کیونکہ حضرت حفصہ کے پاس قرآن بصیغہ امانت تھا نہ کہ یہ اوراق' قرآن مجید نقل کرکے اوراق انہیں بھیج دیئے گئے۔ لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ حضرت حفصہ کو وہ اوراق واپس کیوں کیے گئے ۵ یعنی قرآن کے جمع کیلئے یہ چار حضرات منتخب ہوئے جن میں سے حضرت زید ابن ثابت تو انصاری تھے باقی تین حضرات مہاجر قرشی تھے ۶ چار یا سات نسخے قرآن کریم کے جمع کیے جن میں سے ایک نسخہ یہاں مدینہ پاک میں رکھا گیا باقی تمام اطراف میں بھیج دیئے گئے ۷ جن کے نام ابھی ابھی ذکر کیے گئے۔ عبداللہ ابن زبیر' سعید ابن عاص' عبداللہ ابن حارث ۸ اس طرح کہ تمہاری قرأۃ

کچھ اور طرح ہو اور حضرت زید ابن ثابت کی قرأۃ دوسری طرح اس اختلاف کی وجہ وہ ہے جو پہلے گزر چکی کہ زمانہ نبوی میں تلاوت قرآن مختلف قرأتوں سے ہوتی تھی ۹؎ یعنی نزول قرآن تو قریشی زبان میں ہوا پھر آسانی کیلئے دیگر لوگوں کو اپنی لغتوں میں تلاوت کی اجازت دی گئی تھی۔اس وقت کے لحاظ سے جیسے نزول تو ہوا مالك یوم الدین مگر اجازت دی گئی ملك یوم الدین پڑھنے کی بھی یا نزول تو ہوا ننشزھا زنقطے والی سے مگر اجازت دی گئی ننشرھا پڑھنے کی بھی راء مہملہ سے خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے صرف جمع قرآن کا اہتمام فرمایا لغت قریش پر ہو یا دوسری لغت پر مگر حضرت عثمان نے جمع بھی کیا اور دوسری قرأتوں سے چھانٹ بھی دیا جمع صدیقی اور جمع عثمانی میں ایک فرق یہ بھی ہے۔حضرت حفصہ سے اوراق قرآن منگوانے کا منشاء یہ تھا کہ کوئی آیت رہ نہ جائے نہ یہ کہ بعینہ نقل کر دی جائے۔لہٰذا اس واقعہ پر اعتراض نہیں ۱۰؎ چنانچہ قرآن کریم کے سات نسخے نقل کیے گئے ہیں جن میں سے ایک مدینہ پاک میں رکھا گیا اور ایک کوفہ ایک بصرہ ایک شام ایک بحرین اور ایک مکہ معظمہ کو بھیجے ۱۱؎ یحرق ح مہملہ سے ہے بمعنی جلا دینا بعض نسخوں میں یخرق خ منقوطہ سے ہے بمعنی پھاڑ ڈالنا یعنی اس کے علاوہ قرآن کے دوسرے اوراق کے جلا ڈالنے کا حکم دیا یا پھاڑ دینے کا مگر یحرق حاء مہملہ سے زیادہ مشہور ہے۔خیال رہے کہ بعض صحابہ کے پاس کچھ اوراق تھے جن میں وہ آیات بھی تھیں جو منسوخ التلاوت ہو چکی تھیں مگر انہیں نسخ کی خبر نہ ہوئی تھی اور بعض تفسیری نوٹ بھی تھے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کے ساتھ بطور تفسیر ارشاد فرمائے تھے۔یہ حضرات ان سب کو قرآن ہی سمجھے ہوئے تھے۔جیسے حضرت ابی ابن کعب یا ابن مسعود کے مصاحف اگر وہ اوراق باقی رہ جاتے تو مسلمانوں میں بڑا فتنہ پھیلتا ہر فرقہ کہتا کہ یہ قرآن درست دوسرا غلط اس لیے باقی تمام نسخے جلوا دیئے گئے۔بعض بے وقوف کہتے ہیں کہ فضائل علی و اہل بیت کی آیات جلا دی گئیں اور اب یہ موجودہ قرآن ناقص ہے مگر یہ محض غلط ہے۔ورنہ حضرت علی مرتضیٰ اس وقت خاموش نہ بیٹھتے قرآن کی حفاظت کیلئے اپنی جان قربان کر دیتے۔کم از کم اپنے دور خلافت میں اس اصلی قرآن کو جاری کرتے اور اس قرآن سے نماز وغیرہ کبھی ادا نہ کرتے۔یہ بھی خیال رہے کہ اس وقت ان نسخوں کا جلا ڈالنا ہی بہتر بلکہ ضروری تھا کہ اگر وہ دفن ہوتے تو بعد میں پھر نکال لیے جاتے اور ان کی اشاعت سے فساد پھیلتا اور اتنے اوراق دھونا دشوار بھی تھا اور خطرناک بھی ورنہ بیکار قرآن کے اوراق کا دفن کر دینا بہتر ہے، یا اگر قلمی ورق ہو تو اسے دھو کر پی لینا افضل ہے کہ یہ پانی ہر مرض کی شفا ہے۔مرقات ۱۲؎ ابن شہاب امام زہری کی کنیت ہے اور خارجہ زید ابن ثابت کے بیٹے ہیں۔مدینہ منورہ کے بڑے علماء میں سے تھے۔تابعی ہیں۔انہوں نے اپنے والد زید ابن ثابت سے یہ سنا ۱۳؎ یعنی جب ہم نے صحیفہ صدیقی سے صحف عثمانیہ میں قرآن شریف نقل کیا تو اس صحیفہ میں یہ آیت نہ ملی۔غالب یہ ہے کہ وہ پرچہ اس عرصہ میں گم ہو گیا ہو گا یا گل گیا ہو گا۔ورنہ حضرت صدیق اکبر کے زمانہ میں ساری آیتیں مع ساری قرأتوں کے جمع ہو چکی تھیں۔ان بزرگوں کو یہ آیت بخوبی یاد تھی مگر کوشش یہ کی گئی کہ کہیں سے یہ آیت لکھی ہوئی بھی مل جائے اور ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ عہد صدیقی میں جمع قرآن کے وقت کا ہو ۱۴؎ یعنی لکھی ہوئی صرف حضرت خزیمہ انصاری کے پاس تھی باقی دوسرے لوگوں کو یاد ضرور تھی۔حضرت خزیمہ کی کنیت ابو عمارہ ہے۔اوسی ہیں۔بدری ہیں۔بدر اور اس کے بعد کے تمام غزوات میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔جنگ صفین میں حضرت علی کے ساتھ تھے۔اسی جنگ میں شہید ہوئے رضی اللہ عنہ ۱۵؎ اس طرح کہ یہ آیت سورہ احزاب میں اپنی جگہ پر رکھ دی گئی۔مرقات نے فرمایا کہ غالب یہ ہے کہ یہ واقعہ پہلی جمع کے وقت ہوا یعنی زمانہ صدیقی اس وقت سورہ توبہ کی آیت لقد جاء کم رسول کا بھی یہی معاملہ ہوا تھا ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ زمانہ صدیقی میں تمام قرآن جمع ہو جائے اور پھر یہ آیت اس میں نہ ہو۔یہ جمع ۲۵ ھ میں ہوا۔مرقات نے فرمایا کہ عہد

صدیقی کا جمع کیا ہوا قرآن مروان ابن حکم کے زمانہ میں جلا دیا گیا۔حضرت حفصہ کی وفات کے بعد۔ اشعۃ اللمعات میں شیخ نے فرمایا کہ حضرت علی نے بھی نزول کے مطابق قرآنی آیات جمع فرمائی تھیں مگر فتنہ کے خوف سے اس قرآن کی اشاعت نہ کی بلکہ اسے تلف کر دیا تاکہ مسلمانوں میں دو قرآن نہ ہو جائیں کہ یہ سخت فتنہ کا باعث ہوگا۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قُلْتُ لِعُثْمَانَ مَا حَمَلَكُمْ عَلٰى اَنْ عَمَدْتُّمْ اِلَى الْاَنْفَالِ وَهِيَ مِنَ الْمَثَانِيْ وَاِلٰى بَرَآءَةٍ وَّهِيَ مِنَ الْمِئِيْنَ فَقَرَنْتُمْ بَيْنَهُمَا وَلَمْ تَكْتُبُوْا سَطْرَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَوَضَعْتُمُوْهَا فِي السَّبْعِ الطُّوَلِ مَاحَمَلَكُمْ عَلٰى ذٰلِكَ قَالَ عُثْمَانُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّا يَاْتِيْ عَلَيْهِ الزَّمَانُ وَهُوَ يَنْزِلُ عَلَيْهِ السُّوَرُ ذَوَاتُ الْعَدَدِ وَكَانَ اِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ شَيْءٌ دَعَا بَعْضَ مَنْ كَانَ يَكْتُبُ فَيَقُوْلُ ضَعُوْا هٰؤُلَاءِ الْاٰيَاتِ فِي السُّوْرَةِ الَّتِيْ يُذْكَرُ فِيْهَا كَذَا وَكَذَا فَاِذَا نَزَلَتْ عَلَيْهِ الْاٰيَةُ فَيَقُوْلُ ضَعُوْا هٰذِهِ الْاٰيَةَ فِي السُّوْرَةِ الَّتِيْ يُذْكَرُ فِيْهَا كَذَا وَكَذَا وَكَانَتِ الْاَنْفَالُ مِنْ اَوَائِلِ مَانَزَلَتْ بِالْمَدِيْنَةِ وَكَانَتْ بَرَآءَةٌ مِّنْ اٰخِرِ الْقُرْاٰنِ نُزُوْلًا وَّكَانَتْ قِصَّتُهَا شَبِيْهَةً بِقِصَّتِهَا فَقُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يُبَيِّنْ لَّنَا اَنَّهَا مِنْهَا فَمِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ قَرَنْتُ بَيْنَهُمَا وَلَمْ اَكْتُبْ سَطْرَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَوَضَعْتُهَا فِي السَّبْعِ الطُّوَلِ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ)

(۲۱۱۸) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں میں نے حضرت عثمان سے پوچھا کہ تمہارے لیے اس کا کیا سبب ہوا کہ تم نے سورہ انفال کو جو مثانی میں سے ہے سورۃ براۃ سے ملا دیا جو مئین میں سے ہے؎ اور بیچ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ لکھی؎۲ اور تم نے اسے سات بڑی سورتوں میں رکھ دیا۔ اس کی وجہ کیا ہوئی؎۳ تو حضرت عثمان نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر زمانہ گزرتا رہتا تھا کہ آپ پر متعدد سورتیں نازل ہوتی رہتی تھیں؎۴ اور جب بھی آپ پر کوئی آیت اترتی تو بعض کاتبین وحی کو بلاتے اور فرماتے کہ یہ آیتیں اس سورۃ میں رکھو جن میں فلاں فلاں چیزوں کا ذکر ہے؎۵ پھر جب آپ پر کوئی آیت نازل ہوتی تو فرماتے کہ اس آیت کو اس سورۃ میں رکھو جس میں ایسا ایسا ذکر ہے؎۶ اور سورہ انفال ان سورتوں میں سے ہے جو مدینہ پاک میں پہلے نازل ہوئیں اور سورہ برأت نزول میں آخر قرآن ہے؎۷ اور اس کا قصہ سورہ انفال کے قصے سے مشابہ تھا؎۸ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور یہ صراحۃً بیان نہ فرمایا کہ یہ سورہ انفال کا جزء ہے؎۹ اس لیے میں نے انہیں ملا تو دیا مگر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی سطر نہ لکھی اور میں نے اسے سات لمبی سورتوں میں رکھا؎۱۰ (احمد' ترمذی' ابوداؤد)؎۱۱

(۲۱۱۸)؎۱ قرآن کریم کی تقسیم یوں ہے کہ اول قرآن کا نام مثانی ہے۔ اس کے بعد مئین' پھر تواں یا توابع پھر مفصل سورۂ حجرات سے آخر قرآن کا نام مفصل ہے' مثانی سورۂ فاتحہ کا نام بھی ہے اور سارے قرآن کریم کا بھی اور اس سے اگلی سات سورتوں کا بھی' حضرت ابن عباس نے حضرت عثمان سے دو سوال کیے ایک یہ کہ سورۃ انفال تمہارے جمع کے مطابق مثانی حصے کی سورۃ ہے اور سورۃ توبہ مئین حصہ کی سورت آپ حضرات نے ان دونوں سورتوں کو ملا کیوں دیا۔ نیز سورہ انفال چھوٹی سورۃ ہے کہ پچھتر آیتوں کی ہے اور سورہ توبہ بہت بڑی کہ اس کی ایک سو انتیس آیتیں ہیں۔ چنانچہ مثانی سورتیں بڑی ہیں اور مئین چھوٹی' مگر آپ نے چھوٹی سورت کو مثانی میں داخل کیا اور بڑی یعنی توبہ کے اول بسم اللہ نہ لکھی۔ خلاصہ یہ ہے کہ سورۃ کا سورت سے فصل دو چیزوں سے ہوتا ہے ایک سورۃ کا نام آیتوں' رکوعوں کی تعداد کا

ذکر اور دوسرے بسم اللہ آپ نے ان دوسورتوں انفال وتوبہ کے درمیان ایک فصل تو رکھا مگر دوسرا فصل بسم اللہ والا نہ کیا۔ حالانکہ مثانی سورتوں کی آیتیں تو مئین سے بھی زیادہ ہونی چاہئیں۔خیال رہے کہ مئین سورتوں کی آیتیں سو سے زیادہ ہیں اس لیے انہیں مئین کہتے ہیں اور مثانی کی آیتیں تو مئین سے بھی زیادہ ہیں۔خلاصہ یہ ہے کہ سورہ توبہ پہلے چاہیے تھی کہ بڑی ہے اور سورہ انفال بعد کہ یہ چھوٹی ہے۴؎ یعنی کبھی تو عرصہ تک حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی وحی نہ آتی تھی اور کبھی مسلسل سورتیں آتی رہتی تھیں۔ پھر آیات کے نزول کا یہ حال تھا کہ کبھی کسی سورۃ کی کوئی آیت آ گئی اور کبھی دوسری سورۃ کی کوئی آیت سورتوں کے نزول کا بھی یہ ہی حال تھا کہ کبھی پچھلی سورۃ پہلے آ گئی اور کبھی اگلی سورۃ پیچھے نازل ہوگئی کیونکہ سورتوں آیتوں کا نزول حسب ضرورت ہوتا تھا یہ ترتیب نزول کے مطابق نہیں بلکہ لوح محفوظ کی ترتیب کے لحاظ سے ہے۔ یہ کلام جواب کے علاوہ ہے۵؎ یعنی جب ایک آیت نازل ہوتی تو فرما دیتے کہ یہ آیت فلاں سورۃ کی فلاں آیت کے بعد رکھو۔معلوم ہوا کہ ترتیب آیات توقیفی چیز ہے جس میں عقل کو دخل نہیں۔اسی لیے خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حکم اپنے اہتمام سے ترتیب دلائی کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر لوح محفوظ پر تھی۔ دیکھتے تھے کہ وہاں کون سی آیت کس جگہ ہے۔ ادھر دیکھ کر ادھر ترتیب دیتے تھے۶؎ یہ دونوں جملے مکرر معلوم ہوتے ہیں مگر ان میں فرق یہ ہے کہ وہاں شئی فرمایا گیا جس سے چند آیتوں کا مجموعہ مراد ہے اور یہاں آیۃ ارشاد ہوا یعنی ایک آیت مطلب یہ ہوا کہ اگر چند آیتیں ایک دم آتیں تو ان میں بھی سرکار خود ہی ترتیب دیتے تھے اور اگر صرف ایک آیت آتی تب بھی ترتیب دیتے۔ خیال رہے کہ آیتوں کی ترتیب تو بالاتفاق توقیفی ہے جس میں عقل کو دخل نہیں مگر سورتوں کی ترتیب میں اختلاف ہے۔بعض نے کہا وہ بھی توقیفی ہے۔بعض کے ہاں نہیں (مرقات) ۷؎ یعنی سورۃ انفال و برأت دونوں مدنی ہیں۔اس لیے انہیں ایک ساتھ رکھا گیا۔ پھر سورہ انفال پہلے اتری اس لیے اسے آگے رکھا گیا اور سورہ برأۃ بعد آئی اس لیے اسے پیچھے رکھا گیا یہ وجہ جمع و ترتیب کی ہوئی ۸؎ یعنی سورہ انفال و برأۃ کا مضمون یکساں ہے کہ سورۃ انفال میں اکثر دین کی سربلندی کفر کی نگونساری کا ذکر ہے اور سورہ برأۃ میں زیادہ تر منافقوں کی رسوائی ان کی پردہ دری وعتاب کا ذکر ہے جو دین کی بلندی کا نتیجہ ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں ایک ہی سورت ہیں۔۹؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ کے نزول سے معلوم فرماتے تھے کہ یہ آیات مستقل علیحدہ سورۃ ہیں یہ ہی ہم کو بتا دیتے تھے مگر سورہ برأۃ کے متعلق حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر نہ دی کہ یہاں بسم اللہ آ گئی ہے۔ یہ سورۃ انفال سے علیحدہ سورت ہے۱۰؎ خلاصہ جواب یہ ہوا کہ ان دونوں سورتوں کا مدنی ہونا دونوں کے مضامین کا بہت مناسب ہونا درمیان میں بسم اللہ نہ آنا ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں سورتیں ایک ہی سورۃ ہیں۔ اس لیے درمیان میں بسم اللہ نہ لکھی گئی مگر دونوں کے نزول میں اتنا فاصلہ ہونا کہ سورہ انفال شروع ہجرت میں نازل ہوئی اور سورت توبہ آخر میں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ الگ الگ دو سورتیں ہیں۔اس لیے میں نے ان کی علیحدگی کی ایک علامت تو رکھ دی یعنی درمیان میں لمبا خط سورۃ کا نام اس کی آیتوں رکوعوں کا ذکر اور دوسری علامت نہ رکھی یعنی بسم اللہ پتا لگا کہ جمع قرآن میں بہت ہی احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ بسم اللہ رحمت کی آیت ہے اور سورہ توبہ کفار سے امان اٹھانے عذاب آنے کی آیت ہے۔ اسی لیے رحمت کی آیت اس کے اوّل میں نہ لکھی گئی۔ (مرقات ولمعات)۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورتوں کی ترتیب محض توقیفی نہیں اس میں کچھ عقل کو بھی دخل ہے۱۱؎ اس سوال و جواب سے معلوم ہوا کہ جمع صدیقی کتابی شکل میں ہوا۔ دوسرے یہ کہ جمع صدیقی میں تمام قرأتیں موجود تھیں مگر جمع عثمانی میں صرف ایک قرأۃ رکھی گئی کیونکہ مختلف قرأتوں کی اب ضرورت نہ رہی تھی۔لوگ اس قرأت کے عادی ہو چکے تھے اور اس جمع میں وہ ہی قرأت رکھی گئی جو جبریل امین لائے تھے۔ باقی

قرأتوں کی لوگوں کو اجازت دے دی گئی تھی۔ ضرورۃً کہ اپنی زبان میں قرآن پڑھ لیں ان قبیلوں کی زبانوں میں کچھ الفاظ میں معمولی فرق تھا جیسے ملك مالك ننشرا اور ننشز راءِ مہملہ وراءِ معجمہ ہے۔

كِتَابُ الدَّعْوَاتِ — دعاؤں کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

دعوات دعوت کی جمع ہے بمعنی دعا چھوٹے کا اپنے بڑے سے اظہار عجز کے ساتھ مانگنا دعا کہلاتا ہے۔ چونکہ دعائیں صد ہا قسم کی ہیں۔ اس لیے دعوات جمع بولا' دعا مانگنا بھی ایک عبادت ہے بلکہ عبادات کا مغز ہے۔ حدیث' بعض علماء دعا کو افضل کہتے ہیں بعض رضاء بالقضاء کو' مگر بہتر یہ ہے کہ زبان سے دعا مانگے اور دل میں رضاء رکھے کہ اگر دعا قبول نہ ہو تو ملول نہ ہو۔ اس صورت میں دعا و رضا دونوں پر عمل ہوگا۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ عمومی حالات میں دعا مانگنا بہتر ہے کہ اس میں بندگی کا اظہار ہے۔ اسی لیے تمام انبیاء خصوصاً حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائیں مانگی ہیں مگر بوقت امتحان رضا بالقضاء افضل ہے۔ اسی لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نار نمرود میں جاتے وقت دعا نہ مانگی بلکہ حضرت جبریل کے عرض کرنے پر فرمایا کفانی من سوالی علمه بحالی لہٰذا دونوں قسم کے واقعات آپس میں متعارض نہیں (از لمعات مع زیادۃ) دعا و ترک دعا کی اور بھی توجیہیں کی گئی ہیں مگر یہ توجیہ بہت بہتر ہے احوال مختلف ہیں جیسی حالت ویسا عمل۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ مُّسْتَجَابَةٌ فَتَعَجَّلَ كُلُّ نَبِيٍّ دَعْوَتَهٗ وَاِنِّيْ اخْتَبَأْتُ دَعْوَتِيْ شَفَاعَةً لِّاُمَّتِيْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَهِيَ نَآئِلَةٌ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مَنْ مَّاتَ مِنْ اُمَّتِيْ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا (رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَّالْبُخَارِيُّ اَقْصَرُ مِنْهُ)

(۲۱۱۹) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر نبی کی ایک دعا خصوصاً قبول ہوتی ہے تو ہر نبی نے اپنی وہ دعا یہاں استعمال کر لی[۱] اور میں نے اپنی دعا روز قیامت کیلئے بچا رکھی۔ اپنی امت کی شفاعت کے واسطے[۲] چنانچہ میری وہ دعا انشاء اللہ میرے ہر اس امتی کو پہنچے گی جو اس طرح مرے کہ رب تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو[۳] مسلم اور بخاری میں کچھ مختصر ہے۔

(۲۱۱۹) [۱] یعنی یوں تو انبیاء کرام کی قریباً ساری دعائیں ہی قبول ہیں۔ مگر رب تعالیٰ کی طرف سے ہر نبی کو ایک خصوصی دعا عطا ہوتی ہے جس کے متعلق رب تعالیٰ کا حتمی وعدہ ہوتا ہے کہ ہم ضرور قبول کریں گے۔ تمام نبیوں نے اپنی اپنی دعائیں دنیا میں استعمال فرمالیں۔ کسی بزرگ نے ہلاکت کفار کیلئے جیسے حضرت نوح' صالح' لوط وہود علیھم الصلوٰۃ والتسلیمات اور بعض انبیائے کرام نے کسی اور مقصد کیلئے استعمال فرمالیں جیسے حضرت ابراہیم' اسماعیل یعقوب و یوسف علیہم الصلوٰۃ والسلام' کسی بزرگ نے اپنی دعا کسی مقصد میں استعمال فرمالی یہ بہت وسیع مضمون ہے (اشعۃ اللمعات) [۲] یعنی میں نے اپنی وہ دعا یہاں استعمال نہ کی بلکہ قیامت کیلئے اٹھا رکھی ہے اس سے اپنی امت کی شفاعت کروں گا اور بڑی کا فائدہ ہر وہ شخص اٹھائے گا جسے ایمان پر خاتمہ نصیب ہو۔ خیال رہے کہ ایسے موقع پر شرک نہ

کرنے سے مراد کفر نہ کرنا ہے جیسے ربّ تعالیٰ فرماتا ہے:اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ (۴۸/۴) بے شک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے (کنزالایمان) لہٰذا اس حدیث سے یہ لازم نہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت مرزائیوں' چکڑالویوں وغیرہ مرتدین کو پہنچے گی کہ یہ لوگ مشرک تو نہیں۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اِنِّي اتَّخَذْتُ عِنْدَكَ عَهْدًا لَنْ تُخْلِفَنِيْهِ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ فَاَيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ اٰذَيْتُهٗ شَتَمْتُهٗ لَعَنْتُهٗ جَلَدْتُّهٗ فَاجْعَلْهَا لَهٗ صَلٰوةً وَ زَكٰوةً وَقُرْبَةً تُقَرِّبُهٗ بِهَا اِلَيْكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۱۲۰) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے الٰہی میں نے تجھ سے ایک عہد لے لیا ہے تو ہرگز اس کیخلاف نہ کرے گا۱ کہ میں بشر ہوں لہٰذا جس مسلمان کو میں ایذاء دے دوں اسے برا کہہ دوں بددعا کر دوں کوڑا ماروں تو تو اس کیلئے رحمت و پاکی اور قربت بنا کہ جس کے ذریعہ اسے قیامت کے دن اپنے سے قریب فرما۲ مسلم بخاری

(۲۱۲۰)۱ظاہر یہ ہے کہ عہد سے مراد دعا ہے اور یہ کلام اخبار نہیں بلکہ انشاء ہے یعنی اے مولیٰ میں تجھ سے دعا کرتا ہوں مجھے یقین ہے کہ تو میری دعا رد نہ فرمائے گا کیونکہ نبی کی دعا رد نہیں ہوتی۔ان کی دعا مثل عہد الٰہی کے ہے جس کیخلاف کا احتمال نہیں۔(مرقات)۲ یعنی چونکہ تو نے مجھ میں بشریت بھی ودیعت رکھی ہے اور بشریت کیلئے غصہ بھی لازم ہے۔اگر میں کسی وقت غصہ میں کسی کو زبانی یا بدنی تکلیف پہنچا دوں تو تو میری بددعا یا میری مار کو اس شخص کیلئے رحمت بنا دینا میری بددعاء کو الٹی کر کے لگانا اس فرمان پاک سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بددعاؤں کو جو کسی امتی کیلئے ہو جائیں خود دعا بنا دیا کہ عرض کیا خدایا وہ بددعائیں میری قبول نہ فرما بلکہ ان کے برعکس کر دے۔دوسرے یہ کہ نبی اگر کسی پر بلاوجہ سختی فرما دیں برا کہہ دیں' مار دیں تو ان پر قصاص نہیں۔دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کی داڑھی بھی پکڑ لی اور بالوں سے پکڑ کر گھسیٹا بھی' مگر قصاص نہیں دیا۔تیسرے یہ کہ حضرت امیر معاویہ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ ان کا پیٹ نہ بھرے یہ بددعا یقیناً ان کو دعا ہو کر لگی کہ غریب تھے پھر اتنے بڑے مالدار ہوئے کہ امام حسن و حسین اور حضرت علی کے بھائی عقیل کو لاکھوں روپے نذرانے دیتے رہتے تھے۔دیکھو ہماری کتاب امیر معاویہ' خیال رہے کہ ان تمام سے وہ بددعائیں وسزائیں مراد ہیں جو غیر مستحق کو دی جائیں اور ممکن ہے کہ عام بددعائیں وسزائیں مراد ہوں۔مستحق کو دی جائیں یا غیر مستحق کو' بشرطیکہ وہ مسلمان ہوں (اشعہ) یہاں مرقات نے فرمایا کہ ایک بار حضرت عائشہ صدیقہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز بہت اصرار سے مانگی اور سرکار کا دامن پیچھے سے پکڑ کر کھینچا کہ مجھے وہ چیز دے کر جایئے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلا کہ تمہارے ہاتھ ٹوٹ جائیں۔حضرت ام المومنین غمگین بیٹھ گئیں۔تب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مانگی بعض سے فرمادیا عقری حلقی بعض کو فرمایا: رغم انف ابی ذر۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَعَا اَحَدُكُمْ فَلَا يَقُلِ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ اِنْ شِئْتَ ارْحَمْنِيْ اِنْ شِئْتَ ارْزُقْنِيْ اِنْ شِئْتَ وَلْيَعْزِمْ مَسْئَلَتَهٗ اِنَّهٗ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ لَا مُكْرِهَ لَهٗ

(۲۱۲۱) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی دعا مانگے تو یوں نہ کہے الٰہی اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے۔اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم کر اگر تو چاہے تو مجھے روزی دے۱ بلکہ پورے عزم سے دعا مانگے کیونکہ ربّ تعالیٰ جو چاہتا

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

ہے وہ کرتا ہے اسے کوئی مجبور نہیں کر سکتا۲ (بخاری)

(۲۱۲۱)۱؎ کیونکہ ان الفاظ سے کچھ بے رغبتی سی ظاہر ہوتی ہے۔ مطلب یہ نکل آتا ہے کہ مجھے اس چیز کی ضرورت تو نہیں لیکن اگر تو چاہتا ہے تو دے دے۔ وہاں دل کی رغبت دیکھی جاتی ہے۲؎ یعنی تم دل کے یقین سے دعا کرو اور عرض کرو کہ مجھے ضرور یہ عطا فرمادے رہی عطا وہ تو بہرحال اس کے کرم پر موقوف ہی ہے تم خود تو یقین قبول رکھو۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَعَا اَحَدُكُمْ فَلَا يَقُلِ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي اِنْ شِئْتَ وَلٰكِنْ لِيَعْزِمْ وَلْيُعَظِّمِ الرَّغْبَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَتَعَاظَمُهُ شَيْءٌ اَعْطَاهُ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۱۲۲) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی دعا مانگے تو یوں نہ کہے الٰہی اگر چاہے تو مجھے بخش دے لیکن عزم کرے اور خوب رغبت ظاہر کرے۱ کیونکہ رب تعالٰی کے نزدیک کوئی چیز بڑی نہیں جو چاہے دے دے۲ (مسلم)

(۲۱۲۲)۱؎ مثلاً کہے کہ خدایا یہ چیز مجھے ضرور دے دے مجھے اس کی ضرورت ہے میں تو تیرے دروازے سے لے کر ہی اٹھوں گا بتا تیرے سواء میرا دروازہ اور کونسا ہے۔ وغیرہ وغیرہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں ہی مانگو، شعر:

اگر میرانیم از در بمن ہمسا در دیگر کراخوانم، کجا نالم اغثنی یارسول اللہ

۲؎ یعنی جو چیز ہمارے لیے مشکل سے مشکل ہے۔ وہ ربّ تعالٰی کو آسان سے آسان ہے۔ اگر تمام جہان کی ساری تمنائیں پوری کردے تو یہ تمام اس کے سمندر کرم کا ایک قطرہ بلکہ اس سے بھی کم اس کے کن فرمادینے میں ہمارا بیڑا پار ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسْتَجَابُ لِلْعَبْدِ مَالَمْ يَدْعُ بِاِثْمٍ اَوْقَطِيْعَةِ رَحِمٍ مَالَمْ يَسْتَعْجِلْ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَاالْاِسْتِعْجَالُ قَالَ يَقُوْلُ قَدْ دَعَوْتُ وَقَدْ دَعَوْتُ فَلَمْ اَرَيُسْتَجَابُ لِيْ فَيَسْتَحْسِرُ عِنْدَ ذٰلِكَ وَيَدَعُ الدُّعَآءِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۱۲۳) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بندے کی دعا قبول ہوتی ہے جب تک کہ گناہ یا قطع رحمی کی دعا نہ مانگے۱ جب تک کہ جلد بازی سے کام نہ لے عرض کیا گیا یارسول اللہ جلد بازی کیا ہے فرمایا یہ کہ کہے میں نے دعا مانگی اور مانگی مگر مجھے امید نہیں کہ قبول ہو۔ لہذا اس پر دل تنگ ہوجائے اور دعا مانگنا چھوڑ دے۲ (مسلم)

(۲۱۲۳)۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ گناہ کی دعا نہ مانگے کہ خدایا مجھے شراب پینا نصیب کر یا فلاں کو قتل کردینے کا موقع دے۔ نیز جن رشتوں کے جوڑنے کا حکم ہے ان کے توڑنے کی دعا نہ کرے کہ خدایا مجھے میرے باپ سے دور رکھ یہاں مرقات نے فرمایا کہ ناممکن چیزوں کی دعا مانگنا بھی منع ہے۔ جیسے خدا مجھے دنیا میں ان آنکھوں سے اپنا دیدار کرادے یا فلاں مسلمان کو ہمیشہ دوزخ میں رکھ یا فلاں کافر کو بخش دے۔ اسی لیے کفار و مرتدین کو مرحوم مغفور یا رحمۃ اللہ علیہ کہنا جرم ہے۔ مطلب حدیث کا یہ ہے کہ قبولیت دعا کی ایک شرط یہ ہے کہ ناجائز چیزوں کی دعا نہ کرے ورنہ قبول نہ ہوگی۲؎ یعنی قبول دعا کی دوسری شرط یہ ہے کہ اگر قبول دعا میں دیر لگے تو نہ دل تنگ ہو نہ ربّ تعالٰی کی رحمت سے مایوس، دیکھو حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی دعا کہ خدایا فرعون کو ہلاک کردے۔ چالیس سال کے بعد قبول ہوئی یعنی قبول کا اظہار اتنے عرصہ بعد ہوا۔ یعقوب علیہ السلام فراق یوسف علیہ السلام میں چالیس یا اسی سال تک روئے مگر ربّ تعالٰی کی رحمت سے مایوس نہ ہوئے بلکہ اپنے بچوں سے فرمایا لَا تَايْئَسُوا مِن رَّوحِ اللّٰهِ (۱۲:۸۷) اے بچو اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو غرضیکہ

ہر کام کا ایک وقت ہے۔ دعا مانگے جائے' مانگنا بندے کا کام ہے دینا رب تعالیٰ کا کام اپنے کام کو اس کے کام پر موقوف نہ کیجئے شعر:

حافظ وظیفۂ تو دعا کردن است و بس　　　در بند آں مباش کہ شنید یا نہ شنید

قبول دعا کی بہت قسمیں ہیں۔ مدعا مل جانا' دعا کی برکت سے کوئی آفت ٹل جانا' دعا کا ثواب مل جانا' درجات بلند ہو جانا جو کچھ ہو جائے ہمارا مدعا حاصل ہے۔

وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ دَعْوَةُ الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ لِاَخِیْهِ بِظَهْرِ الْغَیْبِ مُسْتَجَابَةٌ عِنْدَ رَاْسِهٖ مَلَكٌ مُّوَكَّلٌ كُلَّمَا دَعَا لِاَخِیْهِ بِخَیْرٍ قَالَ الْمَلَكُ الْمُوَكَّلُ بِهٖ اٰمِیْنَ وَلَكَ بِمِثْلٍ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۱۲۴) روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کی اپنے مسلمان بھائی کے لیے اس کی پس پشت دعا ضرور قبول ہے[۱] اس کے سر کے پاس فرشتہ مقرر ہوتا ہے[۲] کہ وہ جب اپنے بھائی کیلئے دعا خیر کرتا ہے تو مقرر فرشتہ کہتا ہے آمین اور تجھے بھی اس جیسا ملے[۳] (مسلم)

(۲۱۲۴)[۱] کسی کے سامنے اس کیلئے دعا کرنے میں چاپلوسی' خوشامد' ریاء وغیرہ کا احتمال ہے مگر پس پشت دعا میں یہ کوئی احتمال نہیں۔ اس میں اخلاص ہی ہوگا۔ اسی لیے پس پشت کی قید لگائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان بھائی کی خدمت بہترین عبادت ہے اور اس کی خیر خواہی بہترین عمل[۲] یہ فرشتہ کوئی اور فرشتہ ہے جس کے ذمہ یہ ہی خدمت ہے کہ ایسی دعاؤں پر آمین کہا کرے۔ حافظ یا کاتب اعمال فرشتہ نہیں وہ فرشتے تو داہنے بائیں ہر وقت رہتے ہیں[۳] یعنی تم مسلمان بھائی کیلئے دعا کرو تو فرشتہ تمہارے لیے دعا کرے گا۔ اگر تم نے فرشتہ کی دعا لینا ہے تو دوسروں کو دعا دو۔ بعض بزرگ جب کوئی دعا کرنا چاہتے ہیں تو پہلے دوسروں کیلئے دعا کرتے ہیں اور اپنے لیے بھی جمع کے صیغہ سے دعا کرتے ہیں۔ ان عملوں کا ماخذ یہ حدیث ہے۔ یہ عمل بھی ہے کہ پہلے اپنے لیے دعا کر لے پھر دوسرے کیلئے رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ (۱۴:۴۱) اے ہمارے رب! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو (کنزالایمان)۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدْعُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِكُمْ وَلَا تَدْعُوْا عَلٰۤی اَوْلَادِكُمْ وَلَا تَدْعُوْا عَلٰۤی اَمْوَالِكُمْ لَا تُوَافِقُوْا مِنَ اللّٰهِ سَاعَةً یُّسْاَلُ فِیْهَا عَطَآءً فَیَسْتَجِیْبُ لَكُمْ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَّذُكِرَ حَدِیْثُ ابْنِ عَبَّاسٍ اِتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فِیْ كِتَابِ الزَّكٰوةِ)

(۲۱۲۵) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ اپنی جانوں پر بددعا کرو اور نہ اپنی اولاد پر اور نہ اپنے مالوں پر[۱] ایسا نہ ہو کہ اتفاقاً وہ ایسی گھڑی ہو جس میں اللہ سے جو مانگا جائے وہ ملے اور تمہاری یہ ہی دعا قبول ہو جائے[۲] (مسلم) اور حضرت ابن عباس کی یہ حدیث کہ مظلوم کی بددعا سے بچو کتاب الزکوۃ میں ذکر کی جا چکی۔

(۲۱۲۵)[۱] دعا کے بعد اگر علیٰ آئے تو وہ دعا بمعنی بددعا ہوتی ہے اور اگر لام آئے تو بمعنی دعائے خیر یہاں علیٰ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ غصے یا جوش میں اپنی جان' اولاد کو نہ کوسو' مال' جانور' غلام کی ہلاکت کی دعا نہ کر بیٹھو اس حدیث سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو ان بددعاؤں کے عادی ہو چکے ہیں۔ بات' بات میں کہتے ہیں۔ میں مر جاؤں' تو مٹ جائے' تجھے سانپ کاٹے' تجھے ... لگے' معاذ اللہ اور اگر کوئی ایسا حادثہ ہو جائے تو پھر سر پکڑ کر روتے ہیں[۲] اس سے معلوم ہوا کہ قبولیت کی گھڑی صرف جمعہ یا شب قدر یا آخری رات ہی میں نہیں ہے اور وقت میں بھی ہوتی ہے مگر کبھی کبھی تو ہر ساعت میں احتمال ہے کہ وہ قبولیت کی ہو۔ اس لیے ہمیشہ اچھی دعائیں ہی مانگے۔

کبھی بددعا منہ سے نہ نکالے خیال رہے کہ لعان میں ایسے ہی' مباہلہ میں اپنے کو بددعا دینا اظہار حق کیلئے ہوتا ہے۔ وہ محض بددعا نہیں ہوتی وہاں یہ کہا جاتا ہے کہ اگر میں حق پر نہ ہوں تو ہلاک ہو جاؤں۔ لہٰذا یہ حدیث آیت لعان اور آیت مباہلہ کےخلاف نہیں۔ وہ آیات اپنی جگہ حق ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الدُّعَآءَ ھُوَالْعِبَادَۃُ ثُمَّ قَرَأَ وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْدَاوُدَ النَّسَائِیُّ وَ ابْنُ مَاجَۃَ)

(۲۱۲۶) روایت ہے حضرت نعمان بن بشیر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دعا ہی عبادت ہے۱ پھر یہ آیت تلاوت کی کہ تمہارا رب فرماتا ہے مجھ سے دعا مانگو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۲ (احمد' ترمذی' ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ)

(۲۱۲۶)۱الدعاء میں الف لام عہدی ہے۔ یعنی اللہ سے دعا کرنا بھی عبادت ہے کہ اس میں اپنی بندگی اور ربّ تعالٰی کی ربوبیت کا اقرار و اظہار ہے۔ یہ ہی عبادت ہے۔ لہٰذا اس پر بھی ثواب ملے گا۔ لہٰذا اس کا مطلب یہ نہیں کہ کسی بندے سے کچھ مانگنا گویا اس کی عبادت ہے یہ شرک ہے۔ لہٰذا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگنا' حاکم سے حکیم سے مالداروں سے کچھ مانگنا نہ یہ اصطلاحی دعا ہے اور نہ کفر و شرک' بندے بندوں سے دارو دعا مانگا ہی کرتے ہیں۔ غرضیکہ دعاء شرعی اور ہے اور دعائے لغوی کچھ اور جیسے صلوٰۃ شرعی اور ہے یعنی نماز صلوٰۃ لغوی کچھ اور نزول رحمت' دعائے رحمت وغیرہ' ربّ تعالٰی فرماتا ہے اقیموا الصلوٰۃ یہاں صلوٰۃ شرعی مراد ہے۔ اور صلوٰۃ علیہ میں صلوٰۃ لغوی مراد یا یوں کہو کہ اللہ کے بندوں سے دعا مانگنا ربّ تعالٰی کی عبادت ہے نہ کہ ان بندوں کی۔ جیسے کعبہ کی طرف سجدہ کرنا۔ ربّ تعالٰی کی عبادت ہے نہ کہ کعبہ کی بہرحال یہ حدیث وہابیوں کی دلیل نہیں ہوسکتی۲ یہ آیت شہادت کے طور پر پیش فرمائی کہ جیسے ربّ تعالٰی نے نماز روزے کا حکم دیا ہے ویسے ہی دعا کا حکم دیا ہے اور اس پر قبولیت کا وعدہ فرمایا ہے۔ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ قبولیت دعا کی تین صورتیں ہیں۔ مدعٰی پورا کر دینا' کوئی آفت ٹال دینا' درجات بڑھا دینا وغیرہ اس کے بعد ربّ تعالٰی فرما رہا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ (۴۰'۶۰) بے شک وہ جو میری عبادت سے اونچے کھنچتے (تکبر) کرتے ہیں (کنزالایمان) دعا کے بعد عبادت کا ذکر فرمانے سے معلوم ہوا کہ دعا عبادت ہے۔ خیال رہے کہ دعا مانگنا اکثر مستحب ہے۔ واجب نہیں لہٰذا آیت کی یہ وعید اس کیلئے ہے جو تکبر سے دعا نہ مانگے کہ یہ تو کفر ہے (لمعات)

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الدُّعَآءَ مُخُّ الْعِبَادَۃِ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

(۲۱۲۷) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دعا عبادت کا مغز ہے۱ (ترمذی)

(۲۱۲۷)۱یعنی دعا عبادت کا رکن اعلٰی ہے جیسے مغز کے بغیر ہڈی کی' گودے کے بغیر چھلکے کی کوئی قدر نہیں ایسے ہی دعا سے خالی عبادت کی کوئی قدر نہیں۔ ربّ تعالٰی مانگنے کو پسند فرماتا ہے جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں الحج عرفۃ حج عرفہ کا نام ہے۔ یعنی عرفات کا قیام حج کا رکن اعلٰی ہے۔ عبادت نام ہے اپنی انتہائی عاجزی رب تعالٰی کی انتہائی عظمت کے اظہار کا دعا میں یہ دونوں چیزیں اعلٰی طریقہ سے موجود ہیں کہ اس میں بندہ اقرار کرتا ہے کہ میں کچھ نہیں تو کریم ہے غنی ہے۔ اس لیے میں تیرے دروازہ پر ہاتھ

پھیلائے آیا ہوں۔

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ شَیْءٌ اَکْرَمَ عَلَی اللّٰہِ مِنَ الدُّعَآءِ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ اِبْنُ مَاجَۃَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ)

(۲۱۲۸) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے ہاں دعا سے بڑھ کر کوئی چیز گرامی نہیں۱؎ ترمذی' ابن ماجہ اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

(۲۱۲۸)۱؎ رب خود فرماتا ہے: قُلْ مَا یَعْبَؤُا بِکُمْ رَبِّیْ لَوْلَا دُعَآؤُکُمْ (۲۵:۷۷) تمہاری کچھ قدر نہیں میرے رب کے یہاں اگر تم اسے نہ پوجو (کنزالایمان) اگر تمہاری دعائیں نہ ہوں تو رب تعالٰی تمہاری پروا بھی نہ کرے۔ معلوم ہوا کہ اگر ہماری بارگاہ الٰہی میں کچھ قدر و منزلت ہے تو دعاؤں کی برکت سے ہے۔ دعا میں ساری عبادات بھی شامل ہیں کہ وہ بھی بالواسطہ دعائیں ہیں لہٰذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (۴۹:۱۳) بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے (کنزالایمان) کہ دعا بھی تقویٰ کا رکن ہے۔

وَعَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَایَرُدُّ الْقَضَآءَ اِلَّا الدُّعَآءُ وَلَا یَزِیْدُ فِی الْعُمُرِ اِلَّا الْبِرُّ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

(۲۱۲۹) روایت ہے حضرت سلمان فارسی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قضاء کو دعا کے سواء کوئی چیز نہیں لوٹاتی۱؎ اور نیک سلوک کے سواء کوئی چیز عمر نہیں بڑھاتی۲؎ (ترمذی)

(۲۱۲۹)۱؎ یعنی دعا کی برکت سے آتی بلا ٹل جاتی ہے۔ دعائے درویشاں ردّ بلا' قضاء سے مراد تقدیر معلق ہے یا معلق مشابہ بالمبرم کہ ان دونوں میں تبدیلی ترمیم ہوتی رہتی ہے۔ تقدیر مبرم کسی طرح نہیں ٹلتی۔ لہٰذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں اِذَا جَآءَ اَجَلُھُمْ فَلَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَۃً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ (۱۰:۴۹) جب ان کا وعدہ آئے گا تو ایک گھڑی نہ پیچھے ہٹیں نہ آگے بڑھیں (کنزالایمان)۔ کہا جاتا ہے کہ بخار آ گیا تھا دوا سے اتر گیا دوا نے تقدیر مبرم کو نہیں بدل دیا بلکہ اس کے اثر سے چڑھا ہوا بخار اتر گیا۔ تقدیر میں یہ لکھا تھا کہ اسے بخار آئے گا اگر فلاں دوا کرے تو اتر جائے گا۔ اس کے اور بھی معنی کیے گئے ہیں مگر یہ توجیہ بہتر ہے۲؎ یعنی لوگوں سے خصوصاً ماں باپ اور اہل قرابت سے اچھا سلوک کرنا عمر بڑھا دیتا ہے۔ اس کی بھی وہ صورت ہے جو ابھی عرض کی گئی ہے۔ رب تعالٰی فرماتا ہے وَمَا یُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا یُنْقَصُ مِنْ عُمُرِہٖٓ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ (۳۵:۱۱) اور جس بڑی عمر والے کو عمر دی جائے یا جس کی عمر کم رکھی جائے یہ سب ایک کتاب میں ہے (کنزالایمان) معلوم ہوا کہ عمر میں زیادتی کمی ہوتی ہے اور فرماتا ہے: یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَہٗٓ اُمُّ الْکِتٰبِ (۱۳:۳۹) اللہ جو چاہے مٹاتا اور ثابت کرتا ہے اور اصل لکھا ہوا اسی کے پاس ہے (کنزالایمان) معلوم ہوا کہ تقدیر میں محو و اثبات ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایک ہے اللہ کا علم' ایک ہے اللہ تعالٰی کے فرشتوں کو اعلام تحریر سے ہو یا بغیر تحریر ان دونوں کا نام تقدیر ہی ہے' مگر پہلی تقدیر میں تبدیلی قطعاً ناممکن ہے۔ دوسری تقدیر میں تبدیلی ممکن بلکہ واقع ہے۔ اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب تفسیر نعیمی جلد سوم میں ملاحظہ کیجئے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی عمر آدم علیہ السلام کی دعا سے ساٹھ سال سے سو سال ہوگئی۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الدُّعَآءَ یَنْفَعُ مِمَّا نَزَلَ وَمِمَّا لَمْ

(۲۱۳۰) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دعا نازل شدہ آفت میں بھی نافع ہے

يَنْزِلُ فَعَلَيْكُمْ عِبَادَاللّٰهِ بِالدُّعَآءِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ اَحْمَدُ عَنْ مُّعَاذِ بْنِ جَبَلَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

اور اس بلا میں بھی جو نہ اتری ہو۲ تو اے اللہ کے بندو دعا کو مضبوط پکڑو۳ ترمذی اور احمد بروایت معاذ ابن جبل اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

(۲۱۳۰)۱یعنی دعا کے دو فائدے ہیں ایک یہ کہ اس کی برکت سے آئی بلا ٹل جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ آنے والی بلا رک جاتی ہے۔لہٰذا فقط بلا آنے پر ہی دعا نہ کرو بلکہ ہر وقت دعا مانگو شاید کوئی بلا آنے والی ہو کہ اس دعا سے رک جائے۔اس کا مطلب وہ ہی ہے جو ابھی بیان ہوا کہ یہ سب تقدیر معلق کے متعلق ہے۲اس طرح کہ ہر حال میں دعائیں مانگو۔دعا کیلئے بلاء آنے کا انتظار نہ کرو کہ جب آفت آئے گی تو دعا مانگ لیں گے۔امام غزالی فرماتے ہیں کہ جیسے ڈھال سلاح یعنی ہتھیار کا وار روک لیتی ہے اور جیسے پانی لگی پیاس بجھا دیتا ہے۔یعنی ڈھال اور پانی ان کے اسباب ہیں۔ایسے ہی دعا آئی ہوئی بلا کا وار روک لیتی ہے اور لگی آگ بجھا دیتی ہے۔۳اسباب بھی ربّ تعالٰی کی طرف سے ہیں اور مسببات بھی ربّ تعالٰی فرماتا ہے: وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ (۱۰۲:۴) اب وہ تمہارے مقتدی ہوں اور چاہیے کہ اپنی پناہ اور اپنے ہتھیار لیے رہیں (کنزالایمان) یعنی جنگ میں اپنا بچاؤ اور ہتھیار لے کر جاؤ۔لہٰذا دنیا میں بھی انسان دعاؤں کا بچاؤ اور نیک اعمال کے ہتھیار لے کر رہے۔ورنہ آفات کچل دیں گی۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ اَحَدٍيَّدْعُوْا بِدُعَآءٍ اِلَّا اٰتَاهُ اللّٰهُ مَاسَاَلَ اَوْ كَفَّ عَنْهُ مِنَ السُّوْءِ مِثْلَهٗ مَالَمْ يَدْعُ بِاِثْمٍ اَوْ قَطِيْعَةِ رَحِمٍ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۲۱۳۱)روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص کوئی دعا مانگے تو ضرور اللہ تعالٰی اس کی منہ مانگی مراد دیتا ہے یا اس جیسی کوئی آفت دور کر دیتا ہے۱جب تک کہ گناہ یا قطع رحمی کی دعا نہ کرے۲(ترمذی)

(۲۱۳۱)۱یہ حدیث اس آیت کی تفسیر ہے کہ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (۶۰:۴۰) اور تمہارے ربّ نے فرمایا مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا (کنزالایمان) مجھ سے دعا کرو میں تمہاری قبول کروں گا۔اس حدیث نے بتایا کہ قبولیت دعا کی چند صورتیں ہیں۔ایک منہ مانگی مراد مل جانا' دوسرے اس جیسی آفت ٹل جانا۔مثلاً کسی کے ہاں سو روپیہ کی چوری ہونی تھی۔اس نے اللہ سے دعا مانگی کہ خدایا مجھے سو روپیہ دے اسے سو روپے تو نہ ملے مگر اتنی چوری ٹل گئی۔بہر حال دعا رائیگاں نہ گئی۔لہٰذا مانگی مراد نہ ملنے پر دل تنگ نہ ہو۔بعض مرادیں نہ ملنا ہمارے لیے بہتر ہوتا ہے۔۲یہ قبول دعا کی شرط ہے کہ انسان بری چیز کی دعا نہ مانگے کہ وہ قبول نہیں اور نہ اس دعا کی یہ تاثیریں ہیں۔خیال رہے کہ کبھی بندہ بری بات بھی مانگ لیتا ہے اور پا لیتا ہے مگر یہ اس کی دعا کی قبولیت نہیں بلکہ ہونا ایسا ہی تھا۔اتفاقاً اس نے مانگ بھی لیا۔نیز اس دعا پر ثواب کوئی نہیں بلکہ گناہ ہے۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنْ يُّسْاَلَ وَاَفْضَلُ الْعِبَادَةِ انْتِظَارُ الْفَرَجِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

(۲۱۳۲) روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالٰی سے اس کا فضل مانگو۱کہ اللہ تعالٰی مانگنے کو پسند فرماتا ہے۔۲اور بہترین عبادت کشائش کا انتظار ہے۳(ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

(۲۱۳۲)۱یعنی اس کا عدل نہ مانگو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔عدل وہ ہے جو کام کے عوض دیا جائے۔فضل وہ ہے جو بلا معاوضہ محض

مہربانی سے دیا جائے۔اگر رب تعالٰی عدل فرمائے تو ہم گنہگار بڑی سزا کے مستحق ہیں۔فضل فرمائے اور بخش دے تو اس کی مہربانی۔یہ من فرما کر یہ بتلایا کہ اس کا بعض فضل مانگو نہ کہ سارا کیونکہ اس کا فضل غیر متناہی ہے اور تمہاری جھولی متناہی' پیالی والا سارا سمندر سمیٹنے کی کوشش نہ کرے۲؎ عجیب بارگاہ بے نیاز ہے۔دوسرے سخی مانگنے والوں سے گھبرا جاتے ہیں۔رب تعالٰی وہ کریم ہے کہ مانگنے والوں سے خوش ہوتا ہے۔ہر دل کے ساتھ اس کا نیا راز ہے اور اس کے دروازے پر ہر بھکاری کا نیا ناز و انداز شعر:

اے کہ باہر دل ترا رازے دگر ہر گدار بر درت نازے دگر

۳؎ یعنی گرفتار بلا شکایتیں نہ کرتا پھرے بلکہ اس کی مہربانی کا انتظار رکھے۔وہاں آس والے کی آس توڑی نہیں جاتی۔خیال رہے کہ کسی سے دوا یا دعا کی درخواست کرنا شکایت نہیں اور نہ یہ اس انتظار کیخلاف ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَّمْ یَسْاَلِ اللّٰهَ یَغْضَبْ عَلَیْهِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

(۲۱۳۳) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اللہ تعالٰی سے نہ مانگے تو اللہ اس پر ناراض ہوتا ہے۔۱؎ (ترمذی)

(۲۱۳۳) ۱؎ یعنی جو شخص غرور و تکبر اور اپنے کو رب تعالٰی سے بے نیاز سمجھ کر دعا نہ مانگے وہ غضب و لعنت کا مستحق ہے۔ابراہیم علیہ السلام نے آگ میں جاتے وقت دعا نہ مانگی کیونکہ وہ سمجھے کہ یہ میرے امتحان کا وقت ہے۔شاید دعا کرنا بے صبری میں شمار ہو۔فرمایا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جسے ذکر اللہ یا درود شریف کی کثرت دعا سے روک دے تو اسے دعائیں مانگنے والوں سے زیادہ ملے گا۔یہ حدیث ان دونوں کیخلاف نہیں۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فُتِحَ لَهٗ مِنْكُمْ بَابُ الدُّعَآءِ فُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ الرَّحْمَةِ وَمَا سُئِلَ اللّٰهُ شَیْئًا یَعْنِیْ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ اَنْ یُّسْاَلَ الْعَافِیَةَ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

(۲۱۳۴) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے جس کیلئے دعا کا دروازہ کھولا جائے تو اس کیلئے رحمت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے۱؎ عافیت سے بڑھ کر کوئی کیسی چیز اللہ سے نہ مانگی گئی ہو جو اسے زیادہ پیاری ہو۲؎ (ترمذی)

(۲۱۳۴) ۱؎ یعنی جسے ہر وقت ہر حال میں دعائیں مانگنے کی توفیق ملے تو یہ اس کی علامت ہے کہ اس کیلئے رب تعالٰی نے رحمت کے دروازے کھول دیئے ہیں۔اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ دعا کی طرف دل کا راغب ہونا پھر دعا کیلئے اچھے الفاظ مل جانا رب تعالٰی ہی کے کرم سے ہے جب وہ کچھ دینا چاہتا ہے تو ہمیں مانگنے کی توفیق بخشتا ہے شعر:

مری طلب بھی تمہارے کرم کا صدقہ ہے قدم یہ اٹھتے نہیں ہیں اٹھائے جاتے ہیں

۲؎ لمعات نے فرمایا کہ عافیت کے معنی سلامتی ہیں۔یہاں کامل سلامتی مراد ہے یعنی زندگی موت' قبر حشر کی تمام ظاہری باطنی چھوٹی بڑی آفتوں سے سلامتی و حفاظت ظاہر بات ہے کہ یہ دعاء جامع الدعاء ہے۔مرقات نے فرمایا کہ رب تعالٰی نے مصیبتیں پیدا ہی اس لیے کی ہیں تاکہ بندہ ان سے سلامتی کی دعائیں مانگے۔صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ عافیت اسی میں ہے جس میں رب راضی ہے۔لہذا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیبر میں زہر کھالینا' فاروق اعظم کا مصلائے مصطفٰی پر خنجر کھا کر شہید ہونا' عثمان غنی کا قرآن پڑھتے ہوئے ذبح ہو

جانا' امام حسین علیہ السلام کا بے آب ودانہ مثل پروانہ' شمع مصطفوی پر نثار ہو جانا عافیت ہی تھا۔ لہٰذا ربّ تعالٰی سے وہ عافیت مانگو جو اس کے علم میں ہمارے لیے عافیت ہے نہ وہ جو ہمارے علم میں ہمارے لیے عافیت ہو۔ حضرت عباس نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے کوئی بہترین دعا سکھایئے فرمایا چچا جان' اللہ سے دین و دنیا کی عافیت مانگو۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ یَّسْتَجِیْبَ اللّٰهُ لَهٗ عِنْدَ الشَّدَآئِدِ فَلْیُکْثِرِ الدُّعَآءَ فِی الرَّخَآءِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ)

(۲۱۳۵) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو چاہے کہ مصیبتوں کے وقت اللہ اس کی دعا قبول کرے تو وہ آرام کے زمانہ میں دعائیں زیادہ مانگا کرے۱ (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

(۲۱۳۵)۱اس کی وجہ ظاہر ہے کہ صرف مصیبت میں دعا مانگنا اور راحت میں ربّ سے غافل ہو جانا خودغرضی ہے اور ہر وقت دعا مانگنا عبدیت ہے۔ ربّ کو خودغرضی ناپسند ہے عبدیت پسند۔ خود فرماتا ہے: وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَی الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰبِجَانِبِهٖ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ کَانَ یَئُوْسًا (۱۷،۸۳) اور جب ہم آدمی پر احسان کرتے ہیں منہ پھیر لیتا ہے اور اپنی طرف دور ہٹ جاتا ہے اور جب اسے برائی پہنچے تو نااُمید ہو جاتا ہے (کنزالایمان) ایسے خودغرض کا حشر یہ ہوتا ہے کہ ربّ تعالٰی فرماتا ہے اس پر مصیبت رہنے دو تاکہ اسی بہانے میرے دروازے پر حاضر رہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُدْعُوا اللّٰهَ وَاَنْتُمْ مُوْقِنُوْنَ بِالْاِجَابَةِ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ لَا یَسْتَجِیْبُ دُعَآءً مِّنْ قَلْبٍ غَافِلٍ لَّاهٍ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ)

(۲۱۳۶) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ سے دعا کرو قبولیت کا یقین رکھتے ہوئے۱ اور جان رکھو کہ اللہ غافل و لاپروا کی دعا قبول نہیں فرماتا۲ (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

(۲۱۳۶)۱یعنی دعا کرتے وقت یہ یقین کرلو کہ ربّ تعالٰی اپنے کرم سے میری یہ دعا ضرور قبول کرے گا۔ اس میں لطیف اشارہ اس جانب بھی ہے کہ دعا کے وقت تمام شرائط قبول اور آداب دعا پورے کرو جس سے تمہارے دل کو قبولیت کا یقین خودبخود ہو جائے۔ پھر ساتھ ہی اس کے کرم سے امید رکھو اللہ تعالٰی آس والوں کو ناامید نہیں فرماتا اس کا نام ہے رجاء السائلین از مرقات و لمعات۲ قبولیت دعا کی بہت سی شرطیں ہیں۔ جن میں سے بڑی اہم شرط دل لگنا ہے۔ اسی لیے خصوصیت سے اس کا ذکر فرمایا گیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر دعا مانگنے کے وقت دل اور طرف ہو منہ اور طرف ہاتھ ربّ تعالٰی کی بارگاہ میں پھیلے ہوں۔ خیال بازار وغیرہ میں ہو تو دعا قبول نہیں ہوتی۔ قبولیت دعا اس شرط سے ہے کہ ہاتھ' زبان' دل' دھیان سب کا مرکز ایک ہی یعنی بارگاہ الٰہی۔

وَعَنْ مَّالِكِ بْنِ یَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَاَلْتُمُ اللّٰهَ فَاسْئَلُوْهُ بِبُطُوْنِ اَکُفِّکُمْ وَلَا تَسْئَالُوْهُ بِظُهُوْرِهَا وَفِیْ رِوَایَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَلُوا اللّٰهَ بِبُطُوْنِ اَکُفِّکُمْ وَلَا تَسْئَلُوْهُ بِظُهُوْرِهَا فَاِذَا فَرَغْتُمْ فَامْسَحُوْا بِهَا وُجُوْهَکُمْ

(۲۱۳۷) روایت ہے حضرت مالک ابن یسار سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم اللہ سے دعا مانگو تو ہتھیلیوں سے مانگو ہاتھوں کی پشت سے نہ مانگو۱ اور حضرت ابن عباس کی روایت میں یوں ہے کہ اللہ سے دعا کرو ہتھیلیاں پھیلا کر نہ ہاتھ کی پشت سے پھر جب فارغ ہو جاؤ تو منہ پر ہاتھ پھیرلو۲

(رَوَاہُ اَبُوْدَاوُدَ) (ابوداؤد)

(۲۱۳۷)؎ یعنی دعا کے وقت ہتھیلیاں آسمان کی طرف پھیلاؤ اور ہاتھوں کی پیٹھ زمین کی طرف رکھو کیونکہ مانگنے والا داتا کے سامنے لینے کیلئے ہتھیلی ہی پھیلاتا ہے۔ نیز اس میں اظہار عجز زیادہ ہے ہاں جن دعاؤں میں کچھ مانگا جائے کسی آفت سے بچا جائے وہاں سنت یہ ہے کہ پہلے تو ہتھیلیاں پھیلاؤ اور پھر آسمان کی طرف ہاتھوں کی پیٹھیں کردو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز استسقاء کے بعد ایسے ہی دعا مانگتے تھے۔ اس ہاتھ پلٹنے میں اشارۃً یہ عرض کرنا ہے کہ مولا دنیا کا حال بدل دے۔ خشکی ہے تری کردے۔ قحط ہے فراخی کردے۔ گرانی ہے ارزانی کردے۲؎ کیونکہ پھیلے ہوئے ہاتھوں پر اللہ کی رحمت اترتی ہے ان ہاتھوں کے منہ پر پھیر لینے سے رحمت منہ پر پہنچ جاتی ہے۔ یہ عملی سنت بھی ہے اتباع سنت میں برکت ہے۔ (مرقات) ہاں بعض علماء نے فرمایا کہ کھانے کے بعد جو دعا مانگی جاتی ہے اگر مجمع میں کھانا کھایا جائے تو اس دعا میں ہاتھ نہ اٹھائے تاکہ ان لوگوں کو شرمندگی نہ ہو جو ابھی تک فارغ نہ ہوئے۔ حصن حصین شریف میں ہے کہ ہاتھ اٹھانا آداب دعا سے ہے جن احادیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سوائے استسقاء کے اور دعاؤں میں ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔ وہاں زیادہ اونچے ہاتھ اٹھانا مراد ہے یعنی نماز استسقاء میں ہاتھ سر مبارک سے اونچے اٹھاتے تھے باقی دعاؤں میں سینے کے مقابل لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

وَعَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ رَبَّكُمْ حَيِيٌّ كَرِيْمٌ يَّسْتَحْيِيْ مِنْ عَبْدِهٖ اِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ اِلَيْهِ اَنْ يَّرُدَّهُمَا صِفْرًا (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاوُدَ الْبَيْهَقِيُّ فِى الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ)

(۲۱۳۸) روایت ہے حضرت سلمان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تمہارا رب حیاء والا ہے کرم والا ہے اس سے حیاء فرماتا ہے کہ بندہ اس کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھائے وہ انہیں خالی لوٹا دے؎ (ترمذی، ابوداؤد، بیہقی)

(۲۱۳۸)؎ اس میں ہاتھ پھیلانے کی حکمت کا بیان ہے۔ انشاء اللہ پھیلے ہوئے ہاتھ رب کی بارگاہ سے خالی نہیں لوٹیں گے۔ خیال رہے کہ رب تعالٰی حیاء شرم وغیرہ کے ظاہری معنی سے پاک ہے۔ اس کیلئے ان چیزوں کا نتیجہ مراد ہوتا ہے یعنی اللہ تعالٰی ایسا کرتا نہیں کہ بندے کے پھیلے ہوئے ہاتھوں کو خالی پھیرے۔ اس کے معنی ہم عرض کر چکے ہیں کہ اللہ تعالٰی مانگنے والے کو ضرور دیتا ہے۔ خواہ اس طرح کہ اس کی مراد پوری کردے یا اس طرح کہ اس کی کوئی آفت ٹال دے یا اس طرح کہ درجات بلند کردے۔ لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ بہت دفعہ ہاتھ پھیلا کر دعائیں کی جاتی ہیں اور مراد نہیں ملتی۔

وَعَنْ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ فِى الدُّعَآءِ لَمْ يَحُطَّهُمَا حَتّٰى يَمْسَحَ بِهِمَا وَجْهَهٗ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۲۱۳۹) روایت ہے حضرت عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا میں اپنے ہاتھ اٹھاتے تو بغیر منہ پر پھیرے ہاتھ نہ گراتے؎ (ترمذی)

(۲۱۳۹)؎ دعا میں آسمان کی طرف ہاتھ اٹھانے کی وجہ یہ ہے کہ آسمان دعا کا قبلہ ہے اور رزق و رحمت کے آنے کی جگہ یہ وجہ نہیں کہ رب تعالٰی آسمان میں رہتا ہے جیسے تنخواہ لینے والے خزانے پر جمع ہو جاتے ہیں۔ ان کی تنخواہیں ہیں نہ کہ خود بادشاہ۔

وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَحِبُّ الْجَوَامِعَ مِنَ الدُّعَآءِ وَيَدَعُ

(۲۱۴۰) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جامع دعائیں پسند فرماتے تھے اور اس کے ماسواء

مَا سِوٰی ذٰلِکَ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

دعائیں چھوڑ دیتے تھے۔[۱] (ابوداؤد)

(۲۱۴۰)[۱] جامع دعا وہ کہلاتی ہے جس کے الفاظ تھوڑے ہوں۔معانی زیادہ جیسے رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (۲۰۱،۲) اے رب ہمارے! ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور ہمیں آخرت میں بھلائی دے اور ہمیں عذاب دوزخ سے بچا (کنزالایمان) اور جیسے: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِی الدِّيْنِ وَالدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ یہاں عمومی حالات مراد ہیں۔یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم عام طور پر جامع دعائیں مانگتے تھے۔خاص موقعوں پر خاص دعائیں بھی مانگی ہیں۔جیسے استسقاء میں بارش کی دعا وغیرہ۔لہذا یہ حدیث ان روایات کے خلاف نہیں۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَسْرَعَ الدُّعَآءِ اِجَابَةً دَعْوَةُ غَآئِبٍ لِغَآئِبٍ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاوُدَ)

(۲۱۴۱) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت جلد قبول ہونے والی دعا غائب کی غائب کیلئے ہے۔[۱] (ترمذی،ابوداؤد)

(۲۱۴۱)[۱] یعنی جب کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کیلئے اس کی غیر موجودگی میں دعائے خیر کرے تو بہت جلد قبول ہوتی ہے۔اس کی وجہ ظاہر ہے کہ یہ شخص مسلمان بھائی کا خیر خواہ بھی ہے اور مخلص بھی،سامنے دعا کرنے میں ریاء،دکھلاوے وخوشامد کا احتمال ہوسکتا ہے۔

وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ اسْتَاْذَنْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِی الْعُمْرَةِ فَاَذِنَ لِیْ وَقَالَ اَشْرِكْنَا يَا اُخَیَّ فِیْ دُعَآئِكَ وَلَا تَنْسَنَا فَقَالَ كَلِمَةً مَايَسُرُّنِیْ اَنَّ لِیْ بِهَا الدُّنْيَا (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَانْتَهَتْ رِوَايَتُهٗ عِنْدَ قَوْلِهٖ وَلَا تَنْسَنَا)

(۲۱۴۲) روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرہ کیلئے جانے کی اجازت مانگی[۱] تو مجھے اجازت دی اور فرمایا اے میرے بھائی[۲] ہمیں بھی اپنی دعا میں یاد رکھنا ہمیں بھول نہ جانا[۳] حضور نے یہ ایسی بات فرمائی کہ مجھے اس کے عوض ساری دنیا مل جانا پسند نہیں[۴] (ابوداؤد،ترمذی) اور ترمذی کی روایت اس قول پر ختم ہوگئی کہ ہمیں بھول نہ جانا۔

(۲۱۴۲)[۱] حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام سے پہلے عمرہ کی نذر مانی تھی جو پوری نہ کر سکے تھے کہ مسلمان ہوگئے پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا تو فرمایا نذر پوری کرو تب آپ عمرہ کیلئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے روانہ ہوئے[۲] حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت عمر کو بھائی فرمایا یہ انتہائی کرم کریمانہ ہے۔جیسے سلطان اپنی رعایا سے کہے میں تمہارا خادم ہوں مگر کسی مسلمان کا حق نہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھائی کہے۔رب فرماتا ہے: لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا (۲۴،۶۳) رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے (کنزالایمان) اسی لیئے کبھی صحابہ کرام نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھائی کہہ کر نہ پکارا۔روایت حدیث میں تمام صحابہ یہ ہی کہتے تھے قَالَ النبی صلی الله عليه وسلم[۳] یعنی مکہ معظمہ پہنچ کر ہر مقبول دعا میں اپنے ساتھ میرے لیئے بھی دعا کرنا۔معلوم ہوا کہ حاجی سے دعا کرانا اور وہاں پہنچ کر دعا کرنے کیلئے کہنا سنت ہے۔صوفیائے کرام اس جملہ کے معنی یہ کرتے ہیں کہ اے عمر ہر دعا میں ہم پر درود شریف پڑھنا ہمارے درود کو نہ بھولنا تاکہ اس کی برکت سے تمہاری دعائیں قبول ہوں۔حضور کیلئے اعلیٰ درجہ کی دعا آپ پر درود شریف پڑھنا ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔کریم کے پیاروں کو دعائیں دینا درحقیقت ان سے مانگنے کی تدبیر ہے۔ہمارا بھکاری ہمارے دروازہ پر آکر ہمارے جان و مال اولاد کو دعائیں دیتا ہے۔ہم

سے بھیک پاتا ہے۔ہم بھی رب تعالٰی کے محبوب کو دعائیں دیں۔رب تعالٰی سے بھیک لیں ۲؎ حضرت عمر کا یہ فرمان فخریہ نہیں بلکہ شکریہ کے طور پر ہے۔یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھائی کے خطاب سے نوازا۔معلوم ہوا کہ میں دنیا و آخرت میں صحیح مؤمن ہوں پھر مجھے حکم دعا کہ حضور کو دعائیں دوں۔معلوم ہوا کہ میرا منہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے لائق ہے پھر فرمایا مجھے بھولنا نہیں۔معلوم ہوا کہ میرا دل کاشانہ یار بننے کے لائق ہے۔یہ ایسی بشارتیں ہیں کہ تمام دنیا کی نعمتیں ان پر قربان ہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَةٌ لَا تُرَدُّ دَعْوَتُهُمُ الصَّائِمُ حِيْنَ يُفْطِرُ وَ الْاِمَامُ الْعَادِلُ وَ دَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ يَرْفَعُهَا اللّٰهُ فَوْقَ الْغَمَامِ وَتُفْتَحُ لَهَا اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَيَقُوْلُ الرَّبُّ وَعِزَّتِیْ لَاَنْصُرَنَّكَ وَلَوْ بَعْدَ حِيْنَ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

(۲۱۴۲) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین شخصوں کی دعا رد نہیں ہوتی ۱؎ روزہ دار کی جب افطار کررہا ہو ۲؎ انصاف والے حاکم کی ۳؎ اور مظلوم کی دعا کو تو اللہ تعالٰی بادلوں کے اوپر اٹھالیتا ہے۔۴؎ اس کیلئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور رب تعالٰی فرماتا ہے مجھے اپنی عزت کی قسم میں تیری ضرور مدد کروں گا اگرچہ کچھ دیر بعد سہی ۵؎ (ترمذی)

(۲۱۴۳) ۱؎ شخصوں سے مراد مسلمان ہیں مرد ہوں یا عورت کفار اس میں داخل نہیں۔دعا رد نہ ہونے کا وہ مطلب ہے جو پہلے عرض کیا جاچکا ہے۔عطائے مدعٰی،رد بلا،رفع درجات ۲؎ کیونکہ یہ عبادت سے فراغت کا وقت ہے بعد عبادت دعائیں قبول ہوتی ہیں۔اسی لیے نماز،حج،زکوۃ سے فراغت پر دعائیں کرنا چاہیے۔معلوم ہوا کہ بعد نماز جنازہ بھی دعا کی جائے کہ وہ بھی رب کی عبادت ہے اور عبادت کے بعد دعا قبول ہے۔۳؎ مرقات نے فرمایا کہ مسلمان حاکم کا ایک گھڑی عدل و انصاف کرنا ساٹھ برس کی عبادت سے افضل ہے کہ اس عدل سے خلق خدا کا نظام قائم ہے۔۴؎ مرقات نے فرمایا کہ مظلوم جانور بلکہ مظلوم کافر و فاسق کی بھی دعا قبول ہوتی ہے۔اگرچہ مسلمان مظلوم کی دعا زیادہ قبول ہے کیونکہ مظلوم مضطر و بےقرار ہوتا ہے اور بےقرار کی دعا عرش پر قرار کرتی ہے۔رب فرماتا ہے:اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ(۲۷،۶۲) یا وہ جو لاچار کی سنتا ہے جب اسے پکارے (کنزالایمان) دعا کو بادلوں پر اٹھانے اس کیلئے آسمان کے دروازے کھولے جانے کا مطلب بہت جلد سننا اور اس کی دعا کی عزت افزائی اور اہمیت کا اظہار فرمانا ۵؎ حین عربی میں مطلقًا وقت کو کہتے ہیں مگر اکثر کم سے کم چھ ماہ اور زیادہ چالیس سال پر بولتے ہیں۔مطلب یہ ہے کہ میں حلیم ہوں۔لہذا ظالم کو جلد نہیں پکڑتا۔اسے توبہ اور مظلوم سے معافی مانگنے کا وقت دیتا ہوں۔اگر وہ اس مہلت سے فائدہ نہ اٹھائے تو پکڑتا ہوں۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثُ دَعَوَاتٍ مُّسْتَجَابَاتٌ لَا شَكَّ فِيْهِنَّ دَعْوَةُ الْوَالِدِ وَ دَعْوَةُ الْمُسَافِرِ وَدَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

(۲۱۴۴) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دعائیں بلاشبہ مقبول ہیں ۱؎ باپ کی دعا ۲؎ مسافر کی دعا ۳؎ اور مظلوم کی دعا۔ (ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)

(۲۱۴۴) ۱؎ خیال رہے کہ پہلی حدیث میں تین دعا کرنے والوں کا ذکر تھا اور یہاں تین دعاؤں کا تذکرہ ہے۔یعنی یہ تین دعائیں بذات خود قابل قبول ہیں اور اپنے فاعلوں کی برکت سے بھی لائق قبول،اسی لیے وہاں عدل اور روزے کا ذکر فرمایا جس میں فاعل بہ تکلف مشقت اٹھاتا ہے۔یہاں مسافر اور باپ کا ذکر ہے جس میں تکلف و مشقت نہیں (مرقات) ۲؎ اولاد کے حق میں باپ کی دعا قبول

ہے اور بد دعا بھی مگر چونکہ باپ اکثر دعائیں ہی دیتا ہے اس لیے دعا کا ذکر فرمایا والد سے مراد ماں باپ دونوں ہیں۔ دادا بھی اس میں داخل ہے کہ بالواسطہ وہ بھی والد ہے۔ ماں کی دعا بہت زیادہ قبول ہوتی ہے۔۳؎ یوں تو مسافر کی بحالت سفر تمام دعائیں ہی قبول ہیں مگر اپنے محسن کیلئے دعا اور اپنے ستانے والے پر بددعا بہت قبول ہے (مرقات) اسی طرح مظلوم کی بددعا قبول مگر ستانے والے کیلئے بددعا اور امداد کرنے والے یا بچانے والے کیلئے دعا بہت قبول ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَسْأَلْ اَحَدُكُمْ رَبَّهُ حَاجَتَهُ كُلَّهَا حَتّٰى يَسْأَلَ شِسْعَ نَعْلِهٖ اِذَا انْقَطَعَ زَادَ فِيْ رِوَايَةٍ عَنْ ثَابِتٍ نِ الْبُنَانِيِّ مُرْسَلاً حَتّٰى يَسْأَلَهُ الْمِلْحَ وَحَتّٰى يَسْئَالَهُ شِسْعَهُ اِذَا انْقَطَعَ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۲۱۴۵) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر شخص اپنے ربّ سے اپنی ساری حاجتیں مانگے حتیٰ کہ جب جوتا کا تسمہ ٹوٹ جائے تو اس سے مانگے۱؎ ایک روایت میں ثابت بنانی سے مرسلاً یہ زیادتی بھی ہے کہ ربّ سے نمک تک مانگے اور جب تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ تک مانگے۲؎ (ترمذی)

(۲۱۴۵) ۱؎ یعنی بندہ یہ خیال نہ کرے کہ اتنے بڑے آستانہ سے چھوٹی چیز کیا مانگوں کوئی بڑی حاجت مانگوں گا۔ نہیں ہر حاجت مانگو چھوٹی ہو یا بڑی، اگر اس سے بڑی چیزیں مانگی جائیں تو بتاؤ چھوٹی حاجتوں کیلئے کون سا دروازہ ہے۔ غلام اپنے آقا سے ہر چیز مانگا ہی کرتے ہیں۔ دیکھو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ربّ تعالٰی سے مدین پہنچ کر روٹی کا ٹکڑا مانگا کہ عرض کیا ربّ انی لمـا انزلت الی من خیر فـقیر (۲۸:۲۴) اے میرے رب! میں اس کھانے کا جو تو میرے لئے اتارے محتاج ہوں۔ (کنز الایمان) ۲؎ یعنی ایک ہانڈی کا نمک جو چند تولے ہوتا ہے۔ ایسے ہی ایک جوتی کا تسمہ جو کوڑی دو کوڑی کا ہوتا ہے۔ وہ بھی ربّ تعالٰی ہی سے مانگو۔

وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي الدُّعَآءِ حَتّٰى يُرٰى بَيَاضُ اِبْطَيْهِ

(۲۱۴۶) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا میں ہاتھ اتنے اٹھاتے تھے کہ آپ کی بغل شریف کی سفیدی دیکھی جاتی۱؎

(۲۱۴۶) ۱؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سر سے اونچے ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ اگر قمیص مبارک نہ پہنے ہوتے، تو بغل شریف کی سفیدی نظر آ جاتی۔ خیال رہے کہ اس قدر اونچے ہاتھ اٹھانا یا تو نماز استسقاء میں ہوتا تھا یا کبھی کبھی بیان جواز کے لیے اور موقعوں پر بھی، ورنہ عام دعاؤں میں سینے یا کندھے تک ہاتھ اٹھاتے تھے۔ لہٰذا یہ حدیث کندھوں یا سینہ تک ہاتھ اٹھانے کے خلاف نہیں ورنہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بغیر قمیص کے نماز پڑھتے تھے کہ یہ سخت مکروہ ہے۔ آج کل بعض لوگ بغیر قمیص نماز پڑھتے ہیں اور اس حدیث کو آڑ بناتے ہیں مگر غلط ننگے، کندھے نماز پڑھنے کی ممانعت باب الستر میں گزر گئی۔

وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَ يَجْعَلُ اِصْبَعَيْهِ حِذَآءَ مُنْكِبَيْهِ وَيَدْعُوْا

(۲۱۴۷) روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ حضور دعا کے وقت اپنی انگلیاں کندھوں کے مقابل کرتے تھے۱؎

(۲۱۴۷)۱؎ یعنی پہلے آپ ہاتھ شریف اتنے اٹھاتے کہ ہاتھوں کی انگلیاں کندھوں کے مقابل ہو جاتیں پھر دعا مانگتے تھے۔ یہ اکثری حالات کا ذکر ہے اور پہلی حدیث میں بعض مخصوص حال کا ذکر تھا۔

وَعَنِ السَّآئِبِ بْنِ يَزِيْدٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا دَعَا فَرَفَعَ يَدَيْهِ مَسَحَ وَجْهَهٗ بِيَدَيْهِ (رَوَى الْبَيْهِقِیُّ الْاَحَادِيْثَ الثَّلٰثَةَ فِی الدَّعَوَاتِ الْكَبِيْرِ)

(۲۱۴۸) روایت ہے حضرت سائب ابن یزید سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا مانگتے تو ہاتھ شریف اٹھاتے پھر ہاتھ منہ پر پھیر لیتے۱؎ ان تینوں حدیثوں کو بیہقی نے دعوات کبیر میں نقل کیا

(۲۱۴۸)۱؎ یعنی جن دعاؤں میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ اٹھاتے تھے ان میں ہاتھ منہ پر پھیر لیتے تھے اور جن میں ہاتھ نہ اٹھاتے تھے جیسے نماز' طواف' کھانے کے بعد کی دعائیں ان میں ہاتھ منہ پر بھی نہ پھیرتے تھے۔ لہٰذا اذا دعا' کان کا ظرف ہے نہ کہ خبر اس کی خبر تو مسح یدیہ ہے لہٰذا حدیث صاف ہے۔

وَعَنْ عِكْرَمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ الْمَسْئَلَةُ اَنْ تَرْفَعَ يَدَيْكَ حَذْوَ مُنْكِبَيْكَ اَوْ نَحْوَهُمَا وَالْاِسْتِغْفَارُ اَنْ تُشِيْرَ بِاِصْبَعٍ وَّاحِدَةٍ وَّالْاِبْتِهَالُ اَنْ تَمُدَّ يَدَيْكَ جَمِيْعًا وَّفِیْ رِوَايَةٍ قَالَ وَالْاِبْتِهَالُ هٰكَذَا وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَجَعَلَ ظُهُوْرَهُمَا مِمَّا يَلِیْ وَجْهَهٗ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۲۱۴۹) روایت ہے حضرت عکرمہ سے وہ حضرت ابن عباس سے راوی کہ آپ نے فرمایا طریقہ دعا یہ ہے کہ اپنے ہاتھ کندھوں کے مقابل یا ان تک اٹھاؤ۱؎ اور طریقہ استغفار یہ ہے کہ ایک انگلی سے اشارہ کرو۲؎ اور عاجزی زاری کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ خوب پھیلا دو۳؎ اور ایک روایت میں فرمایا کہ زاری یوں ہے اور اپنے ہاتھ اٹھائے ہاتھوں کی پیٹھ چہرہ انور کے سامنے کی۴؎ (ابوداؤد)

(۲۱۴۹)۱؎ یعنی عام دعاؤں میں ہاتھ سینے تک اٹھانا سنت ہے کہ عادۃً بھکاری مانگتے وقت داتا کے سامنے یہاں تک ہی ہاتھ اٹھاتے اور پھیلاتے ہیں۔ (لمعات) ۲؎ یعنی استغفار پڑھتے وقت اپنی کلمہ کی انگلی اپنے نفس کی طرف کر کے عرض کرے کہ یا اللہ یہ نفس امارہ مجرم ہے اور یہ بندہ گنہگار حاضر ہے بخش دے۳؎ ابتہال کے معنی ہیں اظہار عجز اور انتہائی خشوع اسی سے ہے مباہلہ' یہاں اس سے مراد دفع بلا کی دعا ہے۔ جیسے استسقاء میں قحط کے دفع ہونے کی دعا مانگی جاتی ہے۔ ایسی دعاؤں میں ہاتھ سر سے اوپر اٹھانے چاہئیں۴؎ یعنی ہاتھ پورے اٹھا دیئے جائیں حتیٰ کہ ہاتھوں کی پیٹھ چہرے کی طرف ہو جائے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّ رَفْعَكُمْ اَيْدِيَكُمْ بِدْعَةٌ مَّازَادَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى هٰذَا يَعْنِیْ اِلَی الصَّدْرِ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

(۲۱۵۰) روایت ہے ابن عمر سے وہ فرماتے ہیں کہ تمہارا زیادہ ہاتھ اٹھانا بدعت ہے۱؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے زیادہ نہ اٹھائے یعنی سینہ تک۲؎ (احمد)

(۲۱۵۰)۱؎ یعنی اے لوگو! تمہارا ہر دعا میں سر سے اونچے ہاتھ اٹھانا اور دعاؤں میں فرق نہ کرنا کہ کس دعا میں اتنے اونچے ہاتھ اٹھائے جائیں یہ خلاف سنت ہے۔ اسے چھوڑ دینا چاہیے۔ خیال رہے کہ بدعت کے ایک معنی تو ہیں نیا کام یعنی جو کام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایجاد ہو۔ اس بدعت کی دو قسمیں ہیں۔ بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ جس کی پوری بحث باب الاعتصام میں گزر چکی۔ جمع قرآن کے وقت بعض صحابہ نے حضرت ابوبکر صدیق سے عرض کیا تھا کہ آپ وہ کام کیوں کر رہے ہیں جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا یعنی یہ بدعت ہے تو حضرت صدیق نے فرمایا کہ واللہ ھو خیر رب کی قسم یہ اچھا کام ہے یعنی بدعت حسنہ ہے۔ دوسرے خلاف

سنت کام' یہ بدعت ہمیشہ سیئہ اور بری ہی ہوگی۔ یہاں دوسرے معنی مراد ہیں کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو عموماً سینہ تک ہاتھ اٹھائے اور تم عموماً سر سے اونچے اٹھاتے ہو تو اس سنت کو چھوڑتے ہو۔اس سے باز آ جاؤ۔۲ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اس سے عام دعائیں مراد ہیں۔مطلب یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم عمومی دعاؤں میں کبھی ہاتھ کم اٹھاتے تھے کبھی زیادہ' مگر زیادتی سینہ سے اوپر نہ ہوئی۔لہٰذا یہ حدیث گزشتہ ان احادیث کیخلاف نہیں جن میں کبھی سر سے اونچے ہاتھ اٹھانے کا ثبوت ہے۔

وَعَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا ذَكَرَ اَحَدًا فَدَعَالَهٗ بَدَاَ بِنَفْسِهٖ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ صَحِيْحٌ)

(۲۱۵۱) روایت ہے حضرت ابی ابن کعب سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کا ذکر کر کے اسے دعا دیتے تو اپنی ذات سے دعا شروع کرتے۱ (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب صحیح ہے۔

(۲۱۵۱)۱اس میں امت کو تعلیم ہے کہ تم جب کسی کے لئے دعا کرو تو پہلے اپنے لئے کرو پھر اس کے لئے صرف دوسرے کے لئے دعا کرنے میں اپنے استغنا اور بے نیازی کا شبہ ہوتا ہے،مگر یہ قاعدہ بھی اکثر یہ تھا کلیہ نہ تھا لہٰذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رحمۃ اللہ اللہ اس پر رحم کرے یا فرماتے اللھم صل علی ابی اوفی وغیرہ۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَامِنْ مُسْلِمٍ يَدْعُوْا بِدَعْوَةٍ لَّيْسَ فِيْهَا اِثْمٌ وَّلَا قَطِيْعَةُ رَحِمٍ اِلَّا اَعْطَاهُ اللّٰهُ بِهَا اِحْدٰى ثَلٰثٍ اِمَّا اَنْ يُّعَجِّلَ لَهٗ دَعْوَتَهٗ وَاِمَّا اَنْ يَّدَّخِرَهَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ وَاِمَّا اَنْ يَّصْرِفَ عَنْهُ مِنَ السُّوْءِ مِثْلَهَا قَالُوْا اِذًا نُّكْثِرُ قَالَ اللّٰهُ اَكْثَرُ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

(۲۱۵۲) روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا کوئی مسلمان نہیں جو کوئی ایسی دعا مانگے جس میں نہ گناہ ہو نہ قطع رحمی۱ مگر اللہ تعالٰی اسے تین میں سے ایک ضرور دیتا ہے یا تو اس کی دعا یہاں ہی قبول کر لیتا ہے۲ یا آخرت میں اس کے لئے ذخیرہ کر دیتا ہے۳ یا اس جیسی مصیبت ٹال دیتا ہے۴ صحابہ نے عرض کیا تب تو ہم خوب زیادہ دعائیں کریں گے فرمایا رب کی عطا بہت زیادہ ہے۵ (احمد)

(۲۱۵۲)۱یعنی اس دعا میں نہ تو لازم گناہ ہو نہ متعدی' مثلاً کہے کہ فلاں اجنبیہ سے وصال نصیب کر یا مجھے دولت دے تاکہ میں اپنے عزیزوں کو اپنا غلام بنا کر رکھوں کہ ایسی دعائیں ممنوع ہیں۔۲ کہ اس کی منہ مانگی مراد جلد یا کچھ دیر سے دے دیتا ہے۳ کہ دنیا میں تو اس کی مراد پوری نہیں کرتا مگر آخرت میں اس کے عوض اس کے گناہ معاف فرما دے گا۔ان کے درجے بلند کر دے گا۔۴ معلوم ہوا کہ دعا سے رد بلا ہوتا ہے اس لیے مراد پوری نہ ہونے پر ملول نہ ہونا چاہیے۔۵ کہ اگر سارا جہاں ہمیشہ دعائیں مانگے تو رب تعالٰی کے ہاں سے محروم نہ ہوں گے مگر' شعر:

جو مانگنے کا طریقہ ہے اس طرح مانگو در کریم سے بندے کو کیا نہیں ملتا

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَمْسُ دَعَوَاتٍ يُّسْتَجَابُ لَهُنَّ دَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ حَتّٰى يَنْتَصِرَ وَدَعْوَةُ الْحَاجِّ حَتّٰى يَصْدُرَ وَدَعْوَةُ الْمُجَاهِدِ حَتّٰى يَقْعُدَ وَدَعْوَةُ الْمَرِيْضِ حَتّٰى يَبْرَأَ وَدَعْوَةُ الْاَخِ لِاَخِيْهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ ثُمَّ قَالَ وَاَسْرَعُ هٰذِهِ الدَّعَوَاتِ اِجَابَةً دَعْوَةُ الْاَخِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعَوَاتِ الْكَبِيْرِ)

(۲۱۵۳) روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں پانچ دعائیں بہت قبول کی جاتی ہیں مظلوم کی دعا حتیٰ کہ بدلہ لے لے[۱] حاجی کی دعا حتیٰ کہ لوٹ آئے[۲] غازی کی دعا حتیٰ کہ جنگ بند ہو جائے[۳] بیمار کی دعا حتیٰ کہ تندرست ہو جائے مسلمان بھائی کی پس پشت دعا پھر فرمایا ان سب میں مسلمان بھائی کی دعا پس پشت زیادہ قبول ہوتی ہے[۴] یہ دونوں حدیثیں بیہقی نے دعوات کبیر میں روایت کیں۔

(۲۱۵۳)[۱] زبان سے یا ہاتھ سے یا حاکم کے ہاں فریاد کرکے جس سے اس کی مظلومیت ختم ہو جائے[۲] خواہ حج اکبر یعنی حج کرے یا حج اصغر یعنی عمرہ کرے دونوں کی دعائیں اپنے وطن آنے تک قبول ہیں۔ اس لیے حجاج سے دعائیں کراتے ہیں[۳] یا یہ غازی اپنے گھر لوٹ آئے مشکوٰۃ شریف کے بعض نسخوں میں حتّٰی یقعد ہے یعنی مجاہد جہاد سے بیٹھ رہے یعنی یا تو فراغت جہاد کی وجہ سے یا درمیان جہاد اپنے گھر آجائے[۴] کیونکہ اس دعا میں خلوص بہت ہوتا ہے نیز یہ شخص دوسروں کیلئے مفید ہے۔

بَابُ ذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَالتَّقَرُّبِ اِلَيْهِ

باب اللہ عزوجل کا ذکر اور اس سے قرب حاصل کرنا

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

ذکر کے چند معنی ہیں۔ یاد کرنا' یاد رکھنا اس کا چرچا کرنا خیر خواہی عزت وشرف وغیرہ قرآن کریم میں ذکر ان تمام معنوں میں وارد ہوا۔ یہاں ذکر کے پہلے تین معنی ہو سکتے ہیں۔ یعنی اللہ کو یاد کرنا اسے یاد رکھنا اس کا چرچا کرنا اس کا نام جپنا ذکر اللہ تین قسم کا ہے۔ ذکر لسانی' ذکر جنانی' ذکر ارکانی ہر عضو کا ذکر علیحدہ ہے۔ آنکھ کا ذکر ہے خوف خدا میں' رونا کان کا ذکر ہے اس کا نام سننا وغیرہ ذکر اللہ بالواسطہ بھی ہوتا ہے اور بلاواسطہ بھی' اللہ تعالٰی کی ذات وصفات کا تذکرہ یا انہیں سوچنا بلاواسطہ ذکر اللہ ہے۔ اس کے محبوبوں کا محبت سے چرچا کرنا اس کے دشمنوں کا برائی سے ذکر کرنا سب بالواسطہ اللہ کا ذکر ہیں۔ دیکھو سارا قرآن ذکر اللہ ہے مگر اس میں کہیں تو خدا کی ذات وصفات مذکور ہیں۔ کہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف ومحامد کہیں کفار کے تذکرے ذکر اللہ بہترین عبادت ہے۔ اسی لیے ربّ تعالٰی نے اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا تاکیدی حکم دیا۔ ربّ تعالٰی فرماتا ہے: فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ (۲:۱۵۲) تو میری یاد کرو میں تمہارا چرچا کروں گا (کنز الایمان) تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا مولانا فرماتے ہیں شعر:

گر تو خواہی زیستن با آبرو ذکر او کن ذکر لوکن ذکر او

ہر گدا را ذکر او سلطاں کند ذکر اوبس زیور ایماں بود

ہر کہ دیوانہ بود در ذکر حق زیر پائش عرش و کرسی نہ طبق

حضرات نقشبندیہ کے ہاں ذکر خفی افضل ہے۔دوسرے سلسلوں میں ذکر بالجہر بہتر، فریقین کے دلائل ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں ملاحظہ کیجئے۔تقرب الی اللہ سے مراد مکانی قرب نہیں کہ ربّ تعالٰی مکان وجگہ سے پاک ہے بلکہ قبولیت کا قرب مراد ہے مرد۔۔ دور ہے محبوب در حضور۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ وَاَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَایَقْعُدُ قَوْمٌ یَّذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَغَشِیَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَنَزَلَتْ عَلَیْهِمُ السَّكِیْنَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِیْمَنْ عِنْدَهٗ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۱۵۴) روایت ہے حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی کوئی جماعت نہیں جو اللہ کے ذکر کے لئے بیٹھے۱؎ مگر انہیں فرشتے گھیر لیتے ہیں رحمت ڈھانپ لیتی ہے۔۲؎ ان پر سکینہ اترتا ہے۔۳؎ اور اپنے پاس والے فرشتوں میں اللہ ان کا ذکر کرتا ہے۔۴؎ (مسلم)

(۲۱۵۴)۱؎ ظاہر یہ ہے کہ بیٹھنے سے مراد کھڑے ہونے کے مقابل ہے، لہٰذا اس جملہ سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ ذکر اللہ بیٹھ کر کرنا افضل ہے، کہ اس میں سکون زیادہ ہوتا ہے دوسرے یہ کہ ذکر اللہ جماعت میں کرنا افضل ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے ممکن ہے، کہ بیٹھنے سے مراد ہمیشہ ذکر اللہ کرنا ہو یعنی ہمیشہ کرنا افضل ہے۔۲؎ یہاں فرشتوں سے مراد وہ فرشتے ہیں جو زمین کا چکر لگاتے رہتے ہیں، ذکر الٰہی کے طبقے ڈھونڈتے پھرتے ہیں اور رحمت سے مراد خاص رحمت الٰہی ہے جو ذاکرین کے لئے مخصوص ہے لہٰذا اس جملہ پر یہ اعتراض نہیں کہ فرشتے تو انسان کو ہر وقت ہی گھیرے رہتے ہیں کیونکہ ہر وقت ساتھ رہنے والے فرشتے حافظین ہیں۔۳؎ سکینہ کی شرح باب فضائل القرآن میں گزر چکی ہے کہ یا تو اس سے مراد خاص ملائکہ ہیں یا دل کا نور یا دلی چین وسکون ہے۔اللہ کے ذکر سے دل کو چین نصیب ہوتا ہے ربّ تعالٰی فرماتا ہے: اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (۱۳:۲۹) سن لو اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے (کنزالایمان) اور فرماتا ہے: هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ (۴۸:۴) وہی ہے جس نے ایمان والوں کے دلوں میں اطمینان اُتارا (کنزالایمان)۴؎ یعنی اللہ تعالٰی کے ملائکہ مقربین ہیں جو ہمیشہ اس کے پاس رہتے ہیں انتظام عالم کے لئے نہیں آتے اور ارواح انبیاء علیہم السلام واولیاء عظام میں لوگوں کا ذکر فخر سے عزت وعظمت سے کرتے ہیں (مرقاۃ) یہ حدیث اس آیت کی شرح ہے فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ پھر جس طرح بندہ ربّ کو یاد کرتا ہے اسی طرح ربّ بندے کو مثلاً بندہ کہتا ہے کہ مولٰی میں گنہگار ہوں ربّ فرماتا ہے بندے مت گھبرا میں غفار ہوں وغیرہ۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَسِیْرُفِیْ طَرِیْقِ مَكَّةَ فَمَرَّ عَلٰی جَبَلٍ یُّقَالُ لَهٗ جُمْدَانُ فَقَالَ سِیْرُوْا هٰذَا جُمْدَانُ سَبَقَ الْمُفَرِّدُوْنَ قَالُوْاوَمَا الْمُفَرِّدُوْنَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الذَّاكِرُوْنَ اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّالذّٰكِرَاتُ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۱۵۵) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے راستہ میں جارہے تھے کہ ایک پہاڑ پر گزرے جسے جمدان کہا جاتا ہے۱؎ تو صحابہ نے فرمایا چلو یہ جمدان ہے۲؎ سبقت لے گئے جدا رہنے والے۳؎ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ الگ رہنے والے کون لوگ ہیں۴؎ فرمایا اللہ کی بہت یاد کرنے والے مرد وعورت۵؎ (مسلم)

(۲۱۵۵)۱؎ یہ پہاڑ مدینہ منورہ کے قریب ہے مکہ معظمہ کے راستے پر یہاں سے مدینہ منورہ پیدل ایک رات کے فاصلے پر ہے،

طبرانی نے حضرت ابن مسعود سے روایت کیا کہ ایک دوسرے کو نام بنام پکار کر پوچھتے ہیں کہ کیا تجھ پر کوئی اللہ کا ذاکر گزرا، اگر کوئی پہاڑ کہتا ہے کہ ہاں مجھ پر گزرا تو سب کہتے ہیں مبارک ہو عوارف المعارف میں حضرت انس سے روایت ہے کہ روزانہ صبح و شام زمین کے بعض حصے بعض سے پوچھتے ہیں کہ کیا تجھ پر کوئی بندہ ایسا گزرا یا بیٹھا جو اللہ کا ذکر کررہا ہو، اگر کوئی طبقہ کہتا ہے کہ ہاں مجھ پر گزرا ہے تو دوسرے طبقے کہتے ہیں تو ہم سب سے افضل ہے، مرقات۔۲؎ یعنی اے جماعت صحابہ یہ جمدان پہاڑ ہے یہاں اللہ کا ذکر کرتے چلو تاکہ کل قیامت میں تمہارا گواہ ہو۔۳؎ مفردون تفرید سے ہے، بمعنی الگ کرنا، جدا رکھنا یعنی جنہوں نے اپنے کو دنیاوی الجھنوں، اغیار کی مجلس سے الگ رکھا یا جنہوں نے تمام ذکروں سے اللہ کے ذکر کو چھانٹ لیا، جس میں وہ ہر وقت لگے رہتے ہیں۔۴؎ یہ ما سوال احوال کے لئے ہے نہ کہ سوال ذات کے لئے جیسے فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا تھا وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ یعنی اللہ تعالیٰ کے صفات کیا ہیں اسی لئے یہاں مَن نہ بولا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب بھی وہ عنایت فرمایا جو سوال کے مطابق ہے۔۵؎ چونکہ اللہ کے ذاکر مرد زیادہ ہیں عورتیں کم، اس لئے مردوں کا ذکر پہلے ہوا عورتوں کا بعد میں۔ مرقات نے فرمایا کہ، اللہ کا بہت ذکر کرنے والا وہ ہے جو کسی حال میں ربّ کو نہ بھولے خلوص سے اس کی عبادت کرے۔ خلقت سے مستغنی رہے فکر و شکر میں حریص ہو جو خدا سے غافل کرے اس سے دور رہے۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں ایسی لذت پائے جو کسی اور چیز میں نہ پائے ربّ تعالیٰ فرماتا ہے: وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلاً (۷۳:۸) اور سب سے ٹوٹ کر اسی کے ہو رہو (کنزالایمان) یعنی تمام غیر اللہ سے کٹ کر ربّ کے ہو جاؤ۔

وَعَنْ اَبِىْ مُوْسٰى قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الَّذِىْ يَذْكُرُ رَبَّهٗ وَالَّذِىْ لَا يَذْكُرُ مَثَلُ الْحَيِّ الْمَيِّتِ . (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۱۵۶) روایت ہے حضرت ابوموسیٰ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مثال جو ربّ کا ذکر کرے اور جو نہ کرے زندہ و مردہ کی سی ہے۔۱؎ مسلم بخاری۔۲؎

(۲۱۵۶)۱؎ یعنی جیسے زندہ کا جسم روح سے آباد ہے مردہ کا غیر آباد، ایسے ہی ذاکر کا دل ذکر سے آباد ہے غافل کا دل ویران یا جیسے شہروں کی آبادی زندوں سے ہے مردوں سے نہیں، ایسے ہی آخرت کی آبادی ذاکرین سے ہے غافلین سے نہیں، یا جیسے زندہ دوسروں کو نفع ونقصان پہنچا سکتا ہے مردہ نہیں، ایسے اللہ کے ذاکر سے نفع ونقصان خلق حاصل کرتی ہے غافل نہیں یا جیسے مردے کو کوئی دوا یا غذا مفید نہیں ایسے ہی غافل کو کوئی عمل مفید نہیں اللہ کا ذکر کرو پھر دوسرے اعمال، ذاکر مرکر بھی جیتا ہے، غافل زندہ رہ کر بھی مردہ ہے، مرقات نے فرمایا کہ اس میں اشارۃً ارشاد ہوا کہ حی لایموت کا ذکر ذاکر کو حیات غیر فانیہ بخش دیتا ہے۔ اولیاء اللہ مرتے نہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں چلے جاتے ہیں۔ مرقاۃ ۲؎ مسلم شریف میں ہے کہ جو گھر اللہ کے ذکر سے آباد ہو وہ زندہ ہے اور جو گھر اس کے ذکر سے خالی ہو وہ مردہ ہے گھر سے مراد مومن کا دل ہے کہ وہ اللہ کا گھر ہے مبارک ہے وہ جو اس گھر کو آباد رکھے منحوس ہے وہ جو اسے ویران کردے۔ شعر:

آباد وہ ہی دل ہے جس میں تمہاری یاد ہے
جو یاد سے غافل ہوا ویران ہے برباد ہے

وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِىْ بِىْ وَاَنَا مَعَهٗ اِذَا ذَكَرَنِىْ فَاِنْ ذَكَرَنِىْ فِىْ نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهٗ فِىْ نَفْسِىْ وَاِنْ ذَكَرَنِىْ فِىْ مَلَاٍ ذَكَرْتُهٗ فِىْ مَلَاٍ

(۲۱۵۷) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں اپنے بندے کے گمان کے نزدیک ہوتا ہوں جو مجھ سے رکھے۔۱؎ جب بندہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔۲؎ اگر بندہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے

خَيْرٍ مِّنْهُمْ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

تو میں بھی اسے اکیلے ہی یاد کرتا ہوں اور اگر مجھے مجمع میں یاد کرتا ہے تو میں اسے بہتر مجمع میں یاد کرتا ہوں۔۵ مسلم بخاری۔

(۲۱۵۷) ایہاں عبد سے مراد بندہ مومن ہے اور ظن بمعنی یقین بھی آتا ہے جیسے اَلَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ (۲:۴۶) جنہیں یقین ہے کہ انہیں اپنے ربّ سے ملنا ہے (کنزالایمان) اور بمعنی گمان نیک بھی جیسے ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا (۲۴:۱۲) مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنے پر نیک گمان کیا ہوتا (کنزالایمان) اور بمعنی بدگمانی بھی جیسے اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (۴۹:۱۲) یہاں دونوں معنے درست ہیں یعنی بندہ میرے متعلق جیسا یقین رکھے گا میں ویسا ہی معاملہ اس سے کروں گا یا بندہ میرے متعلق جیسا گمان کرے گا میں ویسا ہی کروں گا مطلب یہ ہے کہ اگر بندہ قبولیت کی امید یا یقین پر دعا و عبادت کرے گا تو میں اس کی دعا و عبادت ضرور قبول کروں گا اور اگر رد کا یقین یا گمان کرے گا تو رد ہی کروں گا۔ مقصد یہ کہ اعمال بھی کرو اور قبول کی امید بھی رکھو عمل نہ کرکے بخشش کی امید رکھنا ظن نہیں بلکہ نفس کا دھوکا و غرور ہے ظن و غرور میں فرق چاہیئے جَو بو کر گندم کاٹنے کی امید ٹھنڈا لوہا کاٹنا بیکار ہے۔ مولانا فرماتے ہیں شعر:

گندم از گندم، بروید جوز جو   از مکافات عمل غافل مشو

بعض لوگ امید دھوکے میں فرق نہیں کرتے، وہ اس حدیث سے دھوکا کھاتے ہیں، حدیث واضح ہے۔۲ رحمت و کرم، توفیق و مہربانی خیال رہے کہ بندہ ربّ سے ذکر اللہ کرتے وقت بہت قریب ہوتا ہے، جو ہر وقت ذکر کرے وہ ہر وقت ربّ سے قریب ہے۔۵ بہتر مجمع سے مراد ارواح انبیاء و اولیاء ہیں لہٰذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں، اور ہوسکتا ہے اس مجمع سے مراد مقرب فرشتوں کا مجمع ہو چونکہ بعض لحاظ سے فرشتے انسان سے افضل ہیں کہ ہم انسان نیک و بد ہر طرح کے کام کرلیتے ہیں، فرشتے صرف نیک کام ہی کرتے ہیں اسی لئے انہیں خَيْرًا مِّنْهُمْ کہا گیا، حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ انسان فرشتے سے افضل ہے پھر یہاں فرشتوں کو انسان سے افضل کیوں فرمایا گیا۔ مسئلہ:۔ ماہیت انسان ماہیت فرشتہ سے افضل ہے، ربّ تعالٰی فرماتا ہے: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ (۱۷:۷۰) اور بے شک ہم نے اولادِ آدم کو عزت دی (کنزالایمان) اسی لئے انسان کو اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے رہے افراد اس میں تفصیل یہ ہے کہ خاص انسان جیسے انبیاء و اولیاء خاص و عام تمام فرشتوں سے افضل ہیں مگر عام مسلمان سے خاص فرشتے افضل، رہے کفار وہ تو گدھے کتے سے بھی بدتر ہیں۔ ربّ تعالٰی فرماتا ہے: اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ (۹۸:۶) وہی تمام مخلوق میں بدتر ہیں (کنزالایمان) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر افضل ہے کہ آہستہ ذکر وہاں بھی خفیہ ہی ہوتا ہے اور مجمع لگا کر اونچا ذکر کرنے والوں کا وہاں بھی علانیہ ذکر ہی ہوتا ہے جسے فرشتے و انبیاء و اولیاء سنتے ہیں ذکر بالجہر والوں کی یہ حدیث قوی دلیل ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا وَاَزِيْدُ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَجَزَآءُهٗ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا اَوْ اَغْفِرُ وَمَنْ تَقَرَّبَ مِنِّيْ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ ذِرَاعًا وَّمَنْ تَقَرَّبَ مِنِّيْ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا وَّمَنْ اَتَانِيْ يَمْشِيْ اَتَيْتُهٗ هَرْوَلَةً وَّمَنْ لَقِيَنِيْ

(۲۱۵۸) روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے جو ایک نیکی کرے اسے دس گنا ثواب ہے اور زیادہ بھی دوں گا۔۱ اور جو ایک گناہ کرے تو ایک برائی کا بدلہ اس کے برابر ہی ہے یا اسے بخش دوں۔ ۲ اور جو مجھ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو میں اس کے ایک گز نزدیک ہو جاتا ہوں اور جو مجھ سے ایک گز نزدیک ہوتا ہے تو میں

بِقَرَابِ الْاَرْضِ خَطِيْئَةً لَا يُشْرِكُ بِيْ شَيْئًا لَقِيْتُهٗ بِمِثْلِهَا مَغْفِرَةً

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اس سے ایک باع قریب ہو جاتا ہوں۔۳؎ جو میرے پاس چلتا ہوا آتا ہے میں اس کی طرف دوڑتا ہوں۔۴؎ اور جو کسی کو میرا شریک نہ ٹھہرائے پھر زمین بھر گناہ لے کر مجھ سے ملے تو میں اتنی ہی بخشش کے ساتھ اس سے ملوں گا۔۵؎ (مسلم)

(۲۱۵۸)۱؎ یعنی نیکی کرنے والے مسلمان کو ایک کا دس تو قانونًا وعدلًا دیا جائے گا اور اس کے علاوہ فضل و کرم سے بطور انعام عطا ہوگا جو ہمارے گمان ووہم سے وراء ہے خیال رہے کہ ایک کا دس گنا عام حالات میں ہے۔ ربّ تعالٰی فرماتا ہے: مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا اور کبھی زمانہ یا جگہ کی خصوصیت سے ایک نیکی کا عوض سات سو یا پچاس ہزار بلکہ ایک لاکھ تک ہے۔ ربّ تعالٰی فرماتا ہے: كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ (۲،۲۶۱) اس دانہ کی طرح جس نے اگائیں سات بالیں ہر بالی میں سو دانے اور اللہ اس سے بھی زیادہ بڑھائے جس کے لئے چاہے۔ (کنزالایمان) یہ صرف نیکی کا عوض نہیں بلکہ اس وقت یا جگہ کی خصوصیت بھی ہے لہٰذا نہ تو گزشتہ مذکورہ آیتیں آپس میں متعارض ہیں اور نہ یہ حدیث دوسری احادیث کے خلاف جن میں فرمایا گیا کہ مدینہ پاک کی ایک نیکی کا ثواب پچاس ہزار ہے یا مکہ مکرمہ کی ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ۔۲؎ یہاں بھی مَن سے مراد مومن ہے اور عام گناہ مراد ہیں عام حالات میں مومن کے ایک گناہ کا عوض ایک ہی ہے یا وہ بھی بخشش دیا جائے، لہٰذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ مکہ معظمہ کا ایک گناہ ایک لاکھ ہے۔۳؎ جب انسان دونوں ہاتھ سیدھے کرکے پھیلائے تو داہنے ہاتھ کی انگلی سے بائیں ہاتھ کی انگلی تک کو باع کہتے ہیں یہ کلام تمثیلی طور پر ہے مطلب یہ ہے کہ اگر تم اخلاص کے ساتھ تھوڑے عمل کے ذریعے قرب الٰہی حاصل کرو تو ربّ تعالٰی اپنے کرم سے بہت زیادہ رحمت کے ساتھ تم سے قریب ہوگا لہٰذا عمل کئے جاؤ تھوڑا بہت نہ دیکھو۔۴؎ یہ کلام بطور مثال سمجھانے کے لئے مطلب یہ ہے کہ تمہاری طلب سے ہماری رحمت سبقت لے گئی ہے، اگر ایسے معمولی اعمال کرو جن سے بدیر ہم تک پہنچ سکو تو ہم تم کو اپنے کرم سے بہت جلد اپنے دامن رحمت میں لے لیں گے اگر ربّ تعالٰی سے قرب ہماری کوشش سے ہوتا تو قیامت تک ہم اس تک نہ پہنچ سکتے، اس تک رسائی اس کی رحمت سے ہے۔۵؎ یہاں شرک سے مراد کفر ہے، اور بخشش سے مراد مطلقًا بخشش ہے جلد ہو یا دیر سے یعنی مسلمان کتنا ہی گنہگار ہو، اس کی بخشش ضرور ہوگی خواہ پہلے ہی سے ہو جائے یا کچھ سزا دے کر اور ظاہر ہے کہ بخشش بقدر گناہ ہوگی، ایک گناہ کی بخشش بھی ایک، اور لاکھوں گناہوں کی بخشش بھی لاکھوں، مقصد یہ ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا گنہگار بھی رحمت الٰہی سے ناامید نہ ہو بلکہ بخشش کی امید پر توبہ کرلے، یہ مقصد نہیں کہ بخشش حاصل کرنے کے لئے خوب گناہ کرے کہ یہ تو خدا پر امن ہے اور امن کفر ہے لہٰذا یہ حدیث گناہوں کی آزادی دینے کے لئے نہیں بلکہ توبہ کی دعوت دینے کے لئے ہے۔ ربّ فرماتا ہے: لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (۳۹،۵۳) اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو (کنزالایمان) خیال رکھو کہ ربّ تعالٰی کی رحمت بھی وسیع ہے اور اس کا عذاب بھی سخت ہے نہ معلوم رحمت کسے پہنچے عذاب کسے پکڑے، لہٰذا امید و خوف دونوں رکھو اس معجون مرکب کا نام ایمان ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ مَنْ عَادٰى لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ وَمَا تَقَرَّبَ اِلَيَّ عَبْدِيْ بِشَيْءٍ اَحَبَّ اِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ وَمَا يَزَالُ عَبْدِيْ يَتَقَرَّبُ

(۲۱۵۹) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے جو میرے کسی ولی۱؎ سے عداوت رکھے میں اسے اعلان جنگ دیتا ہوں۔۲؎ اور میرے کسی بندہ کا بمقابلہ فرائض عبادتوں کے دوسرے ذریعہ سے مجھ سے قریب ہونا مجھے

اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اَحْبَبْتُهٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ فَکُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ وَیَدَهُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِهَا وَاِنْ سَاَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّهٗ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّهٗ وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَیْءٍ اَنَا فَاعِلُهٗ تَرَدُّدِیْ عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ یَکْرَهُ الْمَوْتَ وَاَنَا اَکْرَهُ مَسَاءَتَهٗ وَلَا بُدَّلَهٗ مِنْهُ

(رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

زیادہ پسند نہیں۔۳؎ اور میرا بندہ نوافل کے ذریعہ سے قریب ہوتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔۴؎ پھر جب اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔۵؎ اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو اسے دیتا ہوں اور اگر میری پناہ لیتا ہے تو اسے پناہ دیتا ہوں۔۶؎ اور جو مجھے کرنا ہوتا ہے اس میں کبھی میں تردد نہیں کرتا جیسے کہ میں اس مومن کی جان نکالنے میں توقف کرتا ہوں جو موت سے گھبراتا ہے اور میں اسے ناخوش کرنا پسند نہیں کرتا ادھر موت بھی اس کے لئے ضروری ہے۔۷؎ (بخاری)

(۲۱۵۹)۱؎ ولی اللہ وہ بندہ ہے جس کا اللہ تعالٰی والی وارث ہوگیا کہ اسے ایک آن کے لئے بھی اس کے نفس کے حوالے نہیں کرتا بلکہ خود اس سے نیک کام لیتا ہے۔ ربّ تعالٰی فرماتا ہے: وَهُوَ یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیْنَ (۷:۱۹۶) اور وہ نیکوں کو دوست رکھتا ہے (کنزالایمان) اور وہ بندہ ہے جو خود ربّ تعالٰی کی عبادت کا متولی ہو جائے، پہلی قسم کے ولی کا نام مجذوب یا مراد ہے اور دوسرے کا نام سالک یا مرید ہے۔ وہاں ہر مراد مرید ہے اور ہر مرید مراد فرق صرف ابتداء میں ہے یہ مقام قال سے وراء ہے حال سے معلوم ہوتا ہے۔۲؎ یعنی جو میرے ایک ولی کا دشمن ہے وہ مجھ سے جنگ کرنے کو تیار ہو جائے خدا کی پناہ، یہ کلمہ انتہائی غضب کا ہے صرف دو گناہوں پر بندے کو ربّ تعالٰی کی طرف سے اعلان جنگ دیا گیا ہے ایک سودخوار دوسرے دشمن اولیاء ربّ تعالٰی فرماتا ہے: فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (۲:۲۷۹) پھر اگر ایسا نہ کرو تو یقین کرلو اللہ اور اللہ کے رسول سے لڑائی کا (کنزالایمان) علماء فرماتے ہیں کہ ولی کا دشمن کافر ہے اور اس کے کفر پر مرنے کا اندیشہ ہے، (مرقات) خیال رہے کہ ایک ہے ولی اللہ سے اس لئے عداوت وعناد کہ ولی اللہ ہے، یہ تو کفر ہے اسی کا یہاں ذکر ہے، اور ایک ہے کسی ولی سے اختلاف رائے یہ نہ کفر ہے نہ فسق لہذا اس حدیث کی بنا پر یوسف علیہ السلام کے بھائی اور وہ صحابہ جن کی آپس میں لڑائیاں رہیں ان کو برا نہیں کہا جاسکتا کہ وہاں اختلاف رائے تھا عناد نہ تھا۔ عناد و اختلاف میں بڑا فرق ہے، اس کے لئے ہماری کتاب امیر معاویہ دیکھو حتیٰ کہ حضرت سارا کو اس بنا پر برا نہیں کہا جاسکتا کہ انہوں نے حضرت ہاجرہ و اسماعیل علیہما السلام کی مخالفت کی، اس لئے یہاں عادٰی فرمایا خالف نہ فرمایا اور لِی وَلِیًّا فرمایا وَلِیَّ اللّٰہ نہ فرمایا۔۳؎ یعنی مجھ تک پہنچنے کے بہت ذریعہ ہیں، مگر ان تمام ذرائع سے زیادہ محبوب ذریعہ ادائے فرائض ہے اسی لئے صوفیاء فرماتے ہیں کہ فرائض کے بغیر نوافل قبول نہیں ہوتے ان کا ماخذ یہ حدیث ہے۔ افسوس ان لوگوں پر جو فرض عبادات میں سستی کریں اور نوافل پر زور دیں اور ہزار افسوس ان پر جو بھنگ، چرس، حرام گانے بجانے کو خدارسی کا ذریعہ سمجھیں۔ نماز، روزے کے قریب نہ جائیں۔۴؎ یعنی بندہ مسلمان فرض عبادات کے ساتھ نوافل بھی ادا کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ میرا پیارا ہو جاتا ہے کیونکہ وہ فرائض ونوافل کا جامع ہوتا ہے۔ (مرقات) اس کا مطلب یہ نہیں کہ فرائض چھوڑ کر نوافل ادا کرے۔ محبت سے مراد کامل محبت ہے۔۵؎ اس عبارت کا یہ مطلب نہیں کہ خدا تعالٰی ولی میں حلول کر جاتا ہے جیسے کوئلہ میں آگ

یا پھول میں رنگ و بو، کہ خدا تعالیٰ حلول سے پاک ہے اور یہ عقیدہ کفر ہے بلکہ اس کے چند مطلب ہیں، ایک یہ کہ ولی اللہ کے یہ اعضاء گناہ کے لائق نہیں رہتے ہمیشہ ان سے ٹھیک کام ہی سرزد ہوتے ہیں اس پر عبادات آسان ہوتی ہیں، گویا ساری عبادتیں اس سے میں کرارہا ہوں یا یہ کہ پھر وہ بندہ ان اعضاء کو دنیا کے لئے استعمال نہیں کرتا صرف میرے لئے استعمال کرتا ہے ہر چیز میں مجھے دیکھتا ہے ہر آواز میں میری آواز سنتا ہے یا یہ کہ وہ بندہ فنافی اللہ ہو جاتا ہے جس سے خدائی طاقتیں اس کے اعضاء میں کام کرتی ہیں اور وہ ویسے کام کرلیتا ہے جو عقل سے وراء ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کنعان میں بیٹھے ہوئے مصر سے چلی ہوئی قمیص یوسفی کی خوشبو سونگھ لی، حضرت سلیمان علیہ السلام نے تین میل کے فاصلہ سے چیونٹی کی آواز سن لی، حضرت آصف بن برخیا نے پلک جھپکنے سے پہلے یمن سے تخت بلقیس لاکر شام میں حاضر کردیا، حضرت عمر نے مدینہ منورہ سے خطبہ پڑھتے ہوئے نہاوند تک اپنی آواز پہنچادی، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک کے واقعات بچشم ملاحظہ فرمالئے، یہ سب اسی طاقت کے کرشمے ہیں۔ آج تار کی طاقت سے ریڈیو، تار، وائرلیس، ٹیلی ویژن عجیب کرشمے دکھارہے ہیں تو نور کی طاقت کا کیا پوچھنا۔ اس حدیث سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو طاقت اولیاء کے منکر ہیں، بعض صوفیاء جوش میں **سبحانی مااعظم شانی** کہہ گئے بعض نے کہا **مافی حبیتی الا اللہ** یہ سب اسی فنا کے آثار تھے، مولانا فرماتے ہیں شعر:۔

چوں روا باشد انا اللہ از درخت   کے روانہ بود کہ گوید نیک بخت

۲؎ یعنی وہ بندہ مقبول الدعاء بن جاتا ہے کہ مجھ سے خیر مانگے یا شر سے پناہ میں اس کی ضرور سنتا ہوں۔ معلوم ہوا کہ اولیاء رب تعالٰی کی پناہ میں رہتے ہیں تو جو شخص ان سے دعا کرائے اس کی قبول ہوگی اور جو ان کی پناہ میں آئے وہ ربّ کی پناہ میں آجائے گا، مولانا جامی فرماتے ہیں۔ شعر:۔

یارسول اللہ بدرگاہت پناہ آوردہ ام   ہمچوکاہے آمدم کہ ہے گناہ آوردہ ام

۷؎ سبحان اللہ کیا ناز وانداز والا کلام ہے یعنی میں ربّ ہوں اور اپنے کسی فیصلہ میں کبھی نہ توقف کرتا ہوں نہ تامل، جو چاہوں حکم کردوں، مگر ایک موقع پر ہم توقف وتامل فرماتے ہیں وہ یہ کہ کسی ولی کا وقت موت آجائے اور وہ ولی ابھی مرنا نہ چاہے، تو ہم اسے فوراً نہیں مار دیتے بلکہ اسے اولاً موت کی طرف مائل کردیتے ہیں۔ جنت اور وہاں کی نعمتیں اسے دکھا دیتے ہیں، اور بیماریاں، پریشانیاں اس پر نازل کردیتے ہیں جس سے اس کا دل دنیا سے متنفر ہو جاتا ہے اور آخرت کا مشتاق، پھر وہ خود آنا چاہتا ہے اور خوش خوش ہنستا ہوا ہمارے پاس آتا ہے، یہاں تردد کے معنے حیرانی پریشانی نہیں کہ وہ بے علمی سے ہوتی ہے۔ ربّ تعالٰی اس سے پاک ہے، بلکہ مطلب وہ ہے جو فقیر نے عرض کیا موسیٰ علیہ السلام کی وفات کا واقعہ اس حدیث کی تفسیر ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ انبیائے کرام کو موت و زندگی کا اختیار دیا جاتا ہے وہ حضرات اپنے اختیار سے خوشی خوشی موت قبول کرتے ہیں اور ''یار خنداں رود بجانب یار'' کا ظہور ہوتا ہے۔ ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں شعر:۔

نشان مرد مومن باتو گویم   چوں قضاء آید تبسم برلب اوست

غرضیکہ ہماری موت تو چھوٹنے کا دن ہے اور اولیاء انبیاء کی وفات پیاروں سے ملنے کا دن اسی لئے ان کی موت کے دن کو عرس یعنی شادی کا دن کہا جاتا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰی کے ارادہ، مشیت، رضا، کراہت میں بہت فرق ہے بعض چیزیں ربّ

تعالیٰ کو ناپسند ہیں مگر ان کا ارادہ ہے بعض چیزیں پسند ہیں مگر ان کا ارادہ نہیں۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً يَطُوْفُوْنَ فِي الطُّرُقِ يَلْتَمِسُوْنَ اَهْلَ الذِّكْرِ فَاِذَا وَجَدُوْا قَوْمًا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ تَنَادَوْا هَلُمُّوْا اِلٰى حَاجَتِكُمْ قَالَ فَيَحُفُّوْنَهُمْ بِاَجْنِحَتِهِمْ اِلَى السَّمَآءِ الدُّنْيَا قَالَ فَيَسْاَلُهُمْ رَبُّهُمْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِهِمْ مَا يَقُوْلُ عِبَادِيْ قَالَ يَقُوْلُوْنَ يُسَبِّحُوْنَكَ وَيُكَبِّرُوْنَكَ وَيَحْمَدُوْنَكَ وَيُمَجِّدُوْنَكَ قَالَ فَيَقُوْلُ هَلْ رَاَوْنِيْ قَالَ فَيَقُوْلُوْنَ لَا وَاللّٰهِ مَا رَاَوْكَ قَالَ فَيَقُوْلُ كَيْفَ لَوْ رَاَوْنِيْ قَالَ فَيَقُوْلُوْنَ لَوْ رَاَوْكَ كَانُوْا اَشَدَّ لَكَ عِبَادَةً وَّاَشَدَّ لَكَ تَمْجِيْدًا وَّاَكْثَرَ لَكَ تَسْبِيْحًا قَالَ فَيَقُوْلُ فَمَا يَسْاَلُوْنَ قَالُوْا يَسْاَلُوْنَكَ الْجَنَّةَ قَالَ يَقُوْلُ وَهَلْ رَاَوْهَا فَيَقُوْلُوْنَ لَا وَاللّٰهِ يَا رَبِّ مَا رَاَوْهَا قَالَ يَقُوْلُ فَكَيْفَ لَوْ رَاَوْهَا قَالَ يَقُوْلُوْنَ لَوْ اَنَّهُمْ رَاَوْهَا كَانُوْا اَشَدَّ عَلَيْهَا حِرْصًا وَاَشَدَّ لَهَا طَلَبًا وَاَعْظَمَ فِيْهَا رَغْبَةً قَالَ فَمِمَّ يَتَعَوَّذُوْنَ قَالَ يَقُوْلُوْنَ لَا وَاللّٰهِ يَا رَبِّ مَا رَاَوْهَا قَالَ يَقُوْلُ فَكَيْفَ لَوْ رَاَوْهَا قَالَ يَقُوْلُوْنَ لَوْ رَاَوْهَا كَانُوْا اَشَدَّ مِنْهَا فِرَارًا وَّاَشَدَّ لَهَا مَخَافَةً قَالَ فَيَقُوْلُ فَاُشْهِدُكُمْ اَنِّيْ غَفَرْتُ لَهُمْ قَالَ يَقُوْلُ مَلَكٌ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ فِيْهِمْ فُلَانٌ لَيْسَ مِنْهُمْ اِنَّمَا جَآءَ لِحَاجَةٍ قَالَ هُمُ الْجُلَسَآءُ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَفِيْ رِوَايَةِ مُسْلِمٍ قَالَ اِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً سَيَّارَةً فُضُلًا يَبْتَغُوْنَ مَجَالِسَ الذِّكْرِ فَاِذَا وَجَدُوْا مَجْلِسًا فِيْهِ ذِكْرٌ قَعَدُوْا مَعَهُمْ وَحَفَّ بَعْضُهُمْ بَعْضًا بِاَجْنِحَتِهِمْ حَتّٰى يَمْلَؤُا مَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ السَّمَآءِ الدُّنْيَا فَاِذَا تَفَرَّقُوْا عَرَجُوْا وَصَعِدُوْا اِلَى

(۲۱۶۰) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ کے کچھ فرشتے راستوں میں ذکر اللہ والوں کی تلاش میں گھومتے رہتے ہیں۔ ۱؎ پھر جب کسی قوم کو اللہ کا ذکر کرتے پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ اپنے مقصد کی طرف آؤ۔ ۲؎ چنانچہ وہ فرشتے ان ذاکرین کو اپنے پروں میں ڈھانپ لیتے ہیں۔ آسمان دنیا تک ہوجاتے ہیں۔ ۳؎ حضور نے فرمایا کہ رب تعالیٰ تو علیم وخبیر ہے مگر ان سے پوچھتا ہے کہ میرے وہ بندے کیا کہتے تھے۔ ۴؎ فرمایا عرض کرتے ہیں کہ تیری تسبیح وتکبیر تیری حمد اور تیری بزرگیاں بیان کررہے تھے۔ ۵؎ فرمایا رب تعالیٰ فرماتا ہے کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے فرمایا وہ عرض کرتے ہین تیری قسم انہوں نے تجھے کبھی نہیں دیکھا۔ ۶؎ فرمایا رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر وہ مجھے دیکھ لیں تو کیا ہو فرمایا وہ عرض کرتے ہیں کہ اگر وہ تجھے دیکھ لیں تو تیری بہت عبادت کریں اور تیری بہت بڑائی بولیں اور تیری بہت ہی تسبیح کریں۔ ۷؎ فرمایا رب تعالیٰ فرماتا ہے وہ مانگتے کیا تھے عرض کرتے ہیں تجھ سے جنت مانگ رہے تھے فرمایا رب تعالیٰ فرماتا ہے کیا انہوں نے جنت دیکھی ہے۔ عرض کرتے ہیں یا رب تیری قسم نہیں دیکھی۔ ۸؎ فرمایا رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر وہ جنت دیکھ لیں تو کیا ہو فرمایا وہ عرض کرتے ہیں کہ اگر وہ جنت دیکھ لیں تو اس کے بہت حریص اور بہت طلبگار اور اس میں بہت راغب ہوجائیں۔ ۹؎ فرمایا ہے کہ وہ کس چیز سے پناہ مانگ رہے تھے فرمایا وہ عرض کرتے ہیں آگ سے۔ ۱۰؎ فرمایا رب تعالیٰ فرماتا ہے تو کیا انہوں نے آگ دیکھی ہے فرمایا عرض کرتے ہیں یا رب تیری قسم نہیں دیکھی فرمایا رب فرماتا ہے اگر وہ لوگ دیکھ لیں تو کیا ہو فرمایا عرض کرتے ہیں اگر وہ لوگ دیکھ لیں تو اس سے بہت بھاگیں۔ اس سے بہت ڈریں۔ ۱۱؎ فرمایا پھر رب فرماتا ہے میں تمہیں گواہ کرتا ہوں کہ میں نے ان سب کو بخش دیا۔ ۱۲؎ فرمایا کہ ان فرشتوں میں

السَّمَآءِ ۔ قَالَ فَيَسْأَلُهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ اَعْلَمُ مِنْ اَيْنَ جِئْتُمْ فَيَقُوْلُوْنَ جِئْنَا مِنْ عِنْدِ عِبَادِكَ فِي الْاَرْضِ يُسَبِّحُوْنَكَ وَيُكَبِّرُوْنَكَ وَيُهَلِّلُوْنَكَ وَيُحَمِّدُوْنَكَ وَيَسْئَلُوْنَكَ قَالَ وَمَا ذَا يَسْئَلُوْنِيْ قَالُوْا يَسْئَلُوْنَكَ جَنَّتَكَ قَالَ وَهَلْ رَاَوْا جَنَّتِيْ قَالُوْا لَا اَيْ رَبِّ قَالَ وَكَيْفَ لَوْ رَاَوْا جَنَّتِيْ قَالُوْا وَيَسْتَجِيْرُوْنَكَ قَالَ وَمِمَّا يَسْتَجِيْرُوْنِيْ قَالُوْا مِنْ نَّارِكَ قَالَ وَهَلْ رَاَوْا نَارِيْ قَالُوْا لَا قَالَ فَكَيْفَ لَوْ رَاَوْا نَارِيْ قَالُوْا يَسْتَغْفِرُوْنَكَ قَالَ فَيَقُوْلُ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ فَاَعْطَيْتُهُمْ مَاسَاَلُوْا وَاَجَرْتُهُمْ مِمَّا اسْتَجَارُوْا قَالَ يَقُوْلُوْنَ رَبِّ فِيْهِمْ فُلَانٌ عَبْدٌ خَطَّاءٌ وَاِنَّمَا مَرَّ فَجَلَسَ مَعَهُمْ قَالَ فَيَقُوْلُ دَلَهٗ غَفَرْتُ هُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقٰى بِهِمْ جَلِيْسُهُمْ ۔

سے ایک عرض کرتا ہے کہ ان میں فلاں بھی تھا جو ذکر والوں سے نہ تھا۔ وہ تو کسی کام کے لئے آیا تھا۔۱۳؎ رب تعالیٰ فرماتا ہے ذاکرین ایسے ہم نشین ہیں کہ ان کے ساتھ بیٹھ جانے والا بھی محروم نہیں رہتا۔۱۴؎ بخاری اور مسلم کی روایت میں ہے کہ حضور نے فرمایا کہ اللہ کے کچھ فالتو فرشتے چلنے، پھرنے، گھومنے والے ہیں جو ذکر کی مجلسیں ڈھونڈتے رہتے ہیں۔۱۵؎ جب کوئی ایسی مجلس پائیں جہاں ذکر ہوتو ذاکرین کے ساتھ بیٹھ جاتے ہیں۔۱۶؎ اور بعض بعض کو اپنے پروں سے گھیر لیتے ہیں۔۱۷؎ حتیٰ کہ ان لوگوں اور آسمان دنیا کے درمیان فضا بھر دیتے ہیں۔۱۸؎ پھر جب لوگ بکھر جاتے ہیں۔ ۱۹؎ تو وہ فرشتے آسمان پر پہنچ جاتے ہیں۔۲۰؎ فرمایا کہ رب تعالیٰ علیم و خبیر ہے مگر ان سے پوچھتا ہے کہاں سے آرہے ہو تو وہ عرض کرتے ہیں۔ ہم تیرے ان بندوں کے پاس سے آرہے ہیں جو زمین میں تیری تسبیح، تکبیر، تہلیل کررہے تھے۔

۲۱؎ اور تیری حمد وثنا کرتے تھے، تجھ سے دعائیں مانگ رہے تھے۔ رب فرماتا ہے وہ مجھ سے مانگتے کیا تھے عرض کرتے ہیں تیری جنت مانگتے تھے۔۲۲؎ فرمایا ہے کیا انہوں نے میری جنت دیکھی ہے عرض کرتے ہیں یارب نہیں فرمایا ہے اگر وہ میری جنت دیکھ لیں تو کیا ہو عرض کرتے ہیں مولا تیری پناہ مانگ رہے تھے فرماتا ہے کس چیز سے میری پناہ مانگتے تھے عرض کرتے ہیں تیری آگ سے فرماتا ہے کیا انہوں نے میری آگ دیکھی ہے عرض کرتے ہیں نہیں فرماتا ہے اگر میری آگ دیکھ لیں تو کیا ہو۔۲۳؎ عرض کرتے ہیں تجھ سے معافی مانگ رہے تھے فرمایا رب فرماتا ہے میں نے انہیں بخش دیا جو مانگتے ہیں انہیں دے دیا اور جس سے پناہ مانگتے ہیں میں نے اس سے انہیں بچالیا۔۲۴؎ فرمایا فرشتے عرض کرتے ہیں یارب ان میں فلاں بندہ بڑا گنہگار تھا۔۲۵؎ وہ ان پر گزرتے ہوئے ان کے ساتھ بیٹھ گیا تھا۔ فرمایا رب فرماتا ہے میں نے اسے بھی بخش دیا وہ ایسی قوم ہے جن کا ہم نشین بھی بدنصیب نہیں ہوتا۔۲۶؎

(۲۱۶۰)۱؎ یہاں فرشتوں سے وہ فرشتے مراد ہیں جو ذکر اللہ سننے پر مقرر ہیں۔ راستوں سے مسلمانوں خصوصاً ذاکرین کے راستے مراد ہیں۔ یعنی یہ فرشتے ذاکرین کے راستوں میں چکر لگاتے رہتے ہیں تاکہ ان کی زیارت کریں اور ان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر سنیں یعنی وقت سے پہلے وہ حضرات مجلس ذکر کے اردگرد گھومتے رہتے ہیں یہ مطلب نہیں کہ انہیں ذاکرین اور ان کے محلوں کی خبر نہیں۔ بے خبری میں ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔۲؎ آؤ دوڑو، ان ذاکرین کی زیارت کرو ان کی زبان سے اللہ رسول کا ذکر سنو معلوم ہوا کہ دوسروں سے رسول کا ذکر سننا بھی محبوب ہے، اور محفل میلاد شریف گیارہویں شریف وغیرہ میں رحمت کے فرشتے شرکت کرتے ہیں کہ یہ بھی اللہ رسول کے ذکر کی مجلسیں ہیں۔ شعر:

فرشتے محفل میلاد میں رحمت کے آتے ہیں ۔ رسول اللہ خود اس بزم میں تشریف لاتے ہیں

اس شعر کے پہلے مصرع کی اصل یہ حدیث ہے دوسرے مصرع کی اصل آئندہ احادیث میں آئے گی۔ ۳؎ یعنی یہ فرشتے پرے بنا کر ان مجلس والوں پر اس طرح چھا جاتے ہیں جیسے رحمت کے بادل زمین پر اور یہ پرے آسمان تک پہنچتے ہیں کہ نیچے ایک پرا اس کے اوپر دوسرا اس پر تیسرا۔ ۴؎ مجلس ختم ہونے پر لوگ تو اپنے گھروں کو لوٹ جاتے ہیں اور یہ فرشتے بارگاہ الٰہی میں حاضر ہو جاتے ہیں تب رب تعالٰی ان سے یہ سوال فرماتا ہے مگر یہ سوال رب کی بے علمی سے نہیں بلکہ فرشتوں کو اگلے مضمون پر گواہ بنانے کے لئے ہوتا ہے۔ ۵؎ یا تو بلاواسطہ یا بالواسطہ اس طرح کہ تیرے محبوبوں کا عظمت سے ذکر کررہے تھے اور تیرے دشمنوں کا حقارت سے تذکرہ کرتے تھے جیسا کہ شروع باب میں عرض کیا گیا۔ ۶؎ بغیر دیکھے تیرے عاشق ہیں اللہ تعالٰی محبوب حقیقی ہے کہ بغیر دیکھے دلوں میں اس کا عشق ہے اس کا پرتو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ آج ان کا دیکھنے والا کوئی نہیں عاشق جانباز کروڑوں۔ ۷؎ یہ دونوں سوال تعجب کے اظہار کے لئے ہیں، کہ جب میرے بندے مجھے بغیر دیکھے صرف میرے اوصاف سن کر میری ایسی والہانہ عبادت کررہے ہیں تو اگر مجھے دیکھ لیں تو ان کی محبت وعبادت کا کیا حال ہو اس میں اشارۃً فرمایا جارہا ہے کہ اے فرشتو تم نے تو کہا تھا انسان خونریز فاسد ہوگا دیکھو انہی انسانوں میں ایسے نمازی ذاکر بھی تو ہیں جن سے سارا عالم چھپا ہوا ہے اور عالم شہادت یعنی دنیا کے ہزارہا جنجالوں میں گرفتار ہیں مگر پھر بھی رب کے ذاکر و پرستار ہیں، معلوم ہوا کہ ایمان بالغیب رب تعالٰی کی بڑی نعمت ہے۔ ۸؎ صرف سن کر اس پر ایمان لائے اور اس کے طلب گار ہوگئے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ جنت پیدا ہو چکی ہے جو لوگ کہتے ہیں کہ بعد قیامت پیدا ہوگی غلط کہتے ہیں اس کی مکمل بحث ہماری تفسیر نعیمی جلد اول اور اسرار الاحکام میں ملاحظہ فرمایئے اس سے معلوم ہوا کہ رب تعالٰی سے جنت مانگنا برا نہیں، ہاں صرف جنت حاصل کرنے کے لئے عبادت کرنا برا ہے۔ عبادت تو صرف رضائے الٰہی کے لئے چاہئے جنت اس کے فضل سے ملے گی۔ ۹؎ یعنی پھر تو یہ لوگ جنت کی طلب میں تارک الدنیا ہو بیٹھیں زن و فرزند کو بھول بیٹھیں کیونکہ معائنہ خبر سے زیادہ قوی ہے۔ معلوم ہوا کہ انسانوں سے جنت چھپانے میں ہزارہا حکمتیں ہیں اگر جنت دکھادی جاتی تو کوئی شخص کوئی دنیاوی کام نہ کرتا۔ ۱۰؎ یعنی دوزخ کی آگ کا عذاب مرتے ہی شروع ہو جاتا ہے، اس لئے آگ کے عذاب سے پناہ مانگنا چاہئے۔ قرآن کریم نے جو جامع دعا ہم کو سکھائی ہے اس کے آخر میں ہے وقنا عذاب النار نیز دوزخ کے ٹھنڈے طبقوں میں بھی آگ ہی کا عذاب ہے۔ گرم طبقوں میں آگ کے قرب سے عذاب ہے۔ ٹھنڈے طبقوں میں آگ کی دوری سے عذاب جیسے دنیا میں گرم سرد موسموں میں سورج کی دوری و نزدیکی سے سردی گرمی ہوتی ہے۔ ۱۱؎ اس طرح کہ پھر تو دوزخ کے خوف سے دنیا میں عیش وآرام بھول جائیں، ہمیشہ روتے رہیں کبھی نہ ہنسیں معلوم ہوا کہ اگر وہ عالم ظاہر کردیا جائے تو یہ عالم تباہ ہو جائے اگر رب تعالٰی کا نظارہ یہاں ہو جائے تو کوئی کافر نہ رہے۔ شعر:۔

کفر و اسلام کے جھگڑے ترے چھپنے سے بڑھے — تو اگر پردہ اٹھادے تو تو ہی تو ہو جائے

۱۲؎ گزشتہ ساری گفتگو اسی آخری جملہ کے لئے تھی کہ فرشتوں کو ان ذاکر مومنوں کی بخشش پر گواہ بنانا تھا۔ خیال رہے کہ رب تعالٰی نے یہ نہ فرمایا کہ ان کے گناہ بخشتا ہوں کہ اس میں شبہ ہوتا کہ شاید پچھلے گناہ بخشے گئے بلکہ فرمایا انہیں بخشتا ہوں یعنی آئندہ گناہوں سے بچنے کی توفیق دوں گا اور اگر کبھی ان سے کوئی گناہ ہو بھی جائے گا تو اس کی بخشش کا آج فیصلہ کئے دیتا ہوں، گناہ بخشنا اور ہے گنہگار کو بخشنا کچھ اور یہاں گنہگار کو بخشا گیا ہے۔ ۱۳؎ یعنی ذکر اللہ سننے نہ آیا تھا بلکہ کسی کام کو جارہا تھا، راستہ میں یہ مجلس نظر پڑی، تو کچھ دیر کے لئے بیٹھ گیا یا کھڑے کھڑے کچھ ذکر سن لیا یہ عرض و معروض اس کو بخشوانے کے لئے ہے۔ معلوم ہوا کہ فرشتے ذاکرین کے بڑے خیر خواہ ہیں ہم کو بھی

چاہئے کہ ان کے لئے دعائے غیر کیا کریں، دلائل الخیرات میں بعض دعائیں فرشتوں کے لئے بھی آتی ہیں، ہمیں ان سے کام پڑتا ہے ان سے تعلق رکھنا چاہئے۔ ۱۴؎ یعنی ان مجلس والوں کو تو ذکر کی وجہ سے بخش دیا اور اس گزرنے والے کو ان اچھوں کی صحبت کی برکت سے بخش دیا۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ نیک صحبت ساری عبادات سے افضل ہے دیکھو صحابہ کرام سارے جہان کے اولیاء سے افضل ہیں، کیوں، اس لئے کہ صحبت یافتہ جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اصحاب کہف کا کتا بھی بہتر ہوگیا اولیاء کی صحبت کی برکت سے، مرقات نے فرمایا کہ اللہ کی صحبت اختیار کرو، اگر نہ ہوسکے تو اللہ کے پاس رہنے والوں کی صحبت کرو مولانا فرماتے ہیں۔ شعر:۔

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا　　　او نشیند در حضور اولیاء

۱۵؎ یعنی ان فرشتوں کے ذمہ سوائے اس گھومنے پھرنے کے اور کوئی ڈیوٹی نہیں بعض صوفیاء ہمیشہ سفر میں رہتے ہیں جہاں عرس وغیرہ مجلس ذکر ہوتی ہیں۔ شرکت کرتے ہیں ان کا ماخذ یہ حدیث ہے، (مرقات) فضل بعض نسخوں میں ف کے پیش ض کے فتح سے ہے یعنی دوسرے فرشتوں سے افضل۔ ۱۶؎ اس طرح کہ اس ٹوٹی چٹائی پھٹے فرش پر بیٹھ جاتے ہیں جہاں ذاکرین بیٹھے ہیں کوئی اعلیٰ جگہ نہیں ڈھونڈتے تاکہ انہیں فیض دیں اور ان سے فیض لیں۔ ۱۷؎ یعنی بعض فرشتے ان بعض انسانوں کو یا بعض فرشتے بعض فرشتوں کو اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں کہ نیچے والے اوپر والوں کے پروں کے سایہ میں ہوجاتے ہیں۔ ۱۸؎ معلوم ہوا کہ ذاکرین کی آواز آسمان تک پہنچتی ہے کہ وہاں تک کے فرشتے سنتے ہیں جب بجلی کے ذریعے آج انسانی آواز ہزارہا میل تک پہنچتی ہے، تو نورانی آواز کہاں تک پہنچے گی۔ ۱۹؎ اس طرح کہ مجلس ختم ہوجاتی ہے اور لوگ اپنے اپنے گھروں یا کاموں کو چلے جاتے ہیں۔ ۲۰؎ کیونکہ یہ فرشتے تو صرف مجلسی ذکر سننے آتے ہیں، اکیلوں کا ذکر سننا ان کا کام نہیں، اس کے لئے دوسرے فرشتے ہیں اس سے بھی معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر ذکر خفی سے افضل ہے۔ یہ حدیث حضرات قادریہ چشتیہ کی دلیل ہے۔ حضرات نقشبندیہ کی دلائل دوسری احادیث و آیات ہیں۔ ۲۱؎ وہ فرشتے ان بندوں کے نام اور جگہ کا پورا پتا عرض کرتے ہیں، سبحان اللہ ان لوگوں اور اس جگہ کے بھاگ جاگ جاتے ہیں، کہ ذکر الٰہی کی برکت سے معصوموں کی زبان پر بارگاہ الٰہی میں ان کے نام آجاتے ہیں، مبارک ہیں، دینی مدرسے اور خانقاہیں جہاں ہمیشہ ہی اللہ کا ذکر رہتا ہے۔ شعر:۔

زہے مسجد و مکتب و خانقاہے　　　کہ در وے بود قیل و قال محمد

۲۲؎ خیال رہے کہ جنت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بھی ہوتی ہے جیسے یہاں ہے کیونکہ رب تعالیٰ جنت کا خالق اور حقیقی مالک ہے اور کبھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوتی ہے کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بعطائے الٰہی جنت کے مالک ہیں، رب تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّآ اَعۡطَيۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَ اور کبھی مسلمانوں کی طرف کیونکہ یہ لوگ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ سے اس کے مستحق ہیں انہی کی خاطر بنائی گئی ہے۔ شعر:۔

مسلمانوں کو کوئی خلد سے روکے تو کیوں روکے　　　یہ امت ہے محمد کی وہ جنت ہے محمد کی

۲۳؎ مسلم بخاری کی روایتوں میں فرق یہ ہوا کہ بخاری کی روایت میں تعجب کا اظہار بھی مذکور ہے اور فرشتوں کا جواب بھی مگر مسلم کی روایت میں فرشتوں کا جواب مذکور نہیں۔ صرف اظہار تعجب کا ہی ذکر ہے۔ فرشتے جواب دیتے ہیں مگر یہاں اس کا ذکر نہیں۔ ۲۴؎ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان ایسے موقعوں پر خصوصیت سے آخرت کی نعمتیں مانگیں صرف دنیا مانگنا اچھا نہیں۔ آخرت مانگو دنیا ان شاء اللہ خود بخود مل جائے گی۔ پھول۔ پتے ان شاء اللہ خود مل جائیں گے گلدستہ میں پھول بغیر پتا کے نہیں ہوتے۔ ۲۵؎ معلوم ہوا کہ فرشتے ہر بندے کو بھی پہچانتے ہیں

اور ہر شخص کے تمام نیک و بد اعمال کی پوری پوری خبر رکھتے ہیں اور ہر شخص کے ہر ارادے سے باخبر ہیں ورنہ انہیں کیا خبر ہوتی کہ یہ بندہ کون ہے۔ نیک ہے یا بد ہے یہاں کس ارادہ سے آیا ہے جب ان فرشتوں کا یہ حال ہے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کا کیا پوچھنا۔ ۲۶ جب عام ذاکروں کی مجلس کی یہ برکت ہے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پاک کیسی بابرکت ہوگی، ان کا نام لیوا کبھی بدنصیب نہیں ہوتا۔ شعر:-

سلام اس پر کہ جس کے ذکر سے سیری نہیں ہوتی　　　سلام اس پر کہ جس کی بزم میں قسمت نہیں سوتی

دیکھو ایک گنہگار ان ذاکرین کی مجلس میں ایک آن کے لئے آیا تو بخشا گیا، تو جو حضرات سایہ کی طرح حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے ان کی مغفرت میں شک کیسا ان کے متعلق ربّ تعالیٰ نے اعلان فرمادیا وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى (۴:۹۵) اور اللہ نے سب سے بھلائی کا وعدہ فرمایا۔ (کنز الایمان)

وَعَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ الرُّبَيْعِ الْاُسَيْدِيِّ قَالَ لَقِيَنِيْ اَبُوْبَكْرٍ فَقَالَ كَيْفَ اَنْتَ يَا حَنْظَلَةُ قُلْتُ نَافَقَ حَنْظَلَةُ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ مَا تَقُوْلُ قُلْتُ نَكُوْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ كَاَنَّا رَاْيُ عَيْنٍ فَاِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَافَسْنَا الْاَزْوَاجَ وَالْاَوْلَادَ وَالضَّيْعَاتِ نَسِيْنَا كَثِيْرًا قَالَ اَبُوْبَكْرٍ فَوَاللّٰهِ اِنَّا لَنَلْقٰى مِثْلَ هٰذَا فَانْطَلَقْتُ اَنَا وَاَبُوْبَكْرٍ حَتّٰى دَخَلْنَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ نَافَقَ حَنْظَلَةُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا ذَاكَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَكُوْنُ عِنْدَكَ تُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ كَاَنَّا رَاْيُ عَيْنٍ فَاِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِكَ عَافَسْنَا الْاَزْوَاجَ وَالْاَوْلَادَ وَالضَّيْعَاتِ نَسِيْنَا كَثِيْرًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ تَدُوْمُوْنَ عَلٰى مَا تَكُوْنُوْنَ عِنْدِيْ وَفِي الذِّكْرِ لَصَافَحَتْكُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ عَلٰى فُرُشِكُمْ وَفِيْ طُرُقِكُمْ وَلٰكِنْ يَا حَنْظَلَةُ سَاعَةً وَّسَاعَةً ثَلٰثَ مَرَّاتٍ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۱۶۱) روایت ہے حضرت حنظلہ ابن ربیع اسیدی سے! فرماتے ہیں مجھے حضرت ابوبکر صدیق ملے پوچھا حنظلہ کیسے ہو میں بولا کہ حنظلہ تو منافق ہوگیا ۲ فرمایا سُبْحَانَ اللّٰهِ کیا کہہ رہے ہو ۳ میں بولا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتے ہیں حضور جنت و دوزخ کا ذکر ہمیں سناتے ہیں گویا وہ دونوں ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں ۴ پھر جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ہٹتے ہیں تو بیوی بچوں مال و اسباب میں گھل مل کر بہت سا بھول جاتے ہیں ۵ حضرت ابوبکر بولے اللہ کی قسم ہم سب ہی کو یہ درپیش رہتا ہے۔ ۶ پھر میں اور حضرت ابوبکر صدیق چلے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں پہنچے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ حنظلہ تو منافق ہوگیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قصہ کیا ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں آپ ہمیں جنت و دوزخ کا ذکر یوں سناتے ہیں گویا وہ ہماری آنکھوں کے آگے ہیں ۷ جب آپ کے پاس سے ہم نکلتے ہیں تو بیوی بچوں مال و اسباب میں مشغول ہو جاتے ہیں بہت کچھ بھول جاتے ہیں ۸ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے جو تمہارا حال میرے پاس ہوتا ہے اگر اس پر ہمیشہ رہو ۹ تو فرشتے تمہارے بستروں پر تمہارے راستوں میں تم سے مصافحہ کیا کریں ۱۰ لیکن اے حنظلہ وقتاً

فوقتاً دو گھڑی تین بار فرمایا۱۱؎ (مسلم)

(۲۱۶۱) ۱؎ یہ حنظلہ غسیل الملائکہ نہیں ہیں بلکہ دوسرے صحابی ہیں جو کاتب وحی تھے۔ اسید ابن عمرو ابن تمیم کی اولاد سے ہیں۔ بڑی عمر پائی حضرت امیر معاویہ کے زمانہ میں آپ کی وفات ہوئی ۲؎ یعنی میری حالت منافقوں کی سی ہوئی کہ اس میں یکسانیت نہیں یہاں نفاق سے اعتقادی نفاق مراد نہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے معلوم ہو رہا ہے اور نہ اس کلام میں اپنے کفر یا نفاق کا اقرار ہے آپ کا یہ قول انتہائی خوف خدا پر مبنی ہے۔ اقرار کفر تو کفر ہے‘ مگر اقرار گناہ جو خوف خدا سے ہو عین تقویٰ ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے عرض کیا تھا اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا جیسے ان بزرگوں کو ظالم نہیں کہا جا سکتا ایسے ہی ان صحابی کو اس کلام کی بنا پر عاصی یا منافق نہیں کہا جا سکتا۔ لہٰذا یہ حدیث روافض کی دلیل نہیں بن سکتی ۳؎ تم سے نفاق کو کیا نسبت تم صحابی رسول ہو کاتب وحی ہو اپنے کلام کا مطلب خود بیان کرو ۴؎ یعنی اس وقت ہم کو خوف و امید اس درجہ کی ہوتی ہے گویا ہم جنت دوزخ دیکھ کر اس سے ڈر رہے ہیں اور اسے چاہ رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ صحابہ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں عین الیقین نصیب ہو جاتا تھا نہ معلوم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ان کی نمازیں کیسی ہوتی ہوں گی۔ اللہ تعالٰی ان کی تجلی کچھ ہم کو بھی نصیب کرے ۵؎ ضیعات ضیعۃ کی جمع ہے ضیعہ وہ چیز ہے جس سے روزی وابستہ ہو اکثر زمین‘ باغات کھیتی باڑی کو ضیعہ کہا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم پر گھر پہنچ کر کچھ غفلت طاری ہو جاتی ہے۔ دل کا حال وہ نہیں رہتا جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس پاک میں ہوتا ہے۔ دل کا یکساں حال نہ رہنا حال کی منافقت ہے ۶؎ یعنی یہ اختلاف حال صرف تمہارا ہی نہیں بلکہ ہم تمام صحابہ کا ہے تو کیا ہم سب منافق ہو گئے یہ کیسے ہو سکتا ہے چلو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھیں ۷؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کا معجزہ تھا کہ آپ کے بیان سے عالم غیب گویا عالم شہادت بن جاتا تھا بعض علماء کی تقریر میں سامعین کو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے واقعہ سامنے ہو رہا ہے۔ بارہا ذکر معراج‘ ذکر ہجرت وغیرہ میں ایسا دیکھا گیا ہے۔ یہ بیان و اخلاص کا کمال ہے ۸؎ بھول جانے سے مراد ہے توجہ تام نہ رہنا نہ کہ حفظ کا مقابل‘ لہٰذا حدیث پر اعتراض نہیں کہ جب صحابہ کا حافظہ اتنا کمزور تھا کہ فوراً حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بھول جاتے تھے تو ان سے روایت حدیث کیونکر درست ہوئی ۹؎ وفی الذکر کا واؤ عاطفہ ہے اور یہ جملہ ما کا بیان ہے اور ذکر سے مراد مشاہدہ و توجہ تام یعنی تمہارے قلب کا جو حال میری مجلس میں ہوتا ہے اور جو کشف و مشاہدہ تیقظ و بیداری یہاں ہوتی ہے۔ اگر ایسی ہی ہر وقت رہے ۱۰؎ یعنی تو فرشتے تم سے علانیہ طور پر ملاقاتیں مصافحے کیا کریں۔ ورنہ صحابہ کرام سے فرشتے مصافحے بھی کرتے تھے اور ملاقاتیں بھی مگر دوسری شکلوں میں ۱۱؎ یعنی زندگی کی بعض گھڑیاں دینی انہماک کیلئے رہیں اور بعض گھڑیاں دنیاوی کاروبار کیلئے تاکہ دونوں جہاں آباد قائم رہیں‘ ایک ہندی شاعر نے کیا خوب کہا شعر:

تو دنیا میں ایسا ہو رہ جوں مرغابی ساگر میں ڈگر پہ اپنے ایسے جانا جوں چیت ناری گاگر میں

مرغابی دریا میں آ کر تیرنے والا جانور بن جاتی ہے اور ہوا میں پہنچ کر پرندہ‘ پہاڑی عورت دو گھڑے سر پر ایک گھڑا بغل میں لیے دوسرا ہاتھ میں لٹکائے اپنی سہیلیوں سے باتیں کرتی راستہ طے کر لیتی ہے۔ بیک وقت راستہ پر بھی نظر رکھتی ہے اور گھڑوں کا دھیان بھی اور سہیلی کی طرف توجہ بھی‘ ایسے ہی مسلمان مسجد میں پہنچ کر فرشتہ صفت بن جائے۔ بازار میں جا کر اعلیٰ درجہ کا تاجر‘ دنیا و دین دونوں کو سنبھالے‘ خالق و مخلوق سب کے حقوق ادا کرتا ہوا زندگی کا راستہ طے کرے۔ سبحان اللہ کیا نفیس تعلیم ہے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں کی ہر ساعت اللہ کے ذکر میں گزرتی ہے کہ دنیاوی کاروبار انہیں ذکر اللہ سے غافل نہیں کرتے اور بعض لوگوں کے ہاں تقسیم

ہوتی ہے کہ بعض گھڑیاں ربّ تعالیٰ کے ذکر میں اور بعض گھڑیاں دنیاوی مشغلہ میں، صحابہ کرام میں بھی انہیں دوقسم کے حضرات تھے حضرت حنظلہ دوسری جماعت سے تھے۔ اس لیے ان سے یہ فرمایا گیا۔ اسی لیے حضرت حنظلہ سے خطاب فرمایا صدیق اکبر سے خطاب نہ فرمایا کہ حضرت صدیق پہلی جماعت سے تھے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

عَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِخَیْرِ اَعْمَالِکُمْ وَاَزْکَاھَا عِنْدَ مَلِیْکِکُمْ وَاَرْفَعِھَا فِیْ دَرَجَاتِکُمْ وَخَیْرٍ لَّکُمْ مِّنْ اِنْفَاقِ الذَّھَبِ وَالْوَرِقِ وَخَیْرٍ لَّکُمْ مِنْ اَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّکُمْ فَتَضْرِبُوْا اَعْنَاقَھُمْ وَیَضْرِبُوْا اَعْنَاقَکُمْ قَالُوْ بَلٰی قَالَ ذِکْرُ اللّٰہُ (رَوَاہُ مَالِكٌ وَّاَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ اِلَّا اَنَّ مَالِکًا وَّقَفَہٗ عَلٰی اَبِی الدَّرْدَآءِ)

(۲۱۶۲) روایت ہے حضرت ابی الدرداء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا میں تمہیں ایسے بہترین اعمال نہ بتا دوں جو ربّ کے نزدیک بہت ستھرے اور تمہارے درجے بہت بلند کرنے والے اور تمہارے لیے سونا چاندی خیرات کرنے سے بہتر ہوں۱؎ اور تمہارے لیے اس سے بھی بہتر ہو کہ تم دشمن سے جہاد کرو کہ تم ان کی گردنیں مارو اور وہ تمہیں شہید کریں صحابہ نے عرض کیا ہاں فرمایا وہ عمل اللہ کا ذکر ہے۲؎ مالک، احمد، ترمذی، ابن ماجہ مگر مالک نے یہ حدیث حضرت ابوالدرداء پر موقوف کی۳؎

(۲۱۶۲)۱؎ یعنی بدنی و مالی عبادات سے افضل ہوں۲؎ اگر یہاں ذکر اللہ سے مراد زبانی ذکر ہے تو اس کی افضلیت کی وجہ یہ ہے کہ ذکر اللہ بلاواسطہ ربّ تعالیٰ تک پہنچتا ہے اور دوسری عبادتیں بالواسطہ، اور ظاہر ہے کہ بلاواسطہ پہنچانے والا بالواسطہ سے افضل ہے اور اگر ذکر سے مراد قلبی و دلی ذکر اللہ ہے تو ظاہر ہے کہ یہ ذکر دلی عبادت ہے اور دوسری عبادات بدنی عبادات اور دل بادشاہ ہے۔ اعضاء اس کی رعایا بادشاہ کا عمل بھی رعایا کے اعمال سے افضل ہے۔ اسی لیے ربّ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ذکر اللہ کے بڑے درجے بیان فرمائے کہ فرمایا: فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ (۲:۱۵۲) تو میری یاد کرو میں تمہارا چرچا کروں گا (کنزالایمان) تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ حدیث قدسی ہے انا جلیس من ذکرنی میں اپنے ذاکر کا ہم نشین ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض آسان عمل متعدی عمل سے بہتر ہو جاتے ہیں جیسا یہاں ہوا صوفیاء فرماتے ہیں کہ جہاد میں کافروں کو مارا جاتا ہے اور ذکر اللہ میں نفس و شیطان کو اسی لیے ذکر اللہ جہاد اکبر ہے کہ اس میں دل کا تزکیہ ہے پھر ذکروں میں بعض ذکر دوسرے ذکروں سے افضل ہیں جیسے تلاوت قرآن شریف و درود شریف دوسرے اذکار سے بہتر ہیں۳؎ یعنی مؤطا امام مالک میں تو یہ حدیث موقوف ہے اور باقی محدثین کے ہاں مرفوع اسے حاکم نے بھی مستدرک میں مرفوعاً ہی نقل فرمایا۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ بُسْرٍ قَالَ جَآءَ اَعْرَابِیٌّ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَیُّ النَّاسِ خَیْرٌ فَقَالَ طُوْبٰی لِمَنْ طَالَ عُمُرُہٗ وَحَسُنَ عَمَلُہٗ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ قَالَ اَنْ تُفَارِقَ الدُّنْیَا وَلِسَانُكَ رَطْبٌ مِّنْ ذِکْرِ اللّٰہِ

(۲۱۶۳) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن بسر سے۱؎ فرماتے ہیں کہ ایک بدوی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا کون شخص اچھا ہے فرمایا مژدہ ہو اسے جس کی عمر لمبی ہو اور اعمال اچھے ہوں۲؎ عرض کیا یا رسول اللہ کونسا عمل افضل ہے فرمایا کہ تم دنیا کو اس حال میں چھوڑو کہ تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر ہو۳؎

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ)

(احمد' ترمذی)

(۲۱۶۳)۱؎ آپ خود اور آپ کے والد بسر آپ کے بھائی عطیہ' آپ کی بہن صحاء تمام صحابہ ہیں۔ یہ حضرات ایک ساتھ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کھانا کھلایا اور ان کیلئے دعائے خیر فرمائی۔شام میں سب سے آخر صحابی آپ ہی ہیں۔ (اشعہ) ۲؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ فرمان خبر ہے اور طوبیٰ سے مراد مژدہ وخوشخبری ہے۔بعض نے فرمایا کہ یہ کلام دعائیہ ہے اور طوبیٰ سے مراد جنت کا مشہور درخت طوبیٰ ہے یعنی جس کی عمر دراز اور اعمال نیک ہوں۔خدا کرے اسے طوبیٰ درخت ملے مگر یہ خلاف ظاہر ہے (مرقات) ۳؎ دنیا چھوڑنے سے مراد مرنا ہے یعنی جب تمہیں موت آئے تو تمہاری زبان اللہ کے ذکر میں چل رہی ہو یا ابھی ابھی چل چکی ہو۔لہذا اس میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جن کی زبان مرتے وقت بند ہوتی ہے مگر بند ہوتے وقت ذکر اللہ پر بند ہوئی تھی۔تر سے مطلب یہ ہے کہ اللہ کا نام بہ آسانی اس کی زبان پر جاری ہو تر لکڑی کو آگ نہیں جلاتی اور تر زبان کو دوزخ کی آگ نہ جلائیگی انشاء اللہ۔حق تعالیٰ ایسی موت نصیب کرے۔بعض علماء نے فرمایا کہ ذکر قلبی سے ذکر زبانی بہتر ہے۔ان کی دلیل یہ حدیث بھی ہے۔ذکر زبانی نامہ اعمال میں لکھا جاتا ہے جس کے فرشتے گواہ ہوتے ہیں اور ذکر قلبی کی نہ تحریر ہوتی ہے نہ گواہی مرقات نے یہاں فرمایا کہ طبرانی میں مرفوعًا حدیث نقل فرمائی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر خشک و تر چیزوں کے پاس ذکر اللہ کرو تاکہ یہ چیزیں تمہارے ایمان کی گواہ ہوں۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا قَالُوْا وَمَا رِيَاضُ الْجَنَّةِ قَالَ حِلَقُ الذِّكْرِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

(۲۱۶۴) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم جنت کی کیاریوں سے گزرو تو کچھ چر لیا کرو۱؎ لوگوں نے پوچھا جنت کی کیاریاں کیا ہیں فرمایا ذکر کے حلقے ۲؎(ترمذی)

(۲۱۶۴)۱؎ معلوم ہوا کہ ذکر اللہ غذاء روحانی ہے اور ذکر کے حلقے روحانی سبزہ زار جب انسان باغ کھیت سے گزرتا ہے تو کچھ کھاتا ہے۔لہذا جب ذکر اللہ پر گزرے تو کچھ ذکر کرلے یا سن لے۲؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ ذکر الٰہی کے جلسوں میں جانا وہاں شرکت کرنا بہت بہتر ہے۔لہذا میلاد شریف' درس قرآن گیارھویں پاک اور عرس بزرگان میں شرکت افضل' دوسرے یہ کہ ذکر اللہ کیلئے حلقے بنا کر بیٹھنا افضل ہے۔نماز میں صف بستہ کھڑے ہو کہ فرشتے صف بستہ حاضر رہتے ہیں اور ذکر اللہ کے حلقے باندھو کہ جنتی لوگ حلقے بنا کر بیٹھا کریں گے۔رب تعالٰی فرماتا ہے:وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ(۷۶،۱۵)اور ان پر چاندی کے برتنوں اور کوزوں کا دور ہوگا (کنزالایمان) تیسرے یہ کہ اکیلے ذکر سے جماعت میں ذکر کرنا اور سننا افضل ہے۔اس سے ذکر بالجہر کا ثبوت ہوا۔اگر مجمع کے ذکر میں ایک کا بھی قبول ہوا تو سب کا قبول ہوگا۔

وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَعَدَ مَقْعَدًا لَّمْ يَذْكُرِ اللّٰهَ فِيْهِ كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ اللّٰهِ تِرَةٌ وَّمَنِ اضْطَجَعَ مَضْجَعًا لَا يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيْهِ كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ اللّٰهِ تِرَةٌ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

(۲۱۶۵) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کسی مجلس میں بیٹھے جس میں اللہ کا ذکر نہ کرے تو وہ اسکے لیے اللہ کی طرف سے حسرت وخسارہ ہوگی اور جو کسی خوابگاہ میں لیٹے کہ اس میں اللہ کا ذکر نہ کرے تو یہ بھی اس پر اللہ کی طرف سے ندامت ہوگی۱؎(ابوداؤد)

(۲۱۶۵)۱؎ اس حدیث میں مجلس سے مراد ہر جائز مجلس ہے جو کہ گندگی وغیرہ سے خالی ہو۔لہٰذا قضائے حاجت کی مجلس، اسی طرح شراب خوروں کی مجلس اس سے مستثنیٰ ہے۔ان موقعوں پر خدا تعالٰی کا نام لینا بے ادبی ہے۔مطلب یہ ہے کہ جب کسی دینی یا دنیاوی مجلس میں بیٹھو اور جب بھی سونے کیلئے بستر پر دراز ہو تو اللہ کا ذکر ضرور کرلو ورنہ کل قیامت میں ان اوقات کے ضائع ہو جانے پر کف افسوس ملو گے۔بعض لوگ ہر وقت درود شریف پڑھتے رہتے ہیں۔ان کی اصل یہ حدیث ہے۔مومن کی کوئی حالت ذکر اللہ سے خالی نہ چاہیے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ قَوْمٍ يَّقُوْمُوْنَ مِنْ مَجْلِسٍ لَّا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ فِيْهِ اِلَّا قَامُوْا عَنْ مِّثْلِ جِيْفَةِ حِمَارٍ وَّكَانَ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْدَاوٗدَ)

(۲۱۶۶) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی کوئی قوم یا جماعت نہیں جو کسی مجلس سے بغیر اللہ کا ذکر کیے اٹھ جائے مگر وہ مردار گدھے کی مثل سے اٹھتے ہیں۱؎ اور یہ ان پر حسرت ہوتی ہے۔(احمد،ابوداؤد)

(۲۱۶۶)۱؎ یعنی گویا یہ غافل لوگ مردار گدھا کھا کر اٹھے جو پلید بھی ہے اور حقیر بھی اور اپنی زندگی میں حماقت میں مشہور بھی ہے اور شیطان کا مظہر بھی، کہ اس کے بولنے پر لاحول پڑھی جاتی ہے۔غرضیکہ اللہ کے ذکر سے خالی مجلسیں مردار گدھے کی طرح ہیں اور ان میں شرکت کرنے والے اس مردار کے کھانے والے ہیں۔اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ مومن کی کوئی مجلس اللہ کے ذکر سے خالی نہیں ہوتی وعدے پر انشاء اللہ کہتا ہے چھینک پر الحمدللہ، جمائی پر لاحول ولاقوۃ الا باللہ، غم کی خبر پر انا للہ غرضیکہ بات بات پر اللہ تعالٰی کا نام لیتا ہے۔درود ہو اس دافع شر جن وانس پر صلوۃ ہو اس غمخوار امت پر جس نے ہماری زندگی سنبھال دی اور ہماری مجلسیں اللہ کے ذکر سے آباد کردیں۔صلی اللہ علیہ وسلم

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاجَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِسًا لَّمْ يَذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْهِ وَلَمْ يُصَلُّوْا عَلٰى نَبِيِّهِمْ اِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ تِرَةً فَاِنْ شَآءَ عَذَّبَهُمْ وَاِنْ شَآءَ غَفَرَلَهُمْ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۲۱۶۷) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بیٹھی کوئی قوم کسی مجلس میں نہ تو اللہ کا ذکر کرے اور نہ اپنے نبی پر درود پڑھے۱؎ مگر یہ مجلس ان پر حسرت ہوگی۔اگر رب چاہے انہیں اس پر عذاب دے اور اگر چاہے بخش دے۲؎ (ترمذی)

(۲۱۶۷)۱؎ اگرچہ ذکر اللہ میں درود شریف بھی داخل تھا مگر چونکہ درود شریف ذکر اللہ کی بہترین قسم ہے اس لیے اس کا ذکر خصوصیت سے کیا گیا۔کیونکہ درود پاک میں اللہ کا نام بھی ہے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا چرچا بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی آل اولاد کی دعائیں بھی۲؎ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ عموماً مجلسوں میں جھوٹ غیبت وغیرہ گناہ ہو جاتے ہیں۔اگر ان میں حمد وصلوۃ وغیرہ بھی ہوتی رہے تو اس کی برکت سے یہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور اگر مجلس ان خیر ذکروں سے خالی ہو تو گناہ تو پایا گیا۔کفارہ نہ ادا ہوا۔لہٰذا اب پکڑ اور سزا کا سخت اندیشہ ہے۔مرقات نے فرمایا کہ اس جملہ میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ (۴،۶۴) اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں (کنزالایمان) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بھی معافی گناہ کا ذریعہ ہے۔اس جملہ سے اشارۃً یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر مجلس میں اللہ رسول کا ذکر ہو تو اس کے گناہ یقیناً بخشے جائیں گے۔رب تعالٰی کا وعدہ ہے۔

وَعَنْ اُمِّ حَبِيْبَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ كَلَامِ ابْنِ اٰدَمَ عَلَيْهِ لَالَهٗ اِلَّا اَمْرٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْنَهْيٌ عَنْ مُّنْكَرٍ اَوْ ذِكْرُ اللّٰهِ

(۲۱۶۸) روایت ہے حضرت ام حبیبہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کا ہر کلام اس پر وبال ہے مفید نہیں۱؎ سوا اچھی باتوں کے حکم یا بری باتوں سے منع کرنے کے یا اللہ

(رَوَاهُ التِّرمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرمِذِيُّ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ)

کے ذکر کے۔۲ ترمذی، ابن ماجہ اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

(۲۱۶۸)۱؎ کیونکہ ہمارے کلام یا تو گناہ ہوتے ہیں جن کا مضر ہونا ظاہر ہے یا عبث و بے فائدہ جو لہو ولعب میں داخل ہیں یہ بھی وبال ہوئے اور جائز کلام بھی جب فائدہ اور ثواب سے خالی ہوئے تو آخرت میں ہم کو وبال محسوس ہوں گے۔ جیسے سفر میں غیر ضروری سامان لہٰذا حدیث بالکل واضح ہے۔ خیال رہے کہ کل قیامت میں عبث کام ہم پر سوار ہونگے اور نیک کاموں پر ہم سوار ہونگے۔ لہٰذا عبث بھی وبال ہے۔۲؎ کہ یہ تینوں نیکیاں وبال نہیں بلکہ نیک اعمال ہیں۔ پہلی دونیکیاں متعدی ہیں اور آخری تیسری نیکی لازم اگرچہ تبلیغ بھی اللہ کا ذکر ہے مگر وہ بالواسطہ ذکر ہے اور یہاں بلاواسطہ ذکر مراد ہے۔ اس لیے اس کا ذکر علیحدہ فرمایا، ذکر اللہ میں سارے اذکار الٰہی داخل ہیں۔ تلاوت قرآن ہو یا درود شریف یا کوئی اور ذکر خیر (مرقات)

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُكْثِرُ وَالْكَلَامَ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللّٰهِ فَإِنَّ كَثْرَةَ الْكَلَامِ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللّٰهِ قَسْوَةٌ لِّلْقَلْبِ وَإِنَّ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنَ اللّٰهِ الْقَلْبُ الْقَاسِيْ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۲۱۶۹) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر اللہ کے بغیر زیادہ باتیں نہ کرو۱؎ کیونکہ بغیر ذکر اللہ زیادہ باتیں دل کی سختی ہے۔۲؎ اور لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ سے دور سخت دل والا ہے۔۳؎ (ترمذی)

(۲۱۶۹)۱؎ یہاں زیادہ باتوں سے مراد بیکار باتیں ہیں۔ جن کا کوئی فائدہ نہ ہو لہٰذا تجارتی باتیں گھریلو مفید باتیں جتنی بھی ہوں زیادہ باتوں میں شامل نہیں۔۲؎ سختی دل کا انجام یہ ہوتا ہے کہ اس میں وعظ نصیحت اثر نہیں کرتا کبھی انسان اپنے گزشتہ گناہوں پر روتا نہیں۔ آیات الٰہیہ میں غور نہیں کرتا۔ اللہ تعالٰی محفوظ رکھے زیادہ کلام اور بہت ہنسنا دل کو سخت کرتا ہے اور زیادہ ذکر اللہ یا اللہ والوں کی صحبت موت کی یاد آخرت کا دھیان قبرستان کی زیارت دل میں نرمی پیدا کرتی ہے۔۳؎ یہاں دل سے مراد دل والا ہے یعنی سخت دل والا آدمی دنیا میں بھی اللہ سے دور ہے اور آخرت میں بھی اسی لیے اللہ تعالٰی نے قرآن کریم میں سختی دل کی بہت برائیاں بیان فرمائی ہیں۔ فرماتا ہے: ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْ ۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ (۲،۷۴) پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے تو وہ پتھروں کی مثل ہیں (کنزالایمان) اور فرماتا ہے: اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ (۱۶،۵۷) کیا ایمان والوں کو ابھی وہ وقت نہ آیا کہ ان کے دل جھک جائیں اللہ کی یاد کے لئے (کنزالایمان) جب تک لوہا سخت ہے کچھ نہیں بن سکتا ہے مگر جب نرم ہو گیا تو اسے جس طرح چاہو ڈھال لو اور جو چاہو اس کا بنا لو۔ یوں ہی سخت دل نہ مومن بن سکے نہ عارف نہ متقی نہ پرہیز گار مگر دل نرم ہو کر ولی غوث وقطب سب کچھ بن جاتا ہے۔ لوہا نرم کرنے کیلئے یہ آگ چاہیے اور دل نرم کرنے کیلئے عشق کی آگ درکار ہے۔ ربّ تعالٰی نصیب کرے۔ پھر فقط عشق کی آگ کافی نہیں۔ بلکہ ساتھ میں کسی کاریگر کے ہتھوڑے کی چوٹ بھی ضروری ہے۔ مصرع:۔ چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی، غرضیکہ دل کے لیے آگ عشق تو نرم کرنے والی چیز ہے۔ صحبت نیک عمدہ سانچا ہے۔ نگاہ مرد کامل کاریگر کا ہنر ہے ان تین چیزوں سے قلب کچھ کارآمد بنتا ہے۔

وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

(۲۱۷۰) روایت ہے حضرت ثوبان سے فرماتے ہیں جب یہ آیت اتری کہ جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں الخ تو ہم نبی کریم صلی

وَسَلَّمَ فِی بَعْضِ اَسْفَارِہٖ فَقَالَ بَعْضُ اَصْحَابِہٖ نَزَلَتْ فِی الذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ لَوْ عَلِمْنَا اَیُّ الْمَالِ خَیْرٌ فَنَتَّخِذَہٗ فَقَالَ اَفْضَلُہٗ لِسَانٌ ذَاکِرٌ وَّقَلْبٌ شَاکِرٌ وَّزَوْجَۃٌ مُّؤْمِنَۃٌ تُعِیْنُہٗ عَلٰی اِیْمَانِہٖ (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ)

اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی سفر میں تھے بعض صحابہ نے فرمایا کہ سونے چاندی کے متعلق تو یہ آیت نازل ہوگئی!اگر ہمیں پتا لگ جاتا کہ کونسا مال اچھا ہے تو ہم وہ ہی جمع کرتے۲ حضور نے فرمایا بہترین مال ذاکر زبان شاکر دل اور مومنہ بیوی ہے جو ایمان میں اس کی مدد کرے۳ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

(۲۱۷۰)۱ یعنی اس آیت سے ہمیں معلوم ہوگیا کہ سونا چاندی جمع کرنا دوزخ کا ذریعہ ہے اوران چیزوں کے بغیر دنیاوی کام چلتا نہیں اب کیا کریں۲ اورضرورت کے وقت اسی سے کام نکالتے کہ دنیاوی ضروریات بغیر مال پوری نہیں ہوتیں۔ یہ حضرات غالبًا یہ سمجھے تھے کہ مطلقاً سونا چاندی جمع کرنا حرام ہے۔ حالانکہ آیت میں زکوۃ نہ دینے والوں کا ذکر ہے۔ انہی کی برائی بیان ہورہی ہے۔۳ یہ جواب حکیمانہ ہے کہ سائلین نے تو مال کے متعلق سوال کیا تھا مگر جواب میں وہ چیز ارشاد ہوئی جو مال سے بھی زیادہ مفید ہے، کیونکہ مال سے جسم کا نفع ہے اوران چیزوں سے روح وایمان کو فائدہ خیال رہے کہ ایمان سے مراد دینی کام ہیں یعنی وہ بیوی جو مرد کو زنا، چوری، بدکاری، جوئے وغیرہ سے بچائے، نماز وروزے کا پابند بنادے۔ وہ بیوی بھی اللہ کی رحمت ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ خَرَجَ مُعٰوِیَۃُ عَلٰی حَلْقَۃٍ فِی الْمَسْجِدِ فَقَالَ مَا اَجْلَسَکُمْ قَالُوْا جَلَسْنَا نَذْکُرُ اللّٰہَ قَالَ آللّٰہُ مَا اَجْلَسَکُمْ اِلَّا ذٰلِکَ قَالُوْا اللّٰہِ مَا اَجْلَسَنَا غَیْرُہٗ قَالَ اَمَا اِنِّیْ لَمْ اَسْتَحْلِفْکُمْ تُھْمَۃً لَّکُمْ وَمَا کَانَ اَحَدٌ بِمَنْزِلَتِیْ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَقَلَّ عَنْہُ حَدِیْثًا مِّنِّیْ وَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَرَجَ عَلٰی حَلْقَۃٍ مِّنْ اَصْحَابِہٖ فَقَالَ مَا اَجْلَسَکُمْ ھٰھُنَا قَالُوْا جَلَسْنَا نَذْکُرُ اللّٰہَ وَنَحْمَدُہٗ عَلٰی مَاھَدَانَا لِلْاِسْلَامِ وَمَنَّ بِہٖ عَلَیْنَا قَالَ آللّٰہِ مَا اَجْلَسَکُمْ اِلَّا ذٰلِکَ قَالُوْا اللّٰہِ مَا اَجْلَسَنَا اِلَّا ذٰلِکَ قَالَ اَمَا اِنِّیْ لَمْ اَسْتَحْلِفْکُمْ تُھْمَۃً لَّکُمْ وَلٰکِنَّہٗ اَتَانِیْ جِبْرَئِیْلُ فَاَخْبَرَنِیْ اَنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ یُبَاھِیْ بِکُمُ الْمَلَائِکَۃَ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

(۲۱۷۱) روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ مسجد میں ایک حلقہ پر گزرے۱ پوچھا تمہیں یہاں کس چیز نے بٹھایا ہے وہ بولے ہم اللہ کا ذکر کرنے بیٹھے ہیں۲ فرمایا کیا خدا کی قسم تمہیں اسی چیز نے بٹھایا ہے۔ بولے اللہ کی قسم ہمیں اس کے سوا کسی اور چیز نے نہ بٹھایا۳ فرمایا میں نے تم پر تہمت کی بنا پر تم سے قسم نہ لی۴ ایسا کوئی نہیں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مجھ جیسا قرب ہو۵ پھر وہ آپ سے احادیث مقابلہ کرکے کم روایت کرے ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ایک حلقہ پر تشریف لائے تو پوچھا تمہیں یہاں کس چیز نے بٹھایا وہ بولے ہم اللہ کا ذکر کرنے بیٹھے ہیں۔ اس کا شکر کررہے ہیں کہ اس نے ہمیں اسلام کی ہدایت دی۔ ہم پر بڑا احسان کیا۶ فرمایا کیا خدا کی قسم تمہیں صرف اس چیز نے بٹھایا وہ بولے اللہ کی قسم ہم کو اسکے سواء کسی اور چیز نے نہ بٹھایا فرمایا میں نے تم پر تہمت رکھتے ہوئے تم سے قسم نہ لی لیکن میرے پاس جبریل آئے انہوں نے مجھے بتایا

کہ اللہ تم سے فرشتوں پر فخر کر رہا ہے۸؎ مسلم

(۲۱۷۱) ۱؎ کچھ لوگ مسجد نبوی یا کسی اور مسجد میں ذکر اللہ کیلئے حلقہ بنائے بیٹھے تھے۔نماز کے انتظار میں نہ بیٹھے تھے کیونکہ اس وقت صف بستہ بیٹھنا چاہیے۔حلقہ بنانا منع ہے۔لہٰذا یہ حدیث حلقہ بنانے کی ممانعت کی حدیث کیخلاف نہیں۲؎ اس طرح کہ ایک صاحب ذکر خیر کر رہے ہیں اور باقی حضرات سن رہے ہیں۔گویا مجلس وعظ کی مجلس ہے یا باری باری سے ہر شخص ذکر اللہ کر رہا ہے یا سب مل کر کلمہ طیبہ وغیرہ پڑھ رہے ہیں۳؎ پہلا اللہ اصل میں او اللہ تھا ہمزہ استفہامیہ' واؤ قسمیہ' واؤ کو الف سے بدل دیا گیا' اور لفظ اللہ کو جر ہے۔بعض نسخوں میں زبر بھی ہے۔اس کی دوسری توجیہ ہے یعنی کیا خدا کی قسم تم لوگ صرف ذکر کیلئے ہی بیٹھے ہو۔دوسرے اللہ کی اصل عبارت یہ ہے **اوی یانعم نقسم باللہ** ۴؎ یعنی میں نے آپ حضرات کو جھوٹا سمجھ کر قسم نہ لی ہے۔آپ حضرات صحابہ ہیں۔صحابہ سب عادل ہیں بلکہ ادائے سنت کیلئے یہ قسم لی ہے۔۵؎ کیونکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سالا بھی ہوں کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا بھائی ہوں اور کاتب وحی بھی ہوں۔اسی لیے مولانا روم نے حضرت امیر معاویہ کو مسلمانوں کا ماموں فرمایا مگر روایت حدیث بہت کم کرتا ہوں احتیاط کیلئے' دیکھو حضرت ابوبکر صدیق عمر بھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے مگر آپ نے روایت حدیث بہت کم فرمائیں۔اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حضرت امیر معاویہ کو حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق سے بھی زیادہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب رہا ہو بلکہ آپ جن لوگوں سے خطاب کر رہے ہیں یا جو آپ کے زمانہ میں صحابہ موجود تھے۔ان کے مقابلہ میں اپنی جزوی فضیلت قرب بیان فرما رہے ہیں۔خیال رہے کہ جن صحابہ نے حدیث کی روایت بالمعنی جائز سمجھی تھی وہ احادیث زیادہ روایت کرتے تھے اور جن کے نزدیک روایت بالمعنی جائز نہ تھی وہ بہت کم روایت کرتے تھے۔حضرت امیر معاویہ دوسری جماعت سے ہیں۔۶؎ معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰی کی سب سے بڑی نعمت ہدایت ایمان ہے اور سب سے بڑا احسان حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن پاک ہاتھ آ جانا ہے۔خود فرماتا ہے: **بَلِ اللّٰہُ یَمُنُّ عَلَیۡکُمۡ اَنۡ ہَدٰىکُمۡ لِلۡاِیۡمَانِ** (۴۹/۱۷) بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمہیں اسلام کی ہدایت کی (کنزالایمان) اور فرماتا ہے **لَقَدۡ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِیۡہِمۡ رَسُوۡلًا** (۳/۱۶۴) بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا (کنزالایمان) اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے سواء کسی اور نعمت پر ربّ تعالٰی نے لفظ من ارشاد نہیں فرمایا' شعر:

رب اعلٰی کی نعمت پر اعلٰی درود — حق تعالٰی کی منت پر لاکھوں سلام

یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے شکریہ کیلئے مجلسیں کرنا حلقے بنا کر بیٹھنا سنت صحابہ ہے۔یہ حدیث مجلس' میلاد شریف کی اصل ہے ۷؎ کیونکہ ہر مومن پر عموماً اور صحابہ کرام پر خصوصاً بدگمانی کرنا جائز نہیں بلکہ یہ قسم نہیں تمہاری عظمت و عزت کے اظہار کیلئے ہے۔۸؎ اس طرح کہ فرشتوں سے فرما رہا ہے میرے ان بندوں کو دیکھو کہ نفس و شیطان کے تسلط میں ہیں۔دنیاوی رکاوٹیں موجود ہیں۔شہوت و غضب رکھتے ہیں اتنی رکاوٹیں ہوتے ہوئے سب پر لات مار کر میرا ذکر کر رہے ہیں۔یقیناً تمہارے ذکر سے میرا یہ ذکر افضل ہے۔چونکہ فرشتوں ہی نے انسان کی شکایت کی تھی کہ وہ خون ریز و فسادی ہوگا۔اس لیے انہی کو یہ سنایا جا رہا ہے کہ دیکھو اگر انسان میں فسادی ہیں تو ایسے نمازی و غازی بھی ہیں جو نفس و شیطان وطغیان و کفار سب سے ہی جہاد کرتے رہتے ہیں۔

وَعَنۡ عَبۡدِاللّٰہِ بۡنِ بُسۡرٍ اَنَّ رَجُلًا قَالَ یَارَسُوۡلَ اللّٰہِ اِنَّ شَرَائِعَ الۡاِسۡلَامِ قَدۡ کَثُرَتۡ عَلَیَّ فَاَخۡبِرۡنِیۡ بِشَیۡءٍ

(۲۱۷۲) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن بسر سے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ اسلام کے احکام شرعیہ بہت ہیں ۱؎ مجھے کوئی

اَتَشَبَّثُ بِهٖ قَالَ لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)

ایک بات ایسی بتا دیں جسے میں مضبوط تھام لوں فرمایا تمہاری زبان اللہ کے ذکر میں تر رہے۲ ترمذی ابن ماجہ' ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔۳

(۲۱۷۲)۱ جو تفصیل وار مجھے یاد نہیں ہو سکتے وہ مجھ پر غالب ہیں۔ معلوم ہوا کہ مکمل عالم بننا فرض نہیں بلکہ فرض کفایہ ہے۔ ورنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں تمام مسائل سیکھنے کا حکم دیتے ۲ غالبًا سائل کا سوال نوافل کے متعلق تھا۔ اس لیے انہیں یہ جواب دیا گیا۔ مقصد یہ ہے کہ ہر وقت زبان پر کوئی ذکر اللہ جاری رہے نہ معلوم موت کب آ جائے۔ جب بھی ملک الموت تمہاری جان نکالنے آئیں تو تمہیں غافل نہ پائیں۔ اللہ تعالٰی ایسی زندگی نصیب کرے۔ رطب فرما کر اشارۃً بتایا کہ جیسے تر لکڑی آگ میں نہیں جلتی ایسے ہی اللہ کا ذکر زبان کی تری ہے جس سے بندہ دوزخ میں نہ جل سکے گا ۳ یہ حدیث ابن حبان' ابن ابی شیبہ اور حاکم نے بھی روایت کی۔

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ اَيُّ الْعِبَادِ اَفْضَلُ وَاَرْفَعُ دَرَجَةً عِنْدَاللّٰهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قَالَ الذَّاكِرُوْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذَّاكِرَاتِ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمِنَ الْغَازِيْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ لَوْ ضَرَبَ بِسَيْفِهٖ فِي الْكُفَّارِ وَالْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يَنْكَسِرَ وَيَخْتَضِبَ دَمًا فَاِنَّ الذَّاكِرَ لِلّٰهِ اَفْضَلُ مِنْهُ دَرَجَةً (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

(۲۱۷۳) روایت ہے حضرت ابوسعید سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کون بندے اللہ کے نزدیک افضل اور قیامت کے دن بلند درجے والے ہیں ۱ فرمایا اللہ کا بہت ذکر کرنے والے اور بہت ذکر کرنے والی عورتیں ۲ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی راہ کا غازی کون ہے۔۳ فرمایا اگر غازی مشرکین اور کفار پر تلوار اتنی چلائے کہ تلوار ٹوٹ جائے اور خون میں رنگ جائے ۴ تب بھی اللہ کا ذکر کرنے والا اس سے درجہ میں زیادہ ہوگا ۵ (احمد و ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

(۲۱۷۳)۱ سبحان اللہ کیسا پیارا اور جامع سوال ہے کہ ایسا بندہ کون ہے جس کا ثواب بھی زیادہ ہو اور قرب الٰہی بھی زیادہ خیال رہے کہ ثواب اور ہے قرب و درجہ کچھ اور اگر بادشاہ کسی موقع پر ایک سپاہی کو لاکھ روپیہ انعام دے دے اور وزیر کو کچھ نہ دے۔ اس وقت اگرچہ انعام سپاہی نے پایا مگر درجہ وزیر ہی کا زیادہ ہے۔۲ ذکر سے مراد زبان و دل کے سارے ہی ذکر ہیں۔ خصوصاً وہ ذکر جو احادیث شریفہ میں مذکور ہیں کہ وہ دوسرے ذکروں سے بہتر ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ذکر اللہ زیادتی ثواب کا بھی ذریعہ ہے اور زیادتی قرب الٰہی کا بھی وسیلہ' دین و دنیا کی نعمتیں ذکر اللہ سے ملتی ہیں۔ زیادتی ذکر سے مراد ہے کہ اس کے اکثر اوقات ذکر میں گھرے ہوں۔ دوسرے مشغلوں کیلئے بہت کم وقت بچے (مرقات و لمعات) ۳ بعض غازی غنیمت کیلئے بعض ملک جیتنے کی غرض سے بعض اپنی شجاعت دکھانے بعض اسلام پھیلانے کیلئے کفار پر جہاد کرتے ہیں۔ ان سب میں فی سبیل اللہ غازی کون ہے ۴ اس طرح کہ غازی اپنے خون میں لتھڑ جائے یعنی شہید ہو جائے۔ خلاصہ یہ کہ یہ شخص غازی بھی درجہ اول کا ہو اور شہید بھی اعلیٰ مرتبہ کا ۵ اس کی وجہ ظاہر کہ ذکر مقصودی عبادت ہے اور جہاد غیر مقصودی عبادت کیونکہ جہاد اللہ کا ذکر پھیلانے ہی کیلئے تو ہوتا ہے۔ نیز جہاد ہے غازی کا کام اور ذکر اللہ میں ہے اللہ کا نام یقیناً ربّ تعالٰی کا نام ہمارے کام سے بہتر ہے۔ نیز جہاد کی جزا ہے جنت اور ذکر اللہ کی جزاء ہے ذکر عبدہ ربّ تعالٰی فرماتا ہے: فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ (۲:۱۵۲) تو میری یاد کرو میں تمہارا چرچا کروں گا (کنزالایمان) کہ یہاں درجہ سے مراد جنسی درجہ ہے نہ کہ شخصی

درجہ یعنی ذاکر مجاہد سے بدر جہا بہتر ہے۔ اشارۃً یہ بھی فرمایا گیا کہ بوقت جہاد غازی اللہ کا ذکر کرتا رہے کوئی نماز حتی المقدور نہ چھوڑے ہاتھ میں تلوار زبان پر ذکر یار ہو پھر سبحان اللہ کیا پوچھنا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشَّيْطَانُ جَاثِمٌ عَلٰى قَلْبِ ابْنِ آدَمَ فَاِذَا ذَكَرُ اللّٰهَ خَنَسَ وَاِذَا غَفَلَ وَسْوَسَ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ تَعْلِيْقًا)

(۲۱۷۴) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان انسان کے دل پر چمٹا رہتا ہے۱ جب انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے تو ہٹ جاتا ہے اور جب انسان غافل ہوتا ہے تو وہ وسوسے ڈالتا ہے۲ بخاری تعلیقاً

(۲۱۷۴)۱ ظاہر یہ ہے کہ شیطان سے مراد قرین شیطان ہے۔ ہر انسان کے ساتھ الگ الگ ایک شیطان رہتا ہے۔ ابلیس مراد نہیں۔ وہ تو ان تمام شیاطین کا منتظم ہے یعنی شیطان کی منزل انسان کا دل ہے۔ جہاں وہ ایسا چمٹا رہتا ہے جیسے شہد سے مکھی خیال رہے کہ غافل کے دل پر شیطان کی منزل ہے اور کافر کے دل میں شیطان کا گھر ہے۔ اس جگہ ابن آدم سے مراد غافل مسلمان ہے نہ کہ کافر جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۲ اس سے معلوم ہوا کہ وسوسہ سے غفلت نہیں آتی بلکہ غفلت سے وسوسے آتے ہیں۔ لہٰذا ذکر اللہ وسوسوں کا علاج ہے۔ یہاں ذکر سے مراد مسلمان کا ذکر اللہ ہے نہ کہ کافر کا کافر کے دل میں سے شیطان تو ایمان سے نکلے گا۔ بغیر ایمان اگر سارا قرآن بھی پڑھ لے شیطان نہ نکلے گا۔ کیونکہ مسافر کو منزل سے ہٹانا آسان ہے مگر کسی کو اس کے گھر سے نکالنا مشکل' خلاصہ یہ ہے کہ مومن کا دل مالا مال گھر ہے شیطان چور ہے غفلت تاریکی ہے اور ذکر اللہ نور و روشنی' چور ہمیشہ اندھیرے میں آتا ہے۔ اور اجالا ہوتے ہی بھاگ جاتا ہے۔ مومن کو چاہیے کہ اپنے دل کے گھر میں ذکر اللہ کا اجالا رکھے تاکہ اس چور سے امن رہے۔ یوں تو ہر ذکر اللہ دفع وسوسہ کیلئے مفید ہے مگر لاحول شریف اور اذان دفع شیطان کیلئے اکسیر ہے۔ اسی لیے بعد دفن قبر پر اذان کہی جاتی ہے کہ مردے سے شیطان دور رہے اور اسے وسوسہ نہ دے تاکہ مردہ امتحان میں کامیاب ہو۔

وَعَنْ مَالِكٍ قَالَ بَلَغَنِيْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ ذَاكِرُ اللّٰهِ فِي الْغَافِلِيْنَ كَالْمُقَاتِلِ خَلْفَ الْفَارِّيْنَ وَذَاكِرُ اللّٰهِ فِي الْغَافِلِيْنَ كَغُصْنٍ اَخْضَرَ فِيْ شَجَرٍ يَّابِسٍ وَّفِيْ رِوَايَةٍ مِثْلُ الشَّجَرَةِ الْخَضْرَآءِ فِيْ وَسْطِ الشَّجَرِ وَذَاكِرُ اللّٰهِ فِي الْغَافِلِيْنَ مِثْلُ مِصْبَاحٍ فِيْ بَيْتٍ مُّظْلِمٍ وَّذَاكِرُ اللّٰهِ فِي الْغَافِلِيْنَ يُرِيْهِ اللّٰهُ مَقْعَدَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ وَهُوَ حَيٌّ وَّذَاكِرُ اللّٰهِ فِي الْغَافِلِيْنَ يُغْفَرُ لَهٗ بِعَدَدِ كُلِّ فَصِيْحٍ وَّاَعْجَمَ وَالْفَصِيْحُ بَنُوْ اٰدَمَ وَالْاَعْجَمُ الْبَهَائِمُ (رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

(۲۱۷۵) روایت ہے حضرت مالک سے فرماتے ہیں مجھے خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے۱ غافلوں میں اللہ کا ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسے بھاگ جانے والوں میں مجاہد۲ اور غافلوں میں اللہ کا ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسے خشک درخت میں ہری شاخ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جیسے درختوں میں سبز درخت۳ اور غافلوں میں اللہ کا ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسے اندھیرے گھر میں چراغ۴ اور غافلوں میں اللہ کا ذکر کرنے والے کو رب تعالٰی زندگی ہی میں اس کو جنت کا گھر دکھا دیتا ہے۔۵ اور غافلوں میں اللہ کا ذکر نے والے کی تمام بولنے والوں اور گونگوں کی بقدر بخشش ہوتی ہے بولنے والے انسان ہیں اور گونگے جانور۶ (رزین)

(۲۱۷۵)۱ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تبع تابعی ہیں۔ لہٰذا اس حدیث میں اول کے دو راوی چھوٹ گئے تابعی اور صحابی مگر کوئی حرج

نہیں۔امام مالک جیسے محدث کی ایسی احادیث مقبول ہیں۔جب امام بخاری کی تعلیق معتبر ہے تو امام مالک کی تعلیق بدرجہ اتم معتبر ہے۔۲ کہ جب سارے غازی کفار کے مقابلہ سے بھاگ جائیں اور ایک غازی اپنی جگہ ڈٹا رہے حتیٰ کہ مارتے مارتے خود شہید ہو جائے وہ بڑے درجہ والا ہے۔ایسے ہی غافل مسلمان بھگوڑے غازی ہیں۔ان میں اکیلا یہ ذاکر بڑا بہادر مجاہد ہے۔ذاکرین میں ذکر اللہ کرنا آسان ہے مگر جب ماحول گندہ ہو پھر صاف رہنا بہت مشکل ہے۳ جیسے باغبان کے دل میں اس ہری شاخ وہرے درخت کی بڑی قدر ہے ایسے ہی رب تعالٰی کی بارگاہ میں ایسے ذاکر کی بڑی منزلت ہے۴ یا خواب میں یا جاگتے ہوئے جیسے بعض صحابہ نے جہاد میں شہادت سے پہلے جنت دیکھ لی اور لوگوں کو خبر دی یا بوقت جانکنی کہ ملک الموت پہلے اسے اس کا جنتی گھر دکھاتے ہیں پھر جان نکالتے ہیں۔رب تعالٰی فرماتا ہے: تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (۴۱۔۳۰) ان پر فرشتے اترتے ہیں کہ نہ ڈرو اور غم نہ کرو اور خوش ہو اس جنت پر جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا تھا (کنزالایمان) یہ حدیث اس آیت کی تفسیر ہے۔خیال رہے کہ ذاکروں کو مرتے وقت جنت دکھائی جاتی ہے اور عاشقوں کو نزع میں محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال دکھاتے ہیں جس سے میت شدت نزع بالکل محسوس نہیں کرتا جیسے مصری عورتوں کو جمال یوسفی دیکھ کر ہاتھ کٹنے کا درد محسوس نہ ہوا۔۶ کیونکہ ذکر اللہ کی برکت سے انسانوں کو عذاب سے امن ملتی ہے اور جانوروں کو بھی لہٰذا ذاکر سے سب ہی فائدہ اٹھاتے ہیں۔اس لیے ان سب کی بقدر اسے ثواب ملتا ہے۔

وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ مَا عَمِلَ الْعَبْدُ عَمَلًا اَنْجٰى لَهٗ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَّ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

(۲۱۷۶) روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے فرماتے ہیں بندے نے بڑا کوئی ایسا عمل نہ کیا جو ذکر اللہ سے بڑھ کر عذاب الٰہی سے نجات دے۱ (مالک،ترمذی،ابن ماجہ)۲

(۲۱۷۶)۱ معلوم ہوا کہ ذکر اللہ دفع عذاب کیلئے اکسیر ہے۔اسی لیے بعد موت میت کو زیادہ تر ختم شریف وغیرہ کا ثواب پہنچاتے ہیں کہ اگر میت عذاب میں ہو تو اس ذکر کی برکت سے نجات پا جائے۔ذکر اللہ یہاں مطلق فرمایا گیا خواہ انسان خود کرے یا کوئی دوسرا ذکر کر کے اسے بخشے۔حدیث شریف میں ہے کہ اگر بارہ ہزار بار کلمہ طیبہ پڑھ کر کسی کو بخشا جائے تو اسے عذاب سے رہائی ملتی ہے۔اسے مولوی محمد قاسم صاحب دیوبندی نے بھی اپنی کتاب تحذیر الناس میں نقل فرمایا ہم بھی پہلے بحوالہ مرقات عرض کر چکے ہیں کہ حدیث اگرچہ موقوف ہے مگر مرفوع کے حکم میں ہے جیسا کہ محدثین کا قاعدہ ہے۔۲ یہ حدیث احمد طبرانی،ابن ابی شیبہ نے مرفوعًا روایت کی۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ اَنَا مَعَ عَبْدِیْ اِذَا ذَكَرَنِیْ وَتَحَرَّكَتْ بِیْ شَفَتَاهُ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

(۲۱۷۷) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے میں اپنے بندے کے ساتھ رہتا ہوں جبکہ وہ میرا ذکر کرتا ہے اور میرے نام سے اس کے ہونٹ ہلتے ہیں۱ (بخاری)

(۲۱۷۷)۱ یعنی جب تک بندہ میرا ذکر جپتا رہتا ہے میں رحمت وکرم سے محبت سے توفیق خیر سے اس کے ساتھ رہتا ہوں۔خیال رہے کہ خدا تعالٰی ربوبیت سے ہر بندے کے ساتھ ہے۔قہر وغضب سے بے دینوں کے ساتھ ہے۔رحمت عامہ سے ہر مومن کے ساتھ ہے۔رحمت خاصہ سے ہر ذاکر کے ساتھ ہے اور اپنے نور وتجلی سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ۔ساتھ ہونے میں بہت وسعت ہے یہ ہمراہیاں قرآن کریم کی مختلف آیتوں میں مذکور ہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذاکرین کے پاس رہنا خدا تعالٰی کے پاس رہنا ہے۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ لِكُلِّ شَيْءٍ صَقَالَةٌ وَّصَقَالَةُ الْقُلُوْبِ ذِكْرُ اللّٰهِ وَمَا مِنْ شَيْءٍ اَنْجٰى مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ قَالُوْا وَلَا الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ وَلَا اَنْ يَّضْرِبَ بِسَيْفِهٖ حَتّٰى يَنْقَطِعَ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ)

(۲۱۷۸) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور فرماتے تھے کہ ہر چیز کی صیقل ہے اور دلوں کی صیقل اللہ کا ذکر ہے[۱] اور کوئی چیز ذکر اللہ سے بڑھ کر عذاب الٰہی سے نجات نہیں دیتی صحابہ نے عرض کیا کہ نہ اللہ کی راہ میں جہاد فرمایا بلکہ نہ یہ کہ غازی اپنی تلوار سے کفار کو مارے حتیٰ کہ تلوار ٹوٹ جائے[۲] (بیہقی دعوات کبیر)

(۲۱۷۸)[۱] دنیاوی الجھنیں اور گناہ آئینہ دل کو میلا کرتے رہتے ہیں اور ذکر اللہ اس میل کو دور کرکے اس آئینہ کو شفاف بناتا رہتا ہے اگر انسان گناہ نہ کرے اور پھر ذکر اللہ کرے تو دل پر ایسی پالش ہوتی ہے کہ سارا عالم اس دل میں نظر آتا ہے جیسے کہ گھر کا سارا سامان دیوار میں لگے ہوئے شفاف آئینہ میں پھر بندہ عالم کے ہر ذرہ کو کف دست کی طرح دیکھتا ہے حضور غوث پاک فرماتے ہیں۔شعر:

نظرت الی بلاد اللہ جمعًا كخردلة علی حکم اتصال

قرآن کریم فرمارہا ہے کہ آصف بن برخیا نے شام سے بیٹھے ہوئے تخت بلقیس کو جو یمن میں تھا دیکھ بھی لیا اور اٹھا بھی لائے۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے نہاوند کی جنگ کو دیکھ بھی لیا اور حضرت ساریہ کو نقشہ جنگ سمجھا بھی دیا۔یہ سب صفائی دل کے کرشمے ہیں ہر چیز کی صفائی علیحدہ ہے۔کپڑے کی صفائی صابن سے لوہے کی صیقل سے اور دل کی صفائی ذکر اللہ سے[۲] یعنی تم تو صرف جہاد کو کہہ رہے ہو اگر مجاہد اول درجے کا غازی بھی ہو شہید بھی ذاکر اللہ کے درجے کو نہیں پہنچتا اس کی وجہ پہلے بیان کی جاچکی ہے۔یہاں ینقطع کا فاعل یا تو تلوار ہے یا غازی یعنی تلوار ٹوٹ جائے یا غازی کی زندگی کا تار ٹوٹ جائے ذکر اللہ کے جو معنی عرض کیے گئے ہیں وہ یاد رکھنا کہ اللہ کا ذکر یہ بھی ذکر اللہ اس کے محبوب بندوں کا عظمت سے ذکر یہ بھی ذکر اللہ ہے۔اس کے دشمنوں کا برائی سے ذکر یہ بھی ذکر اللہ ہے۔لہٰذا ہر وقت درود شریف پڑھنے والا بھی اسی میں شامل ہے۔درس قرآن کریم،تعلیم حدیث وفقہ سب اس میں داخل۔

كِتَابُ اَسْمَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰى
اللہ تعالٰی کے ناموں کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ
پہلی فصل

اللہ تعالٰی کے بہت نام ہیں جن میں سے ایک نام ذاتی ہے "اللہ" باقی نام صفاتی،صفاتی نام تین قسم کے ہیں۔صفت سلبی پر دلالت کرنے والے جیسے سبحان قدوس،اولی وغیرہ صفت ثبوتیہ حقیقیہ پر دال جیسے علیم،قادر یا ثبوتیہ اضافیہ پر دال جیسے حمید،ملیک،مالک الملک وغیرہ یا صفت فعلیہ پر دال جیسے رازق خالق وغیرہ حق یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کے نام توقیفی ہیں کہ شریعت نے جو بتائے ان ہی ناموں سے پکارا جائے۔اپنی طرف سے نام ایجاد نہ کیے جائیں۔اگرچہ ترجمہ ان کا صحیح ہو۔لہٰذا رب کو عالم کہہ سکتے ہیں عاقل نہیں کہہ سکتے۔اسے جواد کہیں گے نہ کہ سخی،حکیم کہیں گے نہ کہ طبیب،خدا رب کا نام نہیں بلکہ ایک صفت یعنی مالک کا ترجمہ ہے جیسے پروردگار،پالنہار،بخشنے والا وغیرہ،خدا تعالٰی کے بعض نام مخلوق پر بھی بولے جاتے ہیں،جیسے رؤف رحیم اللہ کا نام بھی ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی،مگر مخلوق

کیلئے ان ناموں کے اور معنی ہوں گے۔ جب کسی صفت الٰہی کی تجلی بندے پر پڑتی ہے تو اس وقت اس پر وہ نام بولا جاتا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰهِ تَعَالٰی تِسْعَةً وَّتِسْعِیْنَ اِسْمًا مِائَةً اِلَّا وَاحِدَةً مَّنْ اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ وَفِیْ رِوَایَةٍ وَّهُوَ وِتْرٌ یُحِبُّ الْوِتْرَ
(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

(۲۱۷۹) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی کے ننانوے نام ہیں یعنی ایک کم سو[۱] جو ان ناموں کی محافظت کرے جنت میں جائے گا[۲] اور ایک روایت یہ ہے کہ اللہ تعالٰی طاق ہے طاق کو پسند کرتا ہے۔[۳]
(مسلم بخاری)

(۲۱۷۹)[۱] حق تعالٰی کے دوسو ایک نام دلائل الخیرات شریف میں بیان ہوئے ہیں اور مدارج النبوت میں شیخ نے رب تعالٰی کے ایک ہزار نام گنائے۔ یہاں تو ننانوے نام وہ گنائے گئے جن کا یاد کرنا جنتی ہونے کا ذریعہ ہے۔کل نام یہ نہیں ہیں۔ان ناموں میں سے بعض ذاتی ہیں بعض صفاتی بعض افعالی۔ لہٰذا اس حدیث پر نہ تو یہ اعتراض ہے کہ حق تعالٰی کے نام ننانوے سے زیادہ ہیں اور نہ یہ کہ رب کی صفات کمالیہ تو آٹھ ہیں پھر صفاتی نام زیادہ کیوں ہوئے[۲] یعنی جو مسلمان یہ نام یاد کرے اور روزانہ ان کا ورد کیا کرے وہ انشاء اللہ اول ہی سے جنت میں جائے گا[۳] یعنی حق تعالٰی ذات وصفات میں وحدہ لاشریک ہے۔ وہ ان اعمال کو پسند فرماتا ہے جن میں اخلاص ہو۔شرک کا شائبہ نہ ہو اور اس بندے کو پسند فرماتا ہے جو دنیا سے کٹ کر اس کا ہو رہے۔غرضیکہ دوسرے وتر میں بہت احتمالات ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰهِ تَعَالٰی تِسْعَةً وَّتِسْعِیْنَ اِسْمًا مَّنْ اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ الْغَفَّارُ الْقَهَّارُ الْوَهَّابُ الرَّزَّاقُ الْفَتَّاحُ الْعَلِیْمُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الْخَافِضُ الرَّافِعُ الْمُعِزُّ الْمُذِلُّ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ الْحَكَمُ الْعَدْلُ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ الْحَلِیْمُ الْعَظِیْمُ الْغَفُوْرُ الشَّكُوْرُ الْعَلِیُّ الْكَبِیْرُ الْحَفِیْظُ الْمُقِیْتُ الْحَسِیْبُ الْجَلِیْلُ الْكَرِیْمُ الرَّقِیْبُ الْمُجِیْبُ الْوَاسِعُ الْحَكِیْمُ الْوَدُوْدُ الْمَجِیْدُ الْبَاعِثُ الشَّهِیْدُ الْحَقُّ الْوَكِیْلُ الْقَوِیُّ الْمَتِیْنُ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ الْمُحْصِیْ الْمُبْدِئُ الْمُعِیْدُ

(۲۱۸۰) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی کے ننانوے نام ہیں جو ان کی حفاظت کرے گا[۱] جنت میں جائے گا وہ اللہ وہ ہے کہ اس کے سواء کوئی معبود نہیں۔ مہربان ہے رحم والا ہے[۲] بادشاہ ہے پاک ہے عیوب سے سلامت ہے[۳] امن دینے والا ہے نگہبان ہے غالب ہے[۴] بدلہ کرنے والا ہے بلند ہے[۵] پیدا کرنے والا ایجاد فرمانے والا صورت دینے والا[۶] گناہ بخشنے والا[۷] غالب ہے دین ہار ہے[۸] روزی رساں ہے[۹] کھولنے والا علم والا[۱۰] تنگی وفراخی دینے والا[۱۱] نیچا اونچا کرنے والا[۱۲] عزت و ذلت دینے والا[۱۳] سننے دیکھنے والا[۱۴] حکومت و انصاف والا[۱۵] مہربانی کرنے والا خبر رکھنے والا[۱۶] حلم و عظمت والا[۱۷] بخشنے والا قدر دان[۱۸] بلندی و بزرگی والا[۱۹] حفاظت فرمانے والا قوت دینے والا[۲۰] حساب لینے والا جلالت و بخشش والا نگہبان[۲۱] دعائیں قبول کرنے والا فراخی دینے والا[۲۲] حکمت والا بزرگی والا

الْمُحْيِي الْمُمِيْتُ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ الْوَاجِدُ الْمَاجِدُ الْوَاحِدُ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الْقَادِرُ الْمُقْتَدِرُ الْمُقَدِّمُ الْمُؤَخِّرُ الْاَوَّلُ الْاٰخِرُ الظَّاهِرُ الْبَاطِنُ الْوَلِيُّ الْمُتَعَالِي الْبَرُّ التَّوَّابُ الْمُنْتَقِمُ الْعَفُوُّ الرَّؤفُ مَالِكُ الْمُلْكِ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ الْمُقْسِطُ الْجَامِعُ الْغَنِيُّ الْمُغْنِي الْمَانِعُ الضَّارُّ النَّافِعُ النُّوْرُ الْهَادِيُّ الْبَدِيْعُ الْبَاقِي الْوَارِثُ الرَّشِيْدُ الصَّبُوْرُ
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

اٹھانے والا ۲۳ حاضر ۲۴ دائم کارساز ۲۵ قوت و استواری والا ۲۶ مددگار لائق تعریف ۲۷ سب کو جاننے والا شروع کرنے والا لوٹانے والا ۲۸ زندگی و موت بخشنے والا ۲۹ زندہ ہمیشہ قائم رکھنے والا ۳۰ وجود ہستی والا بزرگی والا ۳۱ ایک اکیلا لائق بھروسہ ۳۲ قدرت و قوت اقتدار والا ۳۳ آگے پیچھے کرنیوالا ۳۴ سب سے پہلے سب سے آخر ۳۵ کھلا چھپا ۳۶ مددگار عظمت والا احسان فرمانے والا ۳۷ توبہ قبول کرنے والا بدلہ لینے والا معافی دینے والا ۳۸ رافت والا ملک کا مالک ۳۹ غضب و کرم والا ۴۰ انصاف والا جمع فرمانے والا بے پروا اور بے پروا کرنے والا ۴۱ دینے والا نہ دینے والا نفع نقصان کا مالک ۴۲ روشن کرنے والا ہدایت دینے والا ۴۳ بے مثال ہمیشہ باقی وارث ۴۴ ہدایت دینے والا صبر والا ۴۵ (ترمذی) بیہقی دعوات کبیر ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے ۴۶

(۲۱۸۰) ۱ چونکہ ربّ تعالٰی کے صفات و افعال بہت ہیں اس لیے اس کے نام بھی بہت ہیں۔ نیز اس کے بندوں کی حاجتیں بہت ہیں۔ لہٰذا ربّ کے نام بھی بہت کہ بندہ جو حاجت لے کر آئے اسی نام سے اسے پکارے بیمار پکارے یا شافی الامراض گنہگار پکارے یا غفار' بدکار پکارے یا ستار وغیرہ' خیال رہے کہ جتنے نام ربّ کے ہیں اتنے ہی نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی ہیں جیسا کہ کتب تصوف دیکھنے والوں پر ظاہر ہے ۲ ان ناموں میں ربّ تعالٰی کے بہت سے مشہور نام نہیں آئے جیسے قدیم' وتر' شدید' کافی' ربّ اکرم' اعلیٰ' اکرم الاکرمین ذوالعرش المجید' فعال لمایرید' مالك یوم الدین' رفیع الدرجات' ذو القوۃ المتین' ذوالعرش' احسن الخالقین وغیرہ وغیرہ اس سے معلوم ہوا کہ ربّ تعالٰی کے کل نام یہ نہیں ہیں جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا رحمٰن کے معنی ہیں دنیا میں تمام بندوں پر رحم فرمانے والا اور رحیم کے معنی ہیں آخرت میں صرف مسلمانوں پر رحم فرمانے والا چونکہ دنیا آخرت سے پہلے ہے اس لیے رحمٰن کا ذکر رحیم سے پہلے ہوا اکثر علماء نے لا الله الا هو کو اسم اعظم مانا ہے ۳ دنیا کے بادشاہ تھوڑی زمین کے تھوڑے زمانہ میں بادشاہ ہوتے ہیں۔ ربّ تعالٰی بذات خود ہمیشہ سے بادشاہ ہے۔ سارے عالموں کا مالک حقیقی ہے قدوس کے معنی ہیں امکان و حدوث سے پاک کسی کے وہم و خیال میں آنے سے پاک' سلام کے معنی ہیں عیوب سے پاک' غرضیکہ ربّ تعالٰی ذاتی و صفاتی عیوب سے ہر طرح پاک ہے۔ لہٰذا قدوس اور سلام میں بڑا فرق ہے یا سلام کے معنی ہیں مخلوق میں سے اہل ایمان کو سلامتی و امن بخشنے والا ۴ مومن کے معنی ہیں مخلوق کیلئے امن و امان کے سامان پیدا فرمانے والا جسم کیلئے ہزارہا بلائیں ہیں۔ ہر بلا سے حفاظت و امن کا ذریعہ الگ ہے۔ روح کیلئے بھی لاکھوں آفات ہیں ان کی امان کیلئے ایمان تقویٰ' عرفان پیدا فرمانے والا مہیمن کے معنی ہیں خلق کے اعمال' ارزاق' احوال کا حافظ' عزیز و غالب ہے جس کے آستانہ تک کسی کی رسائی بغیر اس کی کرم فرمائی کے نہ ہو سکے۔ اس معنی سے ربّ تعالٰی کے سوا کوئی غالب نہیں ۵ جبار جبر سے بنا بمعنی ٹوٹے کو جوڑنا کسی کا حال درست کرنا۔ اسی سے ہے جبر نقصان' یعنی ربّ تعالٰی بندے کی برائیوں کا بدلہ بھلائیوں سے کرنے والا ان کے ٹوٹے دلوں' شکستہ حالوں کو اپنے فضل و کرم سے جوڑنے والا متکبر تکبر سے بنا جس کا مادہ ہے کبر'

تکبر کے معنی ہیں انتہائی بڑائی یعنی مخلوق کے خیال وگمان سے وراء شعر:

اے برتر از خیال وقیاس وگمان ووہم — واز ہرچہ گفتہ اند شنیدیم وخواندہ ایم

بندہ متکبر وہ کہلاتا ہے جو بڑا نہ ہو اور اپنے کو بڑا جانے یعنی شیخی خورا ۶؎ یہ تینوں لفظ قریب المعنی ہیں خالق کے معنی ہیں اندازہ لگانے والا باری کے معنی ہیں نیست کو ہست کرنے والا جو کچھ نہ ہو اسے سب کچھ کردینے والا' مصور کے معنی ہیں ہر چیز کو اس کے لائق صورت نقش عطا فرمانے والا لہذا خلق پہلے ہے پھر برء پھر تصویر حضرت عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا تھا: اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـٴَةِ الطَّیْرِ (۳:۴۹) میں تمہارے لئے مٹی سے پرند کی سی مورت بناتا ہوں (کنزالایمان) رب تعالٰی نے فرمایا: وَتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا (۲۹:۱۷) اور نرا جھوٹ گھڑتے ہو (کنزالایمان) اور فرماتا ہے: فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ (۲۳:۱۴) تو بڑی برکت والا ہے اللہ سب سے بہتر بنانے والا (کنزالایمان) تمام آیتوں میں خلق بمعنی اندازہ کرنا ہے ۷؎ غفار غفر سے بنا بمعنی چھپانا' غفار کے معنی ہیں دنیا میں بندے کے گناہ چھپانے والا اور آخرت میں معاف فرمانے والا' معافی بھی چھپانے ہی کی ایک قسم ہے۔ خیال رہے کہ غفار بھی مبالغہ کا صیغہ ہے اور غفور بھی اور یہ دونوں رب تعالٰی کے نام ہیں مگر غفار میں مقدار کے لحاظ سے مبالغہ ہے اور غفور میں کیفیت کے لحاظ سے مبالغہ' کروڑوں گناہوں کو چھپانے و بخشنے والا اور ہر طرح چھپانے بخشنے والا ۸؎ قہار قہر سے بنا بمعنی جائز غلبہ' ناجائز دباؤ کو ظلم کہا جاتا ہے۔ قہار مبالغہ ہے یعنی رب تعالٰی ایسا عظیم الشان غالب ہے کہ بڑی سے بڑی مخلوق اس کے دربار میں عاجز و سرنگوں ہے۔ وہاب ہبہ سے بنا جس کے معنی ہیں بغیر عوض و بغیر غرض و لالچ دینا' وہاب مبالغہ ہے یعنی رب تعالٰی ہر مخلوق کو ہر چھوٹی بڑی نعمت بغیر معاوضہ بغیر کسی طمع ہر وقت دیتا ہے۔ معطی عام ہے۔ وہاب خاص' رب کی عطا بالواسطہ بھی ہے اور بلاواسطہ بھی فرماتا ہے وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ (۱۶:۵۳) لہذا ہمیں بذریعہ انبیاء اولیاء یا بذریعہ اغنیاء کچھ ملنا اس کی وہابیت کے خلاف نہیں ۹؎ رزاق رزق سے بنا بمعنی حصہ رب تعالٰی فرماتا ہے: وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ (۵۶:۸۲) اور اپنا حصہ یہ رکھتے ہو کہ جھٹلاتے ہو (کنزالایمان) رزاق کے معنی ہیں ہر ایک کا حصہ پیدا فرمانے والا اور اس کے مستحق کو پہنچانے والا' رزق دو قسم کا ہے۔ رزق صوری جس کا تعلق جسم سے ہے اور رزق معنوی جس کا تعلق روح و دل سے ہے۔ روٹی پانی' دوا جسمانی روزی ہے۔ ایمان عرفان قرآن وغیرہ روحانی روزی جیسے جسمانی روزی میں لوگ مختلف ہیں کسی کو زیادہ ملی' کسی کو کم' ایسے ہی روحانی روزی میں لوگ مختلف ہیں ۱۰؎ یعنی اپنی رحمت کے دروازے اپنی مخلوق پر کھولنے والا اور ہر مستحق کا حال و استحقاق خوب جاننے والا علام علم کا مبالغہ ہے اور علیم بھی مگر ان میں وہ ہی فرق ہے جو غفار و غفور میں عرض کیا گیا غفار کا تعلق علیم سے بہت نفیس ہے جو رب تعالٰی کا علیم و خبیر ہونے پر دھیان رکھے وہ گناہ پر دلیری نہ کرسکے گا۔ ۱۱؎ اس طرح کہ جس بندے کا رزق حسی یا معنوی جب چاہتا ہے کم کردیتا ہے اور جب چاہتا ہے زیادہ کردیتا ہے۔ بڑے ہنرمند کبھی فقیر ہوجاتے ہیں اور بڑے بے ہنر کبھی امیر ہوجاتے ہیں قبض وبسط ہر چیز میں ہوتا رہتا ہے۔ انبیاء و اولیاء کبھی عالم کی خبر رکھتے ہیں کبھی اپنی بھی خبر نہیں پاتے شعر:

بگفت احوال آں برق جہاں است — دمے بیدار دیگر دم نہاں است

گہے برطارم اعلٰی نشینم — گہے برپشت پائے خود نہ بینم

۱۲؎ کافروں کو ذلت سے نیچا اور مومنوں کو عزت سے اونچا دشمنوں کو بدبختی سے نیچا' دوستوں کو خوش نصیبی سے اونچا کرنے والا' یا غافلوں کو نفس میں پھنسا کر نیچا' عاشقوں کو اپنی محبت کے اعلٰی علیین میں پہنچا کر اونچا فرمانے والا' بندے کو چاہیے کہ اپنے کسی حال پر بھروسہ نہ

کرے۔ ڈور ربّ کے ہاتھ میں' مخلوق پتنگ کی طرح اس کے قبضے میں ہے ۱۳؎ یعنی اپنے دوستوں کو دنیا میں گناہوں سے بچا کر نیکیوں کی توفیق دے کر پھر ان کی مغفرت فرما کر پھر انہیں دار کرامت تک پہنچا کر' پھر انہیں اپنا دیدار دکھا کر عزت دینے والا اور اپنے دشمنوں کو دنیا میں توفیق خیر سے محروم رکھ کر اپنی معرفت سے ناآشنا کر کے آخرت میں دار عقوبت میں داخل کر کے پھر اپنی لعنت کا طوق گلے میں ڈال کر ذلت وخواری دینے والا حقیقی عزت و ذلت یہ ہے ۱۴؎ یعنی ہر ایک کی ہر طرح ہر وقت زبان و دل خطرات کی آواز سننے والا ہر حال دیکھنے والا' مگر کان و آنکھ سے وراء کہ کان و آنکھ بدلتے رہتے ہیں پھر ان کی طاقتیں محدود ہیں۔ ربّ تعالٰی بدلنے اور محدود ہونے سے پاک ہے۔ خیال رہے کہ یہ صفتیں صفت علم کے علاوہ ہیں۔ ۱۵؎ ایسا حاکم کہ اس کے حکم کی کہیں اپیل نہیں اس کے فیصلہ میں خطا و غلطی کا احتمال نہیں ایسا عادل کہ کسی پر کسی طرح ظلم نہیں۔ خیال رہے کہ ربّ تعالٰی کے حکم دو قسم کے ہیں۔ تکوینی و تشریعی' تکوینی احکام میں ہم مجبور ہیں۔ تشریعی احکام میں ہم بااختیار اس لیے تکوینی پر سزا و جزا نہیں۔ تشریعی احکام پر سب کچھ ہے اور عدل مصدر ہے بمعنی عادل یہ عدل ظلم کا مقابل ہے نہ کہ رحم کا' اللہ تعالٰی کفار پر عدل فرمائے گا۔ مومن گنہگار پر عدل نہ کرے گا بلکہ فضل و کرم کرے گا۔ لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جب وہ عادل ہے تو رحیم کیسے ہوا ۱۶؎ لطیف کے بہت معنی ہیں اس کی ذات فہم و ادراک سے وراء' مولانا فرماتے ہیں شعر:

یا خفی الذات محسوس العطاء — انت کالماء و نحن کالوحی
انت کالریح و نحن کالغبار — یختقی الریح و عنبر کالجهاد

ایسی مہربانیاں فرمانے والا جو ہماری عقل سے وراء ہیں شعر:

جھولیاں سب کی بھرتی رہتی ہیں — دینے والا نظر نہیں آتا

ایسی نعمتیں دینے والا جو بندے کو دونوں جہان میں کام آئیں' یا لطیف و باریک چیزوں کا دیکھنے جاننے والا چیز کے معنی ہیں ہر وقت ہر ظاہر و باطن پر اطلاع رکھنے والا بلکہ ہماری پیدائش سے پہلے ہمارے ہر حال سے خبردار ۱۷؎ حلم کے معنی ہیں آہستگی و بردباری یعنی ربّ تعالٰی مستحق سزا کو جلدی نہیں پکڑتا' توبہ کی مہلت دیتا ہے یا دنیا میں بروں پر بھی کرم و مہربانی فرماتا ہے۔ عظیم عظمت سے بنا بمعنی بڑائی' بڑائی جسمانی بھی ہوتی ہے اور رتبے و عزت کی بھی یہاں عظمت و عزت کی بڑائی مراد ہے یعنی ایسی عظمت والا کہ کسی کا گمان و وہم وہاں کام نہ کر سکے شعر:

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا — پہچان گیا میں تری پہچان یہی ہے

۱۸؎ غفار کے معنی بھی ہیں بخشنے والا اور غفور کے معنی بھی ہیں بخشنے والا بہت سے گناہوں کو بخشنے والا غفار' ہمیشہ بڑے گناہوں کو بخشنے والا غفور یعنی غفار میں مقدار کا مبالغہ ہے اور غفور میں کیفیت کا مبالغہ شعر:

گنہ رضا کا حساب کیا وہ اگرچہ لاکھوں سے ہیں سوا — مگر اے غفور ترے عفو کا حساب ہے نہ شمار ہے

شکر جب بندے کی صفت ہو تو اس کے معنی ہیں انعام پا کر منعم کی حمد و ثنا بجالانا اور جب ربّ تعالٰی کی صفت ہو تو معنی ہوتے ہیں تھوڑے عمل پر بہت فضل فرمانا جس کا ترجمہ قدردان بہت مناسب ہے کہ وہ کریم نہ بندہ کے لائق جزاء دیتا ہے نہ اس کے کام کے لائق بلکہ اپنی شان کے لائق دیتا ہے ایک نیکی پر ہزاروں جزائیں ایک نماز پر وضو کرنے کی جزاء علیحدہ مسجد کے ہر قدم کی جزاء علیحدہ پھر مسجد میں آ کر انتظار نماز کی جزاء علیحدہ پھر نماز میں قیام کی جزاء علیحدہ رکوع کی سجود کی قرأت و تسبیح کی جزاء علیحدہ بعد نماز دعا مانگنے کی جزائیں علیحدہ

علیحدہ غرض اس کی عطا کا شمار نہیں۔ ہر عبادت کا یہ ہی حال ہے۔ اے شکور! اس بندہ گنہگار کی یہ محنت قبول فرما اور اسے صدقہ جاریہ بنا آمین بجاہ حبیبک الکریم ۱۹ بلندی صفائی رکھنے والا علی اور بلندی ذات والا کبیر' صوفیاء فرماتے ہیں کہ علی وہ جس کے صفات تک عقل نہ پہنچ سکے۔ کبیر وہ جس کے تصور ذات سے ذہن عاجز ہو علی کا مقابل حقیر ہے کبیر کا مقابل صغیر حق تعالیٰ کا رتبہ سب سے اونچا سارے رتبہ والے اس سے نیچے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی تمام صفات کی عموماً اور ان دو صفتوں کی خصوصاً تجلی ڈالی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات وصفات ہمارے وہم گمان سے وراء ہیں شعر:

اللہ اللہ آپ کا رتبہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتی ہے دنیا رتبے کا خطبہ صلی اللہ علیہ وسلم

۲۰ کہ تمام عالم اور عالم کی چیزوں کا بربادی سے محفوظ رہنا اس کی حفاظت کے باعث ہے۔ ہمارے مزاج میں چار دشمنوں کو جمع فرمادیا پھر ان میں سے ہر ایک محفوظ' یہ ہے اس کی شان حفیظی مقیت قوت سے بنا بمعنی روزی یعنی جسمانی جنانی روحانی روزیاں پیدا فرمانے والا اور ہر ایک کو اس کے لائق روزی دینے والا کہ چیونٹی کو کن' ہاتھی کو من دیتا ہے۔ رزق وقوت میں فرق ہے۔ اسی طرح رزاق اور مقیت میں فرق ہے ۲۱ حسیب بمعنی کافی بھی ہے یعنی اللہ ہر بندے کو ہر طرح کافی بھی ہے اسی واسطے بندے کہتے ہیں حسبی اللہ' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ فَهُوَ حَسْبُهُ (۶۵'۳) اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اسے کافی ہے (کنزالایمان) یا بمعنی حساب لینے والا کہ ساری خلق کا حساب چار گھنٹے میں لے لوں گا اِنَّ اللهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ یا دنیا میں ہر بندے کو حساب سے روزی دے رہا ہے۔ جلیل کے معنی ہیں صفات جلالیہ سے موصوف یعنی بزرگی' جلالت وقدر والا' امام غزالی نے فرمایا کبیر کمال ذاتی اور جلیل کمال صفاتی پر دال ہے، کریم وہ ہے جو مجرم پر قادر ہو کر معافی دے دے وعدہ کرے پورا کرے اور امید سے زیادہ دے اور اپنے پناہ لینے والے کو ضائع نہ کرے۔ تمام وسیلوں سے بے نیاز ہو۔ غرضیکہ ایک لفظ کریم محامد کا مجموعہ ہے۔ رقیب وہ حافظ جس کی حفاظت سے کوئی چیز ایک لمحہ کیلئے باہر نہ ہو سکے۔ رقابت میں علم وحفظ ہے لزوم ہے ۲۲ مجیب کے معنی ہیں پکارنے والے کو جواب دینے والا یا مانگنے والوں کی دعائیں' آرزوئیں پوری کرنے والا بلکہ ہماری پیدائش سے پہلے ہماری ضروریات پوری فرمانے والا۔ شعر:

مانہ بودیم وتقاضائے مانبود لطف تو ناگفتہ ما مے شنود

واسع وسعت سے بنا بمعنی فراخی یا احاطہ' رب ایسا واسع ہے کہ اس کا علم اس کی قدرت' رحمت' حکمت اس کی عطا فرش کو گھیرے ہے۔ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (۲'۲۵۵) اس کی کرسی میں سمائے ہوئے ہیں آسمان اور زمین (کنزالایمان) کرسی کی نہایت نفیس تفسیر ہماری تفسیر نعیمی میں ملاحظہ کیجئے۔ آیت الکرسی کے ماتحت ۲۳ حکیم حکم سے ہے یا حکمت سے یعنی ہر چیز پر اعلیٰ حاکم کہ اس کے فیصلہ پر کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں یا اس کا ہر کام حکمت سے ہے کوئی چیز عبث نہیں بنائی' ودود' ودٌ سے بنا بمعنی صحیح محبت یعنی اپنے دوستوں سے ان کے اچھے اعمال سے محبت فرمانے والا' اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا کو پسند فرمانے والا مجید مجد سے بنا بمعنی بزرگی یعنی ایسی بزرگی والا کہ اس کی بزرگی تک کسی کے وہم کی رسائی نہیں یا ہر طرح بزرگ کہ اس کی ذات وصفات وافعال سب بزرگ باعث بعث سے بنا بمعنی اٹھانا یعنی سوتوں کو نیند سے مردوں کو قبروں سے مردہ دلوں کو علم سے اٹھانے والا' غرضیکہ باعث میں بہت وسعت ہے ۲۴ شہید شہادت سے بنا یا شہود سے یعنی ربّ تعالیٰ بندے کے ہر عمل کا گواہ ہے کہ وہ ہر وقت ہر عمل کو مشاہدہ کر رہا ہے یا ہر جگہ حاضر ہے۔ مومنوں کے ایمان میں حاضر' عارفوں کی جان میں حاضر' خیال رہے کہ ربّ تعالیٰ کا نام شہید ہے حاضر نہیں کیونکہ ربّ کی ذات جسمانی یا مکانی حضور سے پاک ہے اور اس کا علم وقدرت ورحمت ہر جگہ موجود ہے۔ حضور وشہود میں بڑا فرق ہے۔ ربّ کی ذات ہر جگہ میں نہیں کہ

مکان سے پاک و منزہ ہے ۲۵؎ حق باطل کا مقابل ہے' باطل بمعنی معدوم ہے تو حق بمعنی ثابت و موجود' ربّ تعالٰی ایسا موجود ہے کہ اس کے وجود کو فنا نہیں اور تمام موجودات اس کے کرم سے موجود ہیں۔ جیسے تمام دھوپیں اور سائے آفتاب کے فیض سے ہیں۔ ربّ تعالٰی گویا سورج ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم گویا دیوار' ساری خلق اس دیوار کا سایہ کہ اگر درمیان سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہٹ جائے تو ربّ ہی ربّ ہو خلقت ختم ہو جائے مصرع: اصل سے ہے ظل بندھا تم پہ کروڑوں درود ۲۶؎ امام غزالی نے فرمایا کہ قوت کے معنی ہیں کامل قدرت اور متانت کے معنی ہیں اس قدرت کی پختگی و مضبوطی' ربّ تعالٰی فرماتا ہے: ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنِ یعنی وہ مضبوط قدرت و طاقت والا ہے۔ حول' قوت' قدرت میں بڑا فرق ہے جسے مرقات نے اس جگہ بہت تفصیل سے بیان کیا ۲۷؎ ولی یا تو وَلِيٌّ سے ہے بمعنی قرب یا ولایۃ سے بمعنی والی ہونا یا مددگار ہونا یعنی اللہ تعالٰی اپنے دوستوں کی ان کے دشمنوں کے مقابل مدد فرمانے والا ہے یا ان کا والی وارث و متولی امور ہے فرماتا ہے: وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ (۴۵:۱۹) اور ڈر والوں کا دوست اللہ (کنزالایمان) اور فرماتا ہے: اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (۲:۲۵۷) اللہ والی ہے مسلمانوں کا (کنزالایمان) یا اللہ تعالٰی اپنے دوستوں سے قریب ہے حمید حمد سے بنا بمعنی اسم فاعل یا بمعنی اسم مفعول یعنی اللہ تعالٰی اپنے محبوبوں کی حمد فرماتا ہے۔ اسی لیے اس کا نام حامد ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد۔ خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد ہے یعنی بہت ہی حمد کیے ہوئے اور ربّ کا نام ہے محمود یعنی حمد کیا ہوا کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تو اللہ کے محمد ہیں اور اللہ تعالٰی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا محمود اور ظاہر ہے کہ اللہ کی حمد بہت اعلیٰ اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی محمودیت بہت اکمل ۲۸؎ محصی احصاء سے بنا بمعنی شمار کرنا اور گننا یعنی اللہ تعالٰی ایسا علیم ہے کہ سب کو تفصیلی عدد وار جانتا ہے اس کا علم گول مول اجمالی نہیں جیسے عظیم الشان مجمع دیکھ کر ہم کو مجمع کا اجمالی علم ہو جاتا ہے کہ دس ہزار آدمی ہیں مگر ان کی تفصیل نہیں ہوتی بلکہ اس کا علم تفصیلی ہے۔ اس نے خلق کو پہلے پیدا کیا۔ لہٰذا وہ مبدیٔ ہے وہ قیامت میں سب کو دوبارہ اٹھائے گا وہ معید ہے یا اس نے ہم کو پہلے مٹی سے بنایا لہٰذا وہ مبدیٔ ہے اور وہ ہی ہم کو موت دے کر پھر مٹی ہی میں لوٹا دیتا ہے لہٰذا وہ معید ہے۔ خیال رہے کہ مردہ خواہ دفن ہو یا جلا دیا جائے یا اسے جانور کھا جائے آخر کار بنتا مٹی ہی ہے کہ جل کر راکھ بنا' یا جانور کے پیٹ میں پاخانہ بنا' پھر وہ راکھ یا پاخانہ مٹی بن گئی۔ ربّ تعالٰی نے فرمایا: مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ (۲۰:۵۵) ہم نے زمین ہی سے تمہیں بنایا اور اسی میں تمہیں پھر لے جائیں گے (کنزالایمان) بالکل حق ہے ۲۸؎ کہ جسموں کو جان سے اور جان کو ایمان سے جنان کو عرفان سے' انسان کو علم و معرفت رحمان سے' زمین کو سبزوں سے زندگی بخشتا ہے۔ پھر کفار کو کفر سے غافلوں کو غفلت سے موت دیتا ہے۔ ۲۹؎ یعنی وہ خود زندہ و قائم ہے۔ دوسروں کو زندہ و قائم رکھتا ہے کہ تمام کی بقاء اسی سے ہے اگر اس سے نسبت نہ رہے تو کوئی کچھ نہ رہے۔ صوفیاء کی اصطلاح میں ولایت کا ایک درجہ بھی قیومیت کہلاتا ہے جس پر پہنچ کر بندہ قیوم کہلاتا ہے۔ وہاں قیوم کے معنی ہیں باعث قیام عالم لفظ قیوم ایک ہے مگر ربّ تعالٰی کیلئے ایک معنی میں اور بندے کیلئے دوسرے معنی میں جیسے حی' سمیع' بصیر اللہ تعالٰی کی بھی صفت ہے اور اس کے بندوں کی بھی مگر مختلف معنی سے' اسی لیے اولیاء اللہ کو قیوم اول' قیوم ثانی وغیرہ کہا جاتا ہے ۳۰؎ کہ وہ ہی واجب الوجود ہے سب اسی کے موجود کرنے سے موجود ہیں۔ حقیقی بزرگی اسی کی ہے اور سب اس کے بنانے سے بزرگ بنے' واحد بمعنی کامل وجود و ہستی والا ۳۱؎ واحد بمعنی ایک اور احد بمعنی اکیلا و یگانہ یعنی ذاتاً بھی ایک کہ اس کے سوا دوسرا ربّ نہیں صفاتاً بھی ایک کہ اس جیسا کوئی نہیں' افعالاً بھی ایک کہ اس جیسا کوئی جمیل افعال والا نہیں' لہٰذا واحد اور احد میں تکرار نہیں ۳۲؎ صمد کے بہت معنی ہیں وہ مالک جہاں سرداری و مالکیت ختم ہے وہ بے خوف جسے کسی کا ڈر نہیں' حاجت و آفت سے منزہ و بری' وہ باقی جسے فنا نہیں وہ مولیٰ جس پر سارے بندے بھروسہ و توکل کریں۔ صمود سے مشتق بمعنی مقصد و ارادہ یعنی

لائق توکل وبھروسہ اسی کی ذات ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ اس اسم کی تجلی جس پر پڑ جائے وہ کونین سے بے نیاز ہو جاتا ہے دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے علم وایمان وعرفان کسی سے حاصل نہ کیا۔ سب نے سب کچھ حضور سے حضور نے اپنے پروردگار سے صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہے صمد کی تجلی ۳۳؎ قادر ومقتدر دونوں قدرت سے بنے' مگر مقتدر میں مبالغہ ہے قادر جو مختار ہو چاہے کرے یا نہ کرے دے یا نہ دے مقتدر وہ کہ اپنے کسی کام میں کسی کی مدد کا حاجت مند نہ ہو ۳۴؎ یا ذاتاً آگے پیچھے کرنے والا جیسے اسباب کو آگے کر دیا یا مسببات کو پیچھے ماں باپ کو آگے' اولاد کو پیچھے فرما دیا یا صفاتاً کہ انبیاء و اولیاء کو درجے ومراتب میں سب سے آگے فرما دیا' یا دوسروں کو ان کے پیچھے لگا دیا' یا ہمارے حضور کو آگے بھی کر دیا کہ حضور ہی کا نور سب سے پہلے پیدا ہوا صلی اللہ علیہ وسلم اور پیچھے بھی فرما دیا کہ آپ کا ظہور پیچھے ہوا (صلی اللہ علیہ وسلم) اس آگے پیچھے کے لذیذ معانی ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن میں ملاحظہ فرمایئے ۳۵؎ اس طرح کہ ہمیشہ سے ہے جس کی ابتداء نہیں' لہذا وہ آگے ہے اور ہمیشہ تک رہے گا جس کی انتہاء نہیں' لہذا وہ سب سے پیچھے بھی ہے یا وجود میں اول ہے سلوک میں آخر یا سب کی ابتداء بھی اسی سے ہے لہذا اول ہے اور سب کی انتہاء بھی اس پر لہذا وہ آخر سب اسی کی طرف لوٹیں گے۔ شعر:

نہ گل چمن میں رہے گا نہ گل میں بو باقی ۔۔۔ مٹیں گے سارے تجھی پر رہے گا تو باقی

۳۶؎ صفات' رحمت' عطا سے سب پر کھلا' ذات سب سے چھپی شعر:

بے حجابی میں یہ کہ ہر ذرہ میں جلوہ آشکار ۔۔۔ اس پہ یہ پردہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے

یار تیرے حسن کو تشبیہ دوں کس چیز سے ۔۔۔ ایک تو ہی دیدہ ہے تیرے سوا نادیدہ ہے

۳۷؎ یعنی سب کا والی وارث' سب کے خیال ووہم سے بالا تمام عیوب سے منزہ سب پر احسان فرمانے والا کہ جسے جو دیا اپنے کرم سے دیا نہ کہ اس کے استحقاق سے بڑے بڑے گنہگاروں کی توبہ قبول فرما کر انہیں بخشنے والا بار بار توبہ کی توفیق دینے والا بلکہ گنہگاروں کو پکار پکار کر بلانے والا کہ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا (۳۹،۵۳) اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بے شک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے (کنزالایمان) جب وہ توبہ کی توفیق دیتا ہے تو بندہ توبہ کرتا ہے فرماتا ہے: ثُمَّ تَابَ عَلَیْهِمْ لِیَتُوْبُوْا (۹،۱۱۸) پھر ان کی توبہ قبول کی کہ تائب رہیں (کنزالایمان) توبہ بندے کی بھی صفت ہے بمعنی گناہوں سے رجوع کرنا اور رب کی صفت ہے بمعنی ارادہ عذاب سے رجوع فرما لینا ۳۸؎ یعنی کفار غدار سے بدلہ لینے والا' مومن گنہگار کو معافی دینے والا' وہ عدل ہے یہ فضل' غفور سے عفو زیادہ مبالغہ ہے کہ غفر کے معنی ہیں چھپانا' عفو کے معنی ہیں مٹانا' غفور یعنی کے عیب چھپانے والا عفو عیبوں کو مٹانے والا ۳۹؎ رؤف رافۃ سے بنا بمعنی بے حد رحمت جس کی انتہاء نہ ہو بعض عشاق نے فرمایا کہ بندے کی حاجت کی بنا پر احسان کرنا رحمت ہے اور اپنی عادت کی بنا پر احسان فرمانا رافۃ' ملک ظاہر خلق ہے اور ملکوت باطنی خلق' اللہ تعالٰی ہمارے جسموں کا مالک ہماری روح کا مالک' لہذا وہ مالک الملک بھی اور مالک ملکوت بھی ۴۰؎ ذوالجلال رب کی صفت ذاتیہ ہے اور اکرام اس کی صفت فعلیہ یعنی جلال اس کی ذات میں ہے اور اکرام مخلوق پر ہے۔ بعض نے فرمایا کہ یہ اسم اعظم ہے ۴۱؎ قسط کے معنی ظلم بھی ہیں رب تعالٰی فرماتا ہے: وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا (۷۲،۱۵) اور رہے ظالم وہ جہنم کے ایندھن ہوئے (کنزالایمان) اور بمعنی عدل وانصاف بھی رب تعالٰی فرماتا ہے:

وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ (۵۵،۹) اور انصاف کے ساتھ تول قائم کرو (کنزالایمان) مگر جب یہ باب افعال میں آئے تو عدل وانصاف ہی کے معنی میں ہوتا ہے یعنی عدل قائم کرنا' یا ظلم زائل کرنا مقسط کے معنی ہوئے مظلوموں سے ظالموں کا ظلم دور فرمانے والا رب تعالٰی فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ (۴۹،۹) انصاف والے اللہ کو پسند ہیں (کنزالایمان) جامع کے معنی خود تمام صفات کمالیہ کا جامع

ہے کہ تمام خوبیاں اس میں جمع ہیں یا تمام بکھری خلق کو قیامت میں جمع فرمائے گا۔ رب تعالٰی فرماتا ہے: اِنَّکَ جَامِعُ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْہِ (۳:۹) بے شک تو سب لوگوں کو جمع کرنے والا ہے اس دن کے لئے جس میں کوئی شبہ نہیں (کنزالایمان) یا تمام بکھرے انسانوں کو بذریعہ اسلام، قرآن، ایمان میں جمع فرمانے والا خود نما ہے کہ اسے کسی کی حاجت نہیں اور مغنی بھی ہے کہ جسے چاہے اپنے ماسواء سے غنی و بے نیاز کردے اور اسے رب کے سواء کسی کی حاجت نہ رہے۴۲ یعنی جسے جو چاہے دے جسے جو چاہے نہ دے۔ بے پروا جو ہوا۔ یا لائق کو دینے والا نالائق کو نہ دینے والا یا اسباب خیر دینے والا اور اسباب شر نہ دینے والا کہ بندہ مانگتا ہے مگر وہ اپنے کرم سے نہیں دیتا اور نفع ونقصان سب اسی کی ملک ہے کسی کو نفع دیتا ہے تاکہ وہ شاکر بن کر قرب حاصل کرے کسی کو نقصان دیتا ہے کہ وہ صبر کر کے قریب ہو۴۳ نور وہ جو بذات خود ظاہر ہو اور دوسروں کو ظاہر کرے۔ رب تعالٰی خود نور ہے کہ ظاہر بھی ہے اور اس نے اپنے محبوبوں کو خلق پر ظاہر بھی کردیا۔ یا رب تعالٰی نور بخشنے والا ہے۔ اپنے محبوبوں کو نور بنانے والا ہے۔ فرماتا ہے: اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۲۴:۳۵) اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا (کنزالایمان) اور فرماتا ہے: قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ ہدایت کے معنی راہ دکھانا بھی ہیں اور مقصود پر پہنچانا بھی اللہ تعالٰی دونوں معنی سے ہادی ہے۴۴ بدیع کے معنی ہیں خود بے مثال کہ کوئی ذات صفات میں اس کا مثل نہیں۔ فرماتا ہے: لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ (۴۲:۱۱) اس جیسا کوئی نہیں (کنزالایمان) یا بغیر مثال عالم بنانے والا یعنی موجد فرماتا ہے: بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۲:۱۱۷) نیا پیدا کرنے والا آسمانوں اور زمین کا (کنزالایمان) یا اپنے بندوں میں سے بعض کو بے مثال کرنے والا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بے مثال پیدا فرمایا باقی کے معنی ہیں دائم الوجود کہ کبھی فنا نہ ہو وارث کے معنی ہیں بندوں کی فنا کے بعد باقی رہنے والا جب کوئی دعویدار نہ رہے تو بھی وہ رہے۔ فرماتا ہے: اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَیْھَا (۱۹:۴۰) بے شک زمین اور جو کچھ اس پر ہے سب کے وارث ہم ہوں گے (کنزالایمان) وراثت کے دوسرے معنی سے رب تعالٰی پاک ہے یعنی مخلوق کے بعد مالک ہو پہلے نہ ہو معاذ اللہ ۴۵ رشید و ہادی دونوں کے معنی ہیں ہدایت دینے والا مگر ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ الہامی فطری ہدایت کو رشد کہتے ہیں اور اختیاری ہدایت کو ہدایت، سارے انسان بلکہ تمام جانور کھانے اور نہ کھانے کی چیزوں کو پہچانتے ہیں۔ یہ رشد ہے اور بذریعہ انبیائے کرام بعض کو ایمان ملتا ہے یہ رب کی ہدایت ہے رشد کا مقابل غوایۃ ہے اور ہدایت کا مقابل ضلالت ہے رشد، غوی اور مہتدی، ضال آپس میں مقابل ہیں۔ صبور صبر سے بنا بمعنی روکنا، ٹھہرنا اگر یہ بندے کی صفت ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں گھبراہٹ سے اپنے کو روکنا اگر رب تعالٰی کی صفت ہو تو معنی ہوتے ہیں مجرموں کے عذاب میں جلدی نہ فرمانا وقت سے پہلے کوئی کام نہ کرنا صبور وہ جو جلدی نہیں مگر دیر سے سزا دے۔ حلیم وہ جو کبھی سزا نہ دے۔ رب تعالٰی کفار کیلئے صبور ہے اور گنہگار مومن کیلئے حلیم ہے کریم ہے رحیم ہے ۴۶ یہاں مرقات نے فرمایا کہ تمام اسماء الٰہیہ آیات و دیگر احادیث میں بھی آئے ہیں مگر صبور اس روایت کے سواء نہ کسی حدیث میں نہ آیت میں ہاں ایک حدیث میں یہ ہے ما احد اصبر علی اذی یسمعه من الله ۔

وَعَنْ بُرَیْدَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلًا یَقُوْلُ اللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِاَنَّکَ اَنْتَ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ فَقَالَ دَعَا اللّٰہَ بِاسْمِہِ الْاَعْظَمِ الَّذِیْ اِذَا سُئِلَ بِہٖ اَعْطٰی وَاِذَا دُعِیَ

(۲۱۸۱) روایت ہے حضرت بریدہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ کہتے سنا کہ الٰہی میں تجھ سے مانگتا ہوں اس لیے کہ تو معبود ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں ایک ہے لائق بھروسہ ہے جس نے نہ جنا اور نہ جنا گیا اور نہ کوئی اس کا ہمسرا تو حضور انور نے فرمایا اس نے اللہ کے اسم اعظم کے ساتھ دعا کی ہے۲

بِهٖ اَجَابَ
(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ)

جب اسم اعظم سے مانگا جائے تو دیتا ہے اور جب اس نام سے دعا کی جائے تو قبول کرتا ہے۳(ترمذی، ابوداؤد)

(۲۱۸۱)۱؎ یعنی مولا تیرے ناموں کے توسل وسیلہ سے تجھ سے دعا مانگ رہا ہوں ان ناموں کے صدقہ سے میری سن لے یہ دعا مانگنے والے حضرت ابوموسیٰ اشعری تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وسیلہ کے ساتھ دعا کرنا بہتر ہے وسیلہ خواہ اسمائے الٰہیہ کا ہو خواہ اس کے کسی محبوب بندے کا۲؎ بعض علماء نے فرمایا کہ اللہ اسم اعظم ہے کیونکہ یہ اسم ذات ہے جو سوائے خدا تعالٰی کے کسی پر نہیں بولا جاتا بعض نے فرمایا کہ لا الٰہ الا انت اسم اعظم ہے۔ بعض کے خیال میں ربّ تعالٰی کے بعض نام بعض کے مقابلہ میں اسم اعظم ہیں جیسے رحمٰن بمقابلہ رحیم کے اسم اعظم ہے۳؎ اس حدیث سے چند مسائل معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ دعا میں اَللّٰھُمَّ کہنا بہت بہتر ہے کہ اللہ اسم ذات ہے اور میم میں تمام ان ناموں کی طرف اشارہ ہے جن کے اول میں میم ہے جیسے ملک، مالک، منان، وغیرہ دوسرے یہ کہ دعا کے آداب سے یہ ہے کہ پہلے حمد الٰہی کرے پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف، پھر اپنے گناہوں کا اعتراف، پھر عرض حاجات، تیسرے یہ کہ اللہ یا اَللّٰھُمَّ یا لاالٰہ الا انت اسم اعظم ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا مَّعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ وَرَجُلٌ يُّصَلِّيْ فَقَالَ اللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ بِاَنَّ لَكَ الْحَمْدَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْحَنَّانُ الْمَنَّانُ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ اَسْئَلُكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا اللّٰهَ بِاسْمِهِ الْاَعْظَمِ الَّذِيْ اِذَا دُعِيَ بِهٖ اَجَابَ وَاِذَا سُئِلَ بِهٖ اَعْطٰى
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَآئِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

(۲۱۸۲) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھا تھا ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا اس نے کہا الٰہی میں تجھ سے مانگتا ہوں کیونکہ تیری ہی تعریف ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو مہربان نعمتیں دینے والا ہے۱؎ آسمان و زمین کا موجد ہے اے جلالت و کرم والے اے زندہ اے قائم رکھنے والے میں تجھ سے مانگتا ہوں۲؎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے رب کے نام کے ساتھ دعا مانگی کہ جب اس نام سے دعا مانگی جائے تو قبول فرماتا ہے اور جب اس نام سے کچھ مانگا جائے تو دیتا ہے۳(ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ۴)

(۲۱۸۲)۱؎ حنان کے معنی بہت مہربان، منان کے معنی ہیں بہت احسان کرنے والا اس میں اشارۃً عرض کیا گیا کہ تو نے جسے دیا اس کے استحقاق سے نہ دیا اپنے کرم سے دیا۔ خیال رہے کہ بندے کا بندے کو احسان جتانا اگر طعنہ زنی کیلئے ہو تو برا ہے اگر مطیع کرنے کیلئے ہو تو اچھا، اللہ تعالٰی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت جگہ اپنی نعمتوں کے احسان جتائے ہیں تاکہ بندے اس کی اطاعت کریں اس کا احسان مانیں یہ اسی کا کرم ہے منان کے ایک معنی یہ بھی ہیں یعنی احسان جتانے والا۲؎ تیرے سواء کسی سے نہیں مانگتا تو ہی میرا رب ہے میں تیرا ہی بندہ ہوں۔ خیال رہے کہ انبیاء، اولیاء، اغنیاء اطلباء سے کچھ مانگنا بالواسطہ ربّ تعالٰی ہی سے مانگنا ہے۔ صحابہ کرام نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت مانگی ہے۳؎ ان دونوں حدیثوں میں اللھم اور لاالٰہ الا انت مشترکہ طور پر موجود ہیں۔ اسی لیے بعض علماء نے فرمایا کہ ان دونوں میں کوئی نام اسم اعظم ہے بعض نے فرمایا کہ جمعہ کی ساعت قبولیت دعا اور شب قدر کی طرح اسم اعظم بھی مخفی ہے تاکہ بندے اس کی تلاش میں رہیں۔ یہ تلاش بھی عبادت ہے۴؎ اسے احمد ابن حبان، حاکم، ابن ابی شیبہ نے کچھ فرق سے روایت فرمایا (مرقات)

وَعَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ يَزِيْدَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

(۲۱۸۳) روایت ہے حضرت اسماء بنت یزید سے کہ نبی کریم صلی

وَسَلَّمَ قَالَ اسْمُ اللّٰهِ الْاَعْظَمُ فِیْ هَاتَیْنِ الْاٰیَتَیْنِ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ وَفَاتِحَةِ اٰلِ عِمْرَانَ الٓمّٓ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِیُّ)

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے تمہارا معبود ایک معبود ہے جس کے سواء کوئی معبود نہیں رحم والا مہربان ہے اور سورہ آل عمران کے شروع میں الم اللہ وہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں زندہ قائم رکھنے والا۱؎ (ترمذی' ابوداؤد' ابن ماجہ' دارمی)

(۲۱۸۳)۱؎ اس حدیث کی بناء پر بعض علماء نے فرمایا کہ رب تعالٰی کا اسم اعظم لا الٰہ الا ھو ہے کیونکہ ان دونوں آیتوں میں یہ ہی مشترک ہے۔امام فخر الدین رازی نے فرمایا کہ اسم اعظم الحی القیوم ہے۔امام جزری نے فرمایا کہ اسم اعظم لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ (۲۵۵'۲) اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ آپ زندہ اور اوروں کا قائم رکھنے والا ہے (کنزالایمان) ہے۔حاکم نے حضرت عبداللہ ابن عباس و ابوالدرداء رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ اسم اعظم ربّ ہے۔حضرت امام زین العابدین نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہتا ہے کہ اسم اعظم اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ (۲۶'۲۷) اللہ ہے کہ اس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں وہ بڑے عرش کا مالک ہے (کنزالایمان) ہے۔بعض نے فرمایا کلمہ طیبہ اسم اعظم ہے۔غرضیکہ اسم اعظم میں بہت روایات ہیں۔جنہیں امام جلال الدین سیوطی نے اپنے رسالہ میں اور مولانا علی قاری نے مرقات میں جمع فرمایا۔خیال رہے کہ اللہ تعالٰی کے سارے ہی نام عظیم ہیں کوئی ناقص نہیں' مگر بعض نام اعظم یعنی بہت بڑے ثواب و تاثیر والے ہیں۔بعض صوفیاء نے فرمایا کہ جو نام خلوص دل اور عشق و محبت سے لیا جائے وہی اسم اعظم ہے یہ ہی امام جعفر صادق کا قول ہے۔

وَعَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ دَعْوَةُ ذِی النُّوْنِ اِذَا دَعَا رَبَّهٗ وَهُوَ فِیْ بَطْنِ الْحُوْتِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ لَمْ یَدْعُ بِهَا رَجُلٌ مُسْلِمٌ فِیْ شَیْءٍ اِلَّا اسْتُجَابَ لَهٗ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ)

(۲۱۸۴) روایت ہے حضرت سعد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مچھلی والے پیغمبر کی دعا جب انہوں نے مچھلی کے پیٹ میں اپنے ربّ سے کی۱؎ یہ ہے تیرے سواء کوئی معبود نہیں تو پاک ہے میں ظالموں سے ہوں۲؎ کوئی مسلمان آدمی کسی حاجت میں یہ دعا نہ مانگے گا مگر قبول ہوگی۳؎ (احمد' ترمذی)

(۲۱۸۴)۱؎ ذوالنون حضرت یونس علیہ السلام کا لقب ہے کیونکہ آپ کچھ روز مچھلی کے پیٹ میں رہے تھے۔مگر اس کی غذا بن کر نہیں کہ نبی کا جسم تو قبر کی مٹی بھی نہیں کھاتی۔چہ جائیکہ مچھلی کھائے بلکہ امانت الٰہی بن کر اسی لیے قرآن کریم نے فرمایا: فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ (۱۴۲'۳۷) پھر اسے مچھلی نے نگل لیا (کنزالایمان) انہیں مچھلی نے نگل لیا جیسے موتی کو نگل لیتی ہے یہ نہ فرمایا کہ مچھلی نے انہیں کھالیا۔علماء فرماتے ہیں کہ اس مچھلی کا پیٹ عرش اعظم سے افضل ہے کہ ایک پیغمبر کا کچھ دن تجلی گاہ رہا جب مچھلی کا پیٹ عرش اعظم سے افضل ہوگیا تو حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ عنہا کا وہ شکم پاک جس میں سید الانبیاء نو ماہ تک جلوہ افروز رہے۔وہ تو عرش سے کہیں افضل ہے اس کی تحقیق ہماری تفسیر نعیمی جلد اول میں ملاحظہ فرمایئے۔قیمتی موتی قیمتی ڈبی میں رکھا جاتا ہے۔۲؎ اس سے بھی اشارۃً معلوم ہوا کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اسم اعظم ہے اور یہ دعا حضرت یونس علیہ السلام کو ربّ تعالٰی کی طرف سے القا ہوئی۔اسی دعا کی برکت سے آئی آفتیں ٹل جاتی ہیں۔اڑی مشکلیں حل ہوجاتی ہیں۔خیال رہے کہ ظلم کے تین معنی ہیں کفر و شرک ربّ تعالٰی فرماتا ہے: اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ (۱۳'۳۱) بے شک شرک بڑا ظلم ہے (کنزالایمان) گناہ' خطا' بھول چوک یہاں تیسرے معنی مراد ہیں کیونکہ حضرت انبیاء بدعقیدگی و بدعملی

سے معصوم ومصئون ہیں۔ نیز حضرت یونس علیہ السلام سے اس موقع پر صرف خطاء ہی سرزد ہوئی تھی۔ جیسا کہ ان کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رب تعالٰی نے آپ کو مقام نینوی موصل کا نبی کیا جب قوم نے آپ کی اطاعت نہ کی تو آپ نے بحکم پروردگار انہیں خبر دی کہ تین دن بعد تم پر عذاب آ جائے گا اور آپ نینوی سے جو موصل کا ایک شہر ہے بغیر حکم الٰہی آگے روانہ ہو گئے۔ یہ سمجھ کر کہ عذاب کی جگہ سے پیغمبر کو چلا جانا چاہیے۔ پھر عذاب کا بادل نینوی پر چھا گیا۔ وہاں کے باشندوں نے سچی توبہ کر لی اور آیا ہوا عذاب ٹل گیا۔ تین دن کے بعد آپ نے دور سے اس شہر کو دیکھا تو آباد تھا آپ شہر میں اس لیے نہ آئے کہ میں نے تو انہیں عذاب کی خبر دی تھی اور عذاب آیا نہیں اب میری وہاں بڑی بے عزتی ہو گی اور دوسری جگہ چلے گئے۔ جاتے ہوئے دریا سامنے آیا کشتی میں بیٹھے درمیان سمندر میں کشتی ٹھہر گئی۔ ملاحوں نے کہا کہ شاید اس کشتی میں کوئی بھاگا ہوا غلام ہے جس سے کشتی آگے نہیں چلتی۔ آپ نے فرمایا وہ میں ہی ہوں اور دریا میں چھلانگ لگا دی۔ ایک مچھلی منہ پھاڑے بیٹھی تھی وہ آپ کو نگل گئی اور دریائے نیل پھر دجلہ میں ہوتی ہوئی شام کے علاقہ میں جا نکلی۔ وہاں دریا نے آپ کو زمین پر اگل دیا پھر کدو کی بیل نے آپ پر سایہ کیا ہرنی آپ کو دودھ پلاتی رہی (مرقات وغیرہ)۳ کیونکہ رب تعالٰی کا وعدہ ہے کہ فرمایا: فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَكَذٰلِكَ نُـنْجِى الْمُؤْمِنِيْنَ (۲۱:۸۸) تو ہم نے اس کی پکار سن لی اور اسے غم سے نجات بخشی اور ایسی ہی نجات دیں گے مسلمانوں کو (کنزالایمان) یعنی اس دعا کی برکت سے ہم نے انہیں بھی غم سے نجات دی اور تا قیامت مسلمانوں کو بھی اس کی برکت سے نجات دیا کریں گے۔ (مرقات) معلوم ہوا کہ بزرگوں کی زبان سے نکلی ہوئی دعا بہت تاثیر والی ہوتی ہے کیوں نہ ہو کہ الفاظ دعا گولی، زبان رائفل، جب دونوں قوتیں جمع ہو جائیں تو شکار یقینی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَسْجِدَ عِشَآءً فَاِذَا رَجُلٌ يَقْرَاُ وَيَرْفَعُ صَوْتَهٗ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَتَقُوْلُ هٰذَا مُرَآءٍ قَالَ بَلْ مُؤْمِنٌ مُنِيْبٌ قَالَ وَاَبُوْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيُّ يَقْرَاُ وَيَرْفَعُ صَوْتَهٗ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَسَمَّعُ لِقِرَآءَتِهٖ ثُمَّ جَلَسَ اَبُوْ مُوْسٰى يَدْعُوْا فَقَالَ اللّٰهُمَّ اِنِّىْ اُشْهِدُكَ اَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَحَدًا صَمَدًا لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ سَاَلَ اللّٰهَ بِاسْمِهِ الَّذِىْ اِذَا سُئِلَ بِهٖ اَعْطٰى وَاِذَا دُعِىَ بِهٖ اَجَابَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُخْبِرُهٗ بِمَا سَمِعْتُ مِنْكَ قَالَ نَعَمْ فَاَخْبَرْتُهٗ بِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِىْ اَنْتَ الْيَوْمَ لِىْ اَخٌ صَدِيْقٌ [illegible]

(۲۱۸۵) روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کے وقت مسجد میں گیا تو وہاں ایک شخص بلند آواز سے تلاوت کر رہا تھا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا حضور فرماتے ہیں کہ یہ ریا کار ہے۱ فرمایا بلکہ رجوع الی اللہ والا بندہ ہے۲ فرمایا اور ابوموسیٰ اشعری خوب بلند آواز میں تلاوت کر رہے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قرأت غور سے سننے لگے۳ پھر ابوموسیٰ بیٹھ کر دعا مانگنے لگے یوں کہا الٰہی میں گواہ ہوں کہ تو اللہ ہے تیرے سواء کوئی معبود نہیں اکیلا ہے لائق بھروسہ ہے۴ جس کا کوئی ہمسر نہیں تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہوں نے اللہ کے اس نام سے دعا مانگی کہ جب اس نام سے کچھ مانگا جائے تو رب دیتا ہے۔ جب اس نام سے دعا کی جائے تو قبول کرتا ہے۵ میں نے عرض کیا میں انہیں وہ بتا دوں جو میں نے آپ سے سنا فرمایا ہاں میں نے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی خبر دی انہوں نے مجھ سے فرمایا تم آج [illegible] ست ہو کیونکہ تم نے

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (رَوَاہُ رَزِیْنٌ) مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پہنچائی۶ (رزین)

(۲۱۸۵) ۱یعنی یارسول اللہ یہ شخص آپ کی مسجد شریف میں چیخ کر ذکر وتلاوت کررہا ہے کیا حضور عالی فتویٰ دیتے ہیں کہ یہ ریا کار ہے۔اگر مخلص ہوتا تو اسے اس قدر چیخنے کی کیا ضرورت تھی یہ لوگوں کو دکھا سنا رہا ہے۲ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ کسی پر بدگمانی بلاوجہ نہ کرنی چاہیے۔مؤمن کا ہر عمل حتی الامکان اخلاص پر محمول کرنا چاہیے۔دوسرے یہ کہ ذکر بالجہر سنت صحابہ ہے۔اسے حرام کہنا سخت غلطی ہے۳ یعنی یہ صاحب حضرت ابوموسیٰ اشعری تھے۔آپ بڑے ہی خوش الحان تھے۔حضرت بریدہ آپ کو پہچان نہ سکے۔اس لیے آپ پر ریاکار ہونے کا احتمال کیا ورنہ آپ جلیل القدر صحابی ہیں۔آپ پر ریاکاری کا الزام بہت بعید ہے۔(مرقات) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی قرأت سے بہت ہی خوش ہوتے تھے۔۴ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم خوش الحانی سے پڑھنا چاہیے۔یہ بھی معلوم ہوا کہ دوسرے کی تلاوت سننا سنت ہے۔یہ بھی معلوم ہوا کہ تلاوت کے بعد دعا مانگنا سنت صحابہ ہے۔یہ بھی معلوم ہوا کہ دعا سے پہلے ربّ تعالٰی کے اچھے اچھے نام لینا اور ان کے وسیلہ سے دعا کرنا سنت ہے۵ یعنی ان ناموں میں ربّ تعالٰی کا اسم اعظم ہے اور اسم اعظم کی یہ تاثیر ہے کہ اس کی برکت سے دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ربّ تعالٰی کی جناب سے بھیک ملتی ہے۔اس بنا پر بعض نے فرمایا کہ لَا اِلٰـہَ اِلَّا اَنْـتَ اسم اعظم ہے کیونکہ اس میں یہ نام شریف موجود ہے۶ یعنی چونکہ تم نے مجھے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک پہنچائی لہٰذا تم آج سے میرے محسن بھائی ہو اور چونکہ تم نے مجھے ایک خوشخبری بھی سنائی لہٰذا آج سے تم میرے دلی دوست بھی ہو۔اس سے معلوم ہوا کہ محدثین وفقہاء سے محبت کرنا چاہیے۔کیونکہ یہ حضرات ہمارے محسن ہیں کہ ہم تک حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پہنچاتے ہیں۔یہ سنت ہے۔بڑے بدنصیب ہیں وہ جو محدثین یا علماء سے نفرت یا عداوت رکھیں۔

بَابُ ثَوَابُ التَّسْبِیْحِ وَالتَّحْمِیْدِ وَالتَّھْلِیْلِ وَالتَّکْبِیْرِ

سُبْحَانَ اللّٰہِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کا باب

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

یہ تعمیم کے بعد تخصیص ہے کیونکہ پہلے باب میں ذکر اللہ کے فضائل بیان ہوئے۔ذکر اللہ میں یہ تسبیح وغیرہ بھی داخل تھی۔مگر چونکہ دیگر اذکار سے یہ ذکر افضل ہیں۔اسی لیے ان کے ثواب کیلئے علیحدہ باب باندھا خیال رہے کہ تسبیح کے معنی ہیں اللہ تعالٰی کو تمام نقصان و عیوب سے پاک جاننا یا پاک بیان کرنا۔اسمائے الٰہیہ ورد کرنے والے پر اس نام کی تجلی وارد ہوتی ہے تو جو سبحان اللہ کا ورد کیا کرے تو انشاءاللہ خود یہ بندہ برائیوں سے پاک ہوجائے گا۔تسبیح بہت اعلیٰ ذکر ہے اسی لیے نماز شروع کرتے ہیں سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ سے،رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم سجدہ میں سُبْحٰنَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی خبر عجیب پر سُبْحٰنَ اللّٰہِ کہتے ہیں۔

عَنْ سَمُرَۃَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰـہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الْکَلَامِ اَرْبَعٌ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْـحَـمْـدُ لِـلّٰہِ وَلَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَفِیْ

(۲۱۸۶) روایت ہے حضرت سمرہ بن جندب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے افضل کلمات چار ہیں۱ سُبْحَانَ اللّٰہِ،اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ،لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور اَللّٰہُ اَکْبَرُ۲ اور ایک روایت میں

رِوَایَةٍ اَحَبُّ الْکَلَامِ اِلَی اللّٰهِ اَرْبَعٌ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ ط لَا یَضُرُّكَ بِاَیِّهِنَّ بَدَاْتَ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

یوں ہے کہ اللہ کو پیارے کلمات چار ہیں سُبْحَانَ اللّٰهِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اَللّٰهُ اَکْبَرُ جس کلمہ سے ابتداء کرو مضر نہیں۔[۳] (مسلم)

(۲۱۸۶)[۱] یعنی انسانی کلمات یا دوسرے ورد وظیفوں سے یہ چار کلمے بہت ثواب کا باعث ہیں کیونکہ ان کلمات میں رب تعالٰی کی بے شمار حمدیں مذکور ہیں۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ کے معنی ہیں میں اللہ تعالٰی کو سارے عیوب سے پاک مانتا ہوں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کے معنی ہوئے تمام ہی تعریفیں رب تعالٰی کی ہیں کہ وہ تمام صفات کمالیہ کا جامع ہے۔ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وہ کلمہ ہے جسے پڑھ کر بندہ مسلمان بنتا ہے اور اَللّٰهُ اَکْبَرُ میں اس کی کبریائی اور تمام مخلوق سے بڑے ہونے کا اعتراف ہے لہذا یہ کلمات رب تعالٰی کی جامع صفات ہیں۔ اب حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ سب سے افضل تو قرآن شریف ہے پھر یہ کلمات کیسے افضل ہو گئے۔ خیال رہے کہ یہ چاروں کلمات قرآن شریف میں موجود ہیں۔ اگلے تین تو صراحۃً چوتھا کلمہ اشارۃً و معنیً دوسری روایت میں ہے کہ یہ کلمات باقیات صالحات سے ہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ ان کلمات کو کلام فرمانا لُغۃً ہے نہ کہ اصطلاحاً لہذا اگر کوئی شخص کلام نہ کرنے کی قسم کھائے۔ وہ ان کلمات کے پڑھنے سے حانث نہ ہوگا کہ قسم میں کلام سے مراد انسان کا کلام ہے جسے اصطلاح میں کلام کہا جاتا ہے[۲] اَللّٰهُ اَکْبَرُ کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اللہ تعالٰی ہماری حمد و ثنا بلکہ ہمارے خیال و وہم سے بڑا ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے لا احصی ثناء علیك میں تیری ثناء کما حقہ نہیں کر سکتا[۳] مرقات میں فرمایا کہ یہ ترتیب عزیمت ہے۔ اس کیخلاف رخصت یعنی بہتر یہ ہے کہ اس ترتیب سے ان کا ورد کرے۔ اگر اس کیخلاف بھی کیا تو حرج نہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَاَنْ اَقُوْلَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَیْهِ الشَّمْسُ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۱۸۷) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا سُبْحَانَ اللّٰهِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اور لا اله الا الله اَللّٰهُ اَکْبَرُ کہنا مجھے اس سب سے پیارا ہے جس پر سورج طلوع ہو۔ (مسلم)

(۲۱۸۷)[۱] یعنی یہ کلمات مجھے ساری دنیا سے پیارے ہیں کیونکہ دنیا فانی ہے اور ان کا ثواب باقی، نیز دنیا رب تعالٰی سے غافل کرنے والی ہے اور یہ سب رب تعالٰی کی یاد دلانے والے خیال رہے کہ ما طلعت علیه الشمس سے مراد ساری دنیا ہے۔ زمین یا زمین کی چیزیں ہوں یا آسمان کی چیزیں، رہا قرآن و حدیث ہماری عبادات وغیرہ یہ اس سے علیحدہ ہیں کہ یہ چیزیں اگرچہ دنیا میں ہیں مگر دنیا نہیں نہ ان میں دنیا ہے۔ لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ یہ کلمات اور ان کے پڑھنے پر بھی تو سورج طلوع ہوتا ہے اور یہ بھی تو دنیا میں ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ دل دنیا میں رکھو مگر دل میں دنیا نہ رکھو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ کشتی دریا میں رہے تو خیر ہے لیکن اگر دریا کشتی میں آ جائے تو ہلاکت ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ فِیْ یَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ حُطَّتْ خَطَایَاهُ وَاِنْ کَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

(۲۱۸۸) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دن میں سو بار سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ پڑھے[۱] تو اس کی تمام خطائیں بخش دی جائیں گی اگرچہ کف دریا یعنی سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں[۲] (مسلم بخاری)

(۲۱۸۸)۱؎خواہ یک وقت یا مختلف اوقات میں صبح کے وقت پڑھے یا شام کو یا کسی اور وقت میں' غرضیکہ کوئی پابندی نہیں' اگرچہ بہتر یہ ہے کہ صبح یا شام پڑھے جیسا کہ دوسری روایات میں ہے ۲؎یعنی بے حد و بے شمار مگر خطاؤں سے مراد گناہ صغیرہ ہیں جو حقوق اللہ کے متعلق ہوں۔ حقوق شرعیہ اور حقوق العباد اس سے علیحدہ ہیں۔لہٰذا فوت شدہ نماز روزے' بندوں کے قرض اس وظیفہ سے معاف نہ ہو جائیں گے وہ تو ادا ہی کرنے ہوں گے۔لہٰذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يُصْبِحُ وَحِيْنَ يُمْسِيْ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ مِائَةَ مَرَّةٍ لَمْ يَاْتِ اَحَدٌ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِاَفْضَلَ مِمَّا جَآءَ بِهٖ اِلَّا اَحَدٌ قَالَ مِثْلَ مَا قَالَ اَوْزَادَ عَلَيْهِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۱۸۹) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو صبح و شام کے وقت سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سو بار پڑھ لیا کرے۱؎ تو قیامت کے دن کوئی شخص اس سے بہتر عمل نہ لائے گا اس کے سوا جو اس طرح یا اس سے زیادہ پڑھا کرے۲؎ (مسلم بخاری)

(۲۱۸۹)۱؎یا اس طرح کہ کچھ تو صبح کے وقت پڑھ لیا کرے کچھ شام کے وقت یا اس طرح کہ صبح کو سو بار پڑھے' اور شام کو بھی یعنی روزانہ دو سو بار' یہ ہی بہتر ہے۔صبح سے مراد پو پھٹنے سے زوال تک کا وقت ہے اور شام سے مراد زوال سے لے کر صبح صادق تک ہے۔ صوفیاء کی اصطلاح میں شام و سویرے کے یہ ہی معنی ہوتے ہیں مگر عاملین کا طریقہ یہ ہے کہ بعد نماز فجر اور بعد نماز مغرب یہ پڑھا کرتے ہیں۔لہٰذا یہ ہی افضل ہے۲؎اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن نہ تو کوئی اس کے برابر نیکیاں لا سکے گا نہ اس سے زیادہ' ہاں جو کوئی اس کے برابر یہ کلمات پڑھ لیا کرے۔ وہ تو اس کے برابر نیکیاں لائے گا یا جو اس شخص سے زیادہ یہ کلمات پڑھ لیا کرے، وہ اس سے زیادہ نیکیاں لائے گا۔مثلاً یہ شخص روزانہ دو سو بار یہ کلمات پڑھتا ہے اور دوسرا چار سو بار پڑھ لیا کرے یا یہاں یہ لفظ اَوْ بمعنی واؤ ہے یعنی جو شخص اس شخص کے برابر بھی پڑھے اور اس سے زیادہ بھی' لہٰذا حدیث پر نہ تو یہ اعتراض ہے کہ برابر پڑھنے والا اس شخص سے بڑھ کیوں گیا اور نہ یہ اعتراض ہے کہ وظیفوں کی تعداد میں زیادتی کمی نہ چاہیے جس قدر منقول ہوں اتنی ہی بار پڑھے جائیں۔ جیسے فرض نماز کی رکعات اور زکوۃ کی مقدار' خیال رہے کہ اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ جو پابندی سے یہ پڑھ لیا کرے۔ اسے اللہ تعالٰی اس قدر نیکیوں کی توفیق بخشے گا کہ قیامت میں وہ دوسرے سے زیادہ نیکیاں لے کر آئے گا۔ یہ مطلب نہیں کہ صرف یہ کلمات پڑھنے والا حاجیوں' نمازیوں' شہیدوں' علماء مجتہدین' محدثین سے بڑھ جائے گا۔لہٰذا حدیث واضح ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلِمَتَانِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمٰنِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۱۹۰) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو کلمے زبان پر ہلکے ہیں ترازو میں بھارے رحمٰن کو پیارے ہیں۱؎ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۲؎ (مسلم بخاری)

(۲۱۹۰)۱؎سُبْحَانَ اللّٰهِ کیسی پیاری فصیح و بلیغ زبان ہے اس پیارے محبوب کی صلی اللہ علیہ وسلم خفیفتان' ثقیلتان یعنی بھارے ہلکے اس میں تضادین کا اجتماع ہے۔لسان و میزان میں متناسبین کا اجتماع ہے کیونکہ لسان انسانی زبان کو بھی کہتے ہیں اور ترازو کی زبان کو بھی' جو ہاتھ کی مٹھی میں بوقت تولنے کے رہتی ہے۔ حبیبتان و رحمٰن اس میں ایسی مناسبت ہے کہ سُبْحَانَ اللّٰهِ محبت و رحمت میں بہت ہی تعلق ہے

یعنی یہ دونوں کلمے پڑھنے میں زبان پر بہت آسان ہیں مگر کل قیامت میں ان کا وزن بہت زیادہ ہوگا کیونکہ ہمارے کلام سے رب تعالٰی کا نام وزنی ہے۔ پھر خوبی یہ کہ رب تعالٰی کو یہ کلمات بڑے پیارے ہیں۔ تو جوان کا ذکر کرے گا وہ بھی پیارا ہوگا۔ اس کی زبان بھی پیاری ہو گی ۲ یہ دونوں کلمے رب تعالٰی کی دونوں قسم کی حمدوں کو علی وجہ الکمال جامع ہیں عیوب سے پاکی کا مکمل بیان سُبْحَانَ اللہِ میں ہے اور صفات کمالیہ سے موصوف ہونے کا کامل بیان وَبِحَمْدِہٖ میں ہے۔ اسی لیے یہ کلمات بہت جامع ہیں اور رب تعالٰی کو پیارے ہیں۔

وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ کُنَّا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَیَعْجِزُ اَحَدُکُمْ اَنْ یَکْسِبَ کُلَّ یَوْمٍ اَلْفَ حَسَنَۃٍ فَسَاَلَہٗ سَآئِلٌ مِنْ جُلَسَآئِہٖ کَیْفَ یَکْسِبُ اَحَدُنَا اَلْفَ حَسَنَۃٍ قَالَ یُسَبِّحُ مِائَۃَ تَسْبِیْحَۃٍ فَیُکْتَبُ لَہٗ اَلْفُ حَسَنَۃٍ اَوْ یُحَطُّ عَنْہُ اَلْفُ خَطِیْئَۃٍ رَوَاہُ مُسْلِمٌ وَّفِیْ کِتَابِہٖ فِیْ جَمْعِ الرِّوَایَاتِ عَنْ مُوْسَی الْجُھَنِیْ اَوْیُحَطُّ قَالَ اَبُوْبَکْرِنِ الْبِرْقَانِیُّ وَ رَوَاہُ شُعْبَۃُ وَاَبُوْعَوَانَۃَ وَیَحْیَی بْنُ سَعِیْدِ نِ الْقَطَّانُ عَنْ مُوْسٰی فَقَالُوْا وَیُحَطُّ بِغَیْرِ اَلْفِ ھٰکَذَا فِیْ کِتَابِ الْحُمَیْدِیِّ ۔

(۲۱۹۱) روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے فرماتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے تو حضور نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی اس سے عاجز ہے کہ روزانہ ایک ہزار نیکیاں کرلیا کرے ہم نشینوں میں سے کسی نے پوچھا کہ کوئی روزانہ ہزار نیکیاں کیسے کرسکتا ہے ۱ فرمایا ایک سو دفعہ سُبْحَانَ اللہِ پڑھ لیا کرے۔ اس کیلئے ہزار نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کی ہزار خطائیں معاف کی جائیں گی ۲ (مسلم) اس کتاب مسلم میں ابوموسیٰ جہنی سے تمام روایات میں یوں ہے کہ یا معاف کی جائیں گی ۳ ابوبکر برقانی فرماتے ہیں ۴ کہ اسے شعبہ و ابوعوانہ اور یحیٰی ابن سعید قطان نے حضرت موسیٰ سے روایت کی ان سب نے ویحط فرمایا الف کے بغیر و (کتاب حمیدی میں اسی طرح ہے) ۵

(۲۱۹۱) ۱ یعنی مسلسل روزانہ ایک ہزار نیکیاں کرتے رہنا طاقت انسانی سے باہر ہے۔ یہ عام انسانوں کا حال ہے۔ ورنہ بعض مخصوص بندے تو ہر سانس میں نیکی کرتے ہیں ۲ ظاہر یہ ہے کہ یہاں اَوْ بمعنی واؤ ہے یعنی سو بار سُبْحَانَ اللہِ پڑھ لینے سے پڑھنے والوں کو ہزار نیکیاں بھی ملیں گی اور اس سے ہزار گناہ بھی معاف ہوں گے اور اگر اَوْ اپنے ہی معنی میں ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ یہ رب تعالٰی کے کرم پر موقوف ہے چاہے تو اسے نیکیاں دے چاہے اس کے ہزار گناہ معاف کردے۔ خطیئۃ سے معلوم ہوا کہ گناہ صغیرہ معاف ہوں گے۔ حقوق العباد اور گناہ کبیرہ کی معافی اس سے نہ ہوگی۔ ۳ یعنی مسلم شریف میں حضرت موسیٰ جہنی سے بہت سی روایات منقول ہیں۔ اس سب میں اَوْ ہے۔ یہ موسیٰ جہنی ابن عبداللہ ہیں۔ قبیلہ جہنیہ سے ہیں۔ کوفی ہیں۔ انہوں نے حضرت مجاہد، مصعب ابن سعد سے روایات لیں اور ان سے شعبہ، یحیٰی ابن سعید قطان نے احادیث نقل کیں ۴ آپ ابوبکر احمد ابن محمد خوارزمی برقانی ہیں۔ برقان خوارزم کی ایک بستی کا نام ہے ۵ یعنی ان روایات میں اَوْ نہیں بلکہ واؤ ہے یعنی اس کو ہزار نیکیاں بھی ملتی ہیں اور اس کے ہزار گناہ بھی معاف ہوتے ہیں لیکن اگر پہلی روایت میں اَوْ بمعنی واؤ ہو یا یہاں واؤ تنویع یعنی بیان نوعیت کے لیے ہو تو دونوں روایتوں میں کوئی فرق نہیں اور ہوسکتا ہے کہ پہلی روایت میں رب تعالٰی کے قانون کا ذکر ہو اور اس روایت میں اس کے فضل و کرم کا رب تعالٰی فرماتا ہے: مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَۃِ فَلَہٗ عَشْرُ اَمْثَالِھَا (۶:۱۶۰) جو ایک نیکی لائے تو اس کے لئے اس جیسی دس ہیں (کنزالایمان) دوسرے مقام پر فرماتا ہے: وَاللہُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ (۲:۲۶۱) اور اللہ اس سے بھی زیادہ بڑھائے جس کے لئے چاہے (کنزالایمان)

وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ

(۲۱۹۲) روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی

(۲۱۸۸)۱؎ خواہ بیک وقت یا مختلف اوقات میں صبح کے وقت پڑھے یا شام کو یا کسی اور وقت میں' غرضیکہ کوئی پابندی نہیں' اگر چہ بہتر یہ ہے کہ صبح یا شام پڑھے جیسا کہ دوسری روایات میں ہے ۲؎ یعنی بے حدو بے شمار مگر خطاؤں سے مراد گناہ صغیرہ ہیں جو حقوق اللہ کے متعلق ہوں۔ حقوق شرعیہ اور حقوق العباد اس سے علیحدہ ہیں۔ لہٰذا فوت شدہ نماز روزے بندوں کے قرض اس وظیفہ سے معاف نہ ہو جائیں گے وہ تو ادا ہی کرنے ہوں گے۔ لہٰذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يُصْبِحُ وَحِيْنَ يُمْسِيْ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ مِائَةَ مَرَّةٍ لَمْ يَاْتِ اَحَدٌ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِاَفْضَلَ مِمَّا جَآءَ بِهٖ اِلَّا اَحَدٌ قَالَ مِثْلَ مَا قَالَ اَوْزَادَ عَلَيْهِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۱۸۹) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو صبح و شام کے وقت سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سو بار پڑھ لیا کرے ۱؎ تو قیامت کے دن کوئی شخص اس سے بہتر عمل نہ لائے گا اس کے سوا جو اس طرح یا اس سے زیادہ پڑھا کرے ۲؎ (مسلم بخاری)

(۲۱۸۹)۱؎ یا اس طرح کہ کچھ تو صبح کے وقت پڑھ لیا کرے کچھ شام کے وقت یا اس طرح کہ صبح کو سو بار پڑھے اور شام کو بھی یعنی روزانہ دو سو بار' یہ ہی بہتر ہے۔ صبح سے مراد پو پھٹنے سے زوال تک کا وقت ہے اور شام سے مراد زوال سے لے کر صبح صادق تک ہے۔ صوفیاء کی اصطلاح میں شام و سویرے کے یہ ہی معنی ہوتے ہیں مگر عاملین کا طریقہ یہ ہے کہ بعد نماز فجر اور بعد نماز مغرب یہ پڑھا کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ ہی افضل ہے ۲؎ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن نہ تو کوئی اس کے برابر نیکیاں لا سکے گا نہ اس سے زیادہ' ہاں جو کوئی اس کے برابر یہ کلمات پڑھ لیا کرے۔ وہ تو اس کے برابر نیکیاں لائے گا یا جو اس شخص سے زیادہ یہ کلمات پڑھ لیا کرے، وہ اس سے زیادہ نیکیاں لائے گا۔ مثلاً یہ شخص روزانہ دو سو بار یہ کلمات پڑھتا ہے اور دوسرا چار سو بار پڑھ لیا کرے یا یہاں یہ لفظ اَوْ بمعنی واؤ ہے یعنی جو شخص اس شخص کے برابر بھی پڑھے اور اس سے زیادہ بھی' لہٰذا حدیث پر نہ تو یہ اعتراض ہے کہ برابر پڑھنے والا اس شخص سے بڑھ کیوں گیا اور نہ یہ اعتراض ہے کہ وظیفوں کی تعداد میں زیادتی کمی نہ چاہیے جس قدر منقول ہوں اتنی ہی بار پڑھے جائیں۔ جیسے فرض نماز کی رکعات اور زکوٰۃ کی مقدار' خیال رہے کہ اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ جو پابندی سے یہ پڑھ لیا کرے۔ اسے اللہ تعالٰی اس قدر نیکیوں کی توفیق بخشے گا کہ قیامت میں وہ دوسرے سے زیادہ نیکیاں لے کر آئے گا۔ یہ مطلب نہیں کہ صرف یہ کلمات پڑھنے والا حاجیوں' نمازیوں' شہیدوں' علماء مجتہدین' محدثین سے بڑھ جائے گا۔ لہٰذا حدیث واضح ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلِمَتَانِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمٰنِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۱۹۰) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو کلمے زبان پر ہلکے ہیں ترازو میں بھارے رحمٰن کو پیارے ہیں ۱؎ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۲؎ (مسلم بخاری)

(۲۱۹۰)۱؎ سُبْحَانَ اللّٰهِ کیسی پیاری فصیح و بلیغ زبان ہے اس پیارے محبوب کی صلی اللہ علیہ وسلم خفیفتان' ثقیلتان یعنی بھارے ہلکے اس میں تضادین کا اجتماع ہے۔ لسان و میزان میں متناسبین کا اجتماع ہے کیونکہ لسان انسانی زبان کو بھی کہتے ہیں اور ترازو کی زبان کو بھی' جو ہاتھ کی مٹھی میں بوقت تولنے کے رہتی ہے۔ حبیبتان و رحمٰن اس میں ایسی مناسبت ہے کہ سُبْحَانَ اللّٰهِ محبت و رحمت میں بہت ہی تعلق ہے

یعنی یہ دونوں کلمے پڑھنے میں زبان پر بہت آسان ہیں مگر کل قیامت میں ان کا وزن بہت زیادہ ہوگا کیونکہ ہمارے کلام سے رب تعالیٰ کا نام وزنی ہے۔ پھر خوبی یہ کہ رب تعالیٰ کو یہ کلمات بڑے پیارے ہیں۔ تو جوان کا ذکر کرے گا وہ بھی پیارا ہوگا۔ اس کی زبان بھی پیاری ہو گی ۲؎ یہ دونوں کلمے رب تعالیٰ کی دونوں قسم کی حمدوں کو علیٰ وجہ الکمال جامع ہیں عیوب سے پاکی کا مکمل بیان سُبْحَانَ اللهِ میں ہے اور صفات کمالیہ سے موصوف ہونے کا کامل بیان وَبِحَمْدِهٖ میں ہے۔ اسی لیے یہ کلمات بہت جامع ہیں اور رب تعالیٰ کو پیارے ہیں۔

وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَيَعْجِزُ اَحَدُكُمْ اَنْ يَكْسِبَ كُلَّ يَوْمٍ اَلْفَ حَسَنَةٍ فَسَاَلَهٗ سَآئِلٌ مِنْ جُلَسَائِهٖ كَيْفَ يَكْسِبُ اَحَدُنَا اَلْفَ حَسَنَةٍ قَالَ يُسَبِّحُ مِائَةَ تَسْبِيْحَةٍ فَيُكْتَبُ لَهٗ اَلْفُ حَسَنَةٍ اَوْ يُحَطُّ عَنْهُ اَلْفُ خَطِيْئَةٍ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَّفِيْ كِتَابِهٖ فِيْ جَمْعِ الرِّوَايَاتِ عَنْ مُوْسَى الْجُهَنِيِّ اَوْيُحَطُّ قَالَ اَبُوْبَكْرِنِ الْبَرْقَانِيُّ وَ رَوَاهُ شُعْبَةُ وَاَبُوْعَوَانَةَ وَيَحْيَى بْنُ سَعِيْدِ نِ الْقَطَّانُ عَنْ مُوْسٰى فَقَالُوْا وَيُحَطُّ بِغَيْرِ اَلْفٍ هٰكَذَا فِيْ كِتَابِ الْحُمَيْدِيِّ۔

(۲۱۹۱) روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے فرماتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے تو حضور نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی اس سے عاجز ہے کہ روزانہ ایک ہزار نیکیاں کرلیا کرے ہم نشینوں میں سے کسی نے پوچھا کہ کوئی روزانہ ہزار نیکیاں کیسے کرسکتا ہے ۱؎ فرمایا ایک سو دفعہ سُبْحَانَ اللهِ پڑھ لیا کرے۔ اس کیلئے ہزار نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کی ہزار خطائیں معاف کی جائیں گی ۲؎ (مسلم) اس کتاب مسلم میں ابوموسیٰ جہنی سے تمام روایات میں یوں ہے کہ یا معاف کی جائیں گی ۳؎ ابوبکر برقانی فرماتے ہیں ۴؎ کہ اسے شعبہ وابوعوانہ اور یحییٰ ابن سعید قطان نے حضرت موسیٰ سے روایت کی ان سب نے ویحط فرمایا الف کے بغیر و (کتاب حمیدی میں اسی طرح ہے) ۵؎

(۲۱۹۱) ۱؎ یعنی مسلسل روزانہ ایک ہزار نیکیاں کرتے رہنا طاقت انسانی سے باہر ہے۔ یہ عام انسانوں کا حال ہے۔ ورنہ بعض مخصوص بندے تو ہر سانس میں نیکی کرتے ہیں ۲؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں اَوْ بمعنی واو ہے یعنی سو بار سُبْحَانَ اللهِ پڑھ لینے سے پڑھنے والوں کو ہزار نیکیاں بھی ملیں گی اور اس سے ہزار گناہ بھی معاف ہوں گے اور اگر اَوْ اپنے ہی معنی میں ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ یہ رب تعالیٰ کے کرم پر موقوف ہے چاہے تو اسے نیکیاں دے چاہے اس کے ہزار گناہ معاف کردے۔ خطیئۃ سے معلوم ہوا کہ گناہ صغیرہ معاف ہوں گے۔ حقوق العباد اور گناہ کبیرہ کی معافی اس سے نہ ہوگی۔ ۳؎ یعنی مسلم شریف میں حضرت موسیٰ جہنی سے بہت سی روایات منقول ہیں۔ اس سب میں اَوْ ہے۔ یہ موسیٰ جہنی ابن عبداللہ ہیں۔ قبیلہ جہنیہ سے ہیں۔ کوفی ہیں۔ انہوں نے حضرت مجاہد مصعب ابن سعد سے روایات لیں اور ان سے شعبہ یحییٰ ابن سعید قطان نے احادیث نقل کیں ۴؎ آپ ابوبکر احمد ابن محمد خوارزمی برقانی ہیں۔ برقان خوارزم کی ایک بستی کا نام ہے ۵؎ یعنی ان روایات میں اَوْ نہیں بلکہ واو ہے یعنی اس کو ہزار نیکیاں بھی ملتی ہیں اور اس کے ہزار گناہ بھی معاف ہوتے ہیں لیکن اگر پہلی روایت میں اَوْ بمعنی واو ہو یا یہاں واو تنویع یعنی بیان نوعیت کے لیے ہو تو دونوں روایتوں میں کوئی فرق نہیں اور ہوسکتا ہے کہ پہلی روایت میں رب تعالیٰ کے قانون کا ذکر ہو اور اس روایت میں اس کے فضل و کرم کا رب تعالیٰ فرماتا ہے: مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا (۶:۱۶۰) جو ایک نیکی لائے تو اس کے لئے اس جیسی دس ہیں (کنزالایمان) دوسرے مقام پر فرماتا ہے: وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ (۲:۲۶۱) اور اللہ اس سے بھی زیادہ بڑھائے جس کے لئے چاہے (کنزالایمان)

وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

(۲۱۹۲) روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَىُّ الْكَلَامِ اَفْضَلُ قَالَ مَا اصْطَفَى اللّٰهُ لِمَلٰٓئِكَتِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کونسا کلام افضل ہے فرمایا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کیلئے منتخب فرمایا سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ ا (مسلم)

(۲۱۹۲) ا یعنی سارے فرشتے ہمیشہ یہ پڑھا کرتے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ اسی لیے فرشتوں نے عرض کیا تھا: نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ (۲:۳۰) اور ہم تجھے سراہتے ہوئے تیری تسبیح کرتے اور تیری پاکی بولتے ہیں (کنزالایمان) فرشتوں کا ہمیشہ یہ پڑھنا اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے ہے نہ کہ اپنی رائے سے قرآن کریم میں ہے: لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا (۲:۳۲) ہمیں کچھ علم نہیں مگر تو نے جتنا ہمیں سکھایا (کنزالایمان) یعنی یہ کلمات بہت افضل ہیں کیونکہ یہ فرشتوں کا ذکر ہے۔ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان فرشتوں کی عبادات کو بھی جانتے ہیں اور ان کے حالات سے بھی خبردار ہیں جو آسمانوں میں رہتے ہیں عرشی ہوں یا کرسی والے لہذا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرش والے انسانوں کے اعمال کی بھی یقیناً خبر ہے۔ دوسرے یہ کہ جو ورد وظیفے بزرگوں سے منقول ہوں دوسرے وظیفوں سے افضل ہیں۔ دیکھو فرشتوں کے وظیفے افضل قرار دیئے گئے ایک اعتبار سے فرشتے عام انسانوں سے افضل ہیں۔ اگرچہ انسانیت ماہیت فرشتہ سے افضل ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِىْٓ اٰدَمَ (۱۷:۷۰) اور بے شک ہم نے اولادِ آدم کو عزت دی۔ (کنزالایمان)

وَعَنْ جُوَيْرِيَةَ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مِنْ عِنْدِهَا بُكْرَةً حِيْنَ صَلَّى الصُّبْحَ وَهِىَ فِىْ مَسْجِدِهَا ثُمَّ رَجَعَ بَعْدَ اَنْ اَضْحٰى وَهِىَ جَالِسَةٌ قَالَ مَا زِلْتِ عَلَى الْحَالِ الَّتِىْ فَارَقْتُكِ عَلَيْهَا قَالَتْ نَعَمْ قَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ قُلْتُ بَعْدَكِ اَرْبَعَ كَلِمَاتٍ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ لَوْ وُزِنَتْ بِمَا قُلْتِ مُنْذُ الْيَوْمِ لَوَزَنَتْهُنَّ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَرِضٰى نَفْسِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۱۹۳) روایت ہے حضرت جویریہ سے ا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرے جبکہ نماز فجر پڑھی وہ اپنی مسجد میں تھیں ۲ پھر دوپہر کے بعد واپس ہوئے وہ وہاں ہی بیٹھی تھیں ۳ فرمایا کیا تم اسی طرح بیٹھی ہو جیسے میں تمہیں چھوڑ گیا تھا عرض کیا ۴ ہاں تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تمہارے پیچھے چار کلمے تین دفعہ پڑھ لیے ۵ اگر انہیں تمہارے تمام وظیفوں سے تولا جائے جو تم نے سارے دن میں پڑھے تو ان پر بھاری ہو جائیں ۶ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَرِضَا نَفْسِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ ۷ (مسلم)

(۲۱۹۳) ا حضرت جویریہ بنت حارث حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں۔ مسلمانوں کی والدہ' آپ کا نام برّہ تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر جویریہ رکھا۔ آپ ۵ ھ میں غزوۂ مریسیع میں گرفتار ہو کر حضرت ثابت ابن قیس کے حصہ میں آئیں۔ انہوں نے آپ کو مکاتب کر دیا۔ ان کا بدل کتابت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا کیا اور انہیں آزاد کر کے ان سے نکاح کیا۔ ۶۵ سال عمر شریف ہوئی ربیع الاول ۵۶ ھ میں وفات پائی رضی اللہ عنہا ۲ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بعد نماز فجر آپ کے دولت خانہ سے باہر تشریف لے گئے۔ اس وقت آپ اپنے مصلے پر بیٹھی ہوئی ذکر اللہ اور وظیفہ پڑھ رہی تھیں۔ مسجد سے مراد مصلیٰ ہے یعنی سجدہ گاہ یا وہ جگہ جو گھر میں نماز کیلئے خاص کر لی جائے۔ ۳ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نماز چاشت کے وقت (دوپہر کو) آپ کے پاس واپس آئے تو انہیں اسی مصلے پر اسی طرح بیٹھے دیکھا اللہ اکبر یہ ہے ازواج پاک کا شوق عبادت ۴ خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی

نیکیاں ظاہر کرنا ریا نہیں بلکہ ذریعہ قبولیت ہے۔اسی طرح حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے گناہ عرض کرنا پردہ دری نہیں بلکہ معافی کا ذریعہ ہے۔۵؎ یعنی ہم نے تمہارے پاس سے جانے کے بعد یہ وظیفہ پڑھ لیا جو عمل میں بہت ہلکا اور آسان ہے ۶؎ یعنی اگر کل قیامت میں ربّ تعالیٰ میزان کے ایک پلے میں تمہارا آج کا سارے دن کا یہ وظیفہ رکھے اور دوسرے پلے میں ہمارے یہ کلمات رکھے تو ثواب میں یہ کلمات بڑھ جائیں گے ۸؎ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں ربّ تعالیٰ کی ایسی تسبیح کرتا ہوں جو تمام مخلوق کے برابر ہو۔اس کی رضاء کا باعث ہو اس کے عرش کی زینت ہو اور کلمات الٰہیہ کی جو روشنائی ہے اس کے برابر ہو۔ان جامع الفاظ میں ساری چیزیں آگئیں کوئی چیز باقی نہ رہی۔لہٰذا یہ جامع وظیفہ ہے۔اس لیے اس کا اجر بھی زیادہ ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ فِیْ یَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ كَانَتْ لَهٗ عَدْلَ عَشْرِ رِقَابٍ وَكُتِبَتْ لَهٗ مِائَةُ حَسَنَةٍ وَّمُحِیَتْ عَنْهُ مِائَةُ سَیِّئَةٍ وَّكَانَتْ لَهٗ حِرْزًا مِّنَ الشَّیْطٰنِ یَوْمَهٗ ذٰلِكَ حَتّٰی یُمْسِیَ وَلَمْ یَاْتِ اَحَدٌ بِاَفْضَلَ مِمَّا جَآءَ بِهٖ اِلَّا رَجُلٌ عَمِلَ اَكْثَرَ مِنْهُ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

(۲۱۹۴) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ایک دن میں سو بار یہ کہہ لے ۱؎ اللہ کے اکیلے کے سواء کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اسی کا ملک ہے اسی کی تعریف ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے اس کیلئے دس غلام آزاد کرنے کے برابر ہوگا ۲؎ اور اس کیلئے سو نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کے سو گناہ معاف کئے جائیں گے اور اس دن' دن بھر اس کی شیطان سے حفاظت ہوگی حتیٰ کہ شام پالے ۳؎ اور کوئی شخص اس سے بہتر افضل عمل نہ کر سکے گا اس کے سوا جو اس سے زیادہ یہ پڑھ لے ۴؎ (مسلم بخاری)

(۲۱۹۴) ۱؎ خواہ ایک دم ایک ہی مجلس میں سو بار کہے یا مختلف اوقات میں مختلف مجلسوں میں غرضیکہ چوبیس گھنٹے میں یہ شمار پوری کرے (مرقات) ۲؎ یہاں مرقات نے فرمایا کہ یہ وہ کلمہ توحید ہے جس کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے: مَثَلًا كَلِمَةً طَیِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَیِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ (۱۴:۲۴) بیان فرمائی پاکیزہ بات کی جیسے پاکیزہ درخت جس کی جڑ قائم اور شاخیں آسمان میں (کنزالایمان) ۳؎ اس سے اشارۃً معلوم ہو رہا ہے کہ اگر بندہ رات میں یہ پڑھ لیا کرے تو صبح تک شیطان سے محفوظ رہے مگر چونکہ بندہ دن میں جاگتا ہے اور جاگتے ہی میں شیطان زیادہ گناہ کراتا ہے اس لیے دن کا ذکر فرمایا' اگرچہ یہ کلمات ایک دم یا علیحدہ علیحدہ ہر وقت پڑھنا درست ہے لیکن صبح کے وقت ایک دم پڑھنا افضل ہے تاکہ دن بھر شیطان سے محفوظ رہے۔یہ تاثیر تو سو بار پڑھنے کی ہے۔اگر اس سے زیادہ پڑھے تو زیادہ فائدہ ہوگا۔غرضیکہ یہ عمل بہت ہی پر تاثیر ہے (مرقات) ۴؎ اس کی شرح پہلے گزر چکی ہے یعنی کوئی ورد وظیفہ پڑھنے والا نہ اس جیسا وظیفہ پڑھ سکے گا نہ اس جیسا ثواب وظیفہ پا سکے گا۔یہ فضیلت دیگر وظیفوں سے ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ سَفَرٍ فَجَعَلَ النَّاسُ یَجْهَرُوْنَ بِالتَّكْبِیْرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا اَیُّهَا النَّاسُ اَرْبَعُوْا عَلٰی اَنْفُسِكُمْ اِنَّكُمْ لَا تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلَا غَآئِبًا اِنَّكُمْ تَدْعُوْنَ

(۲۱۹۵) روایت ہے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے تو لوگ بلند آواز سے تکبیر کہنے لگے ۱؎ اس پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو اپنی جانوں پر نرمی کرو ۲؎ تم لوگ نہ بہرے کو پکارتے ہو نہ غائب کو تم تو سمیع بصیر کو پکار رہے ہو ۳؎ جو تمہارے ساتھ ہے جسے تم

سَمِیْعًا بَصِیْرًا وَّھُوَ مَعَکُمْ وَالَّذِیْ تَدْعُوْنَهٗ اَقْرَبُ اِلٰی اَحَدِکُمْ مِّنْ عُنُقِ رَاحِلَتِهٖ قَالَ اَبُوْ مُوْسٰی وَاَنَا خَلْفَهٗ اَقُوْلُ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ فِیْ نَفْسِیْ فَقَالَ یَا عَبْدَاللّٰهِ بْنَ قَیْسٍ اَلَا اَدُلُّكَ عَلٰی کَنْزٍ مِّنْ کُنُوْزِ الْجَنَّةِ فَقُلْتُ بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

پکار رہے ہو وہ تم میں سے ہر ایک کی سواری کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہے۔۴؎ ابوموسیٰ فرماتے ہیں کہ میں حضور انور کے پیچھے تھا اپنے دل میں کہہ رہا تھا لاحول ولاقوۃ الا باللہ تو حضور نے فرمایا اے عبداللہ ابن قیس کیا میں تم کو جنت کے خزانوں میں ایک خزانہ پر رہبری نہ کردوں میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ فرمایا لاحول ولا قوۃ الا باللہ ہے ۵؎ (مسلم بخاری)

(۲۱۹۵)۱؎ اس طرح کہ جوش کے ساتھ تکبیر کے نعرے لگانے لگے نعرہ تکبیر اَللّٰهُ اَکْبَرُ یہ نعرے برکت کیلئے تھے نہ کہ کسی خوشی کی وجہ سے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے یہ سفر غزوہ خیبر کا تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مع صحابہ کرام کے خیبر فتح فرمانے تشریف لے جا رہے تھے جیسا کہ دوسرے مقامات پر راوی کی تصریح ہے۔۲؎ یہاں شیخ نے لمعات اور اشعۃ اللمعات میں فرمایا کہ اس نعرہ تکبیر سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا منع فرمانا اس لیے نہ تھا کہ ذکر بالجہر ممنوع ہے بلکہ اس لیے تھا کہ صحابہ پر سفر کرتے ہوئے یہ نعرے تکلیف کا باعث تھے۔ اس لیے فرمایا اپنی جانوں پر نرمی کرو۔ ورنہ بہت موقع پر صحابہ کرام بلکہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خوب بلند آواز سے ذکر الٰہی کرتے تھے۔ چنانچہ جماعت کی نماز کے بعد چیخ کر ذکر کرتے تھے۔ صحابہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وعظ کے دوران نعرہ تکبیر لگاتے تھے۔ نیز اس سفر میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ یہ تھا کہ خیبر پر ہم اچانک جا پڑیں۔ لوگوں کو اس حملہ کی خبر بھی نہ ہو سکے۔ تاکہ کفار تیاری نہ کرسکیں اور بہت کم خون خرابہ ہو اور خیبر فتح ہو جائے۔ اس نعرہ سے یہ مقصد فوت ہو جاتا۔ بہرحال ذکر بالجہر منع کرنے والوں کی یہ حدیث دلیل نہیں بن سکتی۔ ذکر بالجہر کی پوری تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں ملاحظہ فرمایئے ۳؎ یہاں ذکر بالجہر مفید نہیں۔ رب تعالیٰ تو آہستہ ذکر بھی سنتا ہے۔ بلکہ تمہیں نقصان دہ ہے کہ تم اس وقت ذکر سے تھک جاؤ گے اور تمہارا دشمن تمہاری آمد پر مطلع ہو جائے گا۔ اس لیے آہستہ ذکر کرو۴؎ اس سے معلوم ہوا کہ اس لیے چیخ کر اللہ کا ذکر کرنا خدا تعالیٰ آہستہ ذکر سن نہیں سکتا منع ہے بلکہ بدعقیدگی ہے ذکر بالجہر تو اپنے نفس اور دوسرے غافلوں کو جگانے شیطان کو بھگانے درودیوار کو اپنے ایمان کا گواہ بنانے کیلئے ہوتا ہے۔ مگر اس موقع پر مضر ہے۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہماری شہ رگ سے زیادہ قریب ہونے کے معنی یہ ہے کہ اس کا علم، قدرت، رحمت قریب ورنہ حق تعالیٰ قرب مکانی سے پاک ہے۔ اس کی تفسیر وہ آیت ہے: اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ (۷:۵۶) بے شک اللہ کی رحمت نیکوں سے قریب ہے (کنزالایمان) ۵؎ یعنی تم جو اپنے دل میں لاحول شریف پڑھ رہے ہو ہم اس پر مطلع ہیں۔ اس کے فضائل سے تم کو اطلاع دیتے ہیں۔ خیال رہے کہ لاحول شریف میں انسان اپنی انتہائی بے بسی کا اقرار اور ربّ تعالیٰ کی انتہائی قدرت کا اعتراف کرتا ہے۔ یہ ہی بندگی کا مدار ہے۔ اسی لیے یہ جنت کا خزانہ ہے۔ حول کے معنی ہیں ظاہری طاقت، قوۃ کے معنی ہیں باطنی قدرت، یا حول سے مراد ہے دفع شر کا حیلہ، اور قوت سے مراد ہے خیر حاصل کرنے کا ذریعہ یعنی بندے میں بغیر رب تعالیٰ کی مدد کے نہ ظاہری طاقت ہے نہ اندرونی قوت اس کے بغیر کرم بندہ نہ گناہوں سے بچ سکتا ہے نہ نیکیاں کرسکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی دین اس کے کرم سے بندہ میں ظاہری باطنی طاقتیں آ سکتی ہیں۔ جیسا کہ اولیاء و انبیاء کے کرامات و معجزات سے معلوم ہوتا ہے۔ حضرت سلیمان نے تین میل دور سے چیونٹی کی آواز سن کر سمجھ لی۔ حضرت آصف بن برخیا پل بھر میں یمن سے تخت بلقیس لے آئے۔ یہ ربانی طاقتیں رحمانی عطا سے

تھیں۔بجلی کے بلب، پنکھے مشین وغیرہ بغیر پاور محض بیکار ہیں۔پاور آجائے تو بہت طاقتور ہو جاتے ہیں۔بجلی کا تار آدمی کیا ہاتھی کو ہلاک کر دیتا ہے۔قرآن کریم میں جو من دون اللہ کی برائیاں آتی ہیں یہ وہی ہیں جو خدا سے الگ اور دور ہیں۔رب تعالٰی نے فرمایا: وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدَانِ (۵۶۷) اور ان سے اس طرف دو عورتیں دیکھیں کہ اپنے جانوروں کو روک رہی تھیں (کنزالایمان) یعنی موسیٰ علیہ السلام نے مردوں سے الگ دور دو عورتوں کو دیکھا جو اپنے جانور پکڑے کھڑی تھیں۔دیکھو دون کے معنی الگ یا دور ہیں۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کلموں کو خزانہ اسی لیے فرمایا کہ یہ کلمے جنتی نعمتوں کے خزانے ملنے کے سبب ہیں یا اللہ تعالٰی نے دوسری قوموں سے یہ کلمات ایسے چھپائے تھے جیسے خزانے غیروں سے چھپائے جاتے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَ بِحَمْدِهٖ غُرِسَتْ لَهٗ نَخْلَةٌ فِي الْجَنَّةِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۲۱۹۶) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ پڑھے اس کیلئے جنت میں درخت بویا جائے گا[1] (ترمذی)

(۲۱۹۶)[1] جنت کی بعض زمین تو میوے پھولوں کے درختوں سے بھری ہے بعض زمین خالی، اس خالی زمین میں ہمارے نیک اعمال مثل درختوں کے نمودار ہوتے ہیں۔یہاں اس خالی زمین کا ذکر ہے جنت میں باغات تو ہیں مگر کھیت نہیں، کیونکہ کھیت میں دانے ہوتے ہیں جو غذا کے کام آتے ہیں وہاں نہ بھوک ہے نہ غذا کی ضرورت، باغوں میں پھل پھول ہوتے ہیں جن سے لذت لی جاتی ہے تمام درختوں میں کھجور کا درخت بہت ہی مفید و لذیذ ہے۔اس لیے سبحان اللہ شریف سے درخت کھجور ہوتا ہے۔

وَعَنِ الزُّبَيْرِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ صَبَاحٍ يُّصْبِحُ الْعِبَادُ فِيْهِ اِلَّا مُنَادِيًّا دِيْ سَبِّحُوا الْمَلِكَ الْقُدُّوْسَ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(۲۱۹۷) روایت ہے حضرت زبیر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی کوئی صبح نہیں جسے بندے پائیں مگر ایک پکارنے والا پکارتا ہے کہ پاک بادشاہ کی تسبیح پڑھ لو[1] (ترمذی)

(۲۱۹۷)[1] یعنی ہر صبح کو فرشتہ یہ آواز دیتا ہے کہ اس وقت تسبیح پڑھو یا آج دن بھر پڑھتے رہنا، چونکہ صبح کے وقت ہر مخلوق تسبیح کرتی ہے۔اس لیے خصوصیت سے انسانوں میں یہ اعلان ہوتا ہے کہ تم اشرف المخلوق ہو۔دوسری مخلوق سے پیچھے نہ رہو۔نیز چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نداء ہم تک پہنچا دی۔اس لیے فرشتہ کا پکارنا رائیگاں نہ گیا۔لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جب ہم فرشتے کی آواز سنتے ہی نہیں تو اس کے پکارنے سے کیا فائدہ بادشاہ کے فرمان عوام تک اخبارات، حکام وغیرہ کے ذریعے پہنچا کرتے ہیں۔تسبیح کرنے سے مراد یا تو مطلقاً کوئی سی تسبیح پڑھ لینا ہے یا یہ پڑھنا ہے سبحان الملك القدوس یا یہ پڑھنا ہے سبوح قدوس ربنا ورب الملائكة والروح یا یہ پڑھنا ہے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ العظيم (مرقات)

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَفْضَلُ الدُّعَاءِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

(۲۱۹۸) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بزرگ ترین ذکر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے[1] اور بزرگ ترین دعا الحمد للہ ہے[2] (ترمذی و ابن ماجہ)

(۲۱۹۸)اِلَّا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ سے مراد پورا کلمہ شریف ہے۔یعنی مع محمد رسول اللہ کے ورنہ صرف لا الـه الا الله تو بہت سے موحد کفار بلکہ ابلیس بھی پڑھتا ہے۔وہ مشرک نہیں موحد ہے،جس چیز سے مومن بنتے ہیں وہ ہے محمد رسول اللہ چونکہ کلمہ شریف سے کفر کی گندگی دور ہوتی ہے۔اسے پڑھ کر کافر مومن ہوتا ہے۔اس سے دل کی زنگ دور ہوتی ہے۔اس سے غفلت جاتی ہے۔دل میں گندگی دور ہوتی ہے۔یہ حمد الٰہی ونعت مصطفوی کا مجموعہ ہے۔اس لیے یہ افضل الذکر ہوا صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ صفائی دل کیلئے کلمہ طیبہ اکسیر ہے۔۲؎ دعا میں کریم کی تعریف اور اپنی عرض حاجت ہوتی ہے۔الحمدللہ میں یہ دونوں چیزیں موجود،اسی لیے الحمد کو بہترین دعا فرمایا گیا جب مسکین سخی کے دروازے پر کھڑے ہوکر اس کی تعریف کرنے لگے تو سمجھو کچھ مانگ رہا ہے۔یوں ہی جب ہم فقیر ربّ کریم کے دروازے پر اس کی حمد وثنا کریں تو در پردہ اس سے مانگتے ہی ہیں۔سورہ فاتحہ کو ام القرآن کہتے ہیں کیونکہ یہ الحمدللہ سے شروع ہوتی ہے۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَمْدُ رَاْسُ الشُّكْرِ مَا شَكَرَ اللّٰهَ عَبْدٌ لَّا يَحْمَدُهٗ

(۲۱۹۹) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حمد شکر کا سر ہے۱؎ جس بندے نے خدا کی حمد نہ کی اس نے ربّ کا شکر ہی نہ کیا۲؎

(۲۱۹۹)۱؎لہذا جو شکر حمد کے بغیر ہو وہ شکر صحیح نہیں،جیسے بغیر سر کے جسم درحقیقت جسم ہی نہیں۔۲؎بعض صوفیاء فرماتے ہیں کہ شکر کی اصل جگہ دل و اعضاء ظاہری ہیں۔دل سے ربّ کی نعمتوں کا اقرار اعضاء سے عبادت شکر ہے اور حمد کی اصل جگہ زبان ہے اور دل وغیرہ لوگوں سے مخفی ہیں۔زبان لوگوں پر ظاہر اور شکر میں اظہار اصل مقصود ہے۔اسی لیے حمد کو شکر کا سر قرار دیا گیا کہ مقصد شکر حمد سے ادا ہوتا ہے۔(مرقات)سُبْحَانَ اللّٰهِ نہایت نفیس تحقیق ہے۔ربّ تعالٰی فرماتا ہے:وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ(۹۳،۱۱)اور اپنے ربّ کی نعمت کا خوب چرچا کرو(کنزالایمان)اپنے ربّ کی نعمتوں کا خوب چرچا کرو۔یہ ہے کامل شکر،اور چرچا زبان سے ہوتا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَّلُ مَنْ يُّدْعٰى اِلَى الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ الَّذِيْنَ يَحْمَدُوْنَ اللّٰهَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ (رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

(۲۲۰۰) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنہیں قیامت کے دن سب سے پہلے جنت کی طرف بلایا جائیگا وہ ہونگے جو خوشی وغم میں اللہ کی حمد کرتے ہیں۱؎یہ دونوں حدیثیں بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیں۔

(۲۲۰۰)۱؎اس طرح کہ ہر حال میں ربّ کی حمد کرتے رہتے ہیں۔تبدیلی حالات ان کو نہیں بدلتی۔راضی برضا رہتے ہیں۔چونکہ یہ لوگ ربّ سے راضی رہے۔لہذا ربّ بھی ان سے راضی رہا۔وہ ربّ کے تھوڑے رزق سے راضی،تو ربّ ان کی تھوڑی عبادت سے راضی وہ ربّ کے بھیجے ہوئے رنج وغم پر راضی تو ربّ ان سے گناہ سرزد ہونے پر بھی راضی،فرماتا ہے:رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ(۹۸،۵)اللہ ان سے راضی وہ اللہ سے راضی(کنزالایمان)اللہ تعالٰی یہ درجہ نصیب کرے۔

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ يَارَبِّ عَلِّمْنِيْ شَيْئًا اَذْكُرُكَ بِهٖ اَوْ اَدْعُوْكَ بِهٖ فَقَالَ يَا مُوْسٰى قُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَقَالَ يَا رَبِّ كُلُّ عِبَادِكَ

(۲۲۰۱) روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا تھا یا ربّ مجھے وہ چیز سکھا جس سے تجھے یاد کیا کروں جس کے ذریعے تجھ سے دعا کروں۱؎ربّ نے فرمایا اے موسیٰ کہو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پھر

يَقُوْلُ هٰذَا اِنَّمَا اُرِيْدُ شَيْئًا تَخُصُّنِيْ بِهٖ قَالَ يَا مُوْسٰى لَوْ اَنَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعَ وَعَامِرَ هُنَّ غَيْرِيْ وَالْاَرْضِيْنَ السَّبْعَ وُضِعْنَ فِيْ كَفَّةٍ وَّلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فِيْ كَفَّةٍ لَمَالَتْ بِهِنَّ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

عرض کیا یا ربّ یہ تو تیرے سارے بندے ہی کہتے ہیں میں تو کوئی ایسی خاص چیز چاہتا ہوں جس سے تو مجھے خاص کرے۲ فرمایا اے موسیٰ اگر ساتوں آسمان اور میرے سواء ان کی آبادی اور ساتوں زمینیں ایک پلڑے میں رکھی جائیں۳ اور لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ دوسرے پلڑے میں تو ان سب پر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ بھاری ہوگا۴ (شرح سنہ)

(۲۲۰۱) ۱یعنی اے مولیٰ! مجھے خصوصی ذکر و دعا بذریعہ وحی یا الہام سکھا عمومی ذکر و دعائیں تو تو نے مجھے بہت عطا فرمائی ہیں۔ لہٰذا حدیث پر یہ سوال نہیں ہوسکتا کہ کیا اب تک موسیٰ علیہ السلام کو ذکر و دعا بھی معلوم نہ تھی۔ اس کی تائید اگلے مضمون سے ہو رہی ہے۲ چونکہ فطرت بشری ہے کہ عام نعمت کے مقابلہ میں خاص نعمت سے زیادہ خوش ہوتے ہیں۔ اگرچہ عام نعمت کا نفع زیادہ ہی ہو دیکھو ہوا' پانی' نمک وغیرہ کے مقابل سونے چاندی جواہر سے زیادہ خوش ہوتے ہیں۔ نماز پنج گانہ سے زیادہ نماز عید کی خوشی مناتے ہیں۔ اسی لیے آپ نے یہ سوال فرمایا لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کلمہ سے خوش نہ ہوئے بلکہ اللہ تعالٰی نے یہ سوال موسیٰ علیہ السلام کے دل میں خود ہی ڈالا تھا تاکہ اس کے جواب سے لوگوں کو کلمہ طیبہ کے مسائل کا پتا چلے۔ خیال رہے کہ یہاں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سے مراد صرف یہ ہی الفاظ ہیں۔ کیونکہ شریعت موسوی میں کلمہ میں محمد رسول اللہ داخل نہ ہوا تھا۔ یہ جزء تو دین محمدی کی خصوصیات سے ہے۳ خلاصہ جواب یہ ہے کہ اے موسیٰ تم کوئی خاص عمل و وظیفہ ایسا چاہتے ہو جو لا الٰہ الا اللہ سے افضل ہو۔ ایسا کوئی وظیفہ نہیں۔ تمام سے بہتر افضل یہ ہی کلمہ ہے۔ ساتوں زمین و آسمان اور ان کے باشندوں میں انسان حیوانات اور ان کے سارے عمل داخل ہیں۔ لہٰذا وظیفے' اوراد' عبادات سب سے کلمہ طیبہ افضل ہوا۔ کیونکہ ربّ کا نام مخلوق سے افضل و بہتر ہے ہاں اس کلمہ سے مختلف لوگ فائدے اٹھاتے ہیں۔ جہاں تک اس کی فہم و عمل زیادہ وہاں تک اس کا فیض زیادہ ہمارے کلمہ پڑھنے سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھنا کہیں افضل و بہتر ہے۔ یہ ہی حال ساری عبادات کا ہے۔ (از مرقات) ۴یعنی اس کلمہ کا مضمون اور اس کا ثواب تمام مخلوق سے زیادہ وزنی ہے۔ بشرطیکہ اخلاص سے پڑھا جائے۔ ورنہ منافقین بھی کلمہ پڑھتے تھے۔ اب بھی مشرکین کلمہ پڑھ لیتے ہیں۔ ان کے کلمہ کا نہ وزن ہے نہ ثواب' وزن صرف الفاظ کا نہیں' اس کا مضمون کیا ہے۔ اللہ تعالٰی کی وحدانیت' یہ تمام صفات الٰہیہ سے اعلیٰ صفت ہے وہ یقیناً ساری خلق سے اعلیٰ ہے۔ فقیر کی اس تقریر سے یہ اعتراض اٹھ گیا کہ انبیائے کرام خصوصاً حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تو اشرف الخلق افضل الخلق ہیں اور یہ الفاظ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ بھی خلق میں داخل ہیں' تو نبی ان سے بھی افضل ہونے چاہئیں۔ کیونکہ یہ الفاظ خلق ہیں مگر ان کا مضمون یعنی ربّ کی وحدانیت خلق نہیں ربّ کی صفت ہے۔ جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے الفاظ سے افضل ہیں مگر قرآن کلام الٰہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہے کہ وہ صفت الٰہی ہے۔ اسی طرح الفاظ قرآن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم عربی ہیں تو قرآن بھی عربی' جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مکی تھے تو آیات قرآنیہ مکیہ ہوئیں جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مدنی ہوگئے تو آیات قرآنیہ بھی مدنیہ ہوگئیں مگر مضمون قرآن کی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اتباع کرتے ہیں۔

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ وَّ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ

(۲۲۰۲) روایت ہے حضرت ابوسعید و حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کہتا ہے لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ

اَکْبَرُ صَدَّقَهٗ رَبُّهٗ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا وَاَنَا اَکْبَرُ وَاِذَا قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ يَقُوْلُ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا وَحْدِیْ لَا شَرِيْكَ لِیْ وَاِذَا قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا لِیَ الْمُلْكُ وَلِیَ الْحَمْدُ وَاِذَا قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِیْ وَكَانَ يَقُوْلُ مَنْ قَالَهَا فِیْ مَرَضِهٖ ثُمَّ مَاتَ لَمْ تَطْعَمْهُ النَّارُ

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

وَاللّٰهُ اَکْبَرُ تو ربّ تعالٰی اس کی تصدیق کرتا ہے کہتا ہے کہ واقعی میرے سواء کوئی معبود نہیں اور میں بہت بڑا ہوں۱؎ اور جب بندہ کہتا ہے کہ اکیلے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں تو ربّ فرماتا ہے واقعی میرے سواء کوئی معبود نہیں میں اکیلا ہوں میرا کوئی شریک نہیں۲؎ اور جب بندہ کہتا ہے اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں اسی کا ملک ہے اسی کی تعریف ہے تو ربّ فرماتا ہے واقعی میرے سواء کوئی معبود نہیں میرا ہی ملک ہے میری ہی تعریف ہے۳؎ جب بندہ کہتا ہے اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں اللہ کے بغیر نہ طاقت ہے نہ قوت تو ربّ فرماتا ہے واقعی میرے سواء کوئی معبود نہیں میرے بغیر نہ قوت ہے نہ طاقت۴؎ حضور فرماتے تھے کہ جو یہ کلمات اپنے مرض میں کہے پھر مر جائے تو اسے آگ نہ جلائے گی۵؎ (ترمذی، ابن ماجہ)

(۲۲۰۲)۱؎ یعنی ربّ تعالٰی فرشتوں سے فرماتا ہے کہ میرا فلاں بندہ یہ پڑھ رہا ہے اور وہ سچا ہے۔ سچ کہہ رہا ہے۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ بندے کی خوش نصیبی ہے کہ اس کی تھوڑی سی لب کی حرکت سے اس کا ذکر بارگاہ ربّ العالمین میں فرشتوں کے سامنے آ جائے اور ساتھ میں خود ربّ تعالٰی تصدیق بھی فرمادے۲؎ یعنی یہ بندہ گواہی دے رہا ہے جس کی میں اور میرے فرشتے اور میری تمام خلق گواہی دیتے ہیں۔ خیال رہے کہ ساری نیکیاں صرف بندے کرتے ہیں مگر گواہی توحید، حضور پر درود (صلی اللہ علیہ وسلم) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت افزائی، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی میلاد خوانی وہ اعمال ہیں جو ربّ تعالٰی فرشتوں اور تمام مخلوق کے عمل ہیں۔ ربّ تعالٰی فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّ (۵۶،۳۳) بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر (کنزالایمان) اللہ تعالٰی نے کسی نیکی کے حکم میں اپنا اور اپنے فرشتوں کا ذکر نہ فرمایا سواء درود شریف کے سُبْحَانَ اللّٰهِ کلمہ توحید ایسی پاکیزہ نعمت ہے کہ ربّ تعالٰی بھی اس میں شرکت فرماتا ہے۳؎ ملک وملکوت کا فرق پہلے بیان ہو چکا ہے ملک تو مجازاً بادشاہ کا بھی ہو جاتا ہے مگر ملکوت وہ چیز ہے جو ربّ تعالٰی کے سوا کسی کے قبضہ میں نہیں یہاں لی الملک میں حصر حقیقت کے لحاظ سے ہے یعنی حقیقۃً ملک میرا ہی ہے عارضی طور پر مجازاً جسے ملک ملا وہ میری عطاء سے ملا شعر:

در حقیقت مالک ہر شئے خداست   ایں امانت چند روزہ نزد ماست

۴؎ حول وقوت کے نفیس فرق ابھی کچھ پہلے بیان ہو چکے اور لاحول شریف کے فوائد عرض کیے جا چکے بندہ ربّ سے کٹ کر کچھ نہیں نہ اس میں حول رہتی ہے نہ قوت مگر ربّ سے واصل ہو کر سب کچھ بن جاتا ہے کہ اس میں حول بھی آ جاتی ہے اور قوت بھی، قطرہ دریا سے الگ ہو تو کچھ نہیں مگر دریا میں جاتے ہی اس میں روانی، طغیانی، فراوانی سب کچھ آ جاتی ہے۔ الا باللہ میں ب الصاق کی ہے یعنی اللہ سے مل کر بندے میں حول وقوت سب کچھ آ جاتی ہے۔۵؎ یعنی اسے قبر حشر اور حشر سے فارغ ہونے کے بعد کبھی آگ کا عذاب نہ ہوگا اور جب وہ پل صراط سے گزرے گا تو آگ کا اس پر اثر نہ ہوگا سُبْحَانَ اللّٰهِ یہ کلمات اسیار روحانی مصالحہ ہیں جس کے لگ جانے سے جہنم کی آگ اثر

نہیں کرتی۔

وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ اَنَّهٗ دَخَلَ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلَی امْرَاَةٍ وَّبَیْنَ یَدَیْهَا نَوًی اَوْ حَصًی تُسَبِّحُ بِهٖ فَقَالَ اَلَا اُخْبِرُكَ بِمَا هُوَ اَیْسَرُ عَلَیْكَ مِنْ هٰذَا اَوْ اَفْضَلُ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَاخَلَقَ فِی السَّمَآءِ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ عَدَدَ مَاخَلَقَ فِی الْاَرْضِ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا بَیْنَ ذٰلِكَ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا هُوَ خَالِقٌ وَّاللّٰهُ اَكْبَرُ مِثْلَ ذٰلِكَ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مِثْلَ ذٰلِكَ وَلَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ مِثْلَ ذٰلِكَ

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ)

(۲۲۰۳) روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک بی بی کے پاس گئے ا جن کے سامنے گٹھلیاں یا کنکریاں تھیں جن پر وہ تسبیح پڑھ رہی تھیں ۲ تب حضور انور نے فرمایا کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتاؤں جو تم پر اس سے آسان بھی ہو اور بہتر بھی ۳ اللہ کی پاکی بولتا ہوں اس کی برابر جسے آسمان میں پیدا فرمایا اور اللہ کی پاکی بولتا ہوں اس کی برابر جسے زمین میں پیدا فرمایا اور اللہ کی پاکی بولتا ہوں اسکی برابر جو انکے درمیان ہے ۴ اور اللہ کی پاکی بولتا ہوں اسکی برابر جسے وہ پیدا فرمانے والا ہے اور اللہ بہت بڑا ہے (اسی قدر) تمام تعریفیں اللہ کی ہیں (اسی قدر) اور اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں (اسی قدر) اور اللہ کے بغیر نہ قوت (اسی قدر) ۵ (ترمذی، ابوداؤد)

(۲۲۰۳) ا یہ بی بی صاحبہ یا تو حضرت سعد کی محرمات میں سے ہیں اور یا یہ واقعہ پردہ فرض ہونے سے پہلے کا ہے یا جانے سے مراد صرف اس کے پاس پہنچنا ہے نہ کہ انہیں بے پردہ دیکھنا شیخ نے لمعات اور اشعہ میں فرمایا کہ یہ بی بی صاحبہ جناب ام المومنین جویریہ تھیں رضی اللہ تعالٰی عنہا ۲ یعنی تسبیحیں ان دانوں پر شمار کر رہی تھیں یہ حدیث مروجہ دھاگہ والی تسبیح کی اصل ہے کہ بکھرے دانوں اور دھاگے میں پروئے ہوئے دانوں میں کوئی فرق نہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تسبیح کبھی استعمال نہ کی۔ آپ ہمیشہ بطریق عقدانامل انگلیوں پر شمار فرماتے تھے۔ مگر ایک صحابیہ کو یہ کرتے دیکھا منع نہ فرمایا لہذا تسبیح صحابی کی سنت عملی ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سکوتی مرقات نے فرمایا جن لوگوں نے اس تسبیح کو بدعت کہا غلط کہا مشائخ فرماتے ہیں کہ تسبیح شیطان پر کوڑہ ہے۔ حضرت جنید ولایت کی انتہاء پر پہنچ کر بھی تسبیح پڑھا کرتے تھے۔ کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو جواب دیا کہ اسی کے ذریعہ ہم خدا تک پہنچے ہیں۔ اسے ہم کیسے چھوڑیں (مرقات) بعض بزرگ ختم آیت کریمہ کیلئے تھیلوں اور بوریوں میں بادام یا گٹھلیاں جمع کر رکھتے ہیں ان کی اصل بھی یہ حدیث ہے ۳ یہ او بمعنی واؤ ہے مطلب یہ ہے کہ اس دعا میں تمہارا وقت بھی کم خرچ ہوگا اور تمہیں ان تکلفات کی ضرورت بھی نہ پڑے گی اور ان کلمات کا ثواب تمہاری ان کنکریوں سے زیادہ ہوگا یا اَوْ بمعنی بَلْ ہے۔ تب تو مطلب ظاہر ہے ۴ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ ربّ کی تسبیح میری گنتی شمار سے وراء ہے کیونکہ آسمان و زمین کی یہ چیزیں میرے علم و ادراک سے خارج ہیں۔ ربّ کی عطائیں ہمارے شمار سے باہر ہیں تو اس کی تسبیح بھی ہماری شمار سے باہر ہونا چاہئیں۔ ۵ یعنی گزشتہ اور آئندہ مخلوقات کی بقدر اَللّٰہُ اَکْبَرُ بھی کہتا ہوں اور اسی قدر الحمدللہ بھی اور اسی قدر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ بھی، اور اسی قدر لاحول الخ بھی، اس طرح یہ کلمات میرے پڑھنے میں تو ایک ہیں لیکن ربّ کے فضل سے ثواب میں ان چیزوں کی تعداد کے برابر۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ

(۲۲۰۴) روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ سَبَّحَ اللّٰہَ مِائَۃً بِالْغَدَاۃِ وَمِائَۃً بِالْعَشِیِّ کَانَ کَمَنْ حَجَّ مِائَۃَ حَجَّۃٍ وَّمَنْ حَمِدَاللّٰہَ مِائَۃً بِالْغَدَاۃِ وَمِائَۃً بِالْعَشِیِّ کَانَ کَمَنْ حَمَلَ عَلٰی مِائَۃِ فَرَسٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَمَنْ ھَلَّلَ اللّٰہَ مِائَۃً بِالْغَدَاۃِ وَمِائَۃً بِالْعَشِیِّ کَانَ کَمَنْ اَعْتَقَ مِائَۃَ رَقَبَۃٍ مِّنْ وُّلْدِ اِسْمٰعِیْلَ وَمَنْ کَبَّرَ اللّٰہَ مِائَۃً بِالْغَدَاۃِ وَمِائَۃً بِالْعَشِیِّ لَمْ یَاْتِ فِیْ ذٰلِکَ الْیَوْمِ اَحَدٌ بِاَکْثَرَ مِمَّا اَتٰی بِہٖ اِلَّا مَنْ قَالَ مِثْلَ ذٰلِکَ اَوْ زَادَ عَلٰی مَا قَالَ
(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ)

وہ اپنے دادا سے راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اللہ کیلئے صبح کو سو بار سُبْحَانَ اللّٰہِ پڑھے اور سو بار شام کو تو اس کی طرح ہوگا جو سو حج کرے[۱] اور جو صبح کو سو بار الحمد للہ پڑھے اور سو بار شام کو تو اس جیسا ہوگا جو اللہ کی راہ میں سو گھوڑے خیرات کرے[۲] اور جو صبح کو سو بار لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھے اور سو بار شام کو تو اس کی طرح ہوگا جو اولاد حضرت اسماعیل سے سو غلام آزاد کرے[۳] اور جو صبح کو سو بار اَللّٰہُ اَکْبَرُ پڑھے اور سو بار شام کو تو کوئی اس سے زیادہ نیکیاں اس دن نہ کر سکے گا بجز اس کے جو اتنی ہی بار یہ کلمات کہہ لے یا اس سے زیادہ[۴] (ترمذی) نے فرمایا یہ حدیث حسن بھی ہے غریب بھی۔

(۲۲۰۴)[۱] یعنی شروع دن میں سو بار سُبْحَانَ اللّٰہِ کہے اور شروع رات میں بھی سو بار، تو اسے نفلی سو حجوں کے برابر ثواب ملے گا۔ یہاں مرقات نے فرمایا کہ تسبیح سے مراد حضور دل کے ساتھ تسبیح پڑھنا ہے' اور حج سے مراد وہ حج ہیں جو غفلت سے کیے جائیں مطلب یہ ہے۔حضور قلبی کے ساتھ آسان نیکی غفلت کے مشکل اعمال سے افضل ہوتی ہے خیال رہے کہ حج کا ثواب ملنا اور ہے حج کی ادا کچھ اور' یہاں ثواب کا ذکر ہے نہ کہ ادائے حج کا' جیسے اطباء کہتے ہیں کہ ایک گرم کیے ہوئے منقیٰ میں ایک روٹی کی طاقت ہے مگر پیٹ روٹی ہی سے بھرتا ہے کوئی شخص دو وقت تین تین منقے کھا کر زندگی نہیں گزار سکتا۔ واقعی ان تسبیحوں میں اتنا ہی ثواب ہے مگر حج ادا کرنے ہی سے ہوں گے جو ربّ باجرے کے ایک دانہ سے سات بالیاں دے سکتا ہے جن کے دانے ہماری شمار میں نہیں ہوتے۔ وہ ربّ تسبیحوں پر اتنا ثواب بھی دے سکتا ہے۔اس قسم کے ثوابوں کا وعدہ قرآن کریم میں بھی کیا گیا ہے۔ربّ تعالٰی فرماتا ہے: مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ (۲،۲۶۲) ان کی کہاوت جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں (کنزالایمان) یعنی جو لوگ راہ خدا میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کی مثال اس دانہ کی طرح ہے جس سے سات بالیاں پیدا ہوں۔ ہر بالی سے سو دانے اور اللہ جسے چاہے اس سے بھی کہیں زیادہ عطا فرمائے گا۔اس قسم کی احادیث اور آیتوں کو مبالغہ یا جھوٹ سمجھنا بے دینی ہے۔ ربّ تعالٰی کی دین ہمارے خیال سے وراء ہے۔ اسے روکنے والا کون ہے[۲] یعنی سو غازیوں کو جہاد کرنے کیلئے سو گھوڑے دے جو ان پر سوار ہوکر جہاد کریں۔ خیال رہے کہ جہاد وغیرہ کا اصلی مقصد ذکر اللہ کی اشاعت ہے۔ مومن ملک گیری کیلئے نہیں لڑتا بلکہ ذکر سے رکاوٹیں دور کرنے کیلئے لڑتا ہے اور حمد الٰہی یقیناً سو جہادوں سے افضل ہے کہ جہاد مقصود لغیرہ اور یہ مقصود لعینہ[۳] کہ دیگر غلاموں سے اولاد اسماعیل علیہ السلام کا آزاد کرنا افضل ہے مرقات نے فرمایا کہ اولاد اسمٰعیل سے مراد اہل عرب ہیں کہ وہ سب ان کی اولاد ہیں چونکہ عرب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب رکھتے ہیں اس لیے ان پر احسان کرنا افضل' اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی اولاد خصوصاً سادات کرام سے سلوک کرنا بہتر ہے[۴] یہ حدیث تسبیح قادری کی اصل ہے۔سلسلہ قادریہ میں روزانہ صبح شام سُبْحَانَ اللّٰہِ سو بار' الحمد للہ سو بار' لا الٰہ الا اللہ سو بار' اَللّٰہُ اَکْبَرُ سو بار پڑھا جاتا ہے یہ وظیفہ اس حدیث سے لیا گیا۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّسْبِيْحُ نِصْفُ الْمِيْزَانِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ يَمْلَاُهُ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لَيْسَ لَهَا حِجَابٌ دُوْنَ اللّٰهِ حَتّٰى تَخْلُصَ اِلَيْهِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَّلَيْسَ اِسْنَادُهٗ بِالْقَوِيِّ)

(۲۲۰۵) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سُبْحَانَ اللّٰهِ آدھی میزان ہے اور الحمد للہ اسے بھر دے گی ۱؎ اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کیلئے رب سے کوئی آڑ نہیں سیدھا اس تک پہنچتا ہے ۲؎ (ترمذی) ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے اس کی اسناد قوی نہیں ۳؎

(۲۲۰۵) ۱؎ یعنی میزان کی نیکی کا پلہ آدھا سُبْحَانَ اللّٰهِ سے بھر دے گا اور آدھا الحمد للہ سے' یہ دونوں کلمے مل کر اسے پورا بھر دیں گے۔ کیونکہ اللہ کے ذکر دو قسم کے ہیں تنزیہ اور تحمید سُبْحَانَ اللّٰهِ میں تنزیہ ہے یعنی رب تعالٰی کو سارے عیوب سے پاک جاننا اور الحمد للہ میں تحمید یعنی اسے تمام کمالات سے موصوف ماننا میزان تو ان دو کلموں سے ہی بھر گئی' باقی نیکیاں زیادہ بچیں جن کا ثواب علاوہ ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان دو کلموں نے سارے گناہوں کو تو ختم کر دیا کہ سب گناہوں کے مقابلہ میں تو یہ دو کلمے ہی کافی ہو گئے۔ باقی نیکیاں نفع میں بچیں ۲؎ اس میں اشارۃً فرمایا کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ان دو کلموں سے بھی افضل ہے کیوں نہ ہو کہ یہ ساری تنزیہ وتحمید کو شامل ہے مطلب یہ ہے کہ کلمہ طیبہ بہت جلد قبول ہوتا ہے۔ براہ راست رب تعالٰی تک پہنچتا ہے جس قدر ہمارا اخلاص زیادہ اسی قدر کلمے کی قبولیت اعلٰی لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ کلمہ تو منافقین بھی پڑھتے تھے تو کیا وہ مقبول بارگاہ تھے ۳؎ مرقات نے فرمایا کہ اس حدیث کی اسناد واقعی ضعیف ہے مگر چونکہ اس میں حرام وحلال کے احکام مذکور نہیں' صرف کلمہ طیبہ کے فضائل کا بیان ہے اس لیے مقبول ہے۔

وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاقَالَ عَبْدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصًا قَطُّ اِلَّا فُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ السَّمَآءِ حَتّٰى يُفْضِىَ اِلَى الْعَرْشِ مَا اجْتَنَبَ الْكَبَائِرَ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

(۲۲۰۶) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بندہ کبھی خلوص دل سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ نہیں کہتا مگر اس کیلئے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں حتی کہ وہ کلمہ عرش تک پہنچ جاتا ہے جب تک کہ بندہ کبیرہ گناہوں سے بچا رہے ۱؎ (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

(۲۲۰۶) ۱؎ گناہ کبیرہ سے بچنے کی شرط کمال ثواب اور کمال قبولیت کیلئے ہے یعنی متقی مسلمان کا کلمہ اعلٰی درجہ کا مقبول ہوتا ہے اور فاسق و فاجر کا کلمہ قبول تو ہوتا ہے لیکن اس درجہ کا نہیں تمام ذکر مثل کارتوس ہیں اور ذاکر کی زبان مثل رائفل کے کہ شکار واقعی کارتوس کرتا ہے مگر رائفل کی طاقت سے' قلب کا اخلاص گویا بارود ہے کہ شکار گولی سے ہوگا مگر بارود کی امداد سے' لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ گناہ نیکی کو نہیں مٹاتا بلکہ نیکی گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔ رب تعالٰی فرماتا ہے: اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ (۱۱:۱۱۴) یہ حدیث اس آیت کیخلاف نہیں' متقی کی نیکی فساق کی نیکی سے افضل ہے بلکہ جیسا عامل کا درجہ ویسا ہی اسکے عمل کا ثواب' صحابہ کا ساڑھے چار سیر جو خیرات کرنا ہمارے پہاڑ بھر سونا خیرات کرنے سے افضل' کیوں؟ اس لیے کہ وہ عامل افضل ہیں۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِيْتُ اِبْرَاهِيْمَ لَيْلَةَ اُسْرِىَ بِىْ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اقْرَاْ اُمَّتَكَ مِنِّى السَّلَامَ وَاَخْبِرْهُمْ اَنَّ الْجَنَّةَ

(۲۲۰۷) روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شب معراج میں ہماری ملاقات ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی ۱؎ انہوں نے فرمایا یارسول اللہ اپنی امت

طَيِّبَةُ التُّرْبَةِ عَذْبَةُ الْمَآءِ وَاَنَّهَا قِيْعَانٌ وَّاَنَّ غِرَاسَهَا سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ اِسْنَادًا)

کو میرا سلام فرما دیں۲ اور انہیں بتا دیں کہ جنت کی زمین بہت زرخیز ہے وہاں کا پانی بہت شیریں جنت میں سفیدہ زمین بہت ہے وہاں کے درخت یہ کلمات ہیں اللہ پاک ہے اسی کی تعریف ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اللہ بہت بڑا ہے۳ (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث اسناد سے حسن وغریب ہے

(۲۲۰۷)۱ خصوصی ملاقات چھٹے آسمان پر، وہاں ہی گفتگو ہوئی۔عمومی ملاقات تو سارے انبیاء سے بیت المقدس میں ہو چکی تھی مگر وہاں یہ گفتگو نہ ہوئی وہاں کی گفتگو کچھ اور تھی جو انشاء اللہ حدیث معراج کی شرح میں عرض کی جائے گی۲ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ اللہ کے مقبول بندے بعد وفات ایک دوسرے سے بھی ملتے ہیں اور زندہ مقبول بندوں سے بھی دوسرے یہ کہ وہ حضرات زندوں کا سلام سنتے بھی ہیں اور انہیں سلام کہلواتے بھی ہیں۔ تیسرے یہ کہ وفات یافتہ بندوں کو اور جو ابھی پیدا نہ ہوئے ہوں ان کو بھی سلام کہلوانا جائز ہے جبکہ ان کو پہنچ سکے ابراہیم علیہ السلام نے قیامت تک کے مسلمانوں کو سلام کہلوایا جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم لوگوں تک پہنچ گیا۔ سلطان العارفین بایزید بسطامی خرقان پہنچے تو لوگوں کو خبر دی کہ اس سرزمین میں سو برس کے بعد خواجہ ابوالحسن خرقانی پیدا ہوں گے جو انہیں پائے میرا سلام پہنچائے مولانا فرماتے ہیں شعر:

آن شنیدی داستان بایزید | کہ از حال بوالحسن از پیش دید

آخر میں مولانا فرماتے ہیں شعر:

بلکہ قبل از زادن تو سالہا | مر مرترا داند بجملہ حالہا

صحابہ کرام قریب الوفات صحابہ سے فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارا سلام عرض کرنا چوتھے یہ کہ ہم کو بھی چاہیے کہ ابراہیم علیہ السلام کو بھی سلام کیا کریں کہ سلام کا جواب دینا ضروری ہے۳ یعنی جنت کی بعض زمین درختوں سے بھری ہوئی ہے اور وہ درخت پھلوں سے لدے ہوئے ہیں۔ اسی حصہ میں آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رکھا گیا اور بعض زمین سفیدہ ہے جس میں تمہارے وظیفوں و اعمال سے درخت لگیں گے۔ جب تم یہاں آ ؤ گے تو دونوں قسم کے باغ پاؤ گے۔ لہٰذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ اگر وہاں کی زمین سفیدہ ہے تو اسے جنت کیوں کہتے ہیں۔ جنت کے معنی تو ہیں باغ اور نہ یہ اعتراض ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں وہاں باغ اور پھل سب کچھ ملاحظہ فرمائے۔

وَعَنْ يُّسَيْرَةَ وَكَانَتْ مِنَ الْمُهَاجِرَاتِ قَالَتْ قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُنَّ بِالتَّسْبِيْحِ وَالتَّهْلِيْلِ وَالتَّقْدِيْسِ وَاعْقِدْنَ بِالْاَنَامِلِ فَاِنَّهُنَّ مَسْئُوْلَاتٌ مُّسْتَنْطَقَاتٌ وَّلَا تَغْفُلْنَ فَتُنْسَيْنَ الرَّحْمَةَ
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ)

(۲۲۰۸) روایت ہے حضرت یسیرہ سے آپ مہاجر بیویوں میں سے ہیں۱ فرماتی ہیں ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے بیبیو تسبیح و تہلیل اور رب کی پاکی بولنے کو لازم کرلو۲ انگلیوں پر گنا کرو۳ (عقد انامل) کہ انگلیوں سے سوال ہوگا انہیں گویائی بخشی جائے گی۴ اور کبھی غافل نہ ہونا ورنہ تم رحمت سے بھلا دی جاؤ گی۵ (ترمذی وابوداؤد)

(۲۲۰۸)۱؎ آپ کا نام یسیرہ بنت یاسر ہے مشہور صحابیہ ہیں۲؎ اس طرح کہ کسی حال میں سبوح قدوس ربنا ورب الملئکۃ والروح یاسبحان الملك القدوس یا دیگر تسبیحیں اسی قسم کی کبھی نہ چھوڑو اپنا منہ ان ذکروں سے تر رکھو۳؎ اس طرح کہ ان کا شمار انگلیوں کے پوروں پر کیا کرو یا عقد انامل کے ذریعہ پوری انگلیوں پر کیا کرو معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیبیاں عقد انامل جانتی ہوں گی۔ اسی لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں عقد انامل کا حکم تو دیا مگر اس کا طریقہ نہ بتایا۴؎ اس کی تائید قرآن کریم کی اس آیت سے ہے: یَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ (۲۴،۲۴) جس دن ان پر گواہی دیں گی ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں جو کچھ کرتے تھے (کنزالایمان) اور اس آیت سے ہے: وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ (۴۱،۲۲) اور تم اس سے کہاں چھپ کر جاتے کہ تم پر گواہی دیں تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں (کنزالایمان) ان سے معلوم ہوا کہ بمقابلہ دانوں پر شمار کرنے کے انگلیوں پر شمار کرنا افضل ہے اور یہ کہ اعضاء کو اچھے کاموں میں لگانا چاہیے۔ ورنہ یہ ہمارے خلاف گواہی دیں گے۵؎ یعنی اگر تم خدا کو بھول گئیں تو رب تعالٰی تمہیں اپنی رحمت سے دور کر دے گا۔ اگر اس کی رحمت چاہتی ہو تو اسے یاد رکھو۔ رب تعالٰی بھول چوک سے پاک ہے۔ اس لیے بھلائی جاؤ گی کے وہ ہی معنی ہیں جو عرض کیے گئے یعنی رحمت سے دوری رب تعالٰی فرماتا ہے: فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ (۲،۱۵۲) تو میری یاد کرو میں تمہارا چرچا کروں گا (کنزالایمان) تم مجھے یاد کرو میرے ذکر سے میں تمہیں یاد کروں گا اپنی رحمت سے مولانا فرماتے ہیں شعر:

گر تو خواہی زیستن با آبرو ذکر اوکن ذکر اوکن ذکر او

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ
تیسری فصل

عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ جَآءَ اَعْرَابِیٌّ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عَلِّمْنِیْ کَلَامًا اَقُوْلُہٗ قَالَ قُلْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْكَ لَہٗ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا وَّالْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْرًا وَّسُبْحَانَ اللّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ قَالَ فَھٰٓؤُلَآءِ لِرَبِّیْ فَمَالِیْ فَقَالَ قُلِ اللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاھْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ وَعَافِنِیْ شَكَّ الرَّاوِیْ فِیْ عَافِنِیْ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

(۲۲۰۹) روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بدوی حاضر ہوئے بولے مجھے کوئی وظیفہ سکھایئے جو میں پڑھ لیا کروں۱؎ فرمایا کہو اکیلے اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اللہ بہت ہی بڑا ہے اللہ کی بہت حمد ہے اللہ پاک ہے جہانوں کا پالنے والا اللہ غالب حکمت والے کے بغیر نہ طاقت ہے نہ قوت وہ بولے یہ تو رب کیلئے ہوئے میرے لیے کیا ہے۲؎ فرمایا یوں کہو الٰہی مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما مجھے ہدایت دے۔ مجھے روزی دے۳؎ مجھے امن نصیب کر۴؎ راوی کو عافنی میں کچھ شک ہے۵؎ (مسلم)

(۲۲۰۹)۱؎ بطور وظیفہ نمازوں کے بعد یا ویسے ہی اوقات مقررہ میں معلوم ہوا کہ مشائخ سے وظیفے پوچھنا اور ان کی اجازت حاصل کرنا سنت ہے کہ اجازت سے خاص تاثیر پیدا ہو جاتی ہے۔ ثواب حاصل کرنے کیلئے کسی اجازت وغیرہ کی ضرورت نہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ علاوہ نماز و تلاوت قرآن کے اور ورد وظیفے بھی کرنے چاہیں۔ نماز و تلاوت تو روحانی غذائیں ہیں اور یہ وظیفے روحانی میوے غذا اور

میوے دونوں ہی فائدہ مند ہیں۔۲؎ سُبْحَانَ اللهِ کیسے مزے کا سوال ہے یعنی یا حبیب اللہ ان الفاظ میں ربّ تعالیٰ کی حمد تو ہوگئی کچھ دعائیہ کلمے نہ آئے میں اس کی حمد بھی کرنی چاہتا ہوں اور اس سے بھیک مانگنی بھی۳؎ یعنی میرے گناہ بخش دے مغفرت فرما مجھ پر رحم کر کہ مجھے اطاعتوں کی توفیق دے اچھی زندگی گزارنے کی توفیق دے۔ ہدایت دے مجھے حلال روزی عطا فرما۴؎ یعنی مجھے ایسی مصیبت میں گرفتار نہ کر جس کا انجام میرے لیے برا ہو۔ (مرقات) عافیت کے یہ معنی نہایت نفیس ہیں اصل عافیت معصیت سے امن ہے۵؎ غالبًا راوی سے مراد صحابی ہوں یعنی اسناد کے آخری راوی ہوسکتا ہے کہ کوئی اور راوی مراد ہوں ان میں یہ شک ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عافنی فرمایا یا نہیں، بہتر یہ ہے کہ عافنی بھی پڑھا جائے، ممکن ہے کہ یہ بھی دعا کا جز ہو۔ عافیت میں دین و دنیا کی ساری عافیتیں داخل ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے معصیت کے مقابل مصیبت اختیار فرمائی کہ عرض کیا ربّ السجن احب الی مما یدعوننی الیه (۱۲:۳۳) کیونکہ معصیت کے مقابلے میں مصیبت عافیت ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰى شَجَرَةٍ يَّابِسَةِ الْوَرَقِ فَضَرَبَهَا بِعَصَاهُ فَتَنَاثَرَ الْوَرَقُ فَقَالَ اِنَّ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ تُسَاقِطُ ذُنُوْبُ الْعَبْدِ كَمَا يَتَسَاقَطُ وَرَقُ هٰذِهِ الشَّجَرَةُ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

(۲۲۱۰) روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک خشک پتوں والے درخت سے گزرے تو اس میں اپنی لاٹھی شریف ماری پتے جھڑ گئے۱؎ فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، سُبْحَانَ اللهِ اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ بندے کے گناہ یوں جھاڑ دیتے ہیں جیسے اس درخت کے پتے جھڑ گئے۲؎ (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

(۲۲۱۰)۱؎ ظاہر ہے کہ وہ درخت جنگلی تھا جس کا کوئی مالک نہیں، اس کے پھل پھول پتے ہر شخص لے سکتا ہے اور ممکن ہے کسی کے گھر یا باغ کا درخت ہو۔ چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کی جان و مال کے مالک ہیں اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر اجازت درخت کے پتے جھاڑ دیئے۔ ورنہ کسی کے مملوک درخت پر پتھر پھینکنا، لاٹھی سے اس کے پتے جھاڑنا ہمارے واسطے ممنوع ہے کہ یہ دوسرے کی ملک میں تصرف ہے۲؎ سُبْحَانَ اللهِ کیا نفیس تشبیہ ہے یعنی گناہوں میں گرفتار انسان سوکھے ہوئے درخت کی طرح ہے اور اس کے گناہ مثل پتوں کے، اور یہ کلمات گویا عصائے محبوبی ہیں جس سے وہ گناہ جھڑتے رہتے ہیں۔ اس میں صوفیانہ اشارہ اس جانب بھی ہے کہ یہ کلمات گناہوں سے اس وقت پاک کریں گے جب یہ کسی کامل کے ذریعہ کیے جائیں گے۔ کیونکہ اگرچہ درخت میں لگی لاٹھی ہی تھی مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک سے۔

وَعَنْ مَّكْحُوْلٍ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ لِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْثِرْ مِنْ قَوْلِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ كَنْزِ الْجَنَّةِ قَالَ مَكْحُوْلٌ فَمَنْ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا مَنْجَا مِنَ اللّٰهِ اِلَّا اِلَيْهِ كَشَفَ اللّٰهُ عَنْهُ سَبْعِيْنَ بَابًا مِنَ الضُّرِّ اَدْنَاهَا الْفَقْرُ

(۲۲۱۱) روایت ہے حضرت مکحول سے۱؎ وہ حضرت ابوہریرہ سے راوی فرماتے ہیں مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لاحول ولا قوة الا بالله زیادہ پڑھا کرو کہ یہ جنت کے خزانہ سے ہے۲؎ مکحول فرماتے ہیں کہ جو کوئی پڑھا کرے لاحول ولا قوة الا بالله اور لا منجا من الله الا اليه تو اللہ تعالیٰ اس سے ستر مصیبتوں کے دربند کردے گا جن میں سے ادنیٰ مصیبت فقیری ہے۳؎

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ لَيْسَ اِسْنَادُهٗ بِمُتَّصِلٍ وَّمَكْحُوْلٌ لَمْ يَسْمَعْ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ)

(ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا کہ اس حدیث کی اسناد متصل نہیں مکحول نے حضرت ابوہریرہ سے سنا نہیں ہے[۴]

(۲۲۱۱)[۱] آپ جلیل القدر تابعی ہیں۔حبشی النسل ہیں شام کے مفتی ہیں۔امام زہری فرماتے ہیں کہ چار علماء بڑے کامل ہیں۔ مدینہ منورہ میں ابن مسیب اور کوفہ میں امام شعبی' بصرہ میں خواجہ حسن بصری' شام میں مکحول[۲] اس کی شرح پہلے گزر چکی یعنی یہ جنت کی نفیس نعمتوں میں سے ہے جو اس دن کام آئیں گی جب مال و اولاد کچھ کام نہ آئیں کہ محفوظ خزانے خاص ضرورت کے وقت ہی کھولے جاتے ہیں[۳] مرقات نے فرمایا کہ یہاں فقیری سے مراد دل اور مال دونوں کی فقیری ہے۔یعنی اس کا عامل مال کا بھی غنی ہوگا اور دل کا بھی' کیونکہ جو اپنے کو رب کے سپرد کردے وہ یقیناً غیر سے مستغنی ہوتا ہے۔اس شخص پر اگر کبھی مال کی غریبی آ بھی گئی تو وہ دل کا فقیر نہ بنے گا[۴] کیونکہ جناب مکحول نے حضرت انس ابن مالک و اثلہ ابن اسقع اور ہندوزان صحابہ سے ملاقات کی ہے لیکن اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ مکحول جیسے جلیل القدر تابعی کا ایک راوی کا چھوڑ دینا کوئی مضر نہیں۔جب امام بخاری کی تعلیق معتبر ہے جس میں ایک راوی کا ذکر بھی نہیں ہوتا تو حضرت مکحول کا ایک راوی چھوڑ دینا کیوں مضر ہوگا۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ دَوَآءٌ مِّنْ تِسْعَةٍ وَّتِسْعِيْنَ دَآءً اَيْسَرُهَا الْهَمُّ

(۲۲۱۲) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ننانوے بیماریوں کی دعا ہے[۱] جن میں ادنیٰ بیماری غم ہے[۲]

(۲۲۱۲)[۱] بیماریوں سے مراد جسمانی' روحانی' دنیاوی' اخروی بیماریاں ہیں کہ لاحول شریف ان سب کا مکمل علاج ہے[۲] غم دنیاوی ہو یا دینی و اخروی لاحول شریف کی برکت سے ہر طرح کا غم دور ہوتا ہے۔معاش و معاد کی فکر سے بندہ آزاد ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ غم سے آزادی حق تعالٰی کی بڑی نعمت ہے کہ حق تعالٰی نے یونس علیہ السلام پر بڑا کرم یہ فرمایا کہ مچھلی کے شکم سے انہیں غم سے نجات دی۔فرماتا ہے فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ (۲۱'۸۸) تو ہم نے اس کی پکار سن لی اور اسے غم سے نجات بخشی (کنزالایمان) خیال رہے کہ غم آخرت رحمت بھی اور عذاب بھی' یہاں غم سے مراد دوسری قسم کا غم ہے شیطان کو بھی رب سے خوف ہے وہ کہتا ہے انی اخاف اللّٰہ رب العالمین اور مقربین کو بھی مگر شیطان کا خوف عذاب ہے جیسے مجرم کو حاکم سے ڈر لگتا ہے اور مومن کا یہ غم رحمت جیسے مطیع غلام کو آقا سے ہیبت ہوتی ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى كَلِمَةٍ مِّنْ تَحْتِ الْعَرْشِ مِنْ كَنْزِ الْجَنَّةِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَسْلَمَ عَبْدِيْ وَاسْتَسْلَمَ

(رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِيْ دَعَوَاتِ الْكَبِيْرِ)

(۲۲۱۳) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا میں تمہیں وہ کلمہ نہ بتادوں جو عرش کے نیچے سے آیا[۱] جنت کے خزانوں سے ہے[۲] وہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ ہے رب تعالٰی فرماتا ہے میرا بندہ فرمانبردار ہوگیا اور اس نے اپنے کو میرے سپرد کردیا[۳] یہ دونوں حدیثیں بیہقی نے دعوات کبیر میں نقل کیں۔

(۲۲۱۳)[۱] یہ ترجمہ بہت بہتر ہے کیونکہ من تحت العرش میں لفظ من ابتدائیہ ہے۔روزی کے خزانے آسمان میں ہیں۔رب تعالٰی فرماتا ہے: وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ (۵۱'۲۲) اور آسمان میں تمہارا رزق ہے (کنزالایمان) مگر خاص رحمت کا خزانہ عرش اعظم کے نیچے ہے۔ اسی خزانہ سے سورۂ بقر کی آخری آیات آئیں اور اسی خزانہ سے لاحول شریف آئی۔معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالٰی

کے تمام خزانوں کی خبر ہے۔ تب ہی تو فرماتے ہیں کہ یہ فلاں خزانہ کا موتی ہے۔۲؎ یعنی لاحول شریف عرش کے نیچے رہی۔ جنت کے خزانہ میں اس کا خزانہ تکوینی و تخلیقی زیر عرش ہے۔ خزانہ امانت جنت ہے جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نیل و فرات جنت کی نہریں ہیں ۳؎ یعنی جو بندہ لاحول شریف کی کثرت کرے تو ربّ تعالٰی اس کے متعلق فرشتوں سے فرماتا ہے کہ اس بندے نے اپنے کو بالکل میرے سپرد کر دیا۔ اب میں اس کی ہر بات کا والی وارث ہوگیا۔ بلاتشبیہ جیسے بچہ اپنے کو ماں کے حوالے کر دیتا ہے۔ تو اس کی ساری فکریں ماں اٹھالیتی ہے اور بچہ ہر فکر سے آزاد ہو جاتا ہے۔ یہ ربّ تعالٰی کی بڑی نعمت ہے کسی کسی کو میسر ہوتی ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ هِيَ صَلٰوةُ الْخَلَائِقِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَلِمَةُ الشُّكْرِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ كَلِمَةُ الْاِخْلَاصِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ تَمْلَأُ مَابَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَاِذَا قَالَ الْعَبْدُ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَسْلَمَ وَاسْتَسْلَمَ (رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

(۲۲۱۴) روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ آپ نے فرمایا سُبْحَانَ اللّٰهِ ساری مخلوق کی عبادت ہے۱؎ اور الحمدللہ کلمہ شکر ہے۲؎ اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اخلاص کا کلمہ ہے۳؎ اور اَللّٰهُ اَكْبَرُ آسمان و زمین کے درمیان کی فضا بھر دیتا ہے۴؎ اور جب بندہ کہتا ہے لاحول ولاقوۃ الا باللہ تو ربّ تعالٰی فرماتا ہے میرا بندہ مطیع ہو گیا اور اپنے کو میرے سپرد کر دیا (رزین)

(۲۲۱۴) ۱؎ یعنی ہر مخلوق ربّ تعالٰی کی تسبیح بزبان قال کرتی ہے۔ ربّ تعالٰی فرماتا ہے: وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ (۱۷،۴۴) اور کوئی چیز نہیں جو اسے سراہتی ہوئی اس کی پاکی نہ بولے (کنزالایمان) دوسری جگہ فرماتا ہے: قَدْ عَلِمَ صَلٰوتَهٗ وَتَسْبِیْحَهٗ (۲۴،۴۱) سب نے جان رکھی ہے اپنی نماز اور اپنی تسبیح (کنزالایمان) حق یہ ہے کہ ہر چیز کو ربّ تعالٰی کی معرفت حاصل ہے اور وہ بزبان قال نہ کہ فقط حال سے تسبیح کرتی ہیں۔ اولیاء اللہ ان تسبیحوں کو سنتے ہیں۔ صحابہ کرام کھاتے وقت لقمے کی تسبیح سنتے تھے۔ حتی کہ سبزہ کی تسبیح کی برکت سے عذاب قبر میں تخفیف ہوتی ہے۔۲؎ یعنی شکر کا ستون ہے یا شکر کی چوٹی ہے جس کے بغیر شکر مکمل نہیں ہوتا (از مرقات) ۳؎ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سے مراد پورا کلمہ ہے۔ اخلاص سے مراد ہے چھٹکارا اور رہائی یعنی اس کلمہ طیبہ کی برکت سے بندہ دنیا میں کفر سے اور آخرت میں دوزخ سے رہائی پاتا ہے۔ یا اخلاص ریاء کا مقابل ہے۔ بمعنی خلوص نیت یعنی یہ کلمہ اگر خلوص نیت سے پڑھا جائے تو مفید ہے۴؎ کہ اس کا ثواب اس کی عظمت ان تمام چیزوں کو بھر دیتی ہے۔ یہ ہمیں سمجھانے کیلئے ہے کہ ہماری کوتاہ نظریں ان آسمان زمین تک ہی محدود ہیں۔ ورنہ ربّ تعالٰی کی کبریائی کے مقابل آسمان و زمین کی کیا حقیقت ہے یہ ایسے ہے جیسے ربّ تعالٰی نے فرمایا کہ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ (۲،۱۱۶) اسی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے (کنزالایمان) حالانکہ اس کی ملکیت آسمان و زمین میں محدود نہیں۔

بَابُ الْاِسْتِغْفَارِ وَالتَّوْبَةِ — بخشش مانگنے اور توبہ کرنے کا باب

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

استغفار کے معنی ہیں گزشتہ گناہوں کی معافی مانگنا اور توبہ کی حقیقت ہے آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد کر لینا یا زبان سے گناہ نہ کرنے کا عہد استغفار ہے اور دل سے عہد توبہ۔ استغفار غفر سے بنا بمعنی چھپانا یا چھلکا و پوست، چونکہ استغفار کی برکت سے گناہ ڈھک جاتے

ہیں۔اس لیے اسے استغفار کہتے ہیں توبہ کے معنی رجوع کرنا۔اگر یہ حق تعالیٰ کی صفت ہوتو اس کے معنی ہوتے ہیں ارادہ عذاب سے رجوع فرمالینا' اور اگر یہ بندے کے صفت ہوتو اس کے معنی ہوتے ہیں گناہ سے اطاعت کی طرف' غفلت سے ذکر کی طرف' غیبت سے حضور کی طرف لوٹ جانا' توضیح یہ ہے کہ بندہ گزشتہ گناہوں پر نادم ہو۔آئندہ نہ کرنے کا عہد کرے اور جس قدر ہو سکے اسی قدر گزشتہ گناہوں کا عوض اور بدلہ کردے۔نمازیں ہوں تو قضا کرے۔کسی کا قرض رہ گیا ہے تو ادا کردے۔حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ توبہ کا کمال یہ ہے کہ دل لذت گناہ بلکہ گناہ بھول جائے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ فِی الْیَوْمِ اَكْثَرَ مِنْ سَبْعِیْنَ مَرَّةً (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

(۲۲۱۵) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ربّ کی قسم میں ایک دن میں ستر بار سے زیادہ ربّ سے مغفرت مانگتا ہوں اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں[1] (بخاری)

(۲۲۱۵)[1] توبہ و استغفار روزے نماز کی طرح عبادت بھی ہے۔اسی لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر عامل تھے یا یہ عمل ہم گنہگاروں کی تعلیم کیلئے ہے۔ورنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں۔گناہ آپ کے قریب بھی نہیں آتا۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہم لوگ گناہ کر کے توبہ کرتے ہیں اور وہ حضرات عبادت کر کے توبہ کرتے ہیں۔شعر:

زاہداں از گناہ توبہ کنند　　　عارفاں از عبادت استغفار

سیدنا علی مرتضی فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں کیلئے دنیا میں دو امانیں ہیں۔ایک نے پردہ فرمالیا اور دوسری قیامت تک ہمارے پاس ہے۔یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور استغفار۔

وَعَنِ الْاَغَرِّ الْمُزَنِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهٗ لَیُغَانُ عَلٰی قَلْبِیْ وَاِنِّیْ لَاَ سْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِی الْیَوْمِ مِائَةَ مَرَّةً (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۲۱۶) روایت ہے حضرت اغر مزنی سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرے دل پر پردہ آتا رہتا ہے حالانکہ میں دن میں سو بار استغفار پڑھتا ہوں[1] (مسلم)

(۲۲۱۶)[1] یغان غین سے بنا بمعنی پردہ' اسی لیے سفید بادل کو غین کہا جاتا ہے۔اس پردے کے متعلق شارحین نے بہت خامہ فرسائی کی ہے۔بعض کے نزدیک اس سے مراد حضور کی دنیا میں مشغولیت ہے۔بعض نے فرمایا کہ اس سے سونا مراد ہے۔بعض کے خیال میں اس سے مراد اجتہادی خطائیں ہیں مگر حق یہ ہے کہ یہاں غین سے مراد اپنی امت کے گناہوں کو دیکھ کر غم فرمانا ہے اور استغفار سے مراد ان گنہگاروں کیلئے استغفار کرنا ہے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تا قیامت اپنی امت کے سارے حالات پر مطیع ہیں۔ان گناہوں کو دیکھتے ہیں۔دل کو صدمہ ہوتا ہے۔اس صدمہ کے جوش میں انہیں دعائیں دیتے ہیں۔(لمعات' مرقات' اشعہ وغیرہ) اس کی تائید قرآن کی اس آیت سے ہوتی ہے: عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَاعَنِتُّمْ (۹'۱۲۸) جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے (کنزالایمان) شعر:

آنچہ تو کردی کسے باخود نہ کرد　　　روح پاک مصطفیٰ آمد بدرد

بدنصیبیں تم ان کی خاطر　　　رات بھر روؤ کراہو

بد کریں ہم دم برائی　　　تم کہو ان کا بھلا ہو

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَـآاَيُّهَا النَّاسُ تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ فَاِنِّىْ اَتُوْبُ اِلَيْهِ فِى الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۲۱۷) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے لوگو اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو۱ دیکھو میں دن میں سو بار توبہ کرتا ہوں۲ (مسلم)

(۲۲۱۷)۱ؔ ظاہر یہ ہے کہ لوگوں سے مراد مسلمان ہیں۔ ربّ تعالٰی فرماتا ہے: تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ (۳۱،۲۴) اور اللہ کی طرف توبہ کرو اے مسلمانو! سب کے سب (کنزالایمان) اور ہوسکتا ہے کہ سارے انسانوں سے خطاب ہو یعنی اے کافرو کفر سے توبہ کرو۔ اے گنہگارو! گناہوں سے باز آجاؤ۔ اے نیک کارو اپنی نیکی کو کم جانو اور توبہ کرو۔ معلوم ہوا کہ ہر شخص توبہ کا حاجت مند ہے۔۲ؔ جو پہلے عرض کیا گیا تھا اس کی تائید اس جملے سے ہوگئی۔ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری تعلیم کیلئے توبہ کرتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ جب ہم معصوم ہوکر روزانہ سو بار توبہ کرتے ہیں تو تم کو چاہیے کہ تم ہزاروں بار توبہ کیا کرو۔

وَعَنْ اَبِىْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْمَا يَرْوِىْ عَنِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اَنَّهٗ قَالَ يَا عِبَادِىْ اِنِّىْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰى نَفْسِىْ وَجَعَلْتُهٗ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا فَلَا تَظَالَمُوْا يَاعِبَادِىْ كُلُّكُمْ ضَآلٌّ اِلَّا مَنْ هَدَيْتُهٗ فَاسْتَهْدُوْنِىْ اَهْدِكُمْ يَا عِبَادِىْ كُلُّكُمْ جَآئِعٌ اِلَّا مَنْ اَطْعَمْتُهٗ فَاسْتَطْعِمُوْنِىْ اُطْعِمْكُمْ يَاعِبَادِىْ كُلُّكُمْ عَارٍ اِلَّا مَنْ كَسَوْتُهٗ فَاسْتَكْسُوْنِىْ اَكْسُكُمْ يَا عِبَادِىْ اِنَّكُمْ تُخْطِؤُنَ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَاَنَا اَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا فَاسْتَغْفِرُوْنِىْ اَغْفِرْلَكُمْ يَا عِبَادِىْ اِنَّكُمْ لَنْ تَبْلُغُوْا ضَرِّىْ فَتَضُرُّوْنِىْ وَلَنْ تَبْلُغُوْا نَفْعِىْ فَتَنْفَعُوْنِىْ يَا عِبَادِىْ لَوْ اَنَّ اَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوْا عَلٰى اَتْقٰى قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنْكُمْ مَازَادَ ذٰلِكَ فِىْ مُلْكِىْ شَيْئًا يَاعِبَادِىْ لَوْ اَنَّ اَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوْا عَلٰى اَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنْكُمْ مَانَقَصَ ذٰلِكَ مِنْ مُّلْكِىْ شَيْئًا يَاعِبَادِىْ لَوْ اَنَّ اَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ قَامُوْا فِىْ صَعِيْدٍ وَّاحِدٍ فَسَاَلُوْنِىْ فَاَعْطَيْتُ كُلَّ اِنْسَانٍ مَسْئَلَتَهٗ مَانَقَصَ ذٰلِكَ مِمَّا عِنْدِىْ اِلَّا كَمَا

(۲۲۱۸) روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان روایتوں میں جو حضور اپنے ربّ تبارک و تعالٰی سے روایت فرماتے ہیں کہ ربّ نے فرمایا اے میرے بندوں میں نے ظلم کو اپنے نفس پر حرام فرمالیا ہے۱ اور تمہارے آپس میں بھی ظلم کو حرام فرمادیا۲ لہذا ظلم نہ کرو اے میرے بندو تم سب گمراہ ہو بجز اس کے جسے میں ہدایت دے دوں۔ لہذا مجھ سے ہدایت مانگو ہدایت دوں گا۳ اے میرے بندو تم سب بھوکے ہو۔ بجز اس کے جسے میں روزی دوں لہذا مجھ سے کھانا مانگو تمہیں دوں گا۔ اے میرے بندو تم سب ننگے ہو بجز اس کے جسے میں پہناؤں لہذا مجھ سے لباس مانگو میں دوں گا اے میرے بندو تم دن رات کے خطا کار ہو اور میں سارے گناہ بخشتا رہتا ہوں مجھ سے مغفرت مانگو میں تمہیں بخش دوں گا۵ اے میرے بندو تم میرے نقصان کو نہیں پہنچ سکتے کہ مجھے نقصان پہنچا دو اور نہ میرے نفع تک تمہاری رسائی ہے کہ مجھے نفع دو۶ اے میرے بندو اگر تمہارے اگلے پچھلے انسان و جن اپنے کسی بڑے پرہیزگار کے دل پر متفق ہوجائیں ۷ تو تمہارا یہ متفقہ تقوٰی میرے ملک میں کچھ بڑھائے گا نہیں ۸ اے میرے بندو اگر تمہارے اگلے پچھلے انسان و جن اپنے میں سے کسی بڑے بدکار کے دل پر متفق ہوجائیں تو تمہاری یہ متفقہ بدکاری میرے ملک میں کچھ کمی نہ کردے گی۹ اے میرے بندو اگر تمہارے اگلے پچھلے

يَنْقُصُ الْمِخْيَطُ اِذَا اُدْخِلَ الْبَحْرَ يَاعِبَادِيْ اِنَّمَا هِيَ اَعْمَالُكُمْ اُحْصِيهَا عَلَيْكُمْ ثُمَّ اُوَفِّيكُمْ اِيَّاهَا فَمَنْ وَجَدَ خَيْرًا فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ وَمَنْ وَّجَدَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَلَايَلُوْمَنَّ اِلَّا نَفْسَهٗ

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

انسان و جن ایک میدان میں کھڑے ہو کر مجھ سے بھیک مانگیں پھر میں ہر انسان کا سوال پورا کر دوں تو یہ میرے خزانوں کے مقابلہ ایسا حقیر ہو گا جیسے سوئی کی تری جب وہ دریا میں ڈبوئی جائے ۱۰؎ اے میرے بندو میں تمہارے اعمال شمار میں رکھ رہا ہوں پھر ان کا بدلہ تمہیں پورا پورا دوں گا ۱۱؎ جو نیکی پائے تو وہ اللہ کی حمد کرے اور جو اس کے علاوہ پائے وہ صرف اپنے کو ہی ملامت کرے ۱۲؎ (مسلم)

(۲۲۱۸) ۱؎ یہاں حرمت سے مراد شرعی حرمت نہیں' کیونکہ حق تعالیٰ پر نہ کوئی حاکم ہے اور نہ اس پر شرعی احکام جاری ہیں بلکہ اس سے مراد ہے برتر ہونا' منزہ ہونا' پاک ہونا' رب تعالیٰ کیلئے کوئی شے' ظلم ہو سکتی ہی نہیں کیونکہ ظلم کے معنی ہیں دوسرے کی ملک میں' زیادتی کرنا' یا کسی چیز کو بے محل استعمال کرنا ان دونوں سے پروردگار پاک ہے۔ کیونکہ ہر چیز اس کی ملک ہے اور جس کے استعمال کیلئے جو جگہ مقرر فرما دے وہی اس کا صحیح مصرف ہے۔ اس کے افعال یا عدل ہیں یا فضل' اس کے معنی یہ ہیں کہ میں ظلم سے منزہ اور پاک ہوں۔ میرا کوئی کام ظلم نہیں ہو سکتا۔ بعض نے فرمایا کہ یہاں ظلم سے مراد بے قصور کو سزا دینا ہے واللہ اعلم۔ ۲؎ لہٰذا تم کسی پر جانی' مالی یا آبروریزی کا ظلم نہ کرو۔ یہ تمام جرموں سے بڑا جرم ہے کہ یہ حق العباد ہے توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتا۔ ۳؎ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری پیدائش تاریکی میں ہوئی پھر ہم پر نور کا چھینٹا دیا گیا' اگر ہم کو ہمارے نفسوں پر چھوڑ دیا جائے تو ہم عقیدۃً عملاً بدی ہی کریں گے اگر وہ اپنا فضل کرے تو ہم نیکی کریں' ہم ببول کا درخت ہیں۔ ہمارے پاس سواء گناہوں کے کانٹوں کے اور کیا ہے۔ ہماری صفت ہے اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا لہٰذا یہ حدیث اس کیخلاف نہیں کہ بچہ فطرت یعنی توحید پر پیدا ہوتا ہے کہ وہاں دنیا میں آنے کا ذکر ہے اور یہاں ہماری اصل پیدائش کا' خیال رہے کہ حضرات انبیاء و اولیاء بھی رب تعالیٰ ہی کی ہدایت سے ہدایت یافتہ ہیں مگر وہ ہمارے لیے ہدایت کا مرکز ہیں کہ ہم ان سے ہی ہدایت لے سکتے ہیں۔ جیسے سورج کو نور رب تعالیٰ نے دیا ہے۔ مگر چاند تارے اور زمین اس سے ہی نور لیتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۴۲، ۵۲) اور بے شک تم ضرور سیدھی راہ بتاتے ہو (کنزالایمان) ۴؎ یعنی تم روحانی و جسمانی غذاؤں میں میرے محتاج ہو اسی طرح قلب قالب' روح کے لباس میں میرے حاجت مند ہو۔ غذا کا ہر حیوان حاجت مند ہے اور لباس کا صرف انسان' خیال رہے کہ تمام انبیاء اولیاء اور بادشاہ رب تعالیٰ کے حاجت مند ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ (۴۷، ۳۸) اور اللہ بے نیاز ہے اور تم سب محتاج (کنزالایمان) مگر اس کے محبوب بندے مخلوق کے حاجت روا ہیں باذن پروردگار۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ (۹، ۷۴) اللہ و رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا (کنزالایمان) بادل بھی رب کا محتاج اور زمین بھی' مگر بادل زمین کا محتاج الیہ ہے کہ ہر وقت زمین کو بادل کی ضرورت ہے۔ ۵؎ خطا کے معنی ہیں غلط راستہ پر چلنا بھول کر ہو یا جان بوجھ کر لہٰذا اس میں خطائیں' بھول چوک' عمداً گناہ سب داخل ہیں۔ علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ یہاں روئے سخن عام بندوں سے ہے۔ معصومین حضرات جیسے فرشتے' انبیاء اس حکم سے خارج ہیں کہ اگرچہ بعض انبیاء سے خطائیں سرزد ہوئیں مگر عمر بھر میں ایک دو نہ کہ دن رات اور ہر وقت نیز ان کی وہ خطائیں بھی ان کی شان کے لائق ہیں۔ ہماری عبادتوں سے افضل ہیں۔ سارے عالم کا ظہور حضرت آدم کی ایک خطا کی برکت سے ہے۔ لہٰذا اس سے عصمت انبیاء پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔ ۶؎ اس کی شرح اگلے جملے سے ہو رہی ہے کہ تمہاری عبادتوں سے میرا نفع نہیں اور تمہارے گناہوں سے میرا نقصان نہیں' بلکہ ان میں نفع نقصان خود

تمہارا ہے ۷؎ یعنی دنیا کے کسی بڑے پرہیز گار کو لے لو پھر سوچو کہ اگر تمام جہان کا دل اس پرہیز گار کا سا ہو جائے اور ساری دنیا اس نیک و صالح کی طرح نیکیاں ہمیشہ کیا کرے۔ اس ترجمہ سے یہ جملہ بالکل واضح ہو گیا۔ اس پر کوئی اعتراض نہ رہا ۸؎ لہذا کوئی شخص یہ سمجھ کر عبادت نہ کرے کہ میری عبادت سے ربّ تعالٰی کے خزانے بڑھ جائیں گے بلکہ اس کا احسان مانے کہ اس نے اپنے آستانہ پر بلا لیا۔ ۹؎ اس کا مطلب بھی وہ ہی ہے جو پہلے جملہ میں عرض کیا گیا کہ دنیا کے بادشاہوں کا رعایا کے بگڑ جانے سے نقصان ہوتا ہے۔ آمدنی میں کمی ہو جاتی ہے خزانہ خالی رہ جاتا ہے مگر ربّ تعالٰی وہ بے نیاز ہے کہ ساری خلق کی بدکاری سے اس کا کوئی نقصان نہیں۔ خیال رہے کہ یہ مضمون ایسا ہی ہے جیسے ربّ تعالٰی فرماتا ہے کہ اگر ربّ تعالٰی کی اولاد ہوتی تو پہلے میں ہی اسے پوجتا' نہ ربّ تعالٰی کی اولاد ممکن ہے نہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسے پوجنا ممکن ایسے ہی تمام بندوں کا گنہگار ہو جانا غیر ممکن ہے۔ فرشتے انبیاء معصومین اور اولیاء محفوظین بفضلہ تعالٰی گناہ کرتے ہی نہیں۔ ربّ تعالٰی فرماتا ہے: اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ (۱۷،۶۵) بے شک جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا کچھ قابو نہیں (کنزالایمان) غرضیکہ اس جملے سے عصمت انبیاء کیخلاف دلیل نہیں پکڑی جا سکتی۔ ۱۰؎ اس جملے کا یہی ترجمہ درست ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میری یہ عطا میرے خزانوں کو سوئی کی تری کی بقدر کم کر دیں گے۔ وہاں کمی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سورج ہزار ہا سال سے دنیا کو روشنی دے رہا ہے۔ مگر اس کی روشنی میں مطلقاً کمی نہ ہوئی۔ جب ربّ تعالٰی کی تجلیوں کا یہ حال ہے تو اس کے خزانوں کا کیا حال ہوگا۔ اور یہ نسبت بھی فقط سمجھانے کیلئے ہے۔ ورنہ ربّ تعالٰی کے خزانے غیر محدود ہیں۔ اور اس کی عطائیں محدود' کیونکہ لینے والے محدود' اور محدود کی غیر محدود سے نسبت کیسی؟ ۱۱؎ اس طرح کہ نیک کار کی جزاء میں کمی نہ کروں گا اور بدکار کی سزا میں زیادتی نہ کروں گا اس کا مطلب یہ نہیں کہ نیک کار کو زیادہ نہ دوں اور گنہگار کو معاف نہ کروں۔ یہاں عدل کا ذکر ہے۔ عدل فضل کیخلاف نہیں۔ لہذا حدیث واضح ہے۔ نہ آیات قرآنی کیخلاف ہے اور نہ دیگر احادیث کے مخالف ۱۲؎ خلاصہ یہ ہے کہ بندہ نیکیوں کو ربّ تعالٰی کی توفیق سے سمجھے اور گناہوں کو اپنی شامت نفس سے جانے بلکہ ہر نقص کو اپنی طرف منسوب کرے اور کمال کو ربّ تعالٰی کی طرف ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ بیمار میں ہوتا ہوں' شفاء وہ دیتا ہے ورنہ ہر خیر و شر کا خالق و مالک ربّ تعالٰی ہی ہے لہذا یہ حدیث اس کیخلاف نہیں والقدر خیرہ و شرہ من اللہ تعالٰی۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِیْ بَنِیْۤ اِسْرَآئِیْلَ رَجُلٌ قَتَلَ تِسْعَةً وَّتِسْعِیْنَ اِنْسَانًا ثُمَّ خَرَجَ یَسْاَلُ فَاَتٰی رَاهِبًا فَسَاَلَهٗ فَقَالَ اَلَهٗ تَوْبَةٌ قَالَ لَا فَقَتَلَهٗ وَجَعَلَ یَسْاَلُ فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ اِئْتِ قَرْیَةَ كَذَا وَكَذَا فَاَدْرَكَهُ الْمَوْتُ فَنَآءَ بِصَدْرِهٖ نَحْوَهَا فَاخْتَصَمَتْ فِیْهِ مَلٰٓئِكَةُ الرَّحْمَةِ وَمَلٰٓئِكَةُ الْعَذَابِ فَاَوْحَی اللّٰهُ اِلٰی هٰذِهٖۤ اَنْ تَقَرَّبِیْ وَاِلٰی هٰذِهٖۤ اَنْ تَبَاعَدِیْ فَقَالَ قِیْسُوْا مَابَیْنَهُمَا فَوُجِدَ اِلٰی هٰذِهٖ اَقْرَبَ بِشِبْرٍ فَغُفِرَلَهٗ

(۲۲۱۹) روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے ننانوے آدمی مار ڈالے تھے ۱؎ پھر مسئلہ پوچھنے نکلا تو ایک پادری کے پاس پہنچا ۲؎ اس سے پوچھا کہ کیا اس کی توبہ ہو سکتی ہے وہ بولا نہیں ۳؎ اس نے اسے بھی مار دیا ۴؎ اور مسئلہ پوچھتا پھرا اسے کسی نے بتایا کہ فلاں بستی میں جا ۵؎ اسی حال میں اسے موت آ گئی تو اس نے اپنا سینہ اس بستی کی طرف کر دیا ۶؎ اس کے متعلق رحمت و عذاب کے فرشتوں نے جھگڑا کیا ۷؎ ربّ نے اس بستی کی طرف حکم بھیجا کہ قریب آ جا اور اس بستی کی طرف کہ دور ہو جا پھر فرمایا ان

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ) دونوں بستیوں کے درمیان ناپو پھر وہ اس بستی کی طرف ایک بالشت قریب پایا گیا چنانچہ اس کی مغفرت کردی گئی ۸؎(مسلم بخاری)

(۲۲۱۹)۱؎ ظلماً ڈکیتی سے یا کسی اور طرح ۲؎ یعنی جب اس کی موت قریب آئی تو رحمت خداوندی نے دستگیری کی۔ اپنے کیے پر پشیمان ہوا اور اس گناہوں کے شہر سے نکل کھڑا ہوا۔ مسئلہ پوچھنے عالم وقت کے پاس گیا راہب رھبٌ سے بنا بمعنی خوف اصطلاح میں راہب وہ پادری جوگی کہلاتے تھے جو خوف خدا میں تارک الدنیا ہو جاتے تھے۔ گوشہ میں بیٹھ کر اللہ اللہ ہی کرتے تھے ان میں سے اکثر عالم بھی ہوتے تھے۔ یہود و نصاریٰ کے ہاں ترک دنیا بہترین عبادت تھی۔ ہمارے اسلام میں ممنوع ہے ۳؎ یا تو وہ راہب توبہ کے مسئلے سے جاہل تھا اور یا اس کا مطلب یہ تھا کہ قتل حق العباد ہے مقتول کے ورثاء سے اس میں معافی مانگنا ضروری ہے۔ اتنے بہت سے مقتولوں کے وارثوں کے پاس یہ کیسے پہنچے گا اور انہیں کیسے راضی کرے گا۔ بہرحال اس راہب نے مسئلہ غلط بتایا ۴؎ بخشش سے مایوسی کی وجہ سے وہ گناہ پر دلیر ہو گیا۔ مایوس بلی کتے پر حملہ کر دیتی ہے۔ اسی لیے اسلام نے بڑے سے بڑے مجرم کو بھی بخشش سے مایوس نہ کیا۔ پھانسی والے ملزم کو تمام قیدیوں سے الگ کال کوٹھڑی میں رکھتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنی زندگی سے مایوس ہو کر اور دو چار کو قتل نہ کر دے۔ آریوں کے ہاں توبہ کوئی چیز نہیں۔ ان کے مذہب نے گناہ پر دلیر کیا ہے۔ ۵؎ پہلا کذا نام بتانے کیلئے ہے اور دوسرا کذا بیان اوصاف کیلئے یعنی فلاں نام کی بستی جو فلاں طرف ہے جس میں اللہ کے بہت نیک بندے رہتے ہیں تو وہاں جا اور فلاں سے مسئلہ پوچھ ۶؎ یعنی اس طرح گر کر مرا کہ اس کا چہرہ اور سینہ تو اس عالم کی بستی کی طرف تھا۔ جہاں جا رہا تھا اور پیٹھ اس گناہوں کی بستی کی طرف جہاں سے آ رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ کو اس کی یہ ادا پسند آ گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسئلہ پوچھنے کیلئے عالموں کے پاس جانا عبادت ہے۔ نیز عالم کے شہر کی تعظیم اور اس طرف منہ کر کے سونا یا مرنا بھی ربّ تعالیٰ کو پسند ہے۔ سنت یہ ہے کہ مومن کعبہ کو منہ اور سینہ کر کے سوئے۔ میت کو کعبہ کے رخ دفن کرو۔ بعض عشاق مدینہ منورہ یا بغداد شریف کی طرف منہ کر کے دعائیں مانگتے ہیں۔ نماز غوثیہ میں بعد نماز گیارہ قدم بغداد شریف کی طرف منہ کر کے چلتے ہیں اور ادھر ہی منہ کر کے دعا مانگتے ہیں۔ ان سب کی اصل یہ حدیث ہے۔ دیکھو اس شہر میں کعبہ یا بیت المقدس نہ تھا۔ صرف ایک عالم کی بستی تھی جس کے ادب کی برکت سے بخشا گیا۔ ربّ تعالیٰ نے توبہ کرنے والے بنی اسرائیل سے فرمایا تھا: وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ (۲،۵۸) اور دروازہ میں سجدہ کرتے داخل ہو اور کہو ہمارے گناہ معاف ہوں (کنزالایمان) اس نبیوں کے شہر میں سجدہ کرتے جاؤ اور وہاں ہم سے معافی مانگو ۷؎ یعنی یہ شخص بالکل بیچ میں تھا کہ اسے موت آ گئی۔ اس کی روح لینے کیلئے رحمت کے فرشتے بھی آ گئے اور عذاب کے بھی' عذاب والے فرشتے کہتے تھے کہ یہ ہمارا ہے۔ بڑے گناہ کر کے آیا تھا۔ رحمت والے فرشتے کہتے تھے کہ یہ ہمارا ہے توبہ کرنے جا رہا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ فرشتوں کیلئے ربّ تعالیٰ کی طرف سے قانون مقرر کر دیا گیا ہے۔ کس قسم کی میت کو عذاب کے فرشتے لیں اور کس کو رحمت کے وہ اسی قانون کے تحت ہر میت تک پہنچ جاتے ہیں۔ لہٰذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ فرشتے تو خدا کے حکم سے آتے ہیں۔ یہاں ربّ تعالیٰ نے دونوں قسم کے فرشتے بھیجے ہی کیوں' لہٰذا یہ حدیث اس آیت کیخلاف نہیں: وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ (۱۹،۶۴) (اور جبریل نے محبوب سے عرض کی) ہم فرشتے نہیں اُترتے مگر حضور کے ربّ کے حکم سے (کنزالایمان) کیونکہ وہاں امر سے مراد کلی امر ہے جیسے ربّ تعالیٰ نے ہم کو نمازوں وغیرہ کا کلی امر دے رکھا ہے ۸؎ یعنی اس کی موت بالکل درمیان میں واقع ہوئی تھی۔ ربّ تعالیٰ نے ارادہ توبہ کی وجہ سے اس کا اتنا احترام فرمایا کہ اس کی لاش کو اس بستی کی

طرف نہ سرکایا بلکہ دونوں بستیوں کو حرکت دی کہ اس کو پیچھے ہٹایا اس کو آگے بڑھایا۔ خیال رہے کہ ربّ تعالیٰ جب بندے سے راضی ہو جائے تو اپنے حقوق تو خود معاف کردیتا ہے اور بندوں کے حقوق حق والوں سے معاف کرا دیتا ہے۔ اس موقع پر بھی ربّ تعالیٰ نے مقتولوں کو کچھ دے کر معاف کرا دیا۔ لہٰذا حدیث پر نہ تو یہ اعتراض ہے کہ ظلماً قتل حق العباد تھے بغیر بندوں کے معاف کیے اس کی بخشش کیسے ہوگئی اور نہ یہ کہ دو بستیوں کو کیوں ہٹایا۔ لاش کو ہی کیوں نہ سرکا دیا۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَوْلَمْ تُذْنِبُوْا لَذَهَبَ اللّٰهُ بِكُمْ وَلَجَآءَ بِقَوْمٍ یُّذْنِبُوْنَ فَیَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ فَیَغْفِرُلَهُمْ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۲۲۰) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تمہیں لے جائے اور ایسی قوم لائے جو گناہ کریں پھر معافی مانگیں تو اللہ انہیں بخشے[۱] (مسلم)

(۲۲۲۰) [۱] اس حدیث کا مقصد لوگوں کو گناہ پر دلیر کرنا نہیں بلکہ توبہ کی طرف مائل کرنا ہے یعنی اے انسانو اگر تم بھی فرشتوں کی طرح سارے ہی معصوم بے گناہ ہوتے تو کوئی قوم ایسی پیدا کی جاتی جو غلطی و خطاء سے گناہ کرلیا کرتی پھر توبہ کرتی۔ اسے ربّ تعالیٰ معاف کرتا کیونکہ خلقت ربّ تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہے اور جیسے ربّ کی صفت رزاق ہے ایسے ہی اس کی صفت غفار بھی ہے۔ رزاقیت کا ظہور رزق و مرزوق سے ہوتا ہے۔ غفاریت کی جلوہ گری گناہ اور گنہگار سے ہوتی ہے جو یہ حدیث دیکھ کر گناہ پر دلیر ہو اور پھر گناہ کرے تو کافر ہوا۔ اور یہاں ذکر گناہ کا ہے نہ کہ کفر کا' خلاصہ یہ ہے کہ اے گنہگار ربّ کی رحمت سے مایوس نہ ہو بلکہ توبہ کرلے۔ وہ غفور رحیم ہے۔ تجھ سے گناہ کا صدور تقاضائے حکمت الٰہی ہے۔ تم سے کوئی گناہ نہ ہو یہ ناممکن ہے۔ یہاں سے جانے سے مراد ہلاک کرنا نہیں ہے بلکہ انہیں آسمانوں پر پہنچا دینا۔ فرشتوں کے ساتھ رکھنا اور زمین پر دوسری قوم قابل گناہ کو بسانا مراد ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ یَدَهٗ بِاللَّیْلِ لِیَتُوْبَ مُسِیْٓءُ النَّهَارِ وَیَبْسُطُ یَدَهٗ بِالنَّهَارِ لِیَتُوْبَ مُسِیْٓءُ اللَّیْلِ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۲۲۱) روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ اپنا دست کرم رات کو پھیلاتا ہے تاکہ دن کا گنہگار توبہ کرلے اور دن کو پھیلاتا ہے کہ رات کا گنہگار توبہ کرلے[۱] یہ کرم نوازی اس وقت تک ہوگی جب کہ سورج پچھم سے نکلے[۲] (مسلم)

(۲۲۲۱) [۱] ہاتھ پھیلانے سے مراد عفو و کرم کا وسیع کردینا' پھیلا دینا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ربّ کا کرم بہت وسیع ہے۔ گنہگار کو ہر وقت کرم میں لینے کو تیار ہے کوئی آنے والا ہو۔[۲] اس وقت توبہ کا دروازہ بند ہوجائے گا۔ ربّ تعالیٰ فرماتا ہے: یَوْمَ یَاْتِیْ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّكَ لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُهَا (۶،۱۵۸) جس دن تمہارے ربّ کی وہ ایک نشانی آئے گی کسی جان کو ایمان لانا کام نہ دے گا (کنزالایمان) مرقاۃ نے یہاں فرمایا کہ اس وقت سے ان لوگوں کی توبہ قبول نہ ہوگی جو سورج کو پچھم سے نکلتے دیکھیں گے لیکن جو لوگ اس واقعہ کے بعد پیدا ہوں ان کی توبہ کفر بھی قبول ہوگی اور توبہ گناہ بھی کہ انہوں نے یہ علامات قیامت دیکھی ہی نہیں۔ حضرت استاذ و مرشد صدر الافاضل مراد آبادی قدس سرہ فرماتے تھے کہ اس وقت کے بعد انسان کی پیدائش ہی بند ہوجائے گی۔ غرضیکہ آیت و حدیث میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو پہلے گناہ کرتے رہے توبہ نہ کی۔ یہ علامت دیکھ کر توبہ کرنے لگے۔ ان کی توبہ قبول نہیں کہ غیب کھل جانے کے بعد

توبہ کیسی۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا اعْتَرَفَ ثُمَّ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ (مُتَّفقٌ عَلَيْهِ)

(۲۲۲۲) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بندہ جب اقرار گناہ کر لیتا ہے پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے ا(مسلم بخاری)

(۲۲۲۲)ا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قبول توبہ کی دو شرطیں ہیں۔ ایک اپنے گناہ کا اقرار دوسرے توبہ یعنی آئندہ نہ کرنے کا عہد اور کیے ہوئے گناہ کے بدلہ کی کوشش' اعتراف اور توبہ میں یہ فرق ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَابَ قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَّغْرِبِهَا تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۲۲۳) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو سورج کے مغرب سے نکلنے سے پہلے توبہ کرے تو اللہ تعالٰی اس کی توبہ قبول کرے گا۔ا(مسلم)

(۲۲۲۳)ا شاید یہاں توبہ سے مراد کفر سے توبہ ہے یعنی آفتاب کے پچھم سے نکلنے پر سارے کفار ایمان قبول کریں گے مگر اس وقت کا ایمان قبول نہ ہوگا کیونکہ ایمان بالغیب نہ رہا گناہوں سے توبہ اس وقت بھی قبول ہوگی۔ جیسے غرغرہ کی حالت میں کفر سے توبہ قبول نہیں گناہوں سے توبہ قبول ہے۔ بعض کے ہاں حدیث اپنے اطلاق پر ہے کہ اس وقت نہ کفر سے توبہ قبول ہے نہ گناہوں سے وہ فرماتے ہیں کہ اس وقت کا ایمان قبول نہ ہونا تو قرآن کریم سے ثابت ہے اور توبہ قبول نہ ہونا حدیث سے ثابت' دونوں برحق ہیں واللہ ورسولہ اعلم (لمعات ومرقات)

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُ اَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهٖ حِيْنَ يَتُوْبُ اِلَيْهِ مِنْ اَحَدِكُمْ كَانَتْ رَاحِلَتُهٗ بِاَرْضٍ فَلَاةٍ فَانْفَلَتَتْ مِنْهُ وَعَلَيْهَا طَعَامُهٗ وَشَرَابُهٗ فَاَيِسَ مِنْهَا فَاَتٰى شَجَرَةً فَاضْطَجَعَ فِیْ ظِلِّهَا قَدْ اَيِسَ مِنْ رَّاحِلَتِهٖ فَبَيْنَمَا هُوَ كَذٰلِكَ اِذْ هُوَ بِهَا قَائِمَةً عِنْدَهٗ فَاَخَذَ بِخِطَامِهَا ثُمَّ قَالَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عَبْدِیْ وَاَنَا رَبُّكَ اَخْطَاَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۲۲۴) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب بندہ توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالٰی اس کی توبہ سے اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے ا جس کی سواری چٹیل زمین میں ہو وہ سواری بھاگ جائے اس پر اس کا کھانا پانی ہو یہ اس سواری سے مایوس ہو کر کسی درخت تک پہنچے اپنی سواری سے مایوس ہو کر درخت کے سایہ میں لیٹ رہے وہ اس حال میں ہو کہ ناگاہ اس کی سواری اس کے پاس آ کھڑی ہو وہ اس کی مہار پکڑے ۲ پھر انتہائی خوشی میں یوں کہہ بیٹھے الٰہی تو میرا بندہ اور میں تیرا رب بہت خوشی سے بندہ خطا کر گیا ۳ (مسلم)

(۲۲۲۴)ا ایسے مقامات پر خوشی سے مراد رضاء ہوتی ہے کیونکہ اصطلاحی فرحت وخوشی سے رب تعالٰی پاک ہے۔ خیال رہے کہ رضاء اور ہے امر اور مگر ارادہ کچھ اور اللہ تعالٰی ہر بندے کے ایمان وشکر سے راضی ہے۔ فرماتا ہے: وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ (۳۹٬۷) اور اگر شکر کرو تو اسے تمہارے لئے پسند فرماتا ہے (کنزالایمان) اور ہر شخص کو اس نے ایمان کا حکم بھی دیا ہے کہ فرمایا: اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (۱۳۶٬۴) ایمان رکھو اللہ اور اللہ کے رسول پر (کنزالایمان) لیکن ہر شخص کے ایمان کا ارادہ نہیں کیا۔ ورنہ دنیا میں کوئی کافر نہ ہوتا۔ بعض کے

کفر کا ارادہ کیا ہے اور بعض کے ایمان کا' ان ارادوں میں صدہا حکمتیں ہیں جو علم کلام میں مذکور ہیں۔ دیکھو ذبح اسمٰعیل (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا حکم تھا ارادہ نہ تھا۔ یہاں اس کی رضاء کا ذکر ہے نہ کہ ارادے کا۲؎ یعنی جیسے اس شخص کو یاس کے بعد آس سے انتہائی خوشی ہوتی ہے جو بیان میں نہیں آسکتی' کیونکہ اس بندے کو یاس بھی (ناامیدی) جان سے ہو چکی تھی۔ ایسے ہی ربّ تعالٰی کی یہ رضا ہم بیان نہیں کر سکتے۔ یہ تشبیہ مرکب ہے جس میں پورے واقعہ کو پورے واقعہ سے تشبیہ دی جاتی ہے نہ کہ ہر حال کو ہر حال سے' لہٰذا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ربّ تعالٰی مایوس بھی ہوا ہو اور بعد میں اس کی آس بندھی ہو۔ مقصد یہ ہے کہ ربّ تعالٰی ہم پر خود ہم سے زیادہ مہربان ہے۔ جتنی خوشی ہم کو اپنی جان بچنے سے ہوتی ہے اس سے زیادہ خوشی اللہ تعالٰی کو بندے کے ایمان بچنے سے ہوتی ہے۔۳؎ یہ کلام بھی انتہائی خوشی بیان فرمانے کیلئے ہے نہ کہ تشبیہ کیلئے کیونکہ ربّ تعالٰی غلطیوں اور خطا سے پاک ہے۔ یعنی بندہ کی خوشی سے مت کٹ گئی وہ کہنا چاہتا تھا یا ربّ میں تیرا بندہ' تو میرا ربّ لیکن الٹا کہہ گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ خطاءً منہ سے کفر نکل جانے پر بندہ کافر نہیں ہوتا نہ اس سے اس خطا کار کی بیوی نکاح سے خارج ہو کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر حکم کفر نہ فرمایا مگر یہ جب ہے جبکہ بندے کو اس خطا پر اطلاع نہ ہو۔ اطلاع ہونے پر فوراً توبہ کرے۔ طلاق کا یہ حکم نہیں۔ لہٰذا اس حدیث سے وہ حضرات دلیل نہیں پکڑ سکتے جو کلمہ یوں پڑھ لیتے ہیں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اشرفعلی رسول اللہ اور پھر بے اختیار زبان کا بہانہ کر دیتے ہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ عَبْدًا اَذْنَبَ ذَنْبًا فَقَالَ رَبِّ اَذْنَبْتُ فَاغْفِرْهُ فَقَالَ رَبُّهٗ اَعَلِمَ عَبْدِیْ اَنَّ لَهٗ رَبًّا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ وَيَاْخُذُ بِهٖ غَفَرْتُ لِعَبْدِیْ ثُمَّ مَكَثَ مَاشَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ اَذْنَبَ ذَنْبًا فَقَالَ رَبِّ اَذْنَبْتُ ذَنْبًا فَاغْفِرْهُ فَقَالَ اَعَلِمَ عَبْدِیْ اَنَّ لَهٗ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَاْخُذُ بِهٖ غَفَرْتُ لِعَبْدِیْ ثُمَّ مَكَثَ مَاشَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ اَذْنَبَ ذَنْبًا قَالَ رَبِّ اَذْنَبْتُ ذَنْبًا اٰخَرَ فَاغْفِرْهُ لِیْ فَقَالَ اَعَلِمَ عَبْدِیْ اَنَّ لَهٗ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَاْخُذُ بِهٖ غَفَرْتُ لِعَبْدِیْ فَلْيَفْعَلْ مَاشَآءَ

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۲۲۵) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بندہ جب کوئی گناہ کر لیتا ہے پھر کہتا ہے مولٰی میں نے گناہ کر لیا مجھے معافی دے دے۱؎ ربّ فرماتا ہے کہ کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی ربّ ہے جو گناہ معاف بھی کرتا ہے اور اس پر پکڑ بھی لیتا ہے میں نے اپنے بندے کو بخش دیا۲؎ پھر جتنا ربّ چاہے بندہ ٹھہرا رہتا ہے پھر کوئی گناہ کر بیٹھتا ہے کہتا ہے یارب میں نے گناہ کر لیا بخش دے۳؎ ربّ فرماتا ہے کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی ربّ ہے جو گناہ بخشتا ہے اور اس پر پکڑ بھی لیتا ہے میں نے اپنے بندے کو بخش دیا پھر بندہ ٹھہرا رہتا ہے جتنا ربّ چاہے پھر گناہ کر بیٹھتا ہے عرض کرتا ہے یا ربّ میں نے گناہ کر لیا مجھے معافی دے تو ربّ فرماتا ہے کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی ربّ ہے جو گناہ بخشتا ہے اور پکڑ بھی لیتا ہے میں نے اپنے بندے کو بخش دیا جو چاہے کرے۴؎ (مسلم بخاری)

(۲۲۲۵)۱؎ یعنی زبان سے بھی کہتا ہے اور عمل سے بھی کہ گزشتہ پر نادم ہوتا ہے اور آئندہ کیلئے بچنے کا عہد کرتا ہے اور بقدر طاقت گزشتہ گناہ کا کفارہ بھی ادا کر دیتا ہے لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ لوگوں کے مال مار کر فقط کہہ دو معافی ہو گئی۔۲؎ یہ کلام فرشتوں سے ہوتا ہے اظہار کرم کیلئے مقصد یہ ہے کہ چونکہ بندے نے اپنے کو گنہگار اور مجھے غفار سمجھا میرے دروازے پر معافی مانگتا ہوا آیا۔ میں نے اسے معاف کر دیا۳؎ یعنی توبہ کے وقت تو اس کا ارادہ یہ تھا کہ کبھی گناہ نہ کروں گا پھر کر بیٹھا' لہٰذا حدیث قرآن کریم کی اس آیت

کیخلاف نہیں وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا (۳:۱۳۵) اور اپنے کیے پر جان بوجھ کر اڑ نہ جائیں (کنزالایمان) گناہ پر اصرار اور ہے، اور بار بار گناہ ہو جانا اور توبہ کرتے رہنا کچھ اور۔ ۲؎ یعنی گناہ کرنے کا عادی اور میں بخشنے کا عادی جب تو گناہ سے باز نہیں آتا تو میں اپنے بخشنے کی عادت کیوں چھوڑوں، تو کرتا جا، میں بخشا جاؤں، یہ فرمان گناہوں کی اجازت دینے کیلئے نہیں، بلکہ وسعت مغفرت کے اظہار کیلئے ہے یعنی اس طرح بندہ اگر لاکھوں بار گناہ کرے گا میں بخش دوں گا کہ ہر توبہ کے وقت آئندہ گناہ نہ کرنے کا ہی عہد ہو، مگر پھر کر بیٹھے، لہٰذا حدیث بالکل ظاہر ہے توبہ کے ارادے سے گناہ کرنا کفر ہے کہ چلو گناہ میں حرج ہی کیا ہے۔ کل توبہ کرلیں گے یہ توبہ نہیں، بلکہ شریعت کا مذاق اڑانا ہے اور خدائے تعالٰی پر امن، یہ دونوں باتیں کفر ہیں یا یہ مطلب ہے کہ ایسے توبہ کرنے والے کو ربّ تعالٰی اپنی امن میں لے لیتا ہے کہ پھر اس سے گناہ ہوتے ہی نہیں پھر فرمایا جاتا ہے کہ جو چاہے کرے جیسے پرندے کا پر کاٹ کر اس سے کہو کہ جا اڑتا پھر۔

وَعَنْ جُنْدُبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ وَاللّٰهِ لَا يَغْفِرُ اللّٰهُ لِفُلَانٍ وَّاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَتَاَلّٰى عَلَيَّ اَنِّيْ لَا اَغْفِرُ لِفُلَانٍ فَاِنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لِفُلَانٍ وَّاَحْبَطْتُ عَمَلَكَ اَوْ كَمَا قَالَ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۲۲۶) روایت ہے حضرت جندب سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ ایک آدمی نے کہا ربّ کی قسم اللہ تعالٰی فلاں کو نہ بخشے گا ۲؎ اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا وہ کون ہے جو مجھ پر قسم کھاتا ہے کہ فلاں کو نہ بخشوں گا ۳؎ میں نے فلاں کو تو بخش دیا اور تیرے عمل ضبط کر لیے ۴؎ یا جیسے حضور انور نے فرمایا ۵؎ (مسلم)

(۲۲۲۶) ۱؎ جندب حضرت ابوذر غفاری کا نام بھی ہے جو مشہور صحابی ہیں اور دوسرے صحابہ کا بھی، یہاں غالبًا دوسرے کوئی صحابی مراد ہیں کیونکہ محدثین حضرت ابوذر کو جندب کے نام سے بیان نہیں کیا کرتے اور ہوسکتا ہے کہ ابوذر غفاری ہی مراد ہوں مرقات نے دوسری توجیہ کو ترجیح دی۔ ۲؎ اس لیے نہ بخشے گا کہ اس نے گناہ بہت ہی بڑا کیا یا اس لیے کہ اس نے مجھ پر زیادتی کی ہے اور میں بڑا مقبول خدا ہوں۔ مجھ پر ظلم کرنا لائق بخشش نہیں پہلی صورت میں یہ کلام صرف غیبت ہے دوسری صورت میں غیبت بھی ہے اور اپنی شیخی بھی۔ ۳؎ یَتَاَلّٰی تَاَلّٰی سے بنا بمعنی قسم کھانا، اسی سے ایلاء ہے یہ دونوں شخص مصر کے باشندے تھے۔ پہلا فاسق تھا اور دوسرا متقی، مگر اپنے کو گنہگار جانتا تھا اور یہ عابد اپنے زہد و تقوٰی پر نازاں تھا (از اشعہ) اس بارگاہ بے نیاز میں کسی کو ناز کرنے کا حق ہی نہیں، وہاں نیاز دیکھا جاتا ہے۔ شعر:

اوگنہاریاں عجز وکھاون قرب حضوری پاون ۔۔۔ عملاں والیاں ناز وکھاون، دور نکالیاں جاون

۴؎ یعنی اس شخص کی شیخی کی وجہ سے میری غیرت کا دریا جوش میں آ گیا اس فاسق کو میں نے نیک بننے کی توفیق دے دی جس سے اس کے سارے گناہ بخشے گئے اور اس متکبر زاہد کی توفیق سلب کر لی، جس سے یہ کافر ہو کر مرا، اور اس کی تمام نیکیاں ضبط ہو گئیں۔ اس شرح کی بنا پر حدیث بالکل واضح ہو گئی نہ آیات قرآنیہ کے خلاف رہی نہ دیگر احادیث کے ضبطی عمل کفر سے ہوتی ہے نہ کہ معمولی گناہ سے، مرقات نے فرمایا کہ یہاں زاہد کے عمل ضبط ہونے سے مراد اس کی اس قسم کا جھوٹا کر دینا ہے کہ فاسق کو بخش دیا۔ زاہد کی قسم کو جھوٹا کر دیا۔ اس صورت میں بھی یہ حدیث مذہب اہلسنّت کیخلاف نہیں اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص کسی کے انجام کے متعلق اپنی رائے سے فیصلہ نہیں کر سکتا کہ فلاں جنتی ہے فلاں دوزخی، اللہ تعالٰی انجام بخیر کرے، آمین، ہر شخص ڈرتا ہے شعر:

پانی بھریں پنہاریاں رنگ برنگے گھڑے ۔۔۔ بھریا اس کا جانیئے جس کا توڑ چڑھے

۵؎ یہ شک راوی کی طرف سے ہے یعنی الفاظ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ہی تھے یا کچھ اور مگر مضمون یہ ہی تھا۔ معلوم ہوا کہ روایت

بامعنی جائز ہے۔

وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيِّدُ الْاِسْتِغْفَارِ اَنْ تَقُوْلَ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّىْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِىْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَىَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِىْ فَاغْفِرْ لِىْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ قَالَ وَمَنْ قَالَهَا مِنَ النَّهَارِ مُوْقِنًا بِهَا فَمَاتَ مِنْ يَوْمِهٖ قَبْلَ اَنْ يُّمْسِىَ فَهُوَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَمَنْ قَالَهَا مِنَ اللَّيْلِ وَهُوَ مُوْقِنٌ بِهَا فَمَاتَ قَبْلَ اَنْ يُّصْبِحَ فَهُوَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ (رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ)

(۲۲۲۷) روایت ہے حضرت شداد ابن اوس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استغفار کا سردار یہ ہے۱ کہ تم کہو الٰہی تو میرا ربّ ہے تیرے سواء کوئی معبود نہیں تو نے مجھے پیدا کیا میں تیرا بندہ ہوں۲ اور بقدر طاقت تیرے عہد و پیمان پر قائم ہوں۳ میں اپنے کیے کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۴ تیری نعمت کا جو مجھ پر ہے اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اقراری ہوں مجھے بخش دے تیرے سواء گناہ کوئی نہیں بخش سکتا۵ حضور نے فرمایا کہ جو یقین قلبی کے ساتھ دن میں یہ کہہ لے پھر اسی دن شام سے پہلے مر جائے تو وہ جنتی ہوگا اور جو یقین دل کے ساتھ رات میں یہ کہہ لے پھر صبح سے پہلے مر جائے تو وہ جنتی ہوگا۶ (بخاری)

(۲۲۲۷)۱ عربی میں سید وہ ہے جس کی طرف لوگ اپنی حاجتوں میں رجوع کریں یعنی استغفار کے الفاظ بہت ہیں مگر یہ استغفار ان تمام کی جامع ہے۔ کیونکہ اس میں گزشتہ پر ندامت آئندہ کیلئے عہد' ربّ تعالٰی کے انعامات اپنی احسان فراموشی' بے وفائی سب کچھ ہی ہے۔۲ معلوم ہوا کہ استغفار توبہ بلکہ تمام دعاؤں میں اللہ تعالٰی کی حمد' اپنی بے کسی بیان کرنا بہتر ہے پھر جیسی دعا ہو' ویسی ہی حمد چاہیے۔ دیکھو یہاں توبہ کرنا ہے تو پہلے اللہ کی ربوبیت اور اپنی بندگی کا اقرار کیا یعنی تو پالنے والا ہم پلنے والے پلنے والے قصور کیا ہی کرتے ہیں' پالنے والے بخشا ہی کرتے ہیں بچے کپڑے اور بستر گندے کیا ہی کرتے ہیں۔ ماں انہیں پاک و صاف کیا ہی کرتی ہے حالانکہ وہ ربّ نہیں بلکہ مربی ہے۳ یعنی جہاں تک مجھ سے بن پڑے گا میں وہ عہد پورا کروں گا جو میثاق کے دن تجھ سے کیا ہے یا اسلام لاتے وقت تیرے پیارے حبیب سے کیا' یا بیعت ہوتے وقت تیرے کسی ولی سے کیا کیونکہ یہ سارے عہد تجھ سے ہی ہیں۔ بقدر طاقت کی اس لیے قید لگائی کہ طاقت سے زیادہ کی پروردگار بھی تکلیف نہیں دیتا۴ شیخ نے اشعہ میں فرمایا کہ کئے سے مراد گناہ بھی ہیں اور نیکیاں بھی گناہ کی شرط یہ ہے کہ اس سے توبہ کی توفیق نہ ملے اور نیکی کی شرط یہ ہے کہ اس پر تکبر و غرور نہ ہو جائے۔ خیال رہے کہ وہ گناہ جس کے بعد گریہ وزاری' عجز و نیاز توبہ نصیب ہو' اس نیکی سے بہتر ہے جس کے بعد تکبر و غرور ہو۔ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خطاءً گندم کھالینا شیطان کے سجدوں سے افضل تھا۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ کیسی پیاری عرض و معروض ہے یعنی میں اقراری ہوں کہ کانٹے میرے پاس ہیں پھول تیرے پاس' خطائیں میری طرف سے' عطائیں تیری طرف سے' بحکم قرآن پاک ظلوم و جھول میں ہوں' غفور رحیم تو ہے' جس لائق میں تھا وہ میں نے کرلیا' جو تیری شان کے لائق ہے وہ تو کر' بدکاری میں نے کرلی' ستاری تو کر' گنہگاری میں نے کرلی غفاری تو کر' تیرے ایک چھینٹے سے ہمارا بیڑا پار ہے۔ شعر:

مایم بر گناہ تو دریائے رحمتی آنجا کہ فضل تست چہ باشد گناہ ما

۶ یقین کی قید لگائی تاکہ معلوم ہو کہ بندہ دعا اور توبہ کے وقت اس کے فضل کا یقین رکھے یہ سمجھے کہ مجھے ربّ تعالٰی نے اپنے دروازے پر

بلایا ہے تو آیا ہوں اپنے آپ نہیں آیا اور کریم بھکاری کو بلا کر دیا ہی کرتے ہیں۔ خالی نہیں پھیرتے، جسے یہ یقین ہو گا انشاء اللہ بخشا ہی جائے گا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی یَا ابْنَ اٰدَمَ اِنَّکَ مَا دَعَوْتَنِیْ وَرَجَوْتَنِیْ غَفَرْتُ لَکَ عَلٰی مَا کَانَ فِیْکَ وَلَا اُبَالِیْ یَا ابْنَ آدَمَ لَوْ بَلَغَتْ ذُنُوْبُکَ عَنَانَ السَّمَآءِ ثُمَّ اسْتَغْفَرْتَنِیْ غَفَرْتُ لَکَ وَلَا اُبَالِیْ یَا ابْنَ اٰدَمَ اِنَّکَ لَوْ لَقِیْتَنِیْ بِقُرَابِ الْاَرْضِ خَطَایَا ثُمَّ لَقِیْتَنِیْ لَاتُشْرِکُ بِیْ شَیْئًا لَّاَتَیْتُکَ بِقُرَابِھَا مَغْفِرَۃً (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَرَوَاہُ اَحْمَدُ وَالدَّارِمِیُّ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ)

(۲۲۲۸) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ربّ تعالٰی فرماتا ہے اے ابن آدم جب تک تو مجھ سے دعا مانگے اور مجھ سے آس لگائے تو میں تجھے، تیرے عیوب کے باوجود بخشتا رہوں گا۔۱ میں بے پروا ہوں اے ابن آدم اگر تیرے گناہ کنارہ آسمان تک پہنچ جائیں۲ پھر تو مجھ سے معافی مانگے تو میں تجھے بخش دوں گا کچھ پروانہ کروں گا اے اولاد آدم اگر تو زمین بھر کر خطاؤں کے ساتھ ملے مگر ایسے ملے کہ کسی کو میرا شریک نہ ٹھہراتا ہو تو میں زمین بھر بخشش کے ساتھ تیرے پاس آؤں گا۳ (ترمذی، احمد، دارمی، عن ابی ذر) ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے غریب ہے۔

(۲۲۲۸)۱ علمائے کرام عَلٰی مَا کے معنی (باوجود) کرتے ہیں یعنی تیرے کیسے ہی گناہ ہوں میں بخش دوں گا۔ میں آنے والے کو نہیں دیکھتا بلکہ اپنے دروازے کو دیکھتا ہوں کہ کس دروازے پر آیا۔ صوفیائے کرام اس کے معنی کرتے ہیں مطابق یعنی تجھے تیرے گناہ کے مطابق بخشوں گا۔ چھوٹے گناہ کی چھوٹی بخشش، بڑے گناہ کی بڑی بخشش، لاکھوں گناہوں کی لاکھوں بخششیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے، شعر:

گنہ رضا کا حساب کیا وہ اگرچہ لاکھوں سے ہیں سوا ۔۔۔ مگر اے کریم تیرے عفو کا نہ حساب ہے نہ شمار ہے

۲ عنان عین کے فتح سے بمعنی بادل، اور عین کے زیر سے بمعنی ظاہر، اور عنان عین کی جمع بمعنی کنارہ، بعض نسخوں میں اعنان بھی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تو گناہوں میں ایسا گھر جائے جیسے زمین آسمان سے گھری ہوئی ہے کہ ہر طرف تیرے گناہ ہوں۔ بیچ میں تو ہو پھر مجھ سے معافی مانگے تو میں تیرے سارے گناہ بخش دوں گا۔ بلکہ آسمان زمین کی چکی سب کو پیس دیتی ہے اس کے سوا جو ربّ سے لگ جائے کسی ہندی شاعر نے کیا خوب کہا شعر:

چکیا چکیا سب کہیں اور کلیا کہے نہ کوئے ۔۔۔ جو کلیا سے لاگا اس کا بال نہ بیکا ہوئے

۳ قراب قاف کے زیر یا پیش سے بمعنی قریب المقدار مشارق میں فرمایا کہ قراب کسرہ سے تلوار کی میان اور سوار کا ہلکا توشہ، اور ضمہ سے بمعنی قرب، مطلب یہ ہے کہ جیسے رازق ہر مرزوق کو بقدر حاجت روٹی دیتا ہے ہاتھی کو من اور چیونٹی کو کن دیتا ہے۔ ایسے ہی وہ غفار بقدر گناہ مغفرت عطا فرمائے گا۔ مگر شرط یہ ہے کہ گنہگار ہو غدار نہ ہو۔ اسی لیے شرط لگائی گئی کہ میرا شریک نہ ٹھہراتا ہو۔ خیال رہے کہ ایسے مقامات پر شرک بمعنی کفر ہوتا ہے۔ ربّ تعالٰی فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ (۴:۴۸) بے شک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے

ساتھ کفر کیا جائے (کنزالایمان) اور نبی یا کتاب یا اسلامی احکام میں سے کسی کا انکار درحقیقت ربّ تعالیٰ کا ہی انکار ہے۔ لہٰذا حدیث بالکل واضح ہے اور اس میں کفار کی مغفرت کا وعدہ نہیں، کفر و مغفرت میں تضاد ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى مَنْ عَلِمَ اِنِّيْ ذُوْ قُدْرَةٍ عَلٰى مَغْفِرَةِ الذُّنُوْبِ غَفَرْتُ لَهٗ وَلَا اُبَالِيْ مَالَمْ يُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

(۲۲۲۹) روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو جانے کہ میں گناہ بخش دینے پر قادر ہوں تو میں اسے بخش دوں گا کچھ پروا نہ کروں گا جب تک کہ وہ میرا کسی کو شریک نہ ٹھہرائے[۱] (شرح سنہ)

(۲۲۲۹)[۱] سُبْحَانَ اللّٰهِ بہت امید افزا حدیث ہے یعنی جو مومن ربّ تعالیٰ کو عذاب و مغفرت پر قادر مانے، پھر اس سے گناہ سرزد ہو جائے۔ ربّ تعالیٰ اپنے فضل سے اسے بخش دے گا۔ مالم یشرک پہلے جملہ کی تاکید ہے کیونکہ جو ربّ تعالیٰ کو نبی کے بتانے سے ہر چیز پر قادر مانے وہ مومن ہی ہوگا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گناہ کبیرہ کی بخشش توبہ پر موقوف نہیں۔ اسی طرح حقوق العباد کی معافی خود حق والے سے معاف کرانے پر موقوف نہیں کہ ربّ تعالیٰ اس کے بغیر بخش ہی نہ سکے۔ قانون اور ہے قدرت کچھ اور قانون کے ہم پابند ہیں۔ ربّ تعالیٰ پابند نہیں۔ اس حدیث میں ربّ تعالیٰ کی قدرت کا ذکر ہے اور حقوق العباد والی حدیث میں قانون کا ذکر لہٰذا احادیث آپس میں متعارض نہیں اور نہ اس میں بندوں کو گناہ پر دلیر کرنا ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَزِمَ الْاِسْتِغْفَارُ جَعَلَ اللّٰهُ لَهٗ مِنْ كُلِّ ضِيْقٍ مَخْرَجًا وَّمِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا وَّرَزَقَهٗ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

(۲۲۳۰) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو استغفار کو اپنے پر لازم کر لے[۱] تو اللہ اس کیلئے ہر تنگی سے چھٹکارا اور ہر غم سے نجات دے گا اور وہاں سے اسے روزی دے گا جہاں سے اس کا گمان بھی نہ ہو[۲] (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

(۲۲۳۰)[۱] اس طرح کہ روزانہ استغفار کے کلمے زبان سے ادا کرے۔ گناہ کرے یا نہ کرے۔ بہتر یہ ہے کہ نماز فجر کے وقت سنت فجر کے بعد فرض سے پہلے ستر بار پڑھا کرے کہ یہ وقت استغفار کیلئے بہت ہی موزوں ہے۔ ربّ تعالیٰ فرماتا ہے: وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (۵۱، ۱۸) اور پچھلی رات استغفار کرتے (کنزالایمان) [۲] یہ عمل بہت ہی مجرب ہے۔ روزی سے مراد مال، اولاد، عزت سب ہی ہے۔ استغفار کرنے والے کو ربّ تعالیٰ یہ تمام نعمتیں غیبی خزانہ سے بخشتا ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے: فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ○ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا (۷۱، ۱۰) تو میں نے کہا اپنے رب سے معافی مانگو وہ بڑا معاف فرمانے والا ہے تم پر شراٹے کا (موسلا دھار) مینہ بھیجے گا (کنزالایمان) قرآن کریم میں استغفار پر پانچ نعمتوں کا ذکر فرمایا اور اس حدیث نے تین نعمتوں کا، مگر ہماری اس شرح سے وہ پانچوں نعمتیں ان تین میں آ گئیں۔ ربّ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ○ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (۶۵، ۲) اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لئے نجات کی راہ نکال دے گا اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں اس کا گمان نہ ہو (کنزالایمان) یہ حدیث اس آیت کی شرح ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ بَكْرِ نِ الصِّدِّيْقِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَصَرَّ مَنِ اسْتَغْفَرَ وَاِنْ عَادَ

(۲۲۳۱) روایت ہے حضرت ابوبکر صدیق سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ معافی مانگ لینے والا گناہ پر اڑیل

فِی الْیَوْمِ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْدَاوٗدَ) نہیں اگر چہ دن میں ستر بار گناہ کرےا(ترمذی' ابوداؤد)

(۲۲۳۱)ایعنی وہ جو قرآن شریف میں فرمایا گیا: وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰی مَا فَعَلُوْا (۱۳۵'۳) اور اپنے کئے پر جان بوجھ کر نہ اڑ جائیں (کنزالایمان) کہ وہ اپنے گناہ پر اصرار نہیں کرتے اڑتے نہیں۔ وہاں اڑنے سے مراد یہ ہے کہ گناہ بار بار کرے اور توبہ کبھی نہ کرے جو توبہ کرتا رہے وہ اڑیل نہیں۔ توبہ کے معنی پہلے عرض کیے جا چکے ہیں کہ بوقت توبہ گناہ سے باز رہنے کا پورا ارادہ ہو اور اگر توبہ کے وقت ہی یہ خیال ہے کہ گناہ کرتا ہی رہوں گا۔ تو یہ توبہ نہیں بلکہ اسلام کا مذاق ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُلُّ بَنِیْ اٰدَمَ خَطَّاءٌ وَّخَیْرُ الْخَطَّائِیْنَ التَّوَّابُوْنَ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ وَالدَّارِمِیُّ)

(۲۲۳۲) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انسان خطا کار ہیںا بہترین خطا کار رجوع کر لینے والے ہیں۲(ترمذی' ابن ماجہ' دارمی)

(۲۲۳۲)ایہاں کل مجموعی ہے نہ کہ کل افرادی یعنی تمام انسان گنہگار ہیں' نہ کہ ہر انسان' کیونکہ حضرات انبیاء گناہوں سے معصوم ہیں کہ گناہ کر سکتے ہی نہیں اور بعض اولیاء محفوظ کہ گناہ کرتے نہیں اور اگر یہ کل افرادی ہو تو خطاء میں لغزشیں بھی داخل ہوں گی یا یہ عام مخصوص البعض ہے جس سے وہ پاک حضرات مستثنٰی ہیں۔ لہٰذا یہ حدیث نہ تو قرآنی آیات کیخلاف ہے نہ ان احادیث کے جن میں ان مقبولوں کی عصمت کا ذکر ہے اور نہ اس حدیث کی بناء پر حضرات انبیاء کو گنہگار کہا جا سکتا ہے۔ عصمت انبیاء کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق کے تتمہ میں ملاحظہ کیجئے۔ ۲یعنی لوٹنے والے گناہ سے نیکی کی طرف' خطاء سے معافی کی طرف غفلت سے بیداری کی طرف' خلق سے خالق کی طرف' غیوبت سے حضور کی طرف' نفس سے ربّ غفور کی طرف غرضیکہ جیسی خطاء ویسی توبہ' یہ حدیث توبہ کی تمام اقسام کی جامع ہے۔ ربّ تعالٰی توبہ کی توفیق دے۔

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا اَذْنَبَ کَانَتْ نُکْتَۃً سَوْدَآءَ فِیْ قَلْبِہٖ فَاِنْ تَابَ وَاسْتَغْفَرَ صُقِلَ قَلْبُہٗ وَاِنْ زَادَ زَادَتْ حَتّٰی تَعْلُوَ قَلْبَہٗ فَذٰلِکُمُ الرَّانُ الَّذِیْ ذَکَرَ اللّٰہُ تَعَالٰی کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ)

(۲۲۳۳) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مومن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں سیاہ داغ لگ جاتا ہےا اگر توبہ کرے اور معافی مانگ لے تو اس کا دل صیقل ہو جاتا ہے اور اگر گناہ زیادہ کرے تو سیاہی زیادہ ہوتی ہے حتی کہ دل پر چھا جاتی ہے یہ ہی وہ زنگ ہے جس کا ربّ تعالٰی نے ذکر فرمایا ہے کہ ان کے اعمال نے ان کے دلوں پر زنگ لگا دی ۲(احمد' ترمذی' ابن ماجہ) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے۔

(۲۲۳۳)اخیال رہے کہ انسان کا دل صاف شفاف آئینہ کی طرح ہے۔ ذرا سے غبار سے دھندلا ہو جاتا ہے۔ گناہ دل کے غبار ہیں اور کفر دل کا زنگ' قلب کا قالب سے گہرا تعلق ہے جیسے جڑ کا شاخوں سے' اس لیے گناہ جسم کرتا ہے اور سیاہ دل ہوتا ہے دیکھو غم و فکر دل کو ہوتا ہے اور جسم دبلا و پیلا پڑ جاتا ہے۔ جسم کو صاف رکھنے' غسل کرانے' اچھی ہوا دینے سے دل کو شفا ہوتی ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ جیسے گناہ بہت آہستگی سے دل کو میلا کرتے ہیں ایسے ہی توبہ اور نیک اعمال بہت آہستگی سے میلے دل کو صاف کرتے ہیں مگر نبی کی عداوت یکدم شفاف دل کو میلا نہیں بلکہ زنگ آلود کر دیتی ہے جیسے شیطان کا حال ہوا کہ لاکھوں سال کی عبادت ایک سیکنڈ میں برباد ہو کر

اس کا دل نا قابل علاج زنگ آلود ہو گیا اور مقبول بندے کی نگاہ کرم ایک آن میں زنگ آلود دل کو صاف کر کے اس پر پالش کر دیتی ہے۔موسیٰ علیہ السلام کی نظر سے برسوں کے مجرم جادوگر' مومن' صحابی' صابر اور شہید ہو گئے۔حضور غوث پاک کی ایک نظر سے چور قطب ہو گئے۔اسی لیے صوفیاء فرماتے ہیں۔شعر:

یک زمانہ صحبتے با اولیاء — بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا
یک زمانہ صحبتے با انبیاء — بہتر از ہزار سالہ طاعت بے ریا
یک زمانہ صحبتے با مصطفیٰ — بہتر از لکھ سالہ طاعت بے ریا

۲؎ مسلسل گناہ بغیر توبہ کی وجہ سے دل میں زنگ بلکہ کٹھ لگ جاتی ہے جو پھر صرف نیکیوں سے صاف نہیں ہوتی بلکہ نگاہ کامل سے صاف ہوتی ہے۔اسی لیے ربّ تعالٰی نے عرب جیسے کٹھ لگے ہوئے ملک میں ایسے شاندار رسول کو بھیجا' اندھے شیشوں میں کوئی خاص چمک والا ہی چمکتا ہے۔وہاں چمکنا ہر ایک کا کام نہیں ران رین سے بنا بمعنی کٹھ یا بہت موٹی تہ والا پردہ۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَالَمْ يُغَرْغِرْ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

(۲۲۳۴) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی بندہ کی توبہ قبول فرماتا ہے غرغرہ سے پہلے ۱؎ (ترمذی' ابن ماجہ)

(۲۲۳۴) ۱؎ نزع کی حالت کو جبکہ موت کے فرشتے نظر آ جائیں غرغرہ کہتے ہیں۔اس وقت کفر سے توبہ قبول نہیں کیونکہ ایمان کیلئے ایمان بالغیب ضروری ہے۔اب غیب مشاہدہ میں آ گیا۔اسی لیے ڈوبتے وقت فرعون کی توبہ قبول نہ ہوئی' مگر گناہوں سے توبہ اس وقت بھی قبول ہے۔اگر توبہ کا خیال آ جائے اور الفاظ توبہ بن پڑیں۔اسی لیے مرقات نے یہاں فرمایا کہ عبد سے مراد بندہ کافر ہے۔کہ غرغرہ کے وقت اس کی توبہ قبول نہیں۔ربّ تعالٰی فرماتا ہے: حَتّٰى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْئٰنَ (۱۸/۴) یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آئے تو کہے اب میں نے توبہ کی (کنزالایمان) بعض علماء نے فرمایا کہ ملک الموت ہر مرنے والے کو نظر آتے ہیں۔مومن ہو یا کافر' خیال رہے کہ قبض روح پاؤں کی طرف سے شروع ہوتا ہے۔تاکہ بندہ کی اس حالت میں دل و زبان چلتے رہیں۔گنہگار توبہ کر لیں۔کہا سنا معاف کرالیں۔کوئی وصیت کرنی ہو تو کر لیں۔یہ بھی خیال رہے کہ غرغرہ کے وقت گناہوں سے توبہ کے معنی ہیں گزشتہ گناہوں پر شرمندہ ہو جانا۔اب آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد بیکار ہے کہ اب تو دنیا سے جا رہا ہے۔گناہ کا وقت ہی نہ پا سکے گا مگر یہ توبہ اس وقت کی قبول ہے کہ ربّ تعالٰی غفار ہے۔

وَعَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الشَّيْطَانَ قَالَ وَعِزَّتِكَ يَا رَبِّ لَا اَبْرَحُ اُغْوِىْ عِبَادَكَ مَادَامَتْ اَرْوَاحُهُمْ فِىْ اَجْسَادِهِمْ فَقَالَ الرَّبُّ عَزَّوَجَلَّ وَعِزَّتِىْ وَجَلَالِىْ وَارْتِفَاعِ مَكَانِىْ لَا اَزَالُ اَغْفِرُلَهُمْ مَا اسْتَغْفَرُوْنِىْ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

(۲۲۳۵) روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شیطان نے عرض کیا یا ربّ تیری عزت کی قسم میں تیرے بندوں کو اس وقت تک بہکاؤں گا جب تک ان کی جانیں ان کے جسموں میں رہیں ۱؎ ربّ عزوجل نے فرمایا مجھے اپنی عزت و جلالت اور بلندی درجات کی قسم میں انہیں بخشتا ہی رہوں گا جب تک وہ مجھ سے معافی مانگتے رہیں ۲؎ (احمد)

(۲۲۳۵)۱؎ شیطان سے مراد ابلیس ہے اور بہکانے سے مراد اچھے عقیدوں یا اچھے اعمال سے الگ کر دینا ہے۔یعنی میں بندوں کے مرتے وقت تک کوشش کروں گا کہ وہ بدعقیدہ ہو جائیں۔اگر یہ نہ کر سکا تو کم از کم ان سے گناہ ہی کرا دوں گا۔اگر یہ بھی نہ ہو سکا تو انہیں نیکی سے روک دوں گا۔اگر یہ بھی نہ ہو سکا تو بڑی نیکی سے روک کر چھوٹی نیکی میں مشغول کر دوں گا۔ابلیس کی یہ کوشش بندے کے مرتے وقت تک رہتی ہے۔بعد موت یہ کوشش تو ختم ہو جاتی ہے اب قبر کے سوالات کے جوابات میں بہکاتا ہے اسی لیے بعد دفن میت کو تلقین کرنے کا حکم ہے۔لہٰذا یہ حدیث نہ تو اس حدیث کیخلاف ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد دفن میت کیلئے شیطان سے حفاظت کی دعا فرمائی' اور نہ اس آیت کیخلاف ہے کہ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ (۱۷'۶۵) بے شک جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا کچھ قابو نہیں (کنزالایمان) بہر حال کوئی شخص کسی حال میں اپنے کو شیطان سے محفوظ نہ جانے اللہ کی پناہ مانگے۔آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام معصوم تھے اور جنت میں تھے جو جگہ محفوظ تھی مگر پھر بھی شیطان نے وہاں اپنا داؤ چلا دیا۔تو ہم نہ معصوم ہیں نہ دنیا جگہ محفوظ پھر ہم کس چیز پر شیخی ماریں' یا اللہ تیری پناہ۲؎ یعنی اگر جان نکلتے نکلتے بندہ توبہ کرے تو معافی ہو جائے گی۔معلوم ہوا کہ غرغرہ کی توبہ گناہ قبول ہے جیسا پہلے عرض کیا گیا۔

وَعَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی جَعَلَ بِالْمَغْرِبِ بَابًا عَرْضُهٗ مَسِیْرَةُ سَبْعِیْنَ عَامًا لِلتَّوْبَةِ لَا یُغْلَقُ مَالَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ مِنْ قِبَلِهٖ وَذٰلِكَ قَوْلُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ یَوْمَ یَاْتِیْ بَعْضُ اٰیَاتِ رَبِّكَ لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

(۲۲۳۶) روایت ہے حضرت صفوان بن عسال سے۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ نے توبہ کے لیے مغرب میں ایک دروازہ بنایا ہے جس کی چوڑائی ستر سال کی راہ ہے۲؎ وہ اس وقت تک بند نہ ہوگا جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہو۳؎ یہ ہی اللہ عزوجل کا فرمان عالی شان ہے جس دن تمہارے ربّ کی بعض نشانیاں آئیں گی تو کسی ایسے نفس کو ایمان مفید نہ ہوگا جو پہلے سے ایمان نہ لایا ہو۴؎ (ترمذی' ابن ماجہ)

(۲۲۳۶)۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں کوفہ میں قیام رہا۔دس غزوات میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے حضرت عبداللہ ابن مسعود نے آپ سے احادیث روایت کیں۲؎ یعنی آسمانوں میں بہت دروازے ہیں۔بعض دروازے فرشتوں کے اترنے کیلئے بعض رزق عباد نازل ہونے کیلئے بعض اعمال عباد چڑھنے کیلئے' ایک دروازہ ہے جس سے بندوں کی توبہ جاتی ہے اور بارگاہ الٰہی میں پیش ہوتی ہے۔یہ دروازہ مدینہ منورہ سے جانب مغرب آسمان میں واقع ہے۔اس کی چوڑائی ستر سال کی راہ ہے تو اس کی لمبائی اور اونچائی کتنی ہوگی۔یہ ربّ ہی جانے' حدیث بالکل اپنے ظاہری معنی پر ہے کسی قسم کی تاویل یا توجیہ کی ضرورت نہیں۔آسمان کے دروازے قرآن کریم سے ثابت ہیں وَفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا (۷۸'۱۹) اور آسمان کھولا جائے گا کہ دروازے ہو جائے گا (کنزالایمان)۳؎ یعنی آسمان کے اور دروازے تو بعض اوقات میں بند ہو جاتے ہیں جیسے بندہ کے مر جانے پر اس کی روزی و اعمال کا دروازہ بند ہو جاتا ہے مگر توبہ کا دروازہ قریب قیامت ہی بند ہوگا۔۴؎ اس کی تحقیق پہلے ہو چکی کہ جو شخص پہلے دنیا میں موجود ہو اور ہو کافر اور اب سورج کو پچھم سے نکلتے دیکھ کر ایمان لائے تو اس کا یہ ایمان قبول نہ ہوگا۔کیونکہ ایمان میں غیب پر ایمان معتبر ہے۔اور آج ایمان بالشہادۃ ہو گیا جیسے کہ غرغرہ کی حالت میں' یا ربّ کا ظاہری عذاب دیکھ کر ایمان لانا قبول نہیں جو اس کے بعد پیدا ہوا اس کا ایمان معتبر ہوگا۔یوں ہی گنہگار مسلمان کی توبہ قبول

ہوگی۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آیت میں بعض آیات سے مراد آفتاب کا پچھم سے نکلنا ہے۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس کے بعد گناہوں سے توبہ بھی قبول نہ ہوگی۔کیونکہ یہاں فرمایا: اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا (۶:۱۵۸) یا اپنے ایمان میں کوئی بھلائی نہ کمائی تھی (کنزالایمان) مگر یہ قول کچھ کمزور سا ہے خَيْرٌ فِي الْاِيْمَان کچھ اور ہی ہے۔

وَعَنْ مُّعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَنْقَطِعُ الْهِجْرَةُ حَتّٰى تَنْقَطِعَ التَّوْبَةُ وَلَا تَنْقَطِعُ التَّوْبَةُ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَّغْرِبِهَا (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَالدَّارِمِيُّ)

(۲۲۳۷) روایت ہے حضرت معاویہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت بند نہ ہوگی احتیٰ کہ توبہ بند ہو اور توبہ بند نہ ہوگی حتیٰ کہ سورج اپنے مغرب کی طرف سے نکلے۲ (احمد'ابوداؤد'دارمی)

(۲۲۳۷)۱ہجرت کے معنی ہیں چھوڑنا یا منتقل ہونا۔یہاں اس سے مراد کفر سے ایمان کی طرف' دار شرک سے دار اسلام کی طرف' گناہوں سے توبہ کی طرف' غفلت سے بیداری کی طرف' کفران سے غفران کی طرف منتقل ہونا ہے۔یہ ہجرتیں قریب قیامت تک ہوتی رہیں گی۔مکہ معظمہ سے ہجرت غلبہ کفر نہ رہنے کی بنا پر ختم ہو چکی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا: لا ھجرۃ بعد الیوم اور حضرت عباس کو خاتم المہاجرین قرار دیا گیا۔یعنی مکہ معظمہ سے آخری مہاجر' لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں۲ خلاصہ یہ ہے کہ توبہ اور ہجرتوں کا سلسلہ قریب قیامت تک قائم رہے گا۔خیال رہے کہ اسلام میں نہ زمین گھومتی ہے نہ آسمان بلکہ چاند سورج اور تارے آسمان پر تیر رہے ہیں جیسے سمندر میں کشتیاں' ربّ تعالیٰ فرماتا ہے: كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ (۲۱:۳۳) ہر ایک ایک گھیرے میں پیر رہا ہے (کنزالایمان) تو جو ربّ انہیں ہمیشہ مشرق سے مغرب کی طرف تیرانے پر قادر ہے وہ اس کے برعکس بھی تیرا سکتا ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ رَجُلَيْنِ كَانَا فِيْ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ مُتَحَابَّيْنِ اَحَدُهُمَا مُجْتَهِدٌ فِي الْعِبَادَةِ وَالْاٰخَرُ يَقُوْلُ مُذْنِبٌ فَجَعَلَ يَقُوْلُ اَقْصِرْ عَمَّا اَنْتَ فِيْهِ فَيَقُوْلُ خَلِّنِيْ وَرَبِّيْ حَتّٰى وَجَدَهٗ يَوْمًا عَلٰى ذَنْبٍ اسْتَعْظَمَهٗ فَقَالَ اَقْصِرْ فَقَالَ خَلِّنِيْ وَرَبِّيْ اَبُعِثْتَ عَلَيَّ رَقِيْبًا فَقَالَ وَاللّٰهِ لَايَغْفِرُ اللّٰهُ لَكَ اَبَدًا وَّلَا يُدْخِلُكَ الْجَنَّةَ فَبَعَثَ اللّٰهُ اِلَيْهِمَا مَلَكًا فَقَبَضَ اَرْوَاحَهُمَا فَاجْتَمَعَا عِنْدَهٗ فَقَالَ لِلْمُذْنِبِ ادْخُلِ الْجَنَّةَ بِرَحْمَتِيْ وَقَالَ لِلْاٰخَرِ اَتَسْتَطِيْعُ اَنْ تَحْظُرَ عَلٰى عَبْدِيْ رَحْمَتِيْ فَقَالَ لَا يَا رَبِّ فَقَالَ اذْهَبُوْا بِهٖ اِلَى النَّارِ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

(۲۲۳۸) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بنی اسرائیل میں دو محبت والے دوست تھے۱جن میں سے ایک تو عبادت میں کوشاں تھا اور دوسرا کہتے ہیں گنہگار تھا۔۲عابد کہنے لگا کہ ان کاموں سے باز آ جن میں تو پھنسا ہے وہ کہنے لگا مجھے میرے ربّ پر چھوڑ دے۳ایک دن عابد نے اسے ایسے گناہ پر پایا جسے اس نے بہت ہی بڑا جانا تو بولا باز آ جا وہ بولا مجھے میرے ربّ پر چھوڑ کیا تو میرا داروغہ مقرر ہوا ہے۴یہ بولا اللہ کی قسم تجھے ربّ نہ تو کبھی بخشے اور نہ جنت میں داخل کرے۵ اللہ نے ان دونوں کے پاس فرشتہ بھیجا جس نے ان دونوں کی روحیں قبض کیں۶یہ دونوں ربّ کے پاس جمع ہوئے۷تو ربّ نے گنہگار سے فرمایا تو میری جنت میں داخل ہو جا۸اور دوسرے سے فرمایا کیا تو میرے بندے پر میری رحمت روک سکتا ہے۔عرض کیا نہیں یارب۹فرمایا لے جاؤ اسے آگ میں ۱۰(احمد)

(۲۲۳۸)۱؎ جن کی محبت رشتہ داری یا شرکت کاروباری کی وجہ سے تھی نہ کہ دین وتقویٰ کی بنا پر' کیونکہ مومن کافر' متقی فاجر میں یہ محبت نہیں ہوسکتی۔ ربّ تعالٰی فرماتا ہے: لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (۲۲'۵۸) تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی (کنزالایمان)۲؎ حق یہ ہے کہ یقول کا فاعل یا تو خود وہ بندہ ہے یعنی وہ بندہ کہتا تھا میں گنہگار ہوں یا اس زمانہ کے لوگ ہیں یعنی کہنے والے کہتے تھے کہ وہ گنہگار ہے۔ اس کے فاعل حضور نہیں کیونکہ حضور کو تو ان دونوں کے انجام کی خبر تھی کہ گنہگار سعید ہے اور وہ عابد شقی اسی لیے حضور انور نے اس عابد کو صالح نہ فرمایا بلکہ مجتہد فی العبادت فرمایا یعنی عبادت میں کوشاں (مرقات) بعض کے خیال میں یقول کا فاعل حضور ہی ہیں تو مطلب یہ ہوگا کہ حضور فرماتے ہیں اس وقت وہ گنہگار تھا ۳؎ یعنی تو میری فکر نہ کر' اپنی کر' میرا معاملہ میرے ربّ کے ساتھ ہے۔ اس کا یہ کلام ربّ تعالٰی سے امید کی بنا پر ہے نہ کہ بے خوفی سے' ورنہ کفر ہو جاتا ۴؎ غالبًا عابد نے اسے بہت جھڑکا ہوگا اور ذلیل و خوار اور لوگوں میں بدنام کیا ہوگا۔ اس لیے اس نے جل کر یہ کہا خیال رہے کہ تبلیغ بہت اچھی چیز ہے مگر دوسرے میں ضد پیدا کردینا اور اسے بدنام کرنا برا کہ اس سے سامنے والا گناہ چھوڑے گا نہیں بلکہ ضد میں آکر زیادہ گناہ کرے گا۔ ربّ تعالٰی فرماتا ہے وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (۱۶'۱۲۵) اور ان سے اس طریقہ پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو (کنزالایمان) لہٰذا اس کا یہ جواب بھی کفر نہ ہوگا ۵؎ یہ وہ کلام ہے جو اس عابد پر عتاب کا باعث ہوا یعنی کسی گنہگار کے متعلق دائمی جہنمی ہونے کا فیصلہ کیونکہ مغفرت یا عذاب اللہ کے قبضہ میں ہے۔ نیز کوئی گنہگار دائمی جہنمی نہیں۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ تجھے خدا نہ بخشے گا۔ مجھے ضرور بخشے گا کہ میں نیک کار ہوں۔ غرضیکہ اس کلام میں دو جرم ہوئے ۶؎ یہ فرشتہ حضرت عزرائیل علیہ السلام ہیں جو ہر مرنے والے کے پاس مع اپنے خدام کے پہنچتے ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ ان دونوں کی بیک وقت روحیں قبض کی گئیں۔ گنہگار اپنی خطاؤں پر نادم ہوکر مرا اور عابد اس پرانے تکبر پر کہ میں بڑا عابد ہوں۔ میری ضرور بخشش ہوگی ۷؎ عرش اعظم کے نیچے (مرقات) ربّ تعالٰی بعض بندوں سے مرتے ہی کلام فرماتا ہے یہاں بھی ایسا ہی ہوا ۸؎ اس طرح کہ میں نے اپنے فضل سے تجھے زندگی میں توبہ کی توفیق بخشی اور تیری توبہ قبول کی اور اگر بغیر توبہ بھی مرگیا تھا تو تیرے گناہ محض اپنے فضل سے معاف کردیئے۔ خیال رہے کہ جنت میں داخلہ بغیر نیک اعمال ہوسکتا ہے۔ مسلمانوں کے بچے' دیوانے جنتی ہیں بغیر عمل مگر دوزخ میں داخلہ بغیر جرم نہ ہوگا۔ اسی لیے دیوانے کفار اور کفار کی ناسمجھ اولاد جہنمی نہیں ۹؎ یہ اقرار اس وقت کر رہا ہے جب اقرار کرنا مفید نہیں ہوتا۔ اس کی جگہ دنیا تھی۔ اس لیے قبول نہ ہوا اور سزا دی گئی ۱۰؎ یعنی اسے کچھ روز کیلئے دوزخ میں لے جاؤ تاکہ یہ اپنے غرور و تکبر کی سزا بھگتے۔ یہ شخص کافر نہ تھا متکبر تھا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ وہ گناہ جو انسان میں ندامت عجز وانکسار پیدا کردے اس عبادت سے بہتر ہے جو عابد میں تکبر وغرور پیدا کردے۔ اس کا ماخذ یہ حدیث ہے (مرقات) دیکھو حضرت آدم علیہ السلام کا خطاءً گندم کھالینا شیطان کی ہزارہا سال کی عبادت سے افضل ہوا کہ اس خطا سے آپ بہت عرصہ تک توبہ کرتے رہے اور شیطان اس عبادت سے مغرور ہوگیا۔ اسی لیے حضرت آدم کے سر پر خلافت کا تاج رکھا گیا اور شیطان کے گلے میں لعنت کا طوق پڑا۔

وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ

(۲۲۳۹) روایت ہے حضرت اسماء بنت یزید سے ۱؎ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ آیت پڑھتے سنا کہ اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کرلیا اللہ کی رحمت سے ناامید نہ

اَللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا وَّلَا یُبَالِیْ (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ وَّفِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ یَقُوْلُ بَدَلَ یَقْرَأُ)

ہو۲ اللہ تعالٰی سارے گناہ بخش دے گا اور پروا بھی نہ کرے گا ۳ (احمد، ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے اور شرح سنہ میں پڑھتے تھے کی بجائے فرماتے تھے

(۲۲۳۹) ۱؎ آپ مشہور صحابیہ انصاریہ ہیں۔ یزید ابن سکن کی بیٹی ہیں۔ بڑی عاقلہ بہادرہ تھیں۔ غزوۂ تبوک میں حاضر تھیں۔ چوب خیمہ سے نو کفار کو قتل کیا۔ آپ کے حالات زندگی پہلی جلد میں بیان ہوئے (اشعہ) ۲؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ قول حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا ہے اور عباد سے مراد غلام، مسلمان ہیں (اشعہ) یعنی اے میرے غلام اب تو جنہوں نے گناہ کرلیے رب کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ ربّ تمام گناہ بخش دے گا کیونکہ تم مسلمان ہو۔ یہاں یقرا بمعنی یقول ہے جیسا کہ شرح سنہ کی روایت سے ثابت ہے کہ وہاں یقول ہے کہ آیت کریمہ قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا (۳۹،۵۳) تم فرماؤ اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی (کنزالایمان) میں بھی محققین علماء کا یہ ہی قول ہے کہ وہاں بھی عبادی سے حضور کے بندے و غلام مراد ہیں۔ کیونکہ کفار کے گناہ ناقابل معافی ہیں اور وہ رحمت الٰہی سے ناامید کردیئے گئے ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِہٖ (۴،۴۸) بے شک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے (کنزالایمان) مولانا فرماتے ہیں شعر:

بندہ خود خواند احمد در رشاد جملہ عالم را جواں قل یا عباد

اس سے معلوم ہوا کہ عبدالرسول، عبدالنبی کہہ سکتے ہیں۔ ربّ تعالٰی فرماتا ہے مِنْ عِبَادِکُمْ وَاِمَآءِکُمْ (۲۴،۳۲) اور اپنے لائق بندوں اور کنیزوں کا (کنزالایمان) ۳؎ لایبالی سے بھی معلوم ہورہا ہے کہ یہ کلام حدیث ہے قرآنی آیت نہیں۔ قرآن کریم میں لایبالی نہیں ہے۔ (مرقات) یعنی تمام گنہگار مسلمانوں کو بخش دینے میں رب کو پروا بھی نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ گناہ کبیرہ و حقوق العباد بھی لائق بخشش ہیں بجز کفر ہر گناہ کی مغفرت ہوسکتی ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِیْ قَوْلِ اللّٰہِ تَعَالٰی اِلَّا اللَّمَمَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنْ تَغْفِرِ اللّٰھُمَّ تَغْفِرْ جَمًّا وَّاَیُّ عَبْدٍ لَّكَ لَا اَلَمَّا (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ غَرِیْبٌ)

(۲۲۴۰) روایت ہے حضرت ابن عباس سے اللہ تعالٰی کے اس قول کے متعلق کہ اِلَّا اللَّمَمَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الٰہی اگر تو بخشے تو بڑے گناہ بخش دے۔ گناہ صغیرہ کس بندے نے نہیں کیے ۲؎ (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے ۳؎

(۲۲۴۰) ۱؎ آیت کریمہ یہ ہے: وَالَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ (۴۲،۳۷) اور وہ جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائیوں سے بچتے ہیں (کنزالایمان) جولوگ گناہ کبیرہ اور بے حیائیوں سے بچے رہتے ہیں بجز چھوٹے گناہوں کے علماء فرماتے ہیں کہ جن گناہوں پر حد شرعی مقرر ہے وہ کبیرہ ہیں اور جن پر کوئی وعید نازل ہوئی وہ فاحشہ ہے اور جن پر ان دونوں میں سے کچھ نہیں وارد ہوا صرف ممانعت ہے وہ لمم یعنی گناہ صغیرہ ہے ۲؎ یہ شعر امیہ ابن ابی الصلت کا ہے اگرچہ امیہ زمانہ جاہلیت کے شعراء میں سے ہے مگر اس کے اشعار بہت حکمت و معرفت کے ہیں۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے اشعار سنتے بھی تھے اور خود پڑھتے بھی تھے۔ چنانچہ یہ شعر حضور انور نے بطور دعا پڑھا، مطلب یہ ہے کہ اے مولٰی تو تو کریم ہے۔ اپنی بخشش میں گناہ صغیرہ کی قید نہ لگا تو چاہے تو بڑے بڑے گناہ بھی بخش دے۔ گناہ صغیرہ تو سارے ہی لوگ کرتے رہتے ہیں۔ مولٰی صغیرہ بھی بخش اور کبیرہ بھی، بتا کہ گناہ کبیرہ والے کس دروازہ

پر جائیں۔ ان کا ٹھکانہ بھی تیرا ہی دروازہ ہے۔ ۳؎ یعنی یہ حدیث بہت سی اسنادوں سے مروی ہے جن میں سے بعض اسنادیں صحیح ہیں۔ بعض غریب، لہٰذا متن حدیث صحیح بھی ہے حسن بھی اور غریب بھی، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم شعر سنتے اور پسند کرتے بھی تھے اور خود بھی پڑھتے تھے۔ ربّ جو فرماتا ہے: وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ (۳۶، ۶۹) اور ہم نے ان کو شعر کہنا نہ سکھایا (کنزالایمان) وہاں شعر بنانا اور شعر گا کر پڑھنا مراد ہے (مرقات) یا شعر سے مراد جھوٹا کلام ہے اس کی بحث ہماری کتاب جاء الحق میں بلاحظہ فرمائیے۔

وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی یَاعِبَادِیْ کُلُّکُمْ ضَالٌّ اِلَّا مَنْ هَدَیْتُ فَاسْئَلُوْنِیَ الْهُدٰی اَهْدِکُمْ وَکُلُّکُمْ فُقَرَآءُ اِلَّا مَنْ اَغْنَیْتُ فَسْلَوْنِیْ اَرْزُقْکُمْ وَکُلُّکُمْ مُّذْنِبٌ اِلَّا مَنْ عَافَیْتُ فَمَنْ عَلِمَ مِنْکُمْ اَنِّیْ ذُوْ قُدْرَةٍ عَلَی الْمَغْفِرَةِ فَاسْتَغْفَرَنِیْ غَفَرْتُ لَهٗ وَلَا اُبَالِیْ وَلَوْ اَنَّ اَوَّلَکُمْ وَاٰخِرَکُمْ وَحَیَّکُمْ وَمَیِّتَکُمْ وَرَطْبَکُمْ وَیَابِسَکُمْ اجْتَمَعُوْا عَلٰی اَتْقٰی قَلْبِ عَبْدٍ مِّنْ عِبَادِیْ مَازَادَ ذٰلِكَ فِیْ مُلْکِیْ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ وَّلَوْ اَنَّ اَوَّلَکُمْ وَاٰخِرَکُمْ وَحَیَّکُمْ وَمَیِّتَکُمْ وَرَطْبَکُمْ وَیَابِسَکُمْ اجْتَمَعُوْا عَلٰی اَشْقٰی قَلْبِ عَبْدٍ مِّنْ عِبَادِیْ مَانَقَصَ ذٰلِكَ مِنْ مُّلْکِیْ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ وَّلَوْ اَنَّ اَوَّلَکُمْ وَاٰخِرَکُمْ وَحَیَّکُمْ وَمَیِّتَکُمْ وَرَطْبَکُمْ وَیَابِسَکُمْ اجْتَمَعُوْا فِیْ صَعِیْدٍ وَّاحِدٍ فَسَاَلَ کُلُّ اِنْسَانٍ مِّنْکُمْ مَا بَلَغَتْ اُمْنِیَّتُهٗ فَاَعْطَیْتُ کُلَّ سَآئِلٍ مِّنْکُمْ مَّانَقَصَ ذٰلِكَ مِنْ مُّلْکِیْ اِلَّا کَمَا لَوْ اَنَّ اَحَدَکُمْ مَرَّ بِالْبَحْرِ فَغَمَسَ فِیْهِ اِبْرَةً ثُمَّ رَفَعَهَا ذٰلِكَ بِاَنِّیْ جَوَادٌ مَّاجِدٌ اَفْعَلُ مَا اُرِیْدُ عَطَآئِیْ کَلَامٌ وَّعَذَابِیْ کَلَامٌ اِنَّمَا اَمْرِیْ لِشَیْءٍ اِذَا اَرَدْتُّ اَنْ اَقُوْلَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

(۲۲۴۱) روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے میرے بندو تم سب گمراہ ہو سواء اس کے جسے میں ہدایت دوں لہٰذا مجھ سے ہدایت مانگو تمہیں ہدایت دوں گا ۱؎ اور تم سب فقیر ہو سواء اس کے جسے میں غنی کر دوں۔ لہٰذا مجھ سے مانگو میں تمہیں روزی دوں گا ۲؎ اور تم سب مجرم ہو سواء اس کے جسے میں سلامت رکھوں تو تم میں سے جو یہ جان لے کہ میں بخش دینے پر قادر ہوں پھر مجھ سے معافی مانگے تو میں اسے بخش دوں گا ۳؎ اور پروا بھی نہ کروں گا اور اگر تمہارے اگلے پچھلے زندے مردے تر وخشک میرے بندوں میں نیک ترین بندے کے دل پر ہو جائیں ۴؎ تو یہ ان کی نیکی میرے ملک میں مچھر کے برابر بڑھائے گی نہیں ۵؎ اور اگر تمہارے اگلے پچھلے زندے مردے تر وخشک میرے بندوں میں سے بدبخت ترین دل پر متفق ہو جائیں تو ان کے یہ جرم میرے ملک سے مچھر کے پر برابر کم نہ کریں گے ۶؎ اور اگر تمہارے اگلے پچھلے زندے مردے تر وخشک ایک میدان میں جمع ہوں اور پھر تم میں سے ہر شخص اپنی انتہائی تمنا و آرزو مجھ سے مانگے ۷؎ پھر میں ہر منگتے کو دے دوں تو یہ میرے ملک کے مقابل ایسا ہی کم وتھوڑا ہو گا جیسے تم میں سے کوئی دریا پر گزرے اس میں سوئی ڈبوئے پھر اسے اٹھائے ۸؎ یہ اس لیے ہے کہ میں داتا ہوں ۹؎ بہت دینے والا جو چاہتا ہوں کرتا ہوں ۱۰؎ میری عطا صرف فرما دینا ہے اور میرا عذاب صرف فرما دینا ہے میرا حکم کسی شے کے متعلق یہ ہے کہ جب کچھ چاہتا ہوں فرما دیتا ہوں ہو جا وہ ہو جاتی ہے ۱۱؎ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

(۲۲۴۱) ۱؎ یہ حدیث قدسی اس آیت کی شرح ہے فَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَکُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ (۲، ۶۴) تو اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم ٹوٹے (خسارہ، نقصان) والوں میں ہو جاتے (کنزالایمان) اس حدیث میں بتایا گیا کہ ربّ

تعالیٰ کی بڑی نعمت ہدایت ہے جسے میسر ہو۔ انسان کو چاہیے کہ ہدایت کی دعا ضرور مانگے۔ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ انبیاء و اولیا نے بھی ربّ تعالیٰ ہی سے ہدایت لی ہے مگر وہ حضرات بحکم الٰہی ہمیں ہدایت دیتے ہیں۔ سورج نے ربّ ہی سے نور لیا۔ مگر زمین کو نور دیتا ہے۔ لہٰذا یہ حدیث اس آیت کیخلاف نہیں اِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (۴۲،۵۲) اور بے شک تم ضرور سیدھی راہ بتاتے ہو (کنزالایمان) ۲؎ معلوم ہوا کہ ربّ تعالیٰ نے بعض بندوں کو غنی فرمایا ایسا غنی کہ وہ دوسروں کو بھی بحکم پروردگار غنی کر دیتے ہیں۔ ربّ تعالیٰ فرماتا ہے: اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ (۹،۷۴) اللہ و رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا (کنزالایمان) ۳؎ سُبْحٰنَ اللّٰهِ کیا ہمت افروز امید افزا کلام ہے۔ بندہ اپنے گناہ سے ربّ کی رحمت کو زیادہ جانے اور اپنے آپ کو اپنے اعمال کو ربّ کی قدرت میں مانے انشاء اللہ بخشا جائے گا ۴؎ کسی نہایت نیک پرہیز گار متقی بندے کو چن لو پھر غور کرو کہ اگر سارے انسان اس نیک آدمی کی طرح ہو جائیں کہ کوئی شخص کوئی گناہ ہی نہ کرے تو اس سے میرے خزانے بڑھتے نہیں ۵؎ یعنی دنیاوی بادشاہوں کے خزانے رعایا کی نیکی سے بھرتے ہیں۔ اگر رعایا باغی ہو کر ٹیکس دینے سے انکاری ہو جائے تو بادشاہ کے خزانے خالی رہ جائیں۔ ہمارے خزانوں کا یہ حال نہیں۔ تمام جہان کی نیکیوں سے ہمارے خزانے میں مچھر کے پر برابر زیادتی نہیں ہوتی مخلوق کی نیکی سے خود ان کا اپنا بھلا ہے۔ ہم بے پرواہیں ۶؎ یعنی تم کسی بدتر بن شخص کو سوچو جیسے ابلیس اور غور کرو کہ اگر تمام مخلوق اس فاسق ابلیس کی طرح فاسق و فاجر و گنہگار ہو جائے تو ان کے گناہوں سے میرا کچھ بگڑتا نہیں خود انکا اپنا بگڑتا ہے۔ خیال رہے کہ یہ تمام فرضی صورتیں ہیں جو سمجھانے کیلئے پیش کی گئی ہیں۔ ورنہ فرشتے انبیاء اور بعض اولیاء وہ ہیں جن سے گناہ سرزد ہو سکتے ہی نہیں۔ لہٰذا یہ حدیث عصمت انبیاء کے خلاف نہیں جیسے ربّ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محبوب فرما دو اگر خدا کے بیٹا ہوتا تو پہلے اسے میں پوجتا' نہ خدا کے بیٹا ہو سکتا ہے نہ حضور اس کی پوجا کر سکتے ہیں ۷؎ اُمْنِیَّتَهٗ ہمزہ کے پیش اور ی کے شد سے ہے بمعنی خواہش و آرزو' اس کی جمع منی یا امانی ہے۔ یہاں ممکن و جائز آرزو و مراد ہے۔ کبھی ناجائز و نفسانی خواہش کو امنیہ کہتے ہیں۔ ربّ تعالیٰ فرماتا ہے: تِلْكَ اَمَانِیُّهُمْ ۸؎ یہاں نقص بمعنی کم ہونا ہے نہ کہ بمعنی کم کرنا یہ ترجمہ نہایت صحیح ہے۔ یعنی اگر تمام مخلوق کی خواہشات پوری کر دی جائیں اور ان کی تمنائیں دے دی جائیں تو یہ عطیہ ہمارے خزانوں کے سامنے ایسا ہو گا جیسے بھیگی سوئی کی تری سمندر کے مقابل' ربّ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہر چیز کے خزانے ہمارے پاس ہیں ہم اندازے سے ہی اتارتے ہیں۔ یہ نسبت بھی سمجھانے کیلئے ہے۔ ورنہ محدود متناہی کو غیر محدود لامتناہی سے نسبت ہی کیسی ۹؎ خیال رہے کہ سخی وہ جو خود بھی کھائے دوسروں کو بھی کھلائے' مگر جواد وہ ہے جو دوسروں کو کھلائے خود نہ کھائے' سخی کا مقابل بخیل ہے اور جواد کا مقابل ممسک' ماجد مجد سے بنا بمعنی وسیع العطاء جس کی عطاء مخلوق کی وہم و گمان سے وراء ہو ۱۰؎ یعنی جو میں چاہتا ہوں وہ کرتا ہوں جو مخلوق چاہتی ہے وہ نہیں کرتا کیونکہ مخلوق میرے تابع ہے نہ کہ میں مخلوق کے تابع (مرقات) خیال رہے کہ جن بندوں نے اپنی مرضی ربّ کی مرضی میں گم کر دی پھر جو وہ چاہتے ہیں وہ ربّ کرتا ہے کیونکہ وہ چاہتے ہی وہ ہیں جو ربّ چاہے اور ربّ چاہتا وہ ہے جو یہ بندہ چاہے۔ لہٰذا یہ حدیث اس آیت کیخلاف نہیں وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى (۹۳،۵) اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا ربّ تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔ (کنزالایمان) ربّ تعالیٰ حدیث کی فہم صحیح نصیب کرے ۱۱؎ یہاں ہو جا فرمانے سے مراد ہے اس کا ارادہ کر لینا یعنی جس چیز کا ارادہ فرمالیتا ہوں وہ ہو جاتی ہے۔ ارادہ کے سواء کسی اور عمل کی مجھے ضرورت نہیں۔ لہٰذا اس پر آریوں کا یہ اعتراض نہیں کہ معدوم چیز سے کہنا کہ ہو جا عقل کیخلاف ہے۔ معدوم چیز سننے کے قابل نہیں۔ پھر ہو جا کس سے فرمایا جاتا ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَرَاَ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ قَالَ قَالَ رَبُّكُمْ اَنَا اَهْلُ اَنْ اُتَّقٰى فَمَنِ اتَّقَانِيْ فَاَنَا اَهْلُ اَنْ اَغْفِرَلَهٗ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

(۲۲۴۲) روایت ہے حضرت انس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور انور نے تلاوت فرمایا وہ تقویٰ اور بخشش والا ہے حضور نے فرمایا کہ تمہارا ربّ فرماتا ہے کہ میں اس لائق ہوں کہ مجھ سے ڈرا جائے۱ جو مجھ سے ڈرے گا تو میں اس لائق ہوں کہ اسے بخش دوں۲ (ترمذی ابن ماجہ دارمی)

(۲۲۴۲)۱ یعنی تقویٰ مصدر مجہول ہے اور اپنے مفعول کی طرف منسوب، معنی یہ ہیں کہ میں اس لائق ہوں کہ ساری خلق مجھ سے ڈرے خیال رہے کہ ڈر بمعنی ہیبت ساری مخلوق کو ہے۔ انبیائے کرام اولیاء اللہ عام مومنین خاص صالحین کے دل میں ربّ تعالیٰ کی ہیبت بقدر قرب ہے جس قدر ربّ سے قرب زیادہ اسی قدر اس کی ہیبت زیادہ مگر خوف عذاب صرف گنہگاروں کو ہے اور خوف عقاب کفار کو لہٰذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں کہ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (۱۰، ۶۲) سن لو بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم (کنزالایمان) کہ وہاں خوف عذاب کی نفی ہے اور یہاں ہیبت الٰہی کا ثبوت۲ خلاصہ یہ ہے کہ خوف خدا بہت بڑی نیکی ہے جس سے گناہ معاف ہوتے ہیں اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ (۱۱، ۱۱۴) بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں (کنزالایمان) لہٰذا بڑے سے بڑا مجرم بھی میرے خوف کی وجہ سے بخش دیا جائے گا۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اِنْ كُنَّا لَنَعُدُّ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَجْلِسِ يَقُوْلُ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَتُبْ عَلَيَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ مِائَةَ مَرَّةٍ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

(۲۲۴۳) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم اس فرمان کو ایک مجلس میں سو بار شمار کر لیتے تھے کہ عرض کرتے تھے یا ربّ مجھے بخش دے میری توبہ قبول فرما یقیناً تو توبہ قبول فرمانے والا ہے۱ (احمد ترمذی ابوداؤد ابن ماجہ)

(۲۲۴۳)۱ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی جگہ کام کیلئے تشریف فرما ہوتے تو تھوڑے تھوڑے وقفہ سے یہ کلمات پڑھتے تھے اور اس کثرت سے پڑھتے تھے کہ اٹھنے سے پہلے سو بار تک فرما لیتے تھے۔ یہ تو عام مجالس پاک کا ذکر ہے۔ خصوصی عبادات کی مجلسوں کا کیا پوچھنا مغفرت و توبہ کا فرق پہلے عرض کیا گیا نیز یہ بھی کہ یہ کلمات ہماری تعلیم کیلئے ہیں نیز ان کا پڑھنا عبادت اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ درجہ کے عابد ہیں۔ لہٰذا یہ حدیث عصمت انبیاء کے خلاف نہیں۔

وَعَنْ بِلَالِ بْنِ يَسَارِ بْنِ زَيْدٍ مَوْلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ جَدِّيْ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ قَالَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ غُفِرَلَهٗ وَاِنْ كَانَ قَدْ فَرَّ مِنَ الزَّحْفِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَلٰكِنَّهٗ عِنْدَ اَبِيْ دَاوٗدَ هِلَالُ بْنُ يَسَارٍ وَّقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ

(۲۲۴۴) روایت ہے حضرت بلال بن یسار ابن زید سے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں۱ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد نے میرے دادا سے روایت کی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو یہ پڑھا کرے معافی مانگتا ہوں اس اللہ سے جس کے سواء کوئی معبود نہیں وہ زندہ ہے قائم رکھنے والا ہے اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں تو اس کی بخشش کر دی جائے گی اگرچہ وہ جہاد سے بھاگا ہو۲ (ترمذی ابوداؤد) لیکن ابوداؤد کے نزدیک راوی

ہلال ابن یسار ہیں اور ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔۳

(۲۲۴۴)۱؎ غلام رسول اللہ ہونا حضرت زید کی صفت ہے نہ کہ بلال کی، اور یہ زید ابن حارثہ نہیں ہیں بلکہ یہ زید ابن بولیٰ نوبی ہیں جن کی کنیت ابو یسار ہے۔ زید تو صحابی ہیں مگر ان کے بیٹے یسار اور پوتے بلال وغیرہ تابعی ہیں۔ ان بلال سے صرف یہ ہی ایک حدیث مروی ہے جیسا کہ ابن حجر نے تقریب میں اور ملا علی قاری نے مرقات میں فرمایا ۲؎ یعنی جہاد میں دشمن کے مقابلہ سے بزدلی کی بنا پر بھاگ جانا بدترین گناہ ہے مگر اس استغفار کی برکت سے انشاء اللہ وہ بھی معاف ہو جائیگا جیسے دواؤں کی جڑیاں بوٹیاں مختلف تاثیریں رکھتی ہیں کوئی معمولی بیماری میں مفید ہوتی ہے۔ کوئی سخت خطرناک بیماری میں ایسی روحانی بیماریوں کیلئے دعاؤں کے الفاظ مختلف تاثیر رکھتے ہیں۔ یہ استغفار بدترین گناہوں کی بخشش کیلئے مفید ہے مگر وہ تاثیریں طبیب کو معلوم ہوتی ہیں اور یہ تاثیریں حبیب کو معلوم ہیں۔ ہم ان سے بے خبر ہیں مگر علماء فرماتے ہیں کہ توبہ سچے دل سے ہو تب اس کی یہ تاثیریں ہیں کہ توبہ کے وقت آئندہ گناہ سے بچنے کا پورا ارادہ ہو۔ گناہ پر قائم رہتے ہوئے منہ سے توبہ توبہ بول دینا ایک طرح کا مذاق ہے (مرقات) خیال رہے کہ بعض وقت جہاد سے بھاگ جانا جائز بھی ہوتا ہے جبکہ کفار کی یلغار بہت ہی زیادہ ہو جائے اور اب ٹھہرنا ہلاکت ہی ہو اس صورت میں ڈٹا رہنا جان دے دینا بہت ثواب ہے مگر بھاگ جانا بھی گناہ نہیں، اور کبھی بھاگنا جنگی چال ہوتی ہے کہ یہاں سے ہٹ کر مضبوط مرکز پر پہنچیں۔ پھر وہاں جم کر جنگ کریں رب تعالیٰ فرماتا ہے: اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِقِتَالٍ (۱۶۸) مگر لڑائی کا ہنر کرنے (کنزالایمان) یہ بھاگنا ثواب ہے نہ بھاگنا گناہ اور بلاوجہ بزدلی سے چھوڑ کر بھاگ جانا سخت گناہ، وہ ہی یہاں مراد ہے۔ لہٰذا یہ حدیث بالکل واضح ہے۔ اس پر کوئی اعتراض نہیں ۳؎ یعنی بلال کے نام میں اختلاف ہو گیا۔ بعض محدثین ہلال ہ سے فرماتے ہیں بعض بلال ب سے، مگر ب سے ہی زیادہ مشہور ہے۔ حافظ منذری نے فرمایا کہ یہ حدیث بہت جید ہے۔ اس کی اسناد متصل ہے اور اس میں کوئی راوی ضعیف نہیں اور بہت طرق سے مروی ہے واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَيَرْفَعُ الدَّرَجَةَ لِلْعَبْدِ الصَّالِحِ فِی الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ اَنّٰی لِیْ هٰذِهٖ فَيَقُوْلُ بِاسْتِغْفَارِ وَلَدِكَ لَكَ
(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

(۲۲۴۵) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ نیک بندے کے جنت میں درجے بلند فرماتا ہے۱؎ تو بندہ عرض کرتا ہے الٰہی مجھے یہ بلندی درجہ کہاں سے ملی ۲؎ رب فرماتا ہے تیرے بچے کے تیرے لیے دعائے مغفرت کرنے کی وجہ سے ۳؎ (احمد)

(۲۲۴۵)۱؎ اس طرح کہ پہلے تو اس کی قبر میں معمولی درجے کی جنت کی کھڑکی کھلتی ہے پھر اعلیٰ درجہ کی۔ پھر اس سے اعلیٰ کی یا اس طرح کہ اسے خبر دی جاتی ہے کہ تیرا درجہ بلند ہو رہا ہے۔ لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جنت تو قیامت کے بعد ملے گی۔ درجے قبر میں کیسے بلند ہو رہے ہیں۔ مرقات نے فرمایا کہ یہاں عبد صالح سے مراد گنہگار مسلمان ہے جو بخشش کی صلاحیت و قابلیت رکھتا ہے۔ پہلے وہ عذاب قبر میں گرفتار ہوتا ہے کہ اچانک عذاب موقوف ہو کر جنت کی کھڑکی قبر میں کھل جاتی ہے لہٰذا یہ حدیث صرف نیکوں سے مخصوص نہیں ۲؎ میں تو قبر میں سو رہا ہوں اعمال کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، پھر یہ تبدیلی حال بغیر اعمال کیسے ہو رہی ہے سُبْحَانَ اللّٰهِ رب کی

عطائیں بندے کے وہم سے وراء ہیں۳؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے۔ایک یہ کہ نیک اولاد جو ماں باپ کو ان کے مرنے کے بعد دعائے ایصال ثواب استغفار وغیرہ سے یاد رکھے۔صدقہ جاریہ ہے۔اور ربّ تعالٰی کی رحمت ہے جس کے ذریعہ مردہ کو قبر میں فائدہ پہنچتا رہتا ہے۔دوسرے یہ کہ شفاعت مؤمنین برحق ہے جس کا فائدہ میت کو پہنچتا ہے۔پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا تو کہنا ہی کیا۔تیسرے یہ کہ اولاد کو چاہیے کہ ماں باپ کو دعائے خیر میں یاد رکھے۔حتیٰ کہ نماز میں سلام پھیرتے وقت رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ (۱۴،۴۱) مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو (کنز الایمان) پڑھے۔ایسا بچہ نیکو کاروں میں شمار ہوگا۔خیال رہے کہ ولد یعنی بچہ میں بیٹا بیٹی اور ان کی اولاد در اولاد سب شامل ہیں۔کبھی ساتویں پشت کی اولاد ساتویں دادا کو کام آجاتی ہے۴؎ عام گنہگار مسلمان تو اپنے گناہوں کی وجہ سے خاص نیک مسلمان اسی پشیمانی کی وجہ سے کہ ہم نے اور زیادہ نیکیاں کیوں نہ کرلیں مخصوص محبوبین اپنے چھوٹے ہوئے پیاروں کی وجہ سے ایسے ہوتے ہیں تازہ میت برزخ میں ایسی ہوتی ہے جیسے نئی دلہن سسرال میں کہ اگرچہ وہاں اسے ہر طرح کا عیش و آرام ہوتا ہے مگر اس کا دل میکہ میں پڑا رہتا ہے جب کوئی سوغات یا کوئی آدمی میکے سے پہنچتا ہے تو اس کی خوشی کی حد نہیں رہتی۔پھر دل لگتے لگتے لگ جاتا ہے ظاہر یہ ہے کہ یہاں میت سے تازہ میت مراد ہے کہ اسے زندوں کے تحفے کا بہت انتظار رہتا ہے۔اسی لیے نئی میت کو جلد از جلد نیاز، تیجا، دسواں، چالیسواں وغیرہ سے یاد کرتے ہیں فقیر کی اس شرح سے معلوم ہوگیا کہ یہ فقط گنہگار کا ہی حال نہیں۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا الْمَيِّتُ فِي الْقَبْرِ اِلَّا كَالْغَرِيْقِ الْمُتَغَوِّثِ يَنْتَظِرُ دَعْوَةً تَلْحَقُهُ مِنْ اَبٍ اَوْ اُمٍّ اَوْ اَخٍ اَوْ صَدِيْقٍ فَاِذَا الْحِقَتْهُ كَانَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا وَمَافِيْهَا وَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لِيُدْخِلُ عَلٰى اَهْلِ الْقُبُوْرِ مِنْ دُعَآءِ اَهْلِ الْاَرْضِ اَمْثَالَ الْجِبَالِ وَاِنَّ هَدِيَّةَ الْاَحْيَاءِ اِلَى الْاَمْوَاتِ الْاِسْتِغْفَارُ لَهُمْ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ

(۲۲۴۶) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میت قبر میں ڈوبتے ہوئے فریادی کی طرح ہی ہوتی ہے کہ ماں باپ بھائی یا دوست کی دعائے خیر کے پہنچنے کی منتظر رہتی ہے۱؎ پھر جب اسے دعا پہنچ جاتی ہے تو اسے یہ دعا دنیا کی تمام نعمتوں سے زیادہ پیاری ہوتی ہے۲؎ اور اللہ تعالٰی زمین والوں کی دعا سے قبر والوں کو ثواب کے پہاڑ دیتا ہے۳؎ اور یقیناً زندہ کا مردوں کیلئے تحفہ ان کیلئے دعائے مغفرت ہے۴؎ (بیہقی شعب الایمان)

(۲۲۴۶) ۱؎ دوست سے مراد خاص دوست بھی ہے اور عام دوست یعنی ہر مسلمان بھی، زندوں کو چاہیے کہ مردوں کو اپنی دعاؤں وغیرہ میں یاد رکھیں تاکہ کل انہیں دوسرے مسلمان یاد کریں۔اس حدیث سے ان لوگوں کو عبرت پکڑنی چاہیے جو نیاز فاتحہ ایصال ثواب سے لوگوں کو طرح طرح کے بہانوں سے روکتے ہیں کل انہیں بھی مرنا ہے شعر:

نام نیک رفتگاں ضائع مکن　　تا بماند نام نیکت برقرار

۲؎ اس لیے کہ یہ مدد بہت سخت حاجت کے وقت پہنچتی ہے۔نیز یہ پرانے وطن کا تحفہ و ہدیہ ہوتا ہے۔پردیس میں دیس کا خط بھی پیارا معلوم ہوتا ہے۔۳؎ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہر نیک عمل کا ثواب اسی شکل میں پہاڑ بن کر میت کو پہنچتا ہے۔اگر روٹی خیرات کی گئی، تو وہ روٹی کی شکل میں اس کا ثواب میت کو ملے گا اور کپڑے کی خیرات کا ثواب کپڑے کی شکل میں، مگر اس میں ربّ کی طرف سے بہت برکت ہوتی ہے۴؎ خواہ دعائے مغفرت صراحۃً ہو جیسے ربّ اغفرلی ولوالدی والجمیع المسلمین خواہ ضمناً جیسے ان کی طرف سے صدقہ و

خیرات کہ یہ چیزیں میت کی بخشش کا ذریعہ ہیں۔غرضیکہ یہ حدیث قولی وعملی دونوں استغفاروں کوشامل ہے۔خیال رہے کہ یہ احادیث ان آیات کےخلاف نہیں لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی اور لَهَا مَا كَسَبَتْ وغیرہ کے کہ ان آیتوں میں بدنی عمل مراد ہیں یعنی کوئی کسی کی طرف سے فرض نماز روزہ نہیں رکھ سکتا۔اپنا فرض اپنے ہی کرنے سے ادا ہوگا اور یہ احادیث ثواب پہنچانے کے متعلق ہیں۔ثواب پہنچانا اور ہے ادائے فرض اور یا آیت میں ملکیت کی نفی ہے اور حدیث میں بخشش کا ثبوت یعنی انسان کی ملک صرف اپنے ہی اعمال ہیں دوسروں کا کیا بھروسہ کوئی دے یا نہ دے۔بغل میں توشہ منزل کا بھروسہ شعر:

توشہ اعمال اپنا ساتھ لے جاؤ اجی | کون پیچھے قبر میں بھیجے گا سوچو تو سہی
بعد مرنے کے تمہیں اپنا پرایا بھول جائے | فاتحہ کو قبر پر پھر کوئی آئے یا نہ آئے

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طُوْبٰى لِمَنْ وَجَدَ فِيْ صَحِيْفَتِهٖ اسْتِغْفَارًا كَثِيْرًا (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَ رَاوَى النَّسَائِيُّ فِيْ عَمَلِ يَوْمٍ وَّ لَيْلَةٍ)

(۲۲۴۷) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن بسر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کیلئے بہت خوبیاں ہیں جو اپنے نامہ اعمال میں بہت استغفار پائے [1] (ابن ماجہ اور نسائی نے اس حدیث کو دن رات کے عمل میں روایت کیا)

(۲۲۴۷) [1] یعنی اس نے مقبول استغفار بہت کیے ہوں جو اس کے نامہ اعمال میں لکھے جا چکے ہوں۔اسی لیے یہاں بہت استغفار کرنے کا ذکر نہ فرمایا بلکہ نامہ اعمال میں پانے کا ذکر کیا مقبول استغفار وہ ہے جو دل کے درد آنکھوں کے آنسو اور اخلاص سے کی جائے۔صرف اخلاص بھی کافی ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ الَّذِيْنَ اِذَا اَحْسَنُوْا اسْتَبْشَرُوْا وَاِذَا اَسَاءُوْا اسْتَغْفَرُوْا (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ)

(۲۲۴۸) روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یوں عرض کرتے تھے الٰہی مجھے ان لوگوں میں سے بنا جو نیکیاں کریں اور خوش ہوجائیں اور گناہ کریں تو معافی مانگ لیں [1] (ابن ماجہ) اور بیہقی نے دعوات کبیر میں

(۲۲۴۸) [1] سُبْحَانَ اللّٰهِ کیسی پیاری دعا ہے یعنی مجھے اس جماعت سے بنا جو اپنی نیکی پر فخر نہیں کرتے بلکہ توفیق خیر ملنے پر تیرا شکر کرتے ہیں اور گناہوں پر لاپرواہی نہیں کرتے بلکہ اس دھبا کو فوراً توبہ کے پانی سے دھو ڈالتے ہیں۔ربّ تعالٰی حضور کے صدقہ سے یہ صفتیں ہم کو بھی نصیب کرے آمین، فخر کی خوشی گناہ ہے ربّ تعالٰی فرماتا ہے: لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ (۲۸:۷۶) اترا نہیں بےشک اللہ اترانے والوں کو دوست نہیں رکھتا (کنزالایمان) اور شکر کی خوشی عبادت ہے ربّ تعالٰی فرماتا ہے: فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا (۵۸:۱۰) اسی پر چاہیے کہ خوشی کریں (کنزالایمان) یہاں شکر کی خوشی مراد ہے۔

وَعَنِ الْحَارِثِ بْنِ سُوَيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ حَدِيْثَيْنِ اَحَدُهُمَا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْاٰخَرُ عَنْ نَفْسِهٖ قَالَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ يَرٰى ذُنُوْبَهٗ كَاَنَّهٗ قَاعِدٌ تَحْتَ جَبَلٍ يَّخَافُ اَنْ يَّقَعَ عَلَيْهِ وَاِنَّ الْفَاجِرَ يَرٰى ذُنُوْبَهٗ كَذُبَابٍ مَرَّ عَلٰى اَنْفِهٖ

(۲۲۴۹) روایت ہے حضرت حارث ابن سوید سے [1] فرماتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ ابن مسعود نے دو حدیثیں سنائیں ایک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اور دوسری اپنی طرف سے [2] فرمایا کہ مومن اپنے گناہوں کو یوں سمجھتا ہے گویا کہ وہ پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہے۔ڈر رہا ہے کہ اس پر گر جائے اور بدکار اپنے گناہوں کو اس مکھی

فَقَالَ بِهٖ هٰكَذَا اَیْ بِیَدِهٖ فَذَبَّهٗ عَنْهُ ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَللّٰهُ اَفْرَحُ بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ الْمُؤْمِنِ مِنْ رَجُلٍ نَزَلَ فِیْ اَرْضٍ دَوِّيَّةٍ مَهْلَكَةٍ مَعَهٗ رَاحِلَتُهٗ عَلَيْهَا طَعَامُهٗ وَشَرَابُهٗ فَوَضَعَ رَاْسَهٗ فَنَامَ نَوْمَةً فَاسْتَيْقَظَ وَقَدْ ذَهَبَتْ رَاحِلَتُهٗ فَطَلَبَهَا حَتّٰى اِذَا اشْتَدَّ عَلَيْهِ الْحَرُّ وَالْعَطَشُ اَوْ مَاشَاءَ اللّٰهُ قَالَ اَرْجِعُ اِلٰى مَكَانِیَ الَّذِیْ كُنْتُ فِيْهِ فَاَنَامُ حَتّٰى اَمُوْتَ فَوَضَعَ رَاْسَهٗ عَلٰى سَاعِدِهٖ لِيَمُوْتَ فَاسْتَيْقَظَ فَاِذَا رَاحِلَتُهٗ عِنْدَهٗ عَلَيْهَا زَادُهٗ وَشَرَابُهٗ فَاَللّٰهُ اَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ الْعَبْدِ الْمُؤْمِنِ مِنْ هٰذَا بِرَاحِلَتِهٖ وَزَادِهٖ رَوٰى مُسْلِمٌ اَلْمَرْفُوْعَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُ فَحَسْبُ وَرَوَى الْبُخَارِیُّ الْمَوْقُوْفَ عَلَى ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَيْضًا

کی طرح سمجھتا ہے جو اس کی ناک پر گزرے تو یوں کر دے۔ یعنی اپنے ہاتھ سے اسے اڑا دے۳ پھر فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالٰی اپنے مومن بندے کی توبہ سے اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے۔۴ جو کسی جانوروں والی ہلاکت کی زمین میں اترے اس کے ساتھ سواری ہے جس پر اس کا کھانا پانی ہے۔ اس نے سر رکھا کچھ سو گیا۵ جاگا تو اس کی سواری جا چکی تھی۔ اسے بہت ڈھونڈ رہا تھا حتی کہ جب اس پر دھوپ یا پیاس یا جو اللہ نے چاہا غالب آ گئی۶ تو بولا کہ میں اپنی اس ہی جگہ لوٹ جاؤں جہاں تھا۷ وہاں سو جاؤں حتی کہ مر جاؤں اپنے بازوؤں پر مرنے کیلئے سر رکھ دیا پھر جاگا تو اس کی سواری اس کے پاس تھی جس پر اس کا توشہ پانی۸ تھا اللہ تعالٰی مومن بندے کی توبہ سے اس شخص سے زیادہ خوش ہوتا ہے جو یہ سواری سے خوش ہوا۹ مسلم نے صرف وہ ہی روایت نقل کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک ابن مسعود سے مرفوع ہے اور بخاری نے ابن مسعود پر موقوف حدیث بھی روایت کی۱۰

(۲۲۴۹)۱ آپ جلیل القدر تابعی ہیں۔ اہل کوفہ سے ہیں۔ کسی نے حضرت امام احمد ابن حنبل سے آپ کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ان کی خوبیاں بیان سے بالا ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن زبیر کے زمانہ میں فوت ہوئے۲ یعنی ایک حدیث مرفوع اور دوسری حدیث موقوف بیان فرمائی جو خود ان کا اپنا قول ہے۔۳ یعنی مومن کی پہچان یہ ہے کہ وہ گناہ صغیرہ کو بھی ہلکا نہیں جانتا وہ سمجھتا ہے کہ چھوٹی چنگاری بھی گھر جلا سکتی ہے۔ اس لیے وہ ان کے کر لینے پر بھی جرأت نہیں کرتا اور اگر ہو جائیں تو فوراً توبہ کر لیتا ہے۔ گناہوں سے خوف کمال ایمان کی علامت ہے۴ یعنی چھوٹے کیا بڑے گناہوں کو بھی ہلکا جانتا ہے۔ کہتا ہے کہ میں نے گناہ کر لیا تو کیا ہوا رب غفور رحیم ہے بخش دے گا۔ یہ خیال امید نہیں بلکہ خدا تعالٰی سے بے خوفی ہے جو کفر تک پہنچا دیتی ہے۔ انسان پہلے چھوٹے گناہ کو ہلکا جانتا ہے پھر بڑے گناہوں کو، پھر کفر و شرک کو بھی معمولی چیز سمجھنے لگتا ہے۵ یہاں خوشی سے مراد رضا ہے جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا حضرت ابن مسعود نے پہلے تو گناہ کو ہلکا جاننے کی برائی بیان فرمائی پھر یہ حدیث سنائی تا کہ بندہ ہر چھوٹے گناہ پر بھی توبہ کرے اسے حقیر نہ جانے، رب تعالٰی بندے کی ہر توبہ خواہ گناہ صغیرہ سے ہو یا کبیرہ سے بہت ہی راضی و خوش ہوتا ہے۔ رب تعالٰی کو راضی کرنا عبادت ہے تو ہر گناہ سے توبہ کرنا بھی اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے۶ یعنی بہت معمولی سا سویا، سواری کی بھی فکر تھی اور جنگلی درندوں کا بھی اندیشہ دنیا درندوں والا جنگل ہے۔ نفس سواری جس پر ہمارا ہر طرح کا روحانی سامان ہے۔ یہاں غافل ہو کر سونا خطرناک ہے یہ محض تمثیل ہے۷ او ماشاء اللہ یا تو راوی کا قول اور اَوْ تردد و شک کیلئے ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یا تو گرمی و پیاس کا ذکر فرمایا اور یا ماشاء اللہ فرمایا اور یا خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے اور اَوْ بمعنی بلکہ یعنی صرف بھوک و پیاس ہی غالب نہ آئی بلکہ تمام وہ مصیبتیں، فکریں، خوف و غم بھی غالب آ گئے جو رب نے چاہے۸ شاید وہاں سواری لوٹ آئی ہو یا لوٹ آئے۔ کیونکہ وہ جگہ اس نے جانی پہچانی ہے۔ اگر نہ آئی تو موت تو آ ہی جائے گی۔ خلاصہ یہ

کہ یا سواری پاؤں گا یا مرجاؤں گا۹ اب بھی اہل عرب جب ریگستان میں پھنس جائیں تو زندگی سے ناامید ہوکر اس طرح موت کی انتظار میں بیٹھ جاتے ہیں اور وہاں ہی جان نکل جاتی ہے۔ یہاں وہ ہی نقشہ کھینچا جارہا ہے۱۰ یہاں جاگنے سے مراد سر اٹھا کر دیکھنا ہے۔ ورنہ ایسی حالت میں نیند کہاں آتی ہے اور ممکن ہے کہ جاگنے سے حقیقۃً جاگنا ہی مراد ہو اور اتفاقاً اونگھ آ گئی ہو۔ بہر حال یہ ایک تمثیل ہے جس میں یاس کے بعد آس کا نہایت بہترین نقشہ کھینچ کر پیش کیا گیا ہے۱۱ یعنی جیسی خوشی اس مایوس بندے کو اس آس پوری ہونے پر ہوسکتی ہے جس نے جان و مال سب کچھ کھو کر سب کچھ پالیا۔ اس سے زیادہ خوشی رب تعالٰی کو اپنے کھوئے ہوئے بندے کے واپس آنے پر ہوتی ہے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ روح انسان مسافر ہے۔ بدن اس کی سواری جس پر اس کے اعمال کا سامان ہے۔ دنیا خطرناک جنگل ہے۔ یہاں کی غفلت اس مسافر کا سو جانا ہے جب روح غافل ہوکر جاگی تو دیکھا کہ بدن نفسانی خواہشات میں گم ہو چکا تھا۔ روح کے قبضہ سے نکل چکا تھا۔ روح نے بہت مشقت سے اسے واپس کرنا چاہا مگر وہ نہ لوٹا مایوس ہوکر روح کو اپنی موت کا یقین ہو گیا اور اس نے سمجھ لیا کہ اب میں عذاب دائمی میں گرفتار ہوتی ہوں کہ اچانک رحمت الٰہی نے دستگیری کی اور گمشدہ جسم و نفس کی توفیق خداوندی نے دستگیری کی روح نے اپنا مقصد پالیا یا اس کے بعد اس کی آس پوری ہوگئی۔ ایسی روح بہت مبارک ہے (مرقات) ۱۲ غرضیکہ اس حدیث کا جز مرفوع تو مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ ہے اور جز موقوف مفردات بخاری سے ہے۔ پوری حدیث صحیح ہے۔

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ الْمُفَتَّنَ التَّوَّابَ

(۲۲۵۰) روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی اس مومن کو پسند فرماتا ہے جو فتنوں میں گھرا ہوا۱ توبہ کرتا ہو۲

(۲۲۵۰)۱ گناہ و غفلتیں اس پر طاری ہوتی رہتی ہیں۔ ہمیشہ نیکیاں ہی نہ کرتا ہو کیونکہ نیکیاں کرنے والا کبھی تکبر و شیخی میں پھنس جاتا ہے اور گناہ میں پھنسا ہوا اکثر شرمندہ رہتا ہے۔ اس شرح سے معلوم ہوا کہ اس قاعدے سے زیادہ حضرات انبیاء و خاص اولیاء علیحدہ ہیں۔ کیونکہ ان میں کبھی غرور پیدا ہوتا ہی نہیں لہٰذا حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ گنہ گار بندے انبیاء اولیاء سے زیادہ پیارے ہوں۔ یہاں ان سے مقابلہ ہے جو نیکیوں پر اترا جائیں عجز پیدا کرنے والا گناہ' فخر پیدا کرنے والی نیکی سے افضل ہے۲ ہر طرح کی توبہ گناہ سے اطاعت کی طرف' غفلت سے بیداری کی طرف' غیبت سے حضور کی طرف اور معصیت سے مصیبت کی طرف لوٹتا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ربّ تعالٰی گناہوں سے ناراض ہے نہ کہ گنہگار سے' گنہگار سے تو توبہ کرنے پر بہت راضی ہو جاتا ہے عشاق کہتے ہیں کہ بمقابلہ نیکوں کے بروں پر زیادہ کرم ہے۔ ماں بیمار لاچار بچہ پر زیادہ مہربان ہوتی ہے۔ نکمے بیٹے کیلئے کماؤ بیٹے سے لیتی رہتی ہے اور کماؤ سے نکمے کو دلواتی رہتی ہے۔ ہم نکمے بندے ہیں ہمارے لیے اپنے حبیب سے فرماتا ہے: وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ (۹۳'۱۰) اور منگتے کو نہ جھڑکو (کنزالایمان) اے محبوب اپنی کمائی سے ان نکموں کو کچھ دیتے رہو۔ انہیں جھڑکو نہیں۔

وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا اُحِبُّ اَنَّ لِيَ الدُّنْيَا بِهٰذِهِ الْاٰيَةِ يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا الْاٰيَةَ فَقَالَ رَجُلٌ كَمَنْ اَشْرَكَ فَسَكَتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ اَلَا وَمَنْ اَشْرَكَ ثَلَاثَ

(۲۲۵۱) روایت ہے حضرت ثوبان سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ مجھے اس آیت کے عوض ساری دنیا مل جاتی۱ اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ناامید نہ ہو والخ۲ ایک شخص بولا تو جو شرک کرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے پھر فرمایا یقیناً جو شرک

مَرَّاتٍ کرے تین بار فرمایا (یعنی اس کی توبہ بھی قبول ہوگی) ۳؎

(۲۲۵۱)۱؎ پھر میں اس دنیا سے لذات و خیرات سب کچھ حاصل کرتا ۲؎ اس آیت میں عبادی سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بندے غلام ہیں اور زیادتی سے مراد گناہ کرتے رہنا ہے۔ انہی سے مغفرت کا وعدہ ہے کہ شرک و کفر کی معافی نہیں۔ ربّ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ ۳؎ یعنی شرک و کفر بھی بخش دیا جائے گا بشرطیکہ بندہ اس سے توبہ کرکے مسلمان ہوجائے جو کفر پر مرگیا اس کی مغفرت نہیں مگر مومن گنہگار اگر بغیر توبہ بھی مر جائے تب بھی بخشا جا سکتا ہے۔ لہٰذا یہ حدیث مذکورہ آیت کے خلاف نہیں۔ حکایت: حضرت وحشی نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ اسلام میں شرک، قتل، زنا بہت بڑے بڑے گناہ ہیں اور میں نے یہ تینوں کیے ہیں۔ میری بخشش کیسے ہوگی۔ تب یہ آیت کریمہ آئی اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا (۱۹،۶۰) مگر جو تائب ہوئے اور ایمان لائے اور اچھے کام کئے (کنزالایمان) وحشی بولے کہ مغفرت کی یہ شرطیں بہت سخت ہیں۔ تو یہ نیک اعمال وغیرہ مجھ سے کیسے ہوں گے۔ تب یہ آیت سنائی گئی۔ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (۴،۴۸) اور کفر سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے (کنزالایمان) وحشی بولے اب بھی میری تسلی نہیں ہوتی نہ معلوم میری بخشش ہوگی یا نہیں۔ تب یہ آیت نازل ہوئی قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا الخ (۳۹،۵۳) تم فرماؤ اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی (کنزالایمان) تب وحشی بولے بس بس مجھے کافی ہے کافی ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا یہ بشارتیں صرف وحشی کیلئے ہیں فرمایا نہیں بلکہ میری ساری امت کیلئے (تفسیر معالم التنزیل و مرقات) غرضیکہ یہ آیت بہت ہی امید افزاء ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَيَغْفِرُ لِعَبْدِهٖ مَالَمْ يَقَعِ الْحِجَابُ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الْحِجَابُ قَالَ اَنْ تَمُوْتَ النَّفْسُ وَهِيَ مُشْرِكَةٌ رَوَى الْاَحَادِيْثَ الثَّلٰثَةَ اَحْمَدُ وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ الْاَخِيْرَ فِيْ كِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ

(۲۲۵۲) روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو بخشتا ہے جب تک کہ آڑ نہ واقع ہو ۱؎ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آڑ کیا ہے فرمایا یہ کہ کوئی شخص شرک کرتے ہوئے مر جائے ۲؎ ان تینوں حدیثوں کو احمد نے روایت کیا اور بیہقی نے آخری حدیث کتاب البعث والنشور میں روایت کی۔

(۲۲۵۲)۱؎ یعنی وہ واقعہ ہو جائے جو بندہ اور ربّ تعالیٰ کی رحمت کے درمیان آڑ ہے دوئی کی آڑ ربّ تعالیٰ فرماتا ہے: لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (۱۶،۵۱) دو خدا نہ ٹھہراؤ وہ تو ایک ہی معبود ہے (کنزالایمان) ۲؎ شرک سے مراد کفر ہے کہ کفر پر موت واقع ہو جانا رحمت الٰہی سے بڑی مضبوط آڑ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کافر کی ہر توبہ موقوف رہتی ہے۔ اگر ایمان لا کر مرا تمام گزشتہ توبہ قبول ہوگئیں۔ اگر کفر پر ہی مرگیا تو ساری توبہ بیکار گئیں۔ حق یہ ہے کہ کفار کی بعض دعائیں قبول ہو جاتی ہیں۔ شیطان نے درازی عمر کی دعا مانگی جو کچھ ترمیم سے قبول ہوگئی۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَقِيَ اللّٰهَ لَا يَعْدِلُ بِهٖ شَيْئًا فِي الدُّنْيَا ثُمَّ كَانَ عَلَيْهِ مِثْلَ جِبَالٍ ذُنُوْبٌ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ
(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ كِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ)

(۲۲۵۳) روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اللہ تعالیٰ سے اس طرح ملے ۱؎ کہ دنیا میں کسی چیز کو اس کے برابر نہ جانتا ہو ۲؎ پھر اس پر گناہوں کے پہاڑ ہوں تو اللہ اسے بخش دے گا ۳؎ (بیہقی کتاب البعث والنشور)

(۲۲۵۳)۱؎ یعنی اس حال میں مرے یہاں اللہ سے ملنے سے مراد دنیا سے جانا ہے نہ کہ قیامت میں اٹھنا کہ مرتے ہی سب ایمان لے آتے ہیں۔ پھر قیامت میں مشرک کون ہو گا۔ چونکہ بعد موت دنیا کے سارے تعلقات ختم ہو جاتے ہیں بندہ کا تعلق صرف ربّ تعالیٰ سے رہ جاتا ہے۔ اسی لیے موت کو اللہ سے ملنا فرمایا گیا۲؎ اس طرح کہ کسی کو خدا کا شریک نہ مانتا ہو۔ چونکہ عرب میں عام طور پر کفار مشرکین ہی تھے۔ اس لیے شرک کا ذکر فرمایا ورنہ موحد کافر کا بھی یہ حال ہے۔ خیال رہے کہ مشرک اپنے معبودوں کو خدا کے برابر ضرور مانتے ہیں کسی کو خدا کی اولاد' کسی کو خدا کا مددگار' کسی کو خدا کے مقابل اپنا کارساز مانتے ہیں۔ اسی لیے وہ قیامت میں اپنے شرکاء سے کہیں گے اِذْ نُسَوِّیْکُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (۹۸،۲۶) جب کہ تمہیں ربّ العالمین کے برابر ٹھہراتے تھے (کنزالایمان) اس کی تحقیق ہماری کتاب علم القرآن میں ملاحظہ فرمایئے۔ ربّ تعالیٰ فرماتا ہے وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ (۴۸،۴) اور کفر سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے (کنزالایمان) لہٰذا یہ حدیث نہ تو قرآنی آیات کے مخالف ہے نہ عذاب کی حدیثوں کے اور نہ اس میں مسلمانوں کو گناہ پر دلیر کیا گیا ہے۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَہٗ (رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ وَالْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ وَقَالَ تَفَرَّدَبِہِ النَّھَرَانِیُّ وَھُوَ مَجْھُوْلٌ وَّفِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ رَوٰی عَنْہُ مَوْقُوْفاً قَالَ النَّدَمُ تَوْبَۃَ وَالتَّائِبُ کَمَنْ لَّا ذَنْبٌ لَہٗ

(۲۲۵۴) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گناہ سے توبہ کرنیوالا ایسا ہے جیسے اس کا گناہ تھا ہی نہیں ۱؎ (ابن ماجہ' بیہقی' شعب الایمان) اور بیہقی نے فرمایا کہ حدیث میں نہرانی اکیلا ہے اور وہ مجہول الحال ہے ۲؎ اور شرح سنہ میں ابن مسعود سے موقوفاً روایت کی آپ نے فرمایا نادم ہونا توبہ ہے اور توبہ والا ایسا ہے کہ گویا گناہ کیا ہی نہیں ۳؎

(۲۲۵۴)۱؎ توبہ سے مراد سچی اور مقبول توبہ ہے جس میں تمام شرائط جواز و شرائط قبول جمع ہوں کہ حقوق العباد اور حقوق شریعت ادا کر دیئے جائیں پھر گزشتہ کوتاہی پر ندامت ہو اور آئندہ نہ کرنے کا عہد' اس توبہ سے گناہ پر مطلقاً پکڑ نہ ہوگی بلکہ بعض صورتوں میں تو گناہ نیکیوں سے بدل جائیں گے۔ حضرت رابعہ بصریہ' سفیان ثوری اور فضیل ابن عیاض سے فرمایا کرتی تھیں کہ میرے گناہ تمہاری نیکیوں سے کہیں زیادہ ہیں۔ اگر میری توبہ سے یہ گناہ نیکیاں بن گئے تو پھر میری نیکیاں تمہاری نیکیوں سے بہت بڑھ جائیں گی۔ (مرقات) خیال رہے کہ یہاں کمن لا ذنب لہ سے انبیاء اولیاء' ملائکہ خارج نہیں ہیں۔ کیونکہ گنہگار توبہ کر کے ان جیسا نہیں ہو جاتا' اگر اسے عذاب نہ بھی ہو مگر خجالت و شرمندگی تو ہو گی وہ حضرات ان سے بھی پاک ہیں۔ یہاں وہ لوگ مراد ہیں جو نہ معصوم ہوں نہ محفوظ مگر گناہ نہ کریں۔ جیسے چھوٹے بچے اور دیوانہ مسلمان کہ تائب گنہگار توبہ کی برکت سے ان بے گناہوں کی طرح ہو جاتا ہے بے گناہی میں ۲؎ یعنی نہرانی کا پتا نہ لگا کہ ثقہ تھا یا ضعیف' لہٰذا یہ حدیث درجہ صحت کو نہ پہنچی۔ امام ابن حجر اور ملا علی قاری نے فرمایا کہ چونکہ یہ حدیث فضائل دعا و توبہ میں ہے۔ لہٰذا اگر ضعیف بھی ہو تب بھی قبول ہے۔ (مرقات) ۳؎ چونکہ گزشتہ پر ندامت توبہ کا رکن اعلیٰ ہے کہ اس پر باقی سارے ارکان مبنی ہیں۔ اس لیے صرف ندامت کا ذکر فرمایا جو کسی کا حق مارنے پر نادم ہو گا تو حق ادا بھی کر دے گا جو بے نمازی ہونے پر شرمندہ ہو گا وہ گزشتہ چھوٹی نمازیں قضا بھی کر لے گا۔ لہٰذا حدیث بالکل واضح ہے۔ اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ اگرچہ یہ حدیث موقوف ہے مگر مرفوع کے حکم میں ہے کہ یہ بات محض قیاس سے نہیں کہی جا سکتی۔

بَابُ فِیْ سَعَةِ رَحْمَتِهٖ
وسعت رحمت الٰہی

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ
پہلی فصل

یعنی گزشتہ بابوں کے تتمات ولواحق کا باب جس میں مختلف مضامین کی احادیث ہیں اکثر حدیثیں اللہ کی رحمت اور بندے کے مایوس نہ ہونے کے متعلق ہیں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا قَضَى اللّٰهُ الْخَلْقَ كَتَبَ كِتَابًا فَهُوَ عِنْدَهٗ فَوْقَ عَرْشِهٖ اِنَّ رَحْمَتِیْ سَبَقَتْ عَلٰى غَضَبِیْ وَفِیْ رِوَایَةٍ غَلَبَتْ غَضَبِیْ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

(۲۲۵۵) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب اللہ نے مخلوق پیدا فرمانے کا فیصلہ کیا[1] تو ایک تحریر لکھی جو ربّ کے پاس عرش کے اوپر ہے[2] کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے اور ایک روایت میں غلبت ہے[3] (مسلم بخاری)

(۲۲۵۵)[1] اس طرح کہ مخلوق کو پیدا فرمادیا یا پیدا فرمانے کی ابتداء کی یا موجودات کے ظہور کا ارادہ کیا یا جب میثاق کے دن تمام روحوں کو پیدا کیا۔[2] کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے اور لکھنے سے مراد لکھنے کا حکم دینا ہے۔فرشتوں کو یا قلم کو' عرش کے اوپر سے مراد درجہ و مرتبہ میں اوپر ہے نہ کہ جگہ میں' کیونکہ لوح محفوظ عرش کے نیچے ہے نہ کہ اس کے اوپر' بعض علماء نے فرمایا کہ لوح محفوظ حضرت اسرافیل علیہ السلام کی پیشانی ہے کہ اس میں سارے حالات درج ہیں' اور حضرت اسرافیل حاملین عرش فرشوں کے سردار ہیں۔اس کے متعلق اور بہت سے قول ہیں۔(مرقات وغیرہ)[3] اس طرح کہ آثار غضب پر آثار رحمت غالب بھی ہیں اور زیادہ بھی' ورنہ خود رحمت وغضب بہت زیادہ ہوگا۔چنانچہ ربّ تعالٰی کی رحمت تمام مخلوق کو پہنچتی ہے اور غضب کسی کسی کو' کفار بھی ربّ کی رحمت ہی سے روزی پاتے ہیں۔بلاؤں سے محفوظ رہتے ہیں۔چنانچہ رحمت کے بارے میں خود فرماتا ہے: وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ (۷:۱۵۶) اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہے (کنزالایمان) اور عذاب کے بارے میں فرماتا ہے: عَذَابِیْۤ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ (۷:۱۵۶) میرا عذاب میں جسے چاہوں دوں (کنزالایمان) (از لمعات مع زیادۃ)۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰهِ مِائَةَ رَحْمَةٍ اَنْزَلَ مِنْهَا رَحْمَةً وَّاحِدَةً بَیْنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالْبَهَائِمِ وَالْهَوَامِّ فَبِهَا یَتَعَاطَفُوْنَ وَبِهَا یَتَرَاحَمُوْنَ وَبِهَا تَعْطِفُ الْوَحْشُ عَلٰى وَلَدِهَا وَاَخَّرَ اللّٰهُ تِسْعًا وَّتِسْعِیْنَ رَحْمَةً یَرْحَمُ بِهَا عِبَادَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَفِیْ رِوَایَةٍ لِّمُسْلِمٍ عَنْ سَلْمَانَ نَحْوُهٗ وَفِیْ اٰخِرِهٖ قَالَ فَاِذَا كَانَ یَوْمُ الْقِیٰمَةِ اَكْمَلَهَا بِهٰذِهِ الرَّحْمَةِ

(۲۲۵۶) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ کی سو رحمتیں ہیں[1] جن میں سے ایک رحمت جن' انسان' جانوروں اور کیڑے مکوڑوں کے درمیان اتاری جس سے یہ آپس میں ایک دوسرے پر مہربانی اور رحم کرتے ہیں[2] اس رحمت سے وحشی جانور اپنے بچے پر مہربان ہوتے ہیں[3] اور ننانوے رحمتیں محفوظ رکھ چھوڑی جن سے اللہ تعالٰی قیامت کے دن اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا (مسلم بخاری) اور مسلم کی روایت میں حضرت سلمان سے اسی کی مثل ہے اس کے آخر میں ہے کہ فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ اس رحمت کو اس سے کامل فرمادے گا[4]

(۲۲۵۶)۱؎ یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سو قسم کی ہے یا سینکڑوں قسم کی جن میں سے ہر قسم کے ماتحت ہزار ہا انواع ہیں ہر نوع کے نیچے ہزاروں صنفیں ہیں اور ہر صنف کے تحت ہزار ہا افراد غرضیکہ یہ حدیث حد بندی (تحدید) کیلئے بلکہ تکثیر و زیادت کیلئے ہے۲؎ یعنی ان سینکڑوں اقسام میں سے ایک قسم یا کروڑوں افراد میں سے ایک فرد دنیا میں بندوں میں بانٹ دی گئی ہے جس کے حصے ہو کر ماں باپ بہن بھائی قرابت دار دوستوں کو ملے۳؎ وحشی جانوروں کا ذکر خصوصیت سے اس لیے فرمایا کہ ان میں الفت و محبت کم ہے۔نفرت و غضب زیادہ یعنی وحشی درندے بھی اس رحمت کے حصے سے اپنے بچوں پر مہربان ہیں۔اگر ربّ تعالیٰ ماں کے دل میں محبت پیدا نہ کرے تو وہ اپنے بچوں پر ہرگز مہربان نہ ہو جیسے ناگن اور مچھلی کہ ناگن تو اپنے بچوں کو کھا جاتی ہے۔مچھلی اپنے بچوں کو پہچانتی بھی نہیں اور اگر ربّ محبت پیدا فرمادے تو پتھر اور درخت محبت کرنے لگیں۔دیکھو احد پہاڑ حضور سے محبت کرتا ہے۔درخت گھاس پھوس حضور پر نثار ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم)۴؎ بندوں سے مراد مومن بندے ہیں اور ننانوے کا عدد تحدید کیلئے بلکہ زیادتی کیلئے ہے یا یہ مقصد ہے کہ ایک قسم کی رحمت کا ظہور تو دنیا میں ہو رہا ہے اور ننانوے قسم کی رحمت کی جلوہ گری آخرت میں ہوگی۔لہذا یہ حدیث اس روایت کیخلاف نہیں ہے جس میں ارشاد ہوا کہ روزانہ کعبہ معظّمہ پر ایک سو بیس رحمتیں نازل ہوتی ہیں جس سے ساٹھ طواف کرنے والوں پر چالیس وہاں نماز پڑھنے والوں پر' اور بیس رحمتیں کعبہ کو دیکھنے والوں پر (از مرقات)۵؎ یعنی قیامت کے دن ان ننانوے رحمتوں کو اس دنیا کی ایک رحمت سے ملا کر پورے سو فرمائے گا۔معلوم ہوا کہ وہاں دنیوی رحمت بھی ہوگی مگر صرف مسلمانوں میں کفار تو عذاب دیکھ کر اپنی اولاد ماں باپ سے بھی بیزار ہوں گے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ يَعْلَمُ الْمُؤْمِنُ مَاعِنْدَاللّٰهِ مِنَ الْعُقُوْبَةِ مَاطَمِعَ بِجَنَّتِهٖ اَحَدٌ وَّلَوْ يَعْلَمُ الْكَافِرُ مَا عِنْدَاللّٰهِ مِنَ الرَّحْمَةِ مَا قَنَطَ مِنْ جَنَّتِهٖ اَحَدٌ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۲۵۷) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر مومن جان لیتا کہ اللہ کے پاس کتنا عذاب ہے تو کوئی بھی اس کی جنت کی امید نہ رکھتا اور اگر کافر جان لیتا کہ اللہ کے پاس کتنی رحمت ہے تو اس کی جنت سے کوئی ناامید نہ ہوتا۱؎ (مسلم بخاری)

(۲۲۵۷)۱؎ اس میں ربّ تعالیٰ کی انتہائی رحمت و عذاب کا ذکر ہے یعنی اس قدر بیان کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت و عذاب کسی کے خیال میں نہیں آسکتی۔اگر ان کی حقیقت معلوم ہوجائے تو عذاب دیکھ کر مومن کی آس ٹوٹ جائے اور اس کی رحمت میں غور کرکے کافر کی یاس جاتی رہے۔خلاصہ یہ ہے کہ نیک کار کو بھولنا نہ چاہیے کیونکہ اللہ جبار و قہار ہے اور گنہگار کو مایوس نہ ہونا چاہیے کیونکہ اللہ ستار و غفار ہے۔حضرت عمر فرماتے ہیں کہ اگر قیامت میں ربّ تعالیٰ اعلان فرمائے کہ صرف ایک ہی بندہ جنتی ہے تو مجھے امید ہو کہ شاید میں ہی ہونگا اور اگر اعلان ہوجائے کہ صرف ایک ہی بندہ دوزخی ہے تو مجھے خطرہ ہوگا کہ وہ میں ہی ہوں۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ بندہ پر زندگی میں خوف غالب چاہیے اور مرتے وقت امید۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْجَنَّةُ اَقْرَبُ اِلٰى اَحَدِكُمْ مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهٖ وَالنَّارُ مِثْلُ ذٰلِكَ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۲۲۵۸) روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت تم سے تمہارے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے اور آگ بھی ایسی ہی ہے۱؎ (بخاری)

(۲۲۵۸)۱؎ اس طرح کہ کبھی منہ سے بری بات نکل جاتی ہے تو ساری عمر کی نیکیاں برباد ہوجاتی ہیں اور بندہ دوزخی ہوجاتا ہے اور کبھی منہ سے ایک بات اچھی نکل جاتی ہے جو ربّ کو پسند ہو اس سے بندہ کے عمر بھر کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور وہ جنتی ہوجاتا ہے۔غرضیکہ

ایک لفظ میں جنت و دوزخ ہے۔ چونکہ جنت و دوزخ اپنے عمل سے ملتی ہیں اور ان کے راستے عمل کے قدموں سے طے ہوتے ہیں۔اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قرب کو جوتے کے تسمے سے تشبیہ دی یعنی ایک قدم میں جنت ہے اور ایک قدم میں دوزخ۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَجُلٌ لَّمْ يَعْمَلْ خَيْراً قَطُّ لِاَهْلِهٖ وَفِیْ رِوَايَةٍ اَسْرَفَ رَجُلٌ عَلٰى نَفْسِهٖ فَلَمَّا حَضَرَهُ الْمَوْتُ اَوْصٰى بَنِيْهِ اِذَا مَاتَ فَحَرِّقُوْهُ ثُمَّ اذْرُوْا نِصْفَهٗ فِی الْبَرِّ وَنِصْفَهٗ فِی الْبَحْرِ فَوَاللّٰهِ لَئِنْ قَدَرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ لَيُعَذِّبَنَّهٗ عَذَاباً لَايُعَذِّبُهٗ اَحَداً مِنَ الْعٰلَمِيْنَ فَلَمَّا مَاتَ فَعَلُوْا مَا اَمَرَهُمْ فَاَمَرَ اللّٰهُ الْبَحْرَ فَجَمَعَ مَا فِيْهِ وَاَمَرَ الْبَرَّ فَجَمَعَ مَا فِيْهِ ثُمَّ قَالَ لَهٗ لِمَ فَعَلْتَ هٰذَا قَالَ مِنْ خَشْيَتِكَ يَا رَبِّ وَاَنْتَ اَعْلَمُ فَغَفَرَلَهٗ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۲۵۹) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص جس نے کبھی کوئی نیکی نہ کی تھی۔اس نے اپنے گھر والوں سے کہا اور ایک روایت میں یوں ہے کہ ایک شخص نے اپنی جان پر زیادتی کی تھی جب اسے موت آئی تو اس نے اپنی اولاد کو وصیت کی۱؎ کہ جب وہ مر جائے تو اسے جلا دو پھر اس کو آدھا جنگل میں اور آدھا دریا میں اڑادو۲؎ رب کی قسم اگر اللہ نے اس پر تنگی کی تو اسے وہ عذاب دے گا جو جہانوں میں کسی کو نہ دے۳؎ پھر جب وہ مر گیا جو اس نے کہا تھا وہ ان لوگوں نے کیا۔اللہ نے دریا کو حکم دیا تو اس نے اپنے اندر کا سب جمع کر دیا اور جنگل کو حکم دیا تو اس نے اپنے اندر کا جمع کر دیا پھر اس نے فرمایا کہ تو نے یہ حرکت کیوں کی وہ بولا یارب تیرے ڈر سے تجھے تو خود خبر ہے اسے رب نے بخش دیا۴؎ (مسلم بخاری)

(۲۲۵۹)۱؎ غالب یہ ہے کہ یہ شخص کوئی اسرائیلی تھا کیونکہ بنی اسرائیل نے بارہا خوف الٰہی میں بڑی بڑی مشقتیں جھیلی ہیں اور یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب انبیاء کرام کی تعلیم دنیا سے گم ہو چکی تھی۔لوگ ربّ تعالٰی کی صفات سے بے خبر ہو گئے تھے۔لہذا اگلے واقعہ پر کوئی اعتراض نہیں۲؎ اگرچہ اس زمانہ میں دفن کا رواج تھا مگر اس ناسمجھ نے خیال کیا کہ دفن ہونے کی صورت میں میری لاش ایک ہی جگہ ہوگی جسے ربّ دوبارہ زندگی بخش دے گا اور اگر میری مٹی کے ذرے دریا اور خشکی میں بکھر گئے تو ربّ اسے جمع نہ کرے گا یا جمع نہ کر سکے گا۔اس کا یہ خیال قدرت الٰہی سے بے خبری کی بنا پر تھا اور یہ بے خبری نور نبوت نہ پہنچنے کی وجہ سے تھی۔لہذا یہ بندہ معذور تھا اور اسے اس بنا پر کافر نہیں کہہ سکتے۔کیونکہ ایسے زمانہ میں نجات کیلئے صرف عقیدہ توحید کافی ہوتا ہے۔۳؎ یہ معنی بہت نفیس ہیں کہ قَدَرَ قَدْرٌ سے بنا نہ کہ قُدْرَۃٌ سے ربّ تعالٰی فرماتا ہے: فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ (۱۶:۸۹) اور اس کا رزق اس پر تنگ کرے (کنزالایمان) اور یونس علیہ السلام کے بارے میں فرماتا ہے: فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ (۲۱،۸۷) تو گمان کیا کہ ہم اس پر تنگی نہ کریں گے۔ (کنزالایمان) اگر یہ قُدْرَۃٌ سے بنتا تو اس میں خدا کی قدرت کا انکار ہوتا جو کفر ہے۔یہی معنی مرقات نے کیے۔یعنی اگر ربّ نے مجھ پر تنگی کی اور میرا حساب لیا تو مجھے عذاب دے گا۔خلاصہ یہ کہ تم میری میت کو خود یہ عذاب دے دینا (جلا کر اڑا کر) تاکہ ربّ تعالٰی مجھ پر عذاب نہ کرے۔اگر قُدْرَۃٌ سے ہو جیسا کہ بعض شارحین نے فرمایا تو یہی کہا جائے گا کہ یہ بندہ صفات الٰہی سے خبردار نہ تھا۴؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ مردہ کو جلا ڈالنے اور اس کی مٹی کو اڑا دینے سے مردہ حساب و عذاب سے نہیں بچ سکتا۔ربّ تعالٰی ایک آن میں اس کے تمام ذرے جمع فرما کر حساب بھی لے لیتا ہے اور عذاب وثواب بھی دے دیتا ہے۔جیسا کہ عذاب قبر کے باب میں عرض کر چکے ہیں۔دوسرے یہ کہ زمانہ فترت کے لوگ صرف عقیدہ توحید پر بخشے جائیں گے۔صفات الٰہی سے غفلت اور گناہوں پر ان کی پکڑ نہ ہوگی۔سوائے حقوق العباد اور ظلم کے کہ ظلم کی سزا تو جانوروں کو بھی ملے گی۔تیسرے یہ کہ خوف خدا ربّ تعالٰی کی بڑی ہی نعمت ہے جس سے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔دیکھو یہ بندہ عمر بھر کا گنہگار تھا

محض غلبہ خوف الٰہی سے بخشا گیا۔ چوتھے یہ کہ عذاب وثواب کا حکم تو مرتے ہی ہو جاتا ہے۔ اس کا ظہور قیامت میں ہوگا۔

وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَدِمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْيٌ فَاِذَا امْرَاَةٌ مِّنَ السَّبْيِ قَدْ تَحَلَّبَ ثَدْيُهَا تَسْعٰى اِذَا وَجَدَتْ صَبِيًّا فِي السَّبْيِ اَخَذَتْهُ فَاَلْصَقَتْهُ بِبَطْنِهَا وَاَرْضَعَتْهُ فَقَالَ لَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتُرَوْنَ هٰذِهٖ طَارِحَةً وَّلَدَهَا فِي النَّارِ فَقُلْنَا لَا وَهِيَ تَقْدِرُ عَلٰى اَنْ لَّا تَطْرَحَهٗ فَقَالَ اَللّٰهُ اَرْحَمُ بِعِبَادِهٖ مِنْ هٰذِهٖ بِوَلَدِهَا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۲۶۰) روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کچھ قیدی آئے تو قیدیوں میں ایک عورت کی چھاتیاں دودھ سے چھلک رہی تھیں۱ وہ دوڑ رہی تھی جب قیدیوں میں کوئی بچہ پاتی اپنے پیٹ سے چمٹا لیتی اور اسے دودھ پلا دیتی۲ تب ہم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم یہ خیال کر سکتے ہو کہ یہ عورت اپنے بچہ کو آگ میں پھینک دے ہم نے عرض کیا اگر وہ پھینکنے پر قادر ہو تو کبھی نہ پھینکے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ مہربان ہے جتنی یہ اپنے بچے پر۳ (مسلم بخاری)

(۲۲۶۰) ۱؎ کیونکہ اس کا بچہ اس سے جدا ہو چکا تھا اور یہ نئی والدہ تھی تحلب حلب سے بنا جس کے معنی ہیں دودھ دوہنا یہاں دودھ کی وہ کثرت مراد ہے جسے پستان نہ سنبھال سکیں اور دودھ ٹپکنے لگے۲؎ تاکہ دودھ کا جوش کچھ کم ہو جائے۔ نیز وہ اپنے بچہ کو یاد کر کے دوسرے بچوں پر مہربانی کرتی تھی (مرقات) ۳؎ جیسے ماں نہیں چاہتی کہ میرا بچہ آگ میں جلے‘ ایسے رب تعالیٰ نہیں چاہتا کہ میرا بندہ آگ میں جلے‘ وہ تو ماں سے زیادہ مہربان ہے۔ خیال رہے کہ یہاں چاہنا بمعنی راضی ہونا ہے نہ کہ بمعنی ارادہ کرنا رب تعالیٰ نہ کفر سے راضی ہے نہ فسق سے دنیا کا ہر کام رب تعالیٰ کے ارادے سے ہے نہ کہ اس کی رضا سے لوگ اپنی حرکتوں سے دوزخ میں جاتے ہیں۔ رب تعالیٰ ان کے اس جانے سے راضی نہیں۔ لہٰذا حدیث صاف ہے اس پر مسئلہ تقدیر کے اعتراضات نہیں پڑ سکتے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنْ يُّنْجِيَ اَحَدًا مِّنْكُمْ عَمَلُهٗ قَالُوْا وَلَا اَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ يَّتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ مِنْهُ بِرَحْمَتِهٖ فَسَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا وَاغْدُوْا وَرُوْحُوْا وَشَيْءٌ مِّنَ الدُّلْجَةِ وَالْقَصْدَ الْقَصْدَ تَبْلُغُوْا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۲۶۱) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو اس کا عمل نجات نہیں دے سکے گا۱ لوگوں نے عرض کیا نہ آپ کو یا رسول اللہ۲ فرمایا نہ مجھے مگر یہ کہ اللہ مجھے مہربانی سے اپنی رحمت میں چھپا لے۳ لہٰذا ٹھیک رہو میانہ رو رہو اور صبح شام اور کچھ اندھیری رات میں نیکیاں کرلیا کرو میانہ رو رہو میانہ رو رہو پہنچ جاؤ۴ (مسلم بخاری)

(۲۲۶۱) ۱؎ یعنی نیک اعمال دوزخ سے بچنے‘ جنت میں داخل ہونے کے اسباب تو ہیں مگر علت تامہ نہیں۔ بہت سے لوگ بغیر نیک عمل جنتی ہیں جیسے مسلمانوں کے ناسمجھ بچے یا دیوانے یا وہ جو مسلمان ہوتے ہی فوت ہو جائیں اور بعض لوگ نیکیوں کے باوجود دوزخی ہیں جیسے نیکیاں کرنے والے کفار یا جن کی نیکیاں مردود ہوگئیں۔ جنت ملنے کی علت تامہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ محض تخم درخت کی علت تامہ نہیں۔ بہت بار تخم ضائع ہو جاتا ہے۔ اس فرمان کا مقصد لوگوں کو نیکیوں سے روکنا نہیں ہے بلکہ نیکوں کو اپنے اعمال پر ناز کرنے سے بچانا ہے کہ اے پرہیزگارو اپنے اعمال پر غرور نہ کرو۔ رب تعالیٰ کا فضل مانگو شیطان کے اعمال سے اس کے انجام سے سبق لو۲؎ یعنی آپ کی نیکیاں تو قبولیت کی انتہائی منزل پر ہیں۔ کیا یہ بھی حصول جنت کیلئے کافی وافی نہیں۔ کیا آپ کو بھی اللہ کی رحمت درکار ہے۔ صحابہ سمجھے یہ تھے کہ ایسے موقع پر متکلم مستثنیٰ ہوتا ہے۔ شاید حضور یہ ہمارے لیے فرما رہے ہیں اس لیے یہ سوال کیا۔ اس سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ عمومی احکام پر حضور کو داخل نہ مانتے تھے۳؎ یتغمدنی غمد سے بنا بمعنی غلاف تلوار جو ہر طرف سے تلوار کو چھپائے ہوتا ہے۔ یعنی

میں بھی محض عمل سے بلا فضل الٰہی جنت کا حقدار نہیں' ہاں ربّ تعالٰی کی رحمت ہر طرف سے مجھے گھیرے تو جنت میری ہے۔ خیال رہے کہ تمام دنیا کیلئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت ہیں۔ ربّ تعالٰی فرماتا ہے: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (۲۱'۱۰۷) اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لئے (کنزالایمان) اور رحمت الٰہی جنت ملنے کا ذریعہ ہے۔ تو ہماری جنت کا وسیلہ عظمٰی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر خود ربّ تعالٰی کا فضل ربانی ہے: وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا (۴'۱۱۳) اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے (کنزالایمان) لہٰذا ہم اور رحمت سے جنتی ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم دوسری رحمت سے۔ سورج و چاند دونوں کو نور ربّ نے دیا مگر چاند کو سورج کے ذریعہ اور سورج کو بلاواسطہ اپنی طرف سے لہٰذا اس حدیث سے حضور کا ہماری مثل ہونا ثابت نہیں ہوتا ۴؎ اس طرح کہ عقائد درست رکھو عبادات میں درمیانی روش چلو کہ بقدر طاقت نوافل شروع کرو پھر ہمیشہ نبھا دو اور صرف فرائض پر کفایت نہ کرو بلکہ نوافل بھی ادا کیا کرو خصوصاً آخری رات میں عبادت کیا کرو کہ یہ چیزیں رحمت الٰہی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے خلاصہ یہ کہ جنت کا ذریعہ رحمت الٰہی ہے اور رحمت کا ذریعہ نیک اعمال ہیں۔ لہٰذا اعمال سے غافل نہ ہو۔ منزل قریب ہے خیال رہے کہ رات میں سفر زیادہ طے ہو جاتا ہے ایسے مسافرِ آخر رات کیلئے' رات کی عبادت سے جلد منزل مقصود پر پہنچ جاتا ہے۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُدْخِلُ اَحَدًا مِّنْكُمْ عَمَلُهُ الْجَنَّةَ وَلَا يُجِيْرُهُ مِنَ النَّارِ وَلَا اَنَا اِلَّا بِرَحْمَةِ اللّٰهِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۲۲۶۲) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کسی کو اس کا عمل نہ تو جنت میں پہنچا سکے گا نہ آگ سے بچا سکے گا اور نہ مجھے مگر اللہ کی رحمت سے ۱؎ (مسلم)

(۲۲۶۲) ۱؎ علماء فرماتے ہیں کہ دخول جنت اللہ کے فضل سے ہے اور وہاں کے درجات کا حصول اعمال کے وسیلہ سے ہے خواہ خود اپنے عمل ہوں یا اپنے ماں باپ یا اولاد کے عمل' اس حدیث کا یہ ہی مطلب ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال اللہ کے فضل سے جنت کا باعث بنے تو ماشما کس شمار میں ہیں۔

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَسْلَمَ الْعَبْدُ فَحَسُنَ اِسْلَامُهُ يُكَفِّرُ اللّٰهُ عَنْهُ كُلَّ سَيِّئَةٍ كَانَ زَلَّفَهَا وَكَانَ بَعْدُ الْقِصَاصُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ اِلٰى اَضْعَافٍ كَثِيْرَةٍ وَّالسَّيِّئَةُ بِمِثْلِهَا اِلَّا اَنْ يَّتَجَاوَزَ اللّٰهُ عَنْهَا (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۲۲۶۳) روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بندہ مسلمان ہو اور اس کا اسلام اچھا ہو ۱؎ تو اللہ تعالٰی اس کے سارے کیے ہوئے گناہ مٹا دیتا ہے ۲؎ اس کے بعد قصاص ہوتا رہتا ہے ۳؎ کہ نیکی تو دس گنے سے لے کر سات سو گنا بلکہ بہت زیادہ گنا تک ہے ۳؎ اور گناہ اس کے برابر یہ کہ اللہ تعالٰی معافی دے دے ۴؎ (بخاری)

(۲۲۶۳) ۱؎ اس طرح کہ اخلاص کے ساتھ دل سے مسلمان ہو منافقت سے کلمہ نہ پڑھے ۲؎ زمانہ کفر کے سارے گناہ اسلام سے ختم ہو جاتے ہیں۔ حقوق العباد معاف نہیں ہوتے۔ لہٰذا زمانہ کفر کے قرض ظلماً قتل وغیرہ اس کے ذمہ رہیں گے۔ اسی لیے سیئہ فرمایا گیا۔ معلوم ہوا کہ زمانہ کفر کی نیکیاں برباد نہیں ہوتیں بلکہ اسلام کے بعد وہ قبول ہو جاتی ہیں۔ ۳؎ یعنی مسلمان ہو چکنے کے بعد بدلہ ہوا کرے گا۔ اس بدلہ کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ ۳؎ یہ حدیث اس آیت کی تفسیر ہے مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا (۶'۱۶۰) جو ایک نیکی لائے تو اس کے لئے اس جیسی دس ہیں (کنزالایمان) اور مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ (۲'۲۶۱) ان کی کہاوت جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں (کنزالایمان) ۴؎ یہ ربّ تعالٰی کا فضل ہے کہ ایک نیکی پر سات سو بلکہ اس سے زیادہ تک جزاء اور ایک گناہ کی جزاء صرف ایک' مگر خیال رہے

کہ جیسا گناہ ویسی جزاء بعض گناہ وہ ہیں جن سے نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔غرضیکہ گناہ کی سزا مقدار میں نہ بڑھے گی۔رہی کیفیت اس میں فرق ہوگا۔پھر ربّ کی معافی کی دو صورتیں ہیں یا تو بندوں کو توبہ کی توفیق دے دی جائے یا بغیر توبہ ویسے ہی بخش دیا جائے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّاٰتِ فَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ لَهٗ عِنْدَهٗ حَسَنَةً كَامِلَةً فَاِنْ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ لَهٗ عِنْدَهٗ عَشْرَ حَسَنَاتٍ اِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ اِلٰى اَضْعَافٍ كَثِيْرَةٍ وَّمَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ لَهٗ عِنْدَهٗ حَسَنَةً كَامِلَةً فَاِنْ هُوَهَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ لَهٗ سَيِّئَةً وَّاحِدَةً (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۲۲۶۴) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی نے نیکیاں اور گناہ تحریر فرما دیئے ہیں۱ تو جو نیکی کا ارادہ کرے مگر کرے نہیں تو اسے اللہ تعالٰی اپنے ہاں ایک پوری نیکی لکھتا ہے۲ پھر اگر قصد کرے اور نیکی کرے تو اسے اپنے ہاں دس سے سات سو گنا تک بلکہ بہت زیادہ تک لکھ لیتا ہے۳ اور جو گناہ کا ارادہ کرے پھر کرے نہیں اس کیلئے بھی اللہ تعالٰی ایک پوری نیکی لکھ لیتا ہے۴ پھر اگر گناہ کا ارادہ کرے پھر کر بھی لے تو اسے اللہ تعالٰی ایک گناہ لکھتا ہے۵ (مسلم بخاری)

(۲۲۶۴)۱ اس طرح کہ ربّ کے حکم سے فرشتوں نے لوح محفوظ میں یا بندے کی تقدیر میں تحریر فرما دیئے یا نامہ اعمال لکھنے والا فرشتہ لکھتا رہتا ہے۔خیال رہے کہ نیکی ہر وہ عمل ہے جو ثواب کا باعث ہو اور گناہ ہر وہ عمل ہے جو عذاب کا سبب ہے لہذا ممنوعہ وقتوں میں نماز پڑھنا گناہ ہے اور حضور پر نمازیں یا جان فدا کر دینا ثواب ہے۔کبھی قضا نیکی ہو جاتی ہے اور ادا گناہ۲ معلوم ہوا کہ نیکی کا ارادہ بھی نیکی ہے اس پر بھی ثواب ہے مگر ثواب اور چیز ہے اداء فرض اور چیز لہذا صرف ارادہ سے فرض ادا نہ ہوگا ۳ یہ ثوابوں کا فرق کہ کسی کو ایک نیکی کا ثواب دس گنا کسی کو سات سو گنا کسی کو اس سے بھی زیادہ عامل کی نیت عمل کے موقع و محل سے ہے۔اکیلے نماز کا اور ثواب ہے باجماعت نماز کا کچھ اور ۴ خیال رہے کہ گناہ اور ہے اور گناہ کا پکا ارادہ کچھ اور پختہ ارادہ کر لینے پر انسان گنہگار ہو جاتا ہے۔یہاں خیال گناہ کا ذکر ہے۔لہذا یہ حدیث اس حدیث کیخلاف نہیں کہ جب دو مسلمان لڑیں اور ایک مارا جائے تو قاتل و مقتول دونوں جہنمی کیونکہ مقتول نے بھی قتل کا ارادہ کیا تھا اگرچہ پورا نہ کر سکا۔وہاں گناہ کا عزم بالجزم مراد ہے۔ایسے ہی جو چوری کرنے کا پورا ارادہ کرے مگر موقع نہ پائے وہ بھی گنہگار ہو گیا جو کفر کا ارادہ کرے وہ کافر ہو گیا۔لہذا حدیث واضح ہے خیال گناہ گناہ نہیں بلکہ بعد میں اس خیال سے توبہ کر لینا نیکی ہے ۵ اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ بغیر ارادہ گناہ صادر ہو جانا گناہ نہیں گناہ میں قصد و ارادہ عذاب کا باعث ہے۔اسی لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل اور ارادہ دونوں کا ذکر فرمایا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مَثَلَ الَّذِيْ يَعْمَلُ السَّيِّئَاتِ ثُمَّ يَعْمَلُ الْحَسَنَاتِ كَمَثَلِ رَجُلٍ كَانَتْ عَلَيْهِ دِرْعٌ ضَيِّقَةٌ قَدْ خَنَقَتْهُ ثُمَّ عَمِلَ حَسَنَةً فَانْفَكَّتْ حَلْقَةٌ ثُمَّ عَمِلَ اُخْرٰى فَانْفَكَّتْ اُخْرٰى حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَى

(۲۲۶۵) روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی مثال جو پہلے گناہ کرتا ہو پھر نیکیاں کرنے لگے۱ اس کی سی ہے جس پر تنگ زرہ تھی جو اس کا گلا گھونٹ رہی تھی پھر اس نے ایک نیکی کی تو ایک چھلا کھل گیا پھر دوسری نیکی کی تو دوسرا کھل گیا حتی کہ وہ زمین پر گر گئی۲ (شرح سنہ)

الْاَرْضِ (رَوَاهُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

(۲۲۶۵)۱؎ گناہ چھوڑ کر یا گناہ کے ساتھ ساتھ بعض لوگ پہلے صرف گناہ کرتے ہیں بعد میں گناہ چھوڑ کر صرف نیکیاں کرنے لگتے ہیں۔ یہ تو اعلیٰ درجہ کے ہیں اور بعض لوگ پھر بعد میں اگرچہ گناہ کرتے رہیں مگر نیکیاں بھی کرنے لگتے ہیں۔ یہ بھی غنیمت ہے۔ غالب یہ ہے کہ یہاں پہلی جماعت مراد ہے۲؎ یہ بہت نفیس مثال ہے کہ جیسے زرہ سارے جسم کو گھیر لیتی ہے اور اگر تنگ ہو تو تمام بدن کو تکالیف دیتی ہے ایسے ہی گناہوں میں گھرا ہوا ہر طرح برا ہوتا ہے۔ اللہ کے نزدیک بھی اور بندوں کی نگاہ میں بھی اس کی قلبی کوفت بھی رہتی ہے۔ نیکی سے دل کو خوشی ہوتی ہے گناہ سے دل کو رنج اگرچہ کبھی یہ خوشی وغم بعض اوقات محسوس نہ ہوں۳؎ اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ نیکیوں کی برکت سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ ربّ فرماتا ہے: اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ (۱۱:۱۱۴) بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں (کنزالایمان) یہ بھی پتا لگا اولاً انسان بتکلف نیکی کرتا ہے پھر آہستہ آہستہ اس کا عادی بن جاتا ہے اور قدرتی طور پر گناہوں سے نفرت ہو جاتی ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے: اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (۲۹:۴۵) بے شک نماز منع کرتی ہے بے حیائی اور بری بات سے (کنزالایمان) ربّ تعالیٰ ایسی نیکیاں نصیب فرمائے مطلب یہ کہ نیکیوں کے ذریعے آخر کار گناہوں کی زرہ بالکل کھل کر زمین پر گر جاتی ہے ہم سے دور ہو جاتی ہے۔

وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُصُّ عَلَى الْمِنْبَرِ وَهُوَ يَقُوْلُ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ قُلْتُ وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ الثَّانِيَةَ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ فَقُلْتُ الثَّانِيَةَ وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ الثَّالِثَةَ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ فَقُلْتُ الثَّالِثَةَ وَاِنْ زَنٰى وَ اِنْ سَرَقَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَاِنْ رَغِمَ اَنْفُ اَبِی الدَّرْدَاءِ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

(۲۲۶۶) روایت ہے حضرت ابی الدرداء سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو برسر منبر وعظ فرماتے سنا کہ حضور فرماتے تھے۱؎ کہ اس کیلئے جو اپنے ربّ کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے دو جنتیں ہیں میں نے کہا اگرچہ زنا کرے اگرچہ چوری کرے یا رسول اللہ حضور نے پھر دوبارہ یہی فرمایا کہ اس کیلئے جو اپنے ربّ کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے دو جنتیں ہیں میں نے دوبارہ کہا یا رسول اللہ اگرچہ زنا کرے اور چوری کرے حضور نے پھر فرمایا کہ اس کیلئے جو اپنے ربّ کے سامنے ہونے سے ڈرے دو جنتیں ہیں تیسری بار عرض کیا گیا کہ اگرچہ زنا و چوری کرے یا رسول اللہ تو فرمایا اگرچہ ابوالدرداء کی ناک رگڑ جائے۱؎ (احمد)

(۲۲۶۶)۱؎ یعنی جو کوئی اس خوف سے گناہ چھوڑ دے یا توبہ کرتا رہے کہ کل مجھے ربّ کے سامنے حاضر ہونا ہے اور اعمال کا حساب دینا ہے اسے دو جنتیں عطا ہوں گی۔ ایک جنت جسمانی، دوسری جنت جنانی و روحانی یا ایک جنت دنیا میں کہ اسے ہمیشہ قرب الٰہی میسر ہو گا جس سے وہ خوش وخرم رہے گا۔ دوسری آخرت میں ان دو جنتوں کی بہت تفسیریں ہیں مگر صرف زبانی طور پر خوف الٰہی کا محض دعویٰ نہ ہو بلکہ عمل بھی ہو۔ ربّ تعالیٰ ہم کو اپنا وہ خوف نصیب کرے جو گناہ چھوڑا دے۔ آمین یہ وہ گوہر ہے جو بادشاہوں کے خزانوں میں نہیں ملتا۲؎ یعنی اس سے پہلے اگرچہ چوری وزنا کر چکا ہو اگرچہ اس خوف کے بعد زنا و چوری کر بیٹھے تب بھی دو جنتوں کا مستحق ہے۔۳؎ یعنی اے ابوالدرداء اگر تم سوال کرتے کرتے اپنی ناک بھی رگڑ دو تب بھی حکم یہی رہے گا کہ اللہ سے ڈرنے والا دو جنتوں کا مستحق ہے۔ خواہ اس سے قبل کتنے ہی بڑے گناہ کیوں نہ کر چکا ہو اور اگرچہ اس کے بعد بھی غلطی سے گناہ کر بیٹھے خوف الٰہی وہ صابن ہے جو دل کے سارے میل دھو ڈالتا ہے یا وہ سورج ہے جس کی کرنیں گندی

سے گندی زمین کو خشک کر دیتی ہیں۔ حتیٰ کہ اگر مومن کو مرتے وقت بھی خوف خدا نصیب ہو جائے اور اسی حال میں مر جائے تو انشاء اللہ وہ بھی اس آیت کے ماتحت داخل ہے۔ مرقات نے یہاں فرمایا کہ خائف سے مراد مومن ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مومن کتنا ہی بڑا گنہگار کیوں نہ ہو مگر آخر کار دو جنتوں کا مستحق ہوگا۔ ایک اپنے ایمان کی جنت دوسرے ربّ کی عطا یا کافر کی میراث کی، معافی پا کر وہاں پہنچے یا سزا پا کر۔

وَعَنْ عَامِرِ ن الرَّام قَالَ بَيْنَا نَحْنُ عِنْدَهُ يَعْنِي عِنْدَالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَبَلَ رَجُلٌ عَلَيْهِ كِسَاءٌ وَّفِي يَدِهِ شَيْءٌ قَدِ الْتَفَّ عَلَيْهِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَرَرْتُ بِغَيْضَةِ شَجَرٍ فَسَمِعْتُ فِيهَا اَصْوَاتَ فِرَاخِ طَآئِرٍ فَاَخَذْتُهُنَّ فَوَضَعْتُهُنَّ فِي كِسَائِي فَجَآءَتْ اُمُّهُنَّ فَاسْتَدَارَتْ عَلٰى رَأْسِي فَكَشَفْتُ لَهَا عَنْهُنَّ فَوَقَعَتْ عَلَيْهِنَّ فَلَفَفْتُهُنَّ بِكِسَائِي فَهُنَّ اُولَآءِ مَعِي قَالَ ضَعْهُنَّ فَوَضَعْتُهُنَّ وَاَبَتْ اُمُّهُنَّ اِلَّا لُزُوْمَهُنَّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَعْجَبُوْنَ لِرُحْمِ اُمِّ الْاَفْرَاخِ فِرَاخَهَا فَوَالَّذِي بَعَثَنِي بِالْحَقِّ اَللّٰهُ اَرْحَمُ بِعِبَادِهٖ مِنْ اُمِّ الْاَفْرَاخِ بِفِرَاخِهَا اِرْجِعْ بِهِنَّ حَتّٰى تَضَعَهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَخَذْتَهُنَّ وَاُمُّهُنَّ مَعَهُنَّ فَرَجَعَ بِهِنَّ

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

(۲۲۶۷) روایت ہے حضرت عامر الرام سے[۱] فرماتے ہیں کہ ہم ان کے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھے کہ ناگہاں ایک شخص آیا جس پر کمبل تھا اس کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی جس پر کمبل لپیٹا تھا عرض کیا یا رسول اللہ میں ایک درخت کی جھاڑی پر گزرا تو میں نے اس جھاڑی میں چڑیا کے چوزوں کی آواز سنی[۲] میں نے انہیں پکڑ لیا اور اپنے کمبل میں رکھ لیا[۳] اتنے میں ان کی ماں آ گئی وہ میرے سر پر چکر لگانے لگی میں نے اس کے سامنے وہ بچے کھول دیئے وہ ان پر گر پڑی[۴] میں نے ان سب کو اپنے کمبل میں لپیٹ لیا وہ سب یہ میرے ساتھ ہیں فرمایا انہیں رکھ دو[۵] میں نے رکھ دیا ان کی ماں انہیں چمٹی رہی[۶] تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم ان چوزوں کی ماں کی اپنے بچوں سے اتنی مامتا پر تعجب کرتے ہو[۷] اس کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ مہربان ہے جتنی بچوں کی ماں چوزوں پر ہے پر انہیں واپس لے جاؤ حتیٰ کہ انہیں وہاں ہی رکھ آؤ جہاں سے پکڑا ہے اور ان کی ماں ان کے ساتھ رہی وہ انہیں واپس لے گیا[۸] (ابوداؤد)

(۲۲۶۷)[۱] رام اصل میں رامی تھا بمعنی تیر انداز چونکہ یہ فن تیر اندازی میں یکتا تھے۔ اس لیے ان کا نام عام رام پڑ گیا[۲] غیضہ وہ جنگل ہے جہاں بہت گھنے درخت ہوں جسے اردو میں جھاڑی کہتے ہیں۔ کبھی اس درخت کو بھی غیضہ کہہ دیتے ہیں جس کی جڑ ایک ہو تنے اور شاخیں بہت ہوں اور گھنی ہوں جن سے دھوپ نہ چھن سکے۔ یہاں دوسرے معنی ظاہر ہیں۔ یہ حضرت چرواہے تھے جو جانوروں کو چرانے کیلئے دور دور نکل جاتے ہیں ایسے واقعات ان کو زیادہ درپیش آتے ہیں۔ فراخ جمع فرخ کی ہے فرخ چڑیا کا وہ بچہ ہے جو ابھی اڑ نہ سکے اور اس کی ماں اسے دانہ دے[۳] معلوم ہوا کہ جنگل کی چڑیاں اور ان کے بچے کسی کی ملکیت نہیں ہر شخص انہیں پکڑ سکتا ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فعل پر انہیں تنبیہ نہ فرمائی۔ ہاں ایسے بچوں کی ماں سے جدا نہ کیا جائے بلکہ انہیں مع ماں کے اپنے گھر میں پال لے یا ان کی جگہ پہنچا دے، مگر کسی کا پالتو جانور اور اس کے بچے دوسرا آدمی نہیں پکڑ سکتا اگر پکڑے گا تو مجرم ہوگا[۴] صوفیاء فرماتے ہیں کہ عشق بے خوفی پیدا کرتا ہے اسی عشق سے دل میں قوت، بدن میں طاقت، طبیعت میں ہمت و جرأت پیدا ہوتی ہے۔ دیکھو چڑیا انسان سے ڈرتی ہے مگر بچوں کے عشق نے اس کے دل سے ڈر، نفرت سب نکال دیا۔ بلکہ کبھی ایسی چڑیا انسان پر حملہ کر دیتی ہے۔ جب دنیا کے عشق کا یہ حال ہے تو جسے اللہ تعالیٰ عشق مصطفیٰ نصیب کرے اس میں دلیری کیوں نہ پیدا ہو جائے۔ کربلا میں حسینی قافلہ ۷۲ آدمیوں پر مشتمل تھا اور مقابلہ میں بائیس ہزار یزیدی مگر حسینی قافلہ کی ہمت، شجاعت دلیری آج تک مشہور ہے۔ یہ دلیری کہاں سے آئی

انہی حضرتِ عشق کی کرشمہ سازی تھی ۵؎ یعنی اپنا کمبل زمین پر رکھ کر انہیں کھول دو تا کہ یہ نظارہ ہم سب بھی دیکھیں۔معلوم ہوا کہ جانوروں کی حرکات کا تماشا دیکھنا اگر لہو ولعب کی نیت سے نہ ہو بلکہ عبرت حاصل کرنے کی نیت سے ہو تو جائز ہے۔حرکتوں سے مراد ان کا ناچ و کود نہیں بلکہ وہ تو محض کھیل کود ہی ہے ٦؎ یعنی لوگوں کا اتنا مجمع دیکھ کر بھی اپنے بچوں سے نہ بھاگی بلکہ اپنی جان پر کھیل کر انہیں اپنے پروں میں چھپائے رہی ۷؎ بندوں سے مراد سارے بندے ہیں مومن ہوں یا کافر متقی ہوں یا فاجر پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ بارگاہ الٰہی میں گناہوں سے نفرت ہے نہ کہ گنہگار سے اسی رحمت کی بنا پر ربّ تعالٰی نے بندوں میں انبیاء و اولیاء بھیجے کافر یا مجرم خود اپنے کو مستحق کر لیتے ہیں۔ربّ تعالٰی انکے جہنم میں جانے سے راضی نہیں مولانا عطار فرماتے ہیں شعر:

خلق تر مبد از تو من تو سم زخود کز تو نیکی دیدہ ام وز خویش

۸؎ اس عبارت کی دو قرأتیں ہیں اُمُّهُنَّ کا رفع اور زبر مرقات اور اشعۃ اللمعات نے پہلی قرأت اختیار کی اور اس جملہ کو حال قرار دیا یعنی ان چوزوں کی ماں ان چوزوں کے ساتھ رہی۔دوسری قرأت کی بناء پر معنی یہ ہوں گے کہ ان بچوں کے ساتھ ان کی ماں کو بھی رکھ آؤ اس سے معلوم ہوا کہ جانوروں کے چھوٹے بچوں کو ان کی ماں سے الگ نہ کیا جائے اسلام نے جانوروں پر بھی رحم کرنے کا حکم دیا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَعْضِ غَزَوَاتِهٖ فَمَرَّ بِقَوْمٍ فَقَالَ مَنِ الْقَوْمُ قَالُوْا نَحْنُ الْمُسْلِمُوْنَ وَ امْرَأَةٌ تَحْصِبُ بِقِدْرِهَا وَ مَعَهَا ابْنٌ لَّهَا فَاِذَا ارْتَفَعَ وَهَجٌ تَنَحَّتْ بِهٖ فَاَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ اَنْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ نَعَمْ قَالَتْ بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ اَلَيْسَ اللّٰهُ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ قَالَ بَلٰى قَالَتْ اَلَيْسَ اللّٰهُ اَرْحَمَ بِعِبَادِهٖ مِنَ الْاُمِّ بِوَلَدِهَا قَالَ بَلٰى قَالَتْ اِنَّ الْاُمَّ لَا تُلْقِيْ وَلَدَهَا فِي النَّارِ فَاَكَبَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْكِيْ ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهٗ اِلَيْهَا فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُعَذِّبُ مِنْ عِبَادِهٖ اِلَّا الْمَارِدَ الْمُتَمَرِّدَ الَّذِيْ يَتَمَرَّدُ عَلَى اللّٰهِ وَاَبٰى اَنْ يَقُوْلَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

(۲۲۶۸) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں ہم بعض جہادوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے حضور انور ایک قوم پر گذرے پوچھا تم کون قوم ہو ۱؎ وہ بولے ہم لوگ مسلمان ہیں ایک عورت ہانڈی کے نیچے آگ جلا رہی تھی ۲؎ جس کے ساتھ اس کا بچہ تھا جب آگ بھڑک کر اونچی ہوتی تو عورت بچہ کو دور ہٹا دیتی ۳؎ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی بولی کیا آپ رسول اللہ ہیں ۴؎ فرمایا ہاں بولی میرے ماں باپ، آپ پر فدا ہوں کیا اللہ تمام رحم والوں سے بڑھ کر رحیم نہیں ۵؎ فرمایا ہاں بولی کیا اللہ اپنے بندوں پر ماں کے اپنے بچہ سے زیادہ مہربان نہیں؟ فرمایا ہاں ٦؎ تو بولی کہ ماں تو اپنے بچہ کو آگ میں نہیں ڈالتی ۷؎ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر جھکا لیا بہت روئے پھر سر مبارک اس کی طرف اٹھا کر فرمایا اللہ تعالٰی اپنے بندوں میں صرف سرکش متکبر ہی کو عذاب دے گا جو اللہ تعالٰی پر سرکشی کرے اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے سے انکاری ہو ۹؎ (ابن ماجہ)

(۲۲۶۸) ۱؎ مسلمان ہو یا کفار غالبًا ان پر کوئی علامت موجود نہ تھی۔اسی لیے ان لوگوں نے جواب میں مسلمون فرمایا' یہ نہ کہا کہ ہم قریشی یا نضری ہیں۔خیال رہے کہ پوچھنا بے علمی کی دلیل نہیں۔اس پوچھنے میں اور بہت سی مصلحتیں ہوتی ہیں۔ربّ تعالٰی نے موسٰی علیہ السلام سے پوچھا تھا کہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے ۲؎ تحصب حصب سے بنا' حصب آگ روشن کرنے کو بھی کہتے ہیں اور ان تیلیوں و

ایندھن کو بھی جس سے آگ سلگائی جائے۔ ربّ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ (۲۱:۹۸) بے شک تم اور جو کچھ اللہ کے سوا تم پوجتے ہو سب جہنم کے ایندھن ہیں (کنزالایمان) تم اور تمہارے جھوٹے معبود دوزخ کا ایندھن ہیں ۳؎ یعنی اس عورت کا بچہ جو گھٹنوں چلتا تھا بار بار آگ کو کھلونا سمجھ کر دیگچی کے پاس آجاتا اور آگ کو پکڑنا چاہتا مگر عورت بار بار دور بٹھا آتی ۴؎ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اس سے پہلے کبھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہ کی تھی اور آج حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار خوشبو وغیرہ دیکھ کر آپ کو پہچان گئی۔ اسی لیے کسی دوسرے سے اس نے یہ سوال نہ کیا ۵؎ یعنی مخلوق میں بہت رحم کرنے والے ہیں۔ ماں باپ، استاذ، سلاطین، مگر ربّ تعالیٰ تمام سے زیادہ مہربان ہے یہ عرض آئندہ سوال کی تمہید ہے ۶؎ چونکہ ماں سب سے زیادہ مہربان ہے۔ اسی لیے اس نے ماں کے متعلق خصوصیت سے سوال کیا۔ ورنہ یہ سوال بھی پچھلے سوال میں آگیا تھا اور راحمین میں ماں بھی شامل تھی ۷؎ چنانچہ ملاحظہ فرمالیجئے کہ میں بچہ کی وجہ سے بار بار چولہا چھوڑتی ہوں اور بچے کو دور بٹھا کر آتی ہوں پھر ربّ تعالیٰ اپنے بندوں کو دوزخ میں کیوں بھیجے گا۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ کیسا پیارا سوال ہے۔ ۸؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ رونا اس عورت کی ممتا دیکھ کر اور پھر ربّ کی رحمت یاد فرما کر تھا۔ رونا کبھی خوف سے ہوتا ہے کبھی شوق سے کبھی ذوق سے کبھی جوش سے یہ رونا جوش سے تھا جو اللہ کی رحمت یاد آکر پیدا ہوا اور اس یاد کی وجہ سے عورت کے حال کا ملاحظہ فرمانا تھا۔ لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ یہ رونا کیوں تھا ۹؎ خلاصہ یہ ہے کہ عذاب صرف کفار کو ہوگا وہ بھی ان کے اپنے قصور و سرکشی سے جیسے مہربان ماں نالائق و سرکش بیٹے کو عاق کرکے نکال دیتی ہے۔ رہے گنہگار مسلمان، انہیں دوزخ میں کچھ روز کیلئے ڈالنا تعذیب نہیں بلکہ تہذیب ہے یعنی ان کی صفائی کرکے انہیں جنت کے لائق بنانا، جیسے سونے کو آگ میں تپا کر زیور بنا کر محبوب کے گلے کے لائق بنایا جاتا ہے تو یہ آگ گویا نالائق کیلئے رحمت ہوگی ماں گندگی میں بھرے ہوئے بچے کو سخت سردی میں نہلاتی دھلاتی ہے جس سے بچے کو تکلیف ہوتی ہے مگر اس سے اسے صفائی میسر ہو جاتی ہے۔

وَعَنْ ثَوْبَانَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْعَبْدَ لَيَلْتَمِسُ مَرْضَاةَ اللّٰهِ فَلَا يَزَالُ بِذٰلِكَ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لِجِبْرَئِيْلَ اِنَّ فُلَانًا عَبْدِيْ يَلْتَمِسُ اَنْ يُّرْضِيَنِيْ اَلَا وَاِنَّ رَحْمَتِيْ عَلَيْهِ فَيَقُوْلُ جِبْرَئِيْلُ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ عَلٰى فُلَانٍ وَّيَقُوْلُهَا حَمَلَةُ الْعَرْشِ وَيَقُوْلُهَا مَنْ حَوْلَهُمْ حَتّٰى يَقُوْلَهَا اَهْلُ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ ثُمَّ تَهْبِطُ لَهٗ اِلَى الْاَرْضِ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

(۲۲۶۹) روایت ہے حضرت ثوبان سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور نے فرمایا کہ بندہ اللہ کی رضا تلاش کرتا رہتا ہے ۱؎ اسی جستجو میں رہتا ہے ۱؎ اللہ تعالیٰ حضرت جبریل سے فرماتا ہے کہ فلاں میرا بندہ مجھے راضی کرنا چاہتا ہے مطلع رہو کہ اس پر میری رحمت ہے۔ ۲؎ تب حضرت جبرائیل کہتے ہیں فلاں پر اللہ کی رحمت ہے۔ یہ ہی بات حاملین عرش فرشتے کہتے ہیں یہ ہی ان کے اردگرد کے فرشتے کہتے ہیں حتی کہ ساتوں آسمان والے یہ کہنے لگتے ہیں ۳؎ پھر یہ رحمت اس کیلئے زمین پر نازل ہوتی ہے ۴؎ (احمد)

(۲۲۶۹) ۱؎ اس طرح کہ اپنے دینی و دنیاوی کاموں سے ربّ تعالیٰ کی رضا چاہتا ہے کہ کھاتا پیتا، سوتا جاگتا بھی ہے تو رضائے الٰہی کیلئے نماز و روزہ تو بہت ہی دور ہے خدا تعالیٰ اس کی توفیق نصیب کرے ۲؎ یعنی اس پر میری کامل رحمت ہے۔ اس طرح کہ میں اس سے راضی ہو گیا۔ خیال رہے کہ اللہ کی رضا تمام نعمتوں سے اعلیٰ نعمت ہے۔ جب ربّ تعالیٰ بندے سے راضی ہو گیا تو کونین بندے کے ہو گئے۔ ربّ تعالیٰ فرماتا ہے: رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (۹۸:۸) اللہ ان سے راضی وہ اللہ سے راضی (کنزالایمان) پھر بندے پر وہ وقت آتا ہے کہ ربّ تعالیٰ بندے کو راضی کرتا ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے متعلق فرماتا ہے وَلَسَوْفَ يَرْضٰى (۹۲:۲۱) اور بے شک قریب ہے

کہ وہ راضی ہوگا (کنزالایمان) اللہ تعالٰی صدیق کو اتنا دے گا کہ وہ راضی ہو جائیں گے۔ ۳؎ غرضیکہ آسمانوں میں اس کے نام کی دھوم مچ جاتی شور مچ جاتا ہے کہ رحمۃ اللہ علیہ یہ کلمہ دعائیہ ہے یعنی اللہ تعالٰی اس پر رحمت کرے۔ یہ دعا یا تو فرشتوں کی محبت کی وجہ سے ہوتی ہے یا خود وہ فرشتے اپنے قرب الٰہی بڑھانے کیلئے یہ دعائیں دیتے ہیں۔ اچھوں کو دعائیں دینا قرب الٰہی کا ذریعہ ہے جیسے ہمارا درود شریف پڑھنا شعر:

قلب کی حالت غنچہ بستہ اس کو کرم سے کر دو شگفتہ دے دعائیں حافظِ خستہ صلی اللہ علیہ وسلم

۴؎ اس طرح کہ قدرتی طور پر انسانوں کے منہ سے اس کیلئے نکلنے لگتا ہے رحمۃ اللہ علیہ یا رضی اللہ عنہ اور لوگوں کے دل خود بخود اس کی طرف کھنچنے لگتے ہیں۔ دلوں کی قدرتی کشش محبوبیت الٰہی کی دلیل ہے۔ دیکھئے حضور غوث پاک خواجہ اجمیری جیسے بزرگوں کو ہم لوگوں نے دیکھا نہیں مگر سب کو ان سے دلی محبت ہے۔ مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالٰی کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو حضرت جبریل سے فرماتا ہے میں فلاں سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو۔ حضرت جبریل آسمانوں میں اعلان کر دیتے ہیں کہ فلاں سے اللہ تعالٰی محبت کرتا ہے۔ آپ سب بھی اس سے محبت کریں۔ چنانچہ تمام فرشتے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر زمین میں اس کی مقبولیت پھیلا دی جاتی ہے۔ یہ حدیث اس کے قریب قریب ہی ہے یہ غیبی و قدرتی محبت ہے۔

وَعَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَّمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرَاتِ قَالَ كُلُّهُمْ فِي الْجَنَّةِ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ كِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ)

(۲۲۷۰) روایت ہے حضرت اسامہ ابن زید سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی اللہ عزوجل کے اس فرمان کے متعلق کہ بعض لوگ اپنی جانوں پر ظالم ہیں اور بعض میانہ رو ہیں اور بعض بھلائیوں میں سبقت لے جانے والے ۱؎ حضور نے فرمایا یہ سب جنتی ہیں ۲؎ (بیہقی کتاب البعث والنشور)

(۲۲۷۰) ۱؎ اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کی تین جماعتوں کا ذکر فرمایا ظالمین، میانہ روی، سابقین ظالمین وہ جن کے گناہ نیکیوں پر غالب ہوں۔ میانہ رو وہ جن کے دونوں عمل برابر ہوں۔ سابقین وہ جن کی نیکیاں گناہوں پر غالب ہوں۔ یا نیکیوں نے گناہ مٹا دیئے ہوں۔ ان تین کلمات کی اور بھی شرحیں کی گئی ہیں۔ ۲؎ اس طرح کہ سابقین تو بغیر حساب جنتی ہیں اور مقتصدین حساب یسیر کے بعد جنتی، اور ظالمین یا تو صرف سخت حساب کے بعد یا کچھ سزا پا کر جنتی، میں بیہقی اور ابن مردویہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعًا روایت کی کہ سابق تو سابق ہیں ہی اور مقتصد ناجی ہیں اور ظالم مغفور امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ رب تعالٰی نے ان تینوں فرقوں کو عبادنا فرمایا اپنے فضل و کرم سے اللہ تعالٰی اپنے سابقین بندوں کے طفیل سے ہم ظالمین پر رحم فرمائے۔ ہمارے گناہ معاف کرے۔ آمین آمین یا رب العالمین۔

بجاه نبيه الكريم وصلى الله تعالٰى على خير خلقه سيدنا محمدٍ وّاٰله وصحبه وسلم آمين

يارب العالمين الحمد لله الكريم

کہ مرآت شرح مشکوٰۃ جلد سوم ۱۶ جمادی الاوّل ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۶ نومبر ۱۹۵۹ء یوم دوشنبہ کو شروع ہو کر آج ۲۲ ربیع الاول ۱۳۸۰ھ مطابق ۱۵ ستمبر ۱۹۶۰ء پنج شنبہ کو ختم ہوئی۔ جو اس سے فائدہ اٹھائے وہ مجھ گنہگار کے لئے دعائے مغفرت و قبولیت فرمائے، رب تعالٰی اسے جزائے خیر دے گا۔

ناچیز: احمد یار خاں نعیمی اشرفی

مقیم گجرات، پاکستان

March 2019

اہلسنت وجماعت کا قرآن وسنت کا عظیم ادارہ

مرکز العلوم الاسلامیہ اکیڈمی

جہاں اسلامی اور عصری علوم کا عظیم امتزاج

مختصر تعارف

طلبہ:

شعبہ حفظ: 145 شعبہ ناظرہ: 240

شعبہ درس نظامی: 105 شعبہ تجوید: 10

اور انہیں شعبہ جات میں 400 سے زائد طلبا اسکول کی تعلیم انٹرتک حاصل کررہے ہیں نیز کم وبیش 100 طلباء مدرسے میں رہائش پذیر ہیں جن کے طعام وقیام اور میڈیکل کا مکمل خرچ مدرسہ برداشت کرتا ہے۔

مدرسہ کا اسٹاف

شعبہ حفظ و ناظرہ 14 اساتذہ شعبہ درس نظامی و تجوید 10 اساتذہ

شعبہ عصری علوم یعنی اسکول 11 اساتذہ باورچی 2 خادم 4 چوکیدار 2

کل طلبہ کم وبیش پانچ سو اور پورہ اسٹاف 43 افراد پر مشتمل ہے۔

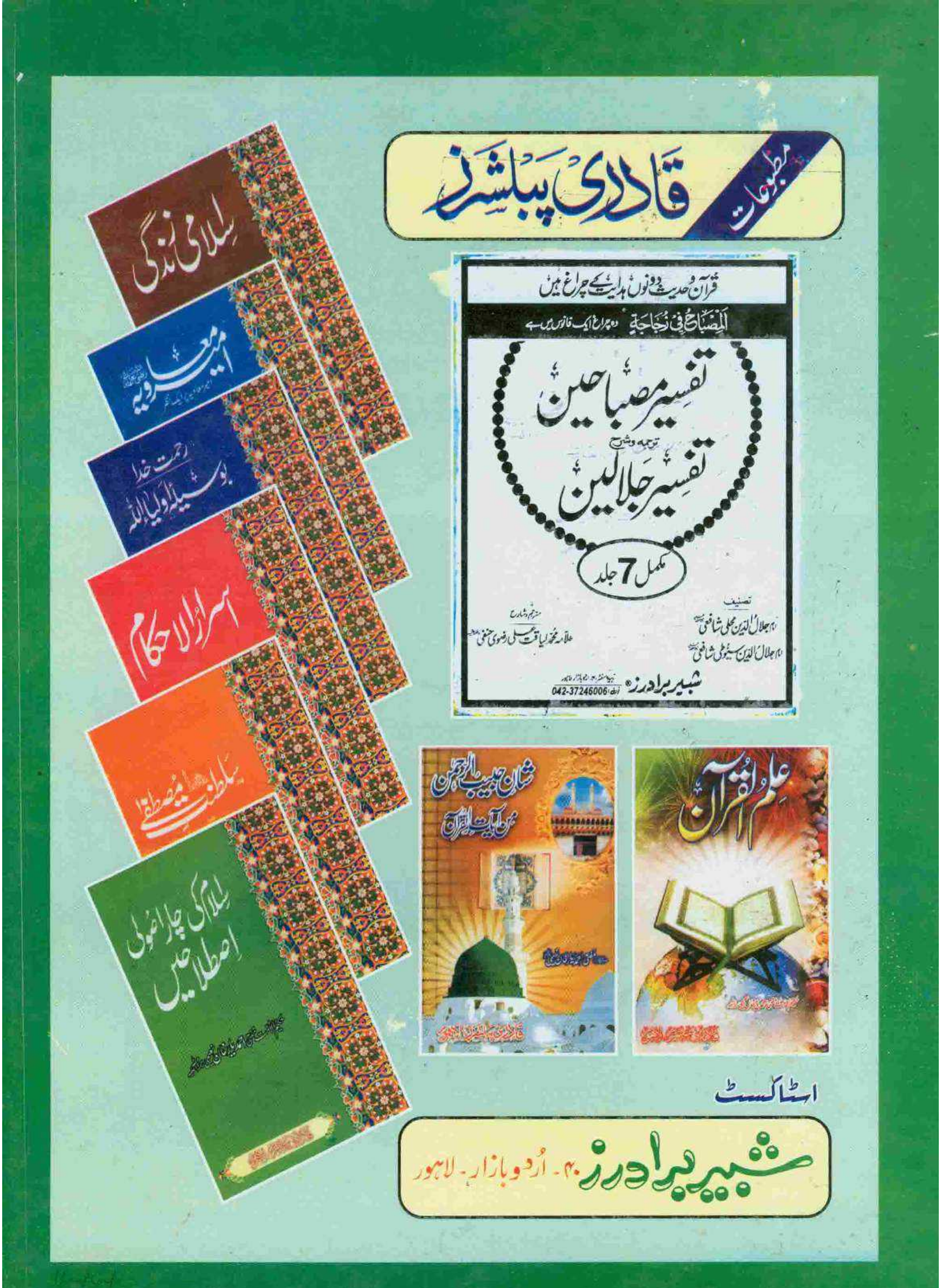
مرکز العلوم الاسلامیہ اکیڈمی میٹھادر کراچی پاکستان

DONATION

HABIB BANK LTD. BARNESS STREET BRANCH
ACC TITLE: MARKAZ UL ALOOM ISLAMIA (TRUST)
ACC NO: 0050002565 7003 - BRANCH CODE :0050

www.facebook.com/markazuloloom

https://www.waseemziyai.com https://www.youtube.com/waseemziyai


مطبوعات
قادری پبلشرز
قرآن وحدیث دونوں ہدایت کے چراغ ہیں
المصباح فی زجاجۃ وہ چراغ ایک فانوس میں ہے
تفسیر مصباحین
ترجمہ وشرح
تفسیر جلالین
مکمل 7 جلد
تصنیف
امام جلال الدین محلی شافعی
امام جلال الدین سیوطی شافعی
مترجم وشارح
علامہ محمد لیاقت علی رضوی حنفی
شبیر برادرز
042-37246006
اسلامی زندگی
امیر معاویہ
رحمت خدا بوسیلہ اولیاء اللہ
اسرار الاحکام
سلطنت مصطفے
اسلام کی چار اصولی اصطلاحیں
شان حبیب الرحمن من آیات القرآن
علم القرآن
اسٹاکسٹ
شبیر برادرز ۴۰۔ اردو بازار۔ لاہور